جلد:4
اِحیاءُ العُلوم
(مُترجَم)
مُصنِّف
حُجَّۃُ الاسلام حضرتِ سیِّدُنا امام محمد بن محمد غزالی شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی
مزار امام غزالی
المدینۃ العلمیۃ
(دعوتِ اسلامی)
شعبہ تراجم کتب

عُمدہ اَخلاق کی پہچان اور اُن کو اَپنانے کے طریقوں کا بیان

اِحْیَاءُ الْعُلُوْم مُتَرْجَم (جلد : 4)

مُصَنِّف

حُجَّۃُ الْاِسْلَام حضرت سیِّدُنا امام محمد بن محمد غزالی شافعی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللهِ الْکَافِی (اَلْمُتَوَفّٰی ۵۰۵ھ)

پیش کش: مجلس اَلْمَدِیْنَۃُ الْعِلْمِیَہ

(شعبہ تراجم کتب)

ناشر

مکتبۃ المدینہ باب المدینہ کراچی

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ الله   وَعَلٰی اٰلِكَ وَاَصْحٰبِكَ یَا حَبِیْبَ الله

نام کتاب	:	اِحیاءُ العُلُوم مُتَرجَم (جلد:4)
مُؤَلِّف	:	حُجَّۃُ الْاِسلام حضرت سیِّدُنا امام محمد بن محمد غزالی شافعی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الْکَافِی (اَلْمُتَوَفّٰی ۵۰۵ھ)
مُتَرجِمِین	:	مَدَنی عُلَما (شعبہ تراجم کتب)
پہلی بار	:	رجب المرجب ۱۴۳۵ھ، مئی 2014ء تعداد:5000 (پانچ ہزار)
ناشر	:	مکتبۃ المدینہ فیضان مدینہ محلّہ سوداگران پرانی سبزی منڈی باب المدینہ کراچی

تصدیق نامہ

تاریخ: ۱۰ ربیعُ الثّانی ۱۴۳۵ھ   حوالہ نمبر: ۱۹۱

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن

تصدیق کی جاتی ہے کہ کتاب "اِحیاءُ العُلُوم" (مترجم جلد:4، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ) پر مجلس تفتیشِ کُتُب ورسائل کی جانب سے نظرِ ثانی کی کوشش کی گئی ہے۔ مجلس نے اسے عقائد، کُفریہ عبارات، اَخلاقیات، فقہی مسائل اور عربی عبارات وغیرہ کے حوالے سے مقدور بھر مُلاحظہ کر لیا ہے، البتہ کمپوزنگ یا کتابت کی غلطیوں کا ذِمّہ مجلس پر نہیں۔

مجلس تفتیشِ کُتُب ورسائل (دعوتِ اسلامی)

11 - 02 - 2014

WWW.dawateislami.net, E.mail:ilmia@dawateislami.net

اجمالی فہرست

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ ط
اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

"میرے اخلاق اچھے ہوں" کے 16 حُروف کی نسبت سے اس کتاب کو پڑھنے کی "16 نیّتیں"

فرمانِ مصطفٰے صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم: نِیَّۃُ الْمُؤْمِنِ خَیْرٌ مِّنْ عَمَلِہٖ یعنی مسلمان کی نیّت اس کے عمل سے بہتر ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، ٦/١٨٥، حدیث: ٥٩٤٢)

دو مَدَنی پھول: (١) بِغیر اچّھی نیّت کے کسی بھی عملِ خیر کا ثواب نہیں ملتا۔

(٢) جتنی اچّھی نیّتیں زِیادہ، اُتنا ثواب بھی زِیادہ۔

(١) ہر بار حمد و صلوٰۃ اور تَعَوُّذ و تَسْمِیہ سے آغاز کروں گا۔ (اسی صَفْحَہ پر اُوپر دی ہوئی دو عَرَبی عبارات پڑھ لینے سے اس پر عمل ہو جائے گا)۔ (٢) رِضائے الٰہی کے لئے اس کتاب کا اوّل تا آخِر مطالَعہ کروں گا۔ (٣) حتَّی الْوَسْع اِس کا باوُضُو اور قبلہ رُو مُطالَعہ کروں گا۔ (٤) قرآنی آیات اور اَحادیثِ مبارَکہ کی زِیارت کروں گا۔ (٥) جہاں جہاں "**اللہ**" کا نام پاک آئے گا وہاں **عَزَّوَجَلَّ** اور جہاں جہاں "**سرکار**" کا اِسْمِ مبارَک آئے گا وہاں **صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم** اور جہاں جہاں کسی صحابی یا بزرگ کا نام آئے گا وہاں **رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ** اور **رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ** پڑھوں گا۔ (٦) رضائے الٰہی کے لئے علم حاصل کروں گا (٧) اس کتاب کا مطالعہ شروع کرنے سے پہلے اس کے مؤلِّف کو ایصال ثواب کروں گا۔ (٨) (اپنے ذاتی نسخے پر) عِنْدَ الضرورت خاص خاص مقامات انڈر لائن کروں گا۔ (٩) (اپنے ذاتی نسخے کے) "یادداشت" والے صَفْحَہ پر ضَروری نِکات لکھوں گا۔ (١٠) اولیا کی صفات کو اپناؤں گا۔ (١١) اپنی اصلاح کے لئے اس کتاب کے ذریعے علم حاصل کروں گا۔ (١٢) دوسروں کو یہ کتاب پڑھنے کی ترغیب دلاؤں گا۔ (١٣) اس حدیثِ پاک "تَہَادَوْا تَحَابُّوْا" ایک دوسرے کو تحفہ دو آپس میں محبت بڑھے گی۔ (مؤطا امام مالک، ٢/٤٠٧، حدیث: ١٧٣١) پر عمل کی نیت سے (ایک یا حسبِ توفیق) یہ کتاب خرید کر دوسروں کو تحفۃً دوں گا۔ (١٤) اس کتاب کے مطالَعہ کا ثواب ساری اُمّت کو ایصال کروں گا۔ (١٥) **اپنی اور ساری دنیا کے لوگوں کی اصلاح کی کوشش** کے لئے روزانہ فکرِ مدینہ کرتے ہوئے **مَدَنی انعامات** کا رسالہ پر کیا کروں گا اور ہر مدنی (اسلامی) ماہ کی 10 تاریخ تک اپنے یہاں کے ذمہ دار کو جمع کروا دیا کروں گا اور عاشقانِ رسول کے **مَدَنی قافلوں** میں سفر کیا کروں گا۔ (١٦) کتابت وغیرہ میں شَرْعی غلَطی ملی تو ناشرین کو تحریری طور پر مطّلع کروں گا (ناشرین وغیرہ کو کتابوں کی اَغلاط صِرف زبانی بتانا خاص مفید نہیں ہوتا)۔

المدینۃ العلمیہ

از: شیخِ طریقت، امیرِ اہلسنّت، بانیٔ دعوتِ اسلامی حضرت علّامہ مولانا **ابوبلال محمد الیاس عطّار** قادری رضوی ضیائی دَامَتْ بَرَکَاتُہُمُ الْعَالِیَہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی اِحْسَانِہٖ وَ بِفَضْلِ رَسُوْلِہٖ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم **تبلیغِ قرآن و سنّت کی عالمگیر غیر سیاسی تحریک "دعوتِ اسلامی"** نیکی کی دعوت، اِحیائے سنّت اور اشاعتِ علمِ شریعت کو دنیا بھر میں عام کرنے کا عزمِ مُصمّم رکھتی ہے، اِن تمام اُمور کو بحسن خوبی سر انجام دینے کے لئے متعدد مجالس کا قیام عمل میں لایا گیا ہے جن میں سے ایک مجلس "اَلْمَدِیْنَۃُ الْعِلْمِیَہ" بھی ہے جو **دعوتِ اسلامی** کے عُلما و مفتیانِ کرام کَثَّرَھُمُ اللہُ السَّلَام پر مشتمل ہے، جس نے خالص علمی، تحقیقی اور اشاعتی کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اس کے مندرجہ ذیل چھ شعبے ہیں:

(۱) شعبہ کتبِ اعلیٰحضرت (۲) شعبہ تراجمِ کتب (۳) شعبہ درسی کُتُب

(۴) شعبہ اصلاحی کتب (۵) شعبہ تفتیشِ کتب (۶) شعبہ تخریج

"اَلْمَدِیْنَۃُ الْعِلْمِیَہ" کی اوّلین ترجیح سرکارِ اعلیٰ حضرت، اِمامِ اَہلسنّت، عظیم البَرَکت، عظیمُ المرتبت، پروانۂ شمعِ رِسالت، مُجَدِّدِ دین وملّت، حامیٔ سنّت، ماحیٔ بِدعت، عالِمِ شَرِیْعَت، پیرِ طریقت، باعثِ خَیْر وبَرَکت، حضرتِ علّامہ مولانا الحاج الحافِظ القاری شاہ امام اَحمد رَضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن کی گِراں مایہ تصانیف کو عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق حتَّی الْوَسْع سَہْل اُسلُوب میں پیش کرنا ہے۔ تمام اسلامی بھائی اور اسلامی بہنیں اِس عِلمی، تحقیقی اور اشاعتی مدنی کام میں ہر ممکن تعاون فرمائیں اور مجلس کی طرف سے شائع ہونے والی کُتُب کا خود بھی مطالَعہ فرمائیں اور دوسروں کو بھی اِس کی ترغیب دلائیں۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ "**دعوتِ اسلامی**" کی تمام مجالس بَشُمُول "**اَلْمَدِیْنَۃُ الْعِلْمِیَہ**" کو دن گیارہویں اور رات بارہویں ترقّی عطا فرمائے اور ہمارے ہر عملِ خیر کو زیورِ اِخلاص سے آراستہ فرما کر دونوں جہاں کی بھلائی کا سبب بنائے۔ ہمیں زیرِ گنبدِ خضرا شہادت، جنّت البقیع میں مدفن اور جنّت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے۔

اٰمِیْن بِجَاہِ النَّبِیِّ الْاَمِیْن صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ

پہلے اسے پڑھ لیجئے!

ہر انسان ترقّی کا خواہش مند ہے اور اپنے اپنے اصولوں کے مطابق ترقّی کرنا چاہتا ہے۔ کوئی کاروبار میں اضافے کو ترقی سمجھتا ہے تو کوئی اپنا معیارِ زندگی بلند کر لینے کو ترقی قرار دیتا ہے اور کوئی مثبت انداز میں اِرتقا کے مراحِل عُبُور کرنے کو ترقّی کا نام دیتا ہے مگر اصل ترقی کیا ہے؟ تو سنیئے اصل ترقّی عُمدہ اخلاق اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مضبوط کردار کا نام ہے اور کردار کی مضبوطی یہ ہے کہ بندہ اپنے اعمال کی بنیاد اچھے اخلاق جیسے توبہ و رجوع، خوف و رجا، مراقبہ و محاسبہ، فقر و زہد، محبت و رضا، فکر و عبرت اور توکل وغیرہ پر رکھ کر ہر حال میں اس پر ڈٹا رہے۔ دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ جن قوموں کے اَخلاق عمدہ تھے وہ ترقّی کے بامِ عُرُوج پر پہنچ گئیں مگر جب انہوں نے مادی اشیاء کی طرف دھیان دینا شروع کیا اور اس میں کھو کر رہ گئے تو ان کے اخلاق میں پستی آنا شروع ہو گئی اور یہ اخلاقی پستی ان قوموں کے زوال کا سبب بن گئی۔ بنی اسرائیل کی مثال ہمارے سامنے ہے اور یہی حادثہ اس اُمَّتِ مسلمہ کے ساتھ پیش آیا کہ جب اِس اُمَّت نے اپنے پیارے نبی، حضرت محمد مصطفٰے صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بتائے ہوئے عُمدہ اخلاق اور رِضائے ربُّ الْاَنام والے کاموں کو اپنایا تو سارے جہاں میں ان کی ترقّی کی دھوم تھی لیکن جب ان اخلاقی خوبیوں کی جگہ برائیوں نے لی تو ترقّی تنزلی میں تبدیل ہو کر رہ گئی اور حقیقت یہ ہے کہ اخلاقی خوبیوں پر استقامت کے ساتھ عمل پیرا ہونا اور اس میں آہستہ آہستہ اضافہ کرتے جانا نہ صرف جسمانی و دنیاوی ترقّی کا باعث ہے بلکہ معرفت و حقیقت، بلندیٔ درجات، نجاتِ آخرت، منصَبِ محبوبیت اور قُربِ خداوندی جیسی روحانی ترقّی کا بھی سبب ہے۔ چنانچہ

حدیثِ قُدسی میں **اللہ** عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: ”میرا بندہ فرائض کی ادائیگی کے ذریعے جتنا میرا قرب حاصل کرتا ہے اس کی مثل کسی دوسرے عمل سے حاصل نہیں کرتا اور میرا بندہ نوافل (کی کثرت) سے میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں اور جب میں اسے محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں۔“[1]

1...بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، ۴/ ۲۴۸، حدیث: ۶۵۰۲

پیارے اسلامی بھائیو! اس حدیثِ قُدسی میں گویا اِنسانی ترقّی کی معراج کو بیان کیا گیا ہے کہ اگر بندہ صحیح معنوں میں اللہ ورسول عَزَّوَجَلَّ و صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بتائے ہوئے عُمدہ اَخلاق واَحکام پر سچے دل کے ساتھ کاربند ہوجائے یوں کہ بندہ اپنے گناہوں سے توبہ کرے، صبر وشکر کا دامن تھامے رہے، خوف وخشیت کے ساتھ ساتھ امیدِ رحمت رکھے، خواہشات سے کنارہ کش ہو کر فقر وزُہد میں زندگی بسر کرے، توحیدِ باری تعالٰی کو سامنے رکھتے ہوئے توکُّل اختیار کرے، ربُّ العالمین جَلَّ جَلَالُہٗ کی محبت وشوق اور اُنسِیَّت ورِضا پر ثابت قدم رہے، صدق واخلاص کا پیکر بنے اور نیت کو درست رکھے، مراقبہ ومحاسبہ کو حلیف خاص رکھے، فکر وعبرت کو اہمیت دے اور بالخصوص موت اور اس کے بعد کے احوال یاد رکھے تو ترقّی وکامیابی اس کے قدم چومے گی اور دنیا وآخرت میں سُرخُروئی اس کا مقدر بن جائے گی۔

اس وقت آپ کے ہاتھوں میں عالمگیر شُہرت کی حامل کتاب ''اِحْیَاءُ الْعُلُوْم'' کی چوتھی جلد کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ اردو میں دو جلدوں پر مشتمل ہوگا۔ عنقریب ترجمے کی پانچویں جلد بھی آپ کے ہاتھوں میں ہوگی۔ اس چوتھی اور عنقریب آنے والی پانچویں جلد میں ایسے ہی عمدہ اخلاق کو بیان کیا گیا ہے جو ایک بندے کو ترقّی کی شاہراہ پر گامزن کرتے ہیں۔ اِن کو اصطلاحِ تَصَوُّف میں ''مُنْجِیَات'' (نجات دلانے والے امور) کہا جاتا ہے۔ خود مُصَنِّفِ کتاب، حُجَّةُ الْاِسْلَام حضرت سیِّدُنا امام محمد بن محمد غزالی شافعی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْکَافِی ان کے بارے میں فرماتے ہیں: میں مُنْجِیَات کے بیان میں ہر اس قابلِ تعریف خصلت وخوبی کو بیان کروں گا جس میں رغبت کی جاتی ہے یعنی مُقَرَّبِیْن اور صِدِّیْقِیْن کی وہ عادات جن کے ذریعے بندہ اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کا قرب حاصل کرتا ہے۔[2]

علامہ سیِّد محمد مُرتضٰی زبیدی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: حضرت سیِّدُنا امام غزالی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْوَالِی نے کتاب کے اس حصے (یعنی مُنْجِیات) میں ہر خصلت کے متعلق چھ چیزیں بیان فرمائی ہیں: اس کی تعریف، حقیقت، سبب، نتیجہ، علامت اور فضیلت۔[3]

ان دونوں جلدوں میں بیان کردہ خصلتیں اور عُمدہ اَخلاق درج ذیل ہیں: (۱) توبہ کا بیان (۲) صبر وشکر کا بیان (۳) خوف ورجا کا بیان (۴) فقر وزہد کا بیان (۵) توحید وتوکُّل کا بیان (۶) شوق ومحبت اور انس ورضا کا بیان (۷) نیت

---

2 ...احیاء العلوم، مقدمة المصنف، ۱/ ۱۷

3 ...اتحاف السادة المتقین، ۱/ ۸۹

اخلاص اور صدق کا بیان (۸) مراقبہ و محاسبہ کا بیان (۹) فکر و عبرت کا بیان (۱۰) موت اور اس کے بعد کا بیان۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کا کروڑہا کروڑ شکر کہ **ربیع الاول ۱۴۳۲ھ بمطابق فروری** 2011ء میں شروع ہونے والا اِحْیَاءُ الْعُلُوْم کا ترجمہ **ربیع الاول ۱۴۳۵ھ بمطابق جنوری** 2014ء کو پایۂ تکمیل تک پہنچا (چاروں جلدوں کا ترجمہ کم و بیش 5535 صفحات پر مشتمل ہے) اور یوں اِنتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور شجرِ اُمید ثمر بار ہو گیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ عَزَّوَجَلَّ! اس جلد پر کل 12 اِسلامی بھائیوں نے ترجمہ، نظرِ ثانی، تفتیش، پروف ریڈنگ اور تخریج وغیرہ کے کام کی سعادت حاصل کی بالخصوص پانچ اسلامی بھائیوں نے خوب کوشش کی: (۱) **ابو واصِف محمد آصف اقبال عطاری مَدَنی** (۲) **ابو محمد محمد عمران الٰہی عطاری مَدَنی** (۳) **محمد گل فراز عطاری مَدَنی** (۴) **ابو القیس محمد اُویس عطاری مَدَنی** (۵) **محمد امجد خان عطاری مَدَنی** سَلَّمَہُمُ الْغَنِی۔ اس کتاب کی شرعی تفتیش **دارُ الافتاء اہلسنّت** کے نائب مفتی حافظ **محمد حسان رضا عطاری مَدَنی** زِیْدَعِلْمُہٗ نے فرمائی ہے۔ کتاب کی پہلی اور دوسری جلد کی اشاعت پر بانیِ دعوتِ اسلامی، قبلہ شیخ طریقت، امیرِ اَہلسنت حضرت علّامہ مولانا **ابو بلال محمد الیاس عطّار** قادری رضوی ضیائی دَامَتْ بَرَکَاتُہُمُ الْعَالِیَہ نے شعبہ تراجِم کُتُب (عَرَبی سے اُردو) کے تمام اسلامی بھائیوں کو اِن دعاؤں سے نوازا: "**اللہ** عَزَّوَجَلَّ آپ کی کاوشیں قبول فرمائے! آپ سب کو پیکرِ اخلاص بنائے! اور بے حساب بخشے!"

کتاب میں جو بھی خوبیاں ہیں یقیناً **ربِّ رحیم** عَزَّوَجَلَّ اور اس کے **محبوبِ کریم** صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی عطاؤں، اولیائے کرام رَحِمَہُمُ اللّٰہُ السَّلَام کی عنایتوں اور بانیِ دعوتِ اسلامی حضرت علامہ مولانا **ابو بلال محمد الیاس عطّار** قادری مُدَّظِلُّہٗ کی شفقتوں اور پُر خلوص دعاؤں کا نتیجہ ہیں اور جو خامیاں ہیں ان میں ہماری غیر ارادی کوتاہی کا دخل ہے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ہمیں دُنیاوی واُخروی ترقّی کے لئے اس کتاب کو پڑھنے، اس پر عمل کرنے اور دوسرے اسلامی بھائیوں بالخصوص مفتیانِ عِظام اور علمائے کرام کی خدمتوں میں تحفۃً پیش کرنے کی سعادت عطا فرمائے اور **ہمیں اپنی اور ساری دنیا کے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کرنے کے لئے مَدَنی اِنعامات** پر عمل اور **مَدَنی قافلوں** میں سَفَر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور **دعوتِ اسلامی** کی تمام مَجالِس بَشُمول **مجلس اَلْمَدِیْنَۃُ الْعِلْمِیَہ** کو دن دُگنی اور رات چوگُنی ترقی عطا فرمائے! اٰمِیْن بِجَاہِ النَّبِیِّ الْاَمِیْن صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

شعبہ تراجم کتب (مَجْلِس اَلْمَدِیْنَۃُ الْعِلْمِیَہ)

توبہ کا بیان

مقدمہ:

اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کے لئے تمام تعریفیں ہیں، اسی کی تعریف سے ہر کتاب کی ابتدا ہوتی ہے، اسی کے ذکر سے ہر گفتگو کا آغاز ہوتا ہے، اسی کی حمد سے جنت میں اہْلِ جنَّت نعمتیں پائیں گے اور اسی کے نام سے بدبخت تسلی حاصل کریں گے اگرچہ ان کے سامنے پردہ لٹکا دیا جائے گا اور بدبختوں اور خوش بختوں کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں دروازہ ہو گا، اس کے اندر کی طرف رحمت اور باہر کی طرف عذاب ہے۔ ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں ان لوگوں کی طرح توبہ کرتے ہیں جنہیں یقین ہے کہ وہی ربُّ الاَرْباب (یعنی سب پرورِش کرنے والوں کا پالنے والا) اور مُسبِّبُ الاَسباب (یعنی اَسباب پیدا کرنے والا) ہے اور ان لوگوں کی طرح اس سے اُمید رکھتے ہیں جو اسے مہربان، بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا بادشاہ مانتے ہیں اور ہم خوف اور امید کے درمیان ان لوگوں کی طرح ہیں جو اس بات میں کوئی شک نہیں کرتے کہ وہ گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول فرمانے والا ہونے کے باوُجُود سخت عذاب دینے والا ہے اور ہم اس کے محبوب نبی حضرت سیِّدُنا محمد مصطفٰے صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر اور آپ کے آل و اصحاب پر ایسا درود بھیجتے ہیں جو ہمیں حشر و حساب کے دن مصیبتوں سے بچائے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قُرب اور اچھا ٹھکانا ہمارا مقدر بنائے۔

توبہ کیوں اور کس لئے؟

بے شک عیبوں کو چھپانے اور غیبوں کو جاننے والے کی طرف رجوع کر کے گناہوں سے توبہ کرنا راہِ طریقت پر چلنے والوں کا آغاز، کامیاب لوگوں کا سرمایہ، ارادہ کرنے والوں کا پہلا قدم، راستے سے دور ہونے والوں کے لئے استقامت کی کنجی اور مُقرَّبِیْنِ بارگاہ کے لئے انتخاب و برگُزِیدگی کا ذریعہ ہے، بالخصوص ہمارے جدِّ امجد حضرت سیِّدُنا آدم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے لئے بلند مراتب کا سبب ہے اور اولاد اپنے باپ دادا ہی کی اتباع کرتی ہے۔ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ آدمی سے گناہ و جرم کا صدور ہو جاتا ہے کیونکہ وہ انسان ہے اور یہ تو طبیعت و عادت میں اپنے باپ سے مشابہ ہونا ہے مگر ایک بات یہ بھی ہے کہ جب

باپ توڑنے کے بعد جوڑے اور گرانے کے بعد تعمیر کرے تو اولاد کو بھی چاہئے کہ نفی واثبات دونوں میں اس کی اتباع کرے یعنی گناہ سرزد ہو جانے کے بعد توبہ کر لے۔

خیر و شر کی تین صورتیں:

حضرت سیِّدُنا آدم عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے تو اَزروئے حکمت لغزش صادر ہوئی پھر بھی اس پر ندامت کا اظہار فرمایا تو جو شخص بتقاضائے بشریت گناہ میں جا پڑے لیکن توبہ نہ کرے تو وہ خطاکار ہے کیونکہ صرف خیر و بھلائی مُقَرَّب فِرِشتوں کی خُصُوصیت ہے اور صرف شر وبُرائی میں پڑے رہنا تلافی نہ کرنا شیاطین کی خصلت ہے جبکہ شر وبرائی کے ارتکاب کے بعد خیر و بھلائی کی طرف رجوع کرنا انسان کی صفت ہے۔ معلوم ہوا کہ جس سے صرف خیر و بھلائی ظاہر ہو وہ ربُّ العزت کا مقرب فرشتہ ہے، جس سے محض شر وبرائی صادر ہو وہ شیطان ہے اور جو شر وبرائی ہو جانے کے بعد خیر و بھلائی کی طرف رجوع کر کے اس کی تلافی کرے وہ انسان ہے کیونکہ انسان کے خمیر میں دونوں چیزیں رکھی گئی ہیں۔

اب انسان خود دیکھ لے کہ اس کا نسب وتعلق کس سے ہے فرشتے سے یا حضرت سیِّدُنا آدم عَلَیْہِ السَّلَام سے یا شیطان سے؟ توبہ کرنے والا انسانیت کی حد اپنا کر اس بات پر دلیل قائم کرتا ہے کہ اس کا نسب وتعلق حضرت سیِّدُنا آدم عَلَیْہِ السَّلَام کے ساتھ ہے جبکہ گناہوں پر ڈٹ جانے والا اپنی ذات پر شیطان سے تعلق کی مُہرثَبت کر لیتا ہے۔ صرف خیر و بھلائی کر کے فرشتوں سے اپنے تعلق ونسب کو ثابت کرنا ممکن نہیں کیونکہ انسانی خمیر میں خیر کے ساتھ شر بڑی مضبوطی سے ملا ہوا ہے اور اسے دو میں سے کوئی ایک آگ ہی الگ کر سکتی ہے ندامت کی آگ یا پھر جَہَنَّم کی آگ، لہٰذا شیطانی خَباثتوں سے انسانی جوہر کو الگ کرنے کے لئے آگ سے جلانا ضروری ہے۔

اے بندے! ابھی تیرے پاس ہلکی آگ (ندامت) اور ہلکی خرابی کی طرف جلدی کا اختیار ہے اسے استعمال کر اس سے پہلے کہ اختیار کی بساط لپیٹ دی جائے اور تجھے بے اختیار والے گھر جنَّت یا جَہَنَّم کی طرف لے جایا جائے۔

توبہ کے ارکان:

جب دین میں ''توبہ'' کا مقام اتنا بڑا ہے تو چوتھی قسم مُنْجِیَات (نجات دینے والے اُمور) میں توبہ کے

بیان کو مقدم کرنا لازم ٹھہرا ایں طور کہ توبہ کی حقیقت، شرائط، سبب، علامت، ثَمرہ و نتیجہ، توبہ میں رُکاوَٹ ڈالنے والی آفات اور اسے آسان کرنے والی چیزوں کی شرح کی جائے۔ ان تمام باتوں کی وضاحت درج ذیل چار ارکان سے بخوبی ہو جائے گی۔

...**پہلا رکن:** اس میں توبہ اور اس کی تعریف و حقیقت کو بیان کیا جائے گا اور اس بات کو بیان کیا جائے گا کہ توبہ فوراً واجب ہے اور تمام حالتوں میں سب لوگوں پر لازم ہے نیز جب توبہ صحیح واقع ہو تو مقبول ہے۔

...**دوسرا رکن:** اس میں ان باتوں کا بیان ہے جن سے توبہ کی جاتی ہے اور وہ گناہ ہیں، گناہِ صغیرہ و کبیرہ کے علاوہ اس رکن میں یہ بھی بیان کیا جائے گا کہ کس گناہ کا تعلق بندوں سے ہے اور کس کا حقوقُ اللہ سے ہے نیز نیکیوں اور برائیوں پر حاصل ہونے والے بلند دَرَجات اور بُرے ٹھکانوں کا ذِکر کیا جائے گا اور وہ اَسباب بیان کیے جائیں گے جن سے صغیرہ یعنی چھوٹے گناہ کبیرہ بن جاتے ہیں۔

...**تیسرا رکن:** اس میں توبہ کی شرائط، اس پر استقامت پانے اور گزشتہ مظالم (یعنی بندوں کی حق تلفیوں) کی تلافی کا طریقہ ذکر کیا جائے گا نیز گناہ معاف ہونے کی کیفیت اور توبہ پر استقامت پانے والوں کی اَقسام کا ذکر کیا جائے گا۔

...**چوتھا رکن:** اس میں توبہ پر ابھارنے والا سبب اور گناہوں پر ڈٹ جانے کا علاج ذکر کیا جائے گا۔

بیان کردہ چار ارکان سے مقصود پورا ہو جائے گا۔ اِنْ شَآءَ اللہ عَزَّوَجَلَّ۔

پہلا رکن: **توبہ کا بیان** (اس میں پانچ فصلیں ہیں)

پہلی فصل: **توبہ کی حقیقت اور اس کی تعریف**

جان لیجئے کہ توبہ تین مرتّب اُمور کے مجموعے کو کہا جاتا ہے: (۱) علم (۲) حال اور (۳) فعل۔ ان میں پہلا دوسرے کا اور دوسرا تیسرے کا لازمی سبب ہے کیونکہ زمین و آسمان میں باری تعالیٰ کی جاری عادت کا یہی تقاضا ہے۔

علم اور توبہ:

علم اس بات کی پہچان کرواتا ہے کہ گناہوں کا نقصان بہت بڑا ہے اور گناہ بندے اور اس کے محبوب کے درمیان حِجاب و رُکاوَٹ ہے۔ جب بندے کو دل پر غالب یقین کے ذریعے اس بات کی مَعرِفَت حاصل

ہو جاتی ہے تو فُرقَتِ محبوب کے سبَب اس کے دل میں درد اٹھتا ہے کیونکہ جب بھی دل کو محبوب کی جدائی کا علم ہوتا ہے وہ رنجیدہ ہو جاتا ہے۔ پھر اگر محبوب کی دوری کا سبب اس کا اپنا فعل ہو تو اسے اس فعل پر افسوس ہوتا ہے۔ اس افسوس ورنج کو ''ندامت'' کہتے ہیں۔ پھر اگر یہ رنج دل پر غالب آجائے اور چھا جائے تو دل میں ایک دوسری حالت پیدا ہوتی ہے جسے ''ارادہ اور قصد'' کہتے ہیں اور یہ قصد وارادہ ایسے فعل کا ہوتا ہے جس کا تعلق حال، ماضی اور مستقبل تینوں زمانوں کے ساتھ ہوتا ہے، حال کے ساتھ تعلق موجودہ گناہ کو چھوڑنے کے اعتبار سے ہوتا ہے، مستقبل کے ساتھ یوں کہ جو گناہ محبوب سے دوری کا سبب بنا زندگی بھر اسے نہ کرنے کا عَزْم (یعنی پختہ اِرادہ) کیا جاتا ہے اور ماضی کے ساتھ تعلق کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اگر فوت شدہ عمل کی پوری کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو قضا کے ذریعے کمی پوری کر کے اس کی تلافی کی جاتی ہے۔ الغرض علم ہی توبہ کی پہلی سیڑھی اور اِن بھلائیوں کا سَرچَشْمَہ ہے۔

علم سے مراد:

یہاں علم سے میری مراد ایمان اور یقین ہے کیونکہ ایمان سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ گناہ جان لیوا زہر ہیں اور یقین اس تصدیق کو پختہ کرتا اور شک کو دور کرتا ہے نیز اس تصدیق کو دل پر غالب کرتا ہے تو ایمان کا نور پھوٹتا ہے اور دل پر ندامت کی آگ روشن کر دیتا ہے جس سے دل میں رنج پیدا ہوتا ہے کیونکہ وہ نورِ ایمان کی روشنی سے دیکھ لیتا ہے کہ اس کے اور محبوب کے درمیان پردہ حائل ہو گیا ہے۔ جس طرح اندھیرے میں موجود شخص پر سورج کی روشنی، بادلوں کے چھٹ جانے یا پردوں کے سَرَک جانے سے روشنی پھیل جاتی ہے اور وہ اپنے محبوب کو دیکھ لیتا ہے حالانکہ وہ ہلاکت کے قریب ہو چکا تھا اسی طرح محبت کی آگ انسان کے دل میں شعلہ زن ہوتی ہے اور تدارُک و تلافی پر اُبھارنے والے ارادے کو جگاتی ہے۔

تین معانی کے مجموعہ کا نام توبہ ہے:

معلوم ہوا کہ علم، ندامت اور ارادہ جو حال اور مستقبل میں ترکِ گناہ اور ماضی میں گناہ کی تلافی سے تعلق رکھتا ہے یہ حُصُولِ مراد میں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تین معانی ہیں اور ان کے مجموعہ پر ''توبہ'' کا اطلاق ہوتا ہے۔

توبہ کی مختلف تعریفات:

...اکثر اوقات لفظ توبہ کا اطلاق صرف نَدامت پر ہوتا ہے جبکہ علم اس وقت مقدمے کی حیثیت رکھتا ہے اور ترکِ گناہ کا ارادہ اس کا ثَمرہ و نتیجہ قرار پاتا ہے۔ اسی اعتبار سے حُضُور سیِّدِ عالَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "اَلنَّدَمُ تَوْبَۃٌ یعنی ندامت توبہ ہے۔"[1]

کیونکہ ندامت اس علم سے خالی نہیں ہوتی جو اس کے پیدا ہونے کا سبب ہے اور نہ ہی اس پختہ ارادہ سے خالی ہوتی ہے جو ندامت کے ساتھ جڑا ہوتا ہے۔ پس ندامت اپنی دونوں طرفوں یعنی علم و ارادہ کے درمیان گھری ہوئی ہے۔ اسی لحاظ سے توبہ کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ "گزشتہ خطا پر باطن کا پگھلنا توبہ ہے" اس تعریف میں صرف دل کے درد کا ذکر ہے اسی لئے کسی شاعر نے کہا:

هُوَ نَارٌ فِي الْقَلْبِ تَلْتَهِبُ   وَصَدْعٌ فِي الْكَبِدِ لَا يَنْشَعِبُ

ترجمہ: توبہ دل میں بھڑکنے والی آگ اور نہ پھیلنے والا جگر کا درد ہے۔

...ترکِ گناہ کے لحاظ سے توبہ کی تعریف یہ بھی کی گئی ہے: ظلم کا لباس اتار کر وفا کا فرش بچھا دینا۔

...حضرت سیِّدُنا سَہل بن عبد اللہ تُستَری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْوَلِی فرماتے ہیں: "بُری حرکتوں کو اچھے افعال سے بدلنے کا نام توبہ ہے اور یہ معاملہ تنہائی، خاموشی اور حلال کھانے سے پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے۔"

گویا آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے توبہ کے تیسرے معنٰی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ توبہ کی تعریف میں اس قدر اقوال ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ جب تم ان تین معانی، ان کے لوازمات اور ان کی ترتیب کو سمجھ لوگے تو یہ بھی جان لوگے کہ واقعی توبہ کی تعریف میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ توبہ کے تمام معانی کا احاطہ کرنے کے لئے ناکافی ہے۔ اُمور و معاملات کی حقیقتوں کا علم سیکھنا صرف الفاظ سیکھنے سے زیادہ اہم ہے۔

دوسری فصل: توبہ کا وجوب اور اس کی فضیلت

جان لیجئے کہ توبہ کا واجب ہونا آیاتِ مبارکہ واحادیثِ مقدَّسہ سے ظاہر ہے اور یہ نورِ بصیرت کے

[1]...سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب ذکر التوبۃ، ۴/ ۴۹۲، حدیث: ۴۲۵۲

ذریعے اس شخص پر واضح ہوتا ہے جس کی بصیرت کھل چکی ہو اور اللہ عَزَّوَجَلَّ نے نورِ ایمان سے اس کا سینہ کھول دیا ہو یہاں تک کہ وہ اس نور کی بدولت جہالت کے اندھیروں میں چلنے پر قادر ہو جائے اور قدم قدم پر کسی راہ نما کی ضرورت نہ رہے کیونکہ راہ چلنے والا یا تو نابینا ہوتا ہے کہ قدم اٹھانے میں راہ نما کا محتاج ہوتا ہے یا انکھیارا ہوتا ہے کہ راستہ دیکھ کر خود چلنا شروع کر دیتا ہے۔

دین کے معاملہ میں بھی لوگ اسی طرح منقسم ہیں کہ بعض تقلید سے ایک قدم بھی آگے بڑھنے کی طاقت نہیں رکھتے، وہ ہر قدم پر قرآن وسنت سے کوئی نص سننے کے محتاج ہوتے ہیں اور کبھی اس میں کوئی مشکل در پیش ہو تو حیرت میں پڑ جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی سیر مختصر ہوتی ہے اگرچہ ان کی زندگی طویل اور کوشش زیادہ ہو۔ یہ لوگ خوف کے سبب چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے ہیں۔ بعض لوگ ایسے سعادت مند ہوتے ہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ان کے سینے اسلام کے لئے کھول دیتا ہے، وہ اپنے ربّ عَزَّوَجَلَّ کے نور سے منوّر ہوتے ہیں، مشکل سے مشکل راستے پر چلنے اور سخت سے سخت گھاٹیاں طے کرنے کے لئے معمولی سے اشارے سے آگاہ ہو جاتے ہیں، ان کے دلوں میں نورِ قرآن اور نورِ ایمان جگمگاتا ہے تو نورِ باطن کی شدت کے سبب انہیں ادنیٰ بیان بھی کافی ہوتا ہے اور وہ نور ایسی شان والا ہے کہ قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک اٹھے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے اور اگر آگ اسے چھولے تو وہ نورٌ علیٰ نور ہو جائے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ جسے چاہتا ہے اسے اپنے نور کی راہ بتاتا ہے اور ایسے لوگ ہر واقعہ میں کسی منقول نص کے محتاج نہیں ہوتے۔

نورِ بصیرت والے کی توبہ:

نور کا حامل آدمی جب توبہ کے وُجوب کو پہچاننا چاہتا ہے تو اوّلاً نورِ بصیرت سے توبہ کی حقیقت کو دیکھتا ہے پھر وجوب کے معنی میں غور وفکر کرتا ہے پھر وجوب کے معنی اور توبہ کو جمع کرتا ہے تو اسے توبہ واجب ہونے میں کوئی شک نہیں رہتا۔ اس طرح کہ واجب کا مطلب اس کے سامنے آتا ہے "وہ امر جو ابدی سعادت تک پہنچائے اور ہمیشہ کی ہلاکت سے بچائے" کیونکہ اگر خوش بختی وبد بختی کا تعلق کسی شے کے کرنے یا چھوڑنے سے نہ ہو تو اس شے کا وجوب سے موصوف ہونے کا کوئی معنی نہیں اور یہ جو قول ہے کہ "فلاں شے واجب کرنے سے واجب ہو گئی" یہ محض ایک قول ہو کیونکہ جس کام کو اپنانے یا تَرک کرنے سے فی الفور یا بعد میں کوئی غرض

وفائدہ نہ ہو اس میں ہماری مشغولیت کا کوئی مطلب نہیں خواہ کوئی اسے ہم پر واجب کرے یا نہ کرے۔

پس جب بندہ وجوب کا معنیٰ پہچان لیتا ہے کہ یہ ابدی سعادت کا وسیلہ ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ اُخروی سعادت تو بس اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ملاقات ہے جو اس سے پردے اور رُکاوَٹ میں رہا وہ بدبخت ہے اور لامحالہ یہ بدبختی اس کے اور اس کی چاہت کے درمیان حائل ہوگی اور وہ فِراق اور جہنم کی آگ میں جلے گا اور یہ بھی جانتا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ملاقات سے دور کرنے والی چیزیں خواہشات کی پیروی، فانی دنیا سے اُنسیت اور ان کی محبت میں گرفتار ہونا ہے جن سے دوری لازم ہے تو بندہ جان لیتا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ملاقات کا ذریعہ یہی ہے کہ اس دنیا کی رنگینیوں سے دلی تعلق توڑ دیا جائے اور ذکرِ الٰہی پر ہمیشگی کے ذریعے اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اُنسیت کے لئے اس کی طرف متوجہ رہا جائے اور اس کے جلال وجمال کی معرفت کے ذریعے حتی المقدور اس سے مَحَبَّت کی جائے اور یہ بھی جان لیتا ہے کہ رب تعالیٰ سے پھیرنے والے گناہ اور شیاطین کی چاہت کی پیروی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے دشمن اور اس کی بارگاہ سے دور کرنے والے کام ہیں۔ (بظاہر) اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دور اور پردے میں ہونے کے سبب اسے اس بات میں کوئی شک باقی نہیں رہتا کہ قرب کی منزل پانے کے لئے دوری پیدا کرنے والے راستے کو چھوڑنا واجب وضروری ہے اور اس راستے کو چھوڑنے کی تکمیل عِلْم، نَدامت اور عَزْم (یعنی پختہ ارادے) کے ذریعے ہی ہو سکتی ہے کیونکہ بندہ جب تک یہ نہیں جانتا کہ گناہ محبوب سے دوری کا سبَب ہیں تو نادم نہیں ہوتا اور دوری وجدائی کی راہ پر چلتے رہنے سے رنجیدہ نہیں ہوتا اور جب تک رنج نہ پہنچے اس وقت تک رُجُوع نہیں کرتا اور رجوع کا معنیٰ ''گناہ کو ترک کرنا اور آئندہ نہ کرنے کا پختہ اِرادہ کرنا ہے۔''

اس میں کوئی شک وشُبہ نہیں کہ محبوب تک پہنچنے کے لئے ماقبل بیان کردہ تینوں معانی ضروری ہیں اور نورِ بصیرت سے حاصل ہونے والا ایمان ایسا ہی ہوتا ہے۔ اکثر مخلوق کی پہنچ سے دور اس بلند مقام پر جو بندہ فائز نہ ہو سکے اس کے حق میں تقلید اور اتباع وپیروی کا میدان کھلا ہے، اس کے ذریعے وہ ہلاکت سے بچ کر نجات تک پہنچ سکتا ہے۔

تقلید واتباع کرنے والے کو توبہ کے بارے میں وارد اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فرامین، فرامینِ مصطفٰے اور سَلَف صالحین کے اَقوال پیشِ نظر رکھنا چاہئیں:

توبہ کے متعلق تین فرامین باری تعالٰی:

﴿1﴾...

وَتُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾ (پ۱۸، النور:۳۱)

ترجمۂ کنز الایمان: اور اللہ کی طرف توبہ کرو اے مسلمانوں سب کے سب اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ۔

یہ حکم عام ہے یعنی سب ہی کو توبہ کا حکم ہے۔

﴿2﴾...

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ (پ۲۸، التحریم:۸)

ترجمۂ کنز الایمان: اے ایمان والو! اللہ کی طرف ایسی توبہ کرو جو آگے کو نصیحت ہو جائے۔

اس آیتِ مبارکہ میں وارِد لفظ ''نَصُوْح'' کا معنیٰ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ایسا خالص ہونا ہے کہ کسی قسم کی ملاوٹ نہ ہو۔ ''نَصُوْح'' کا لفظ ''نُصْحٌ'' سے بنا ہے۔

﴿3﴾... یہ آیتِ مبارکہ بھی توبہ کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ ﴿۲۲۲﴾ (پ۲، البقرۃ:۲۲۲)

ترجمۂ کنز الایمان: بے شک اللہ پسند رکھتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو اور پسند رکھتا ہے ستھروں کو۔

توبہ کے متعلق دو فرامین مصطفٰے:

﴿1﴾... اَلتَّآئِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ وَالتَّآئِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّاذَنْبَ لَہٗ یعنی توبہ کرنے والا اللہ عَزَّوَجَلَّ کا دوست ہے اور گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔[1]

﴿2﴾... اللہ عَزَّوَجَلَّ بندۂ مومن کی توبہ پر اس شخص سے کہیں زیادہ خوش ہوتا ہے جو کسی غیر مُوافِق مُہلِک جگہ پر اُترے، اس کے پاس اپنی سواری بھی ہو جس پر اس کا کھانا پینا ہو، وہ سر رکھ کر گہری نیند سو جائے پھر جب وہ بیدار ہو تو اس کی سواری جا چکی ہو، وہ اسے تلاش کرتا پھرے یہاں تک کہ اسے سخت گرمی اور پیاس لگے یا جو

[1]... نوادر الاصول للحکیم ترمذی، الاصل السادس والمائتان، ۲/ ۷۶۰، حدیث: ۱۰۳۰، بتقدم وتاخر

اللہ عَزَّوَجَلَّ چاہے اور وہ کہے: میں اپنی اسی جگہ لوٹ جاتا ہوں جہاں میں تھا تاکہ وہاں جاکر سو جاؤں حتّٰی کہ میرا انتقال ہو جائے۔ پس وہ مرنے کے لئے اپنی کلائی پر سر رکھ دے پھر جب بیدار ہو تو دیکھے کہ اس کی سُواری اس کے پاس موجود ہے جس پر اس کا کھانا اور پانی بھی موجود ہے، تو جس قدر وہ شخص اس سواری کے ملنے پر خوش ہو گا اللہ عَزَّوَجَلَّ اس سے کہیں زیادہ بندے کی توبہ سے خوش ہوتا ہے۔[1]

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اسے سواری ملنے پر اتنی زیادہ خوشی ہو کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ادا کرتے وقت (بے خیالی میں) یہ اَلفاظ کہہ جائے: "میں تیرا ربّ ہوں اور تو میرا بندہ ہے۔"[2]

توبہ اور اَبُوالْبَشَر عَلَیْہِ السَّلَام:

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی سے مروی ہے کہ جب اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت سیِّدُنا آدم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی توبہ قبول فرمائی تو فرشتوں نے انہیں مبارک باد پیش کی اور حضرت سیِّدُنا جبرائیل اور حضرت سیِّدُنا میکائیل عَلَیْہِمَا السَّلَام نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کی: "اے آدم عَلَیْہِ السَّلَام! اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے قبولِ توبہ پر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔" آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا: "اے جبریل! اگر اس توبہ کے بعد بھی سوال ہوا تو میرا مقام کہاں ہو گا؟" اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ عَلَیْہِ السَّلَام کی طرف وحی فرمائی کہ "اے آدم! آپ نے اپنی اولاد کے لئے وراثت میں تھکاوٹ، دکھ اور توبہ کو چھوڑا ہے جو بھی مجھے پکارے گا میں اس کی پکار سنوں گا جیسے آپ کی پکار سنی اور جو مجھ سے مغفرت طلَب کرے گا میں اسے عطا کروں گا کیونکہ میں نزدیک اور دعا قبول فرمانے والا ہوں، اے آدم! میں توبہ کرنے والوں کو قبروں سے اس حال میں اٹھاؤں گا کہ وہ خوش ہوں گے اور مسکراتے ہوں گے اور ان کی دعا مقبول ہو گی۔"

وُجوبِ توبہ پر اجماعِ اُمت:

توبہ کے بارے میں احادیثِ مبارَکہ و آثارِ شریفہ بے شمار ہیں اور توبہ کے واجِب ہونے پر اُمَّتِ مُسلِمَہ کا

---

1 ...مسلم، کتاب التوبة، باب فی الحض علی التوبة والفرح بها، ص١٤٦٨، حدیث: ٢٧٤٤، بتغیر قلیل

بخاری، کتاب الدعوات، باب التوبة، ٤/ ١٩٠، حدیث: ٦٣٠٨، بتغیر قلیل

2 ...مسلم، کتاب التوبة، باب فی الحض علی التوبة والفرح بها، ص١٤٦٩، حدیث: ٢٧٤٧، بتغیر قلیل

اِجماع بھی مُنْعَقِد ہے کیونکہ توبہ کا معنٰی اس بات کو جاننا ہے کہ گناہ ہلاکت میں ڈالنے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دور کرنے والے ہیں اور اس بات کا جاننا وُجُوبِ ایمان میں داخل ہے لیکن بعض دفعہ اس سے غفلت ہو جاتی ہے لہٰذا اس علم کا مطلب اس غفلت کو زائل کرنا ہے اور اس کے واجب ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔

توبہ کی روح:

توبہ کا ایک مطلب یہ ہے کہ گناہوں کو فی الفور چھوڑ دے، آئندہ نہ کرنے کا پکا ارادہ کرے اور ماضی کے معاملات میں جو کوتاہی ہو چکی اس کی تلافی کرے۔ اس کے وجوب میں کوئی شک نہیں البتہ! جہاں تک گزرے ہوئے گناہوں پر ندامت و شرمندگی اور ان پر افسوس کا تعلق ہے تو یہ بھی واجب ہے۔ یہ توبہ کی روح ہے اور اسی سے تلافی کی تکمیل ہوتی ہے تو پھر یہ کیونکر واجب نہ ہو گی بلکہ یہ تو ایک قسم کا رنج والم ہے جو اس وقت لامُحالَہ طاری ہوتا ہے جب بندے کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ناراضی میں بسر ہونے والی عمر کے نقصان کی مَعْرِفت ہوتی ہے۔

سُوال جواب:

سوال: اگر یہ کہا جائے کہ دل کا رنج واَلَم سے دوچار ہونا تو لازمی سی بات ہے جو اختیار کے تحت داخل نہیں تو پھر یہ واجب کیسے؟ اس کا **جواب** یہ ہے کہ اس کا سبب محبوب کی جدائی کا علم ہونا ہے اور بندے کے لئے اس سبب تک پہنچنے کا ایک راستہ موجود ہے، اسی معنٰی کے لحاظ سے توبہ کی تعریف میں علم، وجوب کے تحت داخل ہے، اس معنی کے اعتبار سے نہیں کہ بندہ خود علم کو پیدا کرتا اور دل میں ایجاد کر لیتا ہے بلکہ یہ تو مُحال ہے۔ علم، ندامت، فعل، ارادہ اور قدرت یہ تمام اَفعال اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پیدا فرمانے اور اس کے فعل سے ہیں۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ (پ۲۳، الصّٰفّٰت: ۹۶)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو۔

اہلِ بصیرت کے نزدیک یہی حق ہے اس کے سوا سب گمراہی ہے۔

سُوال: اگر تم کہو کہ جب تمام اَفعال کا خالق اللہ عَزَّوَجَلَّ ہے تو کیا بندے کو کام کرنے یا نہ کرنے کا کوئی اختیار نہیں؟

اس کا **جواب** یہ ہے کہ بندے کو اختیار ہے اور یہ اس قول کے خلاف بھی نہیں کہ ''یقیناً ہر شے **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے پیدا فرمانے سے ہے'' بلکہ اختیار بھی **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کا عطا کردہ ہے اور بندہ اپنے اختیار میں بھی لاچار ہے کیونکہ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ جب ہاتھ کو صحیح وسلامت پیدا فرماتا ہے اور لذیذ کھانا پیدا فرماتا ہے اور معدے میں کھانے کا شوق اور دل میں یہ علم بھی پیدا فرماتا ہے کہ یہ کھانا خواہش کو پورا کرنے کا ذریعہ ہے اور اس کھانے کے بارے میں مختلف خیالات پیدا فرماتا ہے جیسے یہ ترڈُّد پیدا فرماتا ہے کہ خواہش کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ یہ نقصان دہ تو نہیں؟ اور کھانے اور اس کے درمیان کوئی رُکاوٹ تو نہیں؟ پھر یہ علم بھی پیدا فرماتا ہے کہ کوئی رکاوٹ نہیں، ان اسباب کے جمع ہونے پر کھانے کا ارادہ پختہ ہوتا ہے۔ پس مختلف مترَدِّد خیالات اور کھانے کی خواہش پیدا ہونے کے بعد جو ارادے کی پختگی حاصل ہوتی ہے اسے کہا جاتا ہے اِختیار اور اِختیار کا حُصُول اسباب کے مکمل ہوتے ہی ضروری ہوتا ہے۔ پس جب **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی تخلیق سے ارادہ پختہ ہو جاتا ہے پھر صحیح وسلامت ہاتھ لامُحالَہ کھانے کی طرف بڑھتا ہے کیونکہ ارادہ اور قدرت حاصل ہونے کے بعد فعل کا حاصل ہونا ضروری ہے، لہٰذا حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔

پس ارادے کی پختگی اور قدرت کے بعد حرکت بھی **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے پیدا فرمانے سے ہوتی ہے اور پختہ ارادہ اور قدرت بھی **اللہ** عَزَّوَجَلَّ ہی پیدا کرتا ہے اور پختہ ارادہ سچی خواہش ہونے اور کھانے کے درمیان کسی رکاوٹ نہ ہونے کا علم ہونے کے بعد ہوتا ہے اور ان دونوں کا خالق بھی **اللہ** عَزَّوَجَلَّ ہے لیکن ان اَفعال میں سے بعض بعض پر اسی ترتیب سے مرتب ہوتے ہیں جس طرح **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کا دستور مخلوق میں جاری ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ (پ۲۶، الفتح: ۲۳) ترجمۂ کنزالایمان: اور ہر گز تم **اللہ** کا دستور بدلتا نہ پاؤ گے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ ہاتھ میں لکھنے کے لئے حرکت اس وقت تک پیدا نہیں فرماتا جب تک اس میں صفتِ قدرت، حیات اور پختہ ارادہ پیدا نہیں فرماتا اور پختہ ارادہ اس وقت تک پیدا نہیں فرماتا جب تک خواہش اور میلانِ نفس پیدا نہیں فرماتا اور یہ میلان اس وقت تک نہیں اُبھرتا جب تک اس بات کا علم پیدا نہ کرے کہ یہ میلان ابتدا یا انتہا میں نفس کے موافق ہے اور علم کو بھی قدرت، ارادہ اور علم کی طرف لوٹنے والے دیگر اَسباب کے بغیر پیدا نہیں فرماتا۔ پس علم اور طبعی میلان ہمیشہ پختہ ارادے کے پیچھے رہتے ہیں اور قدرت اور

ارادہ ہمیشہ حرکت کے تابع ہوتے ہیں۔ ہر فعل میں یہی ترتیب ہے اور یہ سب اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کے پیدا فرمانے سے ہے لیکن اس کی بعض مخلوقات دوسری بعض کے لئے شرط کا درجہ رکھتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ بعض کو مُقدَّم تو بعض کو مُؤَخَّر کرنا واجب ہے جیسے علم کے بعد ارادہ، حیات کے بعد علم اور جسم کے بعد حیات پیدا کی جاتی ہے۔ پس زندگی کے پیدا ہونے کے لئے جسم کی تخلیق شرط ہے لیکن ایسا نہیں کہ زندگی جسم سے پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح حیات کا پیدا ہونا علم کی تخلیق کے لئے شرط ہے مگر یہ مطلب نہیں کہ علم حیات سے پیدا ہوتا ہے بلکہ محل علم کو قبول کرنے کی صلاحیت اسی وقت رکھے گا جب اس میں حیات ہو۔ یونہی علم کی تخلیق ارادے کی پختگی کے لئے شرط ہے لیکن ایسا نہیں کہ علم ارادے کو پیدا کرتا ہے بلکہ زندہ اور علم رکھنے والا جسم ہی ارادے کو قبول کرتا ہے۔

وُجود میں صرف ممکن چیزیں ہی داخل ہیں اور ان کے لئے ایک ترتیب مُقَرَّر ہے جو تبدیلی کو قبول نہیں کرتی کیونکہ اسے تبدیل کرنا مُحال ہے، لہٰذا جب بھی وصف کی شرط پائی جائے گی محل اس وصف کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھے گا لیکن حُصُولِ صلاحیت کے باوجود یہ وصف اللہ عَزَّوَجَلَّ کے جود وکرم اور ازلی قدرت کے تحت داخل ہوتا ہے۔

جب شُرُوط کے سبَب حاصل ہونے والی صلاحیت کے لئے ایک ترتیب مُقَرَّر ہے تو یقیناً اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فعل سے حوادِث کے حصول کے لئے بھی ایک ترتیب مقرر ہے اور بندہ ان ترتیب شدہ حوادث کا محل ہے اور یہ سب قضائے الٰہی سے پلک جھپکنے میں ایسا کامل مرتب ہو جاتا ہے جو تغیر سے محفوظ ہوتا ہے اور تفصیل کے ساتھ ان کا ظہور پذیر ہونا ایسے اندازے کے ساتھ مقدر ہے جس میں ذرّہ بھر تجاوز کی گنجائش نہیں۔

اس بات کو اللہ عَزَّوَجَلَّ یوں بیان فرماتا ہے:

اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾ (پ۲۷، القمر: ۴۹)

ترجمۂ کنزالایمان: بیشک ہم نے ہر چیز ایک اندازہ سے پیدا فرمائی۔

قضائے کُلی کو اس طرح بیان فرمایا:

وَمَاۤ اَمْرُنَاۤ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ ﴿۵۰﴾ (پ۲۷، القمر: ۵۰)

ترجمۂ کنزالایمان: اور ہمارا کام تو ایک بات کی بات ہے جیسے پلک مارنا۔

مخلوق اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قضا وقدر کی پابند ہے، من جملہ قضا وقدر میں سے ایک بات لکھنے والے کے ہاتھ میں حرکت کو پیدا کرنا ہے اور یہ حرکت ہاتھ میں اس خاص صفت کو پیدا کرنے کے بعد ہوتی ہے جسے قدرت کہا جاتا ہے اور دل کے اس پختہ میلان کی تخلیق کے بعد ہوتی ہے جسے قَصْد واِرادہ کہتے ہیں نیز یہ حرکت اس شے کے علم کے بھی بعد ہوتی ہے جس کی جانب میلان ہوتا ہے اور اسے اِدراک ومَعْرِفَت کہا جاتا ہے۔

غیبی دنیا اور ظاہری دنیا:

الغرض جب غلبۂ تقدیر کے تحت مسخر بندے کے جسم پر غیبی دنیا کے باطن سے یہ مذکورہ چار باتیں ظاہر ہوتی ہیں تو غیبی دنیا سے بے خبر ظاہری دنیا والے کہنے لگتے ہیں: اے بندے تو نے حرکت کی، تو نے کنکر پھینکا، تو نے لکھا۔ جبکہ پردۂ غیب سے ندا دی جاتی ہے:

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰىۚ (پ۹، الانفال: ۱۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی۔

آپ نے جو قتال (جہاد) کیا وہ آپ نے نہ کیا مگر یہ کہ

قَاتِلُوْهُمْ یُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَیْدِیْكُمْ (پ۱۰، التوبۃ: ۱۴)

ترجمۂ کنزالایمان: تو ان سے لڑو اللہ انھیں عذاب دے گا تمہارے ہاتھوں۔

یہاں پہنچ کر ظاہری دنیا سے وابستہ لوگوں کی عقلیں حیرت میں پڑجاتی ہیں۔ اس وقت کوئی کہتا ہے: "بندہ بالکل بے بس ہے۔" تو کوئی یہ نظریہ اپنا لیتا ہے کہ "بندہ اپنے اَفعال کا خالق ہے۔" جبکہ بعض اعتدال پر رہتے ہوئے اس طرف مائل ہیں کہ "بندہ اپنے اَفعال کا کاسب ہے۔"

اگر ان لوگوں کے لئے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جائیں اور وہ غیبی دنیا کو دیکھ لیں تو ان پر ظاہر ہو جائے کہ ان میں سے ہر کوئی ایک اعتبار سے سچا ہے اور ایک لحاظ سے سارے کے سارے غلطی پر ہیں۔ لہٰذا ان میں سے کسی نے بھی اس مُعاملہ کی حقیقت کا ادراک نہیں کیا اور نہ ہی اس کا عِلْم اس مُعاملہ کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کر سکا اور اس کے علم کی تکمیل اس نور کی چمک سے ہوتی ہے جو عالَمِ غیب کی طرف سے کھلتی ہے۔ بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ غیب اور ظاہر کا جاننے والا ہے، وہ سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے اپنے غیب کو

کسی پر ظاہر نہیں فرماتا اور ظاہر پر تو ایسوں کو بھی مُطّلَع کرتا ہے جو اس کے پسندیدہ نہیں۔

جس نے بھی اَسباب اور مُسبَّبات کے سلسلہ کو حَرَکت دی اور ان کے تسلسل کی کیفیت اور مُسبِّبُ الاَسباب (اللہ عَزَّوَجَلَّ) سے اس کے ربط و تعلق کی وجہ معلوم کر لی اس پر تقدیر کا راز مُنکَشِف ہو جاتا ہے اور وہ اس بات کو یقینی طور پر جان لیتا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا کوئی خالق نہیں اور نہ ہی اس کے علاوہ اشیاء کو بلا نمونہ بنانے والا کوئی اور ہے۔

ایک سُوال اور اس کا جواب:

اگر کہا جائے کہ ابھی آپ نے کہا "انسان کو مجبورِ محض (یعنی بالکل بے بس) سمجھنے والے، بندے کو اپنے افعال کا خالق کہنے والے اور بندے کو صرف کاسِب ماننے والے تمام کے تمام ایک لحاظ سے سچے ہیں اور سچا ہونے کے ساتھ ان میں کوتاہی بھی ہے۔" یہ تو تناقُض ہے (یعنی آپ کی بات میں ٹکراؤ ہے)۔ اسے سمجھنا کیسے ممکن ہے؟ اور کیا کوئی ایسی مثال ہے جس سے سمجھنا ممکن ہو؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جی ہاں! ایسی مثال بالکل موجود ہے اور وہ یہ کہ نابینا لوگوں کے ایک گروہ نے سنا کہ شہر میں ہاتھی نامی ایک عجیب وغریب جانور لایا گیا ہے، انہوں نے نہ کبھی اس کے بارے میں سنا تھا اور نہ ہی اس کی شکل وصورت کا مُشاہَدہ کیا تھا۔ کہنے لگے: ہمیں اس کا مشاہدہ کرنا چاہئے اور جہاں تک ہو سکے اسے ہاتھ لگا کر پہچاننا چاہئے۔ وہ ہاتھی کے پاس چلے گئے اور اُسے ہاتھوں سے ٹٹولا۔ کسی نابینا کا ہاتھ اس کے پاؤں پر پڑا، کسی کا دانت پر اور کسی کا ہاتھ اس کے کان پر پڑا۔ پھر سب کہنے لگے "ہم نے ہاتھی کو پہچان لیا ہے۔" جب واپس لوٹنے پر دیگر نابیناؤں نے ان سے ہاتھی کے بارے میں پوچھا تو اُن کے جوابات مختلف تھے۔ جس نے پاؤں کو چھوا تھا اس نے کہا: "ہاتھی کھردرے ستون کی طرح مگر اس سے کچھ نرم ہوتا ہے۔" جس نے اس کے دانت کو ہاتھ لگایا تھا اس نے کہا: "جیسا تم کہتے ہو ہاتھی ویسا نہیں ہوتا بلکہ وہ سخت ہوتا ہے نرم نہیں، چکنا ہوتا ہے کُھردرا نہیں اور سُتُون کی طرح بالکل موٹا نہیں بلکہ شہتیر کی طرح ہوتا ہے۔" جس نے اس کے کان کو چھوا تھا اس نے کہا: "میری زندگی کی قسم! ہاتھی نرم ہوتا ہے مگر اس میں کھردرا پن بھی پایا جاتا ہے۔" تو اِس نے پہلے دونوں میں سے ایک کی تصدیق کی مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا: "وہ نہ تو ستون کی طرح ہوتا ہے، نہ ہی

شہتیر کی طرح بلکہ وہ تو پھیلے ہوئے موٹے چمڑے کی مانند ہوتا ہے۔"

پس ان میں سے ہر ایک نے ایک اعتبار سے سچ کہا کیونکہ ہر ایک نے ہاتھی کی جتنی پہچان حاصل کی اتنی ہی خبر دی اور کسی نے بھی ہاتھی کی صِفَت بتانے میں تجاوز نہیں کیا لیکن مجموعی طور پر وہ ہاتھی کی صورت کی حقیقت کا احاطہ کرنے سے قاصر رہے۔ اس مثال کو سامنے رکھ کر اس پر قیاس کیجئے کیونکہ جن باتوں میں لوگ اختلاف کرتے ہیں ان میں سے اکثر کی یہی مثال ہے۔ اگرچہ یہ کلام عُلُومِ مُکاشَفہ کو چھو رہا ہے اور اس کی موجوں کو حَرَکت دے رہا ہے مگر ہماری یہ غرض نہیں ہے لہٰذا ہم اپنے مقصد کی طرف آتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ توبہ اپنے تینوں اجزا عِلْم، نَدامت اور ترکِ گناہ کے ساتھ واجب ہے۔ ندامت وُجوب میں اس وجہ سے داخل ہے کہ یہ من جملہ ایسے اَفعالِ اِلٰہی میں واقع ہوتی ہے جو بندے کے علم، اس کے ارادہ اور اس کی قدرت کے درمیان ہوتے ہیں اور جس کی صفت یہ ہو "وجوب" کا نام اسے شامل ہوتا ہے۔

تیسری فصل: توبہ فوری واجب ہونے کا بیان

توبہ کے فوری واجب ہونے میں کوئی شک نہیں کیونکہ گناہوں کے ہلاکت خیز ہونے کی پہچان حاصل کرنا نفسِ ایمان سے ہے اور وہ فوراً واجب ہے۔ اس وجوب کی تعمیل وہی شخص کر سکتا ہے جو اس کو ایسے جان لے کہ یہ ناروا باتوں سے روکنے والا ہے۔ یہ مَعْرِفَت عَمَل سے لا تعلُّق عُلُومِ مُکاشَفہ میں سے نہیں بلکہ یہ علومِ مُعامَلہ میں سے ہے اور ہر وہ علم جس سے یہ ارادہ کیا جائے کہ وہ عمل کا باعث بنے، اس سے سبکدوشی اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک وہ عمل کا باعث نہ بنے۔ گناہوں کے نقصان دہ ہونے کا علم اس لئے مقصود ہوتا ہے کہ وہ گناہ چھوڑنے کا باعث بنے تو جو شخص اسے نہیں چھوڑتا وہ ایمان کے اس جز سے محروم ہے۔ درج ذیل فرمانِ مصطفٰے سے یہی مراد ہے۔ چنانچہ،

حضور سیِّدِ عالَم، نُورِ مُجسَّم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "لَا یَزْنِی الزَّانِی حِیْنَ یَزْنِی وَھُوَ مُؤْمِنٌ یعنی زانی جب زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا۔"[1]

اس فرمانِ عالی میں ایمان کی نفی کا ارادہ نہیں فرمایا جو کہ عُلُومِ مُکاشَفہ کی طرف لوٹتی ہے جیسے اللہ عَزَّوَجَلَّ

---

1 ...بخاری، کتاب المحاربین من اھل الکفر، باب اثم الزناۃ، ۴/ ۳۳۸، حدیث: ۶۸۱۰

کو جاننا، اس کی وحدانیت، صفات، کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا کیونکہ زنا اور دیگر گناہ اس ایمان کے منافی نہیں ہیں بلکہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس سے ایمان کی نفی کا اس طور پر ارادہ فرمایا کہ زنا اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دوری اور اس کی ناراضی کو لازم کرتا ہے۔ جیسے کوئی طبیب (Doctor) کہے: ”یہ زہر ہے اسے ہرگز نہ کھانا۔“ پھر اگر وہ کھالے تو کہا جاتا ہے: ”اس نے زہر کھالیا اور وہ مانتا نہیں۔“ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ طبیب کے وُجود اور اس کے طبیب ہونے کو نہیں مانتا اور اس کی تصدیق نہیں کرتا بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ طبیب کے اس قول کہ ”یہ ہلاک کرنے والا زہر ہے“ کی تصدیق نہیں کرتا اس لئے کہ جو آدمی زہر کی حقیقت جانتا ہے وہ اسے ہرگز نہیں کھاتا۔ پس لازمی بات ہے کہ گناہ گار ناقِصُ الاِیمان ہے اور ایمان کا صرف ایک ہی دروازہ نہیں بلکہ اس کے 70 سے کچھ زائد شعبے ہیں جن میں سب سے اعلیٰ اس بات کی گواہی دینا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا کوئی معبود نہیں (حضرت محمد صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اللہ عَزَّوَجَلَّ کے رسول ہیں) اور سب سے ادنیٰ شعبہ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا ہے۔

ایمان اور انسان:

ایمان کے 70 سے کچھ زائد دروازے ہیں۔ اس کی مثال کسی کہنے والے کا یہ قول ہے کہ انسان ایک ہی طرح کا وجود نہیں رکھتا بلکہ وہ 70 سے کچھ زائد طرح کا وجود رکھتا ہے جس میں سب سے اعلیٰ دل اور روح ہے اور سب سے ادنیٰ ظاہری جسم سے ایذا کو دور کرنا ہے۔ مثلاً مونچھیں اور ناخُن تراشنا اور جسم کو میل کچیل سے صاف رکھنا تاکہ کھلے پھرنے والے اُن چوپایوں سے ممتاز رہے جو اپنی مینگنیوں اور گوبر سے آلودہ رہتے ہیں اور اپنے لمبے ناخنوں اور طویل کُھروں کے سبب ناپسندیدہ صورت ہوتے ہیں۔ یہ مثال مناسب ہے۔ پس ایمان انسان کی طرح ہے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ایک ہونے کی گواہی کا مفقود ہونا باطل ہونے کو مکمل طور پر لازم کر دیتا ہے جیسا کہ انسان میں روح کا مفقود ہونا اس کے معدوم ہونے کی دلیل ہے۔ جس کے پاس توحید و رسالت کی گواہی کے علاوہ کچھ نہ ہو (یعنی گناہ ہوں مگر نیکیاں نہ ہوں) وہ گویا ایسا انسان ہے جس کے اعضاء کٹے ہوئے ہوں، آنکھیں پھوٹی ہوئی ہوں اور تمام ظاہری و باطنی اعضاء سے محروم ہو البتہ روح موجود ہو۔ جس طرح ایسا آدمی قَرِیْب

اَلْمَرْگ ہوتا ہے کہ اس کی روح تقویت پہنچانے والے اعضاء سے الگ ہو کر کمزور اور تنہا رہ گئی جو کسی بھی وقت نکل سکتی ہے۔ ایسا ہی حال اس شخص کا ہوتا ہے جس کے پاس صرف ایمان ہو اور وہ اعمال سے محروم ہو، قریب ہے کہ مَلَکُ الْمَوْت عَلَیْہِ السَّلَام کی آمد و ظہور کے وقت ایمان کو حَرَکت دینے والی تند و تیز ہواؤں کے تھپیڑوں سے اس کے ایمان کا دَرَخْت جڑ سے اکھڑ جائے۔ پس ہر وہ ایمان جس کی جڑ یقین میں مضبوط و قائم نہ ہو اور اعمال میں اس کی شاخیں پھیلی ہوئی نہ ہوں تو وہ ملک الموت عَلَیْہِ السَّلَام کی آمد کے وقت ہوش اُڑا دینے والی ہولناکیوں کے سامنے نہیں ٹھہر پاتا اور اس پر بُرے خاتمے کا خوف ہے۔ ہاں وہ ایمان جسے ہمیشہ عبادات کے پانی سے سیر اب کیا جاتا ہے وہ مضبوط اور راسخ ہوتا ہے۔

نیکو کار و گناہ گار اور صنوبر و کدو:

کوئی گناہ گار کسی نیکوکار سے اگر یہ کہے کہ ''اِنِّیْ مُؤْمِنٌ کَمَا اَنَّکَ مُؤْمِنٌ یعنی بے شک میں بھی تمہاری طرح مومن ہوں۔'' تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کدو کا پیڑ کسی صنوبر کے درخت سے کہے کہ ''اَنَا شَجَرَۃٌ وَّ اَنْتَ شَجَرَۃٌ یعنی میں بھی درخت ہوں اور تو بھی درخت ہے۔'' اور صنوبر کے درخت کا جواب کتنا اچھا ہو گا اگر وہ یہ کہے کہ ''محض نام میں شراکت کے سبب تم جس دھوکے کا شکار ہو عنقریب تمہیں اس کا علم ہو جائے گا جب خزاں کی ہوائیں چلیں گی تو اس وقت تمہاری جڑیں اکھڑ جائیں گی اور پتے بکھر جائیں گے اور تمہیں جو نام میں شراکت کا دھوکا لگا ہے وہ تم پر آشکار ہو جائے گا۔ تم نے صرف نام کو دیکھا مگر درخت کو قائم رکھنے والے اَسباب سے غافل رہے۔''

وَسَوْفَ تَرٰی اِذَا انْجَلَی الْغُبَارُ اَ فَرَسٌ تَحْتَکَ اَمْ حِمَارُ

ترجمہ: عنقریب جب غبار چھٹے گا تو دیکھ لوگے کہ تمہارے نیچے گھوڑا ہے یا گدھا۔

بیان کردہ معاملہ بوقتِ خاتمہ (یعنی موت کے وقت) ظاہر ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ موت کی علامتوں اور لرزہ خیز آثار کے خوف سے عارفین کی رگِ جان کٹ جاتی ہے کیونکہ اس وقت بہت ہی کم لوگ ثابت قدم رہ پاتے ہیں۔ الغرض گناہ گار انسان جب اپنے گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں ہمیشہ رہنے سے نہیں ڈرتا جیسا کہ نقصان دہ خواہِشات میں مُنْہَمِک تندُرُست انسان جب اپنی صحت کی وجہ سے موت سے نہیں ڈرتا کیونکہ موت غالب طور پر اچانک نہیں آتی تو اس کے متعلق یہ کہا جائے گا: ''تندرست انسان بیماری سے ڈرتا ہے پھر

جب بیمار ہو جائے تو موت سے ڈرتا ہے۔" یونہی گناہ گار شخص بُرے خاتمے سے ڈرتا ہے، پھر اگر اس کا خاتمہ بُرا ہوگا تو ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہنا پڑے گا۔ اَلْعِیَاذُ بِاللہ

ایمان کے لئے خطرہ:

پس گناہ ایمان کے لئے اسی طرح نقصان دہ ہیں جیسے مضر صحت کھانے جسم کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ یہ کھانے معدے میں جمع ہوتے رہتے ہیں یہاں تک کہ خون و بلغم وغیرہ کے مزاج میں تبدیلی آنا شروع ہو جاتی ہے اور اسے شُعُور بھی نہیں ہوتا حتّٰی کہ مِزاج بگڑ جاتا ہے اور وہ اچانک بیمار پڑ جاتا ہے اور پھر اچانک موت کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہی معاملہ گناہوں کا بھی ہے۔

گناہوں کا زہر:

لہٰذا جب اس ناپائیدار دنیا میں ہلاکت کا خوف رکھنے والے پر لازم ہے کہ زہر سے بچے اور ہر اس کھانے سے فوری طور پر اور ہر حال میں بچے جو نقصان دہ ہے تو پھر ہمیشگی کی ہلاکت کا خوف رکھنے والے پر بدَرَجہ اَوْلیٰ واجب ہے کہ گناہوں سے بچتا رہے۔ اسی طرح جب زہر کھانے والے پر واجب ہے کہ جوں ہی نادم ہو فوراً قے کر دے اور جسم کو ہلاکت سے بچانے کے لئے اسے معدے سے نکال کر آئندہ اس کے کھانے سے پرہیز کرے تو پھر دین کو ختم کرنے والا زہر کھانے والے یعنی ارتکابِ گناہ کرنے والے پر بدرجہ اولیٰ واجب ہے کہ جب تک تدارُک و تلافی کے لئے مہلت یعنی عمر باقی ہے ممکنہ حد تک تدارک کے ذریعے گناہوں سے توبہ کرے کیونکہ اِس زہر سے ڈرانے والی شے باقی رہنے والی آخرت سے محرومی ہے کہ جس میں ہمیشہ کی نعمتیں اور عظیم سلطنت ہے اور اس سے محرومی کی صورت میں دوزخ کی آگ اور ہمیشگی کا عذاب ہے۔ دنیا کی کئی گنا زندگی اس کا عُشرِ عَشِیر بھی نہیں کیونکہ اس کی کوئی انتہا نہیں۔

اس سے قبل کہ گناہوں کا زہر روحِ ایمان پر وہ اثر ڈالے جس کا علاج طبیبوں کے پاس نہ ہو اور نہ نصیحت والوں کی نصیحت اور وعظ والوں کا وعظ فائدہ دے توبہ کی طرف جلدی کرنی چاہئے، اگر توبہ نہ کی تو اس پر یہ بات صادق آئے گی کہ وہ ہلاک ہونے والوں میں سے ہے اور وہ اس فرمانِ باری تعالیٰ کے عموم میں داخل ہوگا:

وَ جَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ﴿۹﴾ وَ سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰﴾ (پ۲۲، یٰسٓ: ۹تا۱۰)

ترجمۂ کنزالایمان: اور ہم نے اُن کے آگے دیوار بنادی اور ان کے پیچھے ایک دیوار اور اُنھیں اوپر سے ڈھانک دیا تو انھیں کچھ نہیں سوجھتا اور اُنھیں ایک سا ہے تم انھیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان لانے کے نہیں۔

اے بندے! آیت مبارکہ میں مذکور لفظ ایمان (یعنی لَا یُؤْمِنُوْنَ) تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے کہ تم کہنے لگو آیت سے مراد کافر ہے کیونکہ تمہیں پہلے ہی بتادیا گیا ہے کہ ایمان کے 70 سے کچھ زائد دروازے ہیں اور زانی جب زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا۔ پس جو شخص شاخوں اور فروع والے ایمان سے محروم ہے قریب ہے کہ وہ بوقتِ خاتمہ اصل ایمان سے بھی محروم ہوجائے۔ جیسے تمام اعضاء سے محروم آدمی عنقریب روح کو ختم کرنے والی موت کی طرف چلاجائے گا جو کہ اصل ہے۔ الغرض فرع کے بغیر اصل کو بقا نہیں اور اصل کے بغیر فرع کا وجود نہیں ہوتا۔ اصل اور فرع کے درمیان صرف ایک ہی شے میں فرق ہے کہ فرع کا وجود اور اس کا باقی رہنا دونوں اصل کے وجود کو چاہتے ہیں لیکن اصل کا وجود فرع کے وجود کو نہیں چاہتا۔ لہٰذا اصل کی بقا فرع سے ہے اور فرع کا وُجود اصل پر موقوف ہے۔ معلوم ہوا کہ عُلُومِ مُکاشَفَہ اور عُلُومِ مُعامَلہ ایک دوسرے کو لازم ہیں جیسے فرع اور اصل ایک دوسرے کو لازم ہیں اور ان میں سے ایک دوسرے سے بے نیاز نہیں ہوسکتا اگرچہ ایک اصل کے مرتبہ میں ہے اور دوسرا تابع کے مرتبہ میں۔

علوم معاملہ اگر عمل پر نہ اُبھاریں تو ان کا نہ ہونا ہونے سے بہتر ہے کیونکہ اگر ان سے مقصود عمل بجانہ لایا جائے تو یہ ان عُلُوم سے موصوف شخص ہی کے خِلاف حُجَّت بن جائیں گے۔ اسی لئے بے عمل عالِم کو عذاب زیادہ ہوگا۔ جیسا کہ ہم نے ”عِلْم کے بیان“ میں احادیثِ کَرِیْمہ بیان کر دی ہیں۔

چوتھی فصل: ہر شخص پر ہر حال میں توبہ واجب ہے

جان لیجئے کہ قرآن کریم کی آیتِ مُقَدَّسہ واضح طور پر اس پر دلالت کرتی ہے کہ توبہ ہر شخص پر ہر حال میں واجب ہے کوئی بھی اس سے مستثنیٰ و بری نہیں۔ چنانچہ، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾ (پ۱۸، النور: ۳۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اللہ کی طرف توبہ کرو اے مسلمانو سب کے سب اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ۔

اس آیتِ طیبہ میں تمام مسلمانوں کو خطاب ہے نیز نورِ بصیرت بھی اسی کی طرف راہ نمائی کرتا ہے کیونکہ توبہ کا معنی ہے "اُس راستہ سے واپس لوٹنا جو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دور اور شیطان کے قریب کرتا ہے۔" اور یہ کام کسی عقل مند ہی سے متصور ہے اور عقل کی فطری تکمیل اسی وقت ہوگی جب شہوت، غضب اور وہ تمام مذموم صفات جو انسان کو بہکانے کے لئے شیطان کے جال ہیں کامل ہوں کیونکہ 40 سال کی عمر میں عقل کامل ہوتی ہے جبکہ بنیادی طور پر قریبِ بُلُوغ پوری ہو جاتی ہے اور اس کی نشانیاں سات سال کے بعد ظاہر ہو جاتی ہیں اور خواہشات شیطان کا لشکر ہیں اور عُقُول فِرِشتوں کا لشکر ہیں پس جب یہ دونوں جمع ہوں گے تو ان کے مابین لڑائی ضرور ہو گی کیونکہ باہم ضد ہونے کے سبب دونوں اکٹھے نہیں ہو سکتے، ان دونوں کے درمیان ایسی جنگ ہے جیسی رات اور دن اور روشنی اور اندھیرے میں ہے کہ ایک وقت میں جمع نہیں ہو سکتے۔

جب ان میں سے ایک لشکر غالب آجاتا ہے تو دوسرے کو نکال باہر کرتا ہے اور اگر نفسانی خواہشات بچپن اور جوانی میں عقل کے کامل ہونے سے پہلے ہی کامل ہو جائیں تو شیطانی لشکر سبقت لے جاتا ہے اور دل پر قبضہ جما لیتا ہے اور لامُحالہ دل میں خواہشات سے اُنسیت اور اُلفت پیدا ہو جاتی ہے اور خواہشات بندے پر غلبہ کر لیتی ہیں اور اس کے لئے ان سے نکلنا دشوار ہو جاتا ہے۔ پھر عقل چمکتی ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کا گروہ اور لشکر ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے دوستوں کو اس کے دشمنوں کے ہاتھوں سے آہستہ آہستہ بچاتی ہے۔ پس اگر یہ عقل مضبوط اور کامل نہ ہو تو دل کی زمین شیطان کے قبضے میں چلی جاتی ہے اور وہ ملعون اپنا وعدہ پورا کرتا ہے۔ جیسا کہ اس نے کہا تھا:

لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّیَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۶۲﴾ (پ۱۵، بنی اسرآئیل: ۶۲)

ترجمۂ کنزالایمان: تو ضرور میں اس کی اولاد کو پیس ڈالوں (برباد کر ڈالوں) گا مگر تھوڑا۔

اگر عقل کامل اور طاقتور ہو جائے تو اس کا پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ خواہشات کو توڑ کر، بُری عادتیں ختم کر کے اور طبیعت کو عبادات پر مجبور کر کے شیطانی لشکر کا قَلع قُمع کرتی ہے اور توبہ کا مطلب بھی یہی ہے اور وہ اُس راستے سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے راستے کی طرف لوٹ آنا ہے جس پر شہوت راہ نما ہے اور شیطان گڑھا کھودنے والا ہے۔

خواہش عقل پر سبقت رکھتی ہے:

ہر آدمی کی شہوت و خواہش عقل پر سبقت رکھتی ہے اور اس کی وہ فطرت جو شیطان کا حصہ ہے اس فطرت پر مقدم ہوتی ہے جو فرشتوں کا حصہ ہے، لہٰذا جو اَفعال خواہشات کے سبب سرزد ہوئے ہوں ان سے رُجُوع کرنا ہر انسان کے ذِمّہ لازم ہے خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ پس تم ہر گز یہ گمان نہ کرنا کہ توبہ کا لازم ہونا حضرت سیِّدُنا آدم عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے ساتھ خاص ہے۔ کسی نے صحیح کہا ہے:

فَلَا تَحْسَبَنَّ هِنْدًا لَهَا الْغَدْرُ وَحْدَهَا ‏ سَجِيَّةُ نَفْسٍ كُلُّ غَانِيَةٍ هِنْدٌ

ترجمہ: ہر گز گمان نہ کرنا کہ ہند (نامی عورت) ہی دھوکے باز ہے بلکہ ہر پیکرِ حسن و جمال عادت میں ہند جیسی ہی ہے۔

بلکہ یہ ایک ازلی حکم ہے جو جِنْسِ انسانی پر لکھ دیا گیا، اس کا خلاف اس وقت تک فرض نہیں کیا جاسکتا جب تک دستورِ الٰہی نہیں بدلتا اور اس میں تبدیلی کا تصور بھی نہیں تو ہر وہ شخص جو حالَتِ کُفر اور جہالت میں بالغ ہوا اس پر اپنے کفر اور جہالت سے توبہ واجب ہے اور اگر والدین کے تابع ہونے کے سبب مسلمان بالغ ہوا مگر اپنے اسلام کی حقیقت سے غافل ہو تو اُس پر اِس غفلت سے توبہ کرنا اور اسلام کا معنی و مفہوم سمجھنا لازم ہے کیونکہ جب تک خود سے اسلام نہیں لائے گا والدین کا اسلام اسے بے پرواو مستغنی نہیں کرے گا اور اگر وہ یہ سب سمجھتا ہو تو اُس پر لازم ہے کہ خواہشات کی لت اور ان میں انہماک سے رجوع کرے، دوبارہ ان کی طرف نہ جائے اور رُخْصَت و مُمانَعَت میں وارِد حُدُودِ الٰہی کی حقیقی روح پر قائم رہے۔ خواہشات کو پَس پُشْت ڈال کر ان سے رُکے رہنا توبہ کے دوازوں میں سے سخت تر دروازہ ہے۔ اکثر لوگ اسی معاملہ میں ہلاکت سے دوچار ہوئے کیونکہ وہ اس مرحلے پر ثابت قدمی سے عاجز رہے اور ان سب کا نام رجوع اور توبہ ہے۔

پس یہ دلیل ہے کہ توبہ ہر شخص کے حق میں فرضِ عین ہے۔ کسی بھی فردِ بشر کا اس سے بے نیاز ہونا متصور نہیں جیسا کہ حضرت سیِّدُنا آدم عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام اس سے مُسْتَغْنِی نہ ہوئے۔ تو جس معاملہ کی گنجائش والد کی خلقت میں نہ ہو اولاد کی خلقت میں کیونکر ہو گی؟

توبہ کے دائمی وُجُوب کا بیان:

توبہ کے دائمی اور ہر حال میں واجب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کوئی بھی بندہ بشر اعضاء کی لغزشوں سے

خالی نہیں حتّٰی کہ حضراتِ انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام سے بھی لغزشیں واقع ہوئیں جیساکہ قرآن کریم اور احادیثِ طیبہ میں ان کی لغزشوں، ان کی توبہ اور لغزشوں پر ان کی گریہ وزاری کا تذکرہ ہے۔

پھر اگر بندہ بعض اوقات اعضاء سے گناہ کا اِرتِکاب نہ بھی کرے پھر بھی دل گناہوں کے ارادے سے خالی نہیں ہوتا اور اگر کبھی ان کے ارادے سے خالی بھی ہو تو ذکرُ اللہ سے دور کرنے والے مختلف شیطانی وساوس سے خالی نہیں ہوتا، اگر اس سے بھی خالی ہو تو اللہ عَزَّوَجَلَّ، اس کی صفات اور اس کے افعال کے علم سے غفلت و کوتاہی سے خالی نہیں ہوتا اور یہ تمام باتیں خرابی و نقص ہیں۔ اس کے بہت سے اَسباب ہیں اور اسباب کی ضدوں میں مشغول ہو کر ان اسباب کو ترک کرنا ایک راستے سے اس کی ضد کی طرف رجوع کرنا ہے اور توبہ سے مراد بھی رجوع ہے اور ابنِ آدم کے حق میں اس نقص سے خالی ہونا متصور نہیں۔ ہاں درجات میں یہ مختلف ہوتے ہیں جبکہ اصل ہر ایک میں لازمی ہوتی ہے۔ چنانچہ

دن میں 70 بار استغفار:

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غُیوب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”اِنَّہٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ حَتّٰی اَسْتَغْفِرَ اللّٰہَ فِی الْیَوْمِ وَاللَّیْلَةِ سَبْعِیْنَ مَرَّةً یعنی بے شک میرے دل پر کبھی پردہ آجاتا ہے حتّٰی کہ میں دن اور رات میں 70 بار اللہ عَزَّوَجَلَّ سے استغفار کرتا ہوں۔“(1)

یوں ہی اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اِکرام کے لئے ارشاد فرمایا:

لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ (پ۲۶، الفتح: ۲)

ترجمۂ کنزالایمان: تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔

جب حُضُور نبیِّ کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا یہ مُعامَلہ ہے تو دوسروں کا کیا حال ہو گا (جبکہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم گناہوں سے معصوم ہیں اور آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا استغفار کرنا اُمت کی تعلیم اور درجات کی بلندی کے لئے تھا)۔

---

(1)...بخاری، کتاب الدعوات، باب استغفار النبی فی الیوم واللیلة، ۴/ ۱۹۰، حدیث: ۶۳۰۷، دون ”انہ لیغان علی قلبی“
مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب استحباب الاستغفار، ص ۱۴۴۹، حدیث: ۲۷۰۲، بتغیر قلیل

ایک سوال اور اس کا جواب:

یہ بات مخفی نہیں کہ دل پر غم اور خیالات کا طاری ہونا نقص و خرابی ہے اور دل کا ان سے خالی ہونا کمال وخوبی ہے جبکہ جلالِ الٰہی کی حقیقت کی معرفت میں کمی نقص و خرابی ہے اور جب مَعْرِفَت میں اضافہ ہوتا ہے کمال بھی بڑھتا جاتا ہے اور اسباب نُقصان سے کمال کی طرف منتقل ہونا رجوع کہلاتا ہے اور رجوع توبہ ہے مگر یہ فضائل ہیں فرائض نہیں اور آپ نے ہر حال میں توبہ کے واجب ہونے کی بات کی ہے حالانکہ ان امور سے توبہ واجب نہیں کیونکہ کمال کو مکمل طور پر حاصل کرنا شریعت میں واجب نہیں۔ تو پھر آپ کی اس بات کا کیا مطلب ہے "توبہ ہر حال میں واجب ہے۔"

یادرکھئے! یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ انسان اپنی پیدائش کی ابتدا میں اتباعِ خواہشات سے بالکل خالی نہیں ہوتا اور توبہ کا مطلب یہ نہیں کہ صرف خواہشات کو چھوڑ دیا جائے بلکہ گذشتہ گناہوں کے تدارک وتلافی سے توبہ مکمل ہوتی ہے اور ہر وہ خواہش جسے انسان پورا کر گزرتا ہے اس سے ایک اندھیرا اس کے دل کی طرف اٹھتا ہے جیسے انسانی سانس سے ایک سیاہی (یعنی بھاپ) صاف ستھرے آئینے کو دھندلا دیتی ہے۔ پھر اگر خواہشات کے اندھیروں کا انبار لگ جائے تو وہ زنگ بن جاتا ہے جیسا کہ آئینہ پر سانس کی بھاپ بڑھتے بڑھتے اسے زنگ لگا دیتی ہے۔ چنانچہ، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كَلَّا بَلْ ٚ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ (پ۳۰، المطففین: ۱۴)

ترجمۂ کنز الایمان: کوئی نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے ان کی کمائیوں نے۔

پھر زنگ جب تہہ در تہہ جم جاتا ہے تو وہ طبیعت و عادت میں داخل ہو جاتا ہے اور دل اس کا خوگر بن جاتا ہے۔ جیسا کہ آئینہ پر اگر سانس کی بھاپ کی تہہ لگ جائے اور طویل مدت تک اس پر باقی رہے تو وہ اس میں سرایت کر کے اسے خراب کر دیتا ہے اور پھر وہ صفائی کو قبول نہیں کرتا اور ایسا ہو جاتا ہے جیسے وہ اسی میل کچیل سے بنا ہو۔

خواہشات کی پیروی کے تدارُک (یعنی توبہ) میں یہ کافی نہیں کہ مستقبل میں انہیں ترک کر دے بلکہ دل پر جو زنگ کی تہہ جمی ہوئی ہے اسے دور کرنا بھی ضروری ہے جیسے آئینے میں چہرہ دیکھنے کے لئے یہ کافی نہیں

کہ آئندہ چہرے کو دھندلا دینے والے بخارات اور سانس سے اسے بچائیں گے بلکہ ضروری ہے کہ پہلے اس پر چڑھا ہوا زنگ دور کیا جائے اور جس طرح گناہوں اور خواہشات سے ایک اندھیرا دل کی طرف اٹھتا ہے اسی طرح نیکیاں کرنے اور خواہشات کو چھوڑنے سے ایک نور دل کی طرف بلند ہوتا ہے۔ پس گناہ کا اندھیرا اطاعت کے نور سے مٹ جاتا ہے اور حدیث شریف میں بھی اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ،

محبوب ربِّ داور، شفیعِ روزِ مَحشر صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ مغفرت نشان ہے: ''اَتْبِعِ السَّیِّئَۃَ الْحَسَنَۃَ تَمْحُھَا یعنی گناہ کے بعد نیکی کرلو یہ اسے مٹادے گی۔''[1]

پس مُعاملہ یہ ہے کہ بندہ کسی حال میں اپنے دل سے گناہوں کے اَثرات کو نیکیاں کرکے مٹانے سے بے نیاز نہیں کیونکہ نیکیوں کے اثرات گناہوں کے اثرات کی ضد ہیں اور یہ اس دل میں ہوتا ہے جو شروع میں صاف وشفاف ہو پھر عارضی اسباب سے تاریکی وسیاہی کا شکار ہوگیا۔ پھر یہ کہ دل میں پہلے جیسی صفائی وروشنی پیدا کرنا مشکل وطویل عمل ہے کیونکہ آئینے سے زنگ کو ختم کرنا اتنا بڑا کام نہیں جتنا خود آئینہ بنانا دُشوار ہے۔ پس یہ طویل اعمال کبھی انسان سے علیحدہ نہیں ہوتے اور یہ تمام کا تمام توبہ کی طرف لوٹتا ہے۔

واجب کے دو معانی ہیں:

جہاں تک آپ کی یہ بات ہے کہ ''اسے واجب نہ کہا جائے بلکہ یہ صرف اضافی خوبی اور کمال حاصل کرنا ہے۔''تو جان لیجئے کہ واجب کے دو معنی ہیں:

(1)...ایک وہ جو شریعت کے فتوٰی میں داخل ہے اور اس میں سارے لوگ شریک ہیں اور وہ اتنی وُسعت ومقدار رکھتا ہے کہ اگر تمام لوگ بھی اس میں مشغول ہوجائیں تو نظام دنیا خراب نہیں ہوگا (اور اس کے برعکس) اگر تمام لوگوں کو اس کا پابند بنایا جائے کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ایسا ڈریں جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے تو وہ گُزربَسر کے اَسباب چھوڑدیں گے اور دنیا سے بالکل کنارہ کش ہوجائیں گے اور پھر ان کے اسی عمل سے تقوٰی مکمل طور پر باطل وضائع ہوجائے گا کیونکہ جب معیشت واسبابِ زندگی تباہ ہوجائیں گے تو کوئی بھی شخص تقوٰی کے لئے فارغ نہ ہوگا بلکہ کپڑے بُننے، کھیتی باڑی کرنے اور روٹی پکانے وغیرہ کاموں میں مشغول رہے گا اور ہر

---

1 ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند الانصار، حدیث معاذ بن جبل، ۸/ ۲۴۵، حدیث: ۲۲۱۲۰

شخص جس شے کا محتاج ہو گا اپنی ساری زندگی اسی میں لگا دے گا، لہٰذا یہ تمام دَرَجات اس اعتبار سے واجب نہیں۔

(2)... دوسرا واجب وہ ہے جو ربُّ العالمین عَزَّوَجَلَّ کے قُرب اور حضراتِ صدیقین کے پسندیدہ مقام تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے۔ اس تک رسائی پانے کے لئے ان سب کاموں سے توبہ واجب ہے جو ہم نے بیان کئے ہیں۔ (اب ان دونوں واجبوں کی مثالیں ملاحظہ کیجئے) پہلے کی مثال جیسے کہا جاتا ہے کہ "نفل نماز میں طہارت واجب ہے۔" یعنی اس شخص پر واجب ہے جو اسے ادا کرنا چاہتا ہے۔ تو وہ طہارت کے بغیر اسے ادا نہیں کر سکتا۔ مگر جو شخص نفل نماز کی فضیلت سے محروم رہتا اور اس نقصان کو برداشت کرتا ہے تو اس پر اس نماز کے لئے طہارت واجب نہیں۔ دوسرے کی مثال جیسے کہا جاتا ہے کہ "آنکھ، کان، ہاتھ اور پاؤں انسان کے وُجود میں شرط ہیں یعنی اس شخص کے لئے شرط ہیں جو کامل انسان بننا اور اپنی انسانیت سے فائدہ اٹھا کر اس کے ذریعے دنیا میں بلند مقام تک رسائی چاہتا ہے لیکن جو شخص محض اصل حیات پر اِکتفا کرے اور اس بات پر راضی ہو کہ وہ قصّاب کی چٹائی پر پڑے گوشت اور پھینکے ہوئے چیتھڑے کی مثل ہو تو ایسی زندگی کے لئے آنکھ، ہاتھ اور پاؤں ضروری نہیں۔

معلوم ہوا کہ عوام سے متعلق فتوٰی میں داخل اصل واجبات سے صرف اَصْلِ نجات ملتی ہے اور اصلِ نجات اَصْلِ حیات کی طرح ہے اور تکمیلِ زندگی کے لئے اس سے اوپر جو سعادتیں ہیں وہ ان اعضاء اور آلات کی مثل ہیں جن سے زندگی کی بہاریں ہیں۔ حضراتِ انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام، اولیائے عظام اور عُلَمائے اسلام رَحِمَہُمُ اللّٰہُ السَّلَام وغیرہ اَصْلِ نجات سے اوپر اِنہی سعادتوں کے لئے کوشش فرماتے ہیں، اِنہی کی چاہت کرتے ہیں، اِنہی کے اردگرد رہتے ہیں اور ان سعادتوں کو پانے کے لئے ان حضرات نے دنیاوی لذتوں کو مکمل طور پر ترک کر دیا حتّٰی کہ حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللّٰہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام اس مقام تک پہنچے کہ ایک دن پتھر کو تکیہ بنا کر سو رہے تھے۔ اسی اثنا میں آپ عَلَیْہِ السَّلَام کے پاس شیطان آیا اور کہنے لگا: "کیا آپ نے آخرت کی خاطر دنیا چھوڑ نہیں دی تھی؟" آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا: "ہاں! چھوڑ دی ہے مگر ہوا کیا ہے؟" تو وہ بولا: آپ کا پتھر کو تکیہ بنانا دنیا سے فائدہ اٹھانا ہے۔ آپ اپنا سر زمین پر کیوں نہیں رکھتے؟" اس پر حضرت سیِّدُنا عیسٰی عَلَیْہِ السَّلَام نے وہ پتھر پھینک دیا اور سرِ اقدس زمین پر رکھ دیا۔

آپ عَلَیْہِ السَّلَام کا اس پتھر کو پھینک دینا اس دُنیاوی فائدہ سے رُجُوع (توبہ) کرنا تھا۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ حضرت سیِّدُنا عیسٰی عَلَیْہِ السَّلَام یہ نہیں جانتے تھے کہ عوام کے فتاوی کے مطابق زمین پر سر رکھنا واجب نہیں ہے!

نماز میں خشوع و خضوع کا اعلیٰ ترین درجہ:

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جب نماز میں حُضُور نبیِّ پاک، صاحِبِ لولاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی توجہ پھول دار کپڑے کے سبب بٹی تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اسے اُتار دیا۔ اسی طرح ایک بار نعلین شریف کے نئے تسمے نے توجہ بٹائی تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے دوبارہ پُرانا تَسْمَہ لگا لیا۔ تو کیا حُضُور رحمتِ عالم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو علم نہیں تھا کہ تمام بندوں کے لئے لائی ہوئی میری اس شریعت میں ایسا کرنا واجب نہیں؟ ہر گز نہیں بلکہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ضرور جانتے تھے۔ اس علم کے باوجود آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اسے تَرْک کرکے رُجُوع کیوں فرمایا؟ صرف اس لئے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ملاحظہ فرمالیا تھا کہ یہ (پھول دار کپڑا اور نیا تسمہ) آپ کے قلب اطہر پر ایسا اثر کر رہا ہے جو اس مقام محمود تک پہنچنے میں رکاوٹ ہے جس کا آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے وعدہ فرمایا گیا ہے۔

حلق میں انگلی ڈال کر دودھ نکال دیا:

کیا تم نہیں جانتے کہ ایک بار امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے دودھ نوش فرمایا بعد کو معلوم ہوا کہ یہ دودھ ناجائز طریقے پر حاصل کیا گیا ہے تو انہوں نے حلق میں انگلی ڈال کر اسے نکال دیا، قریب تھا کہ اس عمل سے آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی جان چلی جاتی۔ کیا آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کو یہ فقہی مسئلہ معلوم نہ تھا کہ ناواقفی میں ایسی شے کھالینے سے بندہ گناہ گار نہیں ہوتا اور ازروئے فقہ اسے پیٹ سے باہر نکالنا واجب نہیں ہوتا! مسئلہ معلوم ہونے کے باوجود معدے کو اس سے خالی کرکے آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ممکنہ حد تک اس کی تلافی و تدارُک کے ذریعے یہ رُجوع کیوں فرمایا؟ صرف اس راز کی حفاظت کے لئے جو آپ کے مُقَدَّس سینہ میں قرار پکڑ چکا تھا۔ اس راز سے آپ کو یہ معرفت ملی کہ عوام کے نزدیک جو فتوٰی ہے وہ دوسری بات ہے۔ راہِ آخرت کے خطرات سے صرف صدیقین ہی واقف ہوتے ہیں۔

شیطان کے مکر و فریب سے بچنا زیادہ اہم ہے:

اُن لوگوں کے اَحوال میں غور کیجئے جو مخلوق میں سب سے بڑھ کر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت رکھتے ہیں، اللہ عَزَّوَجَلَّ کی راہ، اس کی خُفیہ تدبیر اوراس سے دھوکے میں رکھنے والے پوشیدہ مقامات کو اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ اگر تم پر دنیا کے دھوکے سے بچنا ایک بار لازم ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بارے میں بڑے فریبی (شیطان) کے دھوکے سے بچنا ایک لاکھ مرتبہ لازم ہے۔ یہ وہ اسرار ہیں کہ اگر کوئی بندہ ان کی خوشبو بھی پالے تو وہ جان لیتا ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے راستے پر چلنے والا اگرچہ حضرت سیِّدُنا نوح نَجِیُّ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام جتنی زندگی رکھتا ہو اس پر ہر گھڑی نَصُوحی توبہ (یعنی آئندہ گناہوں سے بچ کر اطاعتوں سے معمور ہونا) لازم ہے اور یہ کسی مہلت کے بغیر فوراً واجب ہے۔

فرمانِ سیِّدُنا سلیمان دارانی:

حضرت سیِّدُنا ابو سلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی نے سچ فرمایا ہے: "اگر عقل مند اپنی باقی ماندہ زندگی میں صرف اس بات پر روئے کہ سابقہ زندگی اطاعت وعبادت کے بغیر گزر کر ضائع ہو گئی تو اسے مرتے دم تک غمزدہ رہنا ہی مناسب ہے تو پھر اس کا کیا حال ہونا چاہئے جو ماضی کی طرح مستقبل میں بھی جہالت کا شکار ہے۔"

آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کا یہ فرمان اس لئے ہے کہ عقل مند انسان کو اگر کوئی عمدہ و نفیس موتی ملے اور کوئی فائدہ اٹھائے بغیر وہ موتی ضائع ہو جائے تو لامُحالہ وہ اس پر روئے گا اور اگر اس کا ضائع ہونا اس کی ہلاکت وبربادی کا سبب ہو تو اس کا رونا زیادہ شدید ہو گا تو زندگی کی ہر گھڑی بلکہ ہر سانس ایک نفیس موتی ہے جس کا کوئی نِعْمُ الْبَدَل نہیں، یہ نفیس موتی ایسی صلاحیت رکھتا ہے کہ تمہیں اَبَدی سعادت تک پہنچادے اور دائمی بدبختی سے بچالے۔ اس سے بڑھ کر نفیس جوہر کیا ہو سکتا ہے؟ پس اگر تم اسے غفلت میں ضائع کر دو گے تو کھلم کھلا نقصان اٹھاؤ گے اور اگر اسے گناہ میں لگا دو گے تو بدترین ہلاکت سے دوچار ہو جاؤ گے۔ اب اگر تم اس مصیبت پر نہیں رو گے تو یہ تمہاری جہالت کے سبب ہو گا اور تمہاری جہالت کے سبب تمہیں پہنچنے والی مصیبت تمام مصیبتوں سے بڑھ کر ہے۔ مگر جہالت ایسی مصیبت ہے کہ اس کے سبب جسے مصیبت پہنچتی ہے اسے پتا ہی نہیں چلتا کہ وہ مصیبت کا شکار ہے کیونکہ غفلت کی نیند اس کے اور اس کی پہچاننے والی صِفَت (یعنی

مَعْرِفَت) کے درمیان حائل ہوتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ لوگ غفلت کی نیند سو رہے ہیں، جب مریں گے تو بیدار ہو جائیں گے۔ اس وقت ہر مُفْلِس اپنے اَفلاس کو اور ہر مصیبت زدہ اپنی مصیبت کو پہچان لے گا لیکن اس وقت اس کی تلافی و تدارُک نہیں ہو سکے گی۔

پلک جھپکنے کی مہلت:

ایک عارِف بِاللہ بُزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: جب حضرت سیِّدُنا عزرائیل عَلَیْہِ السَّلَام کسی بندے کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں تو اسے بتاتے ہیں کہ ''تمہاری زندگی کی ایک گھڑی باقی رہ گئی ہے اور اب تجھے پلک جھپکنے کی مقدار بھی مہلت نہیں دی جائے گی۔'' اس وقت بندے پر ایسا افسوس اور ایسی حسرت طاری ہوتی ہے کہ اگر اس وقت دنیا اپنی تمام نعمتوں کے ساتھ اس کی ملکیت میں آجائے تو وہ اسے دے کر اس آخری گھڑی پر ایک گھڑی کی مہلت چاہے گا تاکہ اس میں تکلیف برداشت کرکے اپنی کوتاہیوں کا ازالہ کرلے مگر اس وقت مہلت نہیں پائے گا۔ یہی وہ پہلا معنٰی ہے جو درج ذیل فرمانِ باری تعالٰی کے معانی میں ظاہر ہوتا ہے:

وَحِیْلَ بَیْنَهُمْ وَ بَیْنَ مَا یَشْتَهُوْنَ

(پ۲۲، سبا: ۵۴)

ترجمۂ کنزالایمان: اور روک کر دی گئی ان میں اور اس میں جسے چاہتے ہیں۔

اس ارشادِ باری تعالٰی میں بھی اسی طرف اشارہ ہے:

مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنِیْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِیْبٍۙ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ (۱۰) وَ لَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَاؕ وَ اللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (۱۱)

(پ۲۸، المنٰفقون: ۱۰، ۱۱)

ترجمۂ کنزالایمان: (اور ہمارے دیئے میں سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کرو) قبل اس کے کہ تم میں کسی کو موت آئے پھر کہنے لگے اے میرے رب تو نے مجھے تھوڑی مدت تک کیوں مہلت نہ دی کہ میں صدقہ دیتا اور نیکوں میں ہوتا اور ہرگز اللہ کسی جان کو مہلت نہ دے گا جب اس کا وعدہ آجائے اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔

اس آیتِ مبارَکہ میں بیان کردہ ''اَجَلٍ قَرِیْبٍ یعنی تھوڑی مدت'' کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ جس تھوڑی مدت کا وہ مطالبہ کرے گا اس کا معنٰی یہ ہے کہ نگاہوں سے پردہ اٹھنے کے وقت بندہ کہتا ہے: ''اے

مَلَکُ الْمَوْت! مجھے ایک دن کی مہلت دے دو تاکہ اپنے پروردگار عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں عذر خواہی کروں، توبہ کرلوں اور اپنے لئے نیکیوں کا توشہ لے لوں۔" موت کا فرشتہ جواب دیتا ہے: "تم نے سارے دن برباد کردیئے اب کوئی دن نہیں۔" بندہ کہتا ہے: "تو پھر ایک گھڑی ہی مہلت دے دو۔" فرشتہ جواب دیتا ہے: "تم نے تمام ساعتیں ضائع کردیں اب کوئی ساعت نہیں۔" پس اس پر توبہ کا دروازہ بند کردیا جاتا ہے، جان حلق تک آجاتی ہے، سانسیں اکھڑنا شروع ہوجاتی ہیں اور وہ نقصان کی تلافی نہ ہونے پر مایوسی اور زندگی کو ضائع کرنے پر حسرت وندامت کے گھونٹ بھرتا ہے۔ ان احوال کے صدموں میں اس کا اصل ایمان مُضْطَرِب ہوجاتا ہے۔ پھر روح نکلنے کے وقت اگر اچھی تقدیر غالب آتی ہے تو اس کی روح توحید پر نکلتی ہے۔ یہی حُسْنِ خاتمہ ہے۔ اگر شقاوت والی تقدیر غالب آتی ہے تو اس کی روح شک واضطراب کی حالت میں نکلتی ہے۔ یہی بُرا خاتمہ ہے۔ اسی سلسلے میں قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا:

وَ لَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَ لَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَ هُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓىٕكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۸﴾ (پ۴، النسآء: ۱۸)

ترجمۂ کنز الایمان: اور وہ توبہ ان کی نہیں جو گناہوں میں لگے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں کسی کو موت آئے تو کہے اب میں نے توبہ کی اور نہ ان کی جو کافر مریں ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ فَاُولٰٓىٕكَ یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴿۱۷﴾ (پ۴، النسآء: ۱۷)

ترجمۂ کنز الایمان: وہ توبہ جس کا قبول کرنا اللہ نے اپنے فضل سے لازم کرلیا ہے وہ انہیں کی ہے جو نادانی سے برائی کر بیٹھیں پھر تھوڑی ہی دیر میں توبہ کرلیں ایسوں پر اللہ اپنی رحمت سے رجوع کرتا ہے اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

تھوڑی ہی دیر میں توبہ کرلینے کا معنیٰ یہ ہے کہ گناہ کے فوری بعد ایسے لوگوں پر ندامت وپشیمانی طاری ہوجاتی ہے اور اس سے پہلے کہ دل پر زنگ چڑھے اور وہ صفائی کو قبول نہ کرے وہ گناہ کا اثر زائل کرنے کے لئے گناہ کے فوراً بعد کوئی نیکی کرلیتے ہیں۔

نیکی گناہ مٹادیتی ہے:

اسی لئے حضورِ رحمتِ عالَم، نُورِ مُجسَّم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”اَتْبِعِ السَّیِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا یعنی بدی کے بعد نیکی کرلو یہ اسے مٹادے گی۔“[1]

اوراسی لئے حکمت ودانائی کے پیکر حضرت سیِّدُنا حکیم لقمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اپنے بیٹے کو یہ نصیحت فرمائی: ”بیٹا! توبہ میں تاخیر نہ کرنا کیونکہ موت اچانک آتی ہے۔“

دو بڑے خطرے:

جو بندہ ٹال مٹول سے کام لیتے ہوئے توبہ کی طرف نہیں بڑھتا اسے دو بڑے خطرے درپیش رہتے ہیں: **پہلا خطرہ** یہ کہ اس کے دل پر گناہوں کی سیاہی تہہ در تہہ جمتی رہتی ہے حتّٰی کہ زنگ سارے دل کو گھیر لیتا ہے اور گناہ عادت وطبیعت بن کر رہ جاتا ہے اور پھر وہ صفائی کو قبول نہیں کرتا۔ **دوسرا خطرہ** یہ کہ اسے بیماری یا موت آگھیرے اور وہ گناہ کے ازالے کی مہلت نہ پاسکے۔ اسی لئے روایت میں آیا ہے کہ ”اِنَّ اَکْثَرَ صِیَاحِ اَھْلِ النَّارِ مِنَ التَّسْوِیْفِ یعنی دوزخیوں کی زیادہ چیخ وپکار توبہ میں ٹال مٹول کے سبب ہوگی۔“

معلوم ہوا کہ جو بھی ہلاکت سے دوچار ہوگا ٹال مٹول ہی کی وجہ سے ہوگا۔ تو ایسے بندے کا اپنے دل کو سیاہ کرنا نقد کا سودا ہے جبکہ اطاعت کرکے اسے روشن کرنا اس کے حق میں اُدھار کا معاملہ ہوتا ہے یہاں تک کہ اسے موت اُچک لیتی ہے اور بارگاہِ الٰہی میں سلامتی سے خالی دل لے کر پیش ہوتا ہے حالانکہ نجات صرف اسے ملے گی جو **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے حُضُور سلامت دل لے کر حاضر ہو۔ الغرض دل، زندگی اور اطاعت وفرمانبرداری کے تمام اَسباب بندے کے پاس **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی اَمانت ہیں۔ تو جو شخص امانت میں خیانت کرے پھر اس کا اِزالہ بھی نہ کرے اس کا معاملہ خطرناک ہے۔

بندے کے پاس دو راز:

ایک عارِف بِاللہ بُزُرگ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے ارشاد فرمایا: بندے کے پاس **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے دو راز ہوتے ہیں جنہیں **اللہ** عَزَّوَجَلَّ بندے کی طرف اِلہام فرماتا ہے: ایک یہ کہ جب وہ اپنی ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے تو

---

[1] ...المسند للامام احمد بن حنبل، حدیث معاذ بن جبل، ۸/ ۲۴۵، حدیث: ۲۲۱۲۰

رب تعالیٰ فرماتا ہے: ”اے میرے بندے! میں نے تجھے دنیا میں پاک اور صاف ستھرا نکال دیا ہے اور زندگی دے کر تجھے اس پر امین بنا دیا ہے۔ اب میں دیکھوں گا کہ تو کیسے امانت کی حفاظت کرتا ہے؟“ اور دوسرا یہ کہ جب اس کی روح نکلتی ہے تو باری تعالیٰ فرماتا ہے: ”اے میرے بندے! تو نے اپنے پاس موجود میری امانت کے ساتھ کیا سُلوک کیا؟ کیا تو نے اس کی حفاظت کی تاکہ اپنے عہد پر قائم رہتے ہوئے مجھ سے ملاقات کرے تو میں بھی اپنا قول پورا کروں یا پھر تو نے اس سے ضائع کر دیا تو میں مُواخذہ اور پکڑ کروں؟“

اس فرمانِ باری تعالیٰ میں اسی طرف اشارہ ہے:

وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِیْۤ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْۚ-وَ اِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ(۴۰) (پ۱، البقرۃ: ۴۰)

ترجمۂ کنزالایمان: اور میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا اور خاص میرا ہی ڈر رکھو۔

نیز اسی کی رعایت کرنے والوں کے متعلق ارشاد فرمایا:

وَ الَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَۙ(۸) (پ۱۸، المؤمنون: ۸)

ترجمۂ کنزالایمان: اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرتے ہیں۔

پانچویں فصل: شرائط پائے جانے پر توبہ یقیناً قبول ہے

گناہ کی سیاہی مٹانے والا نور:

جان لیجئے کہ جب آپ قبولیت کا معنٰی ومفہوم سمجھ گئے تو اب آپ کو اس بات میں شک نہیں رہنا چاہئے کہ ”ہر صحیح توبہ قبول ہے۔“ پس نورِ بصیرت سے دیکھنے والے اور قرآنِ کریم کے انوار سے فیض یافتہ لوگ جانتے ہیں کہ ”ہر سلامت دل اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں مقبول ہوتا ہے اور آخرت میں اس کے جوارِ رحمت میں نعمتوں سے مالامال اور اپنی باقی رہنے والی آنکھ سے دیدارِ الٰہی کے لئے تیار ہو گا۔“ اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ”دل اپنی اصل کے اعتبار سے سلامتی والا پیدا کیا گیا ہے اور ہر بچہ فطرت (یعنی فطرتِ اسلام) پر پیدا ہوتا ہے مگر اس کی سلامتی دل پر گناہوں کا گرد وغُبار اور سیاہی چھا جانے سے زائل ہو جاتی ہے۔“ اور نورِ بصیرت والے یہ بھی علم رکھتے ہیں کہ ندامت کی آگ اس غُبار کو جلا کر ختم کر دیتی ہے اور نیکی کا نور دل سے گناہ کی سیاہی مٹا دیتا ہے کیونکہ نیکیوں کے

نور کے سامنے گناہوں کے اندھیرے نہیں ٹھہرتے جیسے دن کی روشنی کے سامنے رات کے اندھیروں کا بس نہیں چلتا جیسے صابن کی سفیدی کے سامنے میل نہیں ٹھہر سکتا اور جس طرح بادشاہ میلے کپڑے کو اپنا لباس بنانا پسند نہیں کرتا ایسے ہی اللہ عَزَّوَجَلَّ بھی گناہوں سے سیاہ ہو جانے والے دل کو اپنا قُرب عطا نہیں فرماتا اور جس طرح ادنی کاموں میں کپڑے کا استعمال اسے میلا کر دیتا ہے اور صابن اور گرم پانی سے دھونا اسے صاف ستھرا کر دیتا ہے ایسے ہی دل کا شہوتوں اور خواہشوں میں استعمال اسے میلا کر دیتا ہے اور آنسوؤں کے پانی اور ندامت کی حرارت سے دھونا اسے پاک وصاف کرتا ہے اور ہر وہ دل جو پاک ہو گا اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں مقبول ہو گا جیسا کہ صاف ستھرا کپڑا ہی پسند اور قبول کیا جاتا ہے۔ بہر حال تم پر طہارت و پاکیزگی لازم ہے اور رہی قبولیت تو اس کے لئے ازلی فیصلہ موجود ہے جسے رد نہیں کیا جا سکتا اور درج ذیل فرمانِ باری تعالیٰ میں اسی کا نام فلاح رکھا گیا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ﴿۹﴾ (پ۳۰، الشمس: ۹) ترجمۂ کنزالایمان: بے شک مراد کو پہنچا جس نے اُسے ستھرا کیا۔

دل اور غیر کی مَعْرِفَت:

جو بندہ تحقیق کی بنیاد پر ایسی معرفت حاصل نہیں کرتا جو آنکھ کے مشاہدے سے بڑھ کر مضبوط اور روشن ہو کہ دل گناہوں اور نیکیوں کے ذریعے متضاد اثر قبول کرتا ہے۔ ایک کے لئے لفظ ظُلمت (یعنی اندھیرا) بولا جاتا ہے جیسے جہالت کو ظُلمت کہہ دیتے ہیں اور دوسرے کے لئے لفظ نور (یعنی روشنی) بولا جاتا ہے جیسے علم کو نور کہہ دیتے ہیں اور نور و ظُلمت کے درمیان تضاد لازم ہے کہ دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے تو گویا حقیقی معرفت حاصل نہ کرنے والے کا دین سے تعلق چھلکے جتنا ہی ہے اور نام کی حد تک واسطہ ہے اور اس کا دل حقیقتِ دین سے موٹے پردے میں ہے بلکہ وہ اپنے نفس کی حقیقت سے بھی حجاب میں ہے اور جو اپنے دل سے جاہل (لاعلم) ہو تو وہ دل کے غیر سے اور زیادہ جاہل ہو گا اور یہاں بات دل ہی کی ہو رہی ہے کیونکہ بندہ دل کے علاوہ کی معرفت اپنے دل ہی سے حاصل کرتا ہے تو پھر وہ بندہ غیر کی معرفت کیسے حاصل کرے جسے اپنے دل ہی کی معرفت نہیں۔

زبان سے توبہ توبہ کہنا کافی نہیں:

جسے یہ وَہم ہو جائے کہ صحیح ہونے کے باوُجود توبہ قبول نہیں ہوتی تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی کو وہم

ہو جائے کہ سورج طُلُوع ہونے کے باوجود اندھیرا دور نہیں ہوتا اور صابن سے دھونے کے باوجود کپڑے کا میل ختم نہیں ہوتا البتہ! جب میل تہ در تہ کپڑے پر جم جائے تو اب صابن بھی اسے ختم نہیں کرپاتا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جب گناہ پر گناہ ہوتے رہیں حتّٰی کہ وہ طبیعت بن جائیں اوران کا زنگ دل کو مکمل گھیر لے تو ایسا دل رجوع کرتا ہے نہ توبہ۔ ہاں! بعض اوقات زبان سے کہتا ہے کہ "میں نے توبہ کی۔" تو یہ ایسے ہی ہے جیسے دھوبی اپنی زبان سے کہے کہ "میں نے کپڑا دھویا۔" مگر اس کا یہ کہنا کپڑے کو بالکل بھی صاف نہیں کرے گا جب تک اس جمے ہوئے میل کی کاٹ کرنے والی شے استعمال کرکے کپڑے کی صِفَت کو تبدیل نہ کرے۔ پس یہ اصل توبہ سے باز رہنے کا حال ہے اور یہ کوئی بعید نہیں بلکہ دنیا پر فریفتہ ہونے اور باری تعالیٰ سے مکمل طور پر منہ موڑنے والے تمام لوگوں پر یہی بات غالب ہے۔

قبولیت توبہ سے متعلق آیات، احادیث اوراقوال

بصیرت والوں کے لئے صحیح توبہ کے قبول ہونے کے متعلق گُزَشتہ بیان کافی ہے مگر ہم اس بیان کو مزید مضبوط کرنے کے لئے قرآنی آیات، اَحادیثِ نَبَوِیہ اور بُزُرگوں کے اَقوال وآثار پیش کرتے ہیں کیونکہ ہر وہ ظاہر وواضح بات جس کی گواہی قرآن وسنت نہ دے اس پر اعتماد ویقین نہیں کیا جاتا۔

دو فرامینِ باری تعالیٰ:

﴿1﴾...

وَ هُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ یَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ (پ۲۵، الشوریٰ: ۲۵)

ترجمۂ کنزالایمان: اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا اور گناہوں سے درگزر فرماتا ہے۔

﴿2﴾...

غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِیْدِ الْعِقَابِ ۙ (پ۲۴، المؤمن: ۳)

ترجمۂ کنزالایمان: گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا سخت عذاب کرنے والا۔

قبولِیَتِ توبہ کے بارے میں ان کے علاوہ بھی کثیر آیاتِ مُقَدَّسہ وارِد ہیں۔

نو فرامین مصطفےٰ:

﴿1﴾...اللہ عَزَّوَجَلَّ بندۂ مومن کی توبہ پر اس شخص سے کہیں زیادہ خوش ہوتا جو کسی غیر مُوافق مُہلِک جگہ پر اُترے، اس کے پاس اپنی سُواری بھی ہو جس پر اس کا کھانا پینا ہو، وہ سر رکھ کر گہری نیند سوجائے، جب بیدار ہو تو اس کی سُواری جاچکی ہو، وہ اسے تلاش کرتا پھرے یہاں تک کہ اسے سخت گرمی اور پیاس لگے یا جو اللہ عَزَّوَجَلَّ چاہے اور وہ کہے: میں اپنی اسی جگہ لوٹ جاتا ہوں جہاں میں تھا تاکہ وہاں جاکر سوجاؤں حتّٰی کہ میرا انتقال ہوجائے۔ چنانچہ وہ مرنے کے لئے اپنی کلائی پر سر رکھ دے۔ پھر جب بیدار ہو تو دیکھے کہ اس کی سواری اس کے پاس موجود ہے جس پر اس کا کھانا اور پانی موجود ہے۔ تو جس قدر وہ شخص اس سواری کے ملنے پر خوش ہوتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ بندے کی توبہ پر اس سے کہیں زیادہ خوش ہوتا ہے۔"[1]

اس حدیث شریف میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کا بندے کی توبہ پر خوش ہونا بیان ہوا اور خوشی قبولیت کے بعد ہوتی ہے، لہٰذا یہ حدیث پاک قبولیتِ توبہ اور اس پر ایک اضافی اَمر کی دلیل ہے۔

﴿2﴾...اللہ عَزَّوَجَلَّ نے رات دن نافرمانی کرنے والے کے لئے توبہ کے ساتھ اپنا دستِ رحمت کُشادہ فرمار کھا ہے یہاں تک کہ سورج مغرب سے طُلُوع ہوجائے۔[2]

"دستِ رحمت کا کُشادہ فرمانا" طلَبِ توبہ سے کنایہ (یعنی اس کی طرف اشارہ) ہے اور طلب کرنے والا قبول کرنے والے سے اوپر کے درجہ میں ہوتا ہے کیونکہ بہت سے قبول کرنے والے طالِب نہیں ہوتے مگر ہر طالب قبول کرنے والا ضرور ہوتا ہے۔

﴿3﴾...اگر تم اتنے گناہ کرو کہ وہ آسمان تک پہنچ جائیں پھر تمہیں ندامت ہو تو اللہ عَزَّوَجَلَّ تمہاری توبہ ضرور قبول کرے گا۔[3]

﴿4﴾...ایک بار ارشاد فرمایا: "بے شک بندہ گناہ کرتا ہے پھر اس کے سبب جنت میں داخل ہوجاتا ہے۔" عرض کی

1...مسلم، کتاب التوبة، باب فی الحض علی التوبة والفرح بها، ص ١٤٦٨، حدیث: ٢٧٤٤

2...مسلم، کتاب التوبة، باب قبول التوبة...الخ، ص ١٤٧٥، حدیث: ٢٧٥٩، بتغیر قلیل

3...سنن ابن ماجه، کتاب الزهد، باب ذکر التوبة، ٤/ ٤٩٠، حدیث: ٤٢٤٨، بتغیر

گئی: ”یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! یہ کیسے ہوسکتا ہے؟“ ارشاد فرمایا: ”وہ ہر وقت اس گناہ کو پیشِ نظر رکھ کر اس سے توبہ کرتا رہتا ہے اور اس سے بھاگتا ہے یہاں تک کہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔“[1]

﴿5﴾... کَفَّارَۃُ الذَّنْبِ النَّدَامَۃُ یعنی گناہ کا کفارہ ندامت وشرمندگی ہے۔[2]

﴿6﴾... اَلتَّآئِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّاذَنْبَ لَہٗ یعنی گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔[3]

﴿7﴾... ایک حبشی نے عرض کی: ”یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! میں بے حیائی کے کام کیا کرتا تھا کیا میرے لئے توبہ ہے؟“ حُضور رحمتِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”ہاں۔“ تو وہ لوٹ گیا پھر دوبارہ حاضر ہوا اور عرض کی: ”یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! کیا اللہ عَزَّوَجَلَّ مجھے بے حیائی کے کام کرتے ہوئے دیکھتا تھا؟“ فرمایا: ”ہاں۔“ تو اس حبشی نے ایک زوردار چیخ ماری اور ساتھ ہی اس کی روح نکل گئی۔[4]

﴿8﴾... جب اللہ عَزَّوَجَلَّ نے شیطان کو لعنت فرمائی تو اس نے مہلت مانگی۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اسے قیامت تک کی مہلت دے دی تو اس نے کہا: ”مجھے تیری عزت کی قسم! جب تک انسان کے جسم میں روح ہے میں اس کے دل سے نہیں نکلوں گا۔“ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا: ”مجھے بھی اپنی عزت وجلال کی قسم! جب تک انسان کے جسم میں روح ہے میں اس سے توبہ کو نہیں چھپاؤں گا۔“[5]

﴿9﴾... اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّئَاتِ کَمَا یُذْھِبُ الْمَآءُ الْوَسَخَ یعنی نیکیاں گناہوں کو ایسے دور کر دیتی ہیں جیسے پانی میل کو بہالے جاتا ہے۔

قبولیتِ توبہ سے متعلق 15 اقوالِ بزرگانِ دین

﴿1﴾... حضرت سیِّدُنا سعید بن مُسَیَّب رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے ارشاد فرمایا کہ یہ فرمانِ باری تعالیٰ: ”فَاِنَّہٗ کَانَ

---

1 ... الزھد لابن مبارک، باب ماجاء فی الخشوع والخوف، ص ۵۲، حدیث: ۱۶۲، بتغیر قلیل

2 ... المسند للامام احمد بن حنبل، مسند عبد اللہ بن عباس، ۱/ ۶۲۰، حدیث: ۲۶۲۳

3 ... سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب ذکر التوبۃ، ۴/ ۴۹۱، حدیث: ۴۲۵۰

4 ... تنویر الغبش لابن جوزی، ص ۱۴۷، الناشر دار الشریف ریاض سنۃ النشر ۱۴۱۹ھ

5 ... الزھد لابن المبارک، ص ۳۶۹، حدیث: ۱۰۴۵، بتغیر

لِلۡاَوَّابِیۡنَ غَفُوۡرًا ﴿۲۵﴾ (پ۱۵، بنی اسرآئیل: ۲۵، ترجمۂ کنزالایمان: تو بے شک وہ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔)" اس بندے کے بارے میں ہے جو گناہ کرے پھر توبہ کرلے پھر گناہ کرے پھر توبہ کر لے۔[1]

گناہ گاروں کو بشارت:

﴿2﴾... حضرت سیِّدُنا فُضَیْل بن عِیاض رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا: گناہ گاروں کو بشارت دے دیجئے کہ اگر وہ توبہ کریں گے تو قبول کی جائے گی اور صدیقین کو ڈرایئے کہ اگر میں نے عَدل فرمایا تو انہیں عذاب دوں گا۔

﴿3﴾... حضرت سیِّدُنا طارق بن حبیب رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے ارشاد فرمایا: "اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حُقُوق اتنے بڑے ہیں کہ بندہ ان کو ادا نہیں کرسکتا مگر تم صبح اور شام توبہ کیا کرو۔"

﴿4﴾... حضرت سیِّدُنا عبدُاللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں: "جو بندہ ایسی خطا کو یاد کرے جس سے وہ تکلیف میں مبتلا ہوا تھا پھر اس سے اس کا دل لرز جائے تو وہ خطا اعمال نامے سے مٹا دی جاتی ہے۔"

تُو نہیں بچائے گا تو ایسا پھر ہو سکتا ہے:

﴿5﴾... منقول ہے کہ انبیائے بنی اسرائیل میں سے کسی نبی عَلَیْہِ السَّلَام سے لغزِش واقع ہوئی تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ "مجھے اپنی عزت کی قسم! اگر دوبارہ ایسا ہوا تو عتاب فرماؤں گا۔" انہوں نے عرض کی: "اے میرے پَرْوَرْدَگار عَزَّوَجَلَّ! تُو تو ہے اور میں میں ہوں (یعنی تو معبود ہے اور میں عاجز بندہ) تیری عزت کی قسم! اگر تو نہیں بچائے گا تو ایسا پھر ہو سکتا ہے۔" تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انہیں محفوظ رکھا۔

شیطان کا افسوس:

﴿6﴾... ایک بُزُرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ ارشاد فرماتے ہیں: بندے سے کوئی گناہ ہو جاتا ہے پھر وہ ہمیشہ اس پر نادم و شرمسار رہتا ہے حتّٰی کہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اس وقت شیطان کہے گا: ہائے! میں اسے گناہ میں مبتلا ہی نہ کرتا۔

1... تفسیر الطبری، پ۱۵، الاسراء الآیۃ ۲۵، ۸/ ۶۵، الرقم: ۲۲۲۲۷

﴿7﴾... حضرت سیِّدُنا حبیب بن ثابت عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَاحِد فرماتے ہیں: بروزِ قیامت بندے کو اس کے گناہوں کے سامنے کیا جائے گا۔ جب وہ ایک گناہ کو دیکھے گا تو کہے گا: ''بے شک میں اس گناہ سے ڈرتا تھا۔'' پس اسے بخش دیا جائے گا۔

توبہ کا دروازہ کھلا ہے:

﴿8﴾... کسی شخص سے ایک گناہ ہو گیا تو اس نے حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے اس گناہ کے بارے میں پوچھا کہ ''کیا اس گناہ کی توبہ ہے؟'' آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اس سے منہ پھیر لیا۔ پھر اس کی طرف متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں۔ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اس سے فرمایا: ''جنت کے آٹھ دروازے ہیں، سب کھلتے اور بند ہوتے ہیں سوائے توبہ کے دروازہ کے۔ اس پر ایسا فِرشتہ مُقرَّر ہے جو اسے بند نہیں کرتا، لہٰذا تم عمل کرو اور مایوس نہ ہو۔''

اسلام کے بعد اسلام:

﴿9﴾... حضرت سیِّدُنا عبد الرحمن بن ابو القاسم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْحَاکِم بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت سیِّدُنا ابراہیم رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے کافر کی توبہ اور اس آیتِ مبارکہ ''اِنۡ یَّنۡتَہُوۡا یُغۡفَرۡ لَہُمۡ مَّا قَدۡ سَلَفَ ۚ (پ۹، الانفال: ۳۸، ترجمۂ کنزالایمان: اگر وہ باز رہے تو جو ہو گزرا وہ انہیں معاف فرما دیا جائے گا۔)'' کے بارے میں گفتگو کی تو انہوں نے ارشاد فرمایا: میں اُمید کرتا ہوں کہ مسلمان اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں اس سے بہتر حال میں ہو گا اور مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ''مسلمان کا توبہ کرنا گویا اسلام کے بعد اسلام لانا (یعنی سرِ تسلیم خم کرنا) ہے۔''

﴿10﴾... حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن سلام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ارشاد فرمایا: ''میں تمہیں جو بھی بتاتا ہوں وہ کسی نبی یا نازل شدہ آسمانی کتاب سے ہی بتاتا ہوں۔ بے شک بندہ اگر گناہ کا مرتکب ہو جائے پھر پلک جھپکنے کی مقدار نادم و شرمسار ہو تو اس کے پلک جھپکنے سے بھی جلدی وہ گناہ زائل ہو جاتا ہے۔''

توبہ کرنے والوں کی صحبت:

﴿11﴾... امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کا فرمانِ نصیحت بنیاد ہے: ''توبہ کرنے

والوں کے پاس بیٹھا کرو کیونکہ وہ بہت زیادہ نرم دل ہوتے ہیں۔“[1]

﴿12﴾... ایک بُزُرگ رَحْمَةُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: ”میں جانتا ہوں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کب میری مغفرت فرمائے گا۔“ عرض کی گئی: ”کب فرمائے گا؟“ ارشاد فرمایا: ”جب وہ میری توبہ قبول فرمائے گا۔“

توبہ سے محرومی کا خوف:

﴿13﴾... ایک بزرگ فرماتے ہیں: ”مجھے نجات وبخشش سے محرومی کا اتنا خوف نہیں جتنا توبہ سے محرومی کا خوف ہے۔“ مطلب یہ کہ مَغْفِرت وبخشش توبہ کے لَوازِمات میں سے ہے، توبہ کے بعد لازمی پائی جاتی ہے۔

20سال اطاعت، 20سال نافرمانی:

﴿14﴾... منقول ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک نوجوان تھا جس نے 20 سال تک اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کی پھر 20 برس تک اس کی نافرمانی کرتا رہا۔ پھر ایک دن آئینہ میں دیکھا کہ اس کی داڑھی میں سفیدی آچکی ہے۔ پس یہ اسے تکلیف دہ لگا تو اس نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: ”اے میرے معبود عَزَّوَجَلَّ! میں نے 20 سال تیری اطاعت میں گزارے پھر 20 سال تک تیری نافرمانی کرتا رہا پس اب اگر میں توبہ کروں تو کیا تُو قبول فرمائے گا؟“ تو اس نے کسی کہنے والے کی صرف آواز سنی جو یہ کہہ رہا تھا کہ ”تم نے ہم سے دوستی کی تو ہم نے تمہیں دوست بنایا اور تم نے ہمیں چھوڑا تو ہم نے تمہیں چھوڑ دیا اور تم نے ہماری نافرمانی کی تو ہم نے تمہیں مہلت دے دی اور اگر تم لوٹ آئے ہو تو ہم تمہیں قبول کرتے ہیں۔“

توبہ والوں کی عجیب شانیں:

﴿15﴾... حضرت سیِّدُنا ذوالنون مصری عَلَیْہِ رَحْمَةُ اللّٰہِ الْوَلِی فرماتے ہیں: ”اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بعض بندوں نے خطاؤں کے درخت اپنی آنکھوں کے سامنے نَصب کرلئے اس طرح کہ دل بھی انہیں دیکھتے رہیں۔ انہوں نے ان کو توبہ کے پانی سے سیر اب کیا تو ان پر نَدامت اور غم کے پھل لگ گئے۔ پھر وہ بغیر کسی جنون کے دیوانے ہوگئے اور بغیر عاجز ہوئے اور بغیر کسی گونگے پن کے کُند ذہن ونابَلَد ہوگئے حالانکہ بڑے فصیح وبلیغ

1... المصنف لابن ابی شیبة، کتاب الزھد، کلام عمر بن خطاب، ٨/ ١٥٠، حدیث: ٢٣

ہیں، اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی معرفت رکھنے والے ہیں۔ پھر انہوں نے جام صفا نوش کیا تو طویل آزمائش پر صبر کے وارث ٹھہرے۔ پھر ان کے دل عالَمِ مَلَکُوت میں خود رَفتہ ہو گئے اور ان کے اَفکار و خیالات عالَمِ جَبَرُوت کے چُھپے لشکروں کے درمیان دورہ کرنے لگے اور انہوں نے ندامت کے سائبان تلے اپنی خطاؤں کا صحیفہ پڑھا تو اپنی جانوں کو جَزَع وفَزَع میں ڈال دیا حتّٰی کہ وہ پرہیز گاری وپارسائی کی سیڑھی سے زُہد کے بلند مقام تک پہنچ گئے۔ انہیں ترکِ دنیا کی کڑواہٹ میٹھی اور بستر کی سختی نرم معلوم ہونے لگی یہاں تک کہ وہ سلامتی کی گرہ اور نجات کی رسی تھام کر کامیابی سے ہم کنار ہوگئے۔ ان کی روحیں بلندی کی طرف بڑھیں تو نعمتوں کے باغات میں جا پہنچیں۔ انہوں نے بَحْرِ حیات میں غوطہ لگایا، جزع وفزع کی خندقوں کو بھر دیا اور خواہشات کے پلوں کو پار کیا حتّٰی کہ وہ علم کے صحن میں جا اُترے اور تالابِ حکمت سے سیراب ہوئے، مہارت وہوشیاری کی کشتی میں سوار ہوئے اور سلامتی کے سمندر میں نجات دینے والی ہوا کو پیچھے چھوڑ دیا یہاں تک کہ راحت کے باغوں اور عزت وکرامت کی کان تک پہنچ گئے۔"

اس قدر آیات، اَحادیث اور اَقوالِ بُزُرگانِ دین اس بات کے بیان میں کافی ہیں کہ ہر صحیح ودرست توبہ لامحالہ قبول ہوتی ہے۔

مُعْتَزِلَہ کا اعتراض اور اس کا جواب:

اگر کہا جائے کہ کیا تم بھی معتزلہ کی طرح یہ کہتے ہو کہ " توبہ قبول کرنا اللہ عَزَّوَجَلَّ پر واجب ہے؟"

تو اس کا جواب یہ ہے کہ میں نے جو بیان کیا ہے اس سے میری مراد ہر گز یہ نہیں ہے کہ "توبہ قبول کرنا اللہ عَزَّوَجَلَّ پر واجب ہے۔" بلکہ میری مراد وہی ہے جو کہنے والے کی اپنی اس بات سے ہوتی ہے کہ "اگر کپڑے کو صابن سے دھویا جائے تو میل کا دور ہونا لازم ہے۔ اگر پیاسا پانی پیئے گا تو پیاس کا زائل ہونا لازمی بات ہے۔ اگر کوئی کافی وقت تک پانی نہ پیئے تو پیاس لگنا ضروری ہے اور اگر وہ پیاس پر ڈٹا رہے تو موت واجب ہے۔" ان میں سے کسی بات سے بھی وہ مراد نہیں جو مُعْتَزِلَہ باری تعالیٰ پر (کاموں کے) واجب ہونے سے مراد لیتے ہیں بلکہ میں کہتا ہوں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اطاعت وعبادت کو گناہوں کے کَفّارے کے لئے اور نیکی کو بدی کے مٹانے کے لئے پیدا فرمایا ہے جیسے پانی کو پیاس بجھانے کے لئے پیدا کیا۔ البتہ! اگر مَشِیَّت اس پر سبقت

کر جائے تو اس کی قدرت میں اس کے خلاف کی بھی گنجائش و وُسْعَت ہے، لہٰذا اللہ عَزَّوَجَلَّ پر کچھ واجب نہیں مگر جس کے لئے اس کا اَزَلی ارادہ سبقت فرما چکا اس کا ہو کر رہنا لامُحالہ واجب ہے۔

دوسرا اعتراض اور اس کا جواب:

توبہ کرنے والے کو قبولیتِ توبہ میں شک ہوتا ہے جبکہ پانی پینے والے کو پیاس کے زائل ہونے میں شک نہیں ہوتا۔ تو وہ اس میں شک کیوں کرتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قبولیتِ توبہ کے بارے میں اس کا شک ایسا ہی ہے جیسا کہ اسے توبہ صحیح ہونے کی شرائط کے پائے جانے میں شک ہوتا ہے کیونکہ توبہ کے ارکان اور شرائط بہت باریک ہیں جیسا کہ آگے آئے گا اور اس کی تمام شرائط کا پایا جانا متحقق و ثابت نہیں ہوتا جیسے کوئی شخص قبض کو ختم کرنے کے لئے دوا استعمال کرتا ہے مگر اسے دوا میں شک ہوتا ہے کہ پتا نہیں یہ اثر کرے گی یا نہیں؟ اور یہ شک حالت، وقت، دوا کو ملانے اور جوش دینے کی کیفیت اور جڑی بوٹیوں اور اجزائے ترکیبی کی عمدگی کے اعتبار سے دوا میں قبض ختم کرنے کی شرطیں پائے جانے میں شک کی وجہ سے ہوتا ہے (یعنی پتا نہیں کہ دوا کو صحیح طرح ملایا گیا یا نہیں؟ یا جڑی بوٹیاں اچھی تھیں یا نہیں؟ وغیرہ) یہ اور اس جیسی باتیں توبہ کے بعد خوف کا اور اس کی یقینی قبولیت میں شک کا موجب و سبب ہوتی ہیں جیسا کہ شرائط کے بیان میں ذکر کیا جائے گا۔ اِنْ شَآءَ اللہ

دوسرا رکن: گناہ کبیرہ اور صغیرہ کا بیان جن سے توبہ لازم ہے (اس میں تین فصلیں ہیں)

جان لیجئے! گناہ کو ترک کرنا توبہ ہے اور کسی شے کو اسی وقت ترک کیا جا سکتا ہے جب اس کی کامل پہچان ہو جائے اور جب توبہ واجب ہے تو جس شے کے بغیر اس تک رسائی نہیں ہو سکتی وہ بھی واجب ہو گی لہٰذا گناہ کی پہچان بھی واجب ہے۔

گناہ کی تعریف:

ہر وہ کام جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حکم کے خلاف ہو اسے گناہ کہتے ہیں، خلاف ورزی خواہ وہ کام اختیار کرکے ہو

یا ترک کرکے۔ اور اس کی تفصیل کا یہ تقاضا ہے کہ تمام شرعی احکام کو اوّل تا آخر بیان کیا جائے اور یہ ہمارا مقصد نہیں۔ البتہ ہم اجمالی طور پر گناہوں اور ان کی اَقسام کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔

پہلی فصل: بندوں کی صفات کے اعتبار سے گناہوں کی اقسام

پہلی تقسیم اور اس کی چار اقسام:

یاد رکھئے کہ انسان کے اَوصاف اور اَخلاق (عادات) بہت زیادہ ہیں، جن کی تفصیل و شرح "قلبی عجائبات کے بیان" میں ہو چکی ہے مگر تمام گناہ چار صفات میں منحصر ہیں: (۱) صِفَتِ رَبُوبِیَّت (۲) شیطانی صِفَت (۳) جانوروں والی صِفَت اور (۴) درندوں والی صِفَت۔ ایسا اس لئے ہے کہ انسان کا خمیر مختلف عناصر سے تیار کیا گیا ہے لہٰذا اس مُرَکَّب خمیر میں شامل ہر عُنْصُر ایک الگ اثر کا تقاضا کرتا ہے جیسے سِکَنْجِبِیْن (سِ۔کَنْج۔بین) میں شکر، سرکہ اور زَعفران کا الگ الگ اثر ہوتا ہے۔

﴿1﴾... صِفَتِ رَبُوبِیَّت:

صِفاتِ رَبُوبِیَّت کی طرف مَیلان بندے میں تکبُّر، فَخر، جَبْر، حُبِّ مَدح و حُبِّ ثنا، حُبِّ جاہ و حُبِّ مال، ہمیشہ رہنے کی چاہت اور سب پر بلندی کی خواہش کا تقاضا کرتا ہے یہاں تک کہ گویا وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ "اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى یعنی میں تمہارا سب سے اونچا رب ہوں[1]" اس سے ظاہر ہونے والے گناہ بھی کبیرہ ہوتے ہیں جن سے بندے غافل ہیں اور انہیں گناہ شمار نہیں کرتے حالانکہ یہ اس قدر مُہْلِک ہیں گویا تمام گناہوں کی بنیاد و جڑ جیسا کہ ہم نے (تیسری جلد میں) "مُہْلِکات کے بیان" میں اس کے تمام گوشوں کو بیان کر دیا ہے۔

﴿2﴾... شیطانی صِفَت:

یہ وہ صِفَت ہے جس سے حَسَد، سرکشی، حیلہ سازی، دھوکا بازی اور فساد و بُرائی کی طرف لے جانے والے اُمور ظاہر ہوتے ہیں نیز جعل سازی، مُنافَقت اور بِدْعات و گمراہی کی طرف بلانا بھی اس میں شامل ہے۔

---

[1]... یعنی میرے اوپر اور کوئی رب نہیں۔ (پ۳۰، النّٰزعٰت، تحت الاٰیۃ: ۲۴)

﴿3﴾...جانوروں والی صِفَت:

اس صفت سے لالچ اور پیٹ و شرم گاہ کی خواہشات کی تکمیل کی حرص پیدا ہوتی ہے اور اسی سے زِنا، لواطت، چوری، یتیموں کا مال کھانا اور محض خواہشات کی خاطر دنیا کا سامان جمع کرنا اور ان جیسی بُرائیاں جنم لیتی ہیں۔

﴿4﴾...درندوں والی صِفَت:

اس صفت سے غَضَب و غُصّہ، کینہ، لوگوں کو مارنا پیٹنا، قتل کرنا اور اَموال کو ضائع کرنا جیسے اَفعال ظاہر ہوتے ہیں اور یہ صفت مزید کئی گناہوں کی جڑ ہے۔

یہ چاروں صفات انسانی فطرت میں ایک ایک کرکے آتی ہیں۔ سب سے پہلے جانوروں والی صفت کا غلبہ ہوتا ہے۔ اس کے پیچھے پیچھے درندوں والی صفت آجاتی ہے۔ پھر جب یہ دونوں جمع ہو جاتی ہیں تو عقل کو دھوکے بازی اور حیلہ سازی کے لئے استعمال کرتی ہیں اور یہ شیطانی صفات ہیں۔ آخر کار صِفَتِ رَبُوبِیَّت غالِب آجاتی ہے اور وہ ہے فخر، عزت، سربلندی، بڑائی کی طلب اور ساری مخلوق پر غالب آنے کی چاہت۔

یہ چار صفات گناہ کی جڑیں اور سرچشمہ ہیں۔ پھر یہ کہ گناہ ان سرچشموں سے اَعضاء پر ظاہر ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض خاص طور پر دل میں ظاہر ہوتے ہیں جیسے کُفر، بِدْعَت، مُنافَقت اور لوگوں کے لئے (دل میں) بُرائی چھپانا۔ بعض آنکھ اور کان سے ظاہر ہوتے ہیں تو بعض زبان سے، بعض پیٹ و شرم گاہ سے ظاہر ہوتے ہیں تو کچھ ہاتھ اور پاؤں سے اور بعض کا تعلق سارے ہی بدن سے ہوتا ہے۔ یہاں ان سب کی تفصیل کی حاجت نہیں کیونکہ یہ واضح ہیں۔

دوسری تقسیم:

جان لیجئے! گناہوں کی دو اقسام ہیں: (۱) وہ گناہ جو بندے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے درمیان ہیں (۲) وہ گناہ جو حقوقُ العباد (یعنی بندوں کے حقوق) سے متعلق ہوتے ہیں۔ جو خاص طور پر بندوں سے متعلق ہیں جیسے نماز وروزے کو چھوڑنا اور ہر اس واجب کا ترک کرنا جو اس کی ذات کے ساتھ خاص ہے اور جو حقوقُ العباد سے متعلق ہیں وہ زکوٰۃ نہ دینا، کسی کو قتل کر دینا، لوگوں کا مال دبالینا، ان کی عزتوں کو پامال کرنا اور ہر وہ فعل جو غیر

کے حق کو شامل ہو خواہ ذات سے متعلق ہو یا کسی عضو سے، مال سے متعلق ہو یا عزت سے، دین سے متعلق ہو یا منصب و مرتبہ سے۔ دین کے معاملہ میں بندوں کی حق تلفی یہ ہے کہ انہیں گمراہ کرنا، بدعت کی طرف بلانا، گناہوں کی ترغیب دینا اور باری تعالیٰ پر جرأت کے اسباب کو بھڑکانا جیسا کہ بعض واعظین خوف و رجا میں سے امید کو غلبہ دے کر اس کے مرتکب ہوتے ہیں (یعنی لوگوں کو ڈرانے کے بجائے صرف امیدیں دلاتے رہتے ہیں)۔

زیادہ سخت معاملہ:

حقوقُ العباد کا معاملہ زیادہ سخت ہے جبکہ بندے اور رب تعالیٰ کے درمیان کا مُعاملہ اگر شرک نہیں تو اس میں معافی کی امید زیادہ ہے۔ چنانچہ، حدیثِ پاک میں ہے: ”اعمال نامے تین قسم کے ہیں: (۱) جس کی بخشش ہو جائے گی (۲) جس کی بخشش نہیں ہو گی اور (۳) جسے چھوڑا نہیں جائے گا۔ پس جن کی بخشش ہے وہ بندوں کے گناہ ہیں جو ان کے اور رب تعالیٰ کے درمیان ہیں اور جن کی بخشش نہیں وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ساتھ شرک کرنا ہے اور جسے چھوڑا نہیں جائے گا وہ بندوں کے ایک دوسرے پر مظالم ہیں یعنی حقوقُ العباد۔“[1]

مطلب یہ کہ ان کا مُطالَبہ ضرور ہو گا یہاں تک کہ صاحِبِ حق خود معاف کر دے۔

تیسری تقسیم:

گناہوں کی دو قسمیں ہیں: (۱) صغیرہ گناہ (۲) کبیرہ گناہ۔ اس مُعاملے میں بھی عُلَما کا کثیر اختلاف ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں: ”صغیرہ، کبیرہ کوئی شے نہیں بلکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ہر مخالفت و نافرمانی کبیرہ (یعنی بڑی) ہے۔“ لیکن یہ قول ضعیف ہے۔ کیونکہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآىٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ نُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِیْمًا(۳۱) (پ۵، النسآء: ۳۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اگر بچتے رہو کبیرہ گناہوں سے جن کی تمہیں ممانعت ہے تو تمہارے اور گناہ ہم بخش دیں گے اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کریں گے۔

نیز ارشاد فرماتا ہے:

---

[1] ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند السیدۃ عائشۃ، ۱۰/ ۸۲، حدیث: ۲۶۰۹۰، بتغیر

اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓىِٕرَ الْاِثْمِ وَ الْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ (پ۲۷، النجم: ۳۲) ترجمۂ کنزالایمان: وہ جو بڑے گناہوں اور بے حیائیوں سے بچتے ہیں مگر اتنا کہ گناہ کے پاس گئے اور رک گئے۔

حضور نبیِّ رحمت، شفیعِ اُمَّت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ مغفرت نشان ہے: اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ اِلَی الْجُمُعَةِ یُکَفِّرْنَ مَا بَیْنَهُنَّ اِنِ اجْتُنِبَتِ الْکَبَآئِر یعنی پانچوں نمازیں اور جمعہ دوسرے جمعہ تک درمیان میں ہونے والے گناہوں کو مٹادیتے ہیں جبکہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے۔[1]

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: کَفَّارَاتٌ لِمَا بَیْنَهُنَّ اِلَّا الْکَبَآئِر یعنی یہ نمازیں درمیان میں ہونے والے گناہوں کے لئے کفارہ ہیں سوائے کبیرہ گناہوں کے۔

اسی طرح حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے کہ تاجدارِ رسالت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اَلْکَبَآئِرُ اَلْاِشْرَاکُ بِاللّٰہِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَالْیَمِیْنُ الْغَمُوْس یعنی کبیرہ گناہ یہ ہیں (۱) اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شریک ٹھہرانا (۲) والدین کی نافرمانی کرنا (۳) کسی جان کو قتل کرنا اور (۴) جھوٹی قسم کھانا۔[2]

کبیرہ گناہوں کی تعداد میں اختلاف:

کبیرہ گناہ کتنے ہیں؟ اس بارے میں صحابۂ کرام و تابعین عِظام رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن کا اختلاف ہے۔ چار، سات، نو، گیارہ اور اس سے بھی زیادہ کی تعداد منقول ہے۔

- ...حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ارشاد فرمایا: گناہ کبیرہ چار ہیں۔
- ...حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں: بڑے گناہ سات ہیں۔
- ...حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عمرو رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا: ان کی تعداد نو ہے۔
- ...حضرت سیِّدُنا ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا تک جب حضرت سیِّدُنا ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی یہ بات پہنچی کہ "کبیرہ گناہ سات ہیں" تو آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: "کبیرہ گناہ تقریباً 70 ہیں۔"
- ...ایک مرتبہ حضرت سیِّدُنا ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا: ہر وہ بات جس سے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے منع

---

1 ...مسلم، کتاب الطھارۃ، باب الصلوات الخمس... الخ، ص ۱۴۴، حدیث: ۲۳۳، بتغیر قلیل

2 ...بخاری، کتاب الایمان والنذور، باب الیمین الغموس، ۴/ ۲۹۵، حدیث: ۶۶۷۵

فرمایا ہے وہ گناہِ کبیرہ ہے۔

... بعض حضرات فرماتے ہیں: جس کام پر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جَہَنَّم کی وعید فرمائی ہے وہ کبیرہ ہے۔

... ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ ارشاد فرماتے ہیں: ہر وہ فعل جس پر دنیا میں حد واجب ہو وہ کبیرہ گناہ ہے۔

... ایک قول یہ بھی ہے کہ "کبیرہ گناہ کا مُعاملہ مَخْفِی و مُبْہَم ہے ان کی تعداد معلوم نہیں ہو سکتی جیسے لَیْلَۃُ الْقَدر اور جمعہ کے دن وہ ساعت جس میں دعا قبول ہوتی ہے۔"

... حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے کبیرہ گناہوں کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ سورۂ نساء شروع سے تیسویں آیتِ مبارکہ تک پڑھ لو جس کے آگے یہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ ترجمۂ کنز الایمان: اگر بچتے رہو کبیرہ گناہوں سے جن کی تمہیں ممانعت ہے۔ (پ۵، النسآء: ۳۱)

اس سورت میں یہاں اس آیتِ طیّبہ تک اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جن کاموں سے منع فرمایا ہے وہ کبیرہ گناہ ہیں۔

کبیرہ گناہ کے متعلق امام ابو طالب مکی کی تحقیق:

حضرت سیِّدُنا امام ابو طالب مکی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی نے فرمایا: "میں نے کبیرہ گناہوں کو احادیثِ کریمہ سے جمع کیا تو وہ کل 17 ہوئے اور حضرت سیِّدُنا ابن عباس، حضرت سیِّدُنا ابن مسعود اور حضرت سیِّدُنا ابن عمر وغیرہ رِضْوَانُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن کے فرامین کو جمع کر کے دیکھا جائے تو اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

چار کبیرہ گناہوں کا تعلق دل سے ہے: (۱) اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ساتھ شرک کرنا (۲) اس کی نافرمانی پر اصرار کرنا یعنی ڈٹے رہنا (۳) اس کی رحمت سے مایوس ہونا اور (۴) اس کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہونا۔

چار گناہ زبان سے متعلق ہیں: (۱) جھوٹی گواہی دینا (۲) پاکدامن پر زنا کی تہمت لگانا (۳) جھوٹی قسم کھانا۔ اور (۴) جادو کرنا۔

جھوٹی قسم کسے کہتے ہیں؟

یمین غَمُوس یعنی جھوٹی قسم وہ ہے "جس سے کسی باطل کو حق یا حق کو باطل ثابت کیا جائے۔" ایک قول

کے مطابق جھوٹی قسم اسے کہتے ہیں ”جس کے ذریعے ناحق طریقے پر کسی مسلمان کا مال لے لیا جائے اگرچہ پیلو کی مسواک ہی ہو۔“ (غموس کا مطلب غوطہ دینا ہے اور) اس قسم کو ”یَمِیْنِ غَمُوس“ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ اپنے مُرتکِب کو نارِ دوزخ میں غوطے دے گی۔

جادو کسے کہتے ہیں؟

”ہر وہ کلام جادو ہے جو انسان اور تمام اجسام کی اصلی تخلیق کو بدل دے۔“

تین گناہوں کا تعلّق پیٹ سے ہے: (۱) خمر (انگور کی شراب) اور ہر نشہ آور شراب پینا (۲) ظلماً یتیم کا مال کھانا (۳) معلوم ہونے کے باوُجود سود کھانا۔

دو گناہوں کا تعلق شرم گاہ سے ہے: (۱) زِنا (۲) لَواطت (بد فعلی)۔

دو گناہ ہاتھوں سے تعلق رکھتے ہیں: (۱) قتل (۲) چوری۔

ایک گناہ کا تعلق پاؤں سے ہے اور وہ ہے جنگ کے دن لشکر سے بھاگ جانا یوں کہ ایک دو کے مقابلے سے اور 10 افراد 20 کے مقابلے سے بھاگ جائیں۔

ایک گناہ کا تعلق پورے جسم سے ہے اور وہ ماں باپ کی نافرمانی ہے۔

والدین کی نافرمانیاں:

حضرت سیِّدُنا ابو طالب مکی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی مزید فرماتے ہیں: والدین کی نافرمانیوں میں سے مِن جملہ یہ بھی ہے کہ وہ کسی حق کے معاملہ میں اس (اولاد) پر قسم کھا بیٹھیں تو ان کی قسم پوری نہ کرے، وہ اس سے کوئی حاجت پوری کرنے کا سوال کریں تو پوری نہ کرے، وہ اسے بُرا بھلا کہیں تو انہیں مارے اور وہ بھوکے ہوں تو انہیں کھانا نہ کھلائے۔

امام غزالی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ کا تبصرہ:

حضرت سیِّدُنا ابو طالب مکی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی کا یہ قول مقصود سے قریب ہے لیکن اس سے کامل فائدہ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ اس میں کمی بیشی ممکن ہے۔ انہوں نے مال کے متعلق گناہ یعنی سود اور مالِ یتیم کھانے

کو تو کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے مگر جسمانی کبیرہ گناہوں میں صرف قتل کا ذکر کیا ہے جبکہ آنکھ پھوڑنا، ہاتھ کاٹ دینا، مسلمانوں کو مارنا پیٹنا اور طرح طرح کی اذیتیں پہنچانا وغیرہ گناہوں میں سے کسی کا ذکر نہیں کیا حالانکہ یتیم کو مارنا، اسے اَذِیَّت دینا اور اس کے اَعضاء کاٹنا بلاشبہ اس کا مال کھانے سے بڑے گناہ ہیں اور کیوں نہ ہوں کہ حدیثِ مبارَک میں ہے: ''مِنَ الْكَبَآئِرِ اَلسَّبَّتَانِ بِالسَّبَّةِ وَمِنَ الْكَبَآئِرِ اسْتِطَالَةُ الرَّجُلِ فِيْ عِرْضِ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ یعنی ایک گالی کے بدلے دو گالیاں دینا کبیرہ گناہ ہے اور کسی شخص کا اپنے مسلمان بھائی کی آبروریزی کرنا کبیرہ گناہ ہے۔''[1]

حضرت سیِّدُنا ابوسعید خُدری اور بعض صحابۂ کرام عَلَيْهِمُ الرِّضْوَان فرمایا کرتے تھے: تم بہت سے ایسے اَفعال کر گزرتے ہو جو تمہاری نگاہ میں بال سے زیادہ باریک ہیں حالانکہ ہم زمانہ نَبَوِی میں ان کو کبیرہ گناہ شمار کرتے تھے۔[2]

- ...علما کے ایک گروہ کے نزدیک جان بوجھ کر کیا جانے والا ہر گناہ کبیرہ ہے۔
- ...بعض نے فرمایا کہ ہر وہ کام جس سے رب تعالٰی نے منع فرمایا ہے وہ کبیرہ ہے۔

کبیرہ و صغیرہ کے متعلق مصنف کی تحقیق:

اس راز سے یوں پردہ اٹھایا جاسکتا ہے کہ چوری کے فعل میں غور کرنا کہ یہ کبیرہ ہے یا نہیں؟ اس وقت تک دُرُست نہیں جب تک یہ سمجھ نہ آجائے کہ کبیرہ کا معنی کیا ہے اور اس سے مراد کیا ہے؟ جیسے کسی کا یہ کہنا کہ ''چوری حرام ہے یا نہیں؟'' تو اس وقت تک کوئی جواب نہیں دیا جاسکتا جب تک حرام کا معنی معلوم نہ ہوجائے اور یہ کہ وہ معنٰی چوری میں پایا جاتا ہے یا نہیں؟

اس اجمالی گفتگو سے معلوم ہو گیا کہ لفظ کی حیثیت سے ''کبیرہ'' ایک مبہم وغیر واضح مفہوم ہے۔ لغت اور شریعت میں اس کے لئے کوئی خاص مفہوم متعین نہیں ہے اور یہ اس لئے کہ صغیرہ اور کبیرہ دونوں اضافی وصف ہیں اور ہر گناہ اپنے سے کم تر گناہ کے مقابلہ میں کبیرہ ہے اور اپنے سے اوپر والے گناہ کے مقابلہ میں صغیرہ ہے جیسے اجنبی عورت کے ساتھ بستر پر لیٹنا اسے دیکھنے کے مقابلے میں کبیرہ ہے مگر زنا کے مقابلے میں صغیرہ ہے، مسلمان کا ہاتھ کاٹنا اسے مار پیٹ کرنے کی نسبت کبیرہ ہے مگر قتل کردینے کی نسبت صغیرہ ہے۔

---

1 ...سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی الغیبة، ۴/ ۳۵۳، حدیث: ۴۸۷۷، بتقدم وتاخر مع تغیر قلیل

2 ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند انس بن مالک، ۴/ ۵۶۸، حدیث: ۱۴۰۴۱

البتہ! یہ کہا جاسکتا ہے کہ ”جن گناہوں پر دوزخ کے عذاب کی وعید ہے وہ گناہ کبیرہ ہیں۔“یعنی انہیں اس لئے کبیرہ کہتے ہیں کہ آگ سے عذاب دینا ایک بڑا مُعاملہ ہے۔یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ”جن گناہوں پر حد مقرر ہے وہ کبیرہ ہیں۔“ اور دلیل یہ بیان کرے کہ جوواجب سزا دنیا ہی میں اسے دے دی گئی وہ بڑی سزا ہے۔یہ تعریف بھی کی جاسکتی ہے کہ ”قرآن مجید میں جن گناہوں سے ممانعت آئی ہے وہ کبیرہ ہیں۔“اور کہہ دیا جائے کہ ”قرآن پاک میں خصوصیت کے ساتھ ذکر ہونا ان کے بڑا ہونے کی دلیل ہے۔“پھر لازمی سی بات ہے کہ ان کا کبیرہ وبڑا ہونا بھی ایک اضافی امر ہے کیونکہ قرآن پاک میں جو کچھ بیان ہوا ہے اس کے دَرَجات بھی مختلف ہیں۔

بیان کردہ ان اصطلاحات وتعریفات میں کوئی حرج نہیں۔حضراتِ صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان سے منقول الفاظ انہی جہتوں میں گردش کرتے ہیں اور ان کو مذکورہ احتمالات میں سے کسی ایک پر جاری کرنا بعید از عقل بھی نہیں۔ہاں یہ بات اہم ہے کہ تم اس فرمانِ باری تعالیٰ کا معنیٰ ومطلب جان لو:

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآىٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ (پ۵،النسآء:۳۱) ترجمۂ کنز الایمان: اگر بچتے رہو کبیرہ گناہوں سے جن کی تمہیں ممانعت ہے تو تمہارے اور گناہ ہم بخش دیں گے۔

اور حضور نبیِّ رحمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اس فرمانِ عالی کا مفہوم سمجھ لو: اَلصَّلَوَاتُ كَفَّارَاتٌ لِّمَا بَیْنَهُنَّ اِلَّا الْكَبَآىٕرَ یعنی نمازیں درمیان میں ہونے والے گناہوں کے لئے کفارہ ہیں سوائے کبیرہ گناہوں کے۔[1]

بلاشبہ یہ فرامین مُقَدَّسہ کبیرہ گناہوں کو ثابت کررہے ہیں۔

تحقیقِ مصنّف کا خلاصہ:

اس بارے میں حق یہ ہے کہ نظرِ شریعت میں گناہوں کی تین اقسام ہیں:(۱)وہ گناہ جن کا بڑا ہونا معلوم ہے (۲)وہ گناہ جن کا صغیرہ میں شامل وشمار ہونا معلوم ہے اور (۳)وہ گناہ جن میں شک ہے۔ان کا حکم معلوم نہیں ہے۔

اس تیسری قسم کے گناہوں کی کامل تعریف اور خاص تعداد جاننے کے لئے کوشش کرنا ایک ناممکن بات کی طلب وجستجو ہے کیونکہ اس کی معرفت حضور نبیِّ پاک، صاحبِ لولاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے سنے بغیر

[1]...مسلم، کتاب الطھارۃ، باب الصلوات الخمس...الخ،ص۱۴۴،حدیث:۲۳۳

ممکن نہیں، یوں کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا ہو "کبیرہ گناہوں سے میری مراد دس یا پانچ گناہ ہیں" اور ساتھ ہی ان کی تفصیل بھی بیان فرما دیتے۔ جب ایسا کچھ مروی نہیں، ایسی کوئی حدیث نہیں بلکہ بعض حدیثوں میں یہ وارد ہوا ہے کہ "تین گناہ کبیرہ ہیں۔"(1) اور بعض میں یہ آیا ہے کہ "سات گناہ کبیرہ ہیں۔"(2) پھر یہ بھی حدیث شریف میں وارد ہے کہ "ایک گالی کے بدلے دو گالیاں دینا کبیرہ گناہ ہے۔"(3) اور یہ اُن سات اور تین سے الگ ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان فرامین سے کسی خاص عدد کا ارادہ نہیں فرمایا۔ تو جس عدد کو شریعت نے بیان نہیں فرمایا اس کی خواہش و جستجو کیسے کی جاسکتی ہے؟ عین ممکن ہے اسے مبہم چھوڑنے سے شریعت کا مقصد یہ ہو کہ لوگ اس معاملے میں خوف زدہ رہیں (اور ہر گناہ سے بچیں) جیسا کہ شَبِ قَدر کو مُبْہَم و پوشیدہ رکھا تا کہ اس کی طلب میں لوگ خوب کوشش کریں۔

کبیرہ گناہوں کی پہچان کا طریقہ:

ہمارے پاس ایک طریقہ ہے جس سے ہم کبیرہ گناہوں کی اَجناس و اَنواع کو تحقیق کے ساتھ پہچان سکتے ہیں۔ البتہ! ان کی حقیقتوں کو ہم صرف گمان اور اندازے سے پہچان سکتے ہیں نیز یہ کہ ہم اَکْبَرُالْکَبَآئِر یعنی سب سے بڑے گناہ کو بھی پہچان سکتے ہیں مگر اَصْغَرُالصَّغَآئِر یعنی سب سے چھوٹے گناہ کو پہچاننے کا کوئی طریقہ نہیں۔

اس اجمالی گفتگو کی تفصیل یہ ہے کہ ہم شرعی دلائل اور انوارِ بصیرت دونوں کے ذریعے جانتے ہیں کہ تمام شریعتوں کا مقصد مخلوق کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے جوارِ رحمت اور قُرب میں پہنچانا اور اس سے ملاقات کی سعادت دلوانا ہے اور اس مقصد کا حصول اللہ عَزَّوَجَلَّ، اس کی صفات، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کی مَعْرِفَت ہی سے ممکن ہے۔ درج ذیل فرمانِ باری تعالیٰ میں اسی طرف اشارہ ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور میں نے جن اور آدمی اتنے ہی (اسی) لئے بنائے کہ میری بندگی کریں۔

(پ۲۷، الذّٰریٰت: ۵۶)

---

(1)... مسلم، کتاب الایمان، باب الکبائر و اکبرھا، ص۵۹، حدیث: ۸۷

(2)... الادب المفرد، باب الاعرابیة، ص۱۲۴، حدیث: ۵۹۰

(3)... سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی الغیبة، ۴/ ۳۵۳، حدیث: ۴۸۷۷

مطلب یہ کہ جنوں اور آدمیوں کو اسی لئے بنایا کہ وہ میرے بندے بنیں اور بندہ اس وقت تک بندہ نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے رب کو رُبُوبِیَّت (یعنی رب ہونے) اور خود کو عبودیت (یعنی بندہ ہونے) کے لحاظ سے پہچان نہ لے۔ اس پر لازم ہے کہ اپنی ذات اور اپنے رب تعالیٰ کی معرفت حاصل کرے۔ حضرات انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کی تشریف آوری کا سب سے بڑا مقصد بھی یہی ہوتا ہے اور یہ مقصد صرف دنیا کی زندگی ہی میں پورا ہو سکتا ہے۔ حُضور سیِّدِ عالَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اس فرمانِ عالی کا یہی معنی ہے: ''اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ یعنی دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔''[1] لہٰذا دین کے تابع ہونے کے اعتبار سے دنیا کی حفاظت بھی مقصود میں شامل ہو گئی کیونکہ یہ آخرت تک پہنچنے کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔

دنیا کی دو چیزیں آخرت کے ساتھ تعلّق رکھتی ہیں: (۱) جان اور (۲) مال۔ تو ہر وہ عمل جو مَعْرِفَتِ الٰہی کا دروازہ بند کر دے وہ سب سے بڑا گناہ ہے، اس کے بعد وہ جو حیاتِ انسانی میں خلل انداز ہو اور اس کے بعد وہ ہے جو معیشت کا دروازہ بند کر دے جس کے ساتھ انسانی زندگی جُڑی ہوئی ہے۔ یہ تین مراتب ہوئے۔ معلوم ہوا کہ تمام شریعتوں میں دلوں پر معرفت، اَبدان واَجسام پر حیات اور اَشخاص پر اَموال کی حفاظت ضروری رہی ہے۔ یہ وہ تین باتیں ہیں کہ ان میں مختلف امتوں کے درمیان اختلاف کا تَصَوُّر نہیں کیا جاسکتا، لہٰذا یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ مخلوق کی دینی و دنیاوی اصلاح کا ارادہ فرما کر کسی نبی کو مبعوث فرمائے اور پھر انہیں ایسی چیز کا حکم فرمائے جو رب تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی معرفت و پہچان سے رُکاوٹ بن جائے یا انہیں جان و مال کو ہلاک کرنے کا حکم فرمائے۔

کبیرہ گناہ کے تین دَرَجے:

مذکورہ گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ کبیر گناہوں کے تین درجے ہیں۔

پہلا دَرَجہ:

وہ کبیرہ گناہ جو اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسولوں کی مَعْرِفَت میں رُکاوٹ ہو وہ کفر ہے۔ کفر سے بڑا گناہ کوئی نہیں کیونکہ باری تعالیٰ اور بندے کے درمیان رکاوٹ جہالت ہی ہے اور بندے کو رب تعالیٰ کے قرب

[1]... المقاصد الحسنة، حرف الدال المهملة، ص ۲۲۵، حدیث: ۴۹۷

میں پہنچانے والا وسیلہ علم و معرفت ہے۔ معرفت جتنی زیادہ ہو گی قرب بھی اتنا زیادہ حاصل ہو گا اور جہالت جتنی زیادہ ہو گی دوری بھی اسی قدر زیادہ ہو گی۔ وہ جہالت جسے کفر کہا جاتا ہے اس کی وجہ سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خفیہ تدبیر سے بے خوفی اور اس کی رحمت سے مایوسی جیسے گناہ جنم لیتے ہیں اور یہ بھی عین جہالت ہیں کیونکہ جسے رب تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو اس سے یہ مُتَصَوَّر نہیں کہ وہ باری تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف یا اس کی رحمت سے مایوس ہو۔ یہی جہالت ان ساری بدعتوں کا پیش خیمہ ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات، اس کی صفات اور اس کے اَفعال سے تَعَلُّق رکھتی ہیں۔ ان میں سے بعض بعض سے زیادہ سخت ہیں۔

جہالت کی کمی بیشی کے اعتبار سے اور ذاتِ باری تعالیٰ، اس کے افعال، اس کے احکام اور اس کے اَوَامر ونَوَاہی اور دیگر بے شمار دَرَجات کے لحاظ سے یہ بِدْعات باہم مختلف ہیں اور ان بِدعتوں کی تین قسمیں ہیں:(۱) جن کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ قرآنِ مجید میں بیان کردہ کبیرہ گناہوں کے تحت داخل ہیں (۲) جن کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ ان کبائر کے تحت داخل نہیں اور (۳) وہ جن کے بارے میں شک ہے اور اس شک کو دور کرنے کی کوشش پوری نہ ہونے والی خواہش ہے۔

دوسرا درجہ:

اس کا تعلق نفوس یعنی بندوں کی جانوں سے ہے کہ ان کی بقا اور حفاظت سے زندگی برقرار رہتی ہے اور معرفت خداوندی حاصل ہوتی ہے، لہٰذا کسی جان کا قتل اگرچہ کفر سے کم ہے مگر کبیرہ گناہ ضرور ہے۔ کفر عَیْنِ مقصود کو فوت کرتا ہے اور یہ مقصود تک پہنچانے والے وسیلہ کو ختم کر دیتا ہے کیونکہ دنیاوی زندگی کا مقصود آخرت ہی ہے اور اس تک پہنچنے کا ذریعہ معرفَتِ الٰہی ہے۔ پھر اس کبیرہ (قتل) کے تحت انسانی اعضاء کا کاٹنا اور ہلاکت میں ڈالنے والا ہر فعل داخل ہے حتّٰی کہ ہاتھوں سے مار پیٹ کرنا بھی اس میں شامل ہے۔ ان گناہوں میں بھی بعض بعض سے بڑے ہیں۔ زنا اور لواطت (مرد سے بدفعلی) کا حرام ہونا اسی دَرَجہ میں آتا ہے کیونکہ اگر لوگ صرف مردوں سے شہوت پوری کرنے پر متفق ہو جائیں تو نسل انسانی مُنْقَطِع ہو جائے۔ وجود (نطفہ) کو ضائع کرنا وجودِ ہستی کو ختم کرنے کے مترادف ہے جبکہ زنا اصل وجود کو تو ختم نہیں کرتا مگر نسب کو خراب کر دیتا، وراثت اور باہمی مدد اور ان تمام امور کو باطل کر دیتا ہے جن کے بنا نظامِ زندگی نہیں چل سکتا۔

تو پھر زنا کے جواز کے ساتھ یہ نظام کیسے تکمیل کو پہنچے گا حتّٰی کہ جانوروں تک کے مُعامَلات اس وقت تک درست نہیں چل سکتے جب تک ان میں سے خاص مادہ کے لئے خاص نر نہ ہو۔ اسی لئے شریعت کہ جس کا مقصد اصلاح ہے اس میں زنا کی اجازت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

زنا کا درجہ قتل کے بعد ہی ہونا چاہئے کیونکہ یہ وجودِ انسانی کا دَوام ختم نہیں کرتا اور نہ ہی اس کی اصل میں رکاوٹ بنتا ہے۔ البتہ! یہ نسبوں کا باہمی امتیاز ختم کرتا اور ایسے اسباب کو ہوا دیتا ہے جو باہمی لڑائی تک پہنچاتے ہیں۔ لواطت کے گناہ سے زنا کا گناہ زیادہ سخت ہے کیونکہ زنا میں مرد و عورت دونوں کی طرف شہوت داعی و سبب ہوتی ہے۔ پس اس کا وقوع کثرت سے ہوتا ہے اور اسی کثرت کے سبب اس کے نقصان کا اثر بھی بڑا ہوتا ہے۔

تیسرا درجہ:

تیسرے درجے کا تعلق اموال سے ہے۔ یہ انسانوں کے لئے اسبابِ زندگی ہیں لیکن ان کے حصول کی خاطر لوگوں کو کھلی چھٹی نہیں دی جاسکتی کہ جیسے چاہیں حاصل کریں مثلاً زبردستی یا چوری یا کسی اور ناجائز طریقہ سے۔ بلکہ اموال کو باقی رکھنا انسانی جانوں کی حفاظت کے لئے ضروری ہے کیونکہ مال اگر چھن جائے تو اس کی واپسی ممکن ہے، اگر کھالیا جائے تو اس کا تاوان دیا جاسکتا ہے تو ان صورتوں میں اس کا معاملہ بڑا نہیں۔ ہاں! اگر مال اس طرح لیا گیا کہ اس کا تدارُک دشوار ہو تو اب یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہونا چاہئے۔

مال کا حُصُول اور گناہِ کبیرہ:

اس کے یہ چار طریقے ہو سکتے ہیں۔

...**پہلا طریقہ:** خفیہ و پوشیدہ طور پر مال لینا مثلاً چوری کہ اکثر مالک کو اس کی اطلاع نہیں ہوتی تو تدارک کیونکر ہو سکے گا!

...**دوسرا طریقہ:** یتیم کا مال کھانا کہ یہ بھی پوشیدہ طور پر ہوتا ہے۔ یہ یتیم کے ولی اور سرپرست کے متعلق ہے کیونکہ وہ مالِ یتیم پر امین ہوتا ہے اور یہاں مدعی صرف یتیم ہے جو معاملے سے انجان ایک ناسمجھ چھوٹا بچہ ہے۔ پس اس مُعاملے کا بڑا ہونا لازمی بات ہے بخلاف کسی کا مال غصب کرنے کے کیونکہ یہ کُھلے عام ہوتا ہے اور بخلاف امانت میں خیانت کے کیونکہ اس صورت میں امانت رکھنے والا مُدّعی اپنے لئے انصاف کا مُطالَبہ کرتا ہے۔

...**تیسرا طریقہ:** جھوٹی گواہی دے کر کسی کا مال ضائع کرنا۔

...**چوتھا طریقہ:** جھوٹی قسم کھا کر امانت یا کوئی اور مال لے لینا۔

یہ وہ چار طریقے ہیں جن کا تدارُک نہیں ہو سکتا اور ایسا بھی نہیں کے ان کے حرام ہونے میں شریعتیں مختلف ہوں۔ ان میں سے بعض بعض سے زیادہ سخت ہیں لیکن یہ تمام ماقبل مذکور جانوں سے متعلق دوسرے درجہ سے کم سخت ہیں۔

یہ چار گناہ اسی بات کے لائق ہیں کہ انہیں کبیرہ شمار کیا جائے۔ اگرچہ شریعت نے ان کے ارتکاب پر حد مقرر نہیں کی مگر ان پر اکثر وعید سنائی ہے (یعنی سزا سے ڈرایا ہے) نیز معاملاتِ دنیا پر ان کے اثرات بھی زیادہ ہیں۔

سود اور غصب کا کبیرہ ہونا:

سود میں دوسرے کی مرضی سے اس کا مال کھایا جاتا ہے جس میں شریعت کی مقرر کردہ ایک شرط کے سبب خلل و کوتاہی واقع ہوتی ہے اور بعید نہیں کہ اس جیسے معاملات میں شریعتوں کا اختلاف ہو۔ جہاں تک غصب کا تعلق ہے کہ جس میں دوسرے کا مال اس کی اور شریعت کی مرضی کے بغیر کھایا جاتا ہے (حضرت سیِّدُنا ابوطالب مکی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی نے) اسے کبیرہ گناہوں میں شمار نہیں کیا۔ سود کا کھانا مالک کی مرضی سے ہوتا ہے شریعت کی مرضی سے نہیں اس کے باوجود شریعت نے سود کھانے سے سختی کے ساتھ منع کیا اور اسے بڑا قرار دیا تو غصب کے ذریعے ظلم کو بھی بڑا ہونا چاہئے اور خیانت کو بھی بڑا جرم قرار دیا جانا چاہئے۔ البتہ! خیانت اور غصب کے ذریعے ایک دانق (درہم کا چھٹا حصہ) کھانے کو کبیرہ گناہ قرار دینا محلِ نظر ہے اور یہ مقام شک ہے۔ گمان زیادہ اسی جانب مائل ہے کہ یہ کبیرہ گناہوں کے تحت داخل نہیں بلکہ کبیرہ گناہ کو اس فعل کے ساتھ خاص کر دینا چاہئے جس کے کبیرہ ہونے پر تمام شریعتوں کا اِتّفاق ہو تاکہ اس کا شمار ضروریاتِ دِین میں ہو۔

شراب کے کبیرہ ہونے کے متعلق بحث:

حضرت سیِّدُنا ابوطالب مکی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی نے جو کبیرہ گناہ بیان فرمائے ہیں ان میں سے تہمت لگانا (یعنی کسی پر زنا کا الزام لگانا)، جادو کرنا، شراب پینا، میدانِ جہاد سے بھاگنا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا باقی رہ گئے۔ شراب چونکہ عقل کو زائل کر دیتی ہے،، لہٰذا یہ اسی کے زیادہ لائق ہے کہ یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہو نیز اس کے کبیرہ

ہونے پر شرعی سختیاں اور فکر و نظر بھی دلالت کرتے ہیں کیونکہ جس طرح نفس (جان) کی حفاظت واجب ہے اسی طرح عقل کی حفاظت بھی واجب ہے بلکہ عقل کے بغیر نفس میں کوئی بھلائی نہیں ہے، لہٰذا (نشہ آور چیزوں سے) عقل کو زائل کر دینا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ البتہ! یہ حکم شراب کے ایک قطرے میں جاری نہیں ہوتا۔ پس اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر کسی نے ایسا پانی پیا جس میں ایک قطرہ شراب تھی تو یہ کبیرہ گناہ نہیں بلکہ یہ نجس وناپاک پانی پینا ہے اور شراب کا ایک خالص قطرہ پینے کا حکم مشکوک ہے جبکہ شریعت کا اس پر حد واجب کرنا اس جرم کے بڑا ہونے کی دلیل ہے، لہٰذا بتقاضائے شریعت اسے کبیرہ شمار کیا جائے گا۔ شریعت کے تمام اسرار پر مطلع ہونا بشری طاقت سے باہر ہے۔ اَلْغَرَض اگر کسی شے کے کبیرہ ہونے پر اجماع (یعنی علمائے اُمت کا اتفاق) ثابت ہو جائے تو اس کی پیروی واجب ہے ورنہ اس میں توقف کی گنجائش موجود ہے۔

تُہمت کے کبیرہ ہونے کے متعلق بحث:

جہاں تک قَذَف یعنی تہمت لگانے کا تعلق ہے تو اس میں عزت وآبرو کو پامال کیا جاتا ہے اور درجہ کے لحاظ سے مال عزت سے پہلے ہے۔ تہمت لگانے کے کئی مراتب ہیں: ان میں سب سے بڑی تہمت یہ ہے کہ کسی کی طرف کھلم کھلا زنا کی نسبت کر کے اس پر تہمت لگائی جائے (جیسے کسی سے کہنا: اے زانی! یا اے زانیہ! وغیرہ)۔ شریعت نے اس معاملہ کو بہت بڑا قرار دیا ہے اور میرا ظنِّ غالب ہے کہ صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان ہر اس گناہ کو کبیرہ گناہ شمار کرتے تھے جس سے حد (یعنی مُقرَّر کردہ اسلامی سزا) واجب ہوتی ہے۔ پس اسی اعتبار سے پانچوں فرض نمازیں اس کبیرہ گناہ کو نہیں مٹاتیں۔ یہاں کبیرہ گناہ سے ہماری یہی مراد ہے مگر اس حیثیت سے کہ اس میں شریعتوں کا اختلاف ممکن ہے، لہٰذا محض قیاس اس گناہ کے کبیرہ اور عظیم ہونے پر دلالت نہیں کرتا بلکہ شریعت کا یوں وارد ہونا ممکن تھا کہ ”اگر ایک عادل شخص کسی انسان کو زنا کرتے ہوئے دیکھ لے تو اسے چاہئے کہ گواہی دے اور جس کے خلاف گواہی دی گئی اسے صرف اس گواہی کے سبب کوڑے لگائے جاتے اور اگر اس کی گواہی قبول نہ کی جاتی تو دنیاوی مصلحتوں کے پیشِ نظر اسے حد لگانا بھی ضروری نہ ہوتا اگرچہ ضرورتوں کے درجہ میں آنے والے بعض ظاہری مصالح کے موافق ہوں۔“ جب اس کا معاملہ بھی ایسا ہے تو یہ اس آدمی کے حق میں کبیرہ گناہوں کے ساتھ ملایا جائے گا جو حکم شریعت کی پہچان

رکھتا ہو مگر جسے یہ گمان ہو کہ وہ تنہا گواہی دے سکتا ہے یا اس کا خیال ہو کہ گواہی دے کر کسی کی مدد کرے گا تو اس کے حق میں اسے کبیرہ گناہوں سے شمار نہیں کرنا چاہئے۔

جادو کے کبیرہ ہونے کے متعلق بحث:

جہاں تک جادو کا معاملہ ہے تو اگر اس میں کسی قسم کا کفر ہو تو یہ گناہِ کبیرہ ہے ورنہ اس کا کبیرہ ہونا اس سے پیدا ہونے والے نقصان وضرر کے اعتبار سے ہوتا ہے جیسے جادو سے کسی کی جان چلی جانا یا بیمار ہو جانا وغیرہ۔

جہاد سے فرار اور والدین کی نافرمانی کے متعلق بحث:

جہاں تک میدانِ جہاد سے بھاگنے اور ماں باپ کی نافرمانی کا معاملہ ہے تو قیاس کے مطابق ان کو محلِّ توقُّف میں ہونا چاہئے۔ جب یہ قطعی طور پر معلوم ہے کہ لوگوں کو مار پیٹ کرنے، ان کا مال چھین کر یا انہیں ان کے گھروں اور شہروں سے نکال کر یا انہیں جَلاوطن کر کے ان پر ظُلْم کرنے اور زِنا کی تُہمت لگانے کے علاوہ کوئی بھی گالی دینا کبیرہ گناہوں میں سے نہیں کیونکہ یہ (احادیث وآثار میں) بیان کردہ 17 کبیرہ گناہوں میں شامل نہیں اور اس مَقام پر اکثر یہی کہا گیا ہے۔ جب مُعاملہ ایسا ہے تو اس میں بھی توقُّف کرنا عقل سے بعید نہیں مگر چونکہ حدیث شریف اس کو کبیرہ کہنے پر دلالت کرتی ہے، لہٰذا اسے بھی کبیرہ گناہوں کے ساتھ ملایا جائے گا۔

کبیرہ گناہ سے مراد:

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ کبیرہ سے ہماری مراد وہ گناہ ہیں جن کا کَفَّارہ شرعی طور پر پانچ نمازیں نہ بن سکیں۔ ان میں سے بعض وہ گناہ ہیں جن کے بارے میں یقینی طور پر معلوم ہے کہ نمازیں ان کو نہیں مٹاتیں اور بعض وہ ہیں کہ نمازوں کو ان کے لئے کفارہ بننا چاہئے جبکہ بعض کے متعلق توقف کیا جاتا ہے۔ جن کے بارے میں توقف کیا جاتا ہے ان میں سے بعض کے بارے میں نفی واثبات دونوں کا گمان ہوتا ہے اور بعض میں شک ہوتا ہے اور یہ شک ایسا ہوتا ہے جسے صرف قرآن یا سنت کی واضح دلیل ہی زائل کر سکتی ہے اس میں طمع وجستجو کی کوئی گنجائش نہیں، لہٰذا اس میں موجود شک دور کرنے کی کوشش محال ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر یہ کہا جائے کہ یہ تو گناہِ کبیرہ کی تعریف پہچاننے کے محال ہونے پر دلیل قائم کرنا ہے اور جس شے کی حقیقت جاننا محال ہو شریعت کا حکم اس کے متعلق کیسے وارد ہو سکتا ہے؟

جواب: جان لیجئے کہ ہر وہ معاملہ جس کے متعلق دنیا میں کوئی حکم نہ ہو اس کی طرف اِبہام کا راہ پانا ممکن ہے کیونکہ دارُالعمل تو دنیا ہی ہے اور گناہِ کبیرہ کے لئے بالخصوص اس کے کبیرہ ہونے کے لحاظ سے دنیا میں کوئی حکم نہیں بلکہ حد کو واجب کرنے والے تمام جرم اپنے ناموں سے معروف ہیں مثلاً چوری اور زنا وغیرہ اور چونکہ پانچ نمازوں کا کبیرہ گناہوں کے لئے کفارہ نہ بننے کا حکم آخرت سے تعلُّق رکھتا ہے، لہٰذا اِبہام اس کے زیادہ لائق ہے تاکہ لوگ خوف زدہ رہیں اور پرہیز کریں اور پانچ نمازوں پر تکیہ کر کے صغیرہ گناہوں پر جری نہ ہو جائیں۔ اگر کبیرہ گناہوں سے اجتناب کریں تو صغیرہ گناہ خود ہی مٹا دیئے جائیں گے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ (پ۵، النسآء: ۳۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اگر بچتے رہو کبیرہ گناہوں سے جن کی تمہیں ممانعت ہے تو تمہارے اور گناہ ہم بخش دیں گے۔

کبیرہ سے اجتناب صغیرہ کو کب مٹاتا ہے؟

یاد رہے کہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب صغیرہ گناہوں کو اس وقت مٹاتا ہے جب انسان قدرت اور ارادے کے باوجود بچے مثلاً کوئی شخص کسی عورت سے بدکاری کرنے پر قدرت رکھنے کے باوجود خود کو بدکاری سے بچائے اور فقط دیکھنے یا چھونے پر اکتفا کرے تو اس کا بدکاری سے رک کر نفس سے جہاد کرنا (یعنی نفس کو قابو میں رکھنا) دل کو روشن کرنے میں زیادہ تاثیر رکھتا ہے اور اس کے مقابلے میں دل کو تاریک و بے نور کرنے میں عورت کو دیکھنا کم مُؤَثِّر ہے اور صغیرہ گناہ کو مٹا دینے کا یہی معنیٰ ہے۔ اگر کوئی شخص نامرد ہو کہ جماع پر قادر نہیں یا کسی ضرورت کے تحت بدکاری سے عاجز ہو یا قادر تو ہو مگر کسی دوسری بات کے خوف کے سبب باز رہے تو اس اعتبار سے کبیرہ گناہ سے بچنا صغیرہ کو مٹانے کی صلاحیت بالکل نہیں رکھتا مثلاً کوئی شخص طبعی طور پر شراب کی خواہش نہ رکھتا ہو حتّٰی کہ اگر اس کے لئے مباح بھی ہو تب بھی نہیں پیتا تو اس کا شراب خوری کے

کبیرہ گناہ سے بچنا ان صغیرہ گناہوں کو نہیں مٹائے گا جو شراب خوری کی طرف لے جاتے ہیں جیسے موسیقی وگانا وغیرہ سننا۔ البتہ! جس شخص میں شراب نوشی اور موسیقی سننے کی خواہش طبعی طور پر ہو وہ اپنے نفس سے جہاد کرتے ہوئے خود کو شراب سے تو روک لے مگر موسیقی سننے سے باز نہ آئے تو اس کا خود کو شراب سے روک کر نفس سے جہاد کرنا (یعنی مجاہدہ کرنا) دل سے اس اندھیرے کو دور کردے گا جو مزامیر (یعنی موسیقی) سننے کے گناہ سے پیدا ہوجاتا ہے۔

یہ سارے اُخروی احکام ہیں اور ممکن ہے ان میں سے بعض مَحَلِّ شک میں باقی رہیں اور متشابہات میں سے ہوں۔ پس ان کی تفصیل نص (یعنی قرآن وحدیث) ہی سے معلوم ہوتی ہے اور نص میں ان کی گنتی آئی ہے نہ جامع تعریف بلکہ نص مختلف الفاظ کے ساتھ وارد ہے۔ چنانچہ

حضرت سیِّدُنا ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "اَلصَّلٰوۃُ اِلَی الصَّلٰوۃِ کَفَّارَۃٌ وَرَمَضَانُ اِلٰی رَمَضَانَ کَفَّارَۃٌ اِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ اِشْرَاکٌ بِاللّٰہِ وَتَرْکُ السُّنَّۃِ وَنَکْثُ الصَّفْقَۃِ یعنی ایک نماز دوسری نماز تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک (گناہوں کے لئے) کفارہ ہے سوائے تین گناہوں کے (۱) اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ساتھ شریک ٹھہرانا (۲) سنت کو چھوڑنا اور (۳) سودا منسوخ کرنا۔" عرض کی گئی: "یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! سنت کو چھوڑنے کا مطلب کیا ہے؟" ارشاد فرمایا: "مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہوجانا، اور سودا منسوخ کرنا یہ ہے کہ کسی شخص سے سودا طے کرنے کے بعد تلوار نکال کر اس سے لڑنے کھڑا ہوجائے۔"[1]

اَلْغَرَض یہ اور اس جیسے دیگر اَلفاظ نہ تو کبیرہ گناہوں کی تعداد کا اِحاطہ کرتے ہیں اور نہ ہی ان کی جامع تعریف پر دلالت کرتے ہیں تو لامُحالَہ اس میں اِبہام رہے گا۔

ایک سُوال اور اس کا جواب:

اگر کہا جائے کہ گواہی تو اُسی شخص کی قبول ہوتی ہے جو کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے اور گواہی قبول ہونے کے لئے صغیرہ گناہوں سے اِجتناب شرط نہیں اور یہ دُنیاوی اَحکام ہیں۔

---

1 ...مسند امام احمد بن حنبل، مسند ابی هريرة، ۳/ ۵، حديث: ۷۱۳۲، بتغير

جواب: یاد رکھئے! ہم گواہی کے رَد کرنے کو کبیرہ گناہوں کے ساتھ خاص نہیں کرتے۔ اس بات میں کوئی اِختلاف نہیں کہ ”جو شخص باجے سنتا ہے اور ریشم پہنتا ہے اور سونے کی انگوٹھی پہنتا اور سونے چاندی کے برتنوں میں کھاتا پیتا ہے اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔“ حالانکہ کسی نے بھی ان اَفعال کو کبیرہ گناہ نہیں قرار دیا۔ چنانچہ

حضرت سیِّدُنا امام محمد بن اِدریس شافعی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْکَافِی نے فرمایا: ”اگر کوئی حنفی نبیذ (رس) پیئے گا تو میں اسے حد تو لگاؤں گا لیکن اس کی گواہی کو رَد نہیں کروں گا۔“

یہاں آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے حد کو واجب کہہ کر اسے کبیرہ گناہ تو قرار دیا لیکن اس کی وجہ سے اس کی گواہی کو مردود نہیں کہا۔ واضح ہو گیا کہ گواہی کے قبول ہونے یا نہ ہونے کا تعلق صغیرہ یا کبیرہ گناہوں سے نہیں بلکہ تمام ہی گناہ عدالت (گواہی کے قابل ہونے کی صلاحیت) کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ البتہ! عادات میں داخل ہو جانے کے سبَب جن گناہوں سے آدمی بچ نہ سکتا ہو جیسے غیبت، عیب جوئی، بد گُمانی، بعض باتوں میں جھوٹ بولنا، غیبت سننا، امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہ کرنا، مشتبہ چیزیں کھانا، اولاد اور غلام (نوکر و ملازم) کو گالی دینا اور انہیں محض غصے کے سبب مصلحت و ضرورت سے زیادہ مارنا پیٹنا، ظالم حکمرانوں کی عزت کرنا، فاسقوں اور فاجروں سے دوستیاں لگانا اور بیوی بچوں کو ان کی حاجت کی مقدار دینی تعلیم دلانے میں سستی کرنا۔

یہ ایسے گناہ ہیں کہ کوئی بھی گواہ ان سے مکمل طور پر خالی نہیں ہوتا۔ ہاں! یوں بچ سکتا ہے کہ لوگوں سے الگ ہو جائے، فقط آخرت کے کاموں کے لئے گوشہ نشینی اختیار کر لے اور ایک لمبے عرصے تک اپنے نفس سے جہاد کرتا رہے (اور جہاد بِالنَّفس میں پختہ ہو جائے) حتّٰی کہ پھر لوگوں سے میل جول کے باوجود اپنے انہی اخلاقیات پر قائم رہے۔ اگر اس جیسے گواہ کی گواہی قبول کی جائے گی تو ایسے کا ملنا نادر و نایاب ہے اور احکام و گواہیاں باطل ہو کر رہ جائیں گے۔ ریشم پہننا، مزامیر سننا، شطرنج کھیلنا، شراب نوشی کے وقت شرابیوں کے پاس بیٹھنا، اجنبی عورتوں کے ساتھ تنہائی اختیار کرنا اور ان صغیرہ گناہوں جیسے دیگر گناہ اس قبیل سے نہیں، لہٰذا گواہی کے قبول و رَد کے معاملے میں اسی طرح کا معیار ہونا چاہئے نہ کہ صغیرہ و کبیرہ گناہوں کو معیار قرار دیا جائے۔ پھر یہ صغیرہ گناہ جن کے سبب گواہی رَد کر دی جاتی ہے اگر ان میں سے کسی

ایک پر بھی مُواظَبت اِختیار کرتا ہے تو وہ گواہی کے رَد کرنے کے معاملے میں ضرور اثرانداز ہو گا مثلاً کوئی شخص غیبت اور عیب جوئی کو اپنی عادت بنالے اور ایسے ہی فاسق و فاجر لوگوں کے ساتھ بیٹھک اور ان سے دوستی کا حکم ہے کہ صغیرہ گناہ کے بار بار ارتکاب سے وہ کبیرہ ہو جاتا ہے جیسا کہ مباح (جائز) کام اگر بار بار کیا جائے تو وہ صغیرہ گناہ ہو جاتا ہے[1] جیسے شطرنج کھیلنا اور ہمیشہ تَرَنُّم کے ساتھ گانے گانا۔

پس یہ صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کے حکم کا بیان ہے۔

دوسری فصل: نیکیوں اور گناہوں پر ملنے والے درجات وٹھکانوں کی تقسیم کی کیفیت

جان لیجئے کہ ظاہری عالَم کا نام ''دُنیا'' ہے اور پوشیدہ عالَم کا نام ''آخرت'' ہے۔ دنیا سے مراد موت سے پہلے کی حالت ہے اور آخرت سے مراد موت کے بعد کی حالت ہے۔ پس تمہاری دنیا اور آخرت تمہاری صفات اور احوال ہیں پھر جو ان میں سے قریب ہے وہ ''دنیا'' اور جو دُور ہے وہ ''آخرت'' ہے۔

یہاں ہم جس قدر دنیا کا آخرت سے تعلق ہے اس کے بارے میں گفتگو کریں گے۔ مطلب یہ ہے کہ بات تو دنیا کے متعلق ہو گی جو ''عالَمِ مُلک'' ہے مگر اس سے ہماری غَرَض آخرت ہے جو کہ ''عالَمِ مَلَکُوت یعنی غیبی دنیا'' ہے اور ''عالَمِ مُلک'' میں ''عالَمِ مَلَکُوت'' کی شرح بغیر مثالوں کے نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا:

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا یَعْقِلُهَاۤ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ (پ۲۰، العنکبوت: ۴۳)

ترجمۂ کنزالایمان: اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان فرماتے ہیں اور اُنھیں نہیں سمجھتے مگر علم والے۔

ایسا اس لئے بھی ہے کہ عالَمِ مُلک عالَمِ مَلَکُوت کی طرف نِسبت کے لحاظ سے ایک طرح کی نیند ہے۔ چنانچہ مروی ہے: ''اَلنَّاسُ نِیَامٌ فَاِذَا مَاتُوْا اِنْتَبَهُوْا یعنی لوگ سوئے ہوئے ہیں جب مریں گے تو جاگ جائیں گے۔''[2]

آخرت خوابِ دنیا کی تعبیر ہے:

جو کچھ عنقریب بیداری میں ہونے والا ہوتا ہے وہ خواب میں صرف ایسی مثالوں کے ذریعے ظاہر ہوتا

---

1 ...اس مسئلے کی تفصیل جاننے کے لئے دارالافتاء اہلسنت کے اس نمبر 2204497-0302 پر رابطہ فرمائیں۔

2 ...حلیۃ الاولیاء، سفیان الثوری، ۷/ ۵۴، رقم: ۹۵۷۶، قول سفیان الثوری

ہے جو تعبیر کی محتاج ہوتی ہیں۔ یوں ہی جو کچھ آخرت کی جاگنے کی حالت میں ہو گا وہ دنیا کی نیند میں مثالوں کی کثرت سے واضح ہوتا ہے جیسا کہ ہم خواب کی مثالوں کو علم تعبیر کے ذریعے پہچانتے ہیں۔ اگر سمجھ لو تو تمہارے لئے درج ذیل تین مثالیں کافی ہیں:

...ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا امام ابن سیرین عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْمُبِیْن کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: "میں نے خواب دیکھا گویا میرے ہاتھ میں مہر ہے اور میں اس کے ساتھ مردوں کے مونہوں اور عورتوں کی شرم گاہوں پر مُہر لگا رہا ہوں۔" آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے ارشاد فرمایا: "تم مؤذن ہو اور ماہِ رمضان میں صُبْحِ صادِق سے پہلے اَذان دیتے ہو۔" اس نے کہا: "آپ نے سچ فرمایا۔"

...ایک شخص نے حاضر ہو کر خواب سنایا کہ "میں نے دیکھا گویا میں زیتون کا تیل زیتون میں ڈال رہا ہوں۔" تو حضرت سیِّدُنا امام ابن سیرین عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْمُبِیْن نے فرمایا: "اگر تو نے کوئی لونڈی خریدی ہے تو اس کے متعلق تَفْتِیْشِ اَحوال کر، وہ تیری ماں ہے جو تیرے بچپن میں قید کر لی گئی تھی کیونکہ زیتوں کے تیل کی اَصْل زیتون ہے تو وہ اصل کی طرف لوٹتا ہے۔" چنانچہ اس نے تفتیشِ احوال کی تو واقعی وہ لونڈی اس کی ماں تھی جو اس کے بچپن میں قیدی بنالی گئی تھی۔

...ایک شخص نے عرض کی: "میں نے خواب دیکھا گویا میں خنزیروں کے گلے میں موتیوں کا ہار ڈال رہا ہوں۔" حضرت سیِّدُنا اِمام اِبنِ سِیْرِین عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْمُبِیْن نے یہ تعبیر ارشاد فرمائی کہ "تم نااہلوں کو حکمت کی باتیں سکھاتے ہو۔" حقیقتاً ایسا ہی تھا جیسا آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا۔

تعبیر شروع سے آخر تک ایسی مثالیں ہیں جو تمہیں مثالوں کو بیان کرنے کا طریقہ بتاتی ہیں۔ مثال سے ہماری مراد معنٰی کو ایسی شکل وصورت میں بیان کرنا ہے کہ اگر اس کے معنٰی کو دیکھا جائے تو وہ سچی ہو اور اگر اس کی ظاہری صورت کو دیکھا جائے تو وہ جھوٹ لگے۔ پس گُزشتہ مثال میں اگر مُؤَذِّن "مُہر" کی شکل اور اس سے شرم گاہوں پر مُہر لگانے کو دیکھتا ہے تو اسے جھوٹا سمجھے گا کیونکہ اُس نے اِس سے کبھی بھی مُہر نہیں لگائی اور اگر وہ اس کے معنٰی کی طرف نظر کرتا ہے تو اسے سچا پائے گا کیونکہ اس سے "مہر" کی روح اور معنی صادر ہوا ہے اور وہ ہے روکنا جو مہر سے مقصود ہوتا ہے۔

انبیائے کرام کی گفتگو علم والے ہی سمجھتے ہیں:

اَنبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام لوگوں سے مثالوں کے طریقے پر ہی گفتگو کرتے ہیں کیونکہ یہ نُفُوسِ قُدسیہ اس بات کے پابند ہیں کہ لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق بات کریں اور لوگوں کی عقل ایسی ہے کہ وہ سوئے ہوئے ہیں اور سونے والے کے لئے جو بھی شے مُنکَشِف ہوتی ہے وہ مثال کی صورت ہی میں ہوتی ہے، لہٰذا جب فوت ہوں گے تو جاگ جائیں گے پھر انہیں پتا چلے گا کہ وہ مثالی صورت سچی تھی۔ چنانچہ

حضور نبیِّ رحمت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: قَلْبُ الْمُؤْمِنِ بَیْنَ اُصْبُعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰن یعنی بندۂ مومن کا دل رحمن عَزَّوَجَلَّ کی دو انگلیوں کے درمیان (یعنی قبضہ میں) ہے۔[1]

یہ ایسی مثال ہے جسے صِرف اَہلِ علم جانتے ہیں جبکہ جاہل کی سوچ اس مثال کے ظاہر سے آگے نہیں بڑھتی کیونکہ وہ ازروئے تاویل کی جانے والی وضاحت سے لاعِلْم ہے جیسا کہ خواب میں دیکھی جانے والی مثالوں کی وضاحت کو تعبیر کہتے ہیں۔ پس جاہل آدمی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ہاتھ اور انگلی ثابت کرے گا۔ تَعَالَی اللّٰہُ عَنْ قَوْلِہٖ عُلُوًّا کَبِیْرًا یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کی اس بات سے بہت بلند ہے۔

ایسے ہی شہنشاہِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ارشادِ گرامی ہے: اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ یعنی بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا[2]۔[3]

---

[1]...مسلم، کتاب القدر، باب تصریف اللّٰہ تعالی القلوب کیف شاء، ص١٤٢٧، حدیث: ٢٦٥٤، بتغیر قلیل

[2]...اس جملہ کی چار شرحیں ہیں صورت بمعنی ہیئت و شکل ہے یا بمعنی صفت اور ضمیر کا مرجع یا آدم عَلَیْہِ السَّلَام ہیں یا اللہ تعالیٰ، لہٰذا اس جملے کے چار معنیٰ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آدم عَلَیْہِ السَّلَام کو ان کی شکل و ہیئت پر پیدا فرمایا کہ جس شکل میں انہیں رہنا تھا، انہیں اوّل ہی سے وہ شکل دی دوسروں کی طرح نہ کیا کہ پہلے بچہ پھر جوان پھر بڈھا وغیرہ یا اللہ (عَزَّوَجَلَّ) نے حضرت آدم کو ان کی صفت پر پیدا کیا کہ وہ اوّل ہی سے عالم، عاقل، عامل، عارف، سمیع و بصیر وغیرہ تھے دوسروں کی طرح نہیں کہ وہ جاہل پیدا ہوتے ہیں پھر بعد میں ہوش، علم، عقل وغیرہ حاصل کرتے ہیں۔ یا اللہ نے حضرت آدم کو اپنی پسندیدہ صورت پر پیدا فرمایا، خود فرماتا ہے: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ﴿۴﴾ (پ٣٠، التین: ٤، ترجمۂ کنزالایمان: بے شک ہم نے آدمی کو اچھی صورت پر بنایا۔) اس لئے کوئی شخص دوزخ میں شکلِ انسانی سے نہ جاوے گا کہ یہ شکل خدا کو پیاری ہے۔ یا اللہ نے حضرت آدم (عَلَیْہِ السَّلَام) کو اپنی صفات پر پیدا فرمایا کہ انہیں اپنا علم، اپنا تصرف، اپنی سمع، اپنی بصر، اپنی قدرت وغیرہ بخشی۔ (مراٰۃ المناجیح، ٦/ ٣١٢)

[3]...مسلم، کتاب البر والصلة، باب النهی عن ضرب الوجه، ص١٤٠٨، حدیث: ١١٥(٢٦١٢)

پس جاہل آدمی لفظ "صورت" سے یہی سمجھتا ہے کہ اس سے مراد رنگ، شکل اور بناوٹ و ساخت ہے اور وہ اس جیسی چیزیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ثابت کرتا ہے جبکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس سے پاک اور بلند ہے۔ اسی وجہ سے صفاتِ باری تعالیٰ کے معاملے میں بعض لوگوں کے قدم پھسل گئے یہاں تک کہ انہوں نے کلامِ باری تعالیٰ کو آواز اور حروف قرار دے دیا(یعنی حادث ٹھہرایا)۔ یوں ہی دیگر صِفات کا معاملہ ہے اور یہاں بات طویل ہے۔

یوں ہی بعض دفعہ آخرت کے حوالے سے ایسی مثالیں بیان کی جاتی ہیں کہ مُلحِد و بے دِین شخص انہیں جھٹلا دیتا ہے کیونکہ اس کی نظر پر جمود طاری ہے کہ وہ محض مثال کے ظاہر کو دیکھتا ہے اور اپنے نزدیک مثال کے تناقض پر نظر کرتا ہے۔ جیسا کہ تاجدارِ رِسالت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالی ہے: "یُؤْتٰی بِالْمَوْتِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فِیْ صُوْرَۃِ کَبْشٍ اَمْلَحَ فَیُذْبَحُ یعنی روزِ محشر موت کو ایک سیاہ و سفید مینڈھے کی صورت میں لا کر ذبح کر دیا جائے گا۔"[1]

یہ روایت سن کر احمق و بیوقوف بے دین آدمی ہٹ دھرمی کرتا اور اسے جھٹلاتا ہے اور اس سے انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کے جھوٹا ہونے پر استدلال کرتے ہوئے کہتا ہے کہ "واہ سُبحانَ اللہ! موت ایک عَرَض ہے جبکہ مینڈھا ایک جسم تو پھر عرض کسی جسم میں کیسے تبدیل ہو سکتا ہے! یہ تو ہے ہی مُحال۔" درحقیقت اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس قسم کے بیوقوفوں کو اپنے اَسرار کی معرفت سے جدا کر رکھا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا یَعْقِلُهَاۤ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ (پ۲۰، العنکبوت: ۴۳) ترجمۂ کنزالایمان: اور اُنھیں نہیں سمجھتے مگر علم والے۔

اور اس بے چارے کو تو اتنی بات بھی سمجھ نہیں آتی کہ اگر کوئی آدمی کسی تعبیر بتانے والے سے کہے میں نے خواب دیکھا کہ ایک مینڈھا لایا گیا اور کسی نے کہا "یہ وہ وباء ہے جو شہر میں پھیلی ہوئی ہے" اور پھر اسے ذبح کر دیا گیا۔ تو تعبیر بتانے والا یہی کہے گا کہ تم نے سچ کہا اور مُعاملہ بھی اسی طرح ہے جیسا تم دیکھا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ وبا ختم ہو جائے گی اور دوبارہ کبھی نہیں آئے گی کیونکہ جس کو ذبح کر دیا جائے اس کی واپسی کی امید ختم ہو جاتی ہے۔ پس تعبیر بتانے والا اس کی تصدیق میں سچا ہے اور خواب دیکھنے والا اپنے خواب میں سچا ہے۔

خواب کی حقیقت:

خواب کی حقیقت یہ ہے کہ خوابوں پر مقرر فرشتہ روحوں کو بحالتِ نیند اُن باتوں پر مطلع کرتا ہے

---

[1]...بخاری، کتاب التفسیر، باب وانذرھم یوم الحسرۃ، ۳/ ۲۷۱، حدیث: ۴۷۳۰، بتغیر قلیل

جو"لوحِ محفوظ" میں لکھی ہوئی ہیں اور وہ فِرِشتہ سونے والے کو لوحِ محفوظ کی بات مثال دے کر سمجھاتا ہے کیونکہ سویا ہوا شخص مثال ہی برداشت کر سکتا ہے۔ پس اس کی مثال سچی ہوتی ہے اور اس کا معنیٰ صحیح ہوتا ہے۔

چنانچہ مُرسَلِین عِظام عَلَیْہِمُ السَّلَام جس دنیا میں لوگوں سے کلام کرتے ہیں وہ آخرت کے لحاظ سے ایک طرح کی نیند ہے۔ پس وہ معانی کو ان کے ذہنوں تک مثالوں کے ذریعے پہنچاتے ہیں۔ یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی حکمت اور اپنے بندوں پر اس کی مہربانی ہے نیز بندے جو بات بغیر مثال کے سمجھنے سے قاصر تھے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس کا سمجھنا آسان کر دیا۔ فرمانِ مصطفےٰ: "یُؤْتٰی بِالْمَوْتِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فِیْ صُوْرَۃِ کَبْشٍ اَمْلَحَ فَیُذْبَحُ یعنی روزِ محشر موت کو ایک سیاہ وسفید مینڈھے کی صورت میں لا کر ذبح کر دیا جائے گا" یہ تو ایک مثال ہے جو اس لئے ارشاد فرمائی گئی تاکہ ذہنوں میں یہ بات بٹھا دی جائے کہ روزِ محشر کے بعد کسی کو موت نہیں آئے گی۔

دل بنائے ہی ایسے گئے ہیں کہ مثالوں سے متاثر ہوتے ہیں اور انہی کے واسطے سے دلوں میں معانی قرار پکڑتے ہیں۔ اسی لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قرآن پاک میں اپنی قدرت کی انتہا کو یوں تعبیر فرمایا:

کُنْ فَیَکُوْنُ ﴿۸۲﴾ (پ۲۳، یٰس: ۸۲) ترجمۂ کنزالایمان: ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے۔

اور تیزی کے ساتھ دل کے بدل دینے کو حضور سیِّدِ عالَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے یوں تعبیر فرمایا: قَلْبُ الْمُؤْمِنِ بَیْنَ اُصْبُعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰن یعنی بندۂ مومن کا دل رحمٰن عَزَّوَجَلَّ کی دو انگلیوں کے درمیان (یعنی قبضہ میں) ہے۔[1]

ہم (پہلی جلد میں) "عقائد کے بیان" میں اس کی حکمت کی طرف اشارہ کر چکے ہیں اور اب ہم اس باب کے اصل مقصد کی طرف لوٹتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ نیکیوں اور برائیوں کے اعتبار سے دَرَجوں اور ٹھکانوں کی تقسیم کی پہچان مثالیں دیئے بغیر نہیں کروائی جا سکتی، لہٰذا ہم جو مثالیں دیں گے تمہیں اس کا معنیٰ سمجھنا ہے نہ کہ ظاہری صورت۔

نیکوکاروں اور گنہگاروں کے دَرَجات:

آخرت میں لوگوں کی کئی اقسام ہوں گی۔ سعادت اور شقاوت (یعنی خوش بختی اور بد بختی) کے لحاظ سے جنتی درجوں اور جہنمی ٹھکانوں میں ایسا تفاوت و فرق ہے جس کی کوئی حد بندی نہیں کی جا سکتی جیسا کہ لوگ

---

1 ...مسلم، کتاب القدر، باب تعریف اللہ تعالٰی القلوب کیف شاء، ص۱۴۲۷، حدیث: ۲۶۵۴، بتغیر قلیل

دنیاوی خوش بختی اور بد بختی میں متفاوِت ہیں اور اس معنی کے اعتبار سے دنیا اور آخرت میں کوئی فرق نہیں کیونکہ مُلک (ظاہری دنیا) اور مَلَکُوت (غیبی دنیا یعنی آخرت) دونوں کی تدبیر فرمانے والی ذات ایک ہی ہے جس کا کوئی شریک نہیں، جس کے اَزَلی اِرادے سے اس کا طریقہ مسلسل یوں ہی چلا آرہا ہے، اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی البتہ! یہ بات ہے کہ اگرچہ ہم ہر ایک دَرَجے کو شمار نہیں کرسکتے مگر اَجناس کو شمار کرسکتے ہیں۔ تو ہم کہتے ہیں کہ آخرت میں لوگ چار گروہوں میں تقسیم ہوں گے: (۱)... ہلاک ہونے والے (۲)... عذاب وسزا پانے والے (۳)... نجات پانے والے اور (۴)... کامیاب ہونے والے۔

دنیا میں اس کی مثال یہ ہے کہ ایک بادشاہ کسی ملک پر قبضہ کرتا ہے تو بعض لوگوں کو قتل کردیتا ہے **"یہ ہلاک ہونے والے ہیں"** بعض کو کچھ مدت تک سزا دیتا ہے مگر قتل نہیں کرتا **"یہ عذاب وسزا پانے والے ہیں"** بعض کو چھوڑ دیتا ہے **"یہ نجات پانے والے ہیں"** اور بعض کو انعام وخلعت عطا کرتا ہے **"یہ کامیاب ہونے والے ہیں"** پھر اگر بادشاہ انصاف کرنے والا ہو تو مستحق ہونے کے لحاظ سے لوگوں کو تقسیم کرتا ہے۔ قتل صرف اسی کو کرے گا جو بادشاہ کے حق کا منکر ہو اور اَصْل حکومت میں اس کا دشمن ہو اور سزا صرف اسی کو دے گا جو اس کی بادشاہت اور بلند مرتبہ کا معترف ہونے کے باوجود اس کی خدمت میں کوتاہی کرتا ہو اور چھوڑتا اسی کو ہے جو اس کے شاہی رتبے کا اعتراف کرتا ہو اور ایسی کوتاہی بھی نہیں کرتا کہ سزا پائے اور نہ ہی ایسی خدمت کرتا ہے کہ خِلْعَت واِنعام پائے اور بادشاہ خلعت سے اسی کو نوازتا ہے جو اپنی ساری عمر اس کی خدمت ونصرت میں لگا دیتا ہے۔

پھر خدمت کے اعتبار سے کامیاب ہونے والوں کی خلعتوں میں بھی فرق ضروری ہے۔ یوں ہی ہلاک ہونے والوں کو ہلاک کرنے میں بھی فرق ہوتا ہے۔ کسی کو گردن کاٹ کر یکبارگی سزا دی جاتی ہے اور کسی کو عبرت ناک سزا دی جاتی ہے یوں کہ اعضاء کاٹ کر چھوڑ دیا جاتا ہے حتّٰی کہ مرجائے۔ اَلْغَرَض دشمنی میں ان کے دَرَجات کے لحاظ سے ہلاک کرنے میں فرق ہوگا۔ ایسے ہی سزا پانے والوں کو سزا دینے میں بھی فرق ہوتا ہے۔ بعض کو سخت اور بعض کو ہلکی نیز کسی کو لمبے عرصے تک اور کسی کو تھوڑے عرصے تک سزا ہوتی ہے اور اس کا مختلف ہونا ہر ایک کی کوتاہی کے لحاظ سے ہے۔ پس بیان کردہ درجات میں سے ہر درجہ اتنے درجات کی

طرف تقسیم ہوتا ہے جن کی گنتی اور حد بندی ممکن نہیں۔

سمجھ لیجئے کہ ایسے ہی آخرت میں بھی لوگوں کے درجات میں فرق ہو گا۔ کوئی ہلاک ہو گا، کوئی ایک مدت تک عذاب کا شکار بنے گا، کوئی نجات پا کر جنّت میں پہنچ جائے گا اور کوئی کامیاب ہو گا۔ پھر کامیاب ہونے والوں کی بھی کئی قسمیں ہوں گی۔ کوئی جنتِ عدن میں، کوئی جنتُ الماوٰی میں اور کوئی جنت الفردوس میں جگہ پائے گا۔ یوں ہی عذاب پانے والوں کی بھی کئی قسمیں ہوں گی۔ کسی کو تھوڑا عذاب ہو گا، کسی کو ایک ہزار سال تک اور کسی کو سات ہزار سال تک بھی عذاب دیا جائے گا اور سات ہزار سال تک عذاب میں مبتلا رہنے والا شخص وہ ہو گا جسے سب سے آخر میں جہنم سے نکالا جائے گا جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔(1) اسی طرح رحمتِ باری تعالیٰ سے مایوس اور ہلاک ہونے والوں کے جہنمی ٹھکانوں میں فرق ہو گا۔ حاصل یہ ہے کہ یہ درجات فرمانبرداریوں اور نافرمانیوں میں اختلاف کے لحاظ سے ہیں۔ اب ہم اس تقسیم کی کیفیت کو بیان کرتے ہیں۔

قیامت میں حاصل ہونے والے چار درجات کی کیفیت وتفصیل

پہلے درجے کی تفصیل:

یہ ہلاک ہونے والوں کا درجہ ہے اور ان سے ہماری مراد اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت سے مایوس ہونے والے ہیں کیونکہ ہماری بیان کردہ مثال میں بادشاہ جسے قتل کرتا ہے وہ بادشاہ کے راضی ہونے اور احسان کرنے سے مایوس ہو جاتا ہے، لہٰذا مثال کے معنی ومفہوم سے غافل نہ ہو جایئے گا۔ یہ درجہ ان کے لئے ہے جو تسلیم نہیں کرتے، اعراض کرتے ہیں، صرف دنیا کے ہو کر رہ جاتے ہیں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ، اس کے رسولوں عَلَیْہِمُ السَّلَام اور اس کی کتابوں کو جھٹلاتے ہیں۔ اُخروی سعادت تو باری تعالیٰ کے قرب اور اس کے دیدار میں ہے اور یہ اسی معرفت سے حاصل ہو سکتی ہے جسے ایمان اور تصدیق سے تعبیر کیا جاتا ہے جبکہ تسلیم نہ کرنے والے منکر ہیں اور جھٹلانے والے رحمتِ الٰہی سے ہمیشہ کے لئے مایوس ہیں اور وہ سارے جہانوں کے رب عَزَّوَجَلَّ اور اس کے

---

(1)...شرح الشفاء للملا علی القاری، فصل فی تفضیلہ صلی اللہ علیہ وسلم بالشفاعة...الخ، ۱/ ۴۷۹

بھیجے ہوئے انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کو جھٹلاتے ہیں۔ بے شک وہ اس دن (قیامت میں) اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کے دیدار سے محروم ہیں اور جو بھی محبوب کے دیدار سے محروم ہوتا ہے اس میں اور جسے وہ چاہتا ہے اس میں روک کردی جاتی ہے۔ پس وہ حجاب سے حاصل ہونے والی نارِ فراق کے سبب لامُحالہ نارِ جَہَنَّم میں جلتا رہے گا۔

عارِفین کے دو فرمان:

حضراتِ عارِفین رَحِمَہُمُ اللّٰہُ الْمُبِیْن فرماتے ہیں: ”ہمیں نارِ دوزخ کا خوف ہے نہ حورِ عِین کی تمنا، ہمارا مقصد تو باری تعالٰی کی ملاقات ہے اور ہمیں ڈر صرف (دیدارِ باری تعالٰی سے) محرومی کا ہے۔“

نیز انہی نُفُوسِ قُدْسِیَّہ کا فرمان ہے: ”جو شخص کسی عِوَض کے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کرے وہ کمینہ ہے۔“

وضاحت:

عوض کی خاطر عبادت کرنے والا گویا جنت پانے یا جہنم سے بچنے کے لئے عبادت کرتا ہے جبکہ رب تعالٰی کی معرفت رکھنے والا محض ذاتِ باری تعالٰی کی خاطر عبادت کرتا اور اسی کا طلب گار ہوتا ہے۔ رہے جنتی میوے اور حورِ عِین تو اسے ان کی خواہش نہیں ہوتی اور وہ نارِ دوزخ سے نہیں ڈرتا[1] کیونکہ جب فِراق کی آگ غَلَبہ کرتی ہے تو اَجسام کو جلانے والی آگ پر بھی اَکثر غالِب آجاتی ہے۔ پس فِراق کی آگ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی وہ بھڑکتی آگ ہے جو دلوں تک پہنچتی ہے اور دوزخ کی آگ کو صِرف اَجسام سے غَرَض ہے نیز دلوں میں درد ہو تو اجسام کا درد معمولی لگتا ہے۔ اسی لئے کہا گیا:

وَفِیْ فُؤَادِ الْمُحِبِّ نَارُ جَوًی　　　اَحَرُّ نَارِ الْجَحِیْمِ اَبْرَدُ ھَا

ترجمہ: عاشِق کے دل میں شعلہ زن عشق کی آگ کی ٹھنڈک بھی آتشِ دوزخ سے زیادہ گرم ہے۔

آخرت کی ایسی باتوں کا انکار نہیں کرنا چاہئے جن کی نظیر کا مُشاہَدہ عالَمِ دنیا میں ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ جس پر وَجْد (بے خُودی کی حالت) کا غَلَبہ ہو جاتا ہے وہ آگ اور پاؤں کو زخمی کر دینے والے کانٹوں پر بھی چلتا ہے تو اسے مَحسوس تک نہیں ہوتا کیونکہ اس کے دل میں موجود کیفیت کا غلبہ شدت اختیار کر جاتا

---

[1]...اس سے نارِ جہنم کی تخفیف (یعنی اسے ہلکا سمجھنا) مراد نہیں ہے بلکہ یہ مقصود ہے کہ معرفتِ الٰہی رکھنے والا جہنم کی آگ کے خوف سے عبادت نہیں کرتا بلکہ محض رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر عبادت کرتا ہے۔ (ازعلمیہ)

ہے اور تم دیکھتے ہو کہ بوقت لڑائی جس شخص پر غصہ غالب ہوتا ہے اسے بہت سارے زخم آتے ہیں مگر اس وقت اسے زخموں کا احساس تک نہیں ہوتا کیونکہ غصہ ایک قلبی آگ کا نام ہے۔ تاجدارِ رِسالت، شہنشاہِ نُبوت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "اَلْغَضَبُ قِطْعَةٌ مِّنَ النَّارِ یعنی غصہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے۔"[1]

دل کا جلنا زیادہ سخت ہے:

جسم کے جلنے سے دل کا جلنا زیادہ سخت ہوتا ہے اور زیادہ سختی اپنے سے کمزور احساس کو باطل کر دیتی ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو۔ پھر آگ اور تلوار کی ہلاکت یہ ہے کہ وہ جسم کے ملے ہوئے ٹکڑوں کو بقدرِ اِمکان الگ الگ کر دیتی ہیں اور جو چیز دل اور اس کے محبوب کے درمیان جدائی ڈالتی ہے وہ زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے بشرطیکہ آدمی صاحبِ بصیرت اور صاحبِ دل ہو کیونکہ دل اور اس کے محبوب کا تعلق جسمانی رابِطہ سے بڑھ کر سخت ہوتا ہے اور یہ بات بعید نہیں ہے کہ جو دل سے محروم ہے وہ اس تکلیف کی شدت کا ادراک نہ کر سکے اور جسمانی تکلیف کے مقابلے میں اسے کم سمجھے۔ چنانچہ

دو مثالیں:

اگر بچے کو دو باتوں میں اختیار دیا جائے کہ "بادشاہت چھوڑ دو یا گیند بلا چھوڑ دو۔" تو اسے بادشاہت سے محرومی کا احساس ہو گا نہ وہ اسے تکلیف سمجھے گا بلکہ کہے گا "مجھے گیند بلے کے ساتھ میدان میں دوڑنا ہزار شاہی تختوں پر بیٹھنے سے زیادہ پسند ہے۔" یہی نہیں بلکہ جس آدمی پر پیٹ کی خواہش کا غلبہ ہو اگر اسے اختیار دیا جائے کہ "حلوہ وہَرِیسہ کھالو یا میدانِ عمل میں ایسی دادِ شجاعت دو جس سے دشمن مغلوب اور دوست خوش ہو جائیں۔" تو وہ حلوہ وہریسہ کھانے کو ترجیح دے گا۔

پہلی مثال میں بچے کو بادشاہی سے محرومی کا احساس نہ ہونا اس لئے ہے کہ اس کے دل میں وہ معنی نہیں پایا جاتا جس کی موجودگی سے جاہ ومرتبہ محبوب ومرغوب ہوتا ہے جبکہ دوسری مثال میں پیٹ کی خواہش والے کے دل میں وہ معنٰی پایا جاتا ہے جس کی موجودگی سے کھانا لذیذ معلوم ہوتا ہے۔

---

[1]... سنن الترمذی، کتاب الفتن، باب ما اخبر النبی اصحابه... الخ، ۴/ ۸۲، حدیث: ۲۱۹۸، نحوه

یہ اس شخص کا معاملہ ہے جسے جانوروں اور درندوں والی صفات اپنا قیدی بنالیتی ہیں اور اس میں فِرشتوں والی صفات ظاہر نہیں ہوتیں وہ صفات جن سے ربُّ العالمین عَزَّوَجَلَّ کا قرب ہی ملتا ہے اور ان صفات کے لئے باری تعالٰی سے دوری اور حجاب ہی نقصان دہ ہے اور جس طرح قوتِ ذائقہ صرف زبان میں اور قوتِ سماعت صرف کانوں میں ہوتی ہے اسی طرح یہ صفات بھی صرف دل سے تعلق رکھتی ہیں، لہٰذا جو بندہ دل سے محروم ہوتا ہے اس میں یہ احساس نہیں ہوتا جیسے کوئی شخص سماعت اور بصارت سے محروم ہو تو وہ خوش آوازی کی لذت اور صورتوں اور رنگوں کی خوبصورتی سے بھی محروم رہتا ہے۔ ہر انسان کے پاس دل نہیں ہوتا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو یہ فرمانِ باری تعالٰی صحیح نہ ہوتا:

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ (پ۲۶، ق: ۳۷)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے لیے جو دل رکھتا ہو۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس شخص کو دل کا مُفْلِس قرار دیا جو قرآنِ کریم سے نصیحت حاصل نہیں کرتا اور یہاں "دل" سے میری مراد وہ (گوشت کا ٹکڑا) نہیں جسے سینے کی ہڈیوں نے گھیر رکھا ہے بلکہ اس سے وہ سِر (یعنی راز) مراد ہے جو عالَمِ اَمر سے تعلق رکھتا ہے اور یہ جو گوشت ہے، عالَمِ خَلْق اس کا عرش ہے، سینہ اس کی کرسی ہے اور تمام اعضاء اس کا جہاں اور مملکت ہے اور خلق (یعنی پیدا کرنے) اور امر (یعنی حکم دینے) کا حقیقی مالک تو اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی ہے لیکن وہ سِر (یعنی راز) جس کے بارے میں ارشادِ باری تعالٰی ہے: "قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ [1]" وہ حاکم اور بادشاہ ہے کیونکہ عالَمِ اَمر اور عالَمِ خَلْق کے درمیان ایک ترتیب ہے اور عالَمِ اَمر عالَمِ خَلْق پر حاکم و امیر ہے اور یہی وہ روحانی لطیفہ ہے کہ جب یہ درست ہو جاتا ہے تو سارا جسم درست ہوتا ہے۔ جس نے اِسے پہچان لیا اُس نے خود کو پہچان لیا اور جس نے خود کو پہچان لیا اس نے اپنے رب تعالٰی کو پہچان لیا۔

پھر وہ مَقام آجاتا ہے کہ بندہ اُس معنٰی کی ابتدائی خوشبو سونگھنے لگتا ہے جو اِس فرمانِ مصطفٰے صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم میں لپٹا ہوا ہے: "اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ یعنی بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت آدم عَلَيْهِ السَّلَام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔" [2] اور وہ ان لوگوں کو رحم کی نگاہ سے دیکھتا ہے جو حدیث کے ظاہری لفظوں پر ڈٹے

---

❶...ترجمۂ کنزالایمان: تم فرماؤ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے۔ (پ۱۵، بنی اسرآئیل: ۸۵)

❷...مسلم، کتاب البر والصلة، باب النهي عن ضرب الوجه، ص۱۴۰۸، حدیث: ۱۱۵ (۲۶۱۲)

ہوئے ہیں اور ان پر بھی ترس کھاتا ہے جو اس کی تاویل کی راہوں میں بھٹک رہے ہیں (اور حدوں کو پار کر گئے ہیں) اگرچہ تاویل میں بھٹکنے والوں کے مقابلے میں ظاہری لفظ پر جمنے والے زیادہ قابلِ رحم ہیں کیونکہ رحمت مصیبت کے مطابق ہوتی ہے اور اِن کی مصیبت زیادہ ہے اگرچہ معاملے کی حقیقت سے محرومی کی مصیبت میں دونوں شریک و گرفتار ہیں۔ الغرض حقیقت سے آگاہی اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فضل ہے، جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ بڑے فضل والا ہے اور یہ اس کی حکمت ہے جسے چاہے اس کے ساتھ خاص فرمائے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ مَنْ یُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا كَثِیْرًا ؕ ترجمۂ کنزالایمان: اور جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی۔

(پ۳، البقرۃ: ۲۶۹)

ہم دوبارہ مقصد کی طرف آتے ہیں۔ یہاں ہم نے طوالت کی لگام کو کافی ڈھیلا چھوڑ دیا اور علومِ معاملات جو اس کتاب میں ہمارا مقصود ہیں ان سے اعلیٰ معاملے کے بیان میں کافی وقت صرف کیا ہے۔ بہر حال یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ ہلاکت و تباہی صرف جاہلوں اور جھٹلانے والوں کے لئے ہے اور اس پر قرآن اور سنت سے اس قدر دلائل ہیں جو حد بندی و گنتی سے باہر ہیں۔ اسی لئے ہم اُن کو بیان نہیں کر رہے۔

دوسرے دَرَجے کی تفصیل:

یہ عذاب و سزا پانے والوں کا درجہ ہے۔ یہ اَصلِ ایمان کے زیور سے تو آراستہ ہوتے ہیں لیکن ایمانی تقاضوں کو پورا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں کیونکہ ایمان کا سرچشمہ توحید ہے اور وہ یہ ہے کہ "بندہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرے۔" اور جس نے اپنی خواہش کی پیروی کی گویا اس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا ٹھہرایا، لہٰذا وہ زبان سے تو ایک خدا کا قائل ہے حقیقت میں نہیں بلکہ تم جو یہ کلمہ پڑھتے ہو "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" اس کا معنیٰ و مطلب درج ذیل دو آیتوں میں بیان ہوا ہے۔

﴿1﴾...

قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اللہ کہو پھر انھیں چھوڑ دو ان کی بیہودگی میں کھیلتا۔

(پ۷، الانعام: ۹۱)

اس طرح کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے غیر کو مکمل طور پر چھوڑ دے۔

...﴿2﴾

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا

(پ۲۴، حم السجدۃ: ۳۰)

ترجمۂ کنزالایمان: وہ جنھوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے۔

صراطِ مستقیم پر اِستقامت:

جس صراطِ مستقیم پر استقامت کے بغیر توحید کامل نہیں ہوتی جب وہ پل صراط کی مثل بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے تو پھر کوئی بھی انسان استقامت سے کچھ نہ کچھ دوری سے بچ نہیں سکتا اگرچہ کسی چھوٹے معاملے میں ہو کیونکہ وہ خواہش کی پیروی سے خالی نہیں ہوتا اگرچہ کم ہی ہو اور یہ بات کمالِ توحید کو اتنا ہی نقصان پہنچاتی ہے جتنا کہ بندہ صراط مستقیم سے دور ہو، لہٰذا اس سے قُرب کے دَرَجات میں لامُحالَہ کمی آتی ہے اور پھر ہر نقصان کے ساتھ دو قسم کی آگ ہے: (۱)... کمی کے سبب ضائع ہونے والے کمال سے جدائی کی آگ (۲)... قرآنِ کریم کے بیان کے مطابق دوزخ کی آگ۔

لہٰذا صراطِ مستقیم سے ہٹنے والا ہر شخص دو وجہوں سے دوہرے عذاب کا شکار ہوتا ہے مگر اس عذاب وسزا کی سختی، اس کی نرمی اور اس کا فرق وتفاوت مدت کی طوالت کے لحاظ سے ہوتا ہے اور ایسا دو باتوں کے سبب ہوتا ہے: (۱) ایمان کا قوی اور ضعیف ہونا (۲) خواہشات کی پیروی کا کثیر یا قلیل ہونا۔ کیونکہ عام طور پر کوئی بھی انسان ان دو باتوں میں سے کسی ایک سے خالی نہیں ہوتا۔

بزرگانِ دین کا خوفِ خدا:

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿۷۱﴾ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴿۷۲﴾

(پ۱۶، مریم: ۷۱، ۷۲)

ترجمۂ کنزالایمان: اور تم میں کوئی ایسا نہیں جس کا گذر دوزخ پر نہ ہو تمہارے رب کے ذمہ پر یہ ضرور ٹھہری ہوئی بات ہے پھر ہم ڈر والوں کو بچالیں گے اور ظالموں کو اس میں چھوڑ دیں گے گھٹنوں کے بل گرے۔

اسی آیتِ مقدّسہ کے پیشِ نَظر خوفِ خدا رکھنے والے بزرگانِ دِین رَحِمَهُمُ اللهُ الْمُبِيْن نے فرمایا: "ہمارا خوف اس لئے ہے کہ ہمیں دوزخ پر سے گزرنے کا یقین ہے اور نجات میں شک ہے۔"

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَيْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْقَوِی نے جب یہ حدیث شریف بیان فرمائی جو اس شخص کے بارے میں آئی ہے جو دوزخ سے ہزار سال بعد نکلے گا اور پکارتا ہوگا: "يَاحَنَّانُ! يَامَنَّانُ! یعنی اے بہت رحم فرمانے والے! اے بہت احسان فرمانے والے!" اس کے بعد فرمانے لگے: "کاش! وہ شخص میں ہوتا۔"[1]

عذاب کی مختلف صورتیں:

جان لیجئے کہ احادیثِ کریمہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ "جہنَّم سے نکلنے والا آخری شخص سات ہزار سال بعد نکلے گا۔"[2] البتہ! ایک لمحہ اور سات ہزار سال کی درمیانی مدت کی مختلف صورتیں ہوں گی حتّٰی کہ بعض جہنَّم پر سے اُچک لے جانے والی بجلی کی مانند گزر جائیں گے اور وہاں تھوڑا بھی نہیں ٹھہریں گے اور ایک لَحظہ اور سات ہزار سال کے درمیان مختلف درجے ہوں گے، ایک دن، ایک ہفتہ، ایک مہینہ اور دیگر مدتیں۔

پھر عذاب کی شدت کی بھی مختلف صورتیں ہوں گی۔ سب سے زیادہ شدت کی کوئی انتہا نہیں اور کم از کم عذاب یہ ہوگا کہ بندے سے تفصیل کے ساتھ حساب لیا جائے گا جیسے بادشاہ کام میں کوتاہی کرنے والے بعض لوگوں سے مکمل و تفصیلی حساب لیتا اور ان سے بحث کرتا ہے اور پھر انہیں معاف کر دیتا ہے۔ بعض اوقات کوڑوں سے سزا دیتا ہے اور کبھی کسی اور طریقے سے سزا دیتا ہے۔

عذاب کی مدت اور اس میں شدت کے مختلف ہونے کے علاوہ یہاں ایک تیسرا اختلاف بھی ہے اور وہ عذاب کی انواع کا اختلاف ہے کیونکہ جسے ظلم وزیادتی کے ذریعہ مال چھیننے کی سزا دی جاتی ہے وہ اس کی طرح نہیں ہے جسے مال چرانے یا اٹھالینے، اولاد کو قتل کرنے، حرام کو حلال ٹھہرانے، رشتہ داروں کو تکلیف دینے، کسی کو مارنے یا زبان، ہاتھ، ناک اور کان وغیرہ کاٹ ڈالنے کے سبب سزا دی جاتی ہے، لہٰذا آخرت میں عذاب کی بھی اسی طرح مختلف صورتیں ہوں گی جن پر مضبوط شرعی دلائل قائم ہیں اور عذاب کی یہ صورتیں ایمان کے قوی اور

---

1 ...شرح مسند ابی حنیفۃ للملا علی القاری، حدیث الاستخارۃ، ص ۲۴

2 ...شرح الشفاء للملا علی القاری، فصل فی تفضیلہ صلی اللہ علیہ وسلم بالشفاعۃ... الخ، ۱/ ۴۷۹

ضعیف ہونے، عبادات کے کثیر اور قلیل ہونے نیز گناہوں کے زیادہ اور کم ہونے کے اعتبار سے ہوں گی۔

الغرض عذاب کی سختی گناہوں کی قباحت کی شدت اور کثرت کے سبب ہوگی اور عذاب کی کثرت گناہوں کی کثرت کے باعث ہوگی اور عذاب کی مختلف انواع گناہوں کی مختلف انواع کی وجہ سے ہوں گی اور یہ معاملہ قرآنِ کریم کے دلائل کے ساتھ نورِ ایمان کے ذریعے صاحِبِ دل لوگوں پر ظاہر و منکشف ہے۔ درج ذیل فرامین باری تعالیٰ کا یہی معنیٰ و مفہوم ہے:

﴿1﴾...

وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۴۶﴾

ترجمۂ کنزالایمان: اور تمہارا رب بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

(پ۲۴، حٰمٓ السجدۃ: ۴۶)

﴿2﴾...

اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ؕ

ترجمۂ کنزالایمان: آج ہر جان اپنے کئے کا بدلہ پائے گی۔

(پ۲۴، المؤمن: ۱۷)

﴿3﴾...

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾

ترجمۂ کنز الایمان: اور یہ کہ آدمی نہ پائے گا مگر اپنی کوشش۔

(پ۲۷، النجم: ۳۹)

﴿4﴾...

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ﴿۷﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴿۸﴾

ترجمۂ کنز الایمان: تو جو ایک ذرّہ بھر بھلائی کرے اسے دیکھے گا اور جو ایک ذرّہ بھر برائی کرے اسے دیکھے گا۔

(پ۳۰، الزلزال: ۷، ۸)

ان کے علاوہ بھی آیاتِ مُقَدَّسہ اور اَحادیثِ طَیِّبہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ عذاب اور ثواب اَعمال کا بدلہ ہوں گے اور یہ ثواب و عذاب سب عدل ہی سے ہوگا جس میں کوئی ظُلم نہ ہوگا۔ البتہ! جانبِ عَفْو یعنی رحمت زیادہ ہوگی۔ جیسا کہ حدیثِ قُدسی ہے: "سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ غَضَبِیْ یعنی میری رحمت میرے غضب پر حاوی

ہے۔" نیز اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اِنْ تَكُ حَسَنَةً یُّضٰعِفْهَا وَ یُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۴۰﴾ (پ۵، النسآء: ۴۰) ترجمۂ کنزالایمان: اور اگر کوئی نیکی ہو تو اسے دونی کرتا اور اپنے پاس سے بڑا ثواب دیتا ہے۔

نیکیوں اور گناہوں سے مربوط جنتی اور جہنمی ٹھکانوں سے متعلق یہ اصولی باتیں شریعت کے قطعی دلائل اور نورِ معرفت سے معلوم ویقینی ہیں جبکہ ان کی تفصیلات ظَنّی ہیں اور اس پر دلیل احادِیثِ مُبارَکہ کا ظاہر اور ایسا فَہم وفراست ہے جسے نگاہِ عبرت سے حاصل ہونے والے نورِ بصیرت سے مدد ملتی ہے۔

کسے کیا عذاب ہو گا؟

ہم کہتے ہیں کہ جو بندہ اصل ایمان کو پختہ کرلے، گناہوں سے اجتناب کرے، تمام فرائض یعنی ارکانِ اسلام کو بحسن وخوبی ادا کرے اور اس سے بغیر اصرار کے بعض مختلف قسم کے صغیرہ گناہ صادر ہوئے تو ممکن ہے اس کی سزا صرف حساب میں سختی ہو کیونکہ جب اس سے حساب لیا جائے گا تو نیکیاں گناہوں سے زیادہ ہوں گی کہ احادیثِ مبارکہ میں ہے "پانچوں نمازیں، جمعہ اور رمضان کا روزہ درمیان میں ہونے والے گناہوں کو مٹادیتے ہیں۔" یوں ہی قرآن کی واضح آیتِ مبارکہ[1] کے مطابق کبیرہ گناہوں سے بچنا بھی صغیرہ گناہوں کو مٹادیتا ہے اور گناہ کو مٹانے کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ عذاب دور ہو جائے اگرچہ حساب سے نہ بچ پائے اور جس کا یہ حال ہو کہ نیکیاں زیادہ ہوئیں تو وہ اس لائق ہے کہ میزان میں نیکیوں کا پلڑا بھاری ہونے اور حساب سے فارغ ہونے کے بعد مَن چاہتے عیش (یعنی جنت) میں ہو۔ البتہ! اس کا اصحابِ یمین (بارگاہِ الٰہی کے مُعَزَّز ومُکَرَّم بندوں) یا مُقَرَّبِیْن بارگاہ سے ملنا اور خاص جنتِ عدن یا جنتُ الفردوس میں جانا ایمان کی اقسام پر منحصر ہے۔ ایمان کی درج ذیل دو قسمیں ہیں۔

ایمان کی دو قسمیں:

(۱)... تقلیدی ایمان (۲)... کشفی ایمان۔

1... اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآىٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ (پ۵، النسآء: ۳۱) ترجمۂ کنزالایمان: اگر بچتے رہو کبیرہ گناہوں سے جن کی تمہیں ممانعت ہے تو تمہارے اور گناہ ہم بخش دیں گے۔

...**تقلیدی ایمان:** جیسا کہ عوام کا ایمان ہوتا ہے۔ وہ جو بھی سنتے ہیں اس کی تصدیق کرتے اور اس پر قائم رہتے ہیں۔

...**کشفی ایمان:** یہ وہ ایمان ہے جو نورِ الٰہی کے ذریعے سینہ کھل جانے کے سبب حاصل ہوتا ہے یہاں تک کہ سارے موجودات اپنی حقیقت کے ساتھ مُنْکَشِف ہو جاتے ہیں پھر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ہر موجود کا لوٹنا ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف ہے کیونکہ حقیقی وجود تو صرف اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کی صفات وافعال کا ہے۔

کشفی ایمان والے:

یہی وہ لوگ ہیں جو جنتُ الفردوس میں مقرَّبین بارگاہ ہوں گے اور ملاء اعلیٰ (بُلند رُتبہ فرشتوں) سے انتہائی قریب ہوں گے۔ ان کی بھی کئی اقسام ہیں: ان میں سے بعض "سَابِقُوْن" ہیں اور بعض ان سے نچلے درجے میں ہیں۔ ان کے دَرَجات میں تفاوُت وفَرق معرفت الٰہی میں ان کے تفاوُت وفَرق کے اعتبار سے ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت کے معاملے میں عارِفین کے درجات شمار سے باہر ہیں اور جلالِ باری تعالیٰ کی حقیقت کا ادراک ناممکن ہے کیونکہ معرفت کا سمندر ساحل اور گہرائی سے آزاد ہوتا ہے، اس میں غوطہ لگانے والے اپنی اپنی قوت اور جتنا اَزَل میں مُقدَّر ہو چُکا ہے اس کے مطابِق غوطہ لگاتے ہیں، لہٰذا جس طرح اللہ عَزَّوَجَلَّ تک پہنچنے والے راستے کی منزلیں بے انتہا ہیں اسی طرح اللہ عَزَّوَجَلَّ کے راستے پر چلنے والوں کے درجات بھی بے شمار ہیں۔

تقلیدی ایمان والے:

تقلیدی ایمان والے مومن اصحابِ یمین میں سے ہوں گے اور ان کا دَرَجہ مُقرَّبِیْن کے دَرَجہ سے کم ہوگا۔ ان کے بھی کئی درجات ہیں: اصحابِ یمین کا سب سے اعلیٰ درجہ مُقرَّبین کے ادنیٰ درجہ کے قریب ہوگا۔ یہ ان کا حال ہوگا جنہوں نے تمام کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا ہوگا اور تمام فرائض ادا کیے ہوں گے یعنی ارکانِ اسلام پر قائم رہے ہوں گے۔ ارکانِ اسلام یہ ہیں: (۱)...زبان سے کلمۂ شہادت کی گواہی دینا (۲)...نماز قائم کرنا (۳)...زکوۃ ادا کرنا (۴)...رمضان کے روزے رکھنا اور (۵)...حج ادا کرنا۔

موت سے قبل توبہ کرنے اور نہ کرنے والا:

وہ شخص جس نے ایک یا زیادہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا یا بعض ارکانِ اسلام کو ترک کیا وہ اگر موت سے

قبل سچی توبہ کرلے تو ان لوگوں سے مل جائے گا جنہوں نے کوئی گناہ نہ کیا ہو گا کیونکہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے کوئی گناہ ہی نہ کیا جیسا کہ دُھلا ہوا کپڑا ایسا ہوتا ہے جیسے کبھی میلا ہی نہ ہوا تھا۔ اگر توبہ کرنے سے پہلے موت نے اُسے آلیا تو یہ معاملہ خطرناک ہے کیونکہ بعض اوقات گناہوں پر اصرار کی حالت میں آنے والی موت ایمان کے متزلزل ہونے کا سبب بنتی ہے۔ پس بندے کا برا خاتمہ ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے بالخصوص جبکہ اس کا ایمان تقلیدی ہو۔ کیونکہ تقلید چاہے جتنی پختہ ہو معمولی سے شک وخیال سے کمزور ہو جاتی ہے جبکہ صاحِبِ بصیرت عارِف کے حق میں برے خاتمہ کا خوف بعید ہے یعنی اس کے برے خاتمے کا خوف نہیں۔

پھر اگر یہ دونوں (گناہ پر توبہ سے قبل) بحالتِ ایمان انتقال کر جائیں تو انہیں عذاب ہو سکتا ہے۔ البتہ! یہ ہو سکتا ہے کہ باری تعالیٰ حساب کتاب میں سختی کے علاوہ عذاب کو معاف فرمادے۔ مدت کے لحاظ سے عذاب کی زیادتی دنیا میں گناہوں پر اصرار کی مدت کے مطابق ہو گی۔ شدت کے لحاظ سے عذاب کی زیادتی گناہوں کی قباحت کے مطابق ہو گی اور عذاب کے مختلف ہونے کا معاملہ گناہوں کے مختلف ہونے کے مطابق ہو گا۔ پھر جب عذاب کی مدت ختم ہو جائے گی تو تقلیدی ایمان والے اصحابِ یمین کے دَرجوں میں جبکہ عارِفین اَعْلٰی عِلِّیِّیْن میں پہنچ جائیں گے۔

جہنّم سے نکلنے والے آخری شخص کا اِنعام:

حدیث شریف میں ہے: اٰخِرُ مَنْ یَّخْرُجُ مِنَ النَّارِ یُعْطٰی مِثْلَ الدُّنْیَا کُلِّہَا عَشَرَۃَ اَضْعَافٍ یعنی جو شخص جہنم سے سب سے آخر میں نکلے گا اسے تمام دنیا کی مثل دس گنا دیا جائے گا۔[1]

دنیا کی مثل 10 گنا کا مطلب:

یہ گمان نہ کرو کہ اس حدیث سے مراد جسمانی پیمائش ہے۔ جیسے ایک میل جگہ کا دو میل سے یا دس میل کا بیس میل سے مُوازَنہ کیا جاتا ہے کیونکہ ایسا سمجھنا مثال بیان کرنے کے طریقے سے لاعلمی ہے بلکہ یہ اس طرح ہے جیسے کوئی کہے: ”میں نے فلاں سے ایک اونٹ لیا اور اسے اس کی مثل دس گنا دیا۔“ گویا اگر اونٹ

1... بخاری، کتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار، ۴/ ۲۶۴، حدیث: ۶۵۷۱، بتغیر۔

10 دینار کا ہو تو خریدار نے اونٹ کے مالک کو 100 دینار دیئے اور اگر اس مثل کو وزن اور بوجھ ہی میں مثل سمجھا جائے تو پھر ترازو کے ایک پلڑے میں 100 دینار اور دوسرے میں اونٹ کو رکھا جائے تو 100 دینار اونٹ کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچیں گے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہاں موازنہ اجسام کے معانی اور ارواح کا ہے، ذوات اور قد و قامت کا نہیں کیونکہ اونٹ خریدنے کا ارادہ اس کے بھاری بھرکم یا لمبے چوڑے ہونے کی وجہ سے نہیں کیا جاتا بلکہ مالیت کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ پس اس کی روح مالیت ہے اور جسم گوشت اور خون ہے جبکہ 100 دینار اس کی مثل دس گنا روحانی موازنے کی صورت میں بنتے ہیں نہ کہ جسمانی موازنے کی صورت میں۔ اس بات کو وہی سچا جانے گا جو سونے اور چاندی کی مالیت کی روح کو پہچانتا ہو بلکہ اگر خریدار اونٹ کے مالک کو ایسا موتی دے جس کا وزن ایک مثقال اور قیمت 100 دینار ہو اور وہ کہے کہ "میں نے اسے اس کی مثل دس گنا دیا" تو وہ اس قول میں سچا ہو گا مگر اس کے اس سچ کو صرف جوہری لوگ مانیں گے کیونکہ جوہر و موتی کی روح (کی مالیت) دیکھنے کے لئے ظاہری آنکھ کے علاوہ ایک دوسری قوت یعنی دانائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بچہ بلکہ دیہاتی آدمی بھی اسے جھٹلا دیتا ہے اور کہتا ہے: یہ جوہر تو ایک پتھر ہے جس کا وزن ایک مثقال ہے جبکہ اونٹ کا وزن اس سے ہزار گنا زیادہ ہے، لہٰذا خریدار کا یہ کہنا کہ "میں نے اونٹ کے مالک کو اس کی مثل دس گنا دیا۔" جھوٹ ہے۔

یہاں حقیقت کو دیکھا جائے تو بچہ جھوٹا ہے اور بچے کے نزدیک یہ بات اسی وقت درست ہو سکتی ہے کہ وہ بُلُوغَت اور عَقْل کے کامِل ہونے کا اِنتظار کرے اور یہ کہ اسے جواہِر اور دیگر تمام اَموال کی اَرواح کی پہچان کروانے والا قلبی نور حاصل ہو جائے اس وقت اس پر سچائی ظاہر ہو جائے گی۔ پھر یہ کہ عارِف (یعنی پہچان رکھنے والا شخص) کوتاہ بین (کم نظر) مُقَلِّد کو یہ بات سمجھانے سے عاجز ہوتا ہے اور اس موازنہ کے تناظر میں یہ فرمانِ مصطفٰے بالکل سچا ہے۔ چنانچہ حضور نبیِّ غیب داں صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ غیب نشان ہے: "جنت آسمانوں میں ہے۔"[1] حالانکہ آسمان بھی دنیا میں شامل ہیں تو پھر دنیا میں دنیا کی دس مثل کیسے ہو سکتی ہیں۔ اس معاملے میں جس طرح بالغ آدمی بچے کو یہ موازنہ سمجھانے سے عاجز ہے اسی طرح دیہاتی کو سمجھانے سے بھی عاجز ہے۔

1... شعب الایمان، باب فی ان دار المؤمنین الجنة... الخ، ۱/ ۳۳۱، حدیث: ۳۶۶

قابلِ رحم لوگ:

جیسے جوہری دیہاتی آدمی کو اونٹ اور موتی کا موازنہ سمجھانے میں قابلِ رَحم ہوتا ہے ایسے ہی عارف آدمی بے وقوف کو یہ موازنہ (یعنی دنیا کی مثل دس گنا) سمجھانے میں قابل رحم ہوتا ہے۔ چنانچہ حضور نبیِّ رحمت، شفیعِ اُمَّت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اِرْحَمُوْا ثَلَاثَۃً عَالِمًا بَیْنَ الْجُھَّالِ وَغَنِیَّ قَوْمٍ اِفْتَقَرَ وَعَزِیْزَ قَوْمٍ ذَلَّ یعنی تین آدمیوں پر رَحم کرو (۱) عالم جو جاہلوں کے درمیان ہو (۲) محتاج قوم کا مال دار شخص اور (۳) ذلیل قوم کا معزّز آدمی۔[1]

اسی سبَب کے لحاظ سے اُمَّت کے درمیان اَنبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام قابلِ رَحم ہوتے ہیں اور اُمَّت کی کم عقلی کی وجہ سے جو چیزیں انہیں برداشت کرنا پڑتی ہیں وہ اَزل سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے ان کے لئے آزمائش اور امتحان ہیں۔ درج ذیل فرمانِ مصطفٰے کا معنی و مطلب بھی یہی ہے۔ چنانچہ

حضور نبیِّ رحمت، شفیعِ اُمَّت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ارشاد فرماتے ہیں: ”اَلْبَلَاءُ مُوَکَّلٌ بِالْاَنْبِیَاءِ ثُمَّ الْاَوْلِیَاءِ ثُمَّ الْاَمْثَلِ فَالْاَمْثَلِ یعنی سب سے زیادہ آزمائش انبیا کی ہوتی ہے پھر اولیا کی اور پھر درجہ بدرجہ دیگر لوگوں کی آزمائش ہوتی ہے۔“[2]

اس مقام پر یہ ہرگز گمان نہ کرنا کہ حضرت سیِّدُنا ایوب عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی آزمائش ہی آزمائش ہے جو کہ بدن پر طاری ہوتی ہے کیونکہ حضرت سیِّدُنا نوح عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی آزمائش بھی بڑی آزمائش تھی۔ آپ عَلَیْہِ السَّلَام کو ایسی قوم سے آزمایا گیا کہ آپ نے جتنی انہیں ایمان لانے کی دعوت دی اتنی ہی ان کی سرکشی بڑھتی گئی۔ اسی لئے جب حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو بعض لوگوں کی باتوں سے اذیت پہنچی تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”رَحِمَ اللہُ اَخِیْ مُوْسٰی لَقَدْ اُوْذِیَ بِاَکْثَرَ مِنْ ھٰذَا فَصَبَرَ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ میرے بھائی حضرت موسٰی عَلَیْہِ السَّلَام پر رحم فرمائے، انہیں اس سے زیادہ اذیت دی گئی مگر انہوں نے صبر کیا۔“[3]

نیک لوگوں کی آزمائشیں:

غور کیجئے! اَنبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام مُنکِرین کے سبَب ابتلا و آزمائش سے نہیں بچتے جبکہ اولیائے کرام اور

---

[1]...جامع بیان العلم، ص۱۷۸، حدیث: ۵۸۶، بتقدم و تاخر

[2]...سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی الصبر علی البلاء، ۴/ ۱۷۹، حدیث: ۲۴۰۶، بتغیر قلیل، دون ذکر ''الاولیاء''

[3]...بخاری، کتاب الادب، باب من اخبر صاحبہ بما یقال فیہ، ۴/ ۱۱۵، حدیث: ۶۰۵۹، دون قولہ اخی

عُلَمائے عظام رَحِمَهُمُ اللهُ السَّلَام جاہلوں کے سبب آزمائش سے نہیں بچ پاتے۔ اس لئے ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ اولیائے کِرام رَحِمَهُمُ اللهُ السَّلَام طرح طرح کی تکلیفوں اور مختلف قسم کی آزمائشوں سے محفوظ رہتے ہوں۔ کبھی انہیں ملک بدر کر دیا جاتا ہے، کبھی حکمرانوں کے سامنے ان کی چغلی کھائی جاتی ہے اور کبھی ان کے خلاف کفر اور دین سے خارج ہونے کی گواہی دی جاتی ہے اور اہلِ معرفت جاہلوں کے نزدیک لازمی طور پر کافر قرار پاتے ہیں جیسے اونٹ کو قیمتی موتی کے عوض فروخت کرنے والے شخص کو جاہل لوگ فضول خرچ اور مال ضائع کرنے والا کہتے ہیں۔

ان گہری باتوں کو جاننے کے بعد فرمانِ مصطفےٰ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم پر اپنا ایمان پختہ کرلو کہ ''جو شخص سب سے آخر میں جہنم سے نکالا جائے گا اس کو دنیا کا 10 گُنا عطا ہو گا۔''

رب کی دی ہوئی امانت میں خیانت نہ کرو:

تصدیق کو صرف آنکھوں اور حواس کے ذریعے معلوم ہونے والی باتوں میں منحصر نہ کرو کہ اس طرح تو تم دو ٹانگوں والے گدھے ہو گے کیونکہ حواس خمسہ میں تو گدھا بھی تمہارا شریک ہے۔ تم گدھے سے ممتاز ہو اُس سِرِّ الٰہی کی وجہ سے جسے آسمان، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا گیا تو انہوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس کا بوجھ سہار نہ سکے۔ تو جو بات عالَمِ حواسِ خمسہ کے اِدراک سے بالاتر ہو اس کا تعلق اسی عالَم سِر سے ہے جس کی وجہ سے انسان گدھے اور باقی جانوروں سے ممتاز ہوتا ہے۔

تو جس شخص نے اس بات سے غفلت برتی اور اسے بے کار چھوڑ دیا اور صرف جانوروں کے درجہ پر قناعت کی اور درجۂ محسوسات سے آگے نہ بڑھا پس اس شخص نے اپنی اس کوتاہی اور اعراض کی وجہ سے اپنے آپ کو ہلاک کرلیا۔ تم ان جیسے نہ ہو جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کو بھول بیٹھے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انہیں بلا میں ڈالا کہ اپنی جانیں یاد نہ رہیں۔ کیونکہ جو شخص حواسِ ظاہرہ کے ادراکات کے علاوہ کسی شے کی مَعْرِفَت حاصل نہیں کرتا تو اس نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کو بھلا دیا کیونکہ اس عالَم میں حواسِ خمسہ ظاہرہ کے ذریعے ذاتِ باری تعالٰی کی معرفت نہیں ہو سکتی اور جو شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کو بھلا دیتا ہے تو یقیناً اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے خود اس کی اپنی ذات سے غافل کر دیتا ہے اور وہ شخص جانوروں کے مقام پر اُتر آتا ہے اور مَلائے اعلیٰ کی طرف ترقی کا سَفَر روک دیتا ہے اور

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی دی ہوئی امانت اور نعمت (زندگی) میں خیانت کرتا ہے اور اس کی نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے۔ یوں وہ اپنے آپ کو عذاب کے لئے پیش کر دیتا ہے۔ درحقیقت اس کا حال جانوروں سے بھی بدتر ہوتا ہے کیونکہ جانور تو مرنے کے بعد نجات پاجاتے ہیں لیکن انسان! اس کے پاس تو امانت ہے جو عنقریب امانت والے کی طرف لوٹانا ہوگی کیونکہ امانت کا لوٹنا اور اس کا ٹھکانا اسی کی طرف ہے اور یہ امانت روشن سورج کی طرح ظاہر وواضح ہے۔ یہ امانت (یعنی حیات) اس فانی جسم کی طرف اتاری گئی اور اس میں آکر غروب ہوگئی، عنقریب جب یہ جسم بگڑ جائے گا تو وہ اپنے غروب ہونے کے مقام سے طلوع ہو کر اپنے خالق ومالک کی طرف لوٹ جائے گی اور اس کا لوٹنا یا تو تاریک گرہن لگی ہوئی حالت میں ہوگا یا چمکتی ہوئی روشن صورت میں۔ چمکتی ہوئی روشن صورت بارگاہِ ربوبیت میں بلاحجاب حاضر ہوگی اور تاریک صورت کا لوٹنا بھی بارگاہِ خداوندی ہی کی طرف ہے کیونکہ سب کا مرجع ذاتِ باری تعالیٰ ہے لیکن وہ اپنے سر کو اَعْلٰی عِلِّیِّین سے اَسْفَلُ السَّافِلِیْن کی طرف جھکائے ہوئے ہوگی۔ اسی لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ (پ۲۱، السجدۃ: ۱۲)

ترجمۂ کنزالایمان: اور کہیں تم دیکھو جب مجرم اپنے رب کے پاس سر نیچے ڈالے ہوں گے۔

اس آیت میں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے بیان فرمادیا کہ مجرم بھی اپنے رب کے پاس ہی ہوں گے لیکن ان کے چہرے پیٹھ کی طرف پھر چکے ہوں گے اور ان کے سر اوپر سے نچلی جانب جھکے ہوں گے۔ یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ان لوگوں کے بارے میں حکم ہے جنہیں اس نے اپنی توفیق سے محروم کر دیا اور اپنے راستے کی طرف ان کی راہنمائی نہ فرمائی۔ ہم گمراہی اور جاہلوں کے مقامات پر اُتارے جانے سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ چاہتے ہیں۔

یہ ان لوگوں کی تقسیم کا بیان ہے جو جہنم سے نکالے جائیں گے اور ان کو اس دنیا کا دس گنا یا اس سے بھی زیادہ دیا جائے گا اور جہنَّم سے وہی نکلے گا جو توحید کا اقرار کرتا ہو اور توحید سے میری مراد یہ نہیں کہ صرف زبان سے "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کہتا ہو کیونکہ زبان کا تعلق تو اس عالَمِ ظاہر اور عالَمِ شہادت سے ہے اور اس کا فائدہ و نفع فقط اسی عالَم میں ہے۔ پس زبان سے کلمہ پڑھنا اس کی گردن کو تلوار سے اور مال کو مالِ غنیمت بننے سے بچاتا ہے اور اس کی گردن اور مال کی بقا اس کی زندگی تک ہے۔ تو جب گردن اور مال نہیں رہے گا اس وقت صرف

زبانی قول فائدہ نہیں دے گا بلکہ سچی توحید نفع دے گی اور توحید کا کمال درجہ یہ ہے کہ تمام امور کے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے ہونے پر یقین رکھے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ جو کچھ اسے پہنچے اس کی وجہ سے مخلوق پر غصہ نہ کرے کیونکہ وہ وسیلے کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تو مُسَبِّبُ الاَسباب کی طرف نظر کئے ہوئے ہے۔ عنقریب اس کی تحقیق "توکل کے بیان" میں آئے گی۔

حَسْبِ ایمان لوگوں کے مراتب:

توحید میں بھی مختلف درجات ہیں، بعض لوگوں کا عقیدۂ توحید پہاڑ کی طرح ہوتا ہے اور بعض کا ایک مثقال جیسا جبکہ کچھ لوگوں کا عقیدۂ توحید تو رائی کے دانے اور ذرّے کے برابر ہوتا ہے۔ پس جس شخص کے دل میں ایک دینار برابر ایمان ہوگا وہ جہنم سے نکلنے والا پہلا شخص ہوگا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ (بروزِ قیامت) فرمایا جائے گا: "اس شخص کو جہنم سے نکال دو جس کے دل میں ایک دینار برابر ایمان ہے۔"[1] اور سب سے آخر میں نکلنے والا شخص وہ ہوگا جس کے دل میں ذرّے برابر ایمان ہوگا[2] اور مثقال اور ذرّے کے درمیان جو مختلف درجات ہیں وہ مثقال اور ذرّے والے طَبقات کے درمیان حَسْبِ مراتِب جہنّم سے نکلیں گے۔ مثقال اور ذرّے کے ساتھ وزن کا بیان یہ تو ضربُ المَثَل کے طور پر ہے جیسا کہ ہم نے اَجناس اور نقد کے درمیان موازنہ ذکر کیا ہے۔

حقوقُ العباد معاف نہیں کیے جاتے:

اکثر ایمان والے لوگوں کے حقوق ضائع کرنے کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے کیونکہ حقوقُ العباد معاف نہیں کئے جاتے جبکہ دیگر گناہوں کے لئے معافی اور کفارہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ بندے کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں کھڑا کیا جائے گا اور اس کی نیکیاں پہاڑوں جیسی ہوں گی کہ اگر محفوظ رہیں تو وہ جنتی ہو مگر وہ لوگ کھڑے ہوں گے جن کے حقوق اس نے ضائع کئے، کسی کو گالی دے کر اس کی عزت خراب کی ہوگی، کسی کا مال غصب کیا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا۔ ان لوگوں کا معاملہ اس شخص کی نیکیاں دے کر نمٹایا جائے گا یہاں تک کہ

---

1 ...بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللّٰہ تعالٰی: وجوہ یومئذ ناضرۃ، ۴/ ۵۵۳، حدیث: ۷۴۳۹، مفھومًا

2 ...بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللّٰہ تعالٰی: وجوہ یومئذ ناضرۃ، ۴/ ۵۵۳، حدیث: ۷۴۳۹، مفھومًا

اس کی کوئی نیکی باقی نہ بچے گی۔ اب فرشتے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں عرض کریں گے:"اے ہمارے رب عَزَّوَجَلَّ! اس کی نیکیاں تو ختم ہو چکیں جبکہ مطالبہ کرنے والے بہت سے لوگ باقی ہیں۔" اللہ عَزَّوَجَلَّ فرمائے گا:"ان کے گناہ اس کے پلڑے میں ڈال دو اور اسے جہنم میں دھکیل دو۔" اس طرح ظالم کے پلڑے میں بطورِ قصاص دوسروں کے گناہ ڈالے جانے کی وجہ سے ظالم ہلاک ہو جائے گا اور مظلوم ظالم کی نیکیوں کے سبب نجات پا جائے گا کیونکہ وہ نیکیاں ظُلم کی وجہ سے مظلوم کی طرف منتقل ہو جائیں گی۔

حضرت سیِّدُنا ابو عبد اللہ محمد بن یحییٰ بن جَلّاء رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے منقول ہے کہ کسی نے ان کی غیبت کی پھر ان کے پاس کسی کو بھیجا کہ معاف فرما دیں تو انہوں نے فرمایا:"میں معاف نہیں کروں گا۔ میرے نامۂ اعمال میں اس سے افضل کوئی نیکی نہیں ہے تو میں اسے کیونکر مٹا دوں؟" حضرت سیِّدُنا اِبنِ جَلّاء اور بعض دیگر حضرات رَحِمَھُمُ اللہُ تَعَالٰی فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے بھائیوں کے گناہ (یعنی ان کا ہماری حق تلفی کرنا) ہمارے حق میں نیکیاں ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ (بدلہ نہ لے کر) ان کے ذریعے اپنے نامۂ اعمال کو سجائیں۔

اعمال پر بھروسا نہ کیا جائے:

یہ سعادت اور بدبختی کے اعتبار سے ان دَرَجات کا بیان تھا جو قیامت میں لوگوں کو حاصل ہوں گے۔ یہ تمام احکام ظاہری اسباب کے مطابق ہیں جو کہ ڈاکٹر کے اس فیصلے سے مشابہت رکھتے ہیں مثلاً ڈاکٹر کسی مریض کے بارے میں کہتا ہے کہ یہ لامُحالہ مر جائے گا، اس پر علاج کارگر نہیں ہے اور دوسرے مریض کے بارے میں کہتا ہے کہ اس کا مرض معمولی ہے علاج ممکن ہے۔ یہ فقط ایک گمان ہے جو کہ اکثر اوقات صحیح ہوتا ہے اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جس مریض کے مر جانے کا خیال کیا جاتا ہے وہ صحت پا جاتا ہے اور طبیب کو اس کا شعور بھی نہیں ہوتا جبکہ معمولی مرض والا مریض موت سے ہمکنار ہو جاتا ہے اور ڈاکٹر کو اس کا گمان بھی نہیں ہوتا کیونکہ اس کا تعلق اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ان خفیہ اسرار سے ہے جو زندوں کی ارواح اور ان گہرے اسباب سے متعلق ہیں جن کو مُسَبِّبُ الاَسباب نے ایک معلوم مقدار پر مرتب کیا ہے اور ان اسباب کی گہرائی تک جانا قوتِ بَشَری سے باہر ہے۔

بالکل اسی طرح آخرت میں کامیابی اور نجات کا معاملہ ہے۔ ان کے بھی خفیہ اسباب ہیں جن پر مُطَّلَع ہونا بندے کی طاقت میں نہیں ہے۔ جو خفیہ سبب نجات کی طرف لے جاتا ہے اسے عفو و رضا سے تعبیر کیا

جاتا ہے اور جو ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے اسے غضب اور انتقام سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کے علاوہ مشیّتِ الٰہیہ اَزَلیہ کا راز ہے جس پر مخلوق مطلع نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے ہم پر واجب ہے کہ ہم گناہ گار پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے عفو و درگزر کو جائز سمجھیں اگرچہ بظاہر اس کے گناہ کتنے ہی زیادہ ہوں، اسی طرح اطاعت گزار پر غضب کو بھی ممکن جانیں اگرچہ بظاہر اس کی نیکیاں زیادہ ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ اعتماد تقویٰ پر ہے اور تقویٰ دل میں ہوتا ہے اور دل کے معاملے پر خود متقی کا مطلع ہونا بہت مشکل امر ہے تو کوئی دوسرا کس طرح اطلاع پائے گا۔ لیکن بعض اوقات اربابِ قُلُوب پر مُنْکَشِف ہو جاتا ہے کہ بندے کی معافی کسی خفیہ سبب کے باعث ہوئی ہے جو معافی کا تقاضا کرتا تھا اور غضب کا بھی کوئی مخفی سبب ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دوری کا مقتضی تھا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو معافی اور غضب اعمال و اوصاف کا بدلہ نہ ٹھہرتے اور اگر جزا و سزا نہ ہوتی تو عدل نہ ہوتا اور اگر عدل نہ ہوتا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کا یہ فرمان صحیح نہ ہوتا:

وَ مَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۴۶﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور تمہارا رب بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

(پ۲۴، حٰمٓ السجدۃ: ۴۶)

اور نہ ہی یہ فرمان صحیح قرار پاتا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ (پ۵، النسآء: ۴۰) ترجمۂ کنزالایمان: اللہ ایک ذرّہ بھر ظلم نہیں فرماتا۔

جبکہ یہ سب فرامین حق ہیں اور آدمی اپنی کوشش پاتا ہے اور اپنی کوشش (کا نتیجہ) دیکھتا ہے اور ہر جان اپنے اعمال کے بدلے گروی ہے۔ پھر جب لوگ ٹیڑھے ہوتے ہیں تو اللہ عَزَّوَجَلَّ ان کے دل ٹیڑھے کر دیتا ہے اور جب وہ خود اپنی حالت کو بدلنے کی کوشش کرتے ہیں تو اللہ عَزَّوَجَلَّ ان کی حالت کو بدل دیتا ہے۔ اسی کے بارے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ (پ۱۳، الرعد: ۱۱) ترجمۂ کنزالایمان: بے شک اللہ کسی قوم سے اپنی نعمت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدل دیں۔

یہ تمام باتیں اہلِ دل پر اس قدر منکشف ہو جاتی ہیں کہ یہ انکشاف آنکھوں کے دیکھنے سے زیادہ واضح ہوتا ہے کیونکہ نظر کا دھوکا کھا جانا تو ممکن ہے کہ بعض اوقات دور کی چیز قریب اور بڑی چیز چھوٹی نظر آتی

ہے لیکن جس شے کا مشاہدہ دل کرتا ہے اس میں غلطی کا امکان نہیں ہوتا اور یہ کیفیت بھی ان لوگوں کی ہوتی ہے جن کا دل روشن ہو رہا ہو ورنہ دل روشن ہونے کے بعد جو شے دکھائی دے اس میں تو جھوٹ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس ارشادِ خداوندی میں اسی طرف اشارہ ہے:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿۱۱﴾ (پ۲۷، النجم:۱۱) ترجمۂ کنزالایمان: دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا۔

تیسرے درجے کی تفصیل:

یہ نجات پانے والوں کا دَرَجہ ہے اور نجات سے میری مراد فقط سلامتی ہے سعادت اور کامیابی مراد نہیں۔ یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے نہ تو اطاعت و فرمانبرداری کی کہ ان پر اِنعام واِکرام ہوتا اور نہ ہی حکم عدولی کی کہ اس کی سزا پاتے۔ ان لوگوں کا حال پاگلوں، کفار کے بچوں اور ناسمجھ بے عقل لوگوں کے زیادہ مشابِہ ہے اور اُن لوگوں کے مشابہ ہے جن کو شہروں اور آبادیوں سے دور اطراف واکناف میں اسلام کی دعوت نہ پہنچی اور انہوں نے اسی جہالت اور لاعلمی میں زندگی بسر کی، وہ نہ تو معرفت رکھتے ہیں نہ ہی انکار کرتے ہیں، نہ عبادت کرتے ہیں اور نہ ہی نافرمانی، نہ تو ان کے پاس قربِ خداوندی پانے کا کوئی وسیلہ ہے اور نہ ہی بارگاہِ الٰہی سے دور کرنے والا کوئی جرم، وہ لوگ جنتی ہیں نہ جہنمی بلکہ وہ ان دونوں منزلوں کے درمیان ایک منزل اور ان دونوں مقاموں کے درمیان مقام پر اتریں گے جسے شریعت نے اعراف کا نام دیا ہے۔ مخلوق میں سے ایک گروہ کا اس مقام پر اترنا قرآنی آیات اور احادِیثِ مُبارَکہ سے یقینی طور پر ثابت ہے[1] اور نورِ عقلی سے بھی یہی پتا چلتا ہے۔ بہر حال کسی خاص و معیّن پر حکم لگانا مثلاً یہ کہنا کہ "بچے اَعراف والوں میں سے ہوں گے" یہ بات غیر یقینی اور محض گمان ہے۔ حقیقتاً اس کی اِطِّلاع اَنبیائے کِرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کو ہوتی ہے۔ اولیا وعلما کا اس مرتبے کو پانا بعید ہے۔ بچوں کے بارے میں موجود رِوایات میں بھی تعارُض ہے حتّٰی کہ جب اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صِدِّیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے کسی بچے کے فوت ہونے پر فرمایا: "یہ جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا ہے" تو حضورِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس بات سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "تمہیں کیسے پتا؟"[2] پس

---

❶ ...تفسیر الطبری، پ۸، سورۃ الاعراف، تحت الآیۃ: ۴۶، ۵ / ۴۹۸ تا ۵۰۱، حدیث: ۱۴۶۹۳ تا ۱۴۷۱۳

❷ ...مسلم، کتاب القدر، باب کل مولود یولد علی الفطرۃ، ص۱۴۳۱، حدیث: ۲۶۶۲

شرح السنۃ، کتاب الایمان، باب الایمان بالقدر، ۱ / ۱۴۰، حدیث: ۷۷

اس مقام کو سمجھنا کافی مشکل ہے اور اس میں شُکُوک و شُبُہات کا غَلَبہ زیادہ ہے۔

چوتھے دَرَجے کی تفصیل:

یہ کامیاب ہونے والوں کا درجہ ہے اور وہ عارفین ہیں نہ کہ مقلّدین۔ یہ لوگ مقرّبین بارگاہ اور (نیکیوں میں سبقت کرنے کی وجہ سے دخولِ جنّت میں بھی) سَبقت لے جانے والے ہیں۔ مُقلِّد کو جنّت میں کسی مقام کا مل جانا اور اس کا اصحابِ یمین (یعنی جنتیوں) میں سے ہونا ہی اس کے لئے بڑی کامیابی ہے جبکہ مقرّبین کو جو کچھ عطا ہو گا وہ بیان سے باہر ہے اور جس قدر بیان کرنا ممکن ہے اسے قرآنِ پاک میں مفصل طور پر بیان کر دیا گیا اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بیان سے بڑھ کر کسی کا بیان نہیں۔

اُخروی نعمتوں کا ذکر دنیا میں ممکن نہیں:

بعض باتیں وہ ہیں جنہیں اس عالَم (دنیا) میں بیان کرنا ممکن نہیں تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انہیں بھی اجمالاً بیان فرما دیا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ (پ۲۱، السجدة:۱۷)

ترجمۂ کنز الایمان: تو کسی جی کو نہیں معلوم جو آنکھ کی ٹھنڈک ان کے لیے چھپا رکھی ہے۔

حدیثِ مُبارَک میں ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: ”میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ کچھ تیار کر رکھا ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں اس کا خیال گزرا۔“[1]

عارفین و مقربین کا مطلوب:

عارفین کا مطلوب یہی حالت ہے جس کے بارے میں یہ تصور بھی نہ کیا جا سکے کہ اس دنیا میں کسی انسان کے دل میں اس کا خیال گزرا ہو گا۔ جہاں تک حور، محلات، پھل، دودھ، شہد، شراب، زیورات اور کنگن کا معاملہ ہے تو ان لوگوں کو ان کی حرص نہیں۔ اگر یہ چیزیں انہیں دے بھی دی جائیں تو وہ ان پر قناعت نہیں کریں گے بلکہ وہ تو فقط دیدارِ الٰہی کی لذت کے طالب ہیں جو کہ سعادت اور لذت کا انتہائی اور اعلیٰ درجہ ہے۔

---

1 ...بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ما جاء فی صفة الجنة وانها مخلوقة، ۲/ ۳۹۱، حدیث: ۳۲۴۴

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت سیِّدَتُنا رابعہ عَدَوِیّہ بصریہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْھَا سے پوچھا گیا: ”آپ حصولِ جنّت کی طرف کیسے راغب ہوئیں؟“ تو فرمایا: ”پہلے صاحِبِ گھر پھر گھر۔“

”فَنِیْ عَنْ نَفْسِہٖ“ کا مرتبہ پانے والے:

یہی وہ لوگ ہیں جن کو صاحبِ گھر یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت نے گھر یعنی جنت اور اس کی زینت سے بے خبر کر دیا بلکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا ہر چیز حتّٰی کہ اپنی ذات سے بھی بے خبر کر دیا۔ ان کی مثال اس عاشق کی سی ہے جو اپنے معشوق کی محبت میں حالتِ جنون تک چلا جاتا ہے اور اپنی پوری ہمت اس کا چہرہ دیکھنے اور اس کے بارے میں سوچنے میں صَرف کر دیتا ہے۔ وہ حالتِ استغراق میں ہوتا ہے اور اپنی جان سے غافل ہوتا ہے۔ اپنے بدن کو پہنچنے والی تکلیف بھی محسوس نہیں کرتا۔ اس حالت کو ”فَنِیْ عَنْ نَفْسِہٖ یعنی اپنا آپ بھلا دینے“ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے غیر میں ڈوب چکا اور اس کے تمام غم ایک ہوگئے اور وہ اس کا محبوب ہے، اب اس میں محبوب کے غیر کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ اس کی طرف متوجہ ہو نہ اپنے لئے اور نہ ہی کسی اور کے لئے۔

اسی حالت کی بدولت آخرت میں آنکھوں کی ایسی ٹھنڈک نصیب ہوگی جس کے بارے میں یہ تصور کرنا بھی ناممکن ہے کہ دنیا میں کسی انسان کے دل میں اس کا خیال پیدا ہو سکتا ہے جیسا کہ بہرے کے دل میں آوازوں اور نابینا کے دل میں رنگوں کی صورت کا خیال مُتَصَوَّر نہیں جب تک ان کی سماعت وبصارت سے پردہ نہ اُٹھ جائے۔ پردہ اُٹھ جانے کے بعد انہیں اپنی حالت کا اِدراک ہوتا ہے اور وہ قطعی طور پر جان لیتے ہیں کہ اس سے پہلے ان کے دل میں ان صورتوں کا تصور نہیں آسکتا تھا۔ درحقیقت دنیا بھی ایک حجاب ہے اور اس کے اُٹھ جانے سے پردہ اُٹھ جائے گا اور اس وقت حیاتِ طیّبہ کے ذائقہ کا ادراک ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾ (پ۲۱، العنکبوت: ۶۴)

ترجمۂ کنزالایمان: اور بے شک آخرت کا گھر ضرور وہی سچی زندگی ہے کیا اچھا تھا اگر جانتے۔

نیکیوں کے سبب حاصل ہونے والے درجات کی تقسیم میں اس قدر بیان کافی ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی اپنے لطف وکرم سے توفیق بخشنے والا ہے۔

تیسری فصل: **صغیرہ گناہ کو کبیرہ بنانے والے اسباب**

اس بات کا علم ہونا چاہئے کہ چند اسباب ایسے ہیں جن کی وجہ سے صغیرہ گناہ کبیرہ بن جاتے ہیں۔

پہلا سبب:

صغیرہ گناہ بار بار کرنا اور اس کی عادت بنالینا۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ

لَا صَغِيْرَةَ مَعَ اِصْرَارٍ وَلَا كَبِيْرَةَ مَعَ اسْتِغْفَارٍ

ترجمہ: صغیرہ گناہ بار بار کرنے سے وہ صغیرہ نہیں رہتا (بلکہ کبیرہ بن جاتا ہے) اور توبہ کرنے سے کبیرہ گناہ بھی معاف کر دیا جاتا ہے۔

ایسا کبیرہ گناہ جس کے بعد گناہ کا سلسلہ مُنْقَطَع ہو جائے اور آئندہ کبیرہ گناہ نہ ہو تو اس صورت میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ سے عفو و کرم کی بارش کی زیادہ امید ہے اس صغیرہ گناہ کے مقابلے میں جسے انسان بار بار کرتا ہے۔ اس صغیرہ گناہ کی مثال پانی کے ان قطروں کی سی ہے جو مسلسل ایک پتھر پر گرتے رہتے ہیں اور اس میں اثر کر جاتے ہیں جبکہ اگر اتنا ہی پانی ایک ہی مرتبہ ڈالا جائے تو اثر انداز نہیں ہوتا۔

حضور نبیِّ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: خَیْرُ الْاَعْمَالِ اَدْوَمُهَا وَاِنْ قَلَّ یعنی بہترین عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ تھوڑا ہو۔[1]

(مشہور مقولہ ہے کہ) اشیاء اپنی ضدوں سے پہچانی جاتی ہیں اور (حدیثِ مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ) نفع بخش عمل وہی ہوتا ہے جو دائمی ہو اگرچہ کم ہو تو ضروری ہے کہ منقطع ہو جانے والا کثیر عمل دل کو روشن اور پاک کرنے میں کم نفع دے گا جبکہ بار بار کیا جانے والا صغیرہ گناہ دل پر گمراہی کی سیاہی چڑھانے میں زیادہ اثر انداز ہو گا۔ البتہ ایسا کم ہوتا ہے کہ انسان اچانک کبیرہ گناہ کا مُرتکِب ہو جائے اور اس کے آگے پیچھے کوئی صغیرہ گناہ نہ ہو، بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ زنا کرنے والا اچانک زنا کر بیٹھے اور اس سے پہلے نہ تو گناہ کا ارادہ ہو اور نہ ہی زنا کے مقدمات ہوں اور ایسا بھی بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی بندہ بغیر کسی سابقہ دشمنی کے اچانک کسی کو قتل کر دے۔ عموماً ہر کبیرہ گناہ سے پہلے اور بعد صغیرہ گناہ ہوتے ہیں لیکن پھر بھی اگر کبیرہ گناہ اچانک

1 ...بخاری، کتاب الرقاق، باب القصد والمداومة علی العمل، ۴/ ۲۳۷، حدیث: ۶۴۶۴، بلفظ ''احب الاعمال...الخ''

ہو جائے اور اسے دوبارہ کبھی نہ کیا جائے تو اس صورت میں اس صغیرہ کے مقابلے میں معافی کی امید زیادہ ہوتی ہے جس پر انسان عمر بھر قائم رہے۔

دوسرا سبب:

(صغیرہ گناہ کو کبیرہ بنانے والے اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ) اسے چھوٹا خیال کرے۔ جب بھی انسان گناہ کو بڑا سمجھتا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں وہ چھوٹا ہو جاتا ہے اور جب انسان اسے چھوٹا خیال کرتا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں وہ گناہ بڑا ہو جاتا ہے کیونکہ گناہ کو بڑا سمجھنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے دل میں اس گناہ سے نفرت وناپسندیدگی پائی جاتی ہے اور یہی نفرت اس کی شدتِ تاثیر کو ختم کر دیتی ہے اور کسی گناہ کو معمولی خیال کرنا اس گناہ سے اُلفت کی علامت ہے اور یہ ہلکا خیال کرنا اس کے دل پر گہرا اثر مرتب کرتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ دل کو اطاعت وفرمانبرداری کے ذریعے روشن کرے اور گناہوں کے سبب چڑھنے والی سیاہی سے اسے محفوظ رکھے۔ یہی وجہ ہے کہ غفلت میں صادر ہونے والے مُعاملات میں اس کی پکڑ نہیں کیونکہ غفلت میں ہونے والے گناہ کا اثر دل قبول نہیں کرتا۔

نصیحت آموز فرامین:

...حدیث شریف میں ہے: اَلْمُؤْمِنُ یَرٰی ذَنْبَہٗ کَالْجَبَلِ فَوْقَہٗ یَخَافُ اَنْ یَّقَعَ عَلَیْہِ وَ الْمُنَافِقُ یَرٰی ذَنْبَہٗ کَذُبَابٍ مَرَّ عَلٰی اَنْفِہٖ فَاَطَارَہٗ یعنی مومن اپنے گناہ کو اس طرح دیکھتا ہے جیسے اس کے اوپر ایک پہاڑ ہو اور اسے پہاڑ اپنے اوپر گر جانے کا ڈر ہو اور منافق اپنے گناہ کو ایک مکھی کی طرح دیکھتا ہے جو اس کی ناک پر بیٹھ جاتی ہے تو وہ اسے اُڑا دیتا ہے۔[1]

...ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جس گناہ کی بخشش نہیں ہوتی وہ بندے کا یہ قول ہے: ”کاش وہ سب گناہ جو میں نے کیے ہیں ایسے ہی ہوتے۔“

...مومن گناہ کو اس لئے بڑا خیال کرتا ہے کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے جلال کو جانتا ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ اس نے جس کی نافرمانی کی ہے وہ بہت بڑی ذات ہے تو صغیرہ گناہ کو بھی کبیرہ گمان کرتا ہے۔

...اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے ایک نبی عَلَیْہِ السَّلَام کی طرف وحی فرمائی کہ تحفہ کی قلت کو نہ دیکھو بلکہ یہ دیکھو کہ

---

1 ...بخاری، کتاب الدعوات، باب التوبۃ، ۴/ ۱۹۰، حدیث: ۶۳۰۸

بھیجنے والا کتنا بڑا ہے اور گناہ کے چھوٹا ہونے کو نہ دیکھو بلکہ اس ذات کی بڑائی کو دیکھو جس کی بارگاہ میں اس گناہ کے ساتھ حاضر ہونا ہے۔

...اسی اعتبار سے کسی عارف بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کا فرمان ہے کہ کوئی گناہ صغیرہ نہیں بلکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ہر نافرمانی گناہِ کبیرہ ہے۔

...کسی صحابیٔ رسول نے بعض تابعین سے فرمایا: تم ایسے اعمال کرتے ہو کہ ان کی حیثیت تمہاری نگاہ میں بال سے بھی زیادہ کم ہے جبکہ ہم رسولِ اَکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی ظاہری حیات میں ان اعمال کو ہلاکت خیز امور سے شمار کرتے تھے۔

صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کو چونکہ جلالِ خداوندی کی کامل معرفت حاصل تھی، لہٰذا وہ جلالِ خداوندی عَزَّوَجَلَّ کے مقابل صغیرہ گناہ کو بھی کبیرہ گمان کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جاہل کے مقابلے میں عالِم گناہ کو بڑا خیال کرتا ہے اور بعض باتیں جو عام انسان کو معاف کر دی جاتی ہیں عارف کو معاف نہیں کی جاتیں کیونکہ علم و معرفت جس قدر زیادہ ہو نافرمانی اور گناہ اسی قدر بڑے ہوتے ہیں۔

تیسرا سبب:

(صغیرہ گناہ کو کبیرہ بنانے والا ایک سبب) صغیرہ گناہ پر خوش ہونا، فخر کرنا نیز اس گناہ پر قادر ہونے کو نعمتِ الٰہی خیال کرنا اور اس بات سے غافل رہنا ہے کہ یہ بدبختی کا سبب ہے۔ جب بندے پر صغیرہ گناہ کی لذت غالب آجاتی ہے تو وہ کبیرہ ہو جاتا ہے اور دل پر گمراہی کی سیاہی چڑھنے میں اس کا اثر زیادہ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ گناہ کے ارتکاب کے بعد اس پر خوش ہوتے اور فخر کرتے ہیں کہ ان سے یہ کام سرزد ہوا۔ مثلاً کوئی کہتا ہے: "دیکھا! کیسے میں نے اس کی عزت کی دھجیاں بکھیر دیں" مناظر اپنے مناظرے میں کہتا ہے: "تم نے دیکھا نہیں کس طرح میں نے اسے رسوا کیا اور کس طرح اس کی برائیاں ذکر کر کے اسے شرمندہ کیا اور کس طرح میں نے اسے ذلیل کیا اور اسے دھوکے میں مبتلا کیا۔" تجارت کرنے والا کہتا ہے: "دیکھا میرا کمال! کیسے میں نے کھوٹا سکہ چلا دیا، اسے دھوکا دیا اور کس طرح میں نے اسے مالی نقصان پہنچایا اور بے وقوف بنایا۔"

یہ اور اس قسم کی دوسری باتیں صغیرہ گناہ کو کبیرہ بنا دیتی ہیں۔ گناہ تو بس ہلاکت میں ڈالنے والے ہیں۔ بندہ جب ان میں مبتلا ہو اور شیطان اسے گناہ پر مجبور کر کے اس پر غالب آجائے تو مصیبت اور افسوس کا مقام ہے کہ دشمن اس پر غالب آگیا اور اس وجہ سے وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دور ہو گیا۔ جو مریض دوائی کا برتن ٹوٹنے پر خوش ہو کہ چلو دوائی پینے کی تکلیف سے جان چھوٹی تو اس کے لئے صحت کی امید نہیں کی جاسکتی۔

چوتھا سبب:

(صغیرہ گناہ کو کبیرہ بنانے والا ایک سبب یہ بھی ہے کہ) اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جو اس کی پردہ پوشی فرمائی، اس کے ساتھ بردباری کا معاملہ فرمایا اور اسے جو مہلت دے رکھی ہے اسے ہلکا جانے اور اس بات کو نہ جانے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے یہ ڈھیل سزا ہے تاکہ وہ اس ڈھیل کے سبب گناہ میں مزید بڑھتا چلا جائے بلکہ یہ گمان کرے کہ گناہوں پر اس کا قادر ہونا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عنایت ہے۔ یہ اس بندے کا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خفیہ تدبیر سے بے خبر اور بے خوف ہونے کے سبب ہوتا ہے۔ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خفیہ تدبیر سے دھوکے میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑧ (پ۲۸، المجادلۃ:۸)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں ہمیں اللہ عذاب کیوں نہیں کرتا ہمارے اس کہنے پر انھیں جہنم بس (کافی) ہے اس میں دھنسیں گے تو کیا ہی بُرا انجام۔

پانچواں سبب:

(صغیرہ گناہ کو کبیرہ بنانے والا ایک سبب) گناہ کا اظہار کرنا یعنی گناہ کرنے کے بعد دوسروں کے سامنے اس کا تذکرہ کرنا یا کسی دوسرے کے سامنے گناہ کا اِرتِکاب کرنا ہے۔ یہ اس کی طرف سے اضافی جرم ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جس کی پردہ پوشی فرمائی اسے ظاہر کر رہا ہے اور جس کو یہ گناہ سنا رہا ہے یا جس کے سامنے ارتکاب کر رہا ہے اس کو بھی گناہ کی ترغیب دلا رہا ہے یوں اس گناہ کے ساتھ مزید دو گناہ شامل ہونے کے سبب اس کا گناہ اور بھی سخت ہو جاتا ہے، پھر غیر کو گناہ کی ترغیب دلانے میں گناہ پر ابھارنا اور اس کے اسباب مہیّا کرنا بھی پایا جاتا ہے تو یہ چوتھا گناہ ہو جاتا ہے اور معاملہ بہت سخت ہو جاتا ہے۔

حدیثِ پاک میں ہے: كُلُّ النَّاسِ مُعَافًى اِلَّا الْمُجَاهِرِيْنَ يَبِيْتُ اَحَدُهُمْ عَلٰى ذَنْبٍ قَدْ سَتَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَيُصْبِحُ فَيَكْشِفُ سِتْرَ اللّٰهِ وَيَتَحَدَّثُ بِذَنْبِهٖ یعنی ہر کسی کے لئے معافی ہے سوائے ان لوگوں کے جو گناہوں کا اظہار کرتے ہیں کہ رات گناہ میں گزارتے ہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ اس پر پردہ فرماتا ہے اور وہ صبح اس گناہ کا ذکر کر کے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پردے کو کھول دیتے ہیں۔[1]

یہ بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی صفات اور نعمتوں میں سے ہے کہ وہ اچھی باتوں کو ظاہر کرتا اور بری باتوں کو چھپاتا ہے اور پردہ دری نہیں کرتا۔ پس بری باتوں کا اظہار کرنا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ناشکری ہے۔

ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: گناہ مت کرو اور اگر گناہ کرنے پر سخت مجبور ہو جاؤ تو اس گناہ کا اظہار کرکے دوسروں کو ترغیب نہ دلاؤ کیونکہ اس طرح تم دو گناہوں کے مرتکب ہو گے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَ يَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْؕ (پ۱۰، التوبۃ: ۶۷)

ترجمۂ کنزالایمان: منافق مرد اور منافق عورتیں ایک تھیلی کے چٹے بٹے (ایک جیسے) ہیں برائی کا حکم دیں اور بھلائی سے منع کریں اور اپنی مٹھی بند رکھیں (خرچ نہ کریں)۔

ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: کوئی انسان اپنے بھائی کی عِصْمَت دری اس سے بڑھ کر نہیں کرتا کہ پہلے اسے ایک گناہ پر مدد دے اور بعد میں اس گناہ کو اس کی نظر میں ہلکا دکھائے۔

چھٹا سبب:

(صغیرہ گناہ کو کبیرہ بنانے والا ایک سبب یہ بھی ہے کہ) گناہ کرنے والا شخص عالم ہو جس کی پیروی کی جاتی ہو۔ پس جب وہ گناہ کرے گا اور لوگ اس کو دیکھیں گے تو اس کا گناہ کبیرہ ہو جائے گا۔ مثلاً عالم کا ریشم پہننا، سونے کی سواری پر سوار ہونا، بادشاہوں کا شبہ والا مال لینا، بادشاہوں کے پاس مسلسل آمد و رفت رکھنا، ان کے ذریعے اپنی اور لوگوں کی حاجات پوری کرنا، (خلاف شرع کام سے) انہیں منع نہ کرکے ان کی مدد کرنا، زبان سے دوسروں کی عزت اچھالنا، مناظرے میں حد سے تجاوز کرنا اور سامنے والے کی تذلیل کرنا اور ان علوم میں مشغول رہنا جن کا مقصد فقط حصولِ جاہ ہے جیسا کہ عِلْمِ جَدَل و مُنَاظَرہ۔

---

1 ...بخاری، کتاب الادب، باب ستر المؤمن علی نفسہ، ۴/ ۱۱۸، حدیث: ۶۰۶۹، بتغیر قلیل

یہ گناہ ایسے ہیں کہ ان میں عالِم کی اتباع کی جاتی ہے بالآخر عالِم مر جاتا ہے اور اس کا شر دنیا میں ہمیشہ کے لئے پھیلا رہ جاتا ہے۔ خوشخبری ہے اس کے لئے جس کی موت کے ساتھ اس کے گناہ بھی مر جائیں۔

دوجہاں کے سلطان، سرورِ ذیشان صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ ذیشان ہے: مَنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يُنْقَصُ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْئًا یعنی جس نے کوئی بُرا طریقہ جاری کیا اس پر اس گناہ کا بوجھ بھی ہو گا اور ان لوگوں کا بھی بوجھ ہو گا جنہوں نے اس پر عمل کیا اور لوگوں کے بوجھ میں کچھ کمی نہیں ہو گی۔ [1]

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ نَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَ اٰثَارَهُمْ ترجمۂ کنزالایمان: اور ہم لکھ رہے ہیں جو اُنھوں نے آگے بھیجا اور جو نشانیاں پیچھے چھوڑ گئے۔

(پ۲۲، یٰسٓ: ۱۲)

"اٰثَارَ" سے مراد وہ اعمال ہیں جو کسی کی پیروی میں اس کے مرنے کے بعد تک کیے جائیں۔

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں: عالِم کے لئے خرابی اس کی اتباع کرنے والوں کی وجہ سے ہوتی ہے کہ اس سے کوئی خطا ہو جاتی ہے پھر وہ اس سے رجوع کر لیتا ہے لیکن لوگ اس کام کو کرنے لگتے ہیں اور پورے عالَم میں پھیلا دیتے ہیں۔

عالم کی لغزش کی مثال:

کسی بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کا قول ہے: عالِم کی لغزش کی مثال کشتی ٹوٹنے کی سی ہے کہ وہ خود بھی ڈوبتی ہے اور اس میں موجود سوار بھی ڈوبتے ہیں۔

اسرائیلیات میں ہے کہ ایک عالِم نئی نئی باتیں گھڑ کر لوگوں کو گمراہ کرتا تھا۔ پھر اسے توبہ نصیب ہو گئی اور عرصۂ دراز تک لوگوں کی اصلاح میں مشغول رہا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس دور کے نبی عَلَیْہِ السَّلَام کی طرف وحی فرمائی: "اس سے فرمادیں اگر تیرا گناہ صرف میرے اور تیرے درمیان ہوتا تو میں تیری مغفرت کر دیتا لیکن میرے وہ بندے جن کو تو نے گمراہ کیا اور میں انہیں جہنم میں داخل کروں گا ان کا کیا ہو گا۔"

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ علما کا معاملہ بہت زیادہ خطرناک ہے، لہٰذا ان پر دو ذمہ داریاں ہیں:

---

1 ...مسلم، کتاب العلم، باب من سن سنة حسنة... الخ، ص۱۴۳۸، حدیث: ۲۶۷۳

(۱) گناہ سے بچنا (۲) (اگر کبھی سرزد ہو جائے تو) گناہ کو چھپانا۔

جس طرح گناہوں کی وجہ سے علما کے لئے سزا زیادہ ہے اسی طرح ان کی نیکیوں کا ثواب بھی زیادہ ہوتا ہے جب ان کی اتباع کی جائے۔ پس عالم جب زیب و زینت اور دنیا کی طرف میلان چھوڑ دے اور دنیا کے مال میں سے تھوڑے پر قناعت کرے، حسبِ ضرورت رزق اور پُرانے کپڑوں پر صبر کرے حتّٰی کہ اس کی اتباع کی جائے اور علما و عوام دونوں اس کی پیروی کرنے لگیں تو اسے ان پیروی کرنے والوں کے برابر ثواب ملے گا اور اگر وہ زیب و زینت کی طرف مائل ہو گا تو اس سے نچلے درجہ کے لوگ (یعنی عام انسان) چونکہ اس سے مشابہت کی طرف مائل ہوتے ہیں اور ان کے لئے زیب و زینت اختیار کرنا حکمرانوں کی چاپلوسی اور حرام مال جمع کیے بغیر ممکن نہیں تو گویا یہی عالم ان تمام امور کا سبب ہو گا۔ معلوم ہوا کہ عُلَما کی حرکات کے آثار نفع و نُقصان دونوں صورتوں میں زیادہ ہوتے ہیں۔

جن اعمال سے توبہ کرنی ضروری ہے ان کے متعلق اس قدر تفصیل کافی ہے۔

تیسرا رکن: توبہ کی شرائط اور توبہ کرنے والوں کا بیان

(اس میں تین فصلیں ہیں)

پہلی فصل: توبہ کی شرائط، اس کی تکمیل اور اس پر قائم رہنے کا بیان

ہم بیان کر چکے ہیں کہ توبہ ندامت کا نام ہے جس کا نتیجہ عزم اور قصد ہے اور یہ ندامت اس بات کے علم کا نتیجہ ہے کہ گناہ بندے اور محبوب کے درمیان رکاوٹ ہیں۔ علم، ندامت اور عزم و قصد ان میں سے ہر ایک مکمل ہے اور اسے دوام حاصل ہے اور ان کی تکمیل کی کچھ علامات اور ان کے دوام کے لئے کچھ شرائط ہیں جن کی تفصیل بیان کرنا ضروری ہے۔

...علم: جہاں تک علم کا تعلق ہے تو یہ توبہ کا سبب ہے۔ اس کی تفصیل عنقریب آئے گی۔

...نَدامت: اس سے مراد دل کا درد ہے جو محبوب کے کھو جانے کی صورت میں ہوتا ہے۔ اس کی علامت حسرت و غم کا طویل ہونا، آنسوؤں کا بہنا، آہ و بکا اور فکر کا زیادہ ہونا ہے۔

درد جتنا زیادہ امید بھی اتنی زیادہ:

جس آدمی کو اس بات کا علم ہو جائے کہ عنقریب اس کی اولاد یا کسی عزیز رشتہ دار پر کوئی مصیبت آنے والی ہے تو وہ پریشان ہو جاتا ہے اور رونا دھونا مچا دیتا ہے۔ بھلا اپنے نفس سے بڑھ کر کون رشتہ دار پیارا ہوتا ہے اور جہنم سے زیادہ سخت کونسی مصیبت ہو سکتی ہے اور گناہوں کی نسبت کونسی چیز عذاب کا زیادہ سبب بن سکتی ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے زیادہ سچا خبر دینے والا کون ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی ڈاکٹر کسی شخص کو خبر دے کہ اس کا بیمار بیٹا اس بیماری سے صحت یاب نہ ہو گا اور عنقریب مر جائے گا تو وہ غمزدہ ہو جاتا ہے حالانکہ اس کا بیٹا اس کے لئے اپنے نفس سے زیادہ عزیز نہیں اور نہ ہی ڈاکٹر اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے زیادہ جاننے والا اور سچا ہے اور نہ موت جہنم سے زیادہ سخت ہے اور نہ ہی مرض کی دلالت موت پر اس بات سے زیادہ یقینی ہے کہ گناہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ناراضی اور جہنم میں داخلے کا سبب ہیں۔ پس ندامت کا درد جتنا زیادہ ہو گا اس کے سبب گناہوں کے مٹنے کی امید بھی اتنی ہی زیادہ ہو گی۔

سچی ندامت کی علامات:

...ندامت کے صحیح ہونے کی علامت دل کا نرم ہونا اور آنسوؤں کا کثرت سے بہنا ہے۔ حضور نبیِّ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا مبارک فرمان ہے: "جَالِسُوا التَّوَّابِیْنَ فَاِنَّھُمْ اَرَقُّ اَفْئِدَۃً یعنی خوب توبہ کرنے والوں کے پاس بیٹھا کرو کیونکہ ان کے دل زیادہ نرم ہوتے ہیں۔"[1]

...ندامت کی ایک پہچان یہ ہے کہ بندے کے دل میں گناہوں کی حلاوت کے بجائے ان کی کڑواہٹ قرار پکڑ جائے اور گناہ کی طرف میلان کو ناپسند کرے اور رغبت کو نفرت میں بدل دے۔

گناہ کی حلاوت کا وبال:

اسرائیلی رِوایات میں ہے کہ ایک بندے نے اپنے گناہوں سے توبہ کی اور عرصہ دراز تک عبادت کرتا رہا مگر اسے اپنی توبہ کی قبولیت کے آثار نظر نہ آئے۔ اس وقت کے نبی عَلَیْہِ السَّلَام نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ

1...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب التوبۃ، ۳/ ۴۱۶، حدیث: ۱۴۴، قول عمر

میں اس کی توبہ کی قبولیت کی عرض کی تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا: مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! اگر زمین وآسمان والے سب کے سب اس کی سفارش کریں تو بھی میں اس کی مغفرت نہ کروں گا جب تک اس کے دل میں توبہ کردہ گناہ کی حلاوت موجود ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر تم کہو کہ گناہ تو ایسے اعمال ہیں جو طبیعت کو بہت مرغوب ہوتے ہیں بھلا ان کی کڑواہٹ کیونکر دل میں پائی جائے گی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص زہر ملا شہد کھالے اور شہد کی مٹھاس کی وجہ سے زہر کا ذائقہ محسوس نہ کرے، پھر وہ شخص بیمار پڑ جائے، اس کا مرض اور درد طوالت پکڑ جائے، اس کے بال بکھر جائیں اور اس کے اعضاء پر فالج گر جائے، اس حالت میں اگر اس کے پاس اسی کی مثل زہر ملا شہد لایا جائے تو بتایئے اس کا نفس شہد سے متنفر ہوگا یا نہیں چاہے وہ کتنا ہی بھوکا اور میٹھے کا حریص ہو؟ اگر تم کہو: ''نہیں۔'' تو یہ مُشاہَدہ اور تجْرِبَہ کا اِنکار ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ بعض اوقات بندہ زہر کے شُبہ کی وجہ سے زہر سے پاک شہد سے بھی نفرت کرنے لگتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ توبہ کرنے والا اسی شخص کی طرح گناہ کی کڑواہٹ محسوس کرتا ہے اور اس بات کی وجہ یہ جان لینا ہے کہ ہر گناہ کا ذائقہ اس زہر ملے شہد کی طرح میٹھا ہے جبکہ اس کا انجام زہر کے عمل کا سا ہے۔

توبہ اس وقت تک صحیح اور سچی نہیں ہوتی جب تک ایسا ایمان نہ ہو (کہ گناہ کی کڑواہٹ دل میں محسوس ہو) اور چونکہ ایسا ایمان بہت کم پایا جاتا ہے اسی لئے سچی توبہ بھی کم ہوتی ہے اور توبہ کرنے والے بھی اور تمہیں بس اللہ عَزَّوَجَلَّ کو بھلا دینے والے، گناہوں کو ہلکا خیال کرنے والے اور گناہوں میں ڈوبے ہوئے لوگ ہی نظر آتے ہیں۔ یہ تکمیل ندامت کی شرط ہے اور اس پر موت تک قائم رہنا ضروری ہے اور چاہئے کہ یہ کڑواہٹ تمام گناہوں میں محسوس ہو اگرچہ کبھی ان کا ارتکاب نہ کیا ہو جیسا کہ شہد میں ملا ہوا زہر کھانے والا ٹھنڈے پانی سے بھی نفرت کرتا ہے جبکہ اسے یہ معلوم ہو کہ اس میں بھی زہر ہے کیونکہ اسے شہد سے تکلیف نہیں پہنچتی بلکہ اس میں جو زہر تھا اس سے پہنچتی ہے۔ اسی طرح جو آدمی چوری اور زنا سے توبہ کرتا ہے اسے چوری اور زنا سے ضرر نہیں پہنچتا بلکہ اسے یہ بات نقصان دیتی ہے کہ یہ کام اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حکم کی خلاف ورزی ہیں اور ہر گناہ کا یہی معاملہ ہے۔

نَدامت کا نتیجہ اور قصد:

...قَصد: توبہ کا ایک رُکن قصد وعزم ہے۔ یہ ندامت کے نتیجے میں وجود میں آتا ہے اور اس سے مراد گناہ کے تدارک کا ارادہ کرنا ہے۔

قصد اور اس کے متعلقات:

قصد کا تعلق حال، ماضی اور مستقبل تینوں زمانوں سے ہے۔ حال سے یوں کہ یہ ہر وہ ممنوع کام چھوڑنے پر ابھارتا ہے جس میں انسان مُلَوَّث ہو اور جو کچھ انسان پر فرض ہے اس کی ادائیگی پر ابھارتا ہے، ماضی سے اس کا تعلق یوں ہے کہ گزری ہوئی کوتاہیوں کے تدارُک پر اُبھارتا ہے اور مستقبل سے اس کا تعلق یوں ہے کہ تادمِ آخر نیکیاں کرنے اور گناہوں سے بچنے پر اُبھارتا ہے۔

قصد کے صحیح ہونے کی شرائط:

قصد کا جو تعلُّق ماضی سے ہے اس کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ انسان احتلام یا عمر کے ذریعے جس دن بالغ ہوا اس دن سے اپنی عُمُر کے ہر ہر سال، مہینہ، دن بلکہ ہر ہر سانس پر غور کرے اور دیکھے کہ کتنے احکامات کو پیٹھ پیچھے ڈالا اور کتنے گناہوں کا ارتکاب کیا۔

عبادات میں ہونے والی کوتاہیوں کا طریقۂ تدارک

نماز کے متعلق مسئلہ:

اگر کوئی نماز چھوڑی ہو یا ناپاک کپڑوں میں ادا کی ہو یا درست نیت نہ کرنے کی وجہ سے نماز درست ادا نہ کی ہو تو ایسی تمام نمازوں کی قضا کرے۔ اگر فوت شدہ نمازوں کی تعداد میں شک ہو تو یوم بلوغ سے حساب لگائے اور جس قدر نمازوں کی ادائیگی کا یقین ہو ان کو چھوڑ کر باقی نمازوں کی قضا کرے اور اس سلسلے میں غالب گمان پر عمل کرے اور خوب غور و فکر اور تحری سے کام لے۔[1]

---

[1]... قضا نمازیں ادا کرنے کے متعلق تفصیلی معلومات حاصل کرنے کے لئے شیخ طریقت، امیر اہلسنّت بانیِ دعوتِ اسلامی حضرت علامہ مولانا ابوبلال محمد الیاس عطار قادری رضوی مَدَّظِلُّہٗ کے رسالے "قضا نمازوں کا طریقہ (حنفی)" کا مطالعہ کیجئے!

روزے کے متعلق مسئلہ:

روزے کا جہاں تک معاملہ ہے اگر سفر میں چھوڑا اور اسے قضا بھی نہ کیا یا جان بوجھ کر توڑ دیا یا رات کو نیت کرنا بھول گیا[1] اور بعد میں قضا نہ کیا تو ان تمام روزوں کا خوب غور و فکر سے اندازہ لگا کر ان کی قضا کرے۔

زکوٰۃ کے متعلق مسئلہ:

جہاں تک زکوٰۃ کا تعلق ہے تو تمام مال کا حساب لگائے اور جس دن سے اس مال کا مالک ہوا ہے اس دن سے سالوں کا شمار کرے نہ کہ بُلُوغت سے کیونکہ زکوٰۃ بچے کے مال پر بھی واجب ہے[2]۔ اب جو غالب گمان ہو اس کے مطابق اتنی زکوٰۃ ادا کرے جو اس کے ذمہ ہے۔ اگر زکوٰۃ ادا تو کی ہے مگر اپنے مذہب کے مطابق

---

❶... **احناف کے نزدیک:** ماہِ رمضان، نذرِ معیّن اور نفل روزوں کی نیت رات کے وقت ضروری نہیں بلکہ اگر غروب آفتاب سے لے کر اگلے دن ضحوہ کبریٰ سے پہلے کسی وقت بھی نیت کر لی تو روزہ ہو گیا۔ البتہ رات ہی کو نیت کر لینا مستحب ہے۔ ان کے علاوہ باقی روزوں میں رات میں نیت کرنا ضروری ہے۔ صَدْرُ الشَّرِیْعَہ، بَدْرُ الطَّرِیْقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: ”ادائے روزۂ رمضان اور نذرِ معین اور نفل کے روزوں کے لیے نیّت کا وقت غروب آفتاب سے ضحوۂ کبریٰ تک ہے، اس وقت میں جب نیّت کرلے، یہ روزے ہو جائیں گے۔“ کچھ آگے چل کر مزید فرماتے ہیں: ”ضحوۂ کبریٰ نیّت کا وقت نہیں، بلکہ اس سے پیشتر نیّت ہو جانا ضروری ہے اور اگر خاص اس وقت یعنی جس وقت آفتاب خطِ نصف النہار شرعی پر پہنچ گیا، نیّت کی تو روزہ نہ ہوا۔“ اگلے صفحے پر فرماتے ہیں: ”اگرچہ ان تین قسم کے روزوں کی نیّت دن میں بھی ہو سکتی ہے، مگر رات میں نیّت کر لینا مستحب ہے۔“ کچھ صفحات بعد فرماتے ہیں: ”ادائے رمضان اور نذر معیّن اور نفل کے علاوہ باقی روزے، مثلاً قضائے رمضان اور نذر غیر معیّن اور نفل کی قضا (یعنی نفلی روزہ رکھ کر توڑ دیا تھا اس کی قضا) اور نذر معیّن کی قضا اور کفّارہ کا روزہ اور حرم میں شکار کرنے کی وجہ سے جو روزہ واجب ہوا وہ اور حج میں وقت سے پہلے سر منڈانے کا روزہ اور تمتع کا روزہ، ان سب میں عین صبح چمکتے وقت یا رات میں نیّت کرنا ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ جو روزہ رکھنا ہے، خاص اس معیّن کی نیّت کرے اور اُن روزوں کی نیّت اگر دن میں کی تو نفل ہوئے پھر بھی ان کا پورا کرنا ضرور ہے توڑے گا تو قضا واجب ہو گی۔ اگرچہ یہ اس کے علم میں ہو کہ جو روزہ رکھنا چاہتا ہے یہ وہ نہیں ہو گا بلکہ نفل ہو گا۔“

(بہار شریعت، حصہ ۵، ۱ / ۹۶۷ تا ۹۷۱)

❷... **احناف کے نزدیک:** نابالغ پر زکاۃ واجب نہیں۔ (بہار شریعت، حصہ ۵، ۱ / ۸۷۵)

نوٹ: زکوٰۃ سے متعلق تفصیلی معلومات حاصل کرنے کے لئے دعوت اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 1250 صفحات پر مشتمل کتاب **بہار شریعت، جلد اول، حصہ 5، صفحہ 866 تا 934** کا مطالعہ کیجئے!

ادا نہیں کی مثلاً شافعی مسلک سے تعلق ہے اور زکوٰۃ آٹھوں مصارف کو ادا نہیں کی (بلکہ کسی ایک ہی کو ساری دے دی) یا جس مال پر زکوٰۃ واجب ہوئی تھی اس کے بدلے کوئی دوسرا مال دے دیا تو تمام زکوٰۃ دوبارہ دے کیونکہ یہ زکوٰۃ بالکل ادا نہیں ہوئی[1]۔ زکوٰۃ کا حساب اور اس کی مَعْرِفَت ایک طویل مُعاملہ ہے اور اس کا حساب معلوم کرنے میں مکمل غور و فکر چاہئے۔ بہتر یہ ہے کہ اس معاملے میں علما سے رجوع کرے اور ان سے ادائیگی کا طریقہ پوچھے۔

حج کے متعلق مسئلہ:

حج کے بارے میں بھی غور کرے اگر اسے بعض سالوں میں حج کی استطاعت تھی لیکن (اپنی کوتاہی کی وجہ سے) نہ گیا اور اب مفلس ہو گیا تو بھی حج کے لئے نکلنا اس پر لازم ہے۔ اگر مفلسی کی وجہ سے وہ حج کرنے پر قادر نہ ہو تو اس پر زادِ راہ کے لئے حلال مال کمانا لازم ہے۔ اگر مال کمانے کی قدرت نہ ہو اور نہ ہی اس کے پاس مال ہو تو لوگوں سے زکوٰۃ اور دیگر صدقات کا اپنے لئے سوال کرے تاکہ اس سے حج کر سکے[2] کیونکہ اگر وہ حج کرنے سے پہلے مر گیا تو گناہ گار مرا۔ حضور نبیِّ اَکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد ہے: ”جو شخص (حج فرض ہونے کے بعد بغیر کسی عذر کے) بغیر حج کئے مرا تو چاہے وہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر۔“[3]

حج کی استطاعت و قدرت حاصل ہونے کے بعد کسی عارضی رُکاوٹ کی بنا پر حج کی فرضیت اس سے ساقط نہ ہو گی۔ عبادات میں ہونے والی کوتاہیوں کی چھان بین اور ان کے تدارُک کا یہ طریقہ ہے۔

گناہوں کا مُحاسَبہ کرنے کا طریقہ:

جہاں تک گناہوں کا معاملہ ہے تو اس پر لازم ہے کہ اپنے وقتِ بُلُوغ سے لے کر اب تک غور کرے کہ

1... احناف کے نزدیک: دونوں صورتوں میں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (اتحاف السادۃ المتقین، ۱۰/۲۹۹ مفهومًا)

2... احناف کے نزدیک: (بندے کے پاس) مال موجود تھا اور حج نہ کیا پھر وہ مال تلف (ضائع) ہو گیا، تو قرض لے کر جائے اگرچہ جانتا ہو کہ یہ قرض ادا نہ ہو گا مگر نیت یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ قدرت دے گا تو ادا کر دوں گا۔ پھر اگر ادا نہ ہو سکا اور نیت ادا کی تھی تو امید ہے کہ مولیٰ عَزَّوَجَلَّ اس پر مؤاخذہ نہ فرمائے۔ (بہار شریعت، حصہ ۶، ۱/ ۱۰۳۶)

3... المصنف لابن ابی شیبہ، کتاب المناسک، باب فی الرجل یموت ولم یحج، ۴/ ۳۹۲، حدیث: ۱، بتغیر قلیل

اس کے کان، آنکھ، زبان، پیٹ، ہاتھ، پاؤں، شرمگاہ اور دوسرے تمام اعضاء سے کون کون سے گناہ سرزد ہوئے۔ پھر تمام دنوں اور ہر ہر ساعت پر غور کرے اور اپنے نفس کے سامنے ان گناہوں کا سارا دفتر کھول کر رکھ دے یہاں تک کہ وہ صغیرہ وکبیرہ تمام گناہوں پر مُطَّلَع ہو جائے۔

حُقُوقُ اللہ میں کوتاہی سے توبہ کا طریقہ:

اب غور کرے کہ کن گناہوں کا تعلق حقوقُ اللہ سے ہے یعنی اس میں بندوں پر کوئی ظُلْم وزیادتی تو نہیں مثلاً غیر مَحرم عورت کی طرف نَظَر کرنا، حالَتِ جنابت میں مسجد میں بیٹھنا، بے وضو قرآنِ پاک چھونا، گمراہ کُن بات کا اعتقاد رکھنا، شراب نوشی کرنا، فِسْقِیہ اشعار سننا اور ان کے علاوہ گناہ جن میں بندوں کے حقوق ضائع نہیں ہوتے۔

ان گناہوں سے توبہ کا ذریعہ ان پر ندامت اور حسرت (اور انہیں چھوڑنے اور آئندہ نہ کرنے کا عزم کرنا) ہے مزید یہ کہ ان کے کبیرہ ہونے اور ان میں ڈوبا رہنے کی مدت کا حساب لگائے پھر ہر گناہ کے بدلے نیکی کرے اور ان گناہوں کے برابر نیکیاں بجا لائے کہ سرکارِ دوعالَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اس ارشاد گرامی کی تعمیل ہو: ”اِتَّقِ اللّٰہَ حَیْثُ مَا کُنْتَ وَاَتْبِعِ السَّیِّئَۃَ الْحَسَنَۃَ تَمْحُھَا یعنی تم جہاں کہیں ہو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرو اور گناہ کے بعد نیکی بجالاؤ کہ نیکی اس گناہ کو مٹا دے گی۔“[1]

اللہ عَزَّوَجَلَّ بھی ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ (پ۱۲، ھود: ۱۱۴) ترجمۂ کنزالایمان: بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔

گناہوں کے کفارے:

فِسْقِیہ اشعار سننے کا کفارہ قرآنِ پاک کی تلاوت سن کر اور مجالسِ ذکر میں شرکت کے ذریعے ادا کرے، مسجد میں حالَتِ جَنابت میں بیٹھنے کے کفارے میں مسجد میں اعتکاف کرے اور خوب عبادت میں مشغول رہے، بے وضو قرآن پاک چھونے کے کفارے میں قرآن پاک کی تعظیم کرے اور کثرت سے تلاوت کرے نیز

---

1 ...سنن الترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی معاشرۃ الناس، ۳/ ۳۹۷، حدیث: ۱۹۹۴

قرآن پاک کو بہت زیادہ چومے اور ایک نسخۂ قرآن پاک اپنے ہاتھ سے لکھ کر وقف کردے، شراب نوشی کا کفارہ یوں ادا کرے کہ حلال مشروب جو شراب سے زیادہ عمدہ اور اس کا پسندیدہ ہو صدقہ کرے۔ تمام گناہوں کا شمار ناممکن ہے۔

گناہ کے مخالف نیکی سے گناہ مٹاؤ:

بہر حال مقصود گناہوں کے مخالف راستے پر چلنا ہے کیونکہ بیماری کا علاج اس کی ضد سے کیا جاتا ہے۔ کسی گناہ کی وجہ سے دل پر چھانے والی تاریکی اس گناہ کے مخالف نیکی کے سبب پیدا ہونے والے نور ہی سے ختم ہوتی ہے۔ ہر کام کا متضاد ہی اس کے مناسب ہوتا ہے، لہٰذا چاہئے کہ ہر گناہ کو اس کی متضاد نیکی کے ذریعے مٹایا جائے کہ سفیدی سیاہی کے ذریعے زائل ہوتی ہے گرمی یا ٹھنڈک کے ذریعے نہیں۔ گناہ مٹانے کے معاملے میں یہ تحقیق اور مرحلہ وار عمل نہایت مناسب ہے۔ اس میں گناہوں سے دور ہونے کی امید زیادہ ہے نیز ایک ہی قسم کی عبادت میں مصروفیت کے مقابلے میں یہ طریقہ زیادہ مؤثر اور بہتر ہے اگرچہ وہ بھی گناہوں کے مٹانے میں مؤثر ہے۔

یہ ان حقوق کا بیان ہوا جو بندے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے درمیان ہیں اور یہ بیان اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کسی چیز کا کفارہ اس کی ضد ہوتی ہے۔

رنج والم بھی گناہوں کا کفارہ ہیں:

دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے اور اس کے پیچھے چلنے کا اثر یہ ہے کہ دل اس پر خوشی محسوس کرتا اور اس کا شوق رکھتا ہے تو ضرور مسلمان کو پہنچنے والی ہر وہ تکلیف جس کے سبب اس کا دل دنیا سے اچاٹ ہو جائے وہ اس کے لئے کفارہ ہوگا کیونکہ دل رنج والم کے سبب دنیا سے اچاٹ ہوتا ہے۔ حضور نبیِّ رحمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمان عالیشان ہے: "بعض گناہوں کا کفارہ رنج و غم ہی ہے۔"[1]

ایک رِوایت کے آخر میں ہے: (بعض گناہوں کا کفارہ) روزی کی تلاش میں ملنے والا غم ہے۔[2]

---

1 ...المعجم الاوسط، ۱/ ۴۲، حدیث: ۱۰۲، بتغیر قلیل

2 ...المعجم الاوسط، ۱/ ۴۲، حدیث: ۱۰۲، بتغیر قلیل

اُمّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے مروی حدیث پاک میں ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غیوب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اِذَا کَثُرَتْ ذُنُوْبُ الْعَبْدِ وَلَمْ تَکُنْ لَّہٗ اَعْمَالٌ تُکَفِّرُھَا اَدْخَلَ اللہُ عَلَیْہِ الْھُمُوْمَ فَتَکُوْنُ کَفَّارَۃً لِّذُنُوْبِہٖ یعنی جب بندے کے گناہ زیادہ ہو جاتے ہیں اور اس کے پاس ایسے اعمال نہیں ہوتے جو ان گناہوں کا کفارہ بن سکیں تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے غموں میں مبتلا فرما دیتا ہے جو اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں۔ [1]

کہا جاتا ہے کہ گناہوں کی سیاہی چھا جانے اور ان کی فکروں میں اُلجھنے کے سبب انسان دل کے غم کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہوتا اور دل کا شعور حساب اور اس کی دہشت پر مطلع ہونے سے ہوتا ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر کہا جائے کہ انسان کا غم عام طور پر مال، اولاد اور جاہ و مرتبہ کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہ تو گناہ ہے کفارہ کیونکر بن سکتا ہے؟

جواب: جان لو! ان کی محبت نافرمانی (کی جڑ) ہے اور ان سے محرومی گناہوں کا کفارہ ہے اگر ان سے (خلاف شرع) فائدہ حاصل کیا جائے تو نافرمانی واضح ہو جاتی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت سیِّدُنا جبرائیل عَلَیْہِ السَّلَام قید خانے میں حضرت سیِّدُنا یوسف عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: "آپ نے ان بزرگ (یعنی حضرت یعقوب عَلَیْہِ السَّلَام) کو کس حالت میں چھوڑا؟" حضرت جبرائیل عَلَیْہِ السَّلَام نے جواب دیا: "انہیں آپ کا اس قدر غم ہے کہ جتنا سو عورتوں کو اپنے بچے فوت ہو جانے پر ہوتا ہے۔" آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے پوچھا: "اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں ان کے لئے کیا اجر ہے؟" جبرائیل عَلَیْہِ السَّلَام نے عرض کی: "100 شہیدوں کا ثواب ہے۔"

معلوم ہوا کہ غم بھی حقوق اللہ کی ادائیگی میں کوتاہی کا کفارہ بنتے ہیں۔ یہ ان نافرمانیوں کا حکم ہے جو بندے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے درمیان ہیں۔

---

[1]...مسند امام احمد بن حنبل، مسند سیدۃ عائشۃ، ۹/ ۵۰۰، حدیث: ۲۵۲۹۱، بتغیر قلیل

بندوں کی حق تلفیوں سے توبہ کا طریقہ:

جہاں تک حقوقُ العباد کا تعلق ہے تو ان کے ضائع کرنے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بھی نافرمانی اور حقُ اللہ پر جرأت ہے کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے بندوں پر ظلم کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ جن گناہوں کا تعلق حقوقُ اللہ سے ہے ان کا تدارُک ندامت وافسوس اور مستقبل میں ان سے باز رہنے سے ہوتا ہے نیز وہ نیکیاں اختیار کی جائیں جو ان گناہوں کے مقابل ہیں۔

بندوں کی حق تلفیوں کے کفارے:

اگر لوگوں کو تکالیف دیتا تھا تو اب ان پر احسان کرے، لوگوں کے مال غصب کرنے کا کفارہ یوں ادا کرے کہ حلال مال سے صدقہ کرے، غیبت وعیب جوئی کرکے جن کی عزت پر حملہ کیا اگر وہ دین دار ہوں تو ان کی تعریف کرے اور ان کی اور ان کے دوست احباب کی جو اچھی باتیں معلوم ہوں انہیں بیان کرے[1]، لوگوں کو قتل کرنے کے کفارہ میں غلاموں کو آزاد کرے کہ یہ بھی زندہ کرنا ہے کیونکہ غلام کی پہچان مالک سے ہوتی ہے تو آزاد کرنا گویا وجود بخشنا ہے اور انسان اس سے زیادہ پر قدرت نہیں رکھتا، لہٰذا کسی کو ختم کر دینے کا مقابل (یعنی کفارہ) وجود بخشنا (یعنی غلام آزاد کرنا) ہی ہے۔

گناہ کے کفارے اور اسے مٹانے کے سلسلے میں ہم نے اس کے مخالف اعمال کی جو چند مثلیں بیان کیں اس سے تمہیں جان لینا چاہئے کہ شریعت میں اس کا ثبوت موجود ہے مثلاً قتل کا کفارہ غلام آزاد کرنا رکھا گیا ہے۔ لیکن ان اعمال کو اپنانے کے باوجود انسان اس وقت تک نجات نہیں پاسکتا اور نہ ہی یہ عمل اسے کفایت کرسکتا ہے جب تک بندوں کے حقوق ادا نہ کرے اور حقوقُ العباد کا تعلق عموماً جان، مال، عزت اور دل سے ہوتا ہے یعنی کسی بھی طرح سے پہنچنے والی تکلیف کا تعلق حقوقُ العباد سے ہے۔

1... احناف کے نزدیک (حقوقُ العباد سے چھٹکارے کی صورت یہ ہے): جس کا مال دبایا ہے فرض ہے کہ اتنا مال اسے دے، وہ نہ رہا ہو اس کے وارث کو دے، وہ نہ ہوں فقیر کو دے۔ بے اس کے سبکدوش (یعنی اس کے بغیر بریُ الذمہ) نہیں ہو سکتا۔ اور جسے علاوہ مال کچھ ایذا دی ہو یا بُرا کہا ہو اس سے معافی مانگے یہاں تک کہ وہ معاف کر دے جس طرح ممکن ہو معافی لے۔ وہ نہ رہا ہو اور تھا مسلمان تو اس کے لئے صدقہ و تلاوت و نوافل کا ثواب پہنچاتا رہے، اور کافر تھا تو کوئی علاج نہیں سوا اس کے کہ اپنے رب (عَزَّوَجَلَّ) کی طرف رجوع اور توبہ و استغفار کرتا رہے وہ مالک و قادر ہے۔ (فتاوٰی رضویہ مخرجہ، ۲۴/ ۳۷۹)

قتل کی صورتیں اور ان کا کفارہ:

جہاں تک جانوں کا تعلق ہے تو اگر قتل بطور خطا ہوا ہے تو اس سے توبہ کی صورت یہ ہے کہ دِیَت مستحق تک پہنچائی جائے اب یا تو وہ خود دے یا اس کے ورثا ادا کریں۔ جب تک خون بہا (یعنی دیت) مستحق تک نہ پہنچے قاتل گناہ گار رہے گا[1]۔ اگر جان بوجھ کر قتل کیا ہے جس سے قصاص واجب ہوتا ہے تو قصاص سے توبہ قبول ہوگی۔ اگر (مقتول کے ورثا کو) قاتل کا علم نہ ہو تو اسے (قاتل کو) چاہئے کہ خود جاکر مقتول کے ولی کو بتادے اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کردے، اب اس کی مرضی وہ قتل کرے یا معاف کرے، اس کے بغیر قاتل اس ذمہ سے بری نہ ہوگا۔ قتل کو چھپانا جائز نہیں اور یہ شراب، زنا، چوری، ڈاکہ زنی یا کسی ایسے عمل کی طرح نہیں ہے جس کے ارتکاب سے حد واجب ہوتی ہے کیونکہ ان گناہوں سے توبہ کے لئے خود کو رسوا کرنا اور گناہ سے پردہ اٹھانا ضروری نہیں اور نہ ہی یہ کہ حاکم سے مطالبہ کرے کہ وہ اس سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا حق وصول کرے بلکہ اس پر لازم ہے کہ جس بات کا اللہ عَزَّوَجَلَّ نے پردہ رکھا اسے چھپائے اور اپنے آپ کو طرح طرح کے مجاہدات اور نفس کو تکالیف میں ڈالنے کے ذریعے اپنے اوپر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی حد قائم کرے۔

جہاں تک حقوقُ اللہ کا معاملہ ہے تو اس میں توبہ کرنے والوں اور نادم ہونے والوں کے لئے معافی کی زیادہ امید ہے لیکن پھر بھی اگر وہ اپنا معاملہ حکمران کے پاس لے جائے کہ وہ اس پر حد قائم کرے تو بھی صحیح ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں صحیح مقبول ہوگی۔ اس کی دلیل یہ روایت ہے کہ حضرت سیِّدُنا ماعز بن مالک رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے حضور نبیِّ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں عرض کی: "یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے مجھ سے زنا سرزد ہوگیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم مجھے پاک فرمادیں (یعنی حد جاری فرمادیں)۔" نبیِّ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان کو واپس بھیج دیا۔

---

[1]... دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 1197 صفحات پر مشتمل کتاب بہارِ شریعت، جلد سوم، حصہ 17، صفحہ 753 پر صَدْرُ الشَّرِیْعَہ، بَدْرُ الطَّرِیْقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: قتل خطا کا حکم یہ ہے کہ قاتل پر کفارہ واجب ہے اور اس کے عصبہ پر دیت واجب جو تین سال میں ادا کی جائے گی۔ قتل خطا کی دونوں صورتوں میں اس کے ذمہ قتل کا گناہ نہیں۔ یہ تو ضرور گناہ ہے کہ ایسے آلہ کے استعمال میں اس نے بے احتیاطی برتی، شریعت کا حکم ہے کہ ایسے موقعوں پر احتیاط سے کام لینا چاہئے۔

جب دوسرا دن ہوا تو پھر حاضر ہو کر عرض کی: ''یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! مجھ سے زنا سرزد ہو گیا ہے۔'' آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے دوبارہ واپس کر دیا۔ جب تیسرے دن انہوں نے ایسا کیا تو حضور اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے انہیں حکم سنایا اور ان کے لئے ایک گڑھا کھودا گیا پھر آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے حکم سے ان کو رجم کر دیا گیا۔ اب لوگ ان کے بارے میں دو طرح کی باتیں کرنے لگے۔ ایک گروہ کہتا کہ وہ ہلاک ہوئے اور ان کو ان کے گناہوں نے گھیر لیا جبکہ دوسرا گروہ کہتا کہ ان کی توبہ سے زیادہ سچی توبہ کسی کی نہیں۔ پھر حضور اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ''لَقَدْ تَابَ تَوْبَۃً لَّوْ قُسِّمَتْ بَیْنَ اُمَّۃٍ لَّوَسِعَتْھُمْ یعنی انہوں نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس توبہ کو امت کے درمیان تقسیم کیا جائے تو وہ سب (کی مغفرت) کے لئے کافی ہو۔''[1]

انوکھی توبہ:

غامدیہ (قبیلۂ غامد سے تعلق رکھنے والی ایک عورت) نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی: ''یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! مجھ سے زنا سرزد ہو گیا ہے مجھے پاک فرما دیجئے (یعنی حد جاری فرما دیجئے)۔'' حضور نبیِّ رحمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے انہیں واپس بھیج دیا۔ دوسرے دن انہوں نے عرض کی: ''یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! آپ نے مجھے واپس کیوں بھیج دیا؟ شاید آپ نے مجھے بھی حضرت ماعز کی طرح لوٹانے کا ارادہ فرمایا ہے، اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میں حاملہ ہوں۔'' ارشاد فرمایا: ''ابھی تم جاؤ بچے کی پیدائش ہو جانے دو۔'' جب بچہ پیدا ہوا تو اسے کپڑے میں لپیٹ کر حاضر ہو گئیں اور عرض کی: ''یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! میں نے اس بچے کو جنا ہے۔'' آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ''جاؤ اسے دودھ پلاؤ یہاں تک کہ یہ دودھ چھوڑ کر غذا کھانے لگے۔'' وہ بچے کو پھر لے کر حاضر ہوئیں اور بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا۔ عرض کی: ''یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! اس نے دودھ پینا چھوڑ دیا اور کھانا کھانے لگا ہے۔'' حضور اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے بچہ ایک مسلمان مرد کے حوالے کیا پھر انہیں حکم بیان کیا۔ پس ان کے سینے تک گڑھا کھودا گیا اس کے بعد لوگ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے حکم پر انہیں رجم کرنے لگے (یعنی پتھر مارنے لگے تا کہ وہ مر جائیں)۔ حضرت سیِّدُنا خالد بن ولید رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ ایک پتھر لے کر آئے اور

---

1 ... مسلم، کتاب الحدود، باب من اعترف علی نفسہ بالزنی، ص ۹۳۲، حدیث: ۱۶۹۵

ان کے سر پر مارا جس سے خون کے چھینٹے آپ کے چہرے پر پڑے تو آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے انہیں برا بھلا کہا۔ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت خالد بن ولید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے کلمات سنے تو فرمایا: ”اے خالد ایسا مت کہو! اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ٹیکس وصول کرنے والا بھی ایسی توبہ کرے تو اسے بخش دیا جائے۔“ پھر آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے حکم سے ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور دفن کر دیا گیا۔[1]

قصاص اور حدِّ قَذَف:

جہاں تک قِصاص اور حد قذف کا تعلق ہے تو اس میں ضروری ہے کہ صاحب حق کو اپنے اوپر مکمل اختیار دیا جائے۔ پس اگر کسی کا مال لیا ہے چاہے غصب کیا ہو یا خیانت کی ہو یا پھر کسی قسم کا دھوکا کیا ہو مثلاً کھوٹا سکہ چلا دینا، مبیع (یعنی بیچی جانے والے شے) کا عیب چھپانا، مزدور کی مزدوری میں کمی کرنا یا اسے بالکل اُجرت نہ دینا، ایسے تمام معاملات کے بارے میں نہ صرف بلوغت کے بعد کا بلکہ نابالغی کا بھی حساب لگائے کیونکہ نابالغ بچے کے مال میں جو کچھ واجب ہوتا ہے اگر اس کے ولی نے اس میں کوتاہی کی ہو تو بالغ ہونے کے بعد اس کی ادائیگی اس بچے پر لازم ہے اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو ظالم ہے اس سے مطالبہ کیا جائے گا کیونکہ مالی حقوق میں بچہ اور بالغ برابر ہیں۔

محاسبۂ نفس کا طریقہ:

انسان کو چاہئے کہ (فوراً توبہ کرے اور) قیامت کے دن حساب لئے جانے سے پہلے (دنیا ہی میں) زندگی کے پہلے دن سے توبہ کے دن تک ایک ایک دانے اور ایک ایک پیسے کا حساب کرے اور اپنا تفصیلی محاسبہ کرلے کہ جو شخص دنیا میں اپنے نفس کا محاسبہ نہیں کرتا آخرت میں اسے طویل حساب کا سامنا ہو گا۔ پھر غالب گمان اور ممکن حد تک خوب غور و فکر کرنے کے بعد جو دوسروں کے حقوق حاصل ہوں ان کو لکھ لے اور جن کے حقوق غصب کیے ہیں ان کا بھی ایک ایک کرکے نام لکھ لے۔ پھر شہروں میں گھوم پھر کر انہیں تلاش کرے اور ان سے معاف کروائے یا ان کے حقوق ادا کرے۔

اس طرح توبہ کرنا ظالموں اور تاجروں پر بہت شاق ہے کیونکہ وہ نہ تو معاملہ کرنے والے تمام لوگوں کو

---

[1]...مسلم، کتاب الحدود، باب من اعترف علی نفسہ بالزنی، ص ۹۳۲، حدیث: ۲۲ (۱۶۹۵)

تلاش کرنے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ ہی ان کے ورثا کو ڈھونڈ سکتے ہیں۔

حق داروں سے بچنے کے لئے نیکیوں کی کثرت کرو:

بہر حال ہر شخص پر لازم ہے کہ جس قدر ممکن ہو سکے (حق تلفیوں کا ازالہ) کرے۔ اگر بالکل عاجز آجائے تو صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ خوب نیکیاں کرے تا کہ قیامت کے دن حقدار کا حق ان سے ادا کیا جائے یعنی اس کی نیکیاں لے کر ان لوگوں کے پلڑے میں ڈالی جائیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کی نیکیاں بھی اسی کثرت سے ہوں جس قدر زیادہ اس کے مظالم ہیں کیونکہ اگر اس کی نیکیاں کافی نہیں ہوں گی تو حقداروں کے گناہ اس کے کھاتے میں ڈال دیے جائیں گے یوں وہ دوسروں کے گناہوں کے سبب ہلاک ہو جائے گا۔

حق تلفیوں سے توبہ کرنے والوں کے لئے یہی طریقہ ہے اور اس سے لازم آتا ہے کہ اگر عمر لمبی ہو تو ساری عمر نیکیوں میں گزاری جائے تا کہ عمر بھر لوگوں کے جتنے حقوق ضائع کیے ہیں اس کی مقدار نیکیاں بھی ہوں مگر اس کا علم کسی کو نہیں۔ بعض اوقات موت قریب ہوتی ہے تو تنگ وقت میں نیکیوں کے لئے اتنی جلدی کرے جس قدر وہ کشادہ وقت میں برائیوں کے لئے مُستَعِد تھا۔

یہ ان حقوق کا حکم تھا جو اس کے ذمہ ہیں۔ اگر مال موجود ہے اور اس کے مالک کا بھی علم ہے تو اسے لوٹانا ضروری ہے اور اگر مالک کا علم نہ ہو تو اس مال کو صدقہ کرنا لازم ہے اور اگر حلال مال حرام مال کے ساتھ مل گیا ہے تو حرام مال کی مقدار کا اندازہ کرے اور اتنی مقدار صدقہ کر دے[1] جیسا کہ اس کی تفصیل "حلال وحرام کے بیان" میں گزر چکی۔

---

[1]... سیِّدی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مولانا شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: "وہ جو علماء فرماتے ہیں کہ جس کے پاس مال حرام ہو اور مالک معلوم نہ رہیں یا بے وارث مر جائیں تو ان کی طرف سے تصدّق کر دے اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ صدقہ مقبولہ ہے یا ارادۂ خود میں صرف کرنا ٹھہرے گا یا اس پر اِنْفَاقٌ فِیْ سَبِیْلِ الله کا ثواب پائے گا بلکہ وجہ یہ ہے کہ جب اس میں تصرف حرام ہو اور مالک تک پہنچا نہیں سکتا ناچار اس کی نیت سے فقیر کو دے دے کہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے پاس امانت رہے اور وہ روز قیامت مالک کو پہنچا دے۔" مزید فرماتے ہیں کہ عالمگیریہ میں ہے: "لَوْتَصَدَّقَ عَلٰی فَقِیْرٍ شَیْئًا مِّنَ الْمَالِ الْحَرَامِ وَیَرْجُوا الثَّوَابَ یَکْفُرُ...الخ۔ اگر فقیر پر حرام مال میں سے کچھ صدقہ کیا اور ثواب کی امید رکھتا ہے تو وہ کافر ہو جائے گا...الخ۔"
(فتاوی رضویہ مخرجہ، ۲۱/ ۱۰۸تا۱۱۰)

دل دکھانے والا بھی آزمائش میں ہے:

اگر کسی کے دل کو چوٹ پہنچائی ہے اس طرح کہ لوگوں کے سامنے اسے برا بھلا کہا یا اس کی پیٹھ پیچھے اسے عیب لگایا تو جس جس کو زبان یا کسی فعل سے تکلیف دی یا دل دکھایا ان سب کو تلاش کرے اور ہر ایک سے ان کے ضائع کردہ حقوق کی معافی مانگے۔ جو لوگ فوت ہو گئے یا ایسے غائب ہو گئے کہ ان کی کچھ خبر نہیں تو ان کی حق تلفیوں کا تدارُک یہی ہے کہ کثرت سے نیکیاں کرے تاکہ قیامت کے دن وہ اس کے گناہوں کا بدلہ ہو سکیں۔ البتہ جو شخص مل جائے اور وہ خوش دلی سے اسے معاف کر دے تو یہ اس گناہ کا کفارہ ہے اور اسے چاہئے کہ اس شخص کو بتا دے اس نے کس قدر جرم کیا ہے۔ وضاحت کے بغیر مبہم طور پر معافی کافی نہیں ہے کیونکہ بعض اوقات جب کسی کو زیادتیوں کی کثرت کا علم ہوتا ہے تو وہ خوش دلی سے معاف کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا اور یہ اذیتیں قیامت کے دن کے لئے جمع کر لی جاتی ہیں پھر ان کے بدلے میں ظالم کی نیکیاں لے لی جاتی ہیں یا پھر مظلوم کے گناہوں کا بوجھ ظالم کے سر ڈال دیا جاتا ہے۔

اگر کسی کے جملہ جرائم میں ایسے جرم بھی ہوں جن کا تعلق حقوقُ العباد سے ہے اور ان کے ذکر کرنے یا اس شخص کو بتانے سے اسے اذیت پہنچتی ہے مثلاً کسی کی لونڈی یا بیوی سے زنا کرنا یا اس کے خفیہ عیوب میں سے کسی کو زبان پر لانا۔ ان گناہوں کا ذکر کرنے سے سامنے والے کی تکلیف بڑھ جاتی ہے بلکہ بعض اوقات تو ایسے معاملات میں معافی مانگنے کا راستہ بھی بند ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں گناہوں کا ذکر کئے بغیر معافی مانگے[1]۔ اب جو ظلم و زیادتی اس کے ذمہ رہ جائے گی اسے مرنے والے اور غائب ہو جانے والے کے معاملے

[1]...یوں کہنا کہ "جو کہا سنا ہے معاف کرو" اصلاً کافی نہیں کہ زنا کہے سنے میں داخل نہیں اور یوں کہنا کہ "میں نے جو تیرا گناہ کیا ہے معاف کر دے" یہ اگر ایسی تعمیموں کے ساتھ کہا کہ زنا کو بھی شامل ہوا اور اس نے اسی عموم کے طور پر معاف کیا تو معاف ہو گیا اور اگر اتنے ہی گول مجمل لفظ تھے جس سے اس کا ذہن ایسی بڑی بات کی طرف نہ جا سکے ہلکی باتیں مثلاً بُرا بھلا کہنا غیبت کرنا یا کچھ مال دبا لینا ان کی طرف ذہن جائے تو یہ معافی انہیں باتوں کے لئے خاص رہے گی اور قول اظہر پر زنا کو شامل نہ ہو گی لہٰذا اسے اس سے یوں کہنا چاہئے کہ دنیا میں ایک مرد دوسرے کا جس جس قسم کا گناہ کر سکتا ہے جسم یا جان یا مال یا آبرو وغیرہ وغیرہ کے متعلق اُن سب میں چھوٹے سے چھوٹا یا بڑے سے بڑا جو کچھ بھی مجھ سے تمہارے حق میں واقع ہوا سب لِوَجْہِ اللّٰہ معاف کر دو، اور اس تعمیم کو خوب اس کے ذہن میں کر دے اور اس کے بعد وہ صاف معاف کرے تو امید واثق ہے کہ اِنْ شَآءَ اللّٰہ تعالٰی معاف ہو جائے۔ (فتاویٰ رضویہ مخرجہ، ۲۴/ ۳۷۲)

کی طرح نیکیوں کے ذریعے پورا کرے۔

حقُ العبد معاف کروانے کا طریقہ:

یاد رہے! گناہ کو ذکر کرنا اور دوسروں کو اس پر آگاہ کرنا ایک نیا گناہ ہے جس کی الگ معافی مانگنا پڑے گی۔ البتہ! جس کا حق تلف کیا ہے اس کے سامنے بیان کرے لیکن اگر وہ معاف کرنے پر راضی نہ ہوا تو گناہ اِس کے ذمہ باقی رہے گا کیونکہ معاف نہ کرنا اس کا حق ہے۔ اِسے چاہئے کہ اُس سے نرمی کا سلوک کرے، اس کے کام کاج اور ضروریات میں مدد کرے اور اس سے محبت اور شفقت کا اظہار کرے تاکہ اُس کا دل اِس کی طرف مائل ہو کہ (مشہور مقولہ ہے) انسان احسان کا غلام ہے۔

جو شخص برائی کے سبب دور ہوتا ہے وہ نیکی کے ذریعے مائل ہو جاتا ہے۔ پس جب محبت وشفقت کی کثرت ہو گی اور اس وجہ سے اُس کا دل خوش ہو گا تو وہ خود معاف کرنے پر تیار ہو جائے گا لیکن اگر وہ اس کے باوجود معاف نہ کرنے پر اصرار کرے تو ممکن ہے کہ اس سے نرمی وشفقت کا سلوک اور عذر پیش کرنا مجرم کی ان نیکیوں میں شمار ہو جائے جن کے ذریعے قیامت کے دن اس کی زیادتیوں کا بدلہ چکایا جائے۔ بہر حال اِسے چاہئے کہ محبت وشفقت کے ذریعے اُسے خوش کرنے کی کوشش اسی طرح کرتا رہے جس طرح اُسے تکلیف پہنچانے میں کوشش کرتا رہا یہاں تک کہ ایک عمل دوسرے کے برابر یا اس سے زائد ہو جائے تو بروز قیامت بحکمِ الٰہی بدلے میں اِس کا یہ عمل قبول کر لیا جائے گا جیسے کوئی شخص دنیا میں کسی کا مال ہلاک کر دے پھر اس کی مثل لائے لیکن مال کا مالک اسے قبول کرنے یا معاف کرنے سے انکار کر دے تو حاکم اس مال پر قبضہ کرنے کا فیصلہ دے گا چاہے وہ قبول کرے یا نہ کرے۔ اسی طرح میدانِ قیامت میں سب سے بڑا حاکم اور سب سے زیادہ انصاف کرنے والا اللہ عَزَّوَجَلَّ حکم جاری فرمائے گا۔

کبھی اچھا عمل نہ کرنے والے کی مغفرت:

حضرت سیِّدُنا ابو سعید خدری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے کہ حضور نبیِّ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”تم سے پہلی اُمتوں میں ایک شخص نے ننانوے قتل کئے تھے۔ پھر اس نے سب سے بڑے عالم کے بارے میں لوگوں سے پوچھا۔ لوگوں نے ایک راہب کی طرف اس کی راہ نمائی کی۔ وہ اس کے پاس

آیا اور بتایا کہ اس نے ننانوے قتل کئے ہیں کیا اس کی توبہ قبول ہو گی؟ راہب نے جواب دیا: نہیں۔ اس شخص نے اسے بھی قتل کر دیا یوں اس کے پورے سو قتل ہو گئے۔ پھر کسی بڑے عالم کے بارے میں پوچھا تو ایک عالم کی طرف اس کی راہ نمائی کی گئی۔ اس نے عالم کو بتایا کہ اس نے سو قتل کیے ہیں کیا اس کی توبہ قبول ہو گی؟ عالم صاحب نے کہا: ہاں! تمہارے اور تمہاری توبہ کے درمیان کون حائل ہو سکتا ہے۔ فلاں علاقے کی طرف جاؤ، وہاں کچھ لوگ ہیں جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کرتے ہیں، تم بھی ان کے ساتھ مل کر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کرو اور اپنے علاقے کی طرف واپس نہ آنا کیونکہ وہ برا علاقہ ہے۔ وہ چلا گیا۔ جب آدھا راستہ طے کر چکا تو اسے موت آ گئی۔ اب رحمت اور عذاب کے فرشتے اس کے بارے میں جھگڑنے لگے، رحمت کے فرشتے کہنے لگے کہ یہ شخص صدقِ دل سے توبہ کر کے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف جا رہا تھا اور عذاب کے فرشتوں نے کہا کہ اس نے کبھی کوئی اچھا عمل نہیں کیا۔ اسی اثنا میں ان کے پاس ایک فرشتہ انسانی صورت میں آیا۔ انہوں نے اپنا فیصلہ کرنے کے لئے اسے حکم بنا لیا۔ اس نے کہا دونوں طرف کی زمینوں کی پیمائش کرو جس علاقے کے قریب ہو گا اسی سے قرار دیا جائے گا۔ انہوں نے زمین کی پیمائش کی تو دیکھا کہ جس طرف کا اس نے قصد کیا تھا وہ اس زمین کے زیادہ قریب تھا۔ چنانچہ رحمت کے فرشتوں نے اسے لے لیا۔[1]

ایک روایت میں ہے کہ "وہ ایک بالشت نیک لوگوں کی بستی کے زیادہ قریب تھا۔ چنانچہ اسے ان میں سے قرار دیا گیا۔"[2]

جبکہ ایک روایت میں ہے: "اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس (پہلی زمین) سے فرمایا دور ہو جا اور اس (نیک لوگوں کی بستی) سے فرمایا قریب ہو جا اور فرشتوں سے فرمایا ان دونوں کے درمیان فاصلے کی پیمائش کرو۔ چنانچہ انہوں نے اسے ایک بالشت (نیکوں کی بستی کے) زیادہ قریب پایا تو اس کی بخشش فرما دی گئی۔[3]

---

1 ...مسلم، کتاب التوبۃ، باب قبول التوبۃ القاتل وان کثر قتلہ، ص۱۴۷۹، حدیث: ۲۷۶۶
صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء باب ۵۲، ۲/ ۴۶۶، الحدیث: ۳۴۷۰، مختصرًا

2 ...مسلم، کتاب التوبۃ، باب قبول التوبۃ القاتل وان کثر قتلہ، ص۱۴۷۹، حدیث: ۲۷۶۶
صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء باب ۵۲، ۲/ ۴۶۶، الحدیث: ۳۴۷۰

3 ...مسلم، کتاب التوبۃ، باب قبول التوبۃ القاتل وان کثر قتلہ، ص۱۴۷۹، حدیث: ۲۷۶۶
صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء باب ۵۲، ۲/ ۴۶۶، الحدیث: ۳۴۷۰

اس سے معلوم ہوا کہ نیکیوں کے پلڑے کے بھاری ہوئے بغیر چھٹکارے کی صورت نہیں اگرچہ ذرّہ برابر ہی بھاری ہو۔ لہٰذا توبہ کرنے والے کو کثرت سے نیکیاں کرنی چاہئیں۔ یہ ماضی میں ہونے والے اعمال سے توبہ کا قصد وارادہ کرنے کا حکم ہے۔

تکمیل توبہ کے لئے ضروری اُمور:

جہاں تک مستقبل کے عزائم کا تعلق ہے تو ضروری ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے پکا وعدہ کرے اور پختہ عہد کرے کہ آئندہ نہ تو کبھی ان گناہوں کی طرف آئے گا اور نہ ہی ان جیسے دوسرے گناہوں کا مُرتکِب ہو گا جیسا کہ ایک بیمار شخص جو جانتا ہے کہ بیماری میں اسے پھل نقصان دے گا تو وہ نہایت پختہ عہد کرتا ہے کہ جب تک اس کی بیماری دور نہیں ہو جاتی وہ پھل نہیں کھائے گا۔ فی الحال اس کا یہ عزم پختہ ہونا چاہئے اگرچہ یہ ممکن ہے کہ مستقبل میں پھر کبھی اس پر خواہش غالب آجائے۔ لیکن جب تک فی الحال اس کا ارادہ پکا نہ ہو گا وہ توبہ کرنے والا شمار نہیں ہو گا۔ توبہ کرنے کے بعد فی الحال اسے اپنی توبہ پوری کرنے کے لئے درج ذیل امور پر عمل پیرا ہونا ہو گا: تنہائی اختیار کرنا، خاموش رہنا، کم کھانا، کم سونا اور حلال رزق بقدر کفایت جمع کرنا۔

اگر وراثت میں حلال مال ملا ہے یا اس کا کوئی پیشہ ہے جس سے بقدر ضرورت کماتا ہے تو اسی پر قناعت کرنا کیونکہ گناہوں کی جڑ حرام مال کھانا ہے اور حرام مال جمع کرنے والا کیسے توبہ کر سکتا ہے؟ جو شخص کھانوں اور لباس کے سلسلے میں خواہش کو چھوڑنے پر قادر نہیں ہوتا وہ نہ تو حلال پر اکتفا کر سکتا ہے اور نہ ہی شبہات والی چیزوں کو چھوڑ سکتا ہے۔

دوبارہ کبھی گناہ میں مبتلا نہ ہونے کا نسخہ:

کسی بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کا قول ہے: جو شخص سچے دل سے خواہش کو چھوڑے اور سات مرتبہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے اپنے نفس سے جہاد کرے وہ اس خواہش میں مبتلا نہیں ہو گا۔

ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: جو انسان کسی گناہ سے توبہ کرے پھر سات سال تک اپنی توبہ پر قائم رہے وہ کبھی اس گناہ کی طرف نہ لوٹے گا۔

توبہ کرنے والے کے بارے میں دو مؤقف:

توبہ کرنے والے کے لئے اہم امور میں سے یہ بھی ہے کہ اگر وہ عالِم نہ ہو تو اس بات کا علم حاصل کرے کہ مستقبل میں اس پر کیا واجب ہے اور کیا حرام ہے یہاں تک کہ اس کے لئے استقامت ممکن ہو۔ اگر وہ تنہائی اختیار کرنے کو ترجیح نہیں دے گا تو اسے مکمل طور پر گناہوں سے چھٹکارے پر استقامت حاصل نہیں ہوگی اگرچہ بعض گناہوں سے توبہ کرلے گا۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو چند گناہوں مثلاً شراب نوشی، زنا اور مال غصب کرنے سے توبہ کرلے۔ یہ مکمل توبہ نہیں۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ توبہ صحیح نہیں اور بعض کہتے ہیں یہ توبہ صحیح ہے۔ اس مقام پر صرف صحیح یا غلط کہہ دینا ناکافی ہے بلکہ ہم کہتے ہیں جو اس توبہ کی صحت کا انکار کرتا ہے اس سے پوچھا جائے کہ صحیح نہ ہونے سے تمہاری کیا مراد ہے؟ اگر تمہاری مراد یہ ہے کہ بعض گناہ چھوڑنے سے اسے کوئی فائدہ نہیں ہوتا بلکہ ایسی توبہ کا ہونا نہ ہونا برابر ہے تو تم بہت بڑی غلطی پر ہو کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ گناہوں کا زیادہ ہونا عذاب کے زیادہ ہونے کا سبب بنتا ہے اور گناہوں کی کمی عذاب کی کمی کا باعث ہے۔ جو کہتا ہے کہ یہ توبہ صحیح ہے اس سے کہا جائے اگر تمہاری مراد یہ ہے کہ بعض گناہوں سے توبہ ایسی قبولیت کا باعث ہے جو نجات یا کامیابی تک پہنچاتی ہے تو یہ بھی خطا ہے بلکہ نجات اور کامیابی تو تمام گناہوں کو چھوڑ دینے میں ہے۔ یہ حکم ظاہر کے مطابق ہے اور ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پوشیدہ رازوں کے متعلق گفتگو نہیں کرتے، انہیں میں سے ایک عفو و درگزر بھی ہے۔

ندامت کے بغیر توبہ ادھوری ہے:

اگر کوئی کہتا ہے کہ یہ (یعنی بعض گناہوں سے) توبہ صحیح نہیں اور توبہ سے میری مراد ندامت ہے اور جو شخص چوری کرنے پر چوری کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لئے نادم ہوتا ہے کہ یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی ہے تو یہ بات محال ہے کہ وہ چوری پر تو نادم ہو لیکن زنا پر شرمندہ نہ ہو۔ اگر اس کی پریشانی کا سبب گناہ سرزد ہو جانا ہے تو یہ علت زنا اور چوری دونوں کو شامل ہے۔ جس آدمی کو اپنے بیٹے کا تلوار سے قتل ہونا دکھ دیتا ہے اس کے لئے بیٹے کا چھری سے قتل ہونا بھی دردآمیز ہوتا ہے کیونکہ اس کی پریشانی کی وجہ تو اس کے پیارے بیٹے کا چلا جانا ہے چاہے وہ تلوار کے ذریعے ہو یا چھری کے ذریعے۔ پس جس طرح بندے کو اپنے پیارے کے چلے

جانے کا دکھ ہوتا ہے اسی طرح نافرمانی کی وجہ سے بھی ہوتا ہے چاہے وہ نافرمانی چوری ہو یا زنا۔ تو بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ بعض گناہوں پر تو دکھ ہو اور بعض پر نہ ہو!

ندامت ایک ایسی حالت ہے جو اس بات کو جان لینے کے بعد طاری ہوتی ہے کہ نافرمانی گناہ ہونے کی وجہ سے محبوب کو ضائع کرنے کا باعث ہے اور بعض گناہوں پر نادم ہونا اور بعض پر نہ ہونا متصور نہیں اگر یہ بات جائز ہوتی تو شراب کے دو مٹکے ہونے کی صورت میں ایک مٹکے سے توبہ کرنا اور دوسرے سے نہ کرنا جائز ہوتا مگر یہ بات محال ہے کیونکہ دونوں مٹکوں کی شراب میں گناہ یکساں ہے مٹکے تو محض برتن ہیں۔ پس گناہوں کا معاملہ بھی اسی طرح ہے کہ وہ سب اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی کے آلات ہیں اور نافرمانی چاہے کسی بھی طریقے سے ہو اصلاً وہ ایک ہی چیز (یعنی نافرمانی) ہے۔ اس صورت میں توبہ کے صحیح نہ ہونے کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے توبہ کرنے والوں سے ایک مقام و مرتبہ کا وعدہ فرمایا ہے اور وہ رتبہ ندامت کے بغیر نہیں پایا جاسکتا اور یہ متصوّر نہیں کہ (باعتبار نافرمانی) ایک جیسے امور میں سے بعض پر ندامت ہو اور بعض پر نہ ہو۔ اس کی مثال ایجاب و قبول کے بعد ملک حاصل ہونے کی طرح ہے کہ جب تک ایجاب و قبول مکمل نہ ہو ہم یہی کہیں گے کہ عقد صحیح نہیں یعنی اب تک عقد کا نتیجہ اور ملکیت حاصل نہیں۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ گناہ سے باز آجانے کا فائدہ یہی ہے کہ جتنے گناہ چھوڑے ان کے عذاب سے محفوظ رہے گا جبکہ ندامت کا فائدہ یہ ہے کہ گزشتہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔ پس چوری سے باز آجانے سے گزشتہ چوری کا کفارہ ادا نہیں ہوگا بلکہ اس پر ندامت ہونا ضروری ہے اور ندامت اسی وقت متصوّر ہے کہ جب اسے گناہ سمجھے اور اس بات میں تمام گناہ یکساں ہیں۔ یہ ایسا کلام ہے جو سمجھا جانے والا اور حقیقت پر مبنی ہے اور انصاف پسند اس کی ایسی تفصیل بیان کرتا ہے جس سے سارے پردے ہٹ جاتے ہیں۔

توبہ کی تین صورتیں:

ہم (یعنی سیِّدُنا امام غزالی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَالِی) کہتے ہیں کہ بعض گناہوں سے توبہ کرنے اور بعض سے نہ کرنے کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں: (۱) کبیرہ گناہوں سے توبہ کی جائے اور صغیرہ سے نہیں۔ (۲) بعض کبیرہ گناہوں سے توبہ کی جائے اور بعض سے نہیں۔ (۳) صغیرہ سے توبہ کی جائے اور کبیرہ سے نہیں۔

پہلی صورت:

جہاں تک کبیرہ گناہوں سے توبہ کرنے اور صغیرہ سے نہ کرنے کا تعلق ہے تو یہ صورت ممکن ہے کیونکہ انسان جانتا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے دربار میں کبیرہ گناہوں کا وبال زیادہ ہے اور وہ جلد اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ناراضی وعذاب کا سبب بنتے ہیں جبکہ صغیرہ گناہ معافی کے زیادہ لائق ہیں۔ تو بڑے گناہ سے توبہ کرنا اور اسی پر نادم ہونا کوئی محال بات نہیں بلکہ یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص بادشاہ اور اس کی بیوی کے خلاف جرم کا مرتکب ہو جائے اور اس کے جانور پر بھی ظلم کر بیٹھے تو وہ بادشاہ کے گھر والوں کے حوالے سے کیے گئے جرم سے خوف زدہ رہتا ہے اس کے مقابلے میں جانور پر کیے گئے ظلم کو معمولی گمان کرتا ہے۔ ندامت اسی قدر زیادہ ہوتی ہے جس قدر انسان گناہ کو بڑا اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ سے دور کرنے والا گمان کرتا ہے۔ شریعت میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ گزشتہ زمانوں میں کتنے ہی توبہ کرنے والے گزرے ان میں سے کوئی بھی معصوم نہ تھا۔ توبہ کے لئے معصوم ہونا ضروری نہیں ہے۔ طبیب بعض اوقات مریض کو شہد کھانے سے نہایت سختی سے منع کرتا ہے جبکہ شکر سے بھی منع کرتا ہے مگر اس میں کچھ نرمی برتتا ہے کیونکہ طبیب جانتا ہے کہ بعض اوقات شکر کا نقصان بالکل ظاہر نہیں ہوتا۔ تو مریض طبیب کی بات مان کر شہد کھانے سے توبہ کرلیتا ہے مگر شکر سے توبہ نہیں کرتا۔ اس طرح کی مثال کا پایا جانا بالکل ممکن ہے اگر مریض اپنی خواہشات کے چنگل میں آکر شہد اور شکر دونوں کھالے تو اسے شہد کھانے پر ندامت ہوگی نہ کہ شکر کے استعمال پر۔

دوسری صورت:

توبہ کی ایک صورت یہ ہے کہ بعض کبیرہ گناہوں سے توبہ کی جائے اور بعض سے نہ کی جائے۔ یہ صورت بھی ممکن ہے کیونکہ ہوسکتا ہے انسان بعض کبیرہ گناہوں کے بارے میں یہ گمان کرے کہ یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک زیادہ سخت اور بڑے ہیں۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو قتل، لوٹ مار، ظلم اور بندوں کے حقوق ضائع کرنے سے توبہ کرلے یہ جاننے کے بعد کہ بندوں کے حقوق کسی صورت معاف نہ ہوں گے جبکہ بندے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے درمیانی معاملہ میں عفو و درگزر کی امید زیادہ ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ توبہ کرنے والا کبیرہ گناہوں کے درمیان ایسا تفاوُت گمان کرے جیسا کہ کبیرہ اور صغیرہ گناہوں میں ہے کیونکہ خود کبیرہ گناہوں میں بھی

تفاوُت ہے اور ان کے مرتکب لوگوں کی سوچیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ اسی لئے انسان بعض اوقات ان کبیرہ گناہوں سے توبہ کرتا ہے جن کا حقوقُ العباد سے کوئی تعلق نہیں مثلاً وہ شراب سے توبہ کرتا ہے لیکن زنا سے توبہ نہیں کرتا کیونکہ وہ اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے کہ شراب تمام برائیوں کی چابی ہے اور یہ کہ جب عقل زائل ہو جائے تو وہ تمام گناہوں کا ارتکاب کر بیٹھے گا اور اسے علم تک نہیں ہو گا پس اس کے نزدیک شراب نوشی کا نقصان زیادہ ہونے کا خوف اسے مستقبل میں شراب نوشی نہ کرنے پر ابھارتا ہے اور گزشتہ فعل پر نادم کرتا ہے۔

تیسری صورت:

توبہ کی ایک صورت یہ ہے کہ انسان کسی ایک یا زیادہ صغیرہ گناہوں سے توبہ کرے جبکہ کبیرہ کو کبیرہ جانتے ہوئے اس پر ڈٹا رہے۔ مثلاً ایک شخص غیبت (1) یا نامحرم (2) کی طرف دیکھنے یا اسی کی مثل کسی دوسرے گناہ سے توبہ کرلے لیکن شراب نوشی پر ڈٹا رہے۔ ایسا ممکن ہے کیونکہ ہر مومن اپنے گناہوں کے معاملے میں خوف زدہ اور اپنے افعال پر نادم ہوتا ہے چاہے کم ہو یا زیادہ لیکن جس گناہ پر انسان ڈٹا رہے اُس میں اس کی لذّتِ نفس زیادہ مضبوط ہوتی اور اس کے سبب پیدا ہونے والا قلبی دکھ اور درد کم ہوتا ہے اور اس کی وجہ جہالت و غفلت ہیں جو قلبی خوف کو کم کرتے ہیں اور وہ اسباب ہیں جو شہوات کو قوت بخشتے ہیں۔ ایسی صورت میں ندامت موجود تو ہوتی ہے لیکن عزم و ارادہ کرنے پر قادر نہیں ہوتی اور نہ ہی اس لذت نفس سے زیادہ طاقت ور ہوتی ہے جبکہ اگر انسان خواہش کو چھوڑ دے تو اس کا قلبی خوف قوی ہو جاتا ہے اور قلبی خوف اس کمزور شہوت پر غالب آجاتا ہے اور گناہ چھوڑنے پر ابھارتا ہے۔

فاسق شخص اور شیطان:

بعض اوقات فاسق شخص کو شراب کی بری عادت اس قدر سخت ہوتی ہے کہ وہ اسے چھوڑ نہیں پاتا اس

---

(1)... حضرتِ سیِّدُنا امام محمد غزالی، حضرتِ سیِّدُنا جلال بلقینی اور صاحب العدہ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے غیبت کو صغیرہ گناہ قرار دیا ہے۔

(الزواجر عن اقتراف الکبائر، الکبیرۃ الثامنۃ والتاسعۃ والاربعون بعد المائتین، ۲/ ۲۶)

(2)... شہوت ہونے کی صورت میں نامحرم کو دیکھنا کبیرہ گناہ ہے، اگر شہوت و فتنے کا خوف نہ ہو تو کبیرہ گناہ نہیں۔

(ماخوذ من الزواجر عن اقتراف الکبائر، الکبیرۃ الثانیۃ والاربعون والثالثۃ والاربعون والرابعۃ والاربعون بعد المائتین، ۲/ ۸)

کے علاوہ غیبت، عیب جوئی اور غیر محرم کی طرف دیکھنے جیسی بری عادات بھی ہوتی ہیں اور ساتھ ہی وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا خوف بھی رکھتا ہے لیکن یہ خوف اتنا ہوتا ہے کہ اس سے کمزور خواہش کا تو قلع قمع ہو جاتا ہے لیکن مضبوط خواہش سے کنارہ نہیں کیا جاسکتا۔ ایسی صورت میں خوف کا کوئی لشکر آکر اسے اس گناہ اور مضبوط شہوت کو چھوڑنے پر نہیں ابھارے گا بلکہ فاسق شخص خود اپنے دل میں کہے کہ اگر شیطان غلبۂ شہوت کے واسطے سے بعض گناہوں میں مجھ پر غالب آگیا تو مجھے اس کے رستے کھلے کرکے اور لگام بالکل ڈھیلی چھوڑ کر مکمل طور پر خود کو اس کے قابو میں نہیں دینا چاہئے بلکہ مجھے بعض گناہوں میں اس کا مقابلہ کرنا چاہئے ہو سکتا ہے میں اس پر غالب آجاؤں تو میرا یہ غالب آنا میرے بعض گناہوں کا کفارہ ہو گا۔

اگر اس صورت کا تصور نہیں کیا جاسکتا تو فاسق کے لئے یہ بھی متصوّر نہ ہوتا کہ وہ نماز پڑھے اور روزہ رکھے بلکہ اس سے کہا جاتا کہ اگر تمہاری نماز غیرُاللہ کے لئے ہے تو وہ اصلاً ہی درست نہیں اور اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کے لئے فسق کو بھی چھوڑ دو کیونکہ نیکی کرنے اور گناہ سے بچنے کے معاملے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کا حکم یکساں ہے پس تمہارا اپنی نماز کے ذریعے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قرب پانے کا ارادہ کرنا اس وقت تک متصوّر نہیں جب تک تم گناہ نہ چھوڑو۔ حالانکہ یہ محال ہے اس طرح کہ فاسق کہے گا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے مجھ پر دو حکم ہیں اور ان دونوں کو بجانہ لانے پر میرے لئے دو سزائیں ہیں، ان میں سے ایک کی بجا آوری کے لئے تو میں شیطان کو مغلوب کرنے پر قادر تھا جبکہ دوسرے میں عاجز تھا لہٰذا جس حکم کی بجا آوری کے لئے شیطان کو مغلوب کرنے پر قادر تھا میں نے اسے مغلوب کر دیا اور اپنے اس مجاہدے کے سبب میں امید کرتا ہوں یہ میرے ان گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا جن کی بجا آوری سے میں کثرت شہوت کے سبب عاجز رہا اور بھلا اس بات کا تصور کیسے ناممکن ہو سکتا ہے جبکہ ہر مسلمان کی یہ حالت ہے کیونکہ ہر مسلمان اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت بھی کرتا ہے اور نافرمانی بھی اور اس کا سبب یہی بات ہے۔

اگر اس بات کو سمجھ لیا جائے تو یہ بھی سمجھ آجائے گا کہ بعض گناہوں کے معاملے میں شہوت کے مقابلے میں خوف کا غالب آجانا ممکن ہے اور خوف اگر گزشتہ عمل سے متعلق ہو تو وہ ندامت کا سبب بنتا ہے اور ندامت عزم وارادے کو جنم دیتی ہے۔ حضور نبیِّ اکرم شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد

فرمایا: ''اَلنَّدَمُ تَوْبَةٌ یعنی نادم ہو جانا توبہ ہے۔''[1] لیکن ہر گناہ پر ندامت شرط نہیں کہ ایک حدیثِ پاک ''اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ[2]''[3] ہے یہ نہیں فرمایا: ''اَلتَّائِبُ مِنَ الذُّنُوْبِ كُلِّهَا'' (یعنی تمام گناہوں سے توبہ کا ذکر نہیں بلکہ ''اَلذَّنْبُ'' واحد کا ذکر ہے)۔

اِس تفصیل سے اس قول کا ساقط ہونا واضح ہو گیا کہ ''بعض گناہوں سے توبہ ناممکن ہے کیونکہ گناہ خواہش ابھارنے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ناراضی کا باعث بننے میں برابر ہوتے ہیں۔'' بلکہ یہ ممکن ہے کہ انسان شراب پینے سے توبہ کرے لیکن نبیذ[4] سے توبہ نہ کرے کیونکہ ناراضی کا باعث بننے میں دونوں مختلف ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ کثیر گناہوں سے توبہ کی جائے اور قلیل سے نہ کی جائے کیونکہ گناہوں کی کثرت زیادہ عذاب کا سبب ہے۔ پس اسی قدر خواہش (عذاب) کا باعث بنتی ہے جسے مغلوب کرنے سے انسان عاجز ہوتا ہے اور بعض خواہشات کو وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رضا کے لئے چھوڑ دیتا ہے جیسے کسی مریض کو طبیب پھل کھانے سے منع کرے تو وہ تھوڑا سا کھالیتا ہے مگر زیادہ کھانے سے گریز کرتا ہے۔

معلوم ہوا یہ ناممکن ہے کہ انسان کسی گناہ سے توبہ کرے اور اسی کی مثل دوسرے گناہ سے توبہ نہ کرے بلکہ جس گناہ سے اس نے توبہ کی ہے ضروری ہے کہ وہ اس کے خلاف ہو گا جو ابھی باقی ہے اور یہ اختلاف گناہ کی شدت یا غلبۂ شہوت کے اعتبار سے ہو گا اور یہ تفاوت واختلاف جب توبہ کرنے والے کے ذہن میں حاصل ہو تو خوف اور ندامت کے اعتبار سے اس کی حالت مختلف ہونے کا تصور بھی کیا جاسکتا ہے اور گناہ چھوڑنے کے اعتبار سے بھی اس کی حالت مختلف ہونے کا تصور ممکن ہے۔ پس کسی انسان کا گناہ پر نادم ہونا اور ترکِ گناہ کے عزم کو پایہ تکمیل تک پہنچانا اسے ان لوگوں کے ساتھ ملا دیتا ہے جو گناہ نہیں کرتے اگرچہ وہ تمام احکامات میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت نہیں کرتا۔

---

1 ... سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب ذكر التوبة، ۴/ ۴۹۲، حديث: ۴۲۵۲

2 ... یعنی گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

3 ... سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب ذكر التوبة، ۴/ ۴۹۱، حديث: ۴۲۵۰

4 ... وہ مشروب جس میں کھجوریں ڈالی جائیں جس سے پانی میٹھا ہو جائے مگر (اعضاء کو) سست کرنے والا اور نشہ آور نہ ہو، نشہ آور ہو تو اس کا پینا حرام ہے۔ (فتاوی قاضی خان (خانیہ)، كتاب الطهارة، فصل فی ما لا یجوز التوضی، ۱/ ۹)

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر تم کہو کیا عِنِّیْن [1] کی توبہ زنا سے درست ہے جو اس نے اس بیماری سے پہلے کیا ہو؟

جواب: میں کہتا ہوں اس کی توبہ درست نہیں کیونکہ توبہ ایسی ندامت کا نام ہے جو بندے کو گناہ پر قادر ہونے کے باوجود اس سے رکنے کا مضبوط عزم دیتی ہے اور جو بندہ گناہ پر قادر ہی نہیں اس کے لئے گناہ کا امکان خود ہی ختم ہو جاتا ہے نہ کہ اس کے چھوڑنے سے۔ لیکن اگر اس بیماری کے بعد اسے ایسا کشف اور ایسی معرفت حاصل ہو جس کے سبب گزشتہ گناہ کا نقصان واضح ہو جائے اور اس معرفت سے گناہوں کے خلاف جلن، افسوس اور ندامت پیدا ہو یہاں تک کہ اگر اسے جماع کی خواہش باقی ہو تو ندامت کی تپش اس خواہش کا قَلَع قَمَع کر دے اور اس پر غالب آجائے تو پھر مجھے امید ہے کہ یہ اس کے گناہ کا کفارہ اور اسے مٹانے کا سبب بنے کیونکہ اس بات میں اختلاف نہیں ہے کہ اگر وہ عِنِّیْن ہونے سے پہلے توبہ کرے اور اس کے بعد فوراً اس کی موت واقع ہو جائے تو وہ توبہ کرنے والوں میں شمار ہو گا اگرچہ اس پر ایسی حالت طاری نہ ہوئی ہو جس میں شہوت بھڑک اٹھے اور اسے پورا کرنے کے اسباب کا میسر ہونا آسان ہو کیونکہ اس نے توبہ ایسی ندامت کی بنا پر کی ہے کہ اگر اس کا ارادہ ظاہر ہو جاتا تو ندامت اسے لازمی طور پر گناہ سے روک دیتی اور عِنِّیْن کے حق میں بھی ندامت کا اس حد تک قوی ہونا محال نہیں ہے اگرچہ اسے ایسی ندامت کی حاجت نہیں کیونکہ جس آدمی کو کسی چیز کی خواہش نہیں ہوتی اس کا نفس ادنٰی خوف کے سبب بھی اس گناہ کو چھوڑنے پر قادر ہو جاتا ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ دلوں کے حال جانتا ہے اور اس کی ندامت پر بھی مُطَّلَع ہے۔ ممکن ہے اس کی توبہ قبول فرمائے بلکہ ظاہر یہی ہے کہ قبول فرمائے گا۔

ان تمام باتوں میں حقیقت اس بات کی طرف لوٹتی ہے کہ گناہوں کی تاریکی دل سے دو چیزوں کو مٹا دیتی ہے: (۱) ندامت کی جلن (۲) شہوت سے چھٹکارا پانے کے لئے مجاہدہ کرنا۔ اگر شہوت نہ ہو تو مجاہدے کی حاجت نہیں مگر ندامت کا اس قدر قوی ہونا محال نہیں کہ وہ مجاہدے کے بغیر شہوت کو ختم نہ کر سکے۔

---

[1]... عنین اس شخص کو کہتے ہیں کہ اس کا عضو مخصوص تو ہو مگر اپنی بیوی سے آگے کے مقام میں دخول نہ کر سکے۔
(ماخوذ از بہار شریعت، حصہ ۸، ۲/ ۲۲۸)

اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم کہتے کہ توبہ اس وقت تک قبول نہ ہو گی جب تک توبہ کرنے والا توبہ کے بعد اتنا عرصہ تک زندہ نہ رہے کہ اس زندگی میں کئی بار اس شہوت کے سلسلے میں اپنے نفس سے مجاہدہ کرلے لیکن شریعت اس قسم کی شرط پر بالکل دلالت نہیں کرتی۔

توبہ کرنے والے کے متعلق علما کے اقوال:

اگر تم کہو کہ فرض کریں توبہ کرنے والے دو قسم کے ہیں: ایک کا نفس توبہ کے بعد گناہ کی طرف مائل ہونے سے باز آجاتا ہے جبکہ دوسرے کا نفس اب بھی مائل رہتا ہے لیکن وہ نفس سے جہاد کرتا ہے اور اس گناہ کی طرف جانے سے باز رکھتا ہے تو ان میں سے کون سا افضل ہے؟

یاد رکھو! اس بارے میں علمائے کرام رَحِمَهُمُ اللهُ السَّلَام کے اقوال مختلف ہیں۔ حضرت سیِّدُنا ابو الحسن احمد بن ابی الحواری عَلَيْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْوَالِی اور اصحابِ حضرت سیِّدُنا ابو سلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّهُ النُّوْرَانِی فرماتے ہیں کہ نفس سے مجاہدہ کرنے والا افضل ہے کیونکہ وہ توبہ کے ساتھ ساتھ مجاہدے کی فضیلت بھی رکھتا ہے۔ جبکہ بصرہ کے علما فرماتے ہیں: توبہ کے بعد جس کا نفس گناہ کی طرف مائل نہیں ہوتا وہ افضل ہے کیونکہ اگر وہ اپنی توبہ میں کوتاہی کرے پھر بھی اس مجاہد کی نسبت سلامتی کے زیادہ قریب ہے جس کے مجاہدے میں کوتاہی آسکتی ہے۔

فیصلۂ امام غزالی:

(سیِّدُنا امام غزالی عَلَيْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْوَالِی فرماتے ہیں) ہر فریق کا قول صحیح ہے لیکن دونوں میں کچھ کمی باقی ہے۔ درست بات یہ ہے کہ جس کے نفس کا گناہ کی طرف میلان ختم ہو گیا اس کی دو حالتیں ہیں۔

❀...**پہلی حالت:** یہ ہے کہ گناہوں کی طرف میلان ختم ہونے کا سبب فقط شہوت کا کم ہو جانا ہو۔ ایسی حالت میں تو مجاہد اس سے افضل ہے کیونکہ وہ مجاہدے کی وجہ سے گناہ سے باز رہتا ہے جو کہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا یقین قوی اور اس کا دین اس کی شہوت پر غالب ہے اور یہ پختہ دلیل ہے قوتِ یقین اور قوتِ دین کی۔

”قوتِ دین“ سے مراد:

قوتِ دین سے میری مراد وہ ارادہ ہے جو اشارۂ یقین سے پیدا ہوتا ہے اور اس شہوت کو ختم کر دیتا ہے جو شیاطین کے اشارے سے بھڑکتی ہے۔ مجاہدہ ان دونوں قوتوں پر قطعی طور پر دلالت کرتا ہے۔

اعتراض جواب:

اعتراض: اگر کوئی (پیچھے مذکور علمائے بصرہ کے قول پر) اعتراض کرے کہ بے شک آپ کا توبہ کے بعد گناہ کی طرف مائل نہ ہونے والے کو زیادہ سلامتی والا کہنا درست ہے اگرچہ توبہ میں کوتاہی کرے لیکن اس شخص کے لئے "افضل" کا لفظ استعمال کرنا درست نہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے "نامرد شخص جماع پر قادر شخص سے افضل ہے کیونکہ یہ شہوت سے محفوظ ہے یا بچہ بالغ سے افضل ہے کیونکہ وہ بھی محفوظ ہے یا مفلس اس بادشاہ سے افضل ہے جو اپنے دوشمنوں پر غلبہ پاتا اور انہیں ختم کرتا ہے کیونکہ مفلس کا کوئی دشمن ہی نہیں جبکہ بادشاہ کبھی مغلوب بھی ہو جاتا ہے اگرچہ اکثر غالب آتا ہے۔

جواب: یہ بات ایسے آدمی کی طرف سے ہو سکتی ہے جو سلیمُ القلب تو ہو مگر نگاہ صرف ظاہر پر ہوتی ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ عزت تو پُرخطر مقامات پر جانے میں ہے اور بلندی حاصل کرنے کے لئے خطروں سے گزرنا شرط ہے۔ ایسی بات کہنے والا تو اس شخص کی مثل ہے جو کہے: "جس شکاری کے پاس گھوڑا اور کتا نہ ہو وہ گھوڑا اور کتا رکھنے والے شکاری کے مقابلے میں شکار کے فن میں افضل ہے اور اس سے بلند مرتبہ ہے کیونکہ اسے گھوڑے کی سرکشی کے باعث گر کر اعضاء ٹوٹنے اور کتے کے کاٹنے کا خطرہ نہیں۔" حالانکہ یہ بات سراسر غلط ہے بلکہ جس کے پاس گھوڑا یا کتا ہوتا ہے اگر وہ مضبوط ہو اور ان دونوں کی تربیت کا طریقہ جانتا ہو تو وہ بہتر ہے اور شکار کرنے میں کامیابی کے زیادہ لائق ہے۔

۞...**دوسری حالت:** یہ ہے کہ گناہوں کی طرف نفس کا میلان ختم ہونے کا سبب قوتِ یقین اور سابقہ سچا مجاہدہ ہو اس طرح کہ مجاہدے کے ذریعے شہوت کا زور ٹوٹ چکا ہو حتّٰی کہ نفس آدابِ شریعت سے مزین ہو چکا ہو، اس کی خواہش قوتِ دین کے تابع ہو جائے اور اس کی شہوت قوتِ دین کے غلبہ کے سبب ختم ہو جائے۔ یہ شخص مجاہدہ کرنے والے اس شخص کی نسبت بہتر ہے جسے شہوت کے خاتمے کے لئے تکلیف اٹھانی پڑے۔

اعتراض: اگر کوئی یہ کہے کہ ایسے شخص کو مجاہدے کی فضیلت تو حاصل نہ ہو گی۔

جواب: ایسی بات کرنا مجاہدے کے مقصود سے لَاعلم ہونے کی دلیل ہے کیونکہ مجاہدہ ہی مقصود نہیں بلکہ مقصود تو دشمن کے ضرر کو ختم کرنا ہے تاکہ وہ تمہیں اپنی خواہشات کی طرف نہ کھینچے اور اگر وہ تمہیں اپنی

طرف کھینچنے سے عاجز ہو جاتا ہے تو وہ تمہیں دین کے راستے پر چلنے سے نہ روک سکے گا۔ پس جب تم اس پر غالب آ گئے اور مقصود حاصل کر لیا تو تم نے کامیابی حاصل کر لی اور جب تک تم مجاہدے میں مشغول رہو گے کامیابی کی طلب میں دور رہو گے۔ اسے یوں سمجھئے مثلاً ایک شخص نے دشمن پر غلبہ پایا اور اسے اپنا غلام بنالیا جبکہ دوسرا ابھی تک لڑ رہا ہے اور اسے انجام کی خبر نہیں۔ اسے یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے مثلاً ایک شخص نے شکاری کتے کو سکھایا اور گھوڑے کو سدھایا یہاں تک کہ کتے نے کاٹنا اور گھوڑے نے سرکشی کرنا چھوڑ دیا اور اب وہ دونوں اس کے پاس سوئے ہوئے ہیں جبکہ دوسرا شخص ابھی تک ان کو سکھانے میں مشغول ہے۔

اس سلسلے میں ایک فریق سے یہ لغزش ہوئی کہ انہوں نے مجاہدے ہی کو مقصودِ اصلی گمان کر لیا۔ انہیں اس بات کا علم نہیں کہ یہ تو راستے کی رکاوٹوں سے چھٹکارا پانے کا ذریعہ ہے۔ جبکہ دوسروں نے گمان کیا کہ مقصودِ اصلی خواہشات کا مکمل طور پر خاتمہ کرنا ہے حتّٰی کہ بعض لوگوں نے خود پر اس کا تجربہ کیا لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے بالآخر کہنے لگے "یہ محال ہے۔" انہوں نے شریعت کو جھٹلا دیا اور اباحت (یعنی شرعی قوانین کی پابندیوں سے آزادی) کے راستے پر چل پڑے اور خواہشات کی اتباع شروع کر دی۔ یہ تمام باتیں جہالت اور گمراہی ہیں۔ ان کا ذکر ہم "ریاضت نفس کے بیان" میں کر چکے ہیں۔

گناہ بھلانے یا نہ بھلانے والے کے متعلق اقوال صوفیا:

اگر تم کہو کہ توبہ کرنے والے ایسے دو شخصوں میں سے کون افضل ہے جن میں سے ایک نے اپنے گناہوں کو بھلا دیا اور ان کے بارے میں فکر مند نہیں جبکہ دوسرے نے ان کو پیش نظر رکھا اور وہ ہمیشہ انہی میں غور و فکر کرتا اور ان پر ندامت سے جلتا رہتا ہے؟ تو اس بارے میں بھی بزرگانِ دین کا اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا "توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ تم اپنے گناہوں کو یاد رکھو۔" جبکہ بعض نے فرمایا: "حقیقت توبہ یہ ہے کہ تم گناہ کو بھول جاؤ۔" ہمارے نزدیک یہ دونوں اقوال درست ہیں لیکن دو مختلف حالتوں کے اعتبار سے۔

صوفیائے کرام عمومی بات نہیں کرتے بلکہ ان میں سے ہر ایک فقط اپنے حال کی خبر دیتا ہے، انہیں دوسروں کے حال سے کوئی سروکار نہیں ہوتا پس احوال مختلف ہونے کی وجہ سے ان کے جوابات بھی مختلف ہوتے ہیں اور از روئے علم یہ بات قابل نقصان ہے کیونکہ اشیاء کی حقیقتوں کو جاننا افضل و اعلیٰ ہے جبکہ صوفیا کی

نظر میں یہ (یعنی دوسروں سے بے خبر ہو کر اپنے حال کی خبر رکھنا) باعثِ کمال ہے اس لئے کہ ان کی ہمت، ارادہ اور کوشش صرف اپنی ذات تک محدود ہوتی ہے، ان کی نظر صرف اپنے حال پر مرکوز رہتی ہے دوسروں کے معاملات کی انہیں کچھ خبر نہیں کیونکہ ان کے نزدیک اللہ عَزَّوَجَلَّ تک پہنچنے کا راستہ ان کا اپنا نفس اور ان کے احوال کی منازل ہیں جبکہ لوگوں کی نظر میں اللہ عَزَّوَجَلَّ تک پہنچنے کا راستہ علم ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ تک پہنچنے کے راستے بے شمار ہیں اگرچہ قرب و بعد کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ خوب جانتا ہے کون زیادہ راہ پر ہے اگرچہ اصل ہدایت میں سب شریک ہیں۔

سیِّدُنا امام غزالی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ کی رائے:

میں (یعنی سیِّدُنا امام غزالی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَالِی) کہتا ہوں کہ گناہ کا تصور اور اسے یاد کر کے اس پر گریہ وزاری کرنا مُبْتَدِی (یعنی راہِ سلوک کے ابتدائی مراحل میں موجود شخص) کے حق میں کمال ہے کیونکہ اگر وہ پچھلے گناہ بھول جائے گا تو اس کی ندامت کی آگ کم ہو جائے گی، اس کا راہِ سلوک کا شوق اور ارادہ قوی نہ رہے گا اور نتیجۃً وہ غم اور خوف زائل ہو جائے گا جو اسے گناہوں کی طرف لوٹنے سے روکے ہوئے ہے۔ پس یہ بات یعنی گناہوں کو یاد کرنا غافل (یعنی راہِ سلوک کے ابتدائی مسافر) کے لئے تو باعثِ کمال ہے مگر سالِک (یعنی راہِ سُلُوک کی کچھ منازل طے کرنے والے) کے لئے نقصان دہ ہے کیونکہ یہ راہِ سلوک میں رکاوٹ بننے والی مشغولیت ہے جبکہ سالک کو تو چاہئے کہ وہ سلوک کے علاوہ کسی طرف اِلتفات نہ کرے جب اس پر منزل تک پہنچنے کے ابتدائی آثار ظاہر ہو جائیں اور اس پر انوارِ معرفت اور غیب کی چمک منکشف ہو جائے تو وہ اس میں اس طرح مستغرق ہو جائے کہ اس کے لئے گزشتہ احوال کی طرف توجہ کرنے کی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔ یہ ہے اس کے لئے کمال۔ (مثال کے طور پر) مسافر کو کسی شہر کی طرف جانا ہے اور راستے میں ایک نہر حائل ہے جس کا پل اس نے توڑ دیا تھا اور اب اسے نہر پار کرنے میں بے حد مشقت اٹھانی پڑے پھر اگر وہ نہر پار کر کے اس کے کنارے بیٹھ جائے اور پل توڑنے پر افسوس کرنا شروع کر دے تو اس کا افسوس کرنے میں مشغول ہو جانا یہ پہلی رکاوٹ (یعنی نہر پار کرنے) سے فارغ ہونے کے بعد دوسری رکاوٹ ہے۔ ہاں! اگر وہ وقت سفر کا نہ ہو مثلاً رات کا وقت ہے کہ سفر مشکل ہو یا راستے میں مزید نہریں ہیں جن سے گزرنے میں اسے اپنی جان کا خوف ہو تو پھر اسے چاہئے کہ پل توڑنے پر

رات بھر خوب روئے اور غمزدہ ہو تاکہ طویل غم کی وجہ اس کا عزم پختہ ہو جائے کہ وہ آئندہ ایسا کام نہ کرے گا اور اگر اسے سبق حاصل ہو چکا ہو اور نفس پر پختہ یقین ہو کہ وہ آئندہ ایسا کام نہیں کرے گا تو پل توڑنے پر افسوس کرنے کے بجائے سفر اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے اور یہ بات وہی شخص جانتا ہے جو راستہ، مقصد، رکاوٹ اور سفر کرنے کی معرفت رکھتا ہے۔ ہم نے "علم کے بیان" میں اشارۃً اس کا ذکر کیا ہے۔

دوامِ توبہ کی شرط:

ہم (یعنی سیِّدُنا امام غزالی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَالِی) کہتے ہیں دوام توبہ کی شرط یہ ہے کہ اُخروی نعمتوں کے بارے میں بکثرت غور وفکر کرے تاکہ اس کی رغبت زیادہ ہو لیکن اگر وہ نوجوان ہے تو اسے چاہئے کہ ان نعمتوں کے بارے میں زیادہ غور وفکر نہ کرے جن کی مثل دنیا میں ہیں مثلاً حوریں اور محلات کیونکہ بعض اوقات یہ فکر رغبت کو حرکت دیتی ہے اور انسان انہیں جلد پانے کی کوشش کرتا ہے تاخیر پر راضی نہیں ہوتا لہٰذا اسے چاہئے کہ فقط دیدارِ الٰہی کی لذّت ولطف کے بارے میں سوچے کہ دنیا میں اس کی مثل کچھ نہیں ہے۔ اسی طرح گناہوں کو یاد کرنا بھی بعض اوقات شہوت کا مُحَرِّک ہوتا ہے اور مُبْتَدِی سالِک کو بھی اس سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے پس ایسی صورت میں مبتدی سالک کے لئے بھی گناہ کو بھول جانا افضل ہے۔

حضرت سیِّدُنا داوٗد عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا اپنی لغزش پر رونا تمہیں ہرگز اس تحقیق کی تصدیق سے نہ روکے اور تمہارا خود کو انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام پر قیاس کرنا انتہائی کج فہمی ہے کیونکہ بعض اوقات وہ اپنے اقوال وافعال کو اس قدر ادنیٰ درجے میں لے آتے ہیں کہ وہ درجات ان کی اُمتوں کے لائق ہوتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کی بعثت تو فقط ہدایت کے لئے ہے، لہٰذا ان کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ تعلیمِ اُمَّت کے لئے ایسے کام کریں جن سے امت کو فائدہ پہنچے اگرچہ ان کا مقام اس سے بہت بلند ہے کہ وہ عام لوگوں کے سے کام کریں۔ مشائخ عُظام میں بھی ایسے ہیں کہ اپنے مرید کو کسی ریاضت کا حکم دیتے ہیں تو اس کی آسانی کے لئے خود بھی اس کے ساتھ شریک ہو جاتے ہیں حالانکہ انہیں مجاہدہ سے فراغت کے بعد قطعاً اس کی حاجت نہیں ہوتی وہ اپنے نفس کو ادب سکھا چکے ہوتے ہیں۔ اسی لئے حضور نبیِّ اکرم، شفیعِ معظم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: "اَمَا اِنِّیْ لَا اَنْسٰی وَلٰکِنْ اُنَسّٰی لِاُشَرِّعَ یعنی سنو! میں بھولتا نہیں بلکہ مجھے بھلایا جاتا ہے تاکہ

تمہارے لئے جواز کی دلیل ہو۔“ (1)

ایک روایت میں ہے: ”اِنَّمَا اَسْهُوْ لِاَسُنَّ یعنی میں اس لئے بھولتا ہوں کہ میری پیروی کی جائے۔“(2)

اس بات پر تمہیں تعجب نہیں کرنا چاہئے کیونکہ انبیائے کرام عَلَیْهِمُ السَّلَام اپنی اُمتوں پر اسی طرح شفیق ہوتے ہیں جس طرح بچے باپ کی شفقت میں ہوتے ہیں اور جیسے جانوروں پر چرواہا شفقت کرتا ہے۔

بچوں کی تربیت کا طریقہ:

کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب باپ اپنے بچے کو بولنا سکھانا چاہتا ہے تو کیسے وہ خود بھی بچوں کی طرح باتیں کرتا ہے جیسا کہ حضرت سیِّدُنا امام حسن رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْه نے جب صدقہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور منہ میں ڈال لی تو حضور نبیِّ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے اُن سے فرمایا: ”کَخْ کَخْ“۔(3) حالانکہ سرکار دوعالَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم کی فصاحت اس بات سے عاجز نہ تھی کہ آپ یوں فرماتے ”یہ کھجور پھینک دو یہ حرام ہے“ لیکن آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم جانتے تھے کہ بچہ یہ کلام سمجھ نہ سکے گا لہٰذا فصاحت کو چھوڑ کر بچے کی سمجھ کے مطابق کلام فرمایا۔ یوں ہی جو شخص کسی بکری یا پرندے کو سکھاتا ہے تو جانوروں اور پرندوں کی نقل کرتے ہوئے بکری کی آواز اور سیٹی کی آواز نکالتا ہے اور یہ ان کو سکھانے کے لئے ایسا کرتا ہے۔

تمہیں اس قسم کی باریک باتوں سے غافل نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہاں عارفین کے قدم پھسل جاتے ہیں غافل تو کسی شمار میں ہی نہیں۔ ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اس کے لطف وکرم کے سبب حسن توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

دوسری فصل: دوام توبہ کے سلسلے میں لوگوں کی اقسام

جان لو! توبہ کرنے والوں کے چار طبقات ہیں۔

”تَوْبَةُ النُّصُوْح“ اور ”نَفْسِ مُطْمَئِنَّه“:

...پہلا طبقہ: یہ ہے کہ انسان گناہوں سے توبہ کرے اور آخر عمر تک اس پر قائم رہے۔ ایسا شخص اپنی

1... شرح الزرقانی علی المواهب، المقصد التاسع، الباب الاول، الفصل الرابع، ۱۰/ ۴۴۹، ”لاشرع“ بدله ”لاسن“

2... موطا امام مالک، کتاب السهو، باب العمل فی السهو، ۱/ ۱۰۸، حدیث: ۲۲۸

3... بخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب من تکلم بالفارسیة والرطانة، ۲/ ۳۳۱، حدیث: ۳۰۷۲

گزشتہ کوتاہیوں کا تدارک کرلیتا ہے اور اس کا نفس اسے گناہوں کی طرف لوٹنے کی دعوت نہیں دیتا البتہ بتقاضائے بشریت جن سے چھٹکارا ممکن نہیں وہ لغزشیں سرزد ہو جاتی ہیں کیونکہ وہ نبوت کے رتبہ پر فائز نہیں۔ اسی کو توبہ پر استقامت کہا جاتا ہے۔ ایسا شخص نیکیوں میں سبقت لے جاتا ہے اور اس کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیا جاتا ہے۔ اس توبہ کو "تَوْبَةُ النُّصُوْح" کہتے ہیں اور گناہوں سے باز آجانے والا یہ نفس "نَفْسِ مُطْمَئِنَّه" کہلاتا ہے جو اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کی طرف اس حال میں لوٹتا ہے کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ اس سے راضی ہوتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی طرف حضور اکرم، شہنشاہِ دوعالم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس ارشادِ عالی سے اشارہ فرمایا: "سَبَقَ الْمُفْرِدُوْنَ الْمُسْتَهْتَرُوْنَ بِذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَضَعَ الذِّكْرُ عَنْهُمْ اَوْزَارَهُمْ فَوَرَدُوْا الْقِيَامَةَ خِفَافًا یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر کے شیدائی سبقت لے گئے اور ذکرِ الٰہی نے ان کے بوجھ اتار دیئے پس وہ قیامت کے دن ہلکے بوجھ سے آئیں گے۔"(1)

حدیثِ پاک میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ گناہوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے اور ذکرِ الٰہی نے ان سے یہ بوجھ اتار دیے۔

اس طبقہ کے لوگوں کے مراتب خواہشات کا مقابلہ کرنے کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ کچھ کی خواہشات معرفت کے غلبہ کی وجہ سے دب جاتی ہیں تو نفس سے مقابلہ کرنا ان کے لئے آسان ہو جاتا ہے اور ان کے راہِ سلوک میں بھی کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی اور بعض لوگ وہ ہیں جو ہر وقت نفس سے مقابلہ کرتے رہتے ہیں لیکن وہ نفس سے مجاہدے اور اسے مغلوب کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔

اسی طرح مقابلہ کرنے والوں کے درجات میں کثرت و قلت اور مدت و نَوْعِیَّت مختلف ہونے کے اعتبار سے بھی تفاوت ہوتا ہے اور عمر کے اعتبار سے بھی درجات مختلف ہوتے ہیں۔ کچھ توبہ کرتے ہی فوت ہو جاتے ہیں، ایسے لوگ قابلِ رشک ہوتے ہیں کیونکہ وہ سلامتی کے ساتھ اور کوتاہی کے ارتکاب سے پہلے ہی رخصت ہو جاتے ہیں۔ بعض توبہ کے بعد عرصہ دراز تک زندہ رہتے ہیں اور ان کا مجاہدہ اور صبر تادیر رہتا ہے اور ان کی استقامت لمبے عرصہ تک ہوتی ہے اور نیکیاں کثیر ہوتی ہیں، یہ لوگ افضل و اعلیٰ مقام کے

---

(1)... سنن الترمذی، کتاب احادیث شتی، باب فی العفو والعافیة، ۵/ ۳۴۲، حدیث: ۳۶۰۷

حاصل ہوتے ہیں کیونکہ نیکی ہر گناہ کو مٹا دیتی ہے۔

شرط اگرچہ بعید ہے لیکن بے حد مفید ہے:

علمائے کرام رَحِمَهُمُ اللهُ السَّلَام فرماتے ہیں کہ گناہ گار نے جس گناہ کا ارتکاب کیا وہ اسی وقت معاف ہوتا ہے جب وہ شخص سچی شہوت کے ساتھ دس مرتبہ اس گناہ پر قادر ہونے کے باوجود اس سے باز رہے اور محض خوفِ الٰہی کی وجہ سے شہوت کو توڑ دے۔

اگرچہ یہ شرط بعید از قیاس ہے لیکن بالفرض اگر اسے مان لیا جائے تو اس کا اثر کس قدر زیادہ ہوگا اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ بہر حال کمزور مرید کو چاہئے کہ اس راستے کا چناؤ نہ کرے کہ اس طرح شہوت بھڑکے گی اور اسباب مہیّا ہوں گے حتّٰی کہ وہ گناہ پر قادر ہو جائے گا پھر اس سے بچنے کی طمع کرے گا (مگر بچنا مشکل ہو جائے گا) کیونکہ قوی امکان ہے کہ شہوت کی لگام اس کے اختیار سے باہر ہو جائے اور وہ گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے اور اس کی توبہ ٹوٹ جائے۔ بلکہ اسے چاہئے کہ شروع ہی سے گناہوں کی طرف لے جانے والے اسباب سے راہِ فرار اختیار کرے حتّٰی کہ اپنے اوپر ان کا راستہ بند کر دے اور ساتھ ہی جس قدر ہو سکے شہوت کو توڑنے کی کوشش بھی کرتا رہے تاکہ شروع سے ہی اس کی توبہ محفوظ رہے۔

"نَفْسِ لَوَّامَہ" کسے کہتے ہیں؟

...**دوسرا طبقہ:** یہ ہے کہ توبہ کرنے والا فرائض کی بجا آوری اور تمام کبیرہ گناہوں کو چھوڑنے میں استقامت کا راستہ اختیار کرتا ہے لیکن پھر بھی روز مرّہ کے معمولات کے دوران بلا قصد وارادہ کچھ گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور جب کبھی اس سے گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو اپنے نفس کو ملامت کرتا، نادم ہوتا اور افسوس کرتا ہے بلکہ اپنے اس عزم کا اعادہ کرتا ہے کہ اس گناہ کے اسباب سے بھی بچنے میں کمال احتیاط کرے گا جن کی وجہ سے گناہ کا ارتکاب ہوا۔ یہ نفس "نَفْسِ لَوَّامَہ" کہلانے کے زیادہ لائق ہے کیونکہ یہ آدمی کو ان برے احوال پر ملامت کرتا ہے جو بلا قصد وارادہ صادر ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی ایک بلند درجہ ہے اگرچہ پہلے درجے کے مقابلے میں کم ہے۔

توبہ کرنے والوں کا عام طور پر یہی حال ہوتا ہے کیونکہ شر انسان کی فطرت میں شامل ہے جو کہ کم ہی

اس سے الگ ہوتا ہے۔

بھرپور کوشش کا نتیجہ:

انسان کی بھرپور کوشش کا نتیجہ یہی ہے کہ اس کی اچھائی اس کی برائی پر غالب آجائے تاکہ اس کی نیکیاں زیادہ ہوں اور نیکیوں والا پلڑا بھاری ہو جائے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ گناہوں کا پلڑا بالکل ہی خالی ہو تو یہ بہت بعید ہے۔ انہی لوگوں کے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے اچھا وعدہ ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓىٕرَ الْاِثْمِ وَ الْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَؕ-اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِؕ (پ۲۷، النجم: ۳۲)

ترجمۂ کنز الایمان: وہ جو بڑے گناہوں اور بے حیائیوں سے بچتے ہیں مگر اتنا کہ گناہ کے پاس گئے اور رک گئے بے شک تمہارے رب کی مغفرت وسیع ہے۔

سرزد ہونے والا ہر چھوٹا گناہ جس پر آدمی کا دل مطمئن نہ ہو وہ اسی لائق ہے کہ اسے "اَللَّمَم" میں شمار کیا جائے جس کو معاف کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ الَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ۫ (پ۴، اٰل عمرٰن: ۱۳۵)

ترجمۂ کنز الایمان: اور وہ کہ جب کوئی بے حیائی یا اپنی جانوں پر ظلم کریں اللہ کو یاد کرکے اپنے گناہوں کی معافی چاہیں۔

ان لوگوں نے خود پر ظلم کیا اس کے باوجود اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان کی تعریف فرمائی ہے کیونکہ وہ لوگ نادم ہوتے اور اپنے نفوس کو ملامت کرتے ہیں۔

توبہ کرنے والوں کے متعلق احادیث مبارکہ:

...اسی مرتبے کی طرف حضور نبیِّ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اس فرمانِ مبارک میں اشارہ ہے جسے حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضیٰ کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم نے روایت فرمایا: "خِیَارُكُمْ كُلُّ مُفْتَنٍ تَوَّابٌ یعنی تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو گناہ ہو جانے پر کثرت سے توبہ کرے۔"(1)

...اَلْمُؤْمِنُ كَالسُّنْبُلَةِ یَفِیْئُ اَحْیَانًا وَّیَمِیْلُ اَحْیَانًا یعنی مومن (گندم کی) بالی کی طرح ہے کبھی پھلتا پھولتا ہے اور کبھی مرجھا

(1)...شعب الایمان، السابع والاربعون، باب فی معالجة کل ذنب بالتوبة، ۵/ ۴۱۸، حدیث: ۷۱۲۱

جاتا ہے۔[1]

...لَا بُدَّ لِلْمُؤْمِنِ مِنْ ذَنْبٍ يَّأْتِيهِ الْفَيْنَةَ بَعْدَ الْفَيْنَةِ یعنی بتقاضائے بشریت مومن سے گناہ سرزد ہو جاتا ہے۔

یہ سب اس بات پر قطعی دلائل ہیں کہ اس قدر گناہ کا سرزد ہو جانا توبہ کے منافی نہیں اور ایسا شخص گناہ پر اصرار کرنے والوں میں شمار نہیں ہوتا۔ جو شخص ایسے لوگوں کو توبہ کرنے والوں کے درجہ سے مایوس کرے وہ اس ڈاکٹر کی طرح ہے جو تندرست آدمی کو کبھی کبھار پھل اور گرم غذا کھانے کی وجہ سے دائمی صحت سے مایوس کر دے اور اس شخص کی مثال اس فقیہ کی طرح ہے جو فقہ کے کسی طالب علم کو درجہ فقہا تک پہنچنے سے اس وجہ سے مایوس کر دے کہ وہ بعض اوقات سبق کا تکرار نہیں کرتا حالانکہ اس کی یہ کوتاہی دائمی یا بکثرت نہیں ہوتی۔ یہ بات تو خود اس ڈاکٹر اور فقیہ کے ناقص ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ دین کا فقیہ تو وہ ہوتا ہے جو کبھی کبھار کی معمولی لغزشوں اور گناہوں کی وجہ سے مخلوق کو سعادتوں کے درجات کے حصول سے مایوس نہیں کرتا۔

...سرکارِ دو عالَم صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم کا فرمان عالیشان ہے: كُلُّ بَنِيْ اٰدَمَ خَطَّاءٌ وَّ خَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ الْمُسْتَغْفِرُوْنَ یعنی تمام انسان خطا کرتے ہیں لیکن ان میں سے اچھے وہ ہیں جو توبہ کرتے اور بخشش طلب کرتے ہیں۔[2]

...اَلْمُؤْمِنُ وَاهٍ رَّاقِعٌ فَخَيْرُهُمْ مَّنْ مَّاتَ عَلٰى رَقْعِهٖ یعنی مومن (ربّ تعالیٰ سے اپنا تعلق) کمزور اور مضبوط کرنے والا ہے اور ان میں سے بہتر وہ ہے جو تعلق مضبوط کرتے ہوئے انتقال کر جائے۔[3]

یعنی گناہ کے ذریعے اپنے تعلق کو کمزور کرتا ہے اور توبہ اور ندامت سے اسے مضبوط کرتا ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمانِ عالیشان ہے:

اُولٰٓىٕكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَ یَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ (پ۲۰، القصص: ۵۴)

ترجمۂ کنزالایمان: ان کو ان کا اجر دوبالا دیا جائے گا بدلہ اُن کے صبر کا اور وہ بھلائی سے برائی کو ٹالتے ہیں۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان کی تعریف اس لئے نہیں فرمائی کہ انہوں نے گناہ کیا ہی نہیں۔

---

1 ...مسند ابی یعلی، مسند انس بن مالک، ۳/ ۱۲۵، حدیث: ۳۰۶۸

2 ...سنن الترمذی، کتاب صفة القیامة، باب۴۹، ۴/ ۲۲۴، حدیث: ۲۵۰۷، دون "المستغفرون"

موسوعة لابن ابی الدنیا، کتاب التوبة، ۳/ ۴۲۱، حدیث: ۱۷۸

3 ...شعب الایمان، باب فی معالجة کل ذنب بالتوبة، ۵/ ۴۱۹، حدیث: ۷۱۲۳

”نَفْسِ مُسَوِّلَة“ کسے کہتے ہیں؟

...تیسرا طبقہ: توبہ کرنے والوں کا ایک طبقہ وہ ہے جو توبہ کر کے ایک مدت تک اس پر قائم رہتے ہیں مگر کچھ عرصہ بعد کسی گناہ میں ان پر شہوت غالب آجاتی ہے اور وہ قصداً گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں کیونکہ غلبۂ شہوت کی وجہ سے وہ عاجز ہو جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود عبادات بجالاتے ہیں اور قدرت اور خواہش کے باوجود دیگر گناہوں سے کنارہ کرتے ہیں۔ خواہش انہیں صرف ایک یا دو گناہوں میں مغلوب کرتی ہے جبکہ ان کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ انہیں اس خواہش کو ختم کرنے کی طاقت دے اور اس کے شر سے بچائے اور خواہش پوری کرتے وقت بھی ان کی یہی تمنا ہوتی ہے اور جب ان سے گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو نادم ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کاش! میں ایسا نہ کرتا اور میں اس سے توبہ کروں گا اور اس شہوت کو ختم کرنے کے لئے نفس سے لڑوں گا لیکن ان کا نفس انہیں دھوکے میں مبتلا کر دیتا ہے اور وہ روز بروز اپنی توبہ کو توڑتے ہیں۔ اس نفس کو ”نَفْسِ مُسَوِّلَة“ کہا جاتا ہے اور ایسا شخص ان لوگوں میں سے ہے جن کے بارے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا ؕ (پ۱۱، التوبة: ۱۰۲)

ترجمۂ کنزالایمان: اور کچھ اور ہیں جو اپنے گناہوں کے مقر (اقراری) ہوئے اور ملایا ایک کام اچھا اور دوسرا برا۔

انجام خطرے میں ہے:

جو انسان عبادات پر ہمیشگی اختیار کرتا ہے اور جو برائی اس سے سرزد ہو اسے ناپسند کرتا ہے اس کے بارے میں امید ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے بخش دے گا لیکن توبہ میں تاخیر وٹال مٹول کرنے کی وجہ سے اس کا انجام خطرے میں ہے۔ ممکن ہے وہ توبہ سے پہلے مرجائے اور اس کا معاملہ مشیّتِ باری تعالیٰ کے سپرد ہو جائے پھر اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے فضل و کرم سے اس کے گناہوں کا تدارک فرمادے اور اس کی نیکیوں کی کمی پوری کر دے اور اس کی توبہ قبول فرمالے تو وہ سابقین (یعنی مقرّبین) کے ساتھ مل جائے گا اور اگر اس پر بدبختی اور شہوت غالب آجائے تو خوف ہے کہ خاتمہ کے وقت اس پر وہ قول صادق آجائے جو اَزل میں اس کے بارے میں ہو چکا کیونکہ جب طالب علم علمی مشاغل سے دوری اختیار کرتا ہے تو اس کا دوری اختیار کرنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اَزل میں اسے جاہلوں میں لکھ دیا گیا ہے پس اس کے حق میں (کامیابی کی) امید کمزور ہو جاتی ہے اور اگر اس کے

لئے تحصیل علم کے اسباب میسر ہوں اور وہ مستقل مزاجی سے علم حاصل کرے تو یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ اَزل میں اسے علما میں لکھ دیا گیا ہے۔ اسی طرح اُخروی سعادتوں اور بربادی کا تعلق نیکیوں اور برائیوں سے ہے جو کہ مُسَبِّبُ الْاَسْبَاب کے حکم سے مقدر ہو چکا ہے جیسا کہ مرض اور صحت کا تعلق غذاؤں اور دواؤں سے ہے اور اسی طرح نفس کے لئے فقہ میں مہارت حاصل کرنے اور دنیا میں بلند وبالا منصب حاصل کرنے کا تعلق سستی چھوڑنے اور مسلسل فقہی مسائل پڑھنے سے ہے۔ تو جس طرح ریاستی منصب، عہدۂ قضا اور علمی سبقت کی صلاحیت وہی نفس رکھتا ہے جو طویل فقہی تعلق کی وجہ سے فقیہ بن جاتا ہے اسی طرح اُخروی سلطنت، اس دائمی نعمتوں اور ربُّ العالمین کے قرب کا مستحق وہی دل ہوتا ہے جو طویل تزکیہ وتَطْہِیر کے سبب طہارت حاصل کر چکا ہو۔ رَبُّ الْاَرْبَاب عَزَّوَجَلَّ کی اَزلی تدبیر اسی طرح ہے۔ اسی لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا:

وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰىهَا ۪ۙ(۷) فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا ۪ۙ(۸) قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۪ۙ(۹) وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ؕ(۱۰) (پ۳۰، الشمس: ۷تا۱۰)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جان کی اور اس کی جس نے اسے ٹھیک بنایا پھر اس کی بدکاری اور اس کی پرہیز گاری دل میں ڈالی بے شک مراد کو پہنچا جس نے اُسے ستھرا کیا اور نامراد ہوا جس نے اسے معصیت میں چھپایا۔

تاخیر بھی رسوائی کی علامت ہے:

جب بندہ گناہ میں مبتلا ہو اور حال یہ ہو کہ گناہ نقد (یعنی فوری کرلے) اور توبہ اُدھار کرے تو یہ ذلت ورسوائی کی علامات میں سے ہے۔ حضور نبیِّ اکرم، شاہ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "بندہ 70سال جنتیوں والے اعمال کرتا ہے حتّٰی کہ لوگ اسے جنتی کہنے لگتے ہیں اور اس کے اور جنّت کے درمیان صرف ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر اس پر تقدیر غالب آجاتی ہے تو وہ جہنمیوں والے عمل کرتا ہے اور جہنم میں جا پڑتا ہے۔"[1]

جب معاملہ ایسا ہے پھر تو خاتمہ کا خوف توبہ پر مقدم ہونا چاہئے اور ہر آنے والی سانس گزرنے والی

---

1 ...مسلم، کتاب القدر، باب کیفیة الخلق الادمی... الخ، ص۱۴۲۱، حدیث: ۲۶۴۳، بتغیر
سنن ابن ماجه، کتاب الوصایا، باب الحیف فی الوصیة، ۳/ ۳۰۵، حدیث: ۲۷۰۴، بتغیر

سانس کے لئے خاتمہ ہے کیونکہ ممکن ہے موت اسی سانس سے ملی ہوئی ہو لہٰذا تمام سانسوں کی حفاظت کرنی چاہئے ورنہ بندہ ممنوع کاموں میں جا پڑے گا اور ہمیشہ کی حسرت میں مبتلا ہو جائے گا مگر اس وقت کی حسرت کچھ فائدہ نہ دے گی۔

"نَفْسِ اَمَّارَہ" کسے کہتے ہیں؟

...چوتھا طبقہ: توبہ کرنے والوں کا ایک طبقہ ان لوگوں کا ہے جو توبہ کر کے کچھ مدت اس پر قائم رہتے ہیں پھر گناہوں میں جا پڑتے ہیں اور دوبارہ توبہ نہیں کرتے اور نہ ہی اپنے کئے پر افسوس کرتے ہیں بلکہ شہوات کی پیروی میں غافل انسان کی طرح منہمک ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ گناہوں پر اصرار کرنے والوں میں سے ہیں اور یہ نفس "نَفْسِ اَمَّارَہ" کہلاتا ہے جو برائی کا حکم دینے اور بھلائی سے بھاگنے والا ہے۔ ایسے شخص کے برے خاتمے کا خوف ہے اور اس کا معاملہ مشیّت الٰہی پر ہوتا ہے۔ اگر اس کا خاتمہ برائی پر ہو تو وہ بڑا ہی بدبخت ہے کہ جس کی بدبختی کی انتہا نہیں اور اگر بھلائی پر خاتمہ ہو کہ اسے توحید پر موت آئے تو اس کے لئے جہنم سے چھٹکارے کی امید ہے اگرچہ ایک عرصہ بعد اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی پوشیدہ عمل کے سبب عام معافی اس کے شامل حال ہو جائے جیسا کہ یہ محال نہیں کہ کوئی شخص خزانے کی تلاش میں کسی ویران جگہ جائے اور اتفاقاً اسے خزانہ مل جائے اور اسی طرح یہ بھی محال نہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کسی کو گھر بیٹھے بغیر سیکھے کئی علوم عطا فرمادے جیسا کہ انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کا معاملہ ہے۔

بخشش اس کے کرم سے ہے:

عبادات کے ذریعے بخشش طلب کرنے کی مثال محنت اور تکرار کے ذریعے علم اور تجارت وسفر کے ذریعے مال حاصل کرنے کی طرح ہے جبکہ برے اعمال کے باوجود محض امید پر مغفرت طلب کرنا ویران جگہ خزانہ تلاش کرنے اور فرشتوں کے ذریعے علم حاصل کرنے کی طرح ہے اور محنت کے بعد علم کا حاصل ہو جانا، تجارت کے ذریعے مال دار ہو جانا اور نماز وروزے کی پابندی سے بخشش ہو جانا غنیمت ہے۔ عُلَما کے علاوہ تمام لوگ محروم ہیں بلکہ باعمل علما کے علاوہ تمام علما بھی محروم ہیں بلکہ اخلاص کے ساتھ عمل کرنے والوں کے علاوہ تمام عمل والے بھی محروم ہیں اور مخلص لوگ بھی بہت بڑے خطرے میں ہیں۔

عمل بھی ضروری ہے:

جو شخص اپنے گھر کو ویران اور مال ضائع کر دے اور خود کو اور اہل و عیال کو بھوکا رکھے اور یہ گمان کرے کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل کا منتظر ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے خزانہ عطا فرمائے گا جسے وہ اپنے ویران گھر کی زمین کے نیچے پائے گا تو ایسا شخص اہل بصیرت کے نزدیک بے وقوف اور دھوکا کھانے والوں میں شمار ہوتا ہے اگرچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قدرت اور فضل کی طرف نظر کرتے ہوئے یہ کام محال نہیں جس کا وہ منتظر ہے۔ اسی طرح جو آدمی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل کی طرف نظر کرتے ہوئے مغفرت کا منتظر رہتا ہے اور حال یہ ہے کہ اطاعت الٰہی میں سستی کرتا ہے، گناہوں پر ڈٹا رہتا ہے اور مغفرت کے راستے پر نہیں چلتا تو وہ بھی اہل دل کے ہاں بے عقلوں میں شمار ہوتا ہے۔

ایسے بے وقوف شخص کی عقل اور اس کی حماقت پر تعجب ہے کہ کس طرح اپنی حماقت کے لئے اچھے الفاظ استعمال کرتا ہے اور کہتا ہے: "اللہ عَزَّوَجَلَّ کریم ہے اور اس کی جنّت میرے جیسے لوگوں کے لئے تنگ نہیں ہے اور میرے گناہ اسے کچھ نقصان نہیں دیتے۔" حالانکہ تم دیکھو گے کہ دنیا کا مال کمانے میں وہ سمندروں کا سفر کرتا ہے اور دینار (یعنی روپے پیسے) کی طلب میں مشکلات برداشت کرتا ہے اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ "بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ کریم ہے اور اس کے خزانوں کے دینار تمہارے فقر سے کم نہ ہوں گے اور تمہارا تجارت میں سستی کرنا تمہیں نقصان نہ دے گا پس تم گھر بیٹھ جاؤ عنقریب وہ تمہیں وہاں سے روزی دے گا جہاں تمہارا گمان نہ ہوگا۔" تو وہ شخص اس قائل کا مذاق اڑائے گا اور اسے بے وقوف قرار دیتے ہوئے کہے گا: "یہ کیسی بے عقلی ہے! آسمان سونا اور چاندی نہیں برساتا یہ چیزیں تو کمانے سے حاصل ہوتی ہیں، اللہ عَزَّوَجَلَّ جو کہ اسباب مہیّا فرمانے والا ہے اس نے اسی طرح ان کو مقدر فرمایا ہے اور اسی طرح اپنا طریقہ جاری کیا ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کا طریقہ تبدیل نہیں ہوتا۔" حالانکہ دھوکے کا شکار شخص یہ بات نہیں جانتا کہ آخرت اور دنیا کا رب ایک ہی ہے اور اس کا طریقہ دونوں جہانوں میں تبدیل نہیں ہوتا اور اسی کا فرمان ہے:

وَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰىۙ(۳۹) ترجمۂ کنزالایمان: اور یہ کہ آدمی نہ پائے گا مگر اپنی کوشش۔

(پ۲۷، النجم: ۳۹)

انسان کیسے یہ سوچ لیتا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ آخرت میں تو کریم ہے مگر دنیا میں نہیں اور کیسے کہہ دیتا ہے کہ مال کمانے میں سستی کرنا اس کے کرم کا تقاضا نہیں لیکن اُخروی سلطنت اور دائمی نعمتوں کے حصول کے لئے کیے جانے والے عمل میں سستی کرنا اس کے کرم کا تقاضا ہے اور یہ کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ آخرت میں اسے کسی محنت کے بغیر اپنے کرم سے نعمتیں عطا فرمائے گا جبکہ دنیا میں عام طور پر یہ دنیوی مال سخت محنت کے باوجود نہیں ملتا؟ کیا انسان اللہ عَزَّوَجَلَّ کا یہ فرمان بھول جاتا ہے:

وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ (پ۲۶، الذّٰریٰت: ۲۲)

ترجمۂ کنزالایمان: اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور جو تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے۔

ہم (دل کے) اندھا ہونے اور بھٹکنے سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ چاہتے ہیں۔ ایسی سوچ سر کے بل کھڑا ہونے اور جہالت کے اندھیروں میں غوطہ لگانے سے پیدا ہوتی ہے اور اس قسم کا بندہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمان کا مصداق بننے کے لائق ہے:

وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَاۤ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا (پ۲۱، السجدۃ: ۱۲)

ترجمۂ کنزالایمان: اور کہیں تم دیکھو جب مجرم اپنے رب کے پاس سر نیچے ڈالے ہوں گے اے ہمارے رب اب ہم نے دیکھا اور سُنا ہمیں پھر بھیج کہ نیک کام کریں۔

یعنی ہم نے دیکھ لیا کہ تیرا فرمان "وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾[1]" سچ ہے۔ ہمیں واپس بھیج دے تاکہ ہم کوشش کریں۔ لیکن اس وقت ان کا پلٹنا ناممکن ہو گا اور ان کے لئے عذاب کا حکم ہو چکا ہو گا۔ جہالت اور شک میں مبتلا کرنے والے اُمور جو برے انجام کا باعث ہیں ہم ان سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ چاہتے ہیں۔

تیسری فصل: توبہ کے بعد گناہ سرزد ہو تو کیا کیا جائے؟

جان لو! توبہ کے بعد جس شخص سے گناہ سرزد ہو جائے اس کے لئے ضروری ہے کہ توبہ کرے اور نادم ہو نیز اس گناہ کے کفارے میں اس کی مخالف نیکی کرنے میں مشغول ہو جائے جیسا کہ ہم اس کا طریقہ ذکر

---

[1]... ترجمۂ کنزالایمان: اور یہ کہ آدمی نہ پائے گا مگر اپنی کوشش۔ (پ۲۷، النجم: ۳۹)

کر چکے ہیں[1] اور اگر غلبہ شہوت کی وجہ سے اس کا نفس ترکِ گناہ کے ارادے پر اس کا ساتھ نہ دے تو وہ دو واجب باتوں میں سے ایک سے عاجز آ گیا لیکن اسے دوسرے واجب کو ترک نہیں کرنا چاہئے اور وہ یہ کہ برائی کے مقابل نیکیاں بڑھائے تاکہ اس سے گناہ مٹا دیا جائے۔ یہ شخص ان لوگوں میں سے ہو گا جو اچھے اور برے دونوں اعمال کرتے ہیں۔

مختلف اعضاء کی نیکیاں:

جہاں تک نیکیوں کا تعلق ہے جو گناہ کا کفارہ بنتی ہیں تو ان کا تعلق دل سے ہوتا ہے یا زبان سے یا دیگر اعضاء سے۔ جس عضو سے گناہ سر زد ہو یا گناہ کے اسباب مہیّا ہوں اسی سے نیکی کی جائے۔

دل کی نیکی:

اگر گناہ دل سے ہو تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ گڑگڑاتے ہوئے **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں مغفرت و معافی کا سوال کرے اور بھاگے ہوئے غلام کی طرح ذلت کا اظہار کرے حتّٰی کہ سب لوگوں پر اس کی ذلت و عاجزی ظاہر ہو جائے اور یہ اس وقت ہو گا کہ لوگوں کے درمیان تکبر نہ کرے کیونکہ بھاگنے والے گناہ گار غلام کو حق نہیں پہنچتا کہ دوسرے غلاموں پر بڑائی کا اظہار کرے۔ اسی طرح دل میں عبادت اور مسلمانوں پر خیرات کا عزم و ارادہ کرے۔

زبان کی نیکی:

گناہ کا تعلق اگر زبان سے ہو تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ ظلم کا اعتراف کرے اور یوں استغفار کرے: ”رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَعَمِلْتُ سُوْٓءًا فَاغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ یعنی اے میرے رب عَزَّوَجَلَّ! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور برا عمل کیا اے مولا عَزَّوَجَلَّ! میرے گناہ بخش دے“ اور کثرت سے استغفار کرے اور استغفار کے تمام طریقوں پر عمل کرے جیسا کہ ہم نے ”ذِکْرُ اللہ اور دُعاؤں کے بیان“ میں طریقے بیان کیے ہیں۔

اگر گناہ (دل اور زبان کے علاوہ) دیگر اعضاء سے سر زد ہو تو ان کا کفارہ یہ ہے کہ نیکیاں کرے، صدقہ دے اور مختلف عبادات بجالائے۔

---

[1] ... یہ طریقہ صفحہ 107 پر ”گناہ کے مخالف نیکی سے گناہ مٹاؤ“ کے تحت مذکور ہے۔

ایک گناہ کے بدلے آٹھ اعمالِ صالحہ:

روایات سے معلوم ہوتا ہے ایک گناہ کے بعد جب آٹھ اعمال صالحہ کیے جائیں تو اس کی بخشش کی امید ہوتی ہے۔ چار اعمال کا تعلق دل سے ہے: (۱) توبہ یا توبہ کا عزم (۲) گناہ سے باز رہنے کی چاہت (۳) عذاب ہونے کا خوف (۴) مغفرت کی امید۔ چار اعمال کا تعلق اعضاء سے ہے: (۱) دو رکعت نماز ادا کرنا (۲) 70 مرتبہ استغفار کرنا اور 100 مرتبہ "سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ"[1] پڑھنا (۳) صدقہ کرنا (۴) روزہ رکھنا۔

بعض روایات میں (گناہ معاف ہونے کی شرط یہ مذکور) ہے کہ اچھی طرح وضو کرکے مسجد میں جائے اور دو رکعت نماز پڑھے۔[2]

بعض روایات میں ہے کہ چار رکعت نماز پڑھے۔[3]

پوشیدہ کے بدلے پوشیدہ اور علانیہ کے بدلے علانیہ:

ایک حدیثِ پاک میں ہے: "اِذَا عَمِلْتَ سَیِّئَۃً فَاَتْبِعْهَا حَسَنَۃً تُكَفِّرُهَا اَلسِّرَّ بِالسِّرِّ وَالْعَلَانِیَۃَ بِالْعَلَانِیَۃِ یعنی جب تم سے کوئی برائی سرزد ہوجائے تو اس کے بعد نیکی کرو وہ گناہ کو مٹادے گی پوشیدہ (عمل) کے بدلے پوشیدہ اور علانیہ کے بدلے علانیہ۔"[4]

اسی لئے کہا جاتا ہے کہ صَدَقَۃُ السِّرِّ تُكَفِّرُ ذُنُوْبَ اللَّیْلِ وَصَدَقَۃُ الْجَهْرِ تُكَفِّرُ ذُنُوْبَ النَّهَارِ یعنی پوشیدہ صدقہ رات کے گناہوں کو مٹاتا ہے اور ظاہری صدقہ دن کے گناہوں کو مٹاتا ہے۔

حدیثِ پاک میں ہے کہ ایک شخص نے سرکارِ دوعالَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں عرض کی: اِنِّی عَالَجْتُ اِمْرَاَۃً فَاَصَبْتُ مِنْهَا كُلَّ شَیْءٍ اِلَّا الْمَسِیْسَ فَاقْضِ عَلَیَّ بِحُكْمِ اللّٰہِ تَعَالٰی یعنی میں نے ایک عورت سے زنا کے علاوہ سب کچھ کیا ہے مجھ پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کا حکم جاری کیجئے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اَوَمَا صَلَّیْتَ مَعَنَا صَلَاۃَ

---

1. ...یعنی پاکی ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ کو جو عظمت والا اور تعریف کے لائق ہے۔
2. ...سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوۃ، باب ماجاء فی ان الصلوۃ کفارۃ، ۲/ ۱۲۴، حدیث: ۱۳۹۵
3. ...مسند البزار، حدیث عبد اللہ بن عمرو بن عاص، ۶/ ۳۷۳، حدیث: ۲۳۸۹
4. ...المعجم الکبیر، ۲۰/ ۱۷۵، حدیث: ۳۷۴، بتغیر

الْغَدَاۃِ یعنی کیا تم نے ہمارے ساتھ صبح کی نماز نہیں پڑھی؟ اس نے کہا: جی ہاں! پڑھی ہے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰت یعنی بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ [1]

یہ حدیثِ مبارک اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ (باب زنا میں) عورتوں کے ساتھ زنا کے علاوہ صادر ہونے والی حرکات صغیرہ گناہ ہیں کیونکہ نماز کو ان کا کفارہ قرار دیا گیا ہے اور حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اس ارشاد گرامی کا تقاضا بھی یہی ہے: ”اَلصَّلَوٰاتُ الْخَمْسُ کَفَّارَاتٌ لِّمَا بَیْنَهُنَّ اِلَّا الْکَبَائِرَ یعنی پانچ نمازیں ان کے بیچ کیے جانے والے گناہوں کا کفارہ ہیں سوائے کبیرہ گناہوں کے۔“ [2]

اس تمام تفصیل کے مطابق مناسب یہی ہے کہ بندہ ہر روز اپنا محاسبہ کرے اور تمام گناہوں کا حساب لگا کر نیکیوں کے ذریعے انہیں مٹانے کی کوشش کرے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر کہا جائے کہ جب تک گناہوں پر اصرار کا عقدہ حل نہ ہو گا استغفار کیا فائدہ دے گا؟ کیونکہ حدیث مبارک میں ہے: ”اَلْمُسْتَغْفِرُ مِنَ الذَّنْبِ وَهُوَ مُصِرٌّ عَلَیْہِ کَالْمُسْتَهْزِئِ بِاٰیَاتِ اللّٰہِ یعنی استغفار کے باوجود گناہ پر مُصِر رہنا گویا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی آیات کے ساتھ تمسخر کرنا ہے۔“ [3] کسی بزرگ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کا قول ہے: میں اپنے قول ”اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ“ سے بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی مغفرت چاہتا ہوں۔ یہ بھی منقول ہے کہ محض زبان سے استغفار کرنا جھوٹی توبہ ہے۔ حضرت سیِّدَتُنا رابعہ بصریہ عدویہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہَا نے فرمایا کہ ہمارا استغفار کرنا خود بے شمار استغفار کا محتاج ہے۔

جواب: استغفار کی فضیلت میں بے شمار احادیث مروی ہیں کچھ ہم ”ذِکْرُ اللہ اور دُعاؤں کے بیان“ میں ذکر کر چکے ہیں۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے نبیوں کے سردار، دو عالم کے مالک و مختار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی موجودگی اور استغفار کا ذکر ایک ہی مقام پر فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

1... مسلم، کتاب التوبۃ، باب قولہ تعالٰی: ان الحسنات... الخ، ص۱۴۷۸، حدیث: ۲۷۶۳، بتغیر

2... مسلم، کتاب الطھارۃ، باب الصلوات الخمس... الخ، ص۱۴۴، حدیث: ۲۳۳

3... موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب التوبۃ، ۳/ ۴۰۴، حدیث: ۸۵، بتغیر قلیل

وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِیْهِمْ ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ (پ۹، الانفال: ۳۳)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اللہ کا کام نہیں کہ انھیں عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو اور اللہ انھیں عذاب کرنے والا نہیں جب تک وہ بخشش مانگ رہے ہیں۔

(حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے وصالِ ظاہری کے بعد) بعض صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان فرمایا کرتے کہ ہمارے لئے دو پناہیں تھیں ایک چلی گئی یعنی آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا (حیات ظاہری کے ساتھ) ہمارے درمیان موجود ہونا اور استغفار (یعنی دوسری پناہ) ہمارے پاس موجود ہے اگر یہ بھی چلی جائے تو ہم ہلاک ہو جائیں۔

تو ہم (یعنی سیِّدُنا امام غزالی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْوَالِی) کہتے ہیں کہ جھوٹے لوگ جو استغفار کرتے ہیں وہ محض زبان سے کرتے ہیں ان کا دل اس میں شریک نہیں ہوتا جیسے عام طور پر غافل انسان عادتاً کہہ دیتا ہے "اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ" اسی طرح وہ جہنّم کا ذکر سن کر کہہ دیتا ہے "نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْهَا یعنی جہنّم سے ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ چاہتے ہیں" حالانکہ اس کے دل میں اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا یہ محض زبان کی حرکت ہوتی ہے اور اس سے کوئی دائمی نفع نہیں ہوتا۔ ہاں! اگر انسان بارگاہِ خداوندی میں دل کی عاجزی اور انکساری کے ساتھ استغفار کرے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں سچے ارادے، خلوصِ نیت اور قلبی رغبت کے ساتھ مغفرت کا سوال کرے تو یہ نیکی ہے جو اس بات کی صلاحیت رکھتی ہے کہ اس کے سبب برائی کو دور کیا جائے۔

استغفار کی فضیلت میں جو روایات آئی ہیں وہ اسی مفہوم پر محمول ہیں یہاں تک کہ دوجہاں کے سلطان صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمان رحمت نشان ہے: "مَا اَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ وَلَوْ عَادَ فِی الْیَوْمِ سَبْعِیْنَ مَرَّةً یعنی جو شخص استغفار کرتا ہے وہ گناہ پر اصرار کرنے والا نہیں اگرچہ دن میں 70 مرتبہ گناہ کرے۔"[1] اس سے مراد دل سے استغفار کرنا ہے۔

ابتدائی درجہ بھی فائدے سے خالی نہیں:

توبہ واستغفار کے کئی درجات ہیں اور اس کے ابتدائی درجات بھی فائدے سے خالی نہیں اگرچہ انسان ان کے انتہائی درجات تک نہ پہنچ سکے۔ اسی لئے حضرت سیِّدُنا سہل بن عبداللہ تُستری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْوَلِی نے فرمایا کہ بندہ ہر حال میں اپنے مولا عَزَّوَجَلَّ کا محتاج ہوتا ہے۔ اس کی سب سے اچھی حالت یہ ہے کہ ہر شے میں

1 ...سنن ابی داود، کتاب الوتر، باب فی الاستغفار، ۲/ ۱۲۰، حدیث: ۱۵۱۴

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف رجوع کرے اگر گناہ کر بیٹھے تو یوں کہے: "اے میرے رب عَزَّوَجَلَّ میرا پردہ رکھنا۔" گناہ کے بعد کہے "اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! میری توبہ قبول فرما" اور جب توبہ سے فارغ ہو تو کہے "اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! مجھے گناہوں سے بچا" پھر جب نیک عمل کرے تو کہے "اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! میرا عمل قبول فرما۔"

توبہ کے متعلق سیِّدُنا سہل رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کا فرمان:

حضرت سیِّدُنا سہل بن عبد اللہ تُستری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی سے گناہوں کو مٹانے والے استغفار کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: استغفار کا پہلا درجہ "اِسْتِجَابَۃ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں حاضر ہونا" ہے پھر "اِنَابَۃ یعنی رجوع" اور پھر "توبہ" ہے۔

"اِسْتِجَابَۃ" (ظاہری) اعضاء کا عمل ہے "اِنَابَۃ" دل کا عمل ہے اور "توبہ" سے مراد بندے کا اپنے مولا عَزَّوَجَلَّ کی طرف یوں متوجہ ہونا ہے کہ مخلوق کو چھوڑ دے پھر اپنی خطاؤں کی بخشش کا سوال کرے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمتوں سے غافل رہنے اور شکر نہ کرنے پر بھی استغفار کرے۔ اس وقت اسے بخش دیا جائے گا اور مالک عَزَّوَجَلَّ کے پاس اس کا ٹھکانا ہوگا۔ اس کے بعد بالترتیب درج ذیل امور بجالائے: تنہائی، ثابت قدمی، بیان و فکر، معرفت، مناجات، خالص دوستی، باہمی تعلق اور راز کی گفتگو جسے "خُلَّۃ" کہتے ہیں اور یہ صفت اسی بندے کے دل کو حاصل ہوتی ہے جس کی غذا "علم" قوت "ذکر" زادِ راہ "رضا" اور دوست "توکل" ہو۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ایسے شخص کی طرف نظر رحمت فرماتا ہے، بارگاہِ الٰہی میں اس کا بلند مقام و مرتبہ حاصل ہوتا ہے جیسا عرش اٹھانے والے فرشتوں کو حاصل ہے۔

"اَلتَّآئِبُ حَبِیْبُ اللہ" کا کیا مطلب ہے؟

حضرت سیِّدُنا سہل تُسْتَرِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی سے اس حدیثِ پاک "اَلتَّآئِبُ حَبِیْبُ اللہ یعنی توبہ کرنے والا اللہ عَزَّوَجَلَّ کا محبوب بندہ ہے"[1] کا مطلب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: بندہ اس وقت محبوب بنتا ہے جب اس میں وہ تمام شرائط پائی جائیں جن کا ذکر اس آیتِ مُبارَکہ میں ہوا ہے:

---

[1] ...نوادر الاصول للحکیم ترمذی، الاصل السادس والمائتان، ۲/ ۷۶۰، حدیث: ۱۰۳۰

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِؕ (پ١١، التوبۃ: ١١٢)

ترجمۂ کنز الایمان: توبہ والے عبادت والے سراہنے والے روزے والے رکوع والے سجدہ والے بھلائی کے بتانے والے اور برائی سے روکنے والے اور اللہ کی حدیں نگاہ رکھنے والے۔

اور فرمایا: حبیب وہی ہوتا ہے جو اپنے محب کے ناپسندیدہ کاموں میں نہیں پڑتا۔

مقصود یہ بتانا ہے کہ توبہ کے دو فائدے ہیں۔

توبہ کے دو فائدے:

❀...**پہلا فائدہ:** توبہ گناہوں کو مٹا دیتی ہے حتّٰی کہ بندہ یوں ہو جاتا ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

❀...**دوسرا فائدہ:** درجات کا حصول ہے یہاں تک کہ بندہ محبوب بن جاتا ہے۔

ایک ذرہ بھی اثر کرتا ہے:

توبہ کے سبب گناہ مٹنے کے کئی درجات ہیں۔ بعض توبہ اصلاً گناہ کو مٹا دیتی ہیں اور بعض سے گناہ ہلکے ہو جاتے ہیں اور یہ تفاوت توبہ کے درجات میں تفاوت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ابتدائی درجات میں دل سے استغفار کرنے اور نیکیوں کے ذریعے گناہوں کا تدارک کرنے سے اگرچہ گناہوں پر اِصرار ختم نہیں ہوتا لیکن ایسا بھی نہیں کہ وہ توبہ فائدہ سے بالکل خالی ہے۔ تو ہرگز یہ گمان نہیں کرنا چاہئے کہ ان درجات کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے بلکہ اہلِ مشاہدہ اور اربابِ قلوب کو ان کے نفع کا یقین ہے کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا یہ فرمان سچا ہے:

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗؕ (۷) (پ٣٠، الزلزال: ٧)

ترجمۂ کنز الایمان: تو جو ایک ذرّہ بھر بھلائی کرے اسے دیکھے گا۔

نیکی کا ایک ذرّہ بھی اسی طرح اثر کرتا جیسا کہ ترازو میں ڈالا جانے والا جَو کا ایک دانہ مؤثر ہوتا ہے اور اگر پہلا دانہ اثر سے خالی ہوتا تو دوسرا بھی اس کی مثل ہوتا اور اس طرح کئی ذرّات اٹھانے کے باوجود ترازو میں جھکاؤ نہ ہوتا اور یہ بات یقیناً محال ہے بلکہ نیکیوں والا پلڑا نیکیوں کے ذرّات کے باعث بھاری ہو جاتا ہے اور

برائیوں والے پلڑے سے بلند ہو جاتا ہے۔ تو تم عبادات کے ذرّات کو چھوٹا سمجھ کر انہیں ترک مت کرو اور گناہوں کے ذرّات کو بھی ہلکا جان کر ان میں مبتلا نہ ہو اور اس بے وقوف عورت کی طرح مت ہو جاؤ جو سوت کاتنے سے اس لئے غفلت کرتی ہے کہ وہ بیک وقت ایک دھاگے سے زیادہ نہیں کات سکتی اور کہتی ہے کہ ایک دھاگے سے کیا فائدہ حاصل ہوگا اور کپڑا بننے میں اس ایک دھاگے کی کیا حیثیت؟ حالانکہ اس بے وقوف کو معلوم نہیں کہ دنیا کے تمام کپڑے ایک ایک دھاگا جمع ہو کر ہی بنے ہیں اور کائنات کے تمام اجسام اس قدر وسعت کے باوجود ایک ایک ذرّہ سے مل کر بنے ہیں۔ پس عاجزی کا اظہار اور دل سے مغفرت طلب کرنا ایک ایسی نیکی ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں بالکل ضائع نہیں ہوتی۔

غفلت میں بھی ذکر فضول نہیں:

میں کہتا ہوں (یعنی سیِّدُنا امام غزالی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَالِی) کہ زبان سے استغفار بھی نیکی ہے کیونکہ غفلت کی حالت میں استغفار کرتے ہوئے زبان کو حرکت دینا کم از کم اس گھڑی میں کسی مسلمان کی غیبت یا فضول کلام سے تو بہتر ہے بلکہ خاموش رہنے سے بھی بہتر ہے۔ زبان سے استغفار کی فضیلت صرف خاموشی کے مقابلے میں ہے دل کے عمل کے مقابلے میں اس کا مقام کم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی نے شیخ حضرت ابو عثمان سعید بن سلام مغربی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی سے کہا کہ ”بعض اوقات میری زبان پر ذکر اور تلاوتِ قرآن جاری ہوتا ہے مگر میرا دل اس سے غافل ہوتا ہے۔“ تو آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: ”اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہارے ایک عضو کو اچھے کام میں مصروف رکھا، اسے ذکر کا عادی بنایا، برائی سے محفوظ رکھا اور فضول کاموں کا عادی نہ بنایا۔“ انہوں نے جو کچھ ذکر فرمایا وہ حق ہے۔

اچھی بری عادات کی مثالیں:

اگر بندہ اعضاء کو نیک کام کی عادت ڈال دے حتّٰی کہ وہ اس کی فطرت بن جائے تو بندہ تمام گناہوں سے چھٹکارا پا سکتا ہے۔ جو شخص اپنی زبان کو استغفار کا عادی بناتا ہے جب وہ دوسرے سے جھوٹ سنتا ہے تو اس کی زبان اپنی عادت کی طرف سبقت کرتی ہے اور وہ فوراً ”اَسْتَغْفِرُ اللہ“ کہتا ہے اور جس انسان کو فضول باتوں کی عادت ہو اس کی زبان سے نکلتا ہے ”تم کتنے بے وقوف ہو“ اور ”تم نے کتنا بڑا جھوٹ بولا ہے“ اور جو شخص

اِسْتِعَاذَہ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ سے پناہ مانگنے کی عادت بنالیتا ہے جونہی وہ کسی شریر کے بُرے افعال کے بارے میں سنتا ہے توزبان کی سبقت کی وجہ سے "نَعُوْذُبِاللہ" کہتا ہے اور جسے فضول بات کہنے کی عادت ہو گی وہ کہے گا "اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی لعنت ہو"۔

ان کلمات میں ایک گناہ کا باعث ہے جبکہ دوسرا اسلامتی کا اور سلامتی کا باعث یہ ہے کہ اس شخص نے اپنی زبان کو اچھی باتوں کا عادی بنایا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ان فرامین سے یہی مراد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۲۰﴾ (پ۱۱، التوبۃ: ۱۲۰)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک اللہ نیکوں کا نیگ (اَجر وانعام) ضائع نہیں کرتا۔

مزید ارشاد فرماتا ہے:

وَ اِنْ تَكُ حَسَنَةً یُّضٰعِفْهَا وَ یُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۴۰﴾ (پ۵، النسآء: ۴۰)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اگر کوئی نیکی ہو تو اسے دونی کرتا اور اپنے پاس سے بڑا ثواب دیتا ہے۔

غور کرو! کس طرح اللہ عَزَّوَجَلَّ نے نیکی کو بڑھایا کہ غفلت کی حالت میں بھی استغفار کو زبان کی عادت بنادیا حتّٰی کہ اس عادت کے ذریعے غیبت، لعنت اور فضول باتوں کی وجہ سے پیدا ہونے والے نافرمانی کے شر کو دور فرمادیا۔ یہ تو ایک معمولی نیکی کا دنیا میں بڑھنا ہے اور آخرت کا بڑھنا تو بہت بڑا ہے اگر لوگ جانیں۔

شیطان کا مکر اور لوگوں کی اقسام:

تمہیں محض آفات کا خیال کرکے عبادات کو معمولی نہیں سمجھنا چاہئے کہ اس طرح عبادات میں تمہاری رغبت کم ہوجائے گی۔ یہ ایک چال ہے جسے شیطان اپنی لعنت سے رواج دیتا اور دھوکے میں مبتلا لوگوں کو پھنساتا ہے اور ان کے ذہن میں یہ بات ڈالتا ہے کہ وہ روشن دل ہیں نیز اسرار و مخفی باتوں کے جاننے والے سمجھ دار ہیں بھلا دل کے غافل ہوتے ہوئے صرف زبان سے ذکر کرنے میں کیا بھلائی ہے۔

شیطان کے اس مکر و فریب کے حوالے سے لوگوں کی تین قسمیں ہیں: (۱) نیکیوں میں سبقت کرنے والے۔ (۲) خود پر ظلم کرنے والے۔ (۳) میانہ روی اختیار کرنے والے۔

نیکیوں میں سبقت کرنے والے:

جو لوگ سبقت کرنے والے ہیں وہ کہتے ہیں: اے لعنتی! تو نے سچ کہا لیکن تیرا مقصود باطل ہے۔ میں تجھے دو مرتبہ سزا دوں گا اور دو طریقوں سے تجھے ذلیل کروں گا۔ میں زبان کی حرکت کے ساتھ ساتھ دل کو بھی شریک کروں گا۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جو شیطان کے زخموں کا علاج ان پر نمک چھڑک کر کرتا ہے۔

خود پر ظلم کرنے والے:

جو لوگ خود پر ظلم کرتے اور دھوکے کا شکار ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ان باریک باتوں سے واقف ہیں یوں وہ دل کے اخلاص سے عاجز و محروم ہو جاتے ہیں اور زبان کو ذکر کا عادی بنانا چھوڑ دیتے ہیں پس وہ شیطان کی مدد کرتے ہیں اور اس کے دھوکے کی رسی سے لٹک جاتے ہیں اور اس طرح ان کے اور شیطان کے درمیان مُوافقت و مُشارکت ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے:

وَافَقَ شَنٌّ طَبَقَهٗ وَافَقَهٗ فَاعْتَنَقَهٗ

ترجمہ: مشکیزے کے منہ کو بند کرنے والی چیز اس کے موافق ہو گئی تو اس نے اسے گلے میں لٹکا لیا۔

میانہ روی اختیار کرنے والے:

جہاں تک میانہ روی اختیار کرنے والوں کی بات ہے تو یہ لوگ شیطان کو ذلیل کرنے کے لئے اپنے دل کو زبان کے ساتھ شریک نہیں کر پاتے اور جانتے ہیں کہ محض زبانی ذکر دل کی نسبت ناقص ہے لیکن خاموشی اور فضول باتوں کے مقابلے میں افضل ہے۔ یہ لوگ زبانی ذکر برقرار رکھتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ بھلائی کی عادت بنانے میں **اللہ** عَزَّوَجَلَّ ان کے دلوں کو زبان کے ساتھ شریک کر دے۔

تین شخصوں کی مثالیں:

سبقت کرنے والے کی مثال اس جُلا ہے (یعنی کپڑا بُننے والے) کی سی ہے جس کے کام کی مَذمّت کی جائے تو وہ اسے ترک کر دے اور کاتِب بن جائے۔ شیطان کے بہکاوے میں رہ کر خود پر ظلم کرنے والا اس جُلا ہے کی طرح ہے جو اپنا پیشہ چھوڑ کر خاکروب (بھنگی) بن جائے۔ مِیانہ روی اختیار کرنے والے کی مثال اس شخص

کی سی ہے جو کتابت سے عاجز ہوتا ہے اور کہتا ہے مجھے جُلا ہے کے پیشے کی مذمت سے انکار نہیں لیکن یہ کاتب کے مقابلے میں مذموم ہے خاکروب کے مقابلے میں نہیں لہٰذا جب میں کتابت سے عاجز ہوں تو جُلا ہے کے پیشے کو نہیں چھوڑ سکتا۔

ایک وسوسے کا علاج:

حضرت سیِّدَتُنا رابعہ بصریہ عدویہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہَا کے فرمان "ہمارا استغفار خود کئی استغفار کا محتاج ہے" سے ہرگز تم یہ گمان نہ کرنا کہ انہوں نے (غافل شخص کے) زبانی ذکر کی مذمت کی ہے بلکہ انہوں نے دل کی غفلت کی مذمت کی ہے تو مزید استغفار کی حاجت دل کی غفلت کی وجہ سے ہے نہ کہ زبان کی حرکت کی وجہ سے اور اگر انسان زبانی استغفار سے بھی خاموش ہو جائے تو اب ایک نہیں بلکہ دوہرے استغفار کا محتاج ہو گا۔ تمہیں چاہئے کہ جب کسی کی مذمت یا تعریف کی جائے تو اسے اچھی طرح سمجھو ورنہ ہمیشہ سچ کہنے والی ذات حضور نبیِّ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی اس حدیث کا درست مطلب سمجھ نہ پاؤ گے "حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْن یعنی نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے لئے خطا کا درجہ رکھتی ہیں۔"

ایسی باتوں کی حقیقت اسی وقت واضح ہوتی ہے جب انہیں دوسری باتوں کی طرف نسبت کرتے ہوئے سمجھا جائے۔ بغیر نسبت ایسی باتوں سے گریز کرنا چاہئے بلکہ مناسب تو یہ ہے کہ عبادات اور گناہوں کے ذرّات کو بھی حقیر نہ جانا جائے۔ اسی لئے حضرت سیِّدُنا امام جعفر صادق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: "اللہ عَزَّوَجَلَّ نے تین چیزیں تین چیزوں میں چھپا رکھی ہیں اپنی رضا کو اپنی اطاعت میں تو کسی نیکی کو حقیر نہ جانو ممکن ہے اس کی رضا اسی میں ہو اور اپنے غضب کو اپنی نافرمانی میں پوشیدہ رکھا ہے تو کسی گناہ کو ہلکا نہ جانو ممکن ہے اس کا غضب اسی میں ہو اور اپنی ولایت کو اپنے بندوں میں چھپا رکھا ہے تو کسی کو حقیر نہ جانو ممکن ہے وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ولی ہو۔" مزید فرمایا کہ قبولیت کو دعا میں پوشیدہ رکھا ہے تو دعا کبھی نہ چھوڑو قبولیت کی گھڑی کوئی بھی ہو سکتی ہے۔

چوتھا رکن: توبہ کی دوا اور گناہوں پر اصرار کا علاج

جان لو کہ لوگوں کی دو قسمیں ہیں:

...**پہلی قسم:** وہ نوجوان جو خواہش کا پیروکار نہ ہو اور اس کی تربیت نیکی کرنے اور برائی سے بچنے پر ہوتی

ہو۔ اسی نوجوان کے بارے میں نبیوں کے سردار، دوعالم کے مالک ومختار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”تَعَجَّبَ رَبُّکَ مِنْ شَابٍّ لَّیْسَتْ لَہٗ صَبْوَۃٌ یعنی تیرے رب عَزَّوَجَلَّ کو وہ نوجوان پسند ہے جو خواہش کی پیروی سے بچتا ہو۔“(1) اس قسم کے نوجوان نادر ہیں بہت کم پائے جاتے ہیں۔

...**دوسری قسم:** ان لوگوں کی ہے جو گناہوں کے ارتکاب سے خالی نہیں ہوتے۔ ایسے لوگوں کی مزید دو قسمیں ہیں: (۱) گناہ پر ڈٹے رہنے والے (۲) توبہ کرنے والے۔

دل کے علاج کا طریقہ:

ہم گناہوں پر اصرار (یعنی ڈٹے رہنے) کا علاج اور اس سلسلے میں دوا کا ذکر کریں گے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ توبہ کی شفا دوا سے ہوتی ہے اور دوا سے وہی واقف ہوتا ہے جو بیماری سے آگاہ ہو کیونکہ دوا نام ہے مرض کے اسباب کی ضد کا تو کسی بھی سبب سے آنے والی ہر بیماری کا علاج اس سبب کو دور کرنا، اسے ختم کرنا اور باطل کرنا ہے اور کسی بھی شے کا بطلان اس کی ضد سے ہوتا ہے اور گناہوں پر اصرار کا سبب فقط غفلت اور شہوت ہے اور غفلت کی ضد علم ہے جبکہ شہوت کی ضد ان اسباب کے ختم ہونے پر صبر کرنا ہے جو شہوت کے مُحرِّک ہیں اور غفلت خطاؤں کی جڑ ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ (پ۱۴، النحل: ۱۰۸، ۱۰۹)

ترجمۂ کنزالایمان: اور وہی غفلت میں پڑے ہیں آپ ہی ہوا کہ آخرت میں وہی خراب ہیں۔

معلوم ہوا کہ توبہ کی دوا ایک ایسا معجون ہے جو علم کی مٹھاس اور صبر کی کڑواہٹ سے مرکب ہو جس طرح سِکَنْجَبِیْن شکر کی مٹھاس اور سرکے کی تُرشی سے مل کر بنتی ہے اور سرکہ اور شکر کا یہ مجموعہ صَفْرا کے اسباب کے خاتمہ کا باعث ہے۔ تو جو شخص گناہوں پر اصرار کی بیماری میں مبتلا ہو اسے چاہئے کہ دل کے علاج کا طریقہ سمجھ لے۔ چنانچہ اس دوا کی اصل دو چیزیں ہیں: (۱) علم (۲) صبر۔ ان دونوں کی وضاحت ضروری ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

گناہوں پر اصرار کے خاتمہ کے لئے ہر علم نفع بخش ہے یا اس کے لئے کوئی خاص علم ہے؟ **جواب:** تمام

---

1 ...المسند للامام احمد بن حنبل، حدیث عقبۃ بن عامر، ۶/ ۱۳۴، حدیث: ۱۷۳۷۶

علوم دل کے امراض کے علاج کے لئے دوا کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن ہر مرض کے لئے ایک مخصوص علم ہے جیسا کہ علم طب تمام امراض کے علاج کے لئے نفع بخش ہے لیکن ہر بیماری ایک مخصوص علم کے ساتھ خاص ہے۔ یہی معاملہ گناہوں پر اصرار کی دوا کا ہے۔ ہم جسمانی امراض کی مثالیں دے کر اس خاص علم کا ذکر کرتے ہیں تاکہ سمجھنا آسان ہو۔

بیمار کے لئے چار ضروری باتیں:

ہم کہتے ہیں کہ بیمار بہت سی باتوں کی تصدیق کا محتاج ہوتا ہے۔

پہلی بات:

سب سے پہلے تو بیمار اس بات کی تصدیق کرے کہ بیماری اور صحت کے اسباب ہیں جن تک رسائی اختیار سے حاصل ہوتی ہے جیسا کہ مُسَبِّبُ الاَسباب نے ان کو مرتب فرمایا ہے۔

یہ اصل طب پر یقین کرنا ہے کیونکہ جو آدمی طب پر یقین نہیں رکھتا وہ علاج میں مشغول نہیں ہو سکتا اور اس کا ہلاک ہونا یقینی ہوتا ہے۔ جس بارے میں ہم بحث کر رہے ہیں اس کی مثال یہ ہے کہ اصل شریعت پر ایمان رکھنا اور وہ یہ ہے کہ اُخروی سعادت کا ایک سبب ہے جو کہ عبادت ہے اور بدبختی کا بھی ایک سبب ہے جو گناہ ہے۔ یہی اصل شریعت پر ایمان لانا ہے اور اس کا حصول ضروری ہے چاہے تحقیق کے ساتھ ہو یا تقلید کے ذریعے اور یہ دونوں باتیں ایمان سے ہیں۔

دوسری بات:

یہ بھی ضروری ہے کہ مریض کسی معیَّن طبیب پر یقین رکھتا ہو کہ وہ طب کا خوب جاننے والا اور ماہر ہے، جو کچھ بتاتا ہے سچ کہتا ہے دھوکے اور جھوٹ سے کام نہیں لیتا۔ کیونکہ جب تک مریض کو طبیب کی مہارت کا یقین نہ ہوگا تو خالی طب پر یقین رکھنا سود مند نہ ہوگا۔

ہمارے موضوع کے مطابق اس کی مثال یہ ہے کہ بندہ رسولُ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے سچا ہونے کا یقین اور ایمان رکھتا ہو کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم جو بھی فرماتے ہیں وہ حق اور سچ ہے اس میں جھوٹ اور خلاف واقع بات نہیں۔

تیسری بات:

مریض کے لئے ضروری ہے کہ طبیب کی بات پر خوب دھیان دے تاکہ اس کے منع کردہ پھلوں کے کھانے سے رک سکے اور تمام تر مُضِر اسباب سے ڈرے تاکہ بدپرہیزی کے نقصان کا خوف اس پر غالب آجائے اس طرح خوف کی شدت اسے پرہیز پر ابھارے گی۔

دینی امور میں اس کی مثال یہ ہے کہ جو آیات اور احادیث مبارکہ تقویٰ کی ترغیب دلاتی ہیں اور گناہوں کے ارتکاب نیز خواہشات کی اتباع سے روکتی ہیں ان پر خوب دھیان دے مزید جو کچھ اس سلسلے میں سنے بغیر شک وتردُّد کے اس کی تصدیق کرے حتّٰی کہ اس سے ایسا خوف پیدا ہو جو صبر کو تقویت دے جو کہ علاج کے سلسلے میں ایک رکن ہے۔

چوتھی بات:

مریض کو چاہئے کہ طبیب کی اس بات کو غور سے سنے جو اس کے مرض کے ساتھ خاص ہے اور جن سے اسے پرہیز کرنا ضروری ہے تاکہ اوّلاً وہ ان افعال واحوال اور کھانے پینے کی اشیاء کی تفصیل جان جائے جو اس کے لئے نقصان دہ ہیں کیونکہ ہر مریض کو ہر چیز سے پرہیز لازم نہیں اور نہ ہی ہر دوا ہر مریض کو فائدہ دیتی ہے بلکہ ہر بیماری کا ایک خاص علم اور خاص علاج ہے۔

دین کے اعتبار سے اس کی مثال یہ ہے کہ ہر انسان ہر خواہش اور گناہ میں مبتلا نہیں ہوتا بلکہ ہر مومن ایک یا چند مخصوص گناہوں میں گرفتار ہوتا ہے تو ابتداءً بندے کو یہ ضرور معلوم ہونا چاہئے کہ یہ گناہ ہے۔ اس کے بعد اس گناہ کی آفات اور نقصان کی مقدار کو جاننا چاہئے پھر اسے یہ جاننا چاہئے کہ اس سے بچنے کا کیا ذریعہ ہے اور پھر اس بات کو جاننا چاہئے کہ جو گناہ اس سے سرزد ہو چکا اس کا کفارہ کیسے ادا ہوگا۔ یہ علوم دینی طبیبوں کے ساتھ خاص ہیں اور وہ علما ہیں جو انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کے وارث ہیں۔

علما اور حکمرانوں کی ذمہ داری:

جب گناہ گار کو اپنے گناہ کا علم ہو جائے تو اس پر لازم ہے کہ ایسے طبیب سے علاج کروائے جو عالِم ہو اور

اگر بندہ نہ جانتا ہو کہ جو کچھ اس نے کیا ہے وہ گناہ ہے تو عالم کے لئے ضروری ہے کہ اسے آگاہ کرے اور یہ اسی صورت ممکن ہے کہ ہر عالِم کسی نہ کسی علاقے، شہر، محلے، مسجد یا کسی مجمع کی ذمہ داری سنبھالے اور وہاں کے رہنے والوں کو دین کا علم سکھائے اور ان کے سامنے واضح کرے کہ کونسی چیز ان کے لئے نقصان دہ ہے اور کس میں ان کا نفع ہے، کیا بات ان کی بد بختی کا باعث ہے اور کس بات میں سعادت مندی ہے اور عالم اس بات کا انتظار نہ کرے کہ لوگ آکر اس سے سوال کریں تو ہی بتائے بلکہ عالم کو چاہئے کہ خود ہی لوگوں کو دین کی دعوت دے کیونکہ علما انبیائے کرام عَلَیۡہِمُ السَّلَام کے وارث ہیں اور انبیائے کرام عَلَیۡہِمُ السَّلَام نے لوگوں کو ان کی جہالت پر نہیں چھوڑا بلکہ لوگوں کو ان کی مجلسوں میں پکارتے اور ابتدا میں لوگوں کے دروازوں پر جاتے اور ایک ایک کو بلا کر ہدایت کا رستہ دکھاتے کیونکہ دل کے مریض اپنی بیماری کا علم نہیں رکھتے جیسے کسی کے چہرے پر برص ہو جائے اور اس کے پاس آئینہ نہ ہو تو جب تک دوسرا شخص اسے نہ بتائے اسے اپنے مرض کا علم نہیں ہوتا۔ یہ بات تمام اہلِ علم حضرات پر ضروری و لازم ہے۔

حکمرانوں پر لازم ہے کہ وہ ہر بستی اور محلے میں کسی دیندار فقیہ عالم کو مقرر کریں جو لوگوں کو دین سکھائے کیونکہ لوگوں کی پیدائش جہالت پر ہوتی ہے لہٰذا اصل اور فرع دونوں تک اسلامی احکام پہنچانا ضروری ہیں۔ دنیا بیماروں کا مسکن ہے کیونکہ زمین کے اندر فوت شدہ اور اس کے اوپر بیمار رہتے ہیں اور دلوں کے مریض جسم کے مریضوں سے زیادہ ہیں۔ علما طبیب ہیں اور حکمران اس مسکن کی دیکھ بھال کرنے والے تو جس مریض پر علما کا علاج کارگر نہ ہو سکے اسے حکمران کے سپرد کیا جائے تاکہ وہ اس کے شر کو روکے جیسا کہ طبیب پرہیز نہ کرنے والے مریض کو یا جس پر جنون طاری ہو اسے اس کی دیکھ بھال کرنے والے کے حوالے کر دیتا ہے تاکہ وہ اسے زنجیروں میں جکڑ دے اور خود کو اور تمام لوگوں کو اس کے شر سے محفوظ رکھے۔

دل کے مریضوں کی کثرت کی وجوہات:

دل کے امراض تین وجوہات کی بنا پر جسمانی امراض سے زیادہ ہیں۔

پہلی وجہ:

دل کا مریض یہ نہیں جانتا کہ وہ بیمار ہے۔

دوسری وجہ:

دل کے مرض کا انجام اس دنیا میں نظر نہیں آتا جبکہ جسمانی مرض کا انجام موت ہے جو دکھائی دیتی ہے اور طبیعتیں اس سے نفرت کرتی ہیں اور موت کے بعد کے مَناظِر دکھائی نہیں دیتے۔ گناہوں کا انجام دل کی موت ہے جس کا مشاہدہ اس دنیا میں نہیں ہوتا اسی لئے گناہوں سے نفرت بھی کم ہوتی ہے اگرچہ اس کا ارتکاب کرنے والے کو اس کے گناہ ہونے کا علم ہو۔ یہی وجہ ہے تم دیکھو گے کہ قلبی بیماری میں انسان اللہ عَزَّوَجَلَّ پر بھروسا کرتا ہے جبکہ جسمانی بیماری میں بھروسا کیے بغیر علاج کرواتا ہے۔

تیسری وجہ:

مرض میں سنگین ترَبات یہ ہے کہ طبیب ہی نہ ملے اور طبیب تو علما ہیں جو آج کے دور میں خود شدید بیمار ہیں حتّٰی کہ وہ علاج کرنے سے عاجز آچکے ہیں، ان کا مرض اس قدر بڑھ چکا ہے کہ ان پر نقصان ظاہر نہیں ہوتا، وہ لوگوں کو گمراہ کرنے پر مجبور ہوگئے اور لوگوں کو ایسی راہیں دکھاتے ہیں جو ان کے مرض کو مزید بڑھاتی ہیں۔ مہلک بیماری تو دنیا کی محبت ہے اور یہ بیماری خود اطبا پر غالب آچکی ہے جس کی وجہ سے وہ لوگوں کو حب دنیا سے نہیں ڈراتے کیونکہ انہیں اس بات کا خوف ہے کہ لوگ کہیں گے ”تمہارا کیا حال ہے کہ دوسروں کو علاج کا حکم دیتے ہو اور خود کو بھولے بیٹھے ہو۔“ اسی سبب سے یہ مرض تمام مخلوق میں عام ہو چکا ہے اور اس کی وبا بہت بڑھ گئی ہے۔ دوا ختم ہوگئی ہے اور لوگ طبیبوں کے فقدان کی وجہ سے ہلاک ہوگئے بلکہ طبیب لوگوں کو گمراہ کرنے میں مشغول ہوگئے۔

کاش! اگر وہ نصیحت نہیں کرتے تو دھوکے میں مبتلا بھی نہ کرتے، اصلاح نہیں کرسکتے تو فساد پھیلانے سے ہی باز رہتے۔ کاش! وہ خاموش رہیں اور کچھ نہ بولیں کیونکہ وہ جب بھی بولتے ہیں تو ان کے وعظ کا بنیادی مقصد لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنا ہوتا ہے اور ان کے اس مقصد کا حصول امید بھرے بیانات کرنے، اسباب امید کو ترجیح دینے نیز رحمت کے دلائل ذکر کرنے سے ہی ہوتا ہے کیونکہ یہ باتیں سننے میں باعث لذّت اور طبیعتوں پر ہلکی ہوتی ہیں۔ اب جب لوگ وعظ کی مجلسوں سے اٹھ کر جاتے ہیں تو گناہوں پر مزید جَرِی ہوچکے ہوتے ہیں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل پر بھروسا بڑھ جاتا ہے۔

جب طبیب جاہل یا خائن ہو گا تو دوا کے ذریعے ہلاک کر دے گا کیونکہ وہ اس دوا کا استعمال غیر محل میں کرے گا۔

دو دَوائیں اور دو مریض:

امید اور خوف دو دوائیں ہیں لیکن یہ دونوں دو مختلف بیماریوں میں مبتلا شخصوں کے لئے ہیں۔ جس شخص پر خوف کا غلبہ ہو حتّٰی کہ وہ دنیا سے بالکل دوری اختیار کرلے اور خود کو ایسے کام کا مکلّف بنائے جس کی طاقت نہیں رکھتا اور اپنے آپ پر زندگی بالکل تنگ کر دے تو ایسے شخص کے سامنے امید کے اسباب ذکر کر کے اس کے خوف کو کم کیا جائے تاکہ وہ اعتدال کی طرف آجائے۔ اسی طرح جو شخص گناہوں پر مُصِر ہو اور توبہ کی خواہش بھی رکھتا ہو لیکن سابقہ گناہوں کو بہت بڑا سمجھتے ہوئے ناامیدی اور مایوسی کا شکار ہو اس کا علاج بھی امید کے اسباب کے ذریعے کیا جائے یہاں تک کہ اسے توبہ کی قبولیت کی امید ہو اور وہ توبہ کرلے۔ خبردار! گناہوں میں ڈوبے ہوئے مغرور شخص کا علاج امید کے اسباب کے ذریعے کرنا ایسا ہے جیسے گرمی کے مریض کا شہد سے علاج کرنا۔ یہ جاہلوں اور کند ذہن لوگوں کا طریقہ ہے غرضیکہ طبیبوں کے فساد کی وجہ سے مرض اتنا اُلجھ چکا ہے کہ وہ دوا کو بالکل قبول نہیں کرتا۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر تم کہو کہ وعظ کا کوئی ایسا طریقہ ذکر کیا جائے جسے واعظین مخلوق کو وعظ کرتے ہوئے اختیار کرسکیں؟ **جواب:** تو جان لو کہ اس میں بہت تفصیل ہے اور اس کا بیان بہت مشکل ہے۔ البتہ! ہم گناہوں پر اصرار کے خاتمہ اور لوگوں کو گناہ چھوڑنے پر ابھارنے کے لئے کچھ فائدہ مند کلام چار طریقوں کی صورت میں ذکر کرتے ہیں۔

وعظ و نصیحت کے چار طریقے

ڈَروالی آیات و روایات کے ذریعے وعظ کرنا:

۞...**پہلا طریقہ:** واعظ کو چاہیے کہ قرآن پاک کی ان آیات کا ذکر کرے جن میں گناہ گاروں اور نافرمانوں کو

ڈرایا گیا ہے۔ اسی طرح جو احادیث مبارَکہ اس سلسلے میں مروی ہیں وہ اور بزرگانِ دین کے اقوال بیان کرے۔ مثلاً حضور نبیِّ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ارشادِ معظم ہے کہ ہر وہ دن جس کی فجر طلوع ہوتی ہے اور ہر وہ رات کہ جس کی شَفَق (یعنی غروبِ آفتاب کے وقت کی سُرخی) غائب ہوتی ہے دو فرشتے چار آوازوں میں ایک دوسرے کو جواب دیتے ہیں۔ پہلا فرشتہ کہتا ہے: "کاش! یہ مخلوق پیدا نہ ہوتی۔" دوسرا فرشتہ کہتا ہے: "جب یہ پیدا کیے گئے ہیں تو کاش یہ اپنا مقصدِ تخلیق جانتے۔" پھر پہلا فرشتہ کہتا ہے: "اگر ان کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ یہ کیوں پیدا ہوئے تو کاش! جس بات کا علم رکھتے ہیں اس پر عمل کرتے۔"

بعض روایات میں ہے (کہ ایک فرشتہ کہتا ہے): "کاش! یہ لوگ جن باتوں کا علم رکھتے ہیں اپنی مجلسوں میں ان کا تذکرہ کرتے۔" اور دوسرا کہتا ہے: "کاش! جب انہوں نے اپنے علم پر عمل نہیں کیا تو جو عمل کیا ہے اس سے توبہ ہی کر لیتے۔"

چھ ساعتوں کی مہلت:

کسی بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کا فرمان ہے: جب بندہ گناہ کرتا ہے تو دائیں طرف والا فرشتہ جو کہ بائیں طرف والے پر امیر ہے اسے حکم دیتا ہے کہ چھ ساعتوں تک اپنا قلم اٹھائے رکھ اگر وہ استغفار کرلے تو اس کا گناہ نہ لکھ اور اگر استغفار نہ کرے تو لکھ لے۔

تم نے پیدا کیا ہوتا تو تمہیں رحم آتا:

کسی بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کا یہ بھی فرمان ہے کہ بندہ جب گناہ کرتا ہے تو جس حصہ زمین پر ہوتا ہے وہ زمین اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اجازت مانگتی ہے کہ اسے اندر دھنسا دے اور آسمان کی چھت کا ٹکڑا اس پر گرنے کی اجازت طلب کرتا ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ زمین و آسمان سے فرماتا ہے: "میرے بندے سے رک جاؤ اور اسے مہلت دو، تم نے اسے پیدا نہیں کیا، اگر تم نے اسے پیدا کیا ہوتا تو تمہیں اس پر رحم آتا، اگر وہ میری بارگاہ میں توبہ کرے تو میں اسے بخش دوں اور اگر وہ اس گناہ کے بدلے نیکی کرے تو میں اس کے گناہ کو نیکی میں تبدیل کر دوں۔" اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس ارشاد گرامی کا یہی معنٰی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ یُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ۬ وَ لَىٕنْ زَالَتَاۤ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ (پ۲۲،فاطر:۴۱)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک اللہ روکے ہوئے ہے آسمانوں اور زمین کو کہ جنبش نہ کرے اور اگر وہ ہٹ جائیں تو انہیں کون روکے اللہ کے سوا۔

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عُمَر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی حدیث پاک میں ہے: ”اَلطَّابِعُ مُعَلَّقٌ بِقَائِمَةِ الْعَرْشِ فَاِذَا انْتَهَكَتِ الْحُرُمَاتُ وَاسْتُحِلَّتِ الْمَحَارِمُ اَرْسَلَ اللّٰهُ الطَّابِعَ فَيَطْبَعُ عَلَى الْقُلُوْبِ بِمَا فِيْهَا یعنی مہر لگانے والا عرش کے پائے سے لٹکا ہوا ہے، جب بے حرمتی بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے اور حرام کو حلال ٹھہرایا جاتا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ مہر لگانے والے کو بھیجتا ہے وہ دلوں پر مہر لگا دیتا ہے جو کچھ ان میں ہو۔“[1]

دل کھلی ہتھیلی کی مانند ہے:

حضرت سیِّدُنا مجاہد عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْوَاحِد سے روایت ہے کہ دل کھلی ہتھیلی کی مانند ہے جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو ایک انگلی بند ہو جاتی ہے یہاں تک کہ تمام انگلیاں بند ہو جاتی ہیں اس طرح دل بند ہو جاتا ہے یہی مہر لگنا ہے۔[2]

دل پر مہر کر دی گئی تو نیکی کی توفیق نہ ملے گی:

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی نے فرمایا: ”بندے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے درمیان گناہوں کی ایک معیَّن حد ہے جب بندہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کے دل پر مہر کر دیتا ہے اس کے بعد اسے نیکی کی توفیق نہیں دی جاتی۔

گناہوں کی مذمت اور توبہ کرنے والوں کی تعریف میں بے شمار احادیث و آثار موجود ہیں۔ واعظ اگر رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا وارث (یعنی عالم) ہے تو اسے چاہئے کہ ان کو کثرت سے بیان کرے کیونکہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے دینار و دِرہم نہیں چھوڑے بلکہ آپ کی وراثت علم و حکمت ہے[3]

1 ... موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب التوبۃ، ۳/ ۳۹۳، حدیث: ۲۳، بتغیر، عن ابن عمر رضی اللہ عنہ

2 ... الزھد لابن المبارک، ص ۳۷۸، الحدیث: ۱۰۷۱، قول مجاھد، بتغیر قلیل

3 ... سنن ابی داود، کتاب العلم، باب الحث علی طلب العلم، ۳/ ۴۴۴، حدیث: ۳۶۴۱

اور ہر عالم کو جس قدر پہنچی وہ اس میں آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا وارث ہے۔

انبیا و اولیا کے واقعات کے ذریعے وعظ کرنا:

...**دوسرا طریقہ:** (وعظ کا ایک طریقہ یہ ہے کہ) انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام اور سلف صالحین رَحِمَہُمُ اللہُ الْمُبِیْن کی حکایات اور ان کے امتحان کے سلسلہ میں ان پر جو آزمائشیں آئیں وہ بیان کی جائیں کہ وہ مخلوق کے دلوں پر خوب اَثر کرتی اور انہیں نفع پہنچاتی ہیں۔ مثلاً حضرت سیِّدُنا آدم صَفِیُّ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا جنّت سے زمین پر اُترنے کا واقعہ کہ روایت میں ہے: جب آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے (ممنوعہ) درخت سے کھایا تو آپ کے جسم سے جنّتی لباس اُتر گیا اور سَتْر ظاہر ہو گیا مگر تاج اور دستار کو آپ کے سر سے اُترنے میں حیا آئی تو حضرت سیِّدُنا جبرئیلِ امین عَلَیْہِ السَّلَام نے آپ کے سر مبارک سے تاج اُتارا اور دستار کھولی۔ عرش سے ندا آئی کہ "دونوں (یعنی حضرت آدم و حوّا عَلَیْہِمَا السَّلَام) جنت سے اُتر جاؤ لغزش میں پڑ جانے والے میرے ہاں نہیں رہتے۔" حضرت سیِّدُنا آدم عَلَیْہِ السَّلَام نے حالتِ گریہ میں حضرت سیِّدَتُنا حوّا رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی طرف دیکھا اور ارشاد فرمایا: "ہماری لغزش کا پہلا اثر یہ ہے کہ ہم محبوب کے دربار سے دور کر دیئے گئے۔"[1]

سیِّدُنا سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام کا امتحان:

مروی ہے کہ حضرت سیِّدُنا سلیمان بن داوٗد عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِمَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو اس بات پر تنبیہ کی گئی کہ ایک عورت نے اپنے باپ کے حق میں آپ سے فیصلہ کرنے کی درخواست کی تو آپ نے اس کی درخواست قبول کر لی اگرچہ اس پر عمل نہ فرمایا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس عورت کی خاطر اس کے باپ کے حق میں فیصلہ کرنے کا خیال پیدا ہونے کے سبب آپ عَلَیْہِ السَّلَام 40 روز تک بادشاہت سے محروم کر دیئے گئے۔ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے بہت گریہ وزاری کی اور خوفِ خدا میں بے خود ہو گئے۔ ہاتھ پھیلا کر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں سوال کرتے لیکن بھوکے ہی رہتے۔ جب آپ عَلَیْہِ السَّلَام کہتے کہ مجھے کھانا دو میں سلیمان بن داوٗد ہوں تو آپ کو زخمی کیا جاتا اور دور کر دیا

---

[1]... یہاں ایک روایت کا ترجمہ نہیں دیا گیا اس کی عربی عبارت کتاب کے آخر میں دے دی گئی ہے۔

جاتا اور مارا جاتا۔ منقول ہے کہ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے ایک گھر سے کھانا طلب کیا تو صاحب خانہ نے آپ کو لوٹا دیا[1]۔ حتّٰی کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مچھلی کے پیٹ سے آپ کے لئے ایک انگوٹھی نکالی جسے آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے 40دن کے امتحان کے بعد پہنا تو پرندے آکر آپ کے سر مبارک پر جھکنے لگے اور جن، شیطان اور جنگلی جانور آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ جن لوگوں نے آپ سے ناروا سلوک کیا تھا وہ اب معذرت کرنے لگے۔ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا: تم نے اس سے پہلے مجھ سے جو سلوک کیا میں اس پر تمہیں ملامت نہیں کرتا اور نہ ہی معذرت کرنے پر تمہاری تعریف کرتا ہوں، یہ تو ایک آسمانی حکم تھا جو ہو کر رہنا تھا۔

اسرائیلی روایات میں ہے کہ ایک شخص نے کسی دوسرے شہر کی ایک عورت سے نکاح کیا اور اسے اپنے ہاں لانے کے لئے اپنا غلام بھیجا۔ اس عورت کا نفس غلام کی طرف مائل ہوا تو اس نے قربت کی دعوت دی لیکن غلام اس سے باز رہا اور خود کو گناہ سے بچالیا۔ راوی کہتے ہیں کہ ان کے تقوٰی کی وجہ سے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انہیں نبی بنا دیا۔ وہ بنی اسرائیل میں نبی تھے[2]۔

حضرت سیِّدُنا موسیٰ کَلِیْمُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے واقعات میں سے ہے کہ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے حضرت خضر عَلَیْہِ السَّلَام سے پوچھا: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ نے کس سبب سے آپ کو غیب پر مطلع فرمایا؟'' حضرت سیِّدُنا

1... یہاں کچھ عبارت کا ترجمہ نہیں دیا گیا اس کی عربی عبارت کتاب کے آخر میں دے دی گئی ہے۔

2... نبوّت وہبی ہے کسبی نہیں۔ چنانچہ دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 1250 صفحات پر مشتمل کتاب بہارِ شریعت، جلد اول، حصہ 1، صفحہ 38 پر صَدْرُ الشَّرِیْعَہ، بَدْرُ الطَّرِیْقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی نقل فرماتے ہیں: نبوّت کسبی نہیں کہ آدمی عبادت و رِیاضت کے ذریعہ حاصل کرسکے، بلکہ محض عطائے الٰہی ہے، کہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے دیتا ہے، ہاں! دیتا اسی کو ہے جسے اس منصبِ عظیم کے قابل بناتا ہے، جو قبلِ حصولِ نبوّت تمام اخلاقِ رذیلہ سے پاک، اور تمام اخلاقِ فاضلہ سے مُزَیَّن ہو کر جملہ مدارجِ ولایت طے کر چکتا ہے اور اپنے نسب و جسم و قول و فعل و حرکات و سکنات میں ہر ایسی بات سے مُنَزَّہ ہوتا ہے جو باعثِ نفرت ہو، اسے عقلِ کامل عطا کی جاتی ہے، جو اوروں کی عقل سے بدرجہا زائد ہے، کسی حکیم اور کسی فلسفی کی عقل اس کے لاکھویں حصہ تک نہیں پہنچ سکتی۔ ﴿اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ﴾ (پ۸، الانعام: ۱۲۴، ترجمۂ کنزالایمان: اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے) ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۝۲۱﴾ (پ۲۷، الحدید: ۲۱، ترجمۂ کنزالایمان: یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے) اور جو اسے (نبوت) کو کسبی مانے کہ آدمی اپنے کسب و ریاضت سے منصبِ نبوت تک پہنچ سکتا ہے، کافر ہے۔

خضر عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا: ”اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رضا کے لئے گناہوں سے دور رہنے کی وجہ سے۔“

مروی ہے کہ حضرت سیِّدُنا سلیمان عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام ہوا میں سیر کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے اپنی نئی قمیص کی طرف اس طرح نظر کی گویا اسے پسند فرمایا۔ راوی کہتے ہیں کہ ہوا نے آپ عَلَیْہِ السَّلَام کو زمین پر اُتار دیا۔ آپ نے ہوا سے فرمایا: ”تو نے ایسا کیوں کیا؟ کیا تو میرے لئے مُسَخَّر نہیں؟“ ہوا نے کہا: ”ہم آپ کی اطاعت اسی لئے کرتے ہیں کہ آپ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا حکم بجالاتے ہیں۔“

سیِّدُنا یعقوب عَلَیْہِ السَّلَام کا امتحان:

روایت میں ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت سیِّدُنا یعقوب عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی طرف وحی فرمائی: ”تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تمہیں تمہارے بیٹے یوسف سے کیوں جدا کیا؟“ انہوں نے عرض کی: ”نہیں۔“ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے اس قول کی وجہ سے جو تم نے اس کے بھائیوں سے کہا: اَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَ اَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾ (پ۱۲، یوسف: ۱۳، ترجمۂ کنزالایمان: (میں) ڈرتا ہوں کہ اسے بھیڑیا کھا لے اور تم اس سے بے خبر رہو۔) ”تم نے اس کے بارے میں بھیڑیئے کا خوف تو کیا لیکن مجھ سے اُمید کی طرف توجہ نہ کی! تم نے اس کے بھائیوں کی غفلت کی طرف تو نظر کی لیکن اس طرف نظر نہ کی کہ اس کی حفاظت میرے ذمہ ہے! کیا تم جانتے ہو کہ میں نے اسے تمہاری طرف کیوں لوٹا دیا؟ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے عرض کی: نہیں۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا: اس لئے کہ تم نے مجھ سے امید رکھتے ہوئے یوں کہا: عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَنِیْ بِهِمْ جَمِیْعًاؕ (پ۱۳، یوسف: ۸۳، ترجمۂ کنزالایمان: قریب ہے کہ اللہ ان سب کو مجھ سے لا ملائے۔) اور اس لئے کہ تم نے یہ بھی کہا: اِذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوْسُفَ وَ اَخِیْهِ وَ لَا تَایْــٴَـسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِؕ (پ۱۳، یوسف: ۸۷، ترجمۂ کنزالایمان: جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کا سراغ لگاؤ اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔)

سیِّدُنا یوسف عَلَیْہِ السَّلَام کا امتحان:

حضرت سیِّدُنا یوسف بن یعقوب عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِمَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے جب عزیز مصر کے مصاحب سے یہ فرمایا: ”اُذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ٘“ (پ۱۲، یوسف: ۴۲، ترجمۂ کنزالایمان: اپنے رب (بادشاہ) کے پاس میرا ذکر کرنا۔)“ تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا: ”فَاَنْسٰىهُ الشَّیْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ ﴿۴۲﴾ؕ (پ۱۲، یوسف: ۴۲، ترجمۂ کنزالایمان: تو شیطان

نے اسے بھلا دیا کہ اپنے رب (بادشاہ) کے سامنے یوسف کا ذکر کرے تو یوسف کئی برس اور جیل خانہ میں رہا۔)“

ایسی حکایات کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں یہ حکایات محض قصہ خوانی کے لئے وارِد نہیں ہوئیں بلکہ نصیحت کے لئے بیان ہوئی ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کا بھی امتحان لیا گیا (حالانکہ وہ قطعی جنتی اور گناہوں سے پاک ہیں) تو دوسروں سے کبیرہ گناہ کس طرح معاف ہوں گے۔ البتہ! انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کی یہ سعادت ہے کہ انہیں فوری طور پر متنبّہ کر دیا گیا اور ان کا معاملہ آخرت تک مؤخر نہیں جبکہ بد بخت لوگوں کو ڈھیل دی جاتی ہے تاکہ وہ گناہوں میں مزید بڑھیں اور آخرت کا عذاب بہت سخت اور بہت زیادہ ہے۔ اس طرح کی باتیں گناہوں میں ڈوبے ہوئے لوگوں کے سامنے زیادہ بیان کی جائیں کیونکہ یہ توبہ پر ابھارنے میں زیادہ نفع بخش ہیں۔

دنیوی مصائب کا ذکر کر کے وعظ کرنا:

...تیسرا طریقہ: واعظین کو چاہئے لوگوں کے سامنے اس بات کو بیان کریں کہ گناہوں کی سزا دنیا ہی میں مل جانا ممکن ہے اور بندے کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے وہ اس کے گناہوں کے سبب پہنچتی ہے۔

اکثر لوگ آخرت کے معاملے میں بہت سستی بَرتتے ہیں اور جہالت کی وجہ سے دنیوی سزاؤں سے ڈرتے ہیں۔ تو مناسب یہی ہے کہ ان کو دنیوی سزا سے ڈرایا جائے کیونکہ بعض خطاؤں کے سبب انسان دنیا ہی میں امتحان میں مبتلا کر دیا جاتا ہے جیسا کہ حضرت سیِّدُنا سلیمان بن داود عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِمَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے امتحان کا ذکر ہوا۔ حتّٰی کہ بعض اوقات خطاؤں کے سبب بندے پر رزق تنگ ہو جاتا ہے اور بعض اوقات لوگوں کے دلوں میں اس کی قدر و منزلت کم ہو جاتی ہے اور اس کے دشمن اس پر غالب آجاتے ہیں۔ محسنِ کائنات، شاہِ موجودات صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”اِنَّ الْعَبْدَ لَیُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ یُصِیْبُہٗ یعنی بے شک بندہ گناہ کے باعث رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔“[1]

گناہ عقل کو زائل کر دیتا ہے:

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: میرا گمان ہے کہ بندہ گناہ کرنے کی وجہ

[1]... سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب العقوبات، ۴/ ۳۶۹، حدیث: ۴۰۲۲

سے علم بھول جاتا ہے۔

اس روایت کا یہی معنٰی ہے: ”مَنْ قَارَفَ ذَنْبًا فَارَقَهٗ عَقْلٌ لَّا يَعُوْدُ اِلَيْهِ اَبَدًا یعنی جو شخص گناہ میں ملوث ہوتا ہے اس کی عقل اس سے جدا ہو جاتی ہے اور کبھی واپس نہیں آتی۔“[1]

سب سے بڑی محرومی:

کسی بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کا فرمان ہے: لعنت یہ نہیں کہ چہرہ سیاہ ہو جائے اور مال کا نقصان ہو بلکہ لعنت یہ ہے کہ انسان ایک گناہ کو چھوڑے اور اسی جیسے یا اس سے بڑے گناہ میں مبتلا ہو جائے۔

درحقیقت ایسا ہی ہے جیسا کہ انہوں نے فرمایا کیونکہ لعنت کا معنی ہے پھینک دینا اور دور کر دینا اور جب انسان کو نیکی کی توفیق نہ ملے اور اس کے لئے گناہ کرنا آسان کر دیا جائے تو وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت سے دور کر دیا جاتا ہے اور خیر کی توفیق سے محرومی سب سے بڑی محرومی ہے۔ ہر گناہ اپنے سے بڑھ کر گناہ کی دعوت دیتا ہے اور نتیجۃً انسان علما کی صحبت سے محروم ہو جاتا ہے جو گناہوں سے دوری کا باعث ہوتی ہے نیز صالحین کی مجالس سے بھی محروم رہتا ہے بلکہ ایسے شخص سے اللہ عَزَّوَجَلَّ ناراض ہو جاتا ہے تاکہ نیک لوگ بھی اس سے ناراض ہو جائیں۔

کیچڑ میں چلنے والے کی طرح:

ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ کیچڑ میں کپڑوں کو سمیٹتے ہوئے چل رہے تھے تاکہ پاؤں نہ پھسل جائے مگر ان کا پاؤں پھسل گیا اور وہ گر گئے پھر کھڑے ہوئے اور روتے روتے کیچڑ کے درمیان چلنے لگے اور کہہ رہے تھے: ”بندے کی مثال ایسی ہی ہے کہ وہ گناہ سے بچتا رہتا ہے حتّٰی کہ ایک یا دو گناہوں میں جا پڑتا ہے جس کے سبب وہ گناہوں میں ڈوب جاتا ہے۔“

یہ بات اشارہ ہے کہ گناہ کی فوری سزا یہ ہے کہ انسان دوسرے گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

برائی پہنچنے پر بزرگانِ دین کی سوچ:

حضرت سیِّدُنا فضیل بن عیاض رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ تمہیں جو گردش ایام یا بھائیوں کی طرف

---

[1]...تذکرۃ الموضوعات، باب افۃ الذنب والرضا بہ... الخ، ص۱۲۹، لم یوجد سندہ

سے ناانصافی کا سامنا ہوتا ہے وہ تمہارے گناہوں کی وجہ سے ہے۔

کسی بزرگ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کا فرمان ہے کہ میرا گدھا جب عجیب حرکت کرنے لگتا ہے تو میں سمجھ لیتا ہوں کہ یہ میرے گناہ کی وجہ سے ہے۔

ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: میں اپنے گناہوں کی سزا اپنے گھر کے چوہے میں بھی معلوم کرلیتا ہوں۔

مُلکِ شام کے ایک صوفی بزرگ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک خوبصورت عیسائی غلام کو دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ اتنے میں حضرت سیِّدُنا ابنِ جلاء دِمَشْقی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ میرے پاس سے گزرے۔ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا تو مجھے ان سے حیا آئی۔ میں نے ان سے کہا: ''اے ابوعبداللہ! سُبْحٰنَ اللّٰہ! مجھے تعجب ہے کہ ایسی حسین صورت اور ایسی حکمت بھری صنعت کو کیسے آگ کے لئے پیدا کیا گیا؟'' انہوں نے میرا ہاتھ دبایا اور فرمایا: ''تم کچھ عرصہ بعد اس گناہ کی سزا پاؤ گے۔'' شامی بزرگ فرماتے ہیں: ''مجھے 30 سال بعد اس کی سزا ملی۔''

حضرت سیِّدُنا سلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی فرماتے ہیں: ''احتلام بھی ایک سزا ہے۔'' مزید فرمایا: ''کسی نماز کی جماعت کا چھوٹ جانا بھی اس شخص کے کسی گناہ کی سزا ہوتی ہے۔''

مصائب و آلام اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہیں:

حدیثِ مبارَک میں ہے: ''مَا اَنْكَرْتُمْ مِّنْ زَمَانِكُمْ فَبِمَا غَيَّرْتُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ یعنی زندگی میں تم جن باتوں کو ناپسند کرتے ہو وہ تمہارے برے اعمال کا نتیجہ ہیں۔''[1]

ایک حدیث شریف میں ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: ''اِنَّ اَدْنٰى مَا اَصْنَعُ بِالْعَبْدِ اِذَا اٰثَرَ شَهْوَتَهٗ عَلٰى طَاعَتِيْ اَنْ اَحْرِمَهٗ لَذِيْذَ مُنَاجَاتِيْ یعنی بندہ جب اپنی خواہش کو میری عبادت پر ترجیح دیتا ہے تو میں اسے کم سے کم سزا یہ دیتا ہوں کہ اسے اپنی مناجات کی لذت سے محروم کردیتا ہوں۔''[2]

---

1 ...الزھد الکبیر للبیھقی، ص ۲۷۶، حدیث: ۷۰۹

2 ...تذکرۃ الموضوعات، باب فی ذم الریا... الخ، ص ۱۷۲، لم یوجد (سندہ)

حکایت: تین دن تک جسم سیاہ رہا

حضرت سیِّدُنا ابو عمرو بن علوان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْمَنَّان ایک طویل واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ایک دن میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔ میرا دل ایک خواہش میں کھو گیا جس کے بارے میں دیر تک سوچتا رہا حتّٰی کہ مجھ پر شہوت کا غلبہ ہو گیا اور میں زمین پر گر گیا۔ میرا تمام جسم سیاہ ہو گیا۔ میں گھر میں چھپ کر بیٹھ گیا اور تین روز تک باہر نہ نکلا۔ میں اپنے جسم کو صابن سے دھوتا لیکن سیاہی بڑھتی جاتی۔ تین دن بعد وہ سیاہی ختم ہو گئی۔ اس وقت میں (عراق کے علاقے) "رِقَّہ" میں تھا۔ حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْہَادِی نے مجھے بلایا۔ جب میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا: "کیا تجھے حیا نہ آئی کہ تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں کھڑا تھا اور تیرے نفس نے تجھے شہوت میں اس قدر ڈبو دیا کہ تجھ پر غالب آ گیا اور تجھے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ سے نکال دیا۔ اگر میں تیرے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دعا نہ مانگتا اور تیری طرف سے توبہ نہ کرتا تو تُو اسی رنگ کے ساتھ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ملاقات کرتا۔" حضرت سیِّدُنا ابو عمرو رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: مجھے تعجب ہوا کہ ان کو یہ بات کیسے معلوم ہو گئی حالانکہ یہ تو بغداد میں ہیں اور میں مقام رقہ میں تھا؟

جان لو! انسان جب بھی گناہ کرتا ہے تو اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ اگر وہ نیک بخت ہو تو زجر و توبیخ کے لئے وہ سیاہی چہرے پر ظاہر کر دی جاتی ہے اور اگر وہ بدبخت ہو تو سیاہی اس سے مخفی رکھی جاتی ہے حتّٰی کہ بندہ اس میں منہمک رہتا ہے اور جہنّم اس پر واجب ہو جاتی ہے۔

نیک اور گناہ گار کا حال:

دنیا ہی میں گناہوں کی سزا ملنے کے بارے میں کثیر احادیث مروی ہیں اور یہ سزائیں فقر، مرض اور ان کے علاوہ صورتوں میں بھی ظاہر ہوتی ہیں بلکہ دنیا میں گناہ کی ایک نحوست یہ بھی ہے کہ بندہ گناہوں میں مبتلا رہتا ہے۔ اگر بندہ کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے اور وہ اس کی سزا ہوتی ہے تو وہ رزق جمیل سے محروم کر دیا جاتا ہے اور اس کی بدبختی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ایسے شخص کو اگر نعمت ملتی بھی ہے تو یہ رب تعالٰی کی طرف سے ڈھیل ہوتی ہے اور شکر ادا نہ کرنے کے سبب اس کی پکڑ کی جاتی ہے۔

جہاں تک فرمانبردار کا تعلق ہے تو فرمانبرداری کے سبب ہر نعمت اس کی جزا ہوتی ہے اور اسے شکر کی توفیق

حاصل ہوتی ہے اور اس پر آنے والی ہر آزمائش اس کے گناہوں کا کفارہ اور درجات کی بلندی کا باعث ہوتی ہے۔

سزاؤں کا ذکر کرکے وعظ کرنا:

...**چوتھا طریقہ:** (وعظ کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ) گناہوں پر جو سزائیں وارد ہوئی ہیں واعظ وہ بیان کرے۔ مثلاً شراب نوشی، زنا، چوری، قتل، غیبت، تکبر، حسد وغیرہ۔ تمام گناہوں کی سزاؤں کا شمار ناممکن ہے اور غیرِ اہل کے سامنے ان کا ذکر ایسے ہی ہے جیسے دوا کا استعمال غیر محل میں کرنا بلکہ عالم کو طبیب حاذِق کی طرح ہونا چاہئے کہ پہلے وہ نبض، رنگ اور حرکات وسکنات سے باطنی بیماریوں کی جانچ کرتا ہے پھر ان کے علاج میں مصروف ہو جاتا ہے۔ عالم کو بھی چاہئے کہ احوال کے قرائِن سے مخفی صِفات کے بارے میں آگاہی حاصل کرے اور جن کے بارے میں جان لے رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی اقتدا کرتے ہوئے انہی صفات کا حال بیان کرے۔

ناصحِ اعظم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی نصیحت:

حضور نبیِّ اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خدمت اقدس میں ایک شخص نے عرض کی: "مجھے نصیحت فرمایئے لیکن زیادہ نہ ہو۔" آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "لَا تَغْضَبْ یعنی غصہ نہ کیا کرو۔"(1)

ایک شخص نے عرض کی: "یا رسولَ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! مجھے نصیحت فرمایئے۔" آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "جو کچھ لوگوں کے پاس ہے تم اس کی امید نہ رکھو بے شک یہی مال داری ہے اور لالچ سے بچو کہ یہ ہمیشہ کی محتاجی ہے اور نماز ایسے پڑھو گویا (دنیا سے) رخصت ہونے والے ہو اور ایسے کام سے بچو جس کے بعد معذرت کرنی پڑے۔"(2)

سیِّدُنا محمد بن واسع رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کی نصیحت:

حضرت سیِّدُنا محمد بن واسع رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کی: "مجھے نصیحت

---

1 ...بخاری، کتاب الادب، باب الحذر من الغضب، ۴/ ۱۳۱، حدیث: ۶۱۱۶، بتغیر قلیل

سنن الترمذی، کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی کثرت الغضب، ۳/ ۴۱۱، حدیث: ۲۰۲۷

2 ...الزھد الکبیر للبیھقی، ص ۸۲، حدیث: ۱۰۱، دون "فان ذالک ھو الغنی" ...... المعجم، الکبیر، ۶/ ۴۴، حدیث: ۵۴۵۹

کیجئے۔" انہوں نے فرمایا: "میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ دنیا اور آخرت میں فرشتہ بن جاؤ۔" اس نے کہا: "میرے لئے یہ کیسے ممکن ہے؟" فرمایا: "خود پر دنیا سے بے رغبتی لازم کرلو۔"

گویا نبیوں کے سردار، غیبوں پہ خبردار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے پہلے شخص میں غصے کی علامات کو جانا تو اسے غصے سے منع فرمایا اور دوسرے میں لوگوں سے طمع اور لمبی امیدیں لگانے کی علامات کو ملاحظہ فرمایا تو اسے اس سے منع فرمایا اور حضرت سیِّدُنا محمد بن واسع رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے سائل میں دنیا کی حرص کا گمان کیا تو اسے اس بارے میں نصیحت فرمائی۔

سیِّدُنا معاذ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ کی نصیحت:

ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا معاذ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے عرض کی: "مجھے نصیحت فرمایئے۔" انہوں نے فرمایا: "تم رحم کرنے والے بن جاؤ میں تمہارے لئے جنّت کا ضامن ہو جاؤں گا۔"

گویا آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اس میں بدکلامی اور سختی کے آثار ملاحظہ فرمالیے تھے۔

سیِّدُنا ابراہیم بن ادہم رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کی نصیحت:

ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن ادہم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْاَکْرَم سے عرض کی: مجھے نصیحت فرمایئے۔ فرمایا: "اِیَّاكَ وَالنَّاسَ وَعَلَیْكَ بِالنَّاسِ وَلَابُدَّ مِنَ النَّاسِ فَاِنَّ النَّاسَ هُمُ النَّاسُ وَلَیْسَ كُلُّ النَّاسِ بِالنَّاسِ ذَهَبَ النَّاسُ وَبَقِيَ النَّسْنَاسُ وَمَا اَرَاهُمْ بِالنَّاسِ بَلْ غَمِسُوْا فِيْ مَاءِ الْيَاسِ یعنی جہلا کی صحبت سے بچو اور علما کی صحبت اختیار کرو کہ لوگوں کی صحبت میں رہنا تو ضروری ہے پس انسان کہلانے کے حقدار صرف علما ہیں اور خواہشات کے پیروکار انسان کہلانے کے حقدار نہیں، علما رخصت ہوگئے اور نسناس باقی رہ گئے (جن سے فقط احادیث روایت کی جاتی ہیں) اور میں انہیں انسان گمان نہیں کرتا بلکہ وہ تو مایوسی کے پانی میں غوطہ زن ہیں۔"

گویا آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اس شخص میں میل جول کی آفت کو ملاحظہ فرمایا اور اس بات کی خبر دی جو اس وقت اس پر غالب تھی اور اس پر لوگوں کو اذیت دینے کا عمل غالب تھا اور زیادہ بہتر کلام وہی ہے جو سائل کی حالت کے مطابق ہو۔

سیِّدہ عائشہ رَضِیَ اللہُ عَنْہَا کا مکتوب:

حضرت سیِّدُنا امیر معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی خدمت میں ایک مکتوب بھیجا کہ مجھے ایک مختصر نصیحت تحریر فرمائیں۔ اُمُّ المؤمنین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے ان کی طرف مکتوب ارسال فرمایا جس میں لکھا تھا: عائشہ کی طرف سے معاویہ کے لئے۔ سَلَامٌ عَلَیْک۔ اَمَّا بَعد! میں نے رسول اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو ارشاد فرماتے سنا: جو شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رضا کی تلاش میں لوگوں کو ناراض کرتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے لوگوں کی مشقت سے بچالیتا ہے اور جو انسان لوگوں کی خوشی کے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ کو ناراض کرے اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے لوگوں کے سپرد کر دیتا ہے۔"[1] وَالسَّلَامُ عَلَیْک

اُمُّ المؤمنین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی کمالِ ذہانت پر غور کیجئے کہ کس طرح اس آفت کا ذکر کیا حکمران جس کے درپے ہیں یعنی لوگوں کی رعایت کرنا اور ان کی رضا چاہنا۔

ایک مرتبہ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے حضرت سیِّدُنا امیر معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کو مکتوب لکھا: "اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرتے رہو اگر تم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈروگے تو وہ تمہیں لوگوں کے مقابلے کافی ہوگا اور اگر تم لوگوں سے ڈروگے تو لوگ تمہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ سے بے نیاز نہیں کرسکتے۔ وَالسَّلَام"

واعظ کے لئے اہم بات:

ہر واعظ کو اپنی مکمل توجہ باطنی صفات کی جانچ میں مصروف رکھنی چاہئے اور ان لوگوں کے لائق اُمور میں غور کرنا چاہئے تاکہ اس کی مشغولیت مقصد کی طرف رہے کیونکہ ہر بندے کو تمام شرعی احکام بیان کر دینا ناممکن ہے اور جس بات کی انسان کو ضرورت نہیں وعظ میں اسے بیان کرنا وقت ضائع کرنا ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر واعظ کسی مجمع میں وعظ کر رہا ہو یا کوئی نصیحت کا طالب ہو مگر واعظ اس کی باطنی کیفیت سے واقف نہ ہو تو واعظ کو کیا کرنا چاہئے؟

---

[1]...سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب (۶۵)، ۴/ ۱۸۶، حدیث: ۲۴۲۲

جواب: ایسی صورت میں واعظ کو چاہئے کہ ان باتوں کی نصیحت کرے جن کی عمومی طور پر یا اکثر تمام لوگوں کو حاجت ہوتی ہے کیونکہ علوم شرعیہ میں غذائیں بھی ہیں اور دوائیں بھی۔ غذائیں سب کے لئے ہیں جبکہ دوائیں صرف بیماروں کے لئے ہیں۔ اس کی مثال یہ روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا ابو سعید خُدری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کی خدمت میں عرض کی: "مجھے نصیحت فرمایئے۔" آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: "**اللہ** عَزَّوَجَلَّ سے ڈرو کیونکہ تقویٰ اختیار کرنا تمام بھلائیوں کی جڑ ہے اور جہاد کرو کیونکہ اسلام کی رہبانیت (گوشہ نشینی) یہی ہے اور قرآن پاک کو لازم پکڑلو کیونکہ یہ زمین والوں میں تمہارے لئے نور اور اہل آسمان میں تمہارے لئے ذکر ہے اور اچھی بات کے سوا خاموشی اختیار کرو اس طرح تم شیطان پر غلبہ حاصل کرلوگے۔

سیِّدُنا حسن بصری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی نصیحت:

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی کی بارگاہ میں ایک شخص نصیحت کا طالب ہوا تو آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے دین کی عزت کرو **اللہ** عَزَّوَجَلَّ تمہیں عزت عطا فرمائے گا۔

سیِّدُنا لقمان حکیم رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی بیٹے کو نصیحتیں:

- ...حضرت سیِّدُنا لقمان حکیم رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا: اے میرے بیٹے! علما کی بارگاہ میں دوزانو بیٹھو اور ان سے جھگڑا نہ کرو ورنہ وہ تم سے ناراض ہوجائیں گے۔
- ...دنیا سے اپنی ضرورت کے مطابق لو اور ضرورت سے زائد کمائی آخرت کے لئے خرچ کرو۔
- ...دنیا کو بالکل ہی نہ چھوڑدو کہ محتاج ہوجاؤ اور لوگوں پر بوجھ بن جاؤ۔
- ...ایسا روزہ رکھو جو تمہاری خواہش کو توڑدے اور ایسا روزہ نہ رکھو جو تمہاری نماز کا نقصان کرے کیونکہ نماز روزے سے افضل ہے۔
- ...بے وقوف لوگوں کی مجلس میں نہ بیٹھو اور نہ ہی منافق سے تعلق رکھو۔
- ...مزید فرمایا: اے بیٹے! کسی تعجب خیز بات کے علاوہ نہ ہنسو اور بلاضرورت نہ پھرو اور بے مقصد بات کا سوال نہ کرو اور اپنا مال ضائع نہ کرو اور غیر کے مال کی اصلاح کرو کیونکہ تمہارا مال وہ ہے جو تم نے آگے بھیجا

اور جو پیچھے چھوڑا وہ غیر کا مال ہے۔

...اے میرے بیٹے! جو رحم کرتا ہے اس پر رحم کیا جاتا ہے اور جو خاموش رہتا ہے سلامت رہتا ہے اور جو اچھی بات کہتا ہے غنیمت پاتا ہے اور جو بری بات کرتا ہے گناہ گار ہوتا ہے اور جو اپنی زبان پر قابو نہ رکھے وہ شرمندہ ہوتا ہے۔

سیِّدُنا ابو حازم رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی نصیحت:

ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا ابو حازم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْحَاکِم کی خدمت میں نصیحت کا سوال کیا تو آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: جس عمل کے کرتے ہوئے مرنا تم غنیمت سمجھتے ہو اسے لازم پکڑ لو اور جس کام کے کرتے ہوئے مرنا مصیبت جانتے ہو اس سے بچو۔

سیِّدُنا خضر عَلَیْہِ السَّلَام کی نصیحت:

حضرت سیِّدُنا موسٰی عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے حضرت سیِّدُنا خضر عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے فرمایا: "مجھے کوئی نصیحت کیجئے۔" انہوں نے فرمایا: "اے عمران کے بیٹے! مسکراتے رہا کرو بہت زیادہ غصہ نہ کیا کرو، بہت نفع پہنچانے والے بنو نقصان پہنچانے والے نہ بنو، جھگڑوں سے دور رہو اور بلا حاجت کہیں نہ جاؤ نیز کسی تعجب خیز بات کے علاوہ نہ ہنسو اور لوگوں کو ان کی خطاؤں پر عار نہ دلاؤ بلکہ اپنی خطا پر آنسو بہاؤ۔"

سیِّدُنا محمد بن کرام رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی نصیحت:

ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا محمد بن کرام رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے عرض کی: مجھے نصیحت فرمائیے۔ انہوں نے فرمایا: جتنی کوشش اپنے نفس کو راضی کرنے کے لئے کرتے ہو اتنی کوشش اپنے خالق کی رضا کے لئے بھی کرو۔

سیِّدُنا حامد لفاف رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی نصیحت:

ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا حامد لفّاف عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَھَّاب سے عرض کی: "مجھے نصیحت کیجئے۔" انہوں نے فرمایا: "اپنے دین کی حفاظت کے لئے اس طرح غلاف بناؤ جیسے قرآن پاک کو گرد سے بچانے کے لئے غلاف ہوتا ہے۔" عرض کی: "دین کا غلاف کیا ہے؟" ارشاد فرمایا: "سخت حاجت کے علاوہ دنیا کی طلب

چھوڑ دو اور ضرورت کے علاوہ کلام نہ کرو اور بلا ضرورت لوگوں سے میل جول نہ رکھو۔‘‘

سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کے نام مکتوب:

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی نے حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْعَزِیْز کو مکتوب بھیجا: ’’جس بات سے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ کو ڈرایا ہے اس سے ڈریں اور اس چیز سے بچیں جس سے بچنے کا اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حکم دیا ہے۔ جو کچھ آپ کے پاس ہے اس سے آخرت کی تیاری کریں کیونکہ موت کے وقت یقینی خبر آئے گی۔ وَالسَّلَام‘‘

حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْعَزِیْز حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی سے مزید نصیحت کے طالب ہوئے تو آپ نے ایک اور مکتوب ارسال فرمایا: ’’اَمَّابَعد! بے شک سب سے بڑا خطرہ اور ڈرانے والے اُمور آپ کے آگے ہیں اور آپ ان کو ضرور دیکھیں گے چاہے نجات کی صورت میں یا تباہی کے ساتھ۔ جان رکھیں! جو اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے وہ نفع اٹھاتا ہے اور جو نفس سے غافل رہتا ہے وہ نقصان اٹھاتا ہے۔ جو انسان انجام پر نظر رکھتا ہے وہ نجات پاتا ہے اور جو نفس کی اتباع کرتا ہے گمراہ ہوتا ہے۔ جو شخص بردباری اختیار کرتا ہے نفع اٹھاتا ہے اور جو ڈرتا ہے وہ امن میں رہتا ہے اور جو اَمن میں ہوتا ہے وہ نصیحت حاصل کرتا ہے اور جو نصیحت پکڑتا ہے وہ صاحبِ بصیرت ہوتا ہے اور جو بصیرت پالیتا ہے وہ سمجھ بوجھ رکھتا ہے اور جو سمجھ بوجھ رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ جب کوئی لغزش ہو جائے تو فوراً باز آجاؤ اور جب ندامت ہو تو (گناہ کو) جڑ سے اکھاڑ پھینکو اور جس چیز کا علم نہ ہو اس کے بارے میں پوچھو اور جب غصہ آئے تو رک جاؤ۔‘‘

سیِّدُنا مطرف رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کا مکتوب:

حضرت سیِّدُنا مطرف بن عبد اللہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْعَزِیْز کو ایک خط لکھا: ’’اَمَّابَعد! دنیا سزا کا گھر ہے اس کے لئے بے عقل ہی جمع کرتا ہے اور جاہل ہی اس سے دھوکا کھاتا ہے۔ امیر المؤمنین! دنیا میں اس زخمی شخص کی طرح رہیں جو اپنے زخم کا علاج کرتا ہے اور مرض کا انجام جاننے کی وجہ سے علاج کی شدت وتکلیف پر صبر کرتا ہے۔‘‘

سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز رَحْمَۃُ اللهِ عَلَیْہ کا مکتوب:

حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللهِ الْعَزِیْز نے حضرت سیِّدُنا عدی بن ارطاۃ رَحْمَۃُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْہ کو مکتوب بھیجا: ”اَمَّابَعد! بے شک دنیا اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پیاروں کی بھی دشمن ہے اور اس کے دشمنوں کی بھی دشمن ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے دوستوں کو غم اور رنج پہنچاتی ہے اور اس کے دشمنوں کو دھوکا دیتی ہے۔“

کسی گورنر کو بھیجے گئے ایک خط میں لکھا: ”اَمَّابَعد! تم بندوں پر ظلم کی قدرت رکھتے ہو جب کسی پر ظلم کا ارادہ کرو تو یاد کرو کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کو تم پر کس قدر قدرت ہے اور جان لو! لوگوں کو تم جو بھی تکلیف دو گے ان سے دور ہو جائے گی لیکن وہ تمہارے حق میں باقی رہے گی اور جان لو کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ظالموں سے مظلوموں کا بدلہ لینے والا ہے۔ وَالسَّلَام“

بات وہی اثر کرتی ہے جو دل سے نکلتی ہے:

واعظ کو چاہئے کہ عام لوگوں کو اور جس کے متعلق کسی خاص واقعہ کا علم نہ ہو اسے وعظ و نصیحت کرنے میں ذکر کردہ مثالوں کا سا انداز اختیار کرے۔ وعظ و نصیحت کی یہ مثالیں غذاؤں کی مانند ہیں جن سے سبھی لوگ نفع اٹھا سکتے ہیں۔ اس طرح کے اعلیٰ واعظین باقی نہ رہنے کی وجہ سے نصیحت کا دروازہ بند ہو گیا اور گناہوں کا غلبہ ہو گیا اور فساد پھیل گیا اور لوگوں کے درمیان ایسے واعظین آگئے جو اپنے بیان کو قافیوں سے مزین کرتے اور اشعار پڑھتے ہیں اور جو کچھ ان کے وسعت علم میں نہیں اسے بیان کرنے کی تکلیف اٹھاتے ہیں اور دوسروں کی نقّالی کرتے ہیں۔ نتیجۃً لوگوں کے دلوں سے ان کا وقار ختم ہو گیا۔ ان واعظین کی نصیحت دل سے نہیں نکلتی کہ لوگوں کے دلوں تک پہنچ سکے بلکہ بولنے والا خود علم و عمل سے کورا ہوتا ہے اور سننے والے بتکلف سنتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک دین سے پیچھے ہٹنے والا ہے۔ ایسی صورت حال میں طبیب کو چاہئے کہ سب سے پہلے مریض کا علاج کرے اور علما کو پہلے نافرمانوں کا علاج کرنا چاہئے۔

(گناہوں پر اصرار سے چھٹکارے کے سلسلے میں) علاج کا یہ ایک رکن اور اصل ہے اور دوسرا رکن اور اصل صبر ہے۔ اس کی حاجت اس لئے ہے کہ نقصان دہ اشیاء کھانے کی وجہ سے مرض بڑھتا ہے اور انسان دو اسباب کی بنا پر نقصان دہ چیز کھالیتا ہے یا اس کے نقصان سے غافل ہوتا ہے یا اس چیز کی خواہش اس پر غالب

ہوتی ہے۔ ابھی جو کچھ ہم نے بیان کیا وہ غفلت کا علاج ہے باقی رہا شہوت کا علاج تو اس کا طریقہ ہم "ریاضت نفس کے بیان" میں ذکر کر چکے۔

خواہش نفس کے علاج کا طریقہ:

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مریض کو جب نقصان دہ اشیا کھانے کا بہت زیادہ شوق ہو تو اس کا طریقہ علاج یہ ہے کہ اس چیز کے شدید ضرر کے بارے میں معلومات حاصل کرے پھر وہ چیز اپنی آنکھوں کے سامنے سے غائب رکھے اور ایسی چیز سے تسلی حاصل کرے جو صورتاً اس سے ملتی جلتی ہو لیکن اس کا نقصان کم ہو پھر جو چیز استعمال کر رہا ہے اس کے نقصان کو پیش نظر رکھے اور اسے چھوڑنے میں آنے والی مشکل پر صبر کرتے ہوئے اسے بھی چھوڑ دے۔ الغرض ہر حالت میں صبر کا کڑوا گھونٹ پینا ضروری ہے۔ اسی طرح گناہوں کے سلسلے میں خواہش کا علاج کیا جائے مثلاً جب کسی نوجوان پر شہوت کا غلبہ ہو جائے اور وہ اس شہوت کے معاملے میں اپنی آنکھ، دل اور اعضاء کی حفاظت نہ کر سکے تو اسے چاہئے کہ گناہ کے ضرر کا شعور حاصل کرے وہ اس طرح کہ قرآن پاک اور احادیث طیّبہ میں جو وعیدیں آئی ہیں ان پر خوب غور کرے جب اس کا خوف زیادہ ہو جائے گا تو وہ شہوت کو ابھارنے والے اسباب سے دور رہے گا۔

شہوت کو ابھارنے والے اسباب اور ان کا علاج:

شہوت کو ابھارنے والے اسباب میں سے خارجی اسباب تو یہ ہیں کہ جس چیز کی خواہش ہو اس کے سامنے جانا اور اسے دیکھنا اور اس کا علاج اس سے بھاگنا اور دور رہنا ہے۔ کچھ اسباب داخلی ہیں مثلاً لذیذ کھانے کھانا اور اس کا علاج بھوکا رہنا اور کثرت سے روزے رکھنا ہے۔

یہ تمام باتیں صرف صبر سے پوری ہو سکتی ہیں اور صبر خوف کی وجہ سے کیا جاتا ہے اور کسی چیز کا خوف اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب علم ہو اور علم بصیرت اور غور و فکر کے ذریعے حاصل ہوتا ہے یا پھر تقلید اور سماع (سننے) کے ذریعے۔ تو سب سے پہلے نیک اور ذکر کی محافل میں حاضر ہونا ضروری ہے پھر دل کو تمام خیالات و مصروفیات سے خالی کر کے غور سے سنے پھر اسے اچھی طرح سمجھنے کے لئے اس میں غور و فکر کرے پھر جب اسے مکمل طور پر سمجھ لے گا تو لامحالہ خوف پیدا ہو گا اور جب خوف شدت اختیار کر جائے تو اس کی

مدد سے صبر کرنا آسان ہو جائے گا اور طلب علاج کے اسباب پیدا ہو جائیں گے اور یہ سب اللہ عَزَّوَجَلَّ کی توفیق اور آسانیاں پیدا فرمانے سے ہو گا۔

جو شخص خوب دل لگا کر سنے اور خوف کا شعور حاصل کر کے اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرے پھر ثواب کا انتظار کرے اور سب سے اچھی بات کی تصدیق کرے (یعنی ایمان لے آئے) تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کے لئے آسانیاں پیدا فرما دیتا ہے لیکن جو شخص بخل سے کام لے اور (ثواب اور نعمت) کی پروانہ کرے اور اچھی بات (یعنی دین اسلام) کو جھٹلائے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے تنگی اور سختی میں ڈال دے گا پھر جب تک وہ اس میں مشغول رہے گا دنیا کی کوئی لذت اسے فائدہ نہ دے گی بالآخر وہ ہلاک ہو کر گڑھے میں جا گرے گا۔ انبیائے کرام عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا کام ہدایت کا راستہ واضح کر دینا ہے اور دنیا اور آخرت کا مالک اللہ عَزَّوَجَلَّ ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر کہا جائے کہ تمام معاملہ ایمان کی طرف لوٹتا ہے کیونکہ گناہ کو چھوڑنا صبر کے بغیر ممکن نہیں اور صبر خوف کے بارے میں آگاہی سے حاصل ہوتا ہے اور خوف کا ذریعہ علم ہے اور علم کا حصول اس وقت ہوتا ہے جب گناہ کرنے پر سخت نقصان ہونے کا یقین ہو اور گناہ کرنے پر نقصان ہونے کی تصدیق دراصل اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی تصدیق ہے اور یہی ایمان ہے تو گویا جو شخص گناہ پر ڈٹ جاتا ہے وہ مومن نہیں؟

جواب: جان لو! ایسا نہیں کہ ایمان نہ ہونے کی وجہ سے انسان گناہوں پر ڈٹ جاتا ہے بلکہ یہ ایمان کی کمزوری کے باعث ہوتا ہے کیونکہ ہر مومن اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ گناہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دوری اور آخرت میں اس کے عذاب کا سبب ہے اس کے باوجود وہ چند اُمور کے سبب گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

گناہ میں مبتلا ہونے کے اسباب

پہلا سبب:

...**عذاب کا فوری نہ ہونا:** جس عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے وہ نظروں کے سامنے نہیں اور فطرت انسانی سامنے موجود چیز سے متاثر ہوتی ہے تو جس چیز کا وعدہ کیا گیا ہے موجود چیز کے مقابلے میں اس کا اثر کمزور پڑ جاتا ہے۔

دوسرا سبب:

...**لذاتِ دنیا کا فوری حاصل ہونا:** خواہشات جو گناہوں پر اُبھارتی ہیں ان کی لذات فوری حاصل ہوتی ہیں اور عادت واُلفت کے سبب وہ قوی اور غالب ہو جاتی ہیں کہ عادت پانچویں طبیعت ہے اور مستقبل میں آنے والے عذاب کے خوف کے سبب فوری حاصل ہونے والی لذت کو چھوڑنا نفس پر دشوار ہوتا ہے۔ اسی لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا: "كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾ وَ تَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾ ـ"[1]

مزید ارشاد فرمایا:

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ﴿۱۶﴾ ترجمۂ کنزالایمان: بلکہ تم جیتی دنیا کو ترجیح دیتے ہو۔

(پ٣٠، الاعلیٰ: ١٦)

اس دشوار امر کو نبیِّ غیب دان، رحمت عالمیان صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے یوں بیان فرمایا: "حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ یعنی جنّت تکالیف سے گھیر دی گئی ہے اور جہنم خواہشات سے گھیر دی گئی ہے۔"[2]

ایک مرتبہ حضور نبیِّ اکرم، رحمت عالَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ نے دوزخ کو پیدا فرمایا پھر حضرت جبریل عَلَیْہِ السَّلَام کو حکم دیا کہ جاکر اسے دیکھیں۔ انہوں نے اسے دیکھا تو عرض کی: "تیری عزت کی قسم! جو اس کے بارے میں سنے گا وہ اس میں نہیں جائے گا۔" اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس کے چاروں طرف خواہشات پھیلا دیں پھر فرمایا: "اب جاکر دیکھو۔" حضرت جبریل عَلَیْہِ السَّلَام نے دیکھنے کے بعد عرض کی: "تیری عزت کی قسم! ڈر ہے کہ اس میں داخل ہونے سے کوئی نہ بچ سکے گا۔" اسی طرح اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جنّت کو پیدا فرمایا اور اسے دیکھنے کا حضرت جبریل عَلَیْہِ السَّلَام کو حکم فرمایا۔ انہوں نے اسے دیکھا تو عرض کی: "تیری عزت کی قسم! جو بھی اس کے بارے میں سنے گا اس میں داخل ہو گا۔" اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس کے چاروں طرف تکلیف دہ اور ناپسندیدہ اُمور پھیلا دیئے پھر فرمایا: "جاکر اسے دیکھو۔" انہوں نے اسے دیکھنے

---

1 ...ترجمۂ کنزالایمان: کوئی نہیں بلکہ اے کافرو تم پاؤں تلے کی دوست رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو۔

(پ٢٩، القیامۃ: ٢٠، ٢١)

2 ...مسلم، کتاب الجنۃ، باب وصفۃ نعیمھا واھلھا، ص ١٥١٦، حدیث: ٢٨٢٢۔

کے بعد عرض کی: ”تیری عزت کی قسم! مجھے ڈر ہے کہ اس میں کوئی داخل نہ ہو سکے گا۔“[1]

شہوت کا فی الحال موجود ہونا اور عذاب کا مؤخر ہونا یہ دو ظاہری اسباب ہیں جو بندے کے لئے مومن ہونے کے باوجود گناہوں پر اصرار کا ذریعہ بنتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ بیماری کی حالت میں سخت پیاس کے باعث برف کا پانی پینے والا اصل طب کو ہی جھٹلاتا ہو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ اسے اپنے حق میں نقصان دہ ہونے کو جھٹلاتا ہو بلکہ اس پر خواہش غالب آچکی ہوتی ہے تو فی الحال صبر کی تکلیف اُٹھانے کے بجائے مُؤَخَّر کرنا اسے آسان معلوم ہوتا ہے۔

تیسرا سبب:

...**توبہ کی امید:** ہر گناہ گار مومن عام طور پر توبہ کا اور نیکیوں کے ذریعے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کا عزم وارادہ رکھتا ہے اور اس سے وعدہ کیا گیا ہے کہ نیکیاں گناہوں کو ختم کر دیتی ہیں لیکن چونکہ طبیعت انسانی پر لمبی امیدیں غالب ہوتی ہیں اس وجہ سے وہ توبہ میں تاخیر کرتا رہتا ہے۔ تو درحقیقت انسان توبہ کی توفیق ملنے کی امید پر مومن ہونے کے باوجود گناہ کر بیٹھتا ہے۔

چوتھا سبب:

...**گناہ کا قابل معافی ہونا:** ہر مومن یقیناً اس بات کا اعتقاد رکھتا ہے کہ گناہوں کی وجہ سے بندہ جس سزا کا مستحق ہوتا ہے وہ ایسی نہیں کہ اس کی معافی ناممکن ہے۔ اسی لئے جب اس سے گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو وہ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے فضل پر بھروسا کرتے ہوئے مغفرت کا منتظر رہتا ہے۔

یہ چار اسباب ہیں جن کی وجہ سے بندہ مومن ہونے کے باوجود گناہوں پر مُصِر ہو جاتا ہے۔

پانچواں سبب:

...**شک:** بعض اوقات انسان ایک ایسے سبب سے گناہ کرتا ہے جو کہ اصل ایمان میں خرابی کا باعث بنتا ہے اور وہ رُسُلِ عِظام عَلَیْہِمُ السَّلَام کے سچا ہونے میں شک کرنا ہے اور یہ کفر ہے۔ اس شخص کی مثال اس

[1] ...سنن ابی داود، کتاب السنۃ، باب فی خلق الجنۃ والنار، ۴/ ۳۱۲، حدیث: ۴۷۴۴، بتقدم وتاخر

مریض کی سی ہے جسے طبیب نقصان دہ چیز کھانے سے منع کرتا ہے پس اگر وہ شخص اس طبیب کے ماہر ہونے کا یقین نہ رکھتا ہو تو وہ اسے جھٹلائے گا یا اس کے بارے میں شک کرے گا۔

اس سبب کے بارے میں غور نہ کیا جائے کیونکہ یہ کفر ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر کہا جائے کہ ان اسباب کا علاج کیا ہے؟ **جواب:** ان کا علاج غور و فکر ہے وہ اس طرح کہ پہلے سبب یعنی عذاب کے مؤخر ہونے کے بارے میں اپنے دل میں یہ بات بٹھالے کہ جو چیز آنے والی ہے وہ آکر رہے گی اور دیکھنے والوں کے لئے کل کا دن (یعنی قیامت) قریب ہے۔ موت ہر انسان سے اس کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے۔ بندہ کیا جانے! شاید قیامت قریب ہو۔ جو چیز مؤخر ہو جب وہ واقع ہوتی ہے تو مکمل ہو کر رہتی ہے۔

آخرت سے غفلت اور میلانِ لذّاتِ دنیا کا علاج:

بندہ اپنے دل میں سوچے کہ اس نے دنیا میں ہمیشہ مستقبل کے کام کے لئے خود کو حال ہی میں تھکانا شروع کر دیا مثلاً انسان بحری اور برّی سفر صرف اس نفع کے لئے کرتا ہے جس کے بارے میں اسے گمان ہوتا ہے کہ آنے والے وقت میں اسے اس کی حاجت ہو گی۔ بلکہ اگر وہ بیمار ہو جائے اور کوئی عیسائی طبیب ہی کہہ دے کہ ٹھنڈا پانی پینا نقصان دہ ہے اور وہ اس کی موت کا سبب بن سکتا ہے تو اگرچہ ٹھنڈا پانی اسے انتہائی لذیذ ہو لیکن وہ اسے چھوڑ دیتا ہے جبکہ موت کی تکلیف لمحہ بھر کی ہے اگرچہ انسان موت کے بعد کا خوف نہ رکھے لیکن بالآخر دنیا ہر ایک کو چھوڑنی ہے۔ اس ختم ہو جانے والی دنیا کی زندگی کو ازل و ابد سے کیا نسبت؟ انسان کو غور کرنا چاہئے کہ وہ کس طرح ایک عیسائی کے کہنے پر لذت والی چیز چھوڑنے کو تیار ہو جاتا ہے حالانکہ اس کے ماہر طبیب ہونے پر کوئی معجزہ قائم نہیں اور اپنے آپ سے کہنا چاہئے کہ یہ بات میری عقل کے لائق کیونکر ہو سکتی ہے کہ جن انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کی معجزات کے ساتھ تائید کی گئی ہے ان کا قول میرے نزدیک ایک عیسائی کے قول سے بھی کم درجہ رکھے جو کہ طبیب ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کے ماہر ہونے پر کسی معجزہ سے تائید نہیں بلکہ اس کی گواہی تو صرف عام لوگ دیتے ہیں اور جہنم کا عذاب کس طرح میرے نزدیک

بیماری کی تکلیف سے ہلکا ہو سکتا ہے حالانکہ آخرت کا ہر دن دنیا کے پچاس ہزار دنوں کے برابر ہو گا؟

اسی طرح غور وفکر کر کے خود پر غالب لذت کا علاج کرے نیز اپنے نفس کو تکلفاً اس کے چھوڑنے پر مجبور کرے اور یوں سوچے کہ جب میں زندگی کے ان قلیل ایام میں اپنی لذات کو چھوڑ نہیں سکتا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس پر کیسے قدرت پاؤں گا؟ جب میں صبر کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتا تو آگ کی تکلیف کس طرح برداشت کروں گا؟ اور جب میں دنیا کی حسین ودلکش عارضی چیزوں کو کدورت اور میلی کچیلی ہونے کے باوجود نہیں چھوڑ سکتا تو آخرت کی نعمتوں سے کیسے صبر کروں گا؟

توبہ میں تاخیر کرنے کا علاج:

جہاں تک توبہ میں تاخیر اور ٹال مٹول کی بات ہے تو اس بات پر غور کرے کہ اکثر دوزخی توبہ میں تاخیر کی وجہ سے چلاتے ہوں گے کیونکہ ٹال مٹول کرنے والا اپنے معاملے کی بنیاد آئندہ زندگی کو بناتا ہے جو کہ اس کے اختیار میں نہیں ہے۔ ممکن ہے وہ کل تک زندہ نہ رہے اور اگر باقی رہ بھی جائے تو جس طرح آج گناہ کو نہیں چھوڑ سکتا ممکن ہے کل بھی اس کے ترک پر قدرت نہ پائے۔ کاش وہ جانتا کہ آج اس کی توبہ میں رکاوٹ شہوت کا غلبہ ہے اور شہوت تو کل بھی اس سے دور نہ ہو گی بلکہ بڑھ جائے گی کیونکہ عادت کی وجہ سے یہ مزید پختہ ہو جاتی ہے اور جس شہوت کو انسان عادت کے ذریعے پختہ کر لیتا ہے وہ اس کی طرح نہیں جسے اس نے پختہ نہ کیا۔ اسی سبب سے توبہ میں ٹال مٹول کرنے والے ہلاک ہوئے کیونکہ وہ دو ہم شکل چیزوں میں تو فرق سمجھتے ہیں لیکن یہ نہیں سوچتے کہ شہوات سے چھٹکارا پانا مشکل امر ہے اور اس معاملے میں تمام ایام یکساں ہیں۔

توبہ میں تاخیر کرنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جسے ایک درخت کو اکھاڑنے کی حاجت ہے لیکن جب وہ دیکھتا ہے کہ درخت مضبوط ہے اور اسے سخت مشقت کے بغیر نہیں اکھاڑا جا سکتا تو کہتا ہے میں اسے ایک سال بعد اکھاڑوں گا حالانکہ وہ جانتا ہے کہ درخت جب تک قائم رہتا ہے اس کی جڑیں مضبوط ہوتی جاتی ہیں اور خود اس کی عمر جوں جوں بڑھتی ہے یہ کمزور ہوتا جاتا ہے تو دنیا میں اس سے بڑھ کر احمق کوئی نہیں کہ اس نے قوت کے باوجود کمزور کا مقابلہ نہ کیا اور اس بات کا منتظر رہا کہ جب یہ خود کمزور ہو جائے گا اور کمزور شے مضبوط ہو جائے تو اس پر غلبہ پائے گا۔

بِنا اسباب مغفرت الٰہی کا منتظر رہنے کا علاج:

گناہوں میں مبتلا ہونے کا ایک سبب اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے معافی کا انتظار ہے۔ اس کا علاج پیچھے بیان ہو چکا ہے اور ایسا شخص اس آدمی کی طرح ہے جو اپنا تمام مال خرچ کر دے اور خود کو اور اہل وعیال کو محتاج کر دے اور اس بات کے انتظار میں رہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے فضل سے اسے ویران جگہ میں خزانہ کی طرف راہ نمائی فرمائے گا۔ گناہ کی معافی کا امکان بھی اسی طرح ہے اور یہ اس شخص کی طرح ہے جو جانتا ہے کہ اس شہر میں لوٹ مار کا امکان ہے اور اپنا مال چھپانے اور دفن کرنے پر قادر بھی ہے اس کے باوجود اسے گھر کے صحن میں رکھ دیتا ہے اور کہتا ہے میں اس بات کا منتظر ہوں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے فضل سے لوٹنے والوں پر غفلت مُسَلَّط کر دے گا یا ظالم لٹیرے کو سزا دے گا حتّٰی کہ وہ میرے گھر کی طرف آنے کا موقع نہ پائے گا یا جب وہ میرے گھر کی طرف آئے گا تو دروازے پر ہی مر جائے گا کیونکہ موت اور غفلت دونوں ممکن ہیں اور قصہ کہانیوں میں اس طرح کے واقعات بیان کیے جاتے ہیں لہٰذا میں بھی اسی طرح فَضْلِ الٰہی کا منتظر ہوں۔ تو یوں انتظار کرنے والا منتظر تو ایک ممکن بات کا ہے لیکن وہ انتہائی حماقت اور جہالت کا شکار ہے کیونکہ اس طرح کا واقعہ شاید کبھی پیش نہیں آیا۔

رُسُل عظام کی تکذیب کرنے والوں کا علاج:

رسل عظام عَلَیْہِمُ السَّلَام کے سچا ہونے میں شک کرنا کفر ہے اور اس کا علاج ان باتوں کا جاننا ہے جو ان کے سچا ہونے پر دلالت کرتی ہیں لیکن یہ ایک طویل امر ہے۔ ایسے شخص کا علاج ان باتوں کے ذریعے کیا جائے جنہیں وہ آسانی سے سمجھ سکے۔ مثلاً اس سے پوچھا جائے کہ "انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام جن کو معجزات سے تائید حاصل ہے انہوں نے جو کچھ فرمایا کیا تم اس پر یقین رکھتے ہو یا تمہارا کہنا یہ ہے کہ میں اسے اسی طرح محال جانتا ہوں جیسے ایک شخص کا ایک ہی وقت میں دو جگہ ہونا محال جانتا ہوں؟" اگر وہ کہے "ہاں! میں اسی طرح محال جانتا ہوں۔" تو وہ شخص ناقصُ العقل ہے اور اس کا عقل مندوں میں کوئی شمار نہیں اور اگر وہ کہے کہ "مجھے اس بارے میں شک ہے۔" تو اس سے پوچھا جائے "اگر تم گھر پر کھانا چھوڑ کے آؤ اور کوئی اجنبی شخص تمہیں یہ کہے کہ اس میں سانپ نے منہ مارا ہے اور اپنا زہر اس میں ڈال دیا ہے اور تمہاری نظر میں سچا معلوم ہوتا ہو تو کیا تم اسے

کھاؤ گے یا چھوڑ دو گے اگرچہ وہ لذیذ ترین کھانا ہو؟" وہ کہے گا "یقیناً وہ کھانا چھوڑ دوں گا کیونکہ میں کہوں گا کہ اگر یہ شخص جھوٹا بھی ہو تو زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا کہ میرا یہ کھانا ضائع ہو جائے گا اور اس کھانے سے باز رہنا اگرچہ مشکل ہے لیکن ممکن ہے کہ یہ سچ کہتا ہو اور میں زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھوں اور کھانا ضائع ہونے اور اسے نہ کھانے کی تکلیف کے مقابلے میں موت کا سامنا کرنا زیادہ سخت ہے۔" تو ایسے شخص سے کہا جائے "سُبْحٰنَ اللہ! تو کس طرح تمام انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کی تصدیق کرنے میں تاخیر کا شکار ہے حالانکہ ان کے معجزات ظاہر ہوئے اور تمام اولیا، علما و حکما بلکہ تمام عقل مند لوگوں نے ان کی تصدیق کی ہے اور یہ لوگ جاہل نہ تھے بلکہ عقل مند تھے جبکہ دوسری طرف تو ایک اجنبی کی بات کو سچ مانتا ہے حالانکہ ممکن ہے اس میں اس کی کوئی غرض ہو۔ عُقَلا میں سے کوئی ایسا نہیں جو یوم آخرت کی تصدیق نہ کرتا ہو یا ثواب و عذاب کو حق نہ جانتا ہو اگرچہ اس کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ اگر یہ لوگ سچے ہیں تو تجھے ہمیشہ کا عذاب ہو گا اور اگر (بالفرض) یہ جھوٹے ہیں تو تجھ سے صرف فریب اور دھوکے سے بھرپور فانی دنیا کی چند خواہشات ہی چھوٹیں گی۔"

اس ساری بیان کی گئی فکر و سوچ کے بعد عقل مند شخص کے لئے توقُّف کی گنجائش باقی نہیں رہتی کیونکہ اس محدود زندگی کو ہمیشہ کی زندگی سے کوئی نسبت نہیں بلکہ اگر ہم فرض کریں کہ دنیا ذرّات سے بھری ہوئی ہے اور ایک پرندہ دس لاکھ سال کے بعد ایک ذرّہ اٹھاتا ہے تو بھی ذرّات ختم ہو جائیں گے جبکہ ہمیشہ رہنے والی زندگی میں کچھ کمی نہ ہو گی۔ تو بھلا عقل مند شخص کی رائے ہمیشہ کی سعادت کے بدلے (زیادہ سے زیادہ) 100 سال کی خواہشات سے صبر کرنے میں کیونکر دھوکا کھا سکتی ہے۔ اسی لئے ابو العلاء احمد بن سلیمان تنوخی معری نے کہا:

قَالَ الْمُنَجِّمُ وَالطَّبِیْبُ کِلَاھُمَا لَاتُبْعَثُ الْاَمْوَاتُ قُلْتُ اِلَیْکُمَا

اِنْ صَحَّ قَوْلُکُمَا فَلَسْتُ بِخَاسِرٍ اَوْصَحَّ قَوْلِیْ فَالْخَسَارُ عَلَیْکُمَا

ترجمہ: (۱)...نجومی اور طبیب دونوں نے کہا کہ مُردوں کو دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا، میں نے ان سے کہا۔

(۲)...اگر تمہاری بات سچی ہو تو مجھے خسارہ نہ ہو گا اور اگر میری بات درست ہوئی تو تم دونوں خسارے میں ہو گے۔

عقل مند انسان اَمن کے راستے چلتا ہے:

ایک کم عقل اور شکی انسان سے امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَهُ الْکَرِیْم نے

فرمایا: ”اگر تمہارا کہنا صحیح ہوا تو ہم سب نے نجات پائی اور اگر ہماری بات درست ہوئی تو ہم نجات پائیں گے اور تم ہلاک ہوگے، یعنی عقل مند انسان تمام حالات میں اَمن کے راستے پر چلتا ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

یہ باتیں تو واضح ہیں لیکن ان کا حصول غور وفکر کے بغیر ممکن نہیں تو دلوں کو کیا ہوا کہ انہوں نے (آخرت کے متعلق) غور وفکر چھوڑ دیا اور اسے بوجھ سمجھ لیا اور دلوں کو فکر کی طرف لوٹانے کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے، خصوصاً وہ شخص کیا کرے جو اصل شریعت اور اس کی تفصیل دونوں پر ایمان رکھتا ہے؟

جواب: (آخرت کے متعلق) غور وفکر سے مانع دو باتیں ہیں۔

فکر آخرت سے مانع دو باتیں:

...فائدہ اس سوچ اور فکر کا ہے جس میں عذابِ آخرت، اس کی سختیاں اور ہولناکیاں اور گناہ گاروں کی جنّت کی نعمتوں سے محرومی پر حسرت پیش نظر ہو اور اس فکر کے نہ ملنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ فکر انسان کو گویا ڈستی ہے اور دل کو اذیت پہنچاتی ہے لہٰذا دل اس سے بھاگتا ہے اور دنیوی اُمور کے متعلق سوچنے میں راحت محسوس کرتے ہوئے اس سے لذت اُٹھاتا ہے۔

...(آخرت کے متعلق) غور وفکر میں مشغول ہونا انسان کو دنیوی لذات کے حصول اور خواہشات کی تکمیل سے روک دیتا ہے اور ہر انسان پر ہر گھڑی ایک خواہش غالب ہوتی ہے اور اسے اپنا غلام بنائے ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کی عقل خواہشات کے سامنے عاجز ہو جاتی ہے اور بندہ شہوت کی تکمیل کے لئے حیلہ تلاش کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے اور طلب حیلہ یا تکمیل شہوت میں لذت پاتا ہے جبکہ فکر آخرت اس لذت سے مانع ہے (پس یہ لذت ہی اس غور وفکر سے مانع ہے)۔

دونوں باتوں کا علاج:

...انسان اپنے دل سے کہے تو کس قدر بے وقوف ہے کہ موت اور اس کے بعد والے حالات کے بارے میں غور وفکر سے احتراز کرتا ہے اور اس کا ذکر باعث تکلیف سمجھتا ہے اور اس کی تکلیف کو حقیر جانتا ہے۔

جب موت واقع ہوگی تو اس کی سختیوں پر کیسے صبر کرے گا جبکہ تیرا حال تو یہ ہے کہ موت اور اس کے بعد کے تصور پر ہی صبر نہیں کرپاتا۔

...آخرت کے متعلق غور وفکر سے مانع دنیوی لذات کا جہاں تک تعلق ہے اس کا علاج یہ ہے کہ بندہ اچھی طرح ذہن نشین کرلے کہ آخرت کی لذات کا فوت ہونا زیادہ سخت اور بڑا نقصان ہے کیونکہ اس کی کوئی انتہا نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی کدورت ہے جبکہ دنیوی لذات جلد ختم ہونے والی اور کَدُورتوں سے بھری ہوئی ہیں، ان میں کوئی لذت گدلے پن سے خالی نہیں۔ دنیا کی لذات اعلیٰ ہو بھی کیسے سکتی ہیں کہ گناہوں سے توبہ کرکے اور اطاعت الٰہی میں مصروف رہ کر **اللہ** عَزَّوَجَلَّ سے مناجات کرنے میں بہت لذت ہے اور معرفت واطاعت الٰہی اور اس کی ذات سے اُنسیت کے سبب راحت حاصل ہوتی ہے۔ بالفرض اگر اطاعت کرنے والے کو اس کے عمل کی جزا عبادت کی حلاوت اور **اللہ** عَزَّوَجَلَّ سے مناجات کے اُنس کی روح کے علاوہ کچھ نہ ملے تو بھی یہ اس کے لئے کافی ہے تو کیا لطف ہو گا جب اسے راحت واُنس کے ساتھ ساتھ آخرت کی نعمتیں بھی ملیں گی؟ ہاں! یہ لذت توبہ کی ابتدا میں نہیں ملتی بلکہ عرصہ دراز تک صبر کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے جب بھلائی اس کی عادت بن جائے جیسا کہ برائی اس کی عادت تھی۔ نفس کو جس بات کا عادی بناؤ وہ اس بات کا عادی بننے کی قابلیت رکھتا ہے۔ بھلائی ایک عادت ہے جبکہ برائی ہٹ دھرمی ہے۔

بہر حال یہ افکار خوف کو ابھارتے ہیں جو کہ دنیوی لذات سے باز رہنے کی قوت کو ابھارتا ہے اور ان افکار کا مُحَرِّک واعظوں کی وعظ ونصیحت اور وہ تنبیہات ہیں جو اتفاقاً کسی سبب سے دل پر واقع ہوتی ہیں اور وہ بے شمار ہیں۔ اس طرح فکر طبیعت کے موافق ہو جاتی ہے اور دل اس کی طرف مائل ہوتا ہے اور وہ سبب جو طبیعت اور فکر کے درمِیان مُوافَقَت پیدا کرتا ہے اسے بھلائی کی توفیق کہا جاتا ہے کیونکہ توفیق نام ہے ارادے اور اس طاعت کو ملانے کا جو آخرت میں نفع دے۔

کفر کی بنیاد کس چیز پر ہے؟

حدیثِ پاک میں ہے کہ حضرت سیِّدُنا عمار بن یاسر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کھڑے ہوئے اور امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم کی خدمت میں عرض کی: "امیر المؤمنین! ہمیں کفر کے

بارے میں بتائیے کہ اس کی بنیاد کیا ہے؟'' امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم نے فرمایا:''کفر کے بنیادی ستون چار ہیں:(١) جفا (٢) اندھاپن (٣) غفلت اور (٤) شک۔

جو شخص جفا کرتا ہے وہ حق کو حقیر جانتا ہے اور باطل کو ظاہر کرتا ہے اور علما سے بغض رکھتا ہے اور جو (دل کا) اندھا ہوتا ہے وہ ذکر کو بھول جاتا ہے اور غافل اور گمراہ ہو جاتا ہے اور شک کرنے والا آرزوؤں کے دھوکے میں رہتا ہے اور اسے حسرت وندامت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اس کے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے وہ کچھ ظاہر ہوتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔

جو کچھ ہم نے بیان کیا یہ (آخرت کے متعلق) غور و فکر سے غفلت برتنے کی چند آفات ہیں اور یہاں اتنا ہی کافی ہے اور صبر چونکہ دوام توبہ کا ایک رکن ہے تو اس کا بیان بھی ضروری ہے، لہٰذا اس کے متعلق ہم علیحدہ طور پر باب باندھیں گے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل و کرم سے ''توبہ کا بیان'' مکمل ہوا

عذابات کا نقشہ

شیخ طریقت، امیر اہلسنت، بانیِ دعوتِ اسلامی حضرتِ علامہ مولانا ابوبلال محمد الیاس عطار قادری رضوی دَامَتْ بَرَکَاتُہُمُ الْعَالِیَہ کی مشہورِ زمانہ 1548 صفحات پر مشتمل تالیف ''فیضانِ سُنّت'' جلد اول کے صفحہ 405 پر تحریر ہے: میٹھے میٹھے اسلامی بھائیو! یاد رکھئے! زکوٰۃ ادا کرنے کے جہاں بے شمار ثوابات ہیں نہ دینے والے کے لئے وہاں خوفناک عذابات بھی ہیں۔ چنانچہ میرے آقا اعلیٰ حضرت امامِ اہلسنت مولانا شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن قرآن وحدیث میں بیان کردہ عذابات کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں: خلاصہ یہ کہ جس سونے چاندی کی زکوٰۃ نہ دی جائے، روزِ قیامت جہنم کی آگ میں تپا کر اس سے اُن کی پیشانیاں، کروٹیں، پیٹھیں داغی جائیں گی۔ ان کے سر، پستان پر جہنم کا گرم پتھر رکھیں گے کہ چھاتی توڑ کر شانے سے نکل جائے گا اور شانے کی ہڈی پر رکھیں گے کہ ہڈیاں توڑتا سینے سے نکل آئے گا، پیٹھ توڑ کر کمر سے نکلے گا، گُدّی توڑ کر پیشانی سے اُبھرے گا۔ جس مال کی زکوٰۃ نہ دی جائے گی روزِ قیامت پرانہ خبیث خونخوار اژدہا بن کر اس کے پیچھے دوڑے گا، یہ ہاتھ سے روکے گا، وہ ہاتھ چبا لے گا، پھر گلے میں طوق بن کر پڑے گا، اس کا منہ اپنے منہ میں لے کر چبائے گا کہ میں ہوں تیرا مال، میں ہوں تیرا خزانہ۔ پھر اس کا سارا بدن چبا ڈالے گا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن (فتاویٰ رضویہ مخرجہ، ١٠/ ١٥٣، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صَبْروشُکْرکابیان

تمام تعریفیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے جو حمد وثنا کا اہل، کبریائی میں یکتا، بلندی وبزرگی میں منفرد ہے اور خوشی ونقصان میں صبر اور مصیبتوں اور نعمتوں پر شکر کے ذریعے گروہِ اولیا کی تائید ونصرت فرمانے والا ہے۔ فنا سے پاک اور نا ختم ہونے والا درود ہمیشہ اور باربار نازل ہو سردارِ انبیا حضرت سیِّدُنا محمد مصطفٰے صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر اور آپ کے اصحاب پر جو کہ اصفیا کے سردار ہیں اور آپ کی آل پر جو کہ متقین کی قائد ہے۔

بے شک ایمان کے دو حصے ہیں: (۱)... صبر (۲)... شکر

جیسا کہ اس پر رِوایات واَحادیث گواہ ہیں۔[1] یہ دونوں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی دو صِفات اور دو اسما سے ماخوذ ہیں کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے خود کو صَبُور[2] اور شکور[3] ارشاد فرمایا ہے۔ صبر وشکر کو نہ جاننا ایمان کے دو حصوں اور رحمٰن عَزَّوَجَلَّ کی دو صفات سے غافل ہونا ہے اور ایمان کے بغیر قُربِ الٰہی حاصل کرنے کا کوئی راستہ نہیں۔ جس ذات پر ایمان لانا ہے اور جو چیزیں ایمان کا حصہ ہیں ان کی مَعْرِفَت کے بغیر ایمان کے راستے پر چلنے کا تَصَوُّر بھی کیسے کیا جاسکتا ہے؟ اور صبر وشکر کو جاننے کی کوشش نہ کرنا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت اور ایمان کی

1... شعب الایمان، باب فی الصبر علی المصائب، ۷/ ۱۲۳، حدیث: ۹۷۱۵

2... مُفَسِّر شہیر، حکیم الامت مفتی احمد یار خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْحَنَّان "صبور" کی وضاحت کرتے ہوئے **مراۃ المناجیح، جلد3، صفحہ 332** پر فرماتے ہیں: "صَبُور صبر سے بنا بمعنی روکنا، ٹھہرنا، اگر یہ بندے کی صفت ہو تو اس کے معنٰے ہوتے ہیں گھبراہٹ سے اپنے کو روکنا اگر رب تعالٰی کی صِفَت ہو تو معنٰے ہوتے ہیں مجرموں کے عذاب میں جلدی نہ فرمانا وقت سے پہلے کوئی کام نہ کرنا صَبُور وہ جو جلدی نہیں مگر دیر سے سزا دے حلیم وہ جو کبھی سزا نہ دے رب تعالٰی کفار کے لیے صَبُور ہے اور گنہگار مومن کے لیے حلیم ہے، کریم ہے، رحیم ہے۔"

3... مُفَسِّر شہیر، حکیم الامت مفتی احمد یار خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْحَنَّان "شکور" کی وضاحت کرتے ہوئے **مراۃ المناجیح، جلد3، صفحہ 328** پر فرماتے ہیں: "شکر جب بندے کی صِفَت ہو تو اس کے معنے ہیں انعام پا کر مُنعم کی حمد وثناء بجالانا اور جب رب تعالٰی کی صِفَت ہو تو معنٰے ہوتے ہیں تھوڑے عمل پر بہت فضل فرمانا جس کا ترجمہ قدردان بہت مناسب ہے کہ وہ کریم نہ بندہ کے لائق جزاء دیتا ہے نہ اس کے کام کے لائق بلکہ اپنی شان کے لائق دیتا ہے ایک نیکی پر ہزاروں جزائیں ایک نماز پر وضو کرنے کی جزاء علیٰحدہ مسجد کے ہر قدم کی جزاء علیحدہ پھر مسجد میں آکر انتظارِ نماز کی جزاء علیحدہ رکوع کی سجود کی قرات وتسبیح کی جزاء علیحدہ بعدِ نماز دعا مانگنے کی جزائیں علیحدہ علیحدہ غرض اس کی عطا کا شمار نہیں، ہر عبادت کا یہ ہی حال ہے۔"

حقیقت جاننے سے منہ موڑلینا ہے۔ان دونوں کے لئے وضاحت وبیان کی حاجت ہے اور ان کا باہم گہرا تعلق ہے، لہٰذا ہم انہیں ایک ہی جگہ دو حصوں میں بیان کریں گے۔

پہلا حصہ:

صَبر

اس حصے میں صبر کی فضیلت، اس کی تعریف وحقیقت، اس کا نصف ایمان ہونا، مُتَعَلِّقات کے اختلاف سے اس کے مختلف نام، قوت وضعف کے اعتبار سے اس کی اقسام، صبر کی طرف محتاجی کی حالتیں اور مواقع نیز اس کی دوا اور ان چیزوں کا بیان ہوگا جن کے ذریعہ اس پر مدد حاصل کی جائے۔ یہ تمام چیزیں سات فصلوں میں بیان کی جائیں گی۔

پہلی فصل:

صَبر کی فضیلت

صبر والوں کی صفات اللہ عَزَّوَجَلَّ نے بیان فرمائیں اور قرآن پاک میں70 سے زائد مرتبہ اس کا ذکر فرمایااور اکثر دَرَجات وبھلائیوں کو اسی کی طرف منسوب کیااور اس کا پھل قرار دیا۔

صبر کے فضائل پر مشتمل آٹھ آیاتِ مُبارَکہ:

﴿1﴾...

وَ جَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىٕمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ﯼ (پ۲۱، السجدۃ:۲۴)

ترجمۂ کنزالایمان: اور ہم نے اُن میں سے کچھ امام بنائے کہ ہمارے حکم سے بتاتے جب کہ اُنہوں نے صبر کیا۔

﴿2﴾...

وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﳔ بِمَا صَبَرُوْا ؕ (پ۹، الاعراف:۱۳۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اور تیرے رب کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل پر پورا ہوا بدلہ اُن کے صبر کا۔

﴿3﴾...

وَ لَنَجْزِیَنَّ الَّذِیْنَ صَبَرُوْۤا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝۹۶ (پ۱۴، النحل:۹۶)

ترجمۂ کنزالایمان: اور ضرور ہم صبر کرنے والوں کو ان کا وہ صلہ دیں گے جو ان کے سب سے اچھے کام کے قابل ہو۔

﴿4﴾...

اُولٰٓىٕكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا (پ۲۰، القصص: ۵۴)

ترجمۂ کنزالایمان: ان کو ان کا اجر دوبالا دیا جائے گا بدلہ اُن کے صبر کا۔

﴿5﴾...

اِنَّمَا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۱۰﴾ (پ۲۳، الزمر: ۱۰)

ترجمۂ کنزالایمان: صابروں ہی کو ان کا ثواب بھرپور دیا جائے گا بے گنتی۔

صبر ہی وہ نیکی ہے جس کا ثواب بے حساب دیا جاتا ہے اور اسی سے تعلق کی بنا پر روزے کے متعلق اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا: ''اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ یعنی روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔''(1)

عبادات میں صرف صبر کی نسبت اپنی طرف فرمائی اور صبر والوں کے ساتھ ہونے کا وعدہ بھی فرمایا۔ چنانچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

﴿6﴾...

وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿ۚ۴۶﴾ (پ۱۰، الانفال: ۴۶)

ترجمۂ کنزالایمان: اور صبر کرو بیشک اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے۔

اور اپنی مدد صبر پر موقوف فرمائی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿7﴾...

بَلٰۤى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَ یَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا یُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىٕكَةِ مُسَوِّمِیْنَ ﴿۱۲۵﴾ (پ۴، اٰل عمرٰن: ۱۲۵)

ترجمۂ کنزالایمان: ہاں کیوں نہیں اگر تم صبر و تقویٰ کرو اور کافر اسی دم تم پر آپڑیں تو تمہارا رب تمہاری مدد کو پانچ ہزار فرشتے نشان والے بھیجے گا۔

اور صبر والوں کے لئے وہ خوشخبریاں بیان فرمائیں جو کسی اور کے لئے نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(1)... بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللّٰہ تعالٰی: یریدون ان یبدلوا... الخ، ۴/ ۵۷۲، حدیث: ۷۴۹۲

﴿8﴾...

اُولٰٓىٕكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ- وَ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ(۱۵۷) (پ۲، البقرۃ:۱۵۷)

ترجمۂ کنزالایمان: یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی درودیں ہیں اور رحمت اور یہی لوگ راہ پر ہیں۔

ہدایت، رحمت اور دُرُود یہ سب صبر والوں کے لئے ہیں۔ طوالت سے بچتے ہوئے ہم نے صبر کے متعلق چند آیات ہی ذکر کی ہیں۔

صبر کی فضیلت پر مشتمل نو روایات:

﴿1﴾... "اَلصَّبْرُ نِصْفُ الْاِیْمَان یعنی صبر نصف ایمان ہے۔"[1] اس کی وجہ اگلی حدیثِ مبارک میں بیان کی گئی ہے۔

﴿2﴾... یقین اور صبر ان چیزوں میں سے ہیں جو بہت تھوڑی مقدار میں تمہیں عطا کی گئیں اور جسے ان میں سے کچھ حصہ مل جائے پھر اگر وہ رات قیام اور دن روزے کی حالت میں نہ بھی گزارے تو کچھ حرج نہیں۔ تمہیں جو بھی معاملہ درپیش ہو اس پر ضرور صبر کرو یہ مجھے اس سے بھی زیادہ محبوب ہے کہ تم میں سے ہر ایک تمام لوگوں کے اعمال برابر اعمال لے کر میرے پاس آئے۔ البتہ مجھے خوف ہے کہ میرے بعد دنیا تم پر کھول دی جائے گی، تم میں سے ایک دوسرے کو کم تر جانے گا، اس وقت آسمان والے تمہیں بُرا جانیں گے۔ جس نے ایسے وقت میں صبر کا دامن تھامے رکھا وہ ثواب پانے میں کامیاب ہو گیا۔ پھر آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے یہ آیتِ مبارکہ تلاوت فرمائی:[2]

مَا عِنْدَكُمْ یَنْفَدُ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍؕ-وَ لَنَجْزِیَنَّ الَّذِیْنَ صَبَرُوْۤا (پ۱۴، النحل:۹۶)

ترجمۂ کنزالایمان: جو تمہارے پاس ہے ہو چکے گا اور جو اللہ کے پاس ہے ہمیشہ رہنے والا ہے اور ضرور ہم صبر کرنے والوں کو ان کا وہ صلہ دیں گے (جو ان کے سب سے اچھے کام کے قابل ہو)۔

﴿3﴾... ایک مرتبہ سرکارِ مدینہ، فیض گنجینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے ایمان کے متعلق سوال ہوا تو آپ

1... شعب الایمان، باب فی الصبر علی المصائب، ۷/ ۱۲۳، حدیث: ۹۷۱۶

2... قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون شرح مقامات الیقین واحوال الموقنین، ۱/ ۳۲۶

صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”صَبر اور سخاوت [1] ایمان ہے۔“[2]

﴿4﴾... اَلصَّبْرُ کَنْزٌ مِّنْ کُنُوْزِ الْجَنَّةِ یعنی صبر جنّت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔[3]

﴿5﴾... ایک مرتبہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے پوچھا گیا: ”ایمان کیا ہے؟“ ارشاد فرمایا: ”صبر۔“[4]
یہ فرمان آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اس فرمان کے مشابہ ہے: ”اَلْحَجُّ عَرَفَةُ یعنی حج وقوفِ عرفہ ہے۔“[5]

﴿6﴾... اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ مَا اُكْرِهَتْ عَلَيْهِ النُّفُوْس یعنی افضل عمل وہ ہے جس پر نفس کو مجبور کیا جائے۔[6]

منقول ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت سَیِّدُنا داود عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی طرف وحی فرمائی کہ میری صفات اپناؤ! میری صفات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ میں صَبُور ہوں۔[7]

﴿7﴾... سرکارِ دوعالَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم جب انصار کے پاس تشریف لائے تو ارشاد فرمایا: ”کیا تم مسلمان ہو؟“ سب خاموش رہے، حضرت سَیِّدُنا عُمَر بن خطاب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بھی موجود تھے انہوں نے عرض کی: جی یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم۔ ارشاد فرمایا: ”تمہارے ایمان کی نشانی کیا ہے؟“ صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے عرض کی: ہم خوش حالی پر شکر ادا کرتے، مصیبت پر صبر کرتے اور حُکمِ خداوندی پر راضی رہتے ہیں۔ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”ربِّ کعبہ کی قسم! تم مومن ہو۔“[8]

﴿8﴾... بُری بات پر صبر کرنا خیرِ کثیر ہے۔[9]

1... یہاں صبر سے مراد اللہ عَزَّوَجَلَّ کی حرام کردہ اشیاء سے صبر کرنا (یعنی باز رہنا) اور سخاوت سے مراد خوب فرائض کی ادائیگی ہے۔ (فیض القدیر، ۳/ ۲۴۳، تحت الحدیث: ۳۰۹۹)

2... مسند ابی یعلی، مسند جابر، ۲/ ۲۲۰، حدیث: ۱۸۴۹

3... موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصبر، ۴/ ۲۴، حدیث: ۱۶، بتغیر، قول حسن بصری

4... المسند للامام احمد بن حنبل، حدیث عمرو بن عبسة، ۷/ ۱۱۱، حدیث: ۱۹۴۵۲

5... سنن ابن ماجه، کتاب المناسک، باب من اتی عرفة قبل الفجر، ۳/ ۴۶۹، حدیث: ۳۰۱۵

6... ذم الھوی، الباب الثالث، الرقم: ۱۴۸، ص ۵۶، قول عمر بن عبد العزیز رحمة اللہ علیہ

7... الرسالة القشیریة، باب الصبر، ص ۲۲۱

8... المعجم الاوسط، ۶/ ۴۶۷، حدیث: ۹۴۲۷، بتغیر

9... المسند للامام احمد بن حنبل، مسند عبد اللہ بن عباس، ۱/ ۶۵۹، حدیث: ۲۸۰۴

حضرت سیِّدُنا عیسٰی روحُ الله عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُوَالسَّلَام نے ارشاد فرمایا: ”ناپسندیدہ باتوں پر صبر کے بغیر تم پسندیدہ چیز حاصل نہیں کرسکتے۔“

﴿9﴾... صبر اگر انسانی صورت میں ہوتا تو ضرور معزز انسان ہوتا اور الله عَزَّوَجَلَّ صبر والوں کو پسند فرماتا ہے۔[1]

ان کے علاوہ بھی صبر کے متعلق بے شمار روایات مروی ہیں۔

صبر کی فضیلت پر مشتمل چھ اقوالِ بزرگانِ دین:

﴿1﴾... امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عُمَر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْہ نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت سیِّدُنا ابو موسٰی اشعری رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْہ کی طرف ایک مکتوب بھیجا جس میں لکھا تھا: صبر کا دامن کبھی نہ چھوڑنا اور جان لو کہ صبر کی دو قسمیں ہیں جن میں سے ایک دوسرے سے افضل ہے: (۱)... مصائب پر صبر۔ یہ اچھا ہے اور (۲)... الله عَزَّوَجَلَّ کی حرام کردہ اشیاء سے صبر (یعنی رکنا)۔ یہ پہلے سے افضل ہے۔ جان لو کہ صبر ایمان کی بنیاد ہے کیونکہ تقوٰی عبادات میں افضل ہے اور یہ صبر سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

﴿2﴾... امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللهُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم فرماتے ہیں: ایمان کی بنیاد چار چیزیں ہیں: (۱)... یقین (۲)... صبر (۳)... جہاد اور (۴)... عدل۔[2]

﴿3﴾... آپ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْہ ہی سے مروی ہے کہ جس طرح سر جسم کا اہم جُز ہے اسی طرح صبر ایمان کا اہم جز ہے تو جیسے سر کے بغیر جسم کا کوئی فائدہ نہیں ایسے ہی صبر کے بغیر ایمان کی کوئی حیثیت نہیں۔[3]

﴿4﴾... امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عُمَر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: صبر والوں کے لئے عِدلان اور عِلاوَۃ ہے۔[4]

(لُغَت میں) اونٹ پر رکھے کجاوے کے دونوں اطراف بھر جانے کے بعد رکھا جانے والا زائد سامان

1... حلیۃ الاولیاء، الرقم: ۴۱۵، ابو مسعود موصلی، ۸/ ۳۲۱، حدیث: ۱۲۳۵۲

2... شعب الایمان، باب القول فی زیادۃ الایمان، ۱/ ۷۰، حدیث: ۳۹

3... شعب الایمان، باب فی الصبر علی المصائب، ۷/ ۱۲۴، حدیث: ۹۷۱۸

4... بخاری، کتاب الجنائز، باب الصبر عند الصدمۃ الاولی، ۱/ ۴۴۱

"عِلَاوَۃ" کہلاتا ہے۔ یہاں "عِدْلَان" سے مراد نماز اور رحمت اور "عِلَاوَۃ" سے مراد ہدایت ہے۔ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اپنے اس قول میں اس آیتِ مبارکہ کی طرف اشارہ فرمایا:

اُولٰٓىِٕكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ ۫ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ (پ۲، البقرۃ: ۱۵۷)

ترجمۂ کنزالایمان: یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی درودیں ہیں اور رحمت اور یہی لوگ راہ پر ہیں۔

﴿5﴾... حضرت سیِّدُنا حبیب بن ابو حبیب بلخی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی جب بھی یہ آیتِ مبارکہ:

اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾ (پ۲۳، ص: ۴۴)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک ہم نے اسے صابر پایا کیا اچھا بندہ بے شک وہ بہت رجوع لانے والا ہے۔

تلاوت فرماتے تو رو پڑتے اور فرماتے: بہت خوب! خود ہی عطا فرماتا ہے اور اس پر تعریف بھی کرتا ہے۔

﴿6﴾... حضرت سیِّدُنا ابو درداء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: ایمان کی پختگی حُکمِ الٰہی پر صبر اور تقدیر پر راضی رہنے میں ہے۔

صبر کی فضیلت پر یہ نقلی دلائل تھے رہا عقلی دلائل سے سمجھنا تو یہ صبر کی حقیقت اور اس کے معنٰی کو جانے بغیر ممکن نہیں کیونکہ کسی کی فضیلت و رُتبے کو جاننا اس کی صِفَت کو جاننا ہے اور صفت کی پہچان بغیر موصوف (یعنی اصل شے) کے ممکن نہیں لہٰذا ہم صبر کی حقیقت و معنٰی بیان کرتے ہیں۔

دوسری فصل: صَبْر کی حقیقت اور اس کا معنٰی

دینی مقامات تین امور پر مشتمل ہیں:

جان لیجئے! صبر دین کا مقام اور نیک لوگوں کی منزلوں میں سے ایک منزل ہے اور دین کے تمام مقامات تین امور پر مشتمل ہیں: (۱)... معارف (۲)... احوال اور (۳)... اعمال۔

﴿1﴾... معارِف:

یہ بنیاد ہیں اور احوال کو پیدا کرتے ہیں اور احوال اعمال کا سبب بنتے ہیں لہٰذا معارف درخت کے تنے کی مثل، احوال اس کی ٹہنیوں کی اور اعمال پھلوں کی مثل ہیں اور یہ اُمور سالکین کی تمام منازل کو شامل ہیں۔

ایمان کا نام بعض اوقات صرف معارف پر بولا جاتا ہے اور کبھی تمام اُمور پر جیسا کہ ہم اسے عقائد کے بیان میں چوتھی فصل کے تحت ذکر کر چکے ہیں۔ یونہی صبر معارف اور احوال کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ صبر اسی کا نام ہے اور عمل اس سے نکلنے والا پھل ہے۔ اس بات کا جاننا ملائکہ اور جن و انس کی ترتیب و کیفیت کی مَعْرِفَت کے بعد ہی ممکن ہے۔

صبر انسان کا خاصہ ہے جانوروں اور فِرشتوں میں یہ متصوَّر نہیں کیونکہ جانور انسان سے کم تر اور فِرشتے اس سے اعلیٰ ہیں۔ اس کی تفصیل یہ کہ نفسانی خواہش جانوروں پر مسلط کر دی گئی اور انہیں اس کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ ان کی تمام تر حَرکات و سکنات کا باعث صرف نفسانی خواہش ہوتی ہے اور ان میں نفسانی خواہش سے مقابلہ کرنے اور اس کی پیروی سے روکنے والی وہ قوت ہی نہیں جسے صبر کہتے ہیں۔

فِرِشتہ، انسان اور جانور میں فرق:

فِرِشتے چونکہ صرف دربارِ الٰہی کے مشتاق، اس کے قُرب سے مسرور ہیں اور خواہشِ نفس سے محفوظ ہیں جو انہیں بارگاہِ الٰہی سے کسی غیر کی طرف پھیرے حتّٰی کہ وہ اس پر غَلَبہ پانے اور پھر سے دربارِ الٰہی کی طرف پلٹنے کے لئے کسی لشکر کے محتاج ہوں۔

انسان کو بہر حال ناقص پیدا کیا گیا ہے، بچپن میں وہ جانوروں کی مثل ہوتا ہے کہ غذا کا محتاج اور صرف اسی کا خواہشمند ہوتا ہے پھر اس میں کھیل کود اور بننے سنورنے کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے اس کے بعد جیسے جیسے بڑھتا چلا جاتا ہے اس میں نکاح کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ بچپن میں انسان میں صبر کی قوت نہیں ہوتی کیونکہ صبر کہتے ہیں دو قوتوں کا تقاضے اور مُطالَبے میں مختلف ہونے کے سبب باہم مقابلے میں کھڑا ہونا جبکہ بچے میں جانور کی مانند صرف ایک ہی قوت ہوتی ہے لیکن اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے فضل و کرم سے انسان کو عزت بخشی اور اسے جانوروں سے بہتر دَرَجہ عطا فرمایا اور جب وہ بُلُوغت و کمال کے قریب ہوتا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کے لئے دو فِرِشتے مقرر فرما دیتا ہے ان میں سے ایک اسے سیدھا راستہ دکھاتا ہے اور دوسرا قوت بخشتا ہے لہٰذا انسان ان دو فِرِشتوں کی بدولت جانوروں سے ممتاز ہو جاتا ہے اور ان دو صفتوں کے ساتھ خاص ہو جاتا ہے: (۱)...اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی پہچان۔ (۲)...مُعامَلات کے انجام کی پہچان۔

یہ دونوں صفات سیدھا راستہ دکھانے والے فرشتے کی بدولت حاصل ہوتی ہیں۔

جانور کو مَعْرِفَت عطا کی گئی نہ معاملات کے انجام کی پہچان وہ صرف نفسانی خواہش پوری کرنے میں مگن رہتا ہے اسی وجہ سے وہ صرف ذائقہ دار چیزوں کی تلاش میں رہتا ہے اور نفع بخش کڑوی دوائی کو نہ طلب کرتا ہے نہ پہچانتا ہے۔

انسان فَرِشتے کی حفاظت میں:

انسان نورِ ہدایت کے ذریعہ جان لیتا ہے کہ خواہشات کی پیروی کرنے والوں کا انجام برا ہے لیکن صرف یہ جان لینا ہی کافی نہیں جب تک نقصان پہنچانے والی چیزوں سے بچنے پر قدرت نہ ہو۔ کتنی ہی نقصان دہ چیزوں کو انسان جانتا ہے لیکن انہیں دور کرنے کی قدرت نہیں رکھتا جیسے بیماری کا لاحق ہو جانا۔ لہٰذا انسان ایسی قوت و قدرت کا محتاج ہے جس کے ذریعہ خواہشات سے مقابلہ کر سکے حتّٰی کہ نفس ان کی دشمنی سے محفوظ ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انسان کے ساتھ ایک فِرِشتہ مقرر کیا ہے جو اسے (برے کاموں سے) روکتا ہے اس کی تائید کرتا اور باطنی لشکر کے ذریعہ اسے قوت پہنچاتا ہے اور اس لشکر کو خواہشات کے لشکر کے مقابلے میں کھڑا کر دیتا ہے۔ کبھی یہ لشکر کمزور ہوتا ہے اور کبھی طاقتور اور یہ سب اللہ عَزَّوَجَلَّ کی مدد و تائید کے مطابق ہوتا ہے جیسا کہ نورِ ہدایت مخلوق میں اس قدر کم زیادہ ہوتا ہے کہ اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

باعث دینی اور باعث ہَوٰی:

خواہشات کو جڑ سے اکھیڑ کر ان پر غالب آ کر انسان اور جانوروں میں فرق کرنے والی قوت کا نام ہم نے باعِثِ دینی (یعنی نیکی کی طرف مائل کرنے والی قوت) رکھ دیا اور خواہشات کی تکمیل کی طرف لے جانے والی قوت کا نام باعِثِ ہَوٰی رکھ دیا۔

ذِہن نشین رکھئے کہ باعِثِ دینی اور باعِثِ ہَوٰی کے درمیان جھگڑا اچلتا رہتا ہے اور اس جنگ کا میدان بندے کا دل ہے۔ باعِثِ دینی کے مددگار اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے بھیجے گئے فِرِشتے ہیں اور باعِثِ ہَوٰی کے مددگار اللہ عَزَّوَجَلَّ کے دُشمن شیاطین ہیں۔

﴿2،3﴾... احوال اور اعمال:

باعثِ دینی باعثِ ہوٰی کے مقابلے میں کھڑا ہو کر مقابلہ کرتا رہے حتّٰی کہ غالب آجائے پھر بندہ خواہش کی مخالَفت کرتا رہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کا گروہ اس کی مدد کرتا ہے اور اس کا شمار صبر کرنے والوں میں کیا جاتا ہے اور اگر باعثِ دینی کمزور ہو، پیچھے ہٹ جائے حتّٰی کہ خواہش غالب آجائے اور بندہ اسے دور نہ کر سکے تو یہ شیطان کے پیروکاروں میں گنا جاتا ہے۔ پھر جب خواہشات کی پیروی کرنا چھوڑ دے تو یہ اس مقابلے کا نتیجہ ہے اسے عمل بھی کہتے ہیں اور باعثِ دینی اور باعثِ ہَوٰی کے مقابلے کو احوال کہتے ہیں، اسی کا نام صبر ہے، اس کے نتیجے میں دنیا وآخرت میں کامیابی کے لئے خواہشات کی دشمنی اور مخالفت واضح ہو جاتی ہے۔

کراماً کاتبین میں سیدھی جانب والا افضل ہے:

اگر بندہ اس بات کا یقین رکھے کہ خواہش اللہ عَزَّوَجَلَّ کے راستے کی دشمن اور ڈاکو ہے تو باعثِ دینی کی قوت بڑھ جاتی ہے اور جب وہ مضبوط ہو جائے تو خواہشات کی تکمیل کے بغیر ہی تمام کام انجام پا جاتے ہیں۔ خواہشات سے مکمل چھٹکارا اسی وقت ملے گا جب باعثِ ہَوٰی کی ضد باعثِ دینی قوی ہو اور خواہشات کے برے انجام کا پختہ یقین ہو۔ مقرر کردہ دونوں فِرشتے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حکم سے ان دونوں قوتوں کے کفیل ہیں انہیں اسی لئے پیدا کیا گیا ہے اور یہ دونوں فرشتے کراماً کاتبین ہیں جو ہر انسان کے ساتھ ہوتے ہیں۔ جب تم نے جان لیا کہ سیدھی راہ دکھانے والے فرشے کا مرتبہ قوت دینے والے فرشتے سے اعلیٰ ہے تو یہ بات بھی پوشیدہ نہ رہی کہ سیدھی جانب جو کہ دونوں جانبوں میں افضل ہے اعلیٰ مرتبے والے کے سپرد کی جائے لہٰذا وہ سیدھی جانب والا ہو گیا اور دوسرا بائیں جانب والا۔

کراماً کاتبین کے ساتھ انسان کا معاملہ:

غفلت و فکر اور اِسْتِرْسال و مجاہدے کی صورت میں بندے کی چند حالتیں ہیں:

غفلت و فکر: غفلت کی وجہ سے بندہ سیدھی طرف والے فِرشتے سے اِعراض کرتا اور بُرائی سے پیش آتا ہے تو بندے کی اس حرکت کو برائی لکھ دیا جاتا ہے اور فکر کی حالت میں فَرِشتے کی طرف متوجہ ہوتا ہے

تاکہ اس سے ہدایت حاصل کرسکے تو بندے کے اس فعل کو اچھائی لکھ دیا جاتا ہے۔

اِسْتِرْسال و مجاہدہ: یونہی اِسْتِرْسال (یعنی سستی وکاہلی) کی صورت میں بندہ الٹی طرف والے فرشتے سے اعراض کرتا اور اس سے مدد طلب کرنا چھوڑ دیتا ہے تو بندے کے اس فعل کو برائی لکھ دیا جاتا ہے اور مجاہدہ کی حالت میں فرشتے سے مدد طلب کرتا ہے تو بندے کے لئے اچھائی لکھ دی جاتی ہے۔

کراماً کاتبین کہنے کی وجہ:

چونکہ اچھائیاں اور برائیاں یہی دونوں لکھتے ہیں۔ "کراماً" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ بندہ ان کے کرم سے نفع حاصل کرتا ہے کہ تمام فرشتے کرم والے اور حکمِ خُداوندی بجالانے والے ہیں اور "کاتبین" انہیں اس لئے کہا جاتا ہے کہ نیکی اور برائی یہی لکھتے ہیں اور دل میں چھپی بات بلکہ اس پوشیدہ بات کو بھی لکھ لیتے ہیں جس کی اطلاع دنیا میں کسی کو نہیں ہوتی۔ ان دونوں فِرشتوں، ان کی کتابوں، خُطوط، صحیفوں اور ان کے ساتھ تعلق رکھنے والی دیگر تمام اشیاء کا تعلق عالَمِ غیب وعالَمِ مَلَکُوت سے ہے نہ کہ ظاہری عالَم سے اور جو چیز عالَمِ ملکوت سے ہو دنیا میں آنکھ اس کا ادراک نہیں کرسکتی۔ ان پوشیدہ صحیفوں کو دو مرتبہ کھولا جائے گا۔ ایک مرتبہ قیامَتِ صُغریٰ میں دوسری مرتبہ قیامَتِ کُبریٰ میں۔

قیامتِ صُغریٰ:

اس سے مراد موت کی حالت ہے کہ رسولوں کے سردار، دوعالَم کے مالک ومختار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جس کا انتقال ہوگیا اس کے لئے قیامت قائم ہوگئی۔[1]

اس قیامت میں انسان تنہا ہوتا ہے، اسی لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (پ۷، الانعام: ۹۴)

ترجمۂ کنزالایمان: اور بے شک تم ہمارے پاس اکیلے آئے جیسا ہم نے پہلی بار پیدا کیا تھا۔

مزید ارشاد فرمایا:

---

[1] ...موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب ذکر الموت، ۵/ ۴۴۷، حدیث: ۱۷۳

كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ﴿۱۴﴾ ترجمۂ کنزالایمان: آج تو خود ہی اپنا حساب کرنے کو بہت ہے۔

(پ۱۵، بنی اسرائیل: ۱۴)

قیامتِ کبریٰ:

اس میں ساری مخلوق کو جمع کیا جائے گا کوئی بچ نہیں سکے گا، قوم کے سرداروں اور رئیسوں سے بھی حساب لیا جائے گا اور پرہیز گاروں کو جنت اور گنہگاروں کو جہنم میں گروہ در گروہ بھیجا جائے گا۔

موت کی حالت قیامتِ صغریٰ ہے اور اس میں قیامت کبریٰ کی تمام ہولناکیاں پائی جاتی ہیں مثلاً زمین میں زلزلہ وغیرہ آنا کیونکہ موت کے وقت انسان جہاں ہوتا ہے خاص اسی جگہ زلزلہ آتا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ شہر کے کسی حصہ میں زلزلہ آجائے تو کہا جاتا ہے کہ فلاں زمین (یعنی شہر) میں زلزلہ آگیا اگرچہ اس کے جھٹکے پورے شہر میں محسوس نہ کئے گئے ہوں۔ یونہی کسی ایک انسان کے گھر میں زلزلہ محسوس ہو تو اس کے حق میں زلزلہ ہی شمار کیا جائے گا کیونکہ ساری زمین میں زلزلہ آجائے پھر بھی اسے اس وقت تک نقصان نہیں ہو گا جب تک اس کے اپنے مکان میں اس کے جھٹکے محسوس نہ ہوں، لہٰذا بغیر کسی نقصان کے اس کے حق میں زلزلہ پایا گیا۔

قیامتِ صُغْریٰ اور کُبریٰ میں مطابَقت:

جان لو! تم مٹی سے پیدا کئے گئے ہو اور مٹی سے تمہارا حصہ صرف تمہارا بدن ہے دوسرے کا بدن تمہارا حصہ نہیں اور زمین جس پر تم بیٹھتے ہو تمہارے جسم کے لئے ظَرف و مکان ہے اور تم زمین کے زلزلوں سے ڈرتے ہو کہ اس سے تمہارا جسم کانپنے لگتا ہے جبکہ ہوا کے جھونکے مسلسل آرہے ہیں لیکن تم ان سے خوف زدہ نہیں کیونکہ ان سے تمہارا جسم نہیں کانپتا۔ بہر حال زمینی زلزلوں میں تمہارا جسم اس لئے کانپتا ہے کہ تمہاری زمین اور مٹی تمہارے جسم کے ساتھ خاص ہے اور زمین کی طرح تمہاری ہڈیاں اس کے پہاڑ، تمہارا سر اس کا آسمان، دل اس کا سورج، کان، آنکھ اور دیگر حواس اس کے تارے، پسینہ اس کا دریا، سمجھ بوجھ اس کے نباتات اور یونہی دیگر اعضاء جسم کے درخت ہیں۔ پس جب موت کے سبب جسم کے اعضاء ختم ہوتے ہیں تو گویا زمین تھر تھرا دی جاتی ہے، ہڈیاں جب گوشت سے جدا ہوتی ہیں تو زمین اور پہاڑ اٹھا کر دفعۃً چورا کر دیئے جاتے ہیں۔

ہڈیاں جب گل سڑ جاتی ہیں تو پہاڑ غبار بنا کر اڑا دیئے جاتے ہیں، موت کے وقت جب دل پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو دھوپ لپیٹ دی جاتی ہے، جب کان، آنکھ اور دیگر حواس کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں تو تارے جھڑ جاتے ہیں، جب دماغ پھٹتا ہے تو آسمان پھٹ جاتا ہے، موت کی تکلیف کے سبب جب پسینہ بہتا ہے تو گویا سمندر بہا دیے جاتے ہیں۔ تجھے سواری کا کام دینے والی پنڈلیوں کو جب ایک دوسرے کے ساتھ ملایا جاتا ہے تو گویا وہ حاملہ اونٹنیوں کی بھاری ٹانگوں کی طرح ہو جاتی ہیں اور جب روح جسم سے جدا ہوتی ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے گویا زمین ہموار کر دی گئی حتّٰی کہ جو کچھ اس میں تھا سب باہر نکال دیا اور خالی ہو گئی۔

بہرحال موت کی تمام حالتوں اور تکالیف کا مُوازَنہ کر کے اپنا کلام لمبا نہیں کرنا چاہتا لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ موت تجھ پر قیامَتِ صُغْرٰی قائم کر دے گی، اس کے باوجود قیامَتِ کُبْرٰی میں جو کچھ تیرے یا کسی اور کے ساتھ ہونا ہے ہو کر رہے گا۔ (موت اس لئے قیامت صغریٰ ہے کہ) کسی اور کے لئے تاروں کا باقی رہنا تجھے کچھ فائدہ نہیں دیتا، جن حواس کے ذریعہ تاروں کو دیکھ کر نفع حاصل کرتا تھا وہ جَھڑ چکے اور جس کی آنکھیں نہ ہوں اس کے لئے دن رات اور سورج کا روشن ہونا یا اس کو گہن لگنا برابر ہے کہ اس کے حق میں ایک ہی مرتبہ ہمیشہ کے لئے گہن لگ چکا اب سورج کا روشن ہونا غیر کے حق میں ہے۔ یونہی جس کا سر پھٹ جائے اس کا آسمان پھٹ جاتا ہے کیونکہ آسمان کو دماغ سے تعبیر کیا گیا تھا اور جس کا سر نہ ہو اس کا آسمان نہیں تو کسی اور کا آسمان اسے کیوں نفع دے گا؟ یہ قیامَتِ صُغْرٰی ہے۔ گھبراہٹ اور دہشت تو اس وقت اپنی انتہا کو پہنچ جائے گی جب قیامَتِ کُبْرٰی قائم ہو گی، کوئی اِمتیاز نہیں کیا جائے گا، زمین و آسمان مٹ جائیں گے اور پہاڑ غبار بنا کر اڑا دیئے جائیں گے۔

اِنسان کی پیدائش دو مرتبہ ہے:

جان لیجئے کہ اگرچہ ہم نے قیامَتِ صُغْرٰی کی بہت سی علامتیں بیان کیں لیکن پھر بھی بے شمار علامات بیان نہ کر سکے جبکہ یہ قیامَتِ کُبْرٰی کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے وِلادتِ کُبْرٰی کے مقابلے میں وِلادتِ صُغْرٰی کیونکہ انسان کی پیدائش دو مرتبہ ہے:

❀...**پہلی مرتبہ:** باپ کی صُلْب اور ماں کے سینے سے نکل کر ماں کے رِحم میں چلا جانا اور مقررہ میعاد تک اس میں رہنا ہے۔ اس دوران وہ کئی منازل و احوال تبدیل کرتا ہے مثلاً پہلے نطفہ ہوتا ہے پھر علقہ بنتا ہے پھر مضغہ۔

...**دوسری مرتبہ:** رِحم کی تنگ جگہ سے نکل کر وسیع وعریض دنیا میں آجاتا ہے۔

قیامَتِ صُغْرٰی کے مقابلے میں قیامَتِ کُبْرٰی اور اس دنیا کی وُسْعَت کے مقابلے میں موت کے بعد کی دنیا کی وُسعت ایسی ہی ہے جیسے رحم کے مقابلے میں دنیا کی وُسعت بلکہ موت کے بعد کی دنیا اس سے وسیع ہے۔

چنانچہ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

مَا خَلْقُكُمْ وَ لَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍؕ (پ۲۱، لقمٰن:۲۸)

ترجمۂ کنزالایمان: تم سب کا پیدا کرنا اور قیامت میں اٹھانا ایسا ہی ہے جیسا ایک جان کا۔

دوسری مرتبہ کی پیدائش بھی پہلی ہی کی طرح ہے بلکہ پیدائش کو دو کے ساتھ مخصوص کرنا درست نہیں کہ ربّ تعالٰی فرماتا ہے:

وَ نُنْشِئَكُمْ فِیْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ(۶۱) (پ۲۷، الواقعۃ:۶۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اور تمہاری صورتیں وہ کردیں جس کی تمہیں خبر نہیں۔

قیامتِ کُبرٰی کا انکار کیوں کر ممکن ہے!

قیامتِ صغرٰی و کبرٰی کا اقرار کرنے والا حاضر و غیب جاننے والے پر ایمان اور ظاہری اور پوشیدہ چیزوں پر یقین رکھتا ہے جبکہ قیامَتِ کُبْرٰی کا انکار کرنے والا کانی آنکھ سے صرف ظاہری عالَم پر نظر رکھے ہوئے ہے اور وہ جاہل، گمراہ اور کانے دجال کا پیروکار ہے۔ تو اے مسکین تیری غفلت کس قدر بڑھ چکی ہے ہم سبھی غافل ہیں، یہ مصائب وآلام تیرے سامنے ہیں پھر بھی اگر جہالت و گمراہی کے سبب قیامَتِ کُبْرٰی پر ایمان نہیں لاتا تو کیا قیامَتِ صُغْرٰی کا آنا تیرے لئے کافی نہیں؟ کیا سرکارِ دوعالَم، نورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمان: ''نصیحت کے لئے موت ہی کافی ہے۔''[1] تیرے کانوں تک نہیں پہنچا؟ موت کے وقت شہنشاہِ دوعالَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے جو دعا فرمائی: ''اے **اللہ** عَزَّوَجَلَّ! محمد (صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) پر سکراتِ موت آسان فرما۔''[2] کیا اس کا تجھے علم نہیں؟ کیا تجھ میں شرم نہیں کہ موت کو اپنے سے بہت دور گمان کر

[1]... الزھد لابن مبارک، ما رواہ نعیم بن حماد، باب فی ذکر الموت، حدیث: ۱۴۸، ص ۳۷

[2]... سنن الترمذی، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی تشدید الموت، ۲/ ۲۹۴، حدیث: ۹۸۰، بتغیر قلیل

کے ان غافلین کی پیروی کرتا ہے جو ایک چیخ (یعنی صور پھونکنے) کے منتظر ہیں کہ انہیں آلے گی جبکہ وہ دنیا کے جھگڑوں میں پھنسے ہوں گے نہ وصیت کر سکیں گے نہ اپنے گھر جا سکیں گے، بیماری ان غافلوں کے پاس موت کا پیغام لے کر آتی ہے لیکن وہ غفلت سے بیدار نہیں ہوتے، بڑھاپا موت کا قاصد بن کر ان کے پاس آتا ہے پھر بھی عبرت حاصل نہیں کرتے۔ ہائے افسوس ان بندوں پر جب ان کے پاس کوئی رسول آتا ہے تو اس سے ٹھٹھا (مذاق) ہی کرتے ہیں، کیا وہ گمان کر بیٹھے کہ ہمیشہ دنیا میں رہیں گے؟ کیا انہوں نے نہ دیکھا ہم (**اللہ** عَزَّوَجَلَّ) نے ان سے پہلے کتنی ہی سنگتیں (قومیں) ہلاک فرمائیں کہ وہ اب ان کی طرف پلٹنے والے نہیں؟ وہ کیا سوچتے ہیں مردے ان کے پاس سے گزر چکے اور وہ معدوم ہیں؟ خبردار! سب نے ہمارے حضور حاضر ہونا ہے۔ ان بندوں کے پاس جب کبھی ان کے رب کی نشانیوں سے کوئی نشانی آتی تو اس سے اعراض کرتے اور یہ سب اس لئے کہ ہم نے ان کے آگے اور ان کے پیچھے ایک دیوار بنا دی اور انہیں اوپر سے ڈھانک دیا تو انہیں کچھ نہیں سوجھتا اور انہیں کچھ فرق نہیں پڑتا (اے محبوب!) آپ ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان لانے والے نہیں۔

یہ تمام بحث عُلُومِ مُکَاشَفَہ کی طرف اشارہ کرتی ہے جو عُلُومِ معاملہ سے اعلیٰ ہے۔ اب ہم مقصود کی طرف چلتے ہیں۔

بچہ اور مجنون آزاد ہیں:

یہ بات ظاہر ہوگئی کہ باعِثِ دینی اور باعِثِ ہوٰی کا باہم مقابلے کے لئے کھڑے ہونے کو صبر کہتے ہیں اور انسان پر کراماً کاتبین مُقَرَّر ہیں اس لئے یہ مقابلہ انسان ہی کا خاصّہ ہے۔ کراماً کاتبین بچوں اور مجنون کی خطائیں نہیں لکھتے کیونکہ ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ فائدہ حاصل کرنے کے لئے فرشتوں کی طرف متوجہ ہونا اچھائی کہلاتا ہے اور ان سے منہ موڑ لینا برائی اور بچے اور مجنون کے لئے استفادہ ممکن ہی نہیں لہٰذا ان کا متوجہ ہونا اور اعراض کرنا بھی متصور نہیں جبکہ فرشتے اچھائی یا برائی اسی کے لئے لکھتے ہیں جو ان پر قادر بھی ہو اور اس سے کوئی فعل بھی صادر ہو۔

میرے خیال میں بعض اوقات سمجھداری کی بدولت بچپن نورِ ہدایت سے چمک اٹھتا ہے اور بالغ ہونے تک بڑھتا چلا جاتا ہے جیسا کہ روشنی ظاہر تو صُبح ہی ہو جاتی ہے لیکن سورج نکلنے تک پھیلتی رہتی ہے۔ یہ نور ہدایتِ قاصِرہ کہلاتا ہے جو آخرت کے نقصان کی تو پہچان نہیں کرواتا لیکن دنیاوی نقصان سے آگاہ کر دیتا

ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بچپن میں نماز چھوڑ دینے پر سختی تو کی جاتی ہے لیکن آخرت میں اس پر پکڑ نہیں، نہ ہی یہ عمل روزِ محشر بیان کئے جانے والے نامۂ اَعمال میں لکھا جاتا ہے۔ ہاں اگر بچے کی دیکھ بھال کرنے والا عادل، نیک اور شفیق ہو اور کراماً کاتبین کا سا طریقہ اختیار کرے تو اس کی اچھائی اور برائی دل میں محفوظ کرنے کے ساتھ ساتھ لکھ بھی لیتا ہے اور اچھائی پر سراہتا اور برائی پر سزا دیتا ہے۔ ہر سرپرست بچے کے ساتھ یہی طریقہ اختیار کرے تو بچہ فِرِشتہ صِفات کا مالک بن جاتا ہے اور اچھی نیت سے ایسی پرورش کرنے والا فِرِشتوں کی مثل رب عَزَّوَجَلَّ کا قرب حاصل کر لیتا ہے اور کل بروز قیامت انبیا، مُقَرَّبین اور صِدِّیقِین کے ساتھ ہوگا جیسا کہ رحمتِ عالَمیان صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اپنی دو انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔"[1]

تیسری فصل: صبر نصف ایمان ہے

جان لیجئے کہ دین میں ایمان کا اطلاق کبھی صرف تصدیقات پر کیا جاتا ہے اور کبھی ان کی وجہ سے ظاہر ہونے والے نیک اعمال پر اور کبھی دونوں پر۔ معارف اور اعمال کے چند ابواب ہیں اور لفظ ایمان چونکہ ان تینوں (یعنی معارف، احوال اور اعمال) کو شامل ہے اس لئے اس کے ستر سے زائد ابواب ہیں اور اس کے ناموں کے اختلاف کو ہم عقائد کے بیان میں چوتھی فصل کے تحت بیان کر چکے ہیں۔

صبر دو اعتبار سے نصف ایمان ہے:

بہر حال ایمان کا اطلاق دو چیزوں پر کئے جانے کی وجہ سے صبر دو اعتبار سے نصف ایمان ہے:

...**اعتبارِ اوّل:** چونکہ ایمان کا اطلاق تصدیقات اور اعمال دونوں پر کیا جاتا ہے تو ایمان کے دو رکن ہوئے: (۱)...یقین اور (۲)...صبر۔

یقین سے مراد دین کی یقینی مَعْرِفَت ہے جو بندے کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ہدایت سے ہی حاصل ہوتی ہے اور صبر سے مراد معرفت کے مطابق عمل کرنا ہے کیونکہ معرفت بندے کو پہچان کرواتی ہے کہ گناہ باعِثِ

---

[1] ...سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی من ضم الیتیم، ۴/ ۴۳۶، حدیث: ۵۱۵۰

نقصان اور نیکی نفع بخش ہے اور صبر کے بغیر گناہ سے چھٹکارا اور نیکی پر ہمیشگی ممکن نہیں اور صبر کہتے ہیں خواہش وسستی کے خلاف باعِثِ دینی کے استعمال کو، تو اس اعتبار سے صبر نصف ایمان ہوا، اسی وجہ سے سرکار مدینہ، راحت قلب وسینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے بھی دونوں کو ایک جگہ جمع فرمایا، چنانچہ ارشاد نبوی ہے: "یقین اور صبر ان چیزوں میں سے ہیں جو بہت تھوڑی مقدار میں تمہیں عطا کی گئیں ہیں۔"[1]

...**اعتبارِ ثانی:** چونکہ ایمان کا اِطلاق کبھی اعمال سے ظاہر ہونے والے احوال پر بھی کیا جاتا ہے اور اس وقت بندے کے تمام اعمال کی دو قسمیں کی جاتی ہیں: (۱)...جو دنیا و آخرت میں اسے نفع دے (۲)...جو دونوں جہاں میں نقصان پہنچائے۔ نقصان پہنچانے والی قسم بندے کے لئے حالَتِ صبر ہے اور نفع دینے والی حالَتِ شکر، لہٰذا شکر بھی ایمان کے ارکان میں سے ایک رکن ہوا جیسا کہ اعتبارِ اول میں یقین ایک رکن ہے۔ اسی لئے حضرت سیِّدُنا ابن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا کہ ایمان کے دو حصے ہیں: (۱)...صبر (۲)...شکر۔ یہی الفاظ حُضور اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے مرفوعاً[2] ثابت ہیں۔

باعث ہوٰی کی دو قسمیں:

بہرحال صبر باعِثِ دینی کے ذریعہ باعِثِ ہوٰی سے رُکنے کا نام ہے اور باعِثِ ہوٰی کی دو قسمیں ہیں: (۱)...خواہش (۲)...غصہ۔ لذیذ چیز طلب کرنے کو خواہش کہتے ہیں اور تکلیف دہ چیز دور کرنے کو غصہ اور روزے میں چونکہ صرف خواہش کی پیروی یعنی پیٹ اور شرم گاہ کی تسکین سے رکنا پایا جاتا ہے اسی لئے رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ "روزہ نصف صبر ہے۔"[3] اور چونکہ خواہش و غصہ دونوں کی طرف لے جانے والی تمام چیزوں سے رکنا کامل صبر کہلاتا ہے اس اعتبار سے روزہ ایمان کا چوتھائی

---

1 ...قوت القلوب، الفصل الحادی والثلاثون: کتاب العلم وتفضیلہ...الخ، ۱/ ۲۳۵

2 ...**دعوتِ اسلامی** کے اشاعتی ادارے **مکتبۃ المدینہ** کی مطبوعہ 95 صفحات پر مشتمل درسی کتاب **"نصاب اُصولِ حدیث مع اِفاداتِ رضویہ"** کے صفحہ 78 پر مذکور ہے کہ حدیثِ مرفوع: وہ قول، فعل، تقریر یا صفت جس کی نسبت سرکار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی طرف کی جائے۔

3 ...سنن الترمذی، کتاب الدعوات، باب (۹۲)، ۵/ ۳۰۸، حدیث: ۳۵۳۰

حصہ ہوا۔ بہتر ہے کہ شرعی احکامات کو اعمال، احوال اور ایمان کی طرف ان کی نسبت کے ذریعے سمجھا جائے۔ اس کے لئے ایمان کے ابواب کی پہچان ضروری ہے کیونکہ ایمان کی تعریف کئی طرح سے کی جاتی ہے۔

چوتھی فصل: مختلف حالتوں میں صبر کے مختلف نام

جان لیجئے! صبر کی دو قسمیں ہیں: (۱)... جسمانی (۲)... نفسی۔ جسمانی صبر سے مراد بدن کا مشقتیں اٹھانا اور ان پر ثابت قدم رہنا ہے۔ یہ کبھی کسی فعل کے ذریعے ہو گا جیسا کہ عبادات و مُعاملات میں نفس پر گراں گزرنے والے اعمال بجالانا یا پھر قوتِ برداشت کے ذریعے ہو گا جیسا کہ سخت تکلیف، خطرناک بیماری اور گہرے زخم پر صبر کرنا۔ اس صبر میں اگر شریعت سے روگردانی نہ پائی جائے تو یہ پسندیدہ ہے لیکن اس سے زیادہ پسندیدہ دوسری قسم یعنی نفسی صبر ہے اور اس سے مراد ہے کہ نفس کا طبعی و نفسانی خواہشات کی پیروی سے باز رہنا۔ پھر اگر نفس پیٹ اور شرم گاہ کی خواہش پوری کرنے سے رکا رہے تو اسے عِفّت (یعنی پاک دامنی) کہتے ہیں اور اگر کسی ناپسندیدہ چیز پر صبر کیا جائے تو چیزوں کے مختلف ہونے کے سبب لوگوں کے درمیان اس کے مختلف نام رائج ہیں۔ مثلاً اگر مصیبت میں نفس پُرسکون رہے تو اسے صبر کہتے ہیں اور اس کی ضد گھبراہٹ و بد حَواسی کہلاتی ہے یعنی مصیبت کے وقت چیخنا، گالوں پر ہاتھ مارنا، گریبان پھاڑنا اور دیگر کاموں میں حد سے بڑھ جانا۔ اگر مال و دولت کے باوُجود نفس صبر کرے تو اسے ضَبْطِ نفس کہتے ہیں، اس کی ضد تکبر ہے۔ اگر جنگ و مقابلے میں صبر کیا جائے تو اسے شجاعت و بہادری کہتے ہیں اور اس کی ضد بزدلی ہے۔ اگر غصہ پینے کی صورت میں پایا جائے تو بُردباری کہلاتا ہے اور اس کی ضد عدم برداشت ہے۔ اگر زمانے کے کٹھن وقتوں میں صبر پایا جائے تو اسے فراخ دلی کہتے ہیں اور اس کی ضد تنگ دلی و پریشان حالی ہے۔ اگر بات چھپانے میں ہو تو اسے رازداری اور ایسے شخص کو رازدار کہتے ہیں۔ یونہی موجود پر صبر کیا جائے زیادہ کی تمنا نہ کی جائے تو یہ زُہد کہلاتا ہے اور اس کی ضد حرص ہے اور اگر تنگدستی اور حاجت سے کم ہونے کے باوجود صبر کیا جائے تو اسے قناعت کہتے ہیں اور اس کی ضد بے اطمینانی ہے۔

ایمان کے اکثر حصے صبر میں داخل ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ایک مرتبہ جب رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی

اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے ایمان کے متعلق سوال کیا گیا تو ارشاد فرمایا: ”ھُوَالصَّبْرُ یعنی صبر ہی ایمان ہے۔“[1]
کیونکہ صبر ایمان کا اہم اور معزز ترین حصہ ہے اور عظمت و شرف ہی کی بنا پر آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے عرفہ کے متعلق ارشاد فرمایا: ”اَلْحَجُّ عَرَفَۃ یعنی حج وقوفِ عرفہ ہے۔“[2]

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے صبر کی تمام اقسام ایک ہی نام کے ساتھ ایک جگہ جمع فرمادیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ؕ[3] یعنی مصیبت، تنگ دستی اور جنگ کے موقع پر صبر والے۔ اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ (ترجمۂ کنزالایمان: یہی ہیں جنہوں نے اپنی بات سچی کی اور یہی پرہیز گار ہیں۔ پ۲، البقرۃ:۱۷۷)

صبر کی یہ اقسام اس کے متعلقات کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہیں۔ جو اس کے ناموں کے معانی میں غور و فکر کرے تو ضرور وہ ان تمام احوال کو ذات و حقیقت کے اعتبار سے مختلف سمجھے گا جبکہ سیدھی راہ پر چلنے والا معانی میں غور کر کے اس کے ناموں میں اُلجھے بغیر ابتداءً ہی نورِ خداوندی سے دیکھ کر اس کی حقیقت جان لے گا کیونکہ نام تو بس معانی کی پہچان کرواتے ہیں جبکہ اصل معانی ہیں اور الفاظ و نام تابع اور جو تابع میں اصل تلاش کرے وہ ضرور غلطی کرتا ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے پاک کلام میں دونوں فریقوں کا ذکر اس طرح فرمایا:

اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤى اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۲﴾ (پ۲۹، الملک:۲۲)
ترجمۂ کنزالایمان: تو کیا وہ جو اپنے منہ کے بل اوندھا چلے زیادہ راہ پر ہے یا وہ جو سیدھا چلے سیدھی راہ پر۔

کفار نے یہی طرزِ عمل اپنایا کہ اصل کے علاوہ میں مگن رہے جو ان کی بربادی کا سبب بنا۔ ہم لطف و کرم فرمانے والے پروردگار عَزَّوَجَلَّ سے بہتر توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

﴿صَلُّوْا عَلَی الْحَبِیْب صَلَّی اللہُ عَلٰی مُحَمَّد﴾

---

1 ... المسند للامام احمد بن حنبل، حدیث عمرو بن عبسۃ، ۷/ ۱۱۱، حدیث: ۱۹۴۵۲، بتغیر قلیل

2 ... سنن ابن ماجہ، کتاب المناسک، باب من اتی عرفۃ قبل الفجر، ۳/ ۴۶۸، حدیث: ۳۰۱۵

3 ... ترجمۂ کنزالایمان: اور صبر والے مصیبت اور سختی میں اور جہاد کے وقت۔ (پ۲، البقرۃ:۱۷۷)

پانچویں فصل: **صبر کے قوی اور ضعیف ہونے کے اعتبار سے انسان کی تین حالتیں**

جان لیجئے! باعِثِ دِینی اور باعِثِ ہوٰی[1] کے درمیان نسبت کے اعتبار سے انسان کی تین حالتیں ہیں:

...پہلی حالت:

باعِثِ دینی باعِثِ ہَوٰی پر غالب آجائے اور باعِثِ ہَوٰی میں جھگڑنے کی قوت باقی نہ رہے۔ انسان اس حالت و مقام کو دائمی صبر سے ہی حاصل کرسکتا ہے اور ایسے شخص کے لئے ہی کہا جاتا ہے: "مَنْ صَبَرَ ظَفَرَ یعنی جس نے صبر کیا وہ کامیاب ہوا۔" اس مقام کو پانے والے بہت تھوڑے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ صدیقین و مقربین ہیں۔ یہی وہ ہیں جنہوں نے اپنے رب کو پکارا اور اسی کی طرف متوجہ ہو گئے اور یہی سیدھی راہ پر سیدھے چلتے ہیں۔ ان کے نفس باعِثِ دینی کی پیروی کے سبب مطمئن ہیں اور بوقتِ موت ان ہی لوگوں کو مُنادی یہ ندا دیتا ہے:

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىٕنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ﴿۲۸﴾ (پ۳۰، الفجر: ۲۷، ۲۸)

ترجمۂ کنز الایمان: اے اطمینان والی جان اپنے رب کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔

...دوسری حالت:

باعِثِ ہَوٰی غالب آجائے اور باعِثِ دینی کو جڑ سے ختم کردے۔ ایسے شخص کا نفس شیاطین کی جماعت کے سپرد کردیا جاتا ہے تو مغلوبیت و مایوسی کے سبب بندہ نفس کے خلاف جہاد نہیں کرتا۔ یہی لوگ غافل ہیں اور ان کی تعداد بہت زیادہ ہے نیز یہی وہ لوگ ہیں جن کی خواہشات نے انہیں اپنا غلام بنالیا اور بد بختی ان پر غالب آگئی اور انہوں نے اپنے دل اللہ عَزَّوَجَلَّ کے دشمنوں کے حوالے کردیئے۔ یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے رازوں میں سے ایک راز اور اس کے فیصلوں میں سے ایک فیصلہ ہے۔ ان ہی کے بارے میں ربّ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ لَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَ لٰكِنْ حَقَّ

ترجمۂ کنز الایمان: اور اگر ہم چاہتے ہر جان کو اُس کی

---

[1] ...باعِثِ دینی اور باعِثِ ہوٰی کی تعریف صفحہ 191 پر ملاحظہ فرمایئے!

اَلْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۳﴾ (پ۲۱، السجدۃ:۱۳)

ہدایت عطا فرماتے مگر میری بات قرار پا چکی کہ ضرور جہنم کو بھر دوں گا ان جنّوں اور آدمیوں سب سے۔

یہی لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیاوی زندگی حاصل کی تو یہ خسارے کا سودا ہے، ایسے لوگوں سے دوری کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ﳔ عَنْ ذِكْرِنَا وَ لَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ (پ۲۷، النجم: ۲۹، ۳۰)

ترجمۂ کنزالایمان: تو تم اس سے منہ پھیر لو جو ہماری یاد سے پھرا اور اس نے نہ چاہی مگر دنیا کی زندگی یہاں تک ان کے علم کی پہنچ ہے۔

یہ حالت مایوسی، ناامیدی اور غفلت کی علامت ہے اور یہی بے وقوفی میں حد سے بڑھ جانا ہے۔

بے وقوف شخص:

حضور اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: **عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور موت کے بعد کام آنے والے عمل کرے اور بے وقوف وہ ہے جو خواہشِ نفس کی پیروی کرے پھر بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اُمید رکھے۔**[1]

ایسے شخص کو جب نصیحت کی جائے تو وہ کہے گا: "میں توبہ کرنا چاہتا ہوں مگر مجبور ہوں۔" درحقیقت اس میں توبہ کی کڑھن وطلب نہیں یا وہ توبہ کرنا ہی نہیں چاہتا۔ اگر وہ کہے کہ "اللہ عَزَّوَجَلَّ بخشنے والا مہربان ہے، اسے میری توبہ کی حاجت نہیں۔" تو اس بے چارے کی عقل پر نفسانی خواہشات غالب آگئیں۔ یہ صرف نفسانی خواہشات پوری کرنے کے حیلوں بہانوں میں اپنی عقل استعمال کرتا ہے۔ اس کی عقل نفسانی خواہشات کے جال میں اس طرح پھنس چکی ہے جیسے ایک مسلمان کفار کی قید میں ہو اور وہ اسے خنزیروں کی دیکھ بھال، شراب کی حفاظت اور اس کے اٹھانے پر مامور کریں۔

اس کی حالت اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں اس بڑے مجرم کی سی ہے جو مسلمان پر غلبہ پا کر اسے کفار کے حوالے کر کے قید میں ڈلوا دے گویا اس نے ایسے شخص کو مجبور و مغلوب کر دیا جس کی شان یہ نہ تھی اور ایسے شخص کو

1... سنن الترمذی، کتاب صفة القیامة، باب (۹۰)، ۴/ ۲۰۷، حدیث: ۲۴۶۷، والاحمق بدله والعاجز

غلبہ واختیار دیا جو اس کے لائق نہ تھا۔ یقیناً مسلمان کی شان یہ ہے کہ غلبہ واختیار اسے دیا جائے کیونکہ وہ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی مَعْرِفَت رکھتا ہے اور باعِثِ دینی کی پیروی کرتا ہے جبکہ کافر مغلوب و مجبور کئے جانے کا حقدار ہے کیونکہ وہ دین سے بے خبر، شیاطین کی پیروی میں بدمست ہے اور مسلمان اپنے نفس کا دوسرے سے زیادہ حقدار ہے۔ یاد رکھو! **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے گروہ اور فرشتوں کے لشکر (یعنی باعِثِ دینی) پر **اللہ** عَزَّوَجَلَّ سے دور کرنے والے شیاطین کے گروہ (یعنی باعِثِ ہوٰی) کو غالب کر دینا ایسا ہے جیسے کسی مسلمان کو کافر کا غلام بنا دینا بلکہ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اِنعام واِکرام سے نوازنے والے بادشاہ کی عزت دار اولاد کو اس کے سب سے بڑے دشمن کے حوالے کر دے۔ سوچو! وہ کیسا ناشکرا ہے، یقیناً سزا کا مستحق ہے کیونکہ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں زمین پر موجود سب سے زیادہ بُرا معبود خواہش ہے جس کی غلامی کی جاتی ہے اور سب سے زیادہ عزت دار مخلوق عقل ہے۔

... تیسری حالت:

دونوں لشکروں یعنی باعِثِ دینی اور باعِثِ ہوٰی کے درمیان جنگ جاری رہے کبھی ایک غالب آجائے تو کبھی دوسرا۔ ایسا شخص مجاہدہ کرنے والوں میں شمار کیا جاتا ہے نہ کہ کامیاب ہونے والوں میں۔ ان ہی کے بارے میں ہے:

خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَیِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ ؕ (پ۱۱، التوبۃ: ۱۰۲)

ترجمۂ کنز الایمان: اور ملایا ایک کام اچھا اور دوسرا برا قریب ہے کہ **اللہ** ان کی توبہ قبول کرے۔

انسان کی یہ تین حالتیں دونوں قوتوں کے قوت وضُعف کے اعتبار سے ہیں جبکہ خواہشات کی تعداد کا اعتبار کیا جائے تو انسان کی مزید تین حالتیں ہیں: (۱)... تمام خواہشات پر غلبہ پالینا (۲)... بالکل مغلوب ہو جانا (۳)... بعض پر غلبہ پالینا اور بعض پر نہیں۔

مذکورہ فرمانِ باری تعالیٰ تیسری حالت والے یعنی اس شخص کے بارے میں ہے جو بعض خواہشات پر غلبہ پالے اور بعض پر نہیں اور جو شخص خواہشات کے خلاف بالکل بھی مجاہدہ نہ کرے وہ چوپائے کی طرح بلکہ اس سے بھی بدتر گمراہ ہے کیونکہ چوپائے کو معرفت وقدرت حاصل نہیں جس سے خواہشات کے خلاف مجاہدہ کر سکے جبکہ ایسے شخص کو معرفت وقدرت عطا کی گئی لیکن اس نے ان کا استعمال نہ کیا۔ ایسا شخص حقیقی

طور پر ناقص اور یقیناً (حق سے) منہ موڑنے والا ہے ایسے شخص کے لئے شاعر کہتا ہے:

وَلَمْ اَرَ فِيْ عُيُوْبِ النَّاسِ عَيْبًا　　كَنَقْصِ الْقَادِرِيْنَ عَلَى التَّمَامِ

ترجمہ: میں نے اس سے بڑھ کر انسان کا کوئی عیب نہیں دیکھا کہ وہ قادر ہونے کے باوجود کام ادھورا چھوڑ دے۔

آسانی اور دشواری کے اعتبار سے صبر کی اقسام:

صبر کرنے میں نفس کے لئے آسانی اور دشواری کے اعتبار سے صبر کی مزید دو قسمیں ہیں: (۱) تصبّر (۲) صبر۔

جن چیزوں پر صبر کرنا نفس کے لئے بے حد دشوار ہے ان پر ہمیشگی، مسلسل جد جہد اور سخت محنت کے بعد ہی صبر کرنا ممکن ہے۔ اس قسم کو تصبّر (یعنی بتکلف صبر کرنا) کہتے ہیں اور جن پر سخت محنت کے بغیر ہی معمولی کوشش سے ہمیشگی حاصل ہو جائے اسے صبر کہا جاتا ہے۔

جب تقوٰی اپنا لیا جائے اور بہتر آخرت کا پختہ یقین ہو جائے تو ایسے شخص کے لئے صبر آسان ہو جاتا ہے۔ اسی کے متعلق ربّ تعالٰی ارشاد فرماتا ہے:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَ اتَّقٰى ۙ﴿۵﴾ وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۙ﴿۶﴾ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰى ؕ﴿۷﴾ (پ۳۰، اللیل: ۵تا۷)

ترجمۂ کنزالایمان: تو وہ جس نے دیا اور پرہیز گاری کی اور سب سے اچھی کو سچ مانا تو بہت جلد ہم اُسے آسانی مہیا کر دیں گے۔

نفس کے لئے یہ دونوں قسمیں ایسی ہی ہیں جیسے طاقتور انسان کی قدرت غیر پر کہ طاقتور انسان کمزور پر تو ذرا سی کوشش اور بغیر کسی مشقت کے غالب آجاتا ہے نہ تھکتا ہے نہ دل میں خوف ہوتا ہے اور نہ ہی سانس پھولتا ہے لیکن جب اس کا مقابلہ کسی بہادُر شخص سے ہوتا ہے تو کوشش زیادہ کرنی پڑتی ہے پیشانی پر پسینہ آجاتا ہے اور تھکاوٹ ہو جاتی ہے۔ باعِثِ دینی اور باعِثِ ہَوٰی کے مقابلے کی بھی یہ ہی کیفیت ہے در حقیقت یہ مقابلہ فِرِشتوں کے گروہ اور شیطانی لشکر کے درمیان ہوتا ہے۔ پس جب شہوات کا بالکل خاتمہ ہو جائے اور باعِثِ دینی غَلَبہ و اختیار حاصل کر لے تو صبر پر قائم رہنا آسان ہو جاتا ہے۔ یہ حالت بندے کو رضا کے مرتبے تک پہنچا دیتی ہے۔ رضا کی تفصیل ہم علیٰحدہ باب میں بیان کریں گے، یہ صبر سے اعلیٰ ہے۔ اسی لئے سرکارِ مدینہ، راحت قلب وسینہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: رضامندی کے ساتھ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی

عبادت کرو اگر اس کی طاقت نہیں تو ناپسندیدہ چیز پر صبر کرنا ہی خیرِ کثیر ہے۔[1]

بعض عارفین کے نزدیک صبر کے درجات:

بعض عارفین رَحِمَهُمُ اللّٰهُ الْمُبِیْن نے صبر کے تین دَرَجے بیان فرمائے ہیں:

- ...پہلا درجہ: خواہش کو ترک کرنا۔ یہ توبہ کرنے والوں کا درجہ ہے۔
- ...دوسرا درجہ: جو کچھ عطا کیا گیا اس پر راضی رہنا۔ یہ زاہدین کا درجہ ہے۔
- ...تیسرا درجہ: خالقِ حقیقی سے محبت کرنا۔ یہ صدیقین کا درجہ ہے۔

محبت کا مقام رضا سے اعلیٰ ہے جیسا کہ رضا صبر سے اعلیٰ ہے اور اس کی تفصیل ہم محبت کے باب میں بیان کریں گے۔ صبر کی یہ تمام اقسام مصائب و آلام پر صبر کرنے کے اعتبار سے ہیں۔

حکم کے اعتبار سے صبر کی اقسام:

جان لیجئے! حکم کے اعتبار سے صبر کی چار قسمیں ہیں: (۱)...فرض (۲)...مستحب (۳)...حرام (۴)...مکروہ۔ شریعت نے جن کاموں سے منع کیا ہے ان سے صبر (یعنی رکنا) فرض ہے۔ ناپسندیدہ کام (جو شرعاً ممنوع نہ ہو اس) سے صبر مستحب ہے۔ تکلیف دہ فعل جو شرعاً ممنوع ہے اس پر صبر (یعنی خاموشی) ممنوع ہے مثلاً کسی شخص یا اس کے بیٹے کا ہاتھ ناحق کاٹا جائے تو اس شخص کا خاموش رہنا اور صبر کرنا، ایسے ہی جب کوئی شخص شہوت سے مغلوب ہو کر بُرے ارادے سے اس کے گھر والوں کی طرف بڑھے تو اس کی غیرت بھڑک اٹھے لیکن غیرت کا اظہار نہ کرے اور گھر والوں کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے اس پر صبر کرے۔ شریعت نے اس صبر کو حرام قرار دیا ہے۔ مکروہ صبر یہ ہے کہ شرعاً ناپسندیدہ چیز کے ذریعے پہنچنے والی تکلیف پر صبر کرے۔

معلوم ہوا کہ صبر شریعت کے مطابق ہونا چاہئے۔ صبر نصف ایمان ہے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ تم ہر صبر کو اچھا گمان کرو بلکہ اس سے مراد صبر کی مخصوص اقسام ہیں۔

﴿صَلُّوْا عَلَی الْحَبِیْب صَلَّی اللّٰهُ عَلٰی مُحَمَّد﴾

---

[1]...شعب الایمان، باب فی الصبر علی المصائب، فصل فی ذکر ما فی الاوجاع... الخ، ۷/ ۲۰۳، حدیث: ۱۰۰۰۰، بتغیر

چھٹی فصل: **انسان ہر حالت میں صبر کا محتاج ہے**

انسانی زندگی کی دو صورتیں:

جان لیجئے! اس دنیا میں انسان کو جو کچھ ملتا ہے اس کی دو صورتیں ہیں: **پہلی** صورت یہ ہے کہ جو کچھ ملے خواہش کے مطابق ہو۔ **دوسری** صورت یہ کہ ملنے والی چیزیں خواہش کے مطابق نہ ہوں بلکہ ناپسند ہوں۔ انسان کو پیش آنے والی یہی دو صورتیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک میں انسان صبر کا محتاج ہے۔

پہلی صورت:

یعنی خواہش وطبیعت کے مطابق پیش آنے والے معاملات۔ اس سے مراد صحت، آفات سے سلامتی، مال، عزت، اہل وعیال کی کثرت، اسباب کی وُسعت، پیروکاروں اور مددگاروں کی کثرت اور تمام دنیاوی آسائشیں ہیں۔ ان امور میں انسان صبر کا زیادہ محتاج ہے کیونکہ اگر انسان ان کی طرف میلان، جھکاؤ اور ان مباح آسائشوں میں اِنْہِماک سے اپنے آپ کو نہ روکے تو یہی امور اسے تکبر اور سرکشی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰۤى ۙ﴿۶﴾ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ؕ﴿۷﴾ (پ۳۰، العلق: ۶، ۷)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک آدمی سرکشی کرتا ہے اس پر کہ اپنے کو غنی سمجھ لیا۔

بعض عارفین رَحِمَهُمُ اللّٰهُ الْمُبِیْن فرماتے ہیں: مومن آزمائش پر صبر کرتا ہے لیکن صدیق عافیت میں بھی صبر کرتا ہے۔

حضرت سیِّدُنا سہل تُستری عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ الْقَوِی فرماتے ہیں: عافیت میں صبر کرنا آزمائش میں صبر کرنے سے زیادہ دُشوار ہے۔

اولاد بھی ایک فتنہ ہے:

صحابۂ کرام عَلَیْهِمُ الرِّضْوَان پر جب دنیا کے دروازے کھول دیئے گئے تو وہ فرمانے لگے: "جب ہم تنگی میں تھے تو ہم نے صبر کیا لیکن خوشحالی کے فتنے سے نہ بچ سکے۔" یہی وجہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے بندوں کو

مال اور اہل وعیال کے فتنے کے بارے میں تنبیہ فرمائی۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ (پ۲۸، المنافقون:۹)

ترجمۂ کنزالایمان: اے ایمان والو تمہارے مال نہ تمہاری اولاد کوئی چیز تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کرے۔

ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ (پ۲۸، التغابن:۱۴)

ترجمۂ کنز الایمان: تمہاری کچھ بیبیاں اور بچے تمہارے دشمن ہیں تو ان سے احتیاط رکھو۔

رحمتِ عالَم، نورِ مُجَسَّم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اَلْوَلَدُ مَبْخَلَةٌ مَجْبَنَةٌ مَحْزَنَةٌ یعنی اولاد بخل، بُزدلی اور غم کا سبب ہے۔[1]

ایک مرتبہ سرکارِ دوجہان، رحمتِ عالمیان صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم منبر پر تشریف فرما تھے۔ آپ نے حضرت سیِّدُنا امام حسن رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْه کی طرف دیکھا کہ وہ اپنی قمیص میں الجھ کر ڈگمگا رہے ہیں تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے منبر سے اُتر کر انہیں اپنی آغوش میں لے لیا اور پھر ارشاد فرمایا: ”اللہ عَزَّوَجَلَّ نے سچ فرمایا: اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ (ترجمۂ کنز الایمان: تمہارے مال اور تمہارے بچے جانچ ہی ہیں۔پ۲۸، التغابن:۱۵) دیکھو! میں نے جب اپنے بیٹے (یعنی نواسے) کو ڈگمگاتے دیکھا تو اسے اٹھانے سے خود کو نہ روک سکا۔[2]

ان فرامین میں عقلمند کے لئے عبرت ہے۔

کامل مرد:

کامل مرد وہی ہے جو عافیت میں بھی صبر کرے۔ عافیت میں صبر سے مراد یہ ہے کہ اپنے آپ کو اس کا عادی نہ بنائے اور یہ بات اچھی طرح سے جان لے کہ ہر چیز اس کے پاس امانت ہے اور بہت جلد اسے مالکِ حقیقی کی طرف لوٹنا ہے۔ اپنے نفس کو آسائشوں میں خوش رہنے کی طرف مائل نہ کرے نہ ہی اسے نعمتوں،

1... سنن ابن ماجه، کتاب الادب، باب بر الوالد والاحسان، ۴/ ۱۸۷، حدیث: ۳۶۶۶، دون: محزنة
المستدرک، کتاب معرفة الصحابة، باب من مناقب الحسن و الحسین، ۴/ ۱۵۳، حدیث: ۴۸۲۵

2... سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب ابی محمد الحسن بن علی، ۵/ ۴۲۹، حدیث: ۳۷۹۹، بتغیر

لذتوں اور کھیل کود میں منہمک رکھے۔ اپنا مال خرچ کرنے، جسمانی طریقے سے لوگوں کی مدد کرنے، زبان سے سچ بولنے بلکہ ہر نعمت کے استعمال میں حقوقُ اللہ کو مد نظر رکھے۔ ایسا صبر شکر کو بھی شامل ہے اور صبر اسی وقت کامل ہوتا ہے جب اس کے ساتھ شکر ملا ہو، اس کی تفصیل عنقریب بیان کی جائے گی۔

خوشحالی و فراوانی بھی ایک امتحان ہے:

یقیناً خوشحالی میں صبر کرنا زیادہ دُشوار ہے کیونکہ خوشحالی میں بندے کو قدرت و اختیار حاصل ہوتا ہے اور عام طور پر انسان اسی چیز سے محفوظ یا باز رہتا ہے جس پر اسے قدرت نہ ہو۔ مثلاً انسان دوسرے کا محتاج ہو تو اس کے لئے پچھنے لگوانے (یعنی جسم سے فاسد خون نکلوانے) سے صبر کرنا خود کفیل شخص کے مقابلے میں زیادہ آسان ہے۔ یونہی جس کے سامنے کھانا حاضر ہو اور وہ کھانے پر قادر بھی ہو اس کے مقابلے میں اس شخص کے لئے صبر کرنا زیادہ آسان ہے جو بھوکا ہو اور اس کے سامنے کھانا موجود نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ خوشحالی کا فتنہ زیادہ بڑا ہے۔

دوسری صورت:

یعنی خواہش وطبیعت کے برخلاف پیش آنے والے معاملات۔ یہ تین اقسام پر مشتمل ہیں: (۱)...وہ معاملات جو بندے کے اختیار میں ہوں جیسے طاعت و نافرمانی یا (۲)...ابتدا میں تو بندے کو ان پر اختیار نہ ہو لیکن ان سے چھٹکارا حاصل کرنا بندے کے اختیار میں ہو جیسے کسی کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف پر انتقام لینا یا (۳)...پھر بندے کو ان پر بالکل بھی اختیار نہ ہو جیسا کہ مصیبتیں اور تکالیف۔

❀...**پہلی قسم:** یعنی وہ چیزیں جن پر بندے کو اختیار ہو، اس سے مراد بندے کے افعال ہیں۔

بندوں کے افعال اور ان کی دو اقسام:

اس کی (مزید) دو قسمیں ہیں: (۱)...طاعت (۲)...نافرمانی۔

﴿1﴾...طاعت:

بندہ اس میں صبر کا محتاج ہوتا ہے اور اس پر صبر کرنا مشکل ہے کیونکہ نفس طبعی طور پر فرمانبرداری اور بندگی سے دور بھاگتا اور سربراہی و حاکمیت کا طلب گار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عارفین رَحِمَهُمُ اللهُ الْمُبِیْن نے

فرمایا: ہر نفس میں وہ بات چھپی ہوتی ہے جس کا فرعون نے ان الفاظ کے ساتھ اظہار کیا:

اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿۲۴﴾ (پ۳۰، النّٰزعٰت: ۲۴) ترجمۂ کنزالایمان: میں تمہارا سب سے اونچا رب ہوں۔

فرعون نے اپنی قوم کو کمتر جانا تو موقع پا کر اس کا اظہار کر دیا اور اس کی قوم نے اس کی پیروی بھی کی۔ ہر شخص اپنے غلام، خادم، پیروکار اور اپنے ہر ماتحت سے اسی چیز کا دعویدار ہوتا ہے اگرچہ لفظوں میں اظہار نہیں کرتا کیونکہ اس کا انہیں حقیر سمجھنا، ان سے اگر خدمت میں کوتاہی ہو جائے تو غصہ کرنا اور رب تعالیٰ کی فرمانبرداری و عبادت سے دور رہنا یہ سب کچھ اس کے اندر چھپی بڑائی ہی کی بنا پر ہے اور اس بڑے پن میں حاکمیت کا تقاضا ہے۔

معلوم ہوا کہ عبادات نفس پر مطلقاً دُشوار ہیں۔ اب یہ دشواری و ناپسندیدگی سستی کی وجہ سے ہوگی جیسے نماز، یا بخل کے سبب ہوگی جیسے زکوٰۃ یا پھر سستی و کنجوسی دونوں کی وجہ سے ہوگی جیسے فرض حج اور جہاد۔ پس عبادات میں بہت سی دشواریوں پر صبر کرنا ہوتا ہے۔

عمل کی باریکیاں:

کوئی بھی عمل یا عبادت تین حالتوں سے خالی نہیں: (۱)... عمل سے پہلے کی حالت (۲)... دورانِ عمل کی حالت اور (۳)... عمل کے بعد کی حالت۔ بندہ ان تینوں حالتوں میں صبر کا محتاج ہے۔

... **عمل سے پہلے کی حالت:** اس سے مراد یہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ نیت کی جائے، ریاکاری اور عمل فاسد کرنے والی اشیاء کو دور کیا جائے اور اخلاص کے ساتھ عمل مکمل کرنے کا پختہ عزم کیا جائے۔ یہ تمام اُمور اس پر دُشوار ہیں جو نیت و اخلاص کی حقیقت اور نفس کے مکر و فریب کو جانتا ہو۔

نیّت کے متعلق رسولِ اَکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَاِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى یعنی بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔[1]

اخلاص کے متعلق اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

1... بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ، ۱/۵، حدیث: ۱

وَمَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ﳔ (پ۳۰، البینۃ:۵) ترجمۂ کنزالایمان: اور ان لوگوں کو تو یہی حکم ہوا کہ اللہ کی بندگی کریں نرے اسی پر عقیدہ لاتے۔

(صبر کا تعلق چونکہ خاص ربّ تعالیٰ سے ہے) اسی لئے اس نے صبر کو عمل پر مقدم فرمایا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ ترجمۂ کنزالایمان: مگر جنہوں نے صبر کیا اور اچھے کام کیے۔

(پ۱۲، ھود:۱۱)

...دورانِ عمل کی حالت: دورانِ عمل صبر اس لئے ضروری ہے تاکہ اس دوران بندہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے غافل نہ ہو اور عمل کی سنتوں اور آداب کی ادائیگی سے سستی کا شکار نہ ہو اور ابتدا تا انتہا آداب کالحاظ رکھے۔ اسے چاہیے کہ آخر تک عمل فاسد کرنے والے اُمور سے صبر کرے (یعنی خود کو باز رکھے) یہ صبر بھی دُشوار ترین ہے اور ممکن ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فرمان: نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ﮋ الَّذِیْنَ صَبَرُوْا (ترجمۂ کنزالایمان: کیا ہی اچھا اجر کام والوں کا وہ جنہوں نے صبر کیا۔ پ۲۱، العنکبوت:۵۸تا۵۹) سے یہی لوگ مراد ہوں جو عمل مکمل کرنے تک صبر پر قائم رہے۔

...عمل کے بعد کی حالت: عمل سے فارغ ہونے کے بعد بھی بندہ صبر کا محتاج ہے کہ اس کا چرچا کرنے، اس کے اظہار سے شہرت وریاکاری میں مبتلا ہونے اور اس کی طرف نظر کرنے سے خود پسندی میں مبتلا ہونے سے صبر کرے (یعنی خود کو بچائے) نیز ہر اس چیز سے خود کو بچائے جو عمل اور اس کے اثر کو زائل کر دے۔ جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ﰈ (پ۲۶، محمد:۳۳) ترجمۂ کنزالایمان: اور اپنے عمل باطل نہ کرو۔

ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰىۙ (پ۳، البقرۃ:۲۶۴) ترجمۂ کنزالایمان: اپنے صدقے باطل نہ کردو احسان رکھ کر اور ایذا دے کر۔

لہٰذا صدقہ کرنے والا اگر احسان جتلانے اور تکلیف دینے سے صبر نہ کرے (یعنی باز نہ رہے) تو اس کا عمل برباد کر دیا جاتا ہے۔

طاعات وفرمانبرداری کبھی فرض ہوتی ہے کبھی نفل لیکن دونوں صورتوں میں بندہ صبر کا محتاج ہے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ایک ہی مقام پر دونوں کو جمع فرمادیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى (پ۱۴، النحل: ۹۰)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک اللہ حکم فرماتا ہے انصاف اور نیکی اور رشتہ داروں کے دینے کا۔

معلوم ہوا عدل کرنا فرائض میں سے ہے اور احسان مستحب اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو عطا کرنا مروّت اور صلہ رحمی ہے اور یہ تمام امور صبر کے محتاج ہیں۔

﴿2﴾... نافرمانی:

اس سے باز رہنا بندے کے لئے بے حد ضروری ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے نافرمانی و گناہوں کی کئی اقسام کا ذکر ایک ساتھ فرمایا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ ۚ (پ۱۴، النحل: ۹۰)

ترجمۂ کنزالایمان: اور منع فرماتا ہے بے حیائی اور بری بات اور سرکشی سے۔

مدینے کے تاجدار، دوعالم کے مالک و مختار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”حقیقی ہجرت کرنے والا وہ ہے جو برائی کو چھوڑ دے اور مجاہد وہ ہے جو خواہشات کے خلاف جہاد کرے۔“[1]

گناہوں کا سبب باعِثِ ہویٰ (یعنی برائی کی طرف لیجانے والی قوت) ہے۔

عادات میں شامل کبیرہ گناہ:

گناہوں سے صبر (یعنی رکنے) کی سب سے زیادہ مشکل قسم ان گناہوں سے صبر ہے جو عادت کے ذریعے طبیعت میں شامل ہوجاتے ہیں کیونکہ عادت بھی طبیعت کی ایک قسم ہے اور جب خواہشات عادت بن جاتی ہیں تو شیطانی لشکر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لشکر کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں، اس وقت باعِثِ دینی خواہشات کے خاتمے کی قوت نہیں رکھتی۔ پھر اگر وہ گناہ ان افعال میں سے ہوں جن کا کرنا بے حد آسان ہوتا ہے تو ان سے صبر کرنا نفس پر انتہائی دُشوار ہے۔ مثلاً زبان سے صادر ہونے والے گناہ غیبت، جھوٹ،

[1]... سنن الترمذی، کتاب الجہاد، باب ماجاء فی فضل من مات مرابطا، ۳/ ۲۳۲، حدیث: ۱۶۲۷، دون: المھاجر من ھاجر السوء
سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب حرمۃ دم المؤمن ومالہ، ۴/ ۳۲۰، حدیث: ۳۹۳۳، دون: المجاھد من جاھد ھواہ

جھگڑنا اور اپنی تعریف کرنا خواہ صراحتًا یا اشارتًا، ایسا مذاق کرنا جو دل دکھائے، ایسے کلمات منہ سے نکالنا جو دوسروں کے لئے ذلت وتحقیر کا باعث ہوں اور فوت شدہ لوگوں کے علم، افعال اور منصب کی برائی کرنا۔

یہ بظاہر تو غیبت ہیں لیکن باطنی اعتبار سے اپنی تعریف ہے کیونکہ ان افعال سے نفس کی دو خواہشات پوری ہوتی ہیں: (۱)...غیر کا انکار اور (۲)...خود کو منوانا۔ ان ہی کے ذریعے بندے کی طبیعت میں چھپی حاکمیت بھی مکمل ہوتی ہے جو بندگی کی ضد ہے جس کا انسان کو حکم دیا گیا ہے۔ ان دونوں خواہشات کے جمع ہو جانے، زبان میں تیزی آنے اور عام گفتگو میں ان چیزوں کا عادی ہو جانے کے بعد ان سے صبر بے حد دُشوار ہے اور یہ اتنا خطرناک مَرَض ہے کہ اس عادت کے پختہ اور اس سے اُنسیت ہو جانے کے بعد انسان اس کی مُمانَعَت و بُرائی کو بھول جاتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ مسلمان مرد اگر کبھی ریشم پہن لے تو اسے بہت برا سمجھا جاتا ہے جبکہ زبان سارا دن لوگوں کی برائی کرتی رہتی ہے لیکن اسے کوئی برا نہیں سمجھتا حالانکہ مروی ہے کہ "غیبت زِنا سے بھی سخت تر ہے۔"[1]

عادت میں شامل گناہوں کا علاج:

جو بے جا گفتگو سے زبان کو نہ روک سکے اور اس سے صبر پر بھی قادر نہ ہو اسے چاہئے کہ لوگوں سے دور رہے اور تنہائی اختیار کرے، اس کے علاوہ کوئی چیز اسے نہیں بچا سکتی۔ تنہائی کے ذریعے صبر کرنا (یعنی فضول گفتگو سے بچنا) لوگوں کے درمیان رہتے ہوئے خاموش رہنے سے زیادہ آسان ہے اور کسی بھی گناہ سے صبر اُتنا ہی دُشوار ہوتا ہے جتنا اس گناہ کا سبب قوی ہوتا ہے اور سبب جتنا کمزور ہوتا ہے اس سے بچنے میں دُشواری بھی اسی قدر کم ہوتی ہے پھر دل میں وسوسے کی حرکت زبان کی حرکت سے زیادہ آسان ہے۔ تو تنہائی میں صرف وسوسے باقی رہتے ہیں اور ان سے چھٹکارا اسی وقت ممکن ہے کہ بندے کے دل پر کوئی دینی فکر غالب آکر اسے گھیر لے جیسا کہ صبح بیدار ہونے والے شخص کے تمام غم ایک نکتہ پر جمع ہوتے ہیں پھر اگر وہ شخص تنہائی میں بھی اپنی سوچ کو کسی معین شے میں محدود نہیں کرتا تو اس سے وسوسوں کا دور ہونا متصور نہیں۔

...**دوسری قسم:** وہ چیزیں جن پر ابتداءً تو بندے کو اختیار نہ ہو لیکن ان سے چھٹکارا حاصل کرنا اس کے

---

[1]... موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الغیبة والنمیمة، ۴/ ۳۳۲، حدیث: ۲۵

اختیار میں ہو۔ مثلاً کسی شخص کو فعل یا قول کے ذریعے تکلیف دی جائے اور اس کی جان ومال کو نقصان پہنچایا جائے تو بعض اوقات انتقام نہ لینا اور صبر کرنا بندے کے لئے ضروری ہوتا ہے اور کبھی فضیلت کے حُصول کے لئے ایسا کرتا ہے۔ صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان فرمایا کرتے: "ہم بندے کو اسی وقت کامل مومن شمار کرتے جب وہ تکلیف پر صبر کرتا۔" اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ لَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَاۤ اٰذَیْتُمُوْنَاؕ-وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ۠ (۱۲) (پ۱۳، ابراھیم: ۱۲)

ترجمۂ کنزالایمان: اور تم جو ہمیں ستا رہے ہو ہم ضرور اس پر صبر کریں گے اور بھروسہ کرنے والوں کو اللّٰہ ہی پر بھروسہ چاہیے۔

ایک مرتبہ حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے مال تقسیم فرمایا تو چند دیہاتی مسلمانوں نے کہا: "یہ تقسیم رضائے الٰہی کے مطابق نہیں۔" جب یہ بات آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو پہنچی تو آپ کے مبارک رخسار سرخ ہوگئے اور فرمایا: "اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ میرے بھائی حضرت موسٰی عَلَیْہِ السَّلَام پر رَحم فرمائے انہیں اس سے زیادہ تکالیف دی گئیں لیکن انہوں نے صبر کیا۔"[1]

تکلیف پر صبر کے متعلق پانچ فرامین باری تعالیٰ:

﴿1﴾...

وَ دَعْ اَذٰىهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِؕ (پ۲۲، الاحزاب: ۴۸)

ترجمۂ کنزالایمان: اور ان کی ایذا پر درگزر فرماؤ اور اللّٰہ پر بھروسہ کرو۔

﴿2﴾...

وَ اصْبِرْ عَلٰى مَا یَقُوْلُوْنَ وَ اهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا (۱۰) (پ۲۹، المزمل: ۱۰)

ترجمۂ کنزالایمان: اور کافروں کی باتوں پر صبر فرماؤ اور انہیں اچھی طرح چھوڑ دو۔

﴿3﴾...

وَ لَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ یَضِیْقُ صَدْرُكَ بِمَا یَقُوْلُوْنَۙ (۹۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اور بے شک ہمیں معلوم ہے کہ ان کی

[1] ...بخاری، کتاب الادب، باب من اخبر صاحبہ بما یقال، ۴/ ۱۱۵، حدیث: ۶۰۵۹، دون قولہ: اخی

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ

(پ۱۴، الحجر: ۹۸،۹۷)

باتوں سے تم دل تنگ ہوتے ہو تو اپنے رب کو سراہتے ہوئے اس کی پاکی بولو۔

...﴿4﴾

وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْۤا اَذًى كَثِیْرًاؕ-وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ(۱۸۶)

(پ۴، اٰل عمرٰن: ۱۸۶)

ترجمۂ کنزالایمان: اور بے شک تم ضرور اگلے کتاب والوں اور مشرکوں سے بہت کچھ برا سنو گے اور اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔

...﴿5﴾

وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖؕ-وَ لَىٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ(۱۲۶)

(پ۱۴، النحل: ۱۲۶)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اگر تم سزا دو تو ویسی ہی سزا دو جیسی تکلیف تمہیں پہنچائی تھی اور اگر تم صبر کرو تو بے شک صبر والوں کو صبر سب سے اچھا۔

صبر کا اعلیٰ ترین درجہ:

سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جو تم سے قطع تعلّق کرے اس سے صلہ رحمی سے پیش آؤ، جو تمہیں محروم کرے اسے عطا کرو اور جو تم پر ظُلم کرے اسے مُعاف کرو۔[1]

انجیل میں ہے کہ حضرت سیّدُنا عیسیٰ رُوحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے ارشاد فرمایا: تمہیں حکم دیا گیا ہے کہ دانت کے بدلے دانت اور ناک کے بدلے ناک ہے جبکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ برائی کا بدلہ برائی سے نہ دو بلکہ جو تمہارے ایک گال پر مارے اپنا دوسرا گال اس کے آگے کر دو، جو تمہاری چادر چھینے تم کمر بند بھی اسے پیش کر دو اور جو تمہیں ایک میل ساتھ چلنے پر مجبور کرے تم اس کے ساتھ دو میل تک چلو۔

ان تمام ارشادات میں تکلیف پر صبر کرنے کا فرمایا گیا اور لوگوں کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف پر صبر کرنا صبر کا اعلیٰ مرتبہ ہے کیونکہ اس باعثِ دینی کے مقابلے میں باعثِ ہَوٰی اور غصہ دونوں جمع ہوتے ہیں۔

1...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند الشامیین، حدیث عقبۃ بن عامر الجھنی، ۶/ ۱۴۸، حدیث: ۱۷۴۵۷

...تیسری قسم: وہ چیزیں جن پر بندے کو بالکل بھی اختیار نہ ہو۔ جیسے مصائب یعنی رشتہ داروں کا فوت ہونا، مال ضائع ہونا، بیماری کے سبب کمزور ہونا، بینائی زائل ہونا، اعضاء کا بے کار ہو جانا اور اسی طرح کی دیگر پریشانیاں۔ اس طرح کی پریشانیوں پر صبر کرنا صبر کا اعلیٰ مقام و مرتبہ ہے۔

حضرت سیِّدُنا عبدالله بن عباس رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا نے ارشاد فرمایا: "قرآن پاک میں صبر کی تین صورتیں بیان کی گئیں ہیں: (۱)... فرائض کی ادائیگی میں صبر کرنا، اس کے 300 دَرَجات ہیں (۲)... الله عَزَّوَجَلَّ کی حرام کردہ اشیاء سے صبر کرنا، اس کے 600 دَرَجات ہیں اور (۳)... مصیبت کے وقت صدمے کی ابتدا ہی میں صبر کرنا، اس کے 900 دَرَجات ہیں۔

تیسری قسم فضائل میں سے ہے اس کے باوُجود اسے ماقبل یعنی فرائض پر فضیلت دی گئی ہے کیونکہ حرام اشیاء سے صبر (یعنی رکنے) پر تو ہر مومن قادر ہوتا ہے جبکہ الله عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے آزمائش پر صبر کرنا انبیائے کرام عَلَیْهِمُ السَّلَام کے علاوہ صدیقین ہی کا حصہ ہے اور یقیناً یہ نفس پر سخت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسولِ اَکرم صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے یوں دعا فرمائی: "اے الله عَزَّوَجَلَّ! میں تجھ سے اس یقین کا سوال کرتا ہوں جس کے ذریعے دنیاوی مصیبتیں مجھ پر آسان ہو جائیں۔"[1] معلوم ہوا کہ صبر کا منشا حُسنِ یقین ہے۔

حضرت سیِّدُنا ابو سلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّهُ النُّوْرَانِی فرماتے ہیں: خدا عَزَّوَجَلَّ کی قسم! ہم پسندیدہ چیزوں پر صبر نہیں کرتے تو ناپسندیدہ چیزوں پر کیسے صبر کریں گے؟

مصیبت پر صبر کے متعلق 14 روایات:

﴿1﴾... حُضور اَکرم صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے فرمایا: الله عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے کہ جب میں اپنے کسی بندے کو اس کے جسم، مال یا اولاد کے ذریعے آزمائش میں مبتلا کروں اور وہ اس پر صبر کرے تو مجھے اس سے حیا آتی ہے کہ بروزِ قیامت میں اس کے لئے میزان قائم کروں یا اس کا نامۂ اعمال کھولوں۔[2]

﴿2﴾... محسنِ کائنات، فخرِ موجودات صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم ارشاد فرماتے ہیں: اِنْتِظَارُ الْفَرَجِ بِالصَّبْرِ عِبَادَةٌ

1... سنن الترمذی، کتاب الدعوات، باب (۸۳)، ۵/ ۳۰۱، حدیث: ۳۵۱۳، بتغیر

2... مسند الشهاب، ۲/ ۳۳۰، حدیث: ۱۴۶۲

یعنی صبر کے ساتھ خوشحالی کا انتظار کرنا عبادت ہے۔[1]

﴿3﴾... سیِّدِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم کا ارشاد ہے: جب مومن بندے کو مصیبت پہنچے تو حکمِ الٰہی کے مطابق کہے: ”اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ“[2] (پھر یوں دعا کرے:) ”اَللّٰھُمَّ اَجُرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاَعْقِبْنِیْ خَیْرًا مِّنْهَا یعنی اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! مجھے اس مصیبت پر اجر اور اس سے بہتر بدل عطا فرما۔“ تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کو اس سے بہتر بدل عطا فرمائے گا۔[3]

﴿4﴾... حضرت سیِّدُنا انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهُ بیان کرتے ہیں: رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت جبریل امین عَلَیْهِ السَّلَام سے استفسار فرمایا: ”جبریل! اُس بندے کی جزا کیا ہے جو دونوں آنکھوں کی بینائی سے محروم ہے؟ انہوں نے عرض کی: پاکی ہے تجھے ہم صرف وہی جانتے ہیں جو تو نے ہمیں سکھایا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا: ”اس کی جزا میری جنت میں ہمیشہ رہنا اور میرا دیدار ہے۔“[4]

﴿5﴾... رحمتِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم کا فرمان ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: میں جب کسی بندے کو آزمائش میں مبتلا کروں اور وہ صبر کرے اور اپنے ملنے والوں سے شکوہ نہ کرے تو میں اسے پہلے سے بہتر گوشت اور بہتر خون عطا فرماتا ہوں اور جب اسے صحت عطا کرتا ہوں تو اس پر کوئی گناہ باقی نہیں رہتا اور جب اس کا انتقال ہوتا ہے تو میری رحمت اسے ڈھانپ لیتی ہے۔[5]

﴿6﴾... حضرت سیِّدُنا داوٗد عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: اے رب عَزَّوَجَلَّ! جو غمزدہ شخص تیری رِضا کی خاطر مصیبت پر صبر کرے اس کی جزا کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: ”میں اسے ایمان کا ایسا لباس

1... مسند الشهاب، ١/ ٦٢، حديث: ٤٦

2... ترجمۂ کنزالایمان: ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا۔ (پ٢، البقرة: ١٥٦)

3... مسلم، كتاب الجنائز، باب ما يقال عند المصيبة، ص ٤٥٧، حديث: ٩١٨، بتغير قليل

الموطا للامام مالك، كتاب الجنائز، باب جامع الحسبة فى المصيبة، ١/ ٢٢٠، حديث: ٥٦٩

4... بخارى، كتاب المرضى، باب فضل من ذهب بصره، ٤/ ٦، حديث: ٥٦٥٣، بتغير

المعجم الاوسط، ٦/ ٣٠٤، حديث: ٨٨٥٥، بتغير قليل

5... حلية الاولياء، الرقم: ٣٨٧ سفيان الثورى، ٧/ ١٣٠، حديث: ٩٨٩٧

پہناؤں گا جو کبھی نہ اتاروں گا۔

﴿7﴾... حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْعَزِیْز نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا: اللہ عَزَّ وَجَلَّ بندے کو نعمت عطا فرماتا ہے پھر وہ نعمت اس سے واپس لے لیتا ہے اور اس کے بدلے صبر کی توفیق عطا فرماتا ہے تو جس چیز پر صبر کی توفیق اسے عطا فرمائی وہ اس چیز یعنی نعمت سے بہتر ہے جو اس سے واپس لے لی گئی۔ پھر آپ نے یہ آیتِ مُبارَکہ تلاوت فرمائی:

اِنَّمَا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۱۰﴾ (پ۲۳، الزمر: ۱۰)

ترجمۂ کنز الایمان: صابروں ہی کو ان کا ثواب بھرپور دیا جائے گا بے گنتی۔

﴿8﴾... حضرت سیِّدُنا فُضَیل بن عِیاض عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَہَّاب سے صبر کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: تقدیر الٰہی پر راضی رہنا صبر ہے۔ عرض کی گئی: اس کا علم کیسے ہو؟ ارشاد فرمایا: رضامند شخص بہتری کا خواہش مند نہیں ہوتا۔

﴿9﴾... ایک مرتبہ حضرت سیِّدُنا شیخ ابو بکر شبلی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی کو بیماری کے باعث شفاخانہ میں داخل کر دیا گیا۔ چند لوگ آپ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: تم کون ہو؟ انہوں نے عرض کی: آپ سے محبت کرتے ہیں آپ کی زیارت کو حاضر ہوئے ہیں۔ آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے انہیں پتھر مارنا شروع کر دیئے تو وہ لوگ دور ہو گئے۔ پھر آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: ”اگر تم مجھ سے محبت کرتے تو میری طرف سے پہنچنے والی تکلیف پر ضرور صبر کرتے۔

ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ اپنے پاس کاغذ کا ایک ٹکڑا رکھتے اور ہر وقت اسے پڑھتے رہتے۔ اس کاغذ میں یہ آیتِ مُبارَکہ لکھی ہوئی تھی:

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْیُنِنَا (پ۲۷، الطور: ۴۸)

ترجمۂ کنز الایمان: اور اے محبوب تم اپنے رب کے حکم پر ٹھہرے رہو کہ بے شک تم ہماری نگہداشت میں ہو۔

﴿10﴾... ایک مرتبہ حضرت سیِّدُنا فتح موصلی کی زوجہ محترمہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِمَا کو کسی چیز سے ٹھوکر لگ گئی جس سے پاؤں کا ناخن ٹوٹ گیا لیکن آپ مسکرانے لگیں۔ عرض کی گئی: کیا آپ کو درد محسوس نہیں

ہو رہا؟ فرمایا: اس کے ثواب کی مٹھاس نے میرے دل سے درد کی کڑواہٹ دور کر دی۔

﴿11﴾... حضرت سیِّدُنا داؤد نے حضرت سیِّدُنا سلیمان عَلَیْہِمَا السَّلَام سے فرمایا: مومن کی پرہیزگاری پر تین چیزیں دلالت کرتی ہیں: (۱)...اس چیز کے بارے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ پر توکُّل کرنا جو اس کے پاس نہیں (۲)...جو کچھ اس کے پاس ہے اس پر راضی رہنا اور (۳)...جو اس سے لے لیا جائے اس پر صبر کرنا۔

﴿12﴾... سرکارِ نامدار، مدینے کے تاجدار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جلالت اور اس کے حق کی مَعْرِفَت کا تقاضا یہ ہے کہ تم نہ اپنے درد کی شکایت کرو اور نہ مصیبت کا ذکر کرو۔[1]

﴿13﴾... مروی ہے کہ ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ درہموں کی تھیلی لے کر باہر نکلے تو وہ تھیلی کسی نے چرا لی۔ جب انہوں نے اسے نہ پایا تو فرمایا: ”اللہ عَزَّوَجَلَّ اس شخص کے لئے اس میں برکت عطا فرمائے، شاید اسے مجھ سے زیادہ اس کی حاجت تھی۔

﴿14﴾... ایک صحابی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں کہ دورانِ جنگ میں حضرت سیِّدُنا ابوحُذَیفہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے غلام حضرت سیِّدُنا سالم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے پاس سے گزرا تو آپ میں ابھی زندگی کی کچھ رَمَق باقی تھی۔ میں نے عرض کی: ”آپ کو پانی پلاؤں؟“ فرمایا: ”مجھے دشمن سے تھوڑا قریب کر دو اور پانی میری ڈھال میں ڈال دو، میرا روزہ ہے اگر شام تک زندہ رہا تو پی لوں گا۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے آنے والی آزمائش پر اس کے نیک بندے یونہی صبر کیا کرتے ہیں۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

بندہ مصائب و آلام میں صبر کا درجہ کیسے پا سکتا ہے؟ جبکہ وہ اس کے اختیار ہی میں نہیں، بندے کی دو ہی حالتیں ہیں یا قبول کرے یا انکار اور اگر صبر سے مراد یہ ہے کہ مصیبت کی نفرت انسان کے دل سے نکل جائے تو انسان کو اس کا بھی اختیار نہیں۔

جواب: جان لیجئے! انسان مصیبت میں جَزع فَزع کرنے، گریبان پھاڑنے، گال پیٹنے، شکوہ شکایت کرنے، غم کا اظہار کرنے اور لباس، بچھونا اور غذا میں تبدیلی آجانے کی صورت میں صبر کرنے والوں کے

---

[1]... شعب الایمان، باب فی الصبر علی المصائب، ۷/ ۲۱۳، حدیث: ۱۰۰۴۲، عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ موقوفاً، بتغیر

درجے سے خارج ہو جاتا ہے اور جب یہ تمام اُمور بندے کے اختیار میں ہیں تو اسے چاہئے کہ ان سے بچے، تقدیرِ الٰہی پر راضی رہے، اپنی عادت کو جاری رکھے اور یقین رکھے کہ تمام چیزیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے امانت ہیں عنقریب واپس لے لی جائیں گی۔

حضرت سیِّدَتُنا رُمیصاء رَضِیَ اللہُ عَنْہَا کا صبر:

حضرت سیِّدَتُنا اُمِّ سُلَیم رُمیصاء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے مروی ہے کہ میرے بیٹے کا انتقال ہو گیا اس وقت میرے شوہر حضرت ابو طلحہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ گھر میں نہ تھے، میں اٹھی اور اسے گھر کے ایک کونے میں لٹا کر اوپر سے کپڑا اوڑھا دیا۔ شام کو جب حضرت ابو طلحہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ گھر تشریف لائے تو میں نے انہیں کھانا پیش کر دیا۔ انہوں نے کھانا شروع کر دیا اور کہا: بیٹے کی طبیعت کیسی ہے؟ میں نے کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہ بہت اچھی حالت ہے، بیماری کے وقت سے آج رات سکون میں ہے۔ پھر میں نے ان کے لئے معمول سے زیادہ بناؤ سنگھار کیا حتّٰی کہ انہوں نے حَقِّ زوجیت ادا کیا۔ پھر میں نے کہا: کیا آپ کو پڑوسیوں پر تعجب نہیں؟ انہوں نے کہا: پڑوسیوں نے کیا کر دیا؟ میں نے کہا: انہوں نے بطورِ امانت ایک چیز لی تھی جب میں نے ان سے واپس مانگی تو وہ شور کرنے لگے۔ کہنے لگے: یہ تو انہوں نے بہت بُرا کیا۔ اب میں نے کہا: آپ کا یہ بیٹا بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے آپ کے پاس امانت تھا جو اس نے واپس لے لیا۔ انہوں نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی حمد و ثنا کی اور ”اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ (1)“ پڑھا۔ اگلے دن بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور سارا معاملہ عرض کر دیا۔ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان کے لئے یوں دعا فرمائی: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! ان کے لئے ان کی رات میں برکت عطا فرما۔(2)

راویِ حدیث فرماتے ہیں: اس واقعہ کے بعد میں نے ان کی اولاد میں سات لڑکے مسجد میں قرآن پاک

1... ترجمۂ کنزالایمان: ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا۔(پ۲، البقرۃ:۱۵۶)

2... شیخ الحدیث حضرت علّامہ عبد المصطفٰی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی اس روایت کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں: ”اس دعائے نبوی کا یہ اثر ہوا کہ اسی رات میں حضرت بی بی ام سلیم (رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا) کے حمل ٹھہر گیا اور ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام عبد اللہ رکھا گیا اور ان عبد اللہ کے بیٹوں میں بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے۔“ کچھ آگے تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: دیکھو کہ صبر کا پھل خداوند کریم نے کتنی جلدی حضرت بی بی ام سلیم (رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا) کو دیا کہ حضرت عبد اللہ ایک سال پورا ہونے سے پہلے ہی پیدا ہو گئے اور پھر ان کا گھر عالموں سے بھر گیا۔ (جنتی زیور، ص۵۱۶، ۵۱۷، ملتقطاً)

کی تلاوت کرتے دیکھے۔

حضرت سیِّدُنا جابر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ روایت کرتے ہیں کہ دو جہاں کے تاجْوَر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: میں نے دیکھا کہ میں جنت میں داخل ہوا تو وہاں ابو طلحہ کی زوجہ رُمَیْصاء موجود ہیں۔[1]

صبرِ جمیل کی تعریف:

کہا گیا ہے: ''صبرِ جمیل (بہترین صبر) یہ ہے کہ مصیبت میں مبتلا شخص کو کوئی نہ پہچان سکے (یعنی اس کی پریشانی کسی پر ظاہر نہ ہو)۔'' البتہ! دل کا غمزدہ ہونا اور آنکھوں کا آنسو بہانا اسے صابرین کی فہرست سے خارج نہیں کرے گا کیونکہ یہ معاملہ تو ہر انسان کے ساتھ ہے اور موت پر غمزدہ ہونا اور رونا تو ہر انسان کا بَشَری تقاضا ہے اور یہ انسان سے مرتے دم تک جدا نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب رحمتِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے فرزند حضرت سیِّدُنا ابراہیم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کا انتقال ہوا تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ عرض کی گئی: ''کیا آپ نے ہمیں اس سے منع نہیں فرمایا؟'' ارشاد فرمایا: ''یہ رحمت ہے بے شک **اللہ** عَزَّوَجَلَّ رحم کرنے والے بندوں پر رحم فرماتا ہے۔''[2]

بلکہ اس کی وجہ سے انسان رضا کے مرتبہ سے بھی نہیں نکلتا اور یہ ایسا ہی ہے کہ انسان پچھنے لگواتا (یعنی فاسد خون جسم سے نکلواتا) ہے اور اس پر راضی ہوتا ہے جبکہ معلوم ہے کہ اس سے تکلیف ہوتی ہے بلکہ بعض اوقات تو درد کی شدت کی وجہ سے آنسو بھی جاری ہو جاتے ہیں۔ عنقریب اِنْ شَآءَ اللہ عَزَّوَجَلَّ ''**رضا کے بیان**'' میں اس کی تفصیل آئے گی۔

حضرت سیِّدُنا ابنِ ابی نجیح رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے کسی خلیفہ کو تعزیتی مکتوب میں لکھا: ''جو شخص یہ بات جانتا ہے کہ جو کچھ اس سے لے لیا گیا وہ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کا حق تھا اسے چاہئے کہ جو کچھ اس کے پاس موجود ہے اس میں **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے حق کی تعظیم کرے۔ جان لو کہ جو تم سے جدا ہو گیا وہ تمہارے لئے اس طور پر باقی ہے اور باقی رہے گا کہ اس پر تمہیں اجر دیا جائے گا اور جان لو کہ مصیبتوں پر صبر کا اجر عافیت میں ملنے والی نعمت سے بڑھ کر ہے۔''

---

1 ... بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب مناقب عمر بن خطاب، ۲/ ۵۲۵، حدیث: ۳۶۷۹

2 ... بخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبی: یعذب المیت... الخ، ۱/ ۴۳۴، حدیث: ۱۲۸۴

سن لو! جب انسان مصیبتوں پر ملنے والے اجر وثواب کا تصور کر کے تکلیف کو بھلا دیتا ہے تو وہ صبر کرنے والوں کا مقام پالیتا ہے۔ ہاں! بیماری، محتاجی اور دیگر تمام پریشانیاں ظاہر نہ کرنا ہی کمال صبر ہے۔ کہا گیا ہے: ''مصائب وآلام اور صَدَقے کا چھپانا بھلائی کے خزانوں میں سے ہے۔''

ان تفصیلات سے تم پر واضح ہو گیا ہو گا کہ ہر حالت وہر فعل میں صبر ضروری ہے۔

انسان تنہائی میں بھی صبر کا محتاج ہے:

جو شخص لوگوں سے علیحدگی اختیار کر کے تمام خواہشات سے محفوظ ہو جائے پھر بھی وہ ظاہر اور باطن میں صبر کا محتاج ہوتا ہے یوں کہ ظاہر میں گوشہ نشینی اور علیحدگی پر صبر کا محتاج ہے اور باطن میں شیطانی وسوسوں سے صبر (بچنے) کا محتاج ہے۔ دل کبھی سکون میں نہیں رہتا، اس کے اکثر خیالات گزری ہوئی اشیاء کے بارے میں ہوں گے جن کا تدارُک ممکن نہیں یا ان کا تعلق مستقبل کے ساتھ ہو گا حالانکہ وہ اگر مقدر میں ہے تو ضرور ملے گا پھر کیوں اپنا وقت ضائع کرتا ہے۔

غافل انسان کا طرزِ زندگی:

انسان کا دل آلہ ہے اور اس کی عمر اس کا سرمایہ۔ دل اگر لمحہ بھر اس ذکر وفکر سے غافل ہو گیا جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف مائل کرنے والا، اس کی پہچان کروانے والا اور اس کی محبت پیدا کرنے والا ہے تو وہ نقصان میں ہے۔ یہ بھی اس وقت ہے کہ اس کی سوچ اور وسوسے جائز کاموں تک محدود ہوں حالانکہ اکثر ایسا نہیں ہوتا بلکہ انسان خواہشات پوری کرنے کے حیلے بہانے تلاش کرتا رہتا ہے اسی لئے وہ اپنی مرضی کے خلاف ذرا بھی حرکت کرنے والے شخص سے ساری زندگی جھگڑتا رہتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی سے کوئی ایسی بات ظاہر ہو جس سے اُسے یہ وہم ہو کہ وہ اس سے جھگڑے گا اور اس کے کام یا اس کی مرضی کی مخالفت کرے گا تو ایسے ہر شخص سے بھی ساری زندگی جھگڑتا رہتا ہے بلکہ اس وہم کے باعث جو لوگ اس سے خالص محبت کرتے ہیں انہیں بھی اپنا مخالف سمجھتا ہے حتّٰی کہ اپنی اہلیہ اور اولاد کو بھی اپنا مخالف گمان کرتا ہے اور انہیں ڈانٹنے، ان پر غصہ کرنے اور اپنی مخالفت میں کی جانے والی باتوں کے جوابات میں غور وفکر کرتا رہتا ہے اور اپنی عمر انہی کاموں میں گزار دیتا ہے۔

شیطان کے گروہ:

شیطان کے دو گروہ ہیں: (۱)...اُڑنے والا (۲)...چلنے والا۔ اُڑنے والے گروہ سے مراد وسوسے ہیں اور چلنے والے گروہ سے مراد خواہشات ہیں۔

یہ اس وجہ سے ہے کہ شیطان کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے جیسے ٹھیکری۔ اور ٹھیکری میں آگ کے ساتھ مٹی جمع کر دی گئی اور مٹی کی طبیعت میں سکون ہے اور آگ کی طبیعت میں حرکت، آگ کا شعلہ بغیر حرکت کے نہیں پایا جاسکتا کیونکہ حرکت کرنا اس کی طبیعت میں شامل ہے۔ جب آگ سے پیدا کئے گئے شیطان ملعون کو حکم دیا گیا کہ ساکن ہو جائے اور جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مٹی سے پیدا کیا ہے اُسے سجدہ کرے تو شیطان نے تکبر کرتے ہوئے انکار کر دیا اور نافرمانی کی اور اپنی نافرمانی کا جو سبب بیان کیا اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قرآن کریم میں ان الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا:

خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ﴿۱۲﴾ ترجمۂ کنز الایمان: تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اُسے مٹی سے بنایا۔

(پ۸، الاعراف: ۱۲)

جب اس ملعون نے ہمارے جدِّ اَمجد حضرت سیِّدُنا آدم صَفِیُّ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام کو سجدہ نہ کیا تو وہ ان کی اولاد یعنی ہمارا بھی کبھی فرمانبردار نہیں ہو سکتا البتہ شیطانی خیالات اور خواہشات کو دور کیا جائے تو شیطان عاجز و مطیع ہو جاتا ہے اور یہ عاجز و مطیع ہونا ہی اس کی طرف سے (ہمارے حق میں) سجدہ اور سجدے کی حقیقت ہے ورنہ پیشانی کا زمین پر رکھ دینا تو ایک کیفیت ہے جسے اصطلاحاً سجدے کا نام دے دیا گیا ہے اور اگر اسی کیفیت کا نام اصطلاح میں گستاخی رکھ دیا جائے تو اسی کو گستاخی تصور کیا جائے گا جیسا کہ کسی قابلِ اِحترام انسان کے سامنے منہ کے بل لیٹ جانے کو گستاخی سمجھا جاتا ہے۔

شیطان کے جال سے حفاظت:

اشیاء کی حقیقت، روح اور مَغز کا چھلکا تمہیں غافل نہ کر دے کہ تم ان لوگوں میں سے ہو جاؤ جو دنیا میں مشغول ہو کر آخرت کو بھول جاتے ہیں۔ یقیناً شیطان کو مہلت دی جاچکی ہے اور وہ قیامت تک تمہیں

وسوسوں میں مبتلا کرتا رہے گا۔ اس سے بچنے کی یہی صورت ہے کہ صرف ایک غم کو اپنالو اور اپنا دل یادِ الٰہی میں مشغول کرلو تو وہ ملعون ہرگز تمہیں نہیں بہکا سکے گا اور اس وقت تم اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نیک بندوں میں سے ہو جاؤ گے جو اس ملعون کے جال سے محفوظ ہیں۔

تم ہرگز یہ گمان نہ کرو کہ (یادِ الٰہی سے) غافل دل شیطان کے اثر سے بھی خالی رہتا ہے کیونکہ شیطان انسان کی رگوں میں خون کی طرح گردش کرتا ہے اور یہ گردش ایسی ہے جیسے ہانڈی میں ہوا کہ اگر تم پانی یا کوئی چیز ڈالے بغیر اس سے ہوا نکالنا چاہو تو نہ نکلے گی اور تمہاری یہ خواہش بے جا ہے بلکہ ہانڈی جتنی پانی سے خالی ہوگی اتنی مقدار میں ہوا اس میں ضرور ہوگی۔ اسی طرح جو دل دینی فکر میں مشغول رہے وہ شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہتا ہے اور جو لمحہ بھر بھی یادِ الٰہی سے غافل ہوتا ہے اس لمحے اس کا ساتھی شیطان ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ مَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَهٗ شَیْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِیْنٌ ﴿۳۶﴾ (پ۲۵، الزخرف: ۳۶)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جسے رَتُوند (اندھا بننا) آئے رحمٰن کے ذکر سے ہم اس پر ایک شیطان تعینات کریں کہ وہ اس کا ساتھی رہے۔

فارغ دل شیطان کا گھونسلا بن جاتا ہے:

سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یُبْغِضُ الشَّابَ الْفَارِغ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ فارغ نوجوان کو ناپسند کرتا ہے۔[1]

یہ اس وجہ سے فرمایا گیا کہ جب انسان جوانی کی حالت میں ایسے جائز اعمال چھوڑ دیتا ہے جن کے ذریعہ وہ دین پر مدد حاصل کر سکے تو بظاہر وہ فارغ ہو جاتا ہے لیکن اس کا دل فارغ نہیں رہتا بلکہ شیطان اس میں گھونسلا بناتا اور انڈے دیتا ہے پھر اس کے بچے بڑے ہو کر یہی عمل کرتے ہیں اور اس طرح شیطان کی نسل چلتی رہتی ہے۔ تمام حیوانات میں اس کی نسل تیزی سے بڑھتی ہے کیونکہ اس کی پیدائش آگ سے ہے اور جب تک خشک گھاس (یعنی خواہش) پائی جائے گی اس وقت تک اس کی نسل میں یونہی اضافہ ہوتا رہے گا اور آگ بڑھتی رہے گی۔

---

1 ... الزھد لابن المبارک، باب اصلاح ذات بین، ص ۲۵۲، حدیث: ۷۴۱، بتغیر قلیل

انسان کے دل میں پیدا ہونے والی خواہش شیطان کے لئے ایسی ہے جیسے آگ کے لئے خشک گھاس اور جب تک لکڑی رہتی ہے آگ بھی جلتی رہتی ہے لہٰذا جب خواہش نہ رہے گی تو شیطان کو موقع بھی نہ مل سکے گا۔

سیِّدُنا حسین بن منصور حلاج رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کا نصیحت آموز قول:

جب تم غور و فکر کرو گے تو جان لو گے کہ تمہاری سب سے بڑی دشمن خواہش ہے جو کہ نفس کی صِفَت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سیِّدُنا حسین بن منصور حلاج عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْجَوَاد کو پھانسی دیتے وقت جب تصوف کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''یہ تمہارا نفس ہے اگر تم اسے مشغول نہ رکھو گے تو یہ تمہیں مشغول کر دے گا۔''

معلوم ہوا کہ صبر کی حقیقت اور اس کا کمال یہ ہے کہ ہر مذموم حرکت سے باز رہا جائے اور باطنی حرکت سے باز رہنا صبر کی بہترین قسم ہے اور یہ اگر بندے کو حاصل ہو جائے تو موت ہی اسے ختم کرتی ہے۔

ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اس کے احسان و کرم کے صدقے بہتر توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

ساتویں فصل: صبر پر مدد کرنے والی روحانی دوا

جان لیجئے کہ جس ذات نے بیماری پیدا کی اس نے دوا بھی اتاری ہے اور شفا کا وعدہ بھی فرمایا ہے تو صبر اگرچہ دُشوار ہے لیکن اس کا حُصول علم و عمل کے ذریعہ ممکن ہے۔ دل کے تمام امراض کی دوائیں علم و عمل کے اختلاط سے وجود میں آتی ہیں لیکن ہر مرض ایک نئے علم و عمل کا محتاج ہے کیونکہ صبر کی اقسام مختلف ہیں تو اس سے روکنے والی اشیاء (یعنی بیماریاں) بھی مختلف ہوں گی اور جب بیماریاں مختلف ہوں تو عِلاج بھی مختلف ہوں گے کیونکہ علاج بیماری کی ضد اور اسے ختم کرنے والا ہے۔ یہ بحث چونکہ بہت طویل ہے لہٰذا اہم مثالوں کے ذریعے اس کے طریقے بیان کریں گے۔

انسان ہم بستری کی خواہش سے اس وقت صبر کا محتاج ہوتا ہے کہ جب غَلَبۂ خواہش کے سبب شرم گاہ کی حفاظت مشکل ہو جائے یا شرم گاہ تو محفوظ رہے لیکن آنکھ کی حفاظت مشکل ہو جائے یا آنکھ تو محفوظ رہے لیکن دل اور نفس سے اختیار جاتا رہے اور یہ بُری باتوں کی کثرت کی وجہ سے ہوتا ہے جو انسان کو ذکر و فکر اور نیک اعمال سے غافل کر دیتی ہیں۔

صبر کے لئے "باعث دینی" کا قوی ہونا ضروری ہے:

ہم پہلے بیان کرچکے کہ صبر "باعِثِ دینی" کا "باعِثِ ہَوٰی" کے مقابلے میں ڈٹ جانے کو کہتے ہیں اور مقابلے میں کھڑی دو چیزوں میں سے ہم جس کا غَلَبہ چاہیں اس کا قوی و مضبوط ہونا اور دوسرے کا کمزور ہونا ضروری ہے تاکہ وہ بلندی حاصل کرے۔ تو صبر کے لئے باعِثِ دینی کا قوی ہونا اور باعِثِ ہَوٰی کا کمزور ہونا ضروری ہے۔

باعِثِ ہَوٰی کو کمزور کرنے کے طریقے:

باعِثِ ہَوٰی کو کمزور کرنے کے تین طریقے ہیں:

...**پہلا طریقہ:** یہ ہے کہ انسان خواہش کو تقویت دینے والی اشیاء یعنی کھانوں کی اَنواع واقسام اور کثرت سے پرہیز کرے کیونکہ یہ خواہش کے مُحرِّکات میں سے ہیں اور انہیں روزوں کی کثرت سے ہی ختم کیا جاسکتا ہے وہ بھی یوں کہ افطار میں کم اور ہلکی چیزیں کھائے اور گوشت اور خواہش بڑھانے والی دیگر اشیاء سے بچے۔

...**دوسرا طریقہ:** یہ ہے کہ انسان خواہش بڑھانے والے اسباب ہی ختم کردے کہ خواہش اسی وقت بھڑکتی ہے جب شہوت والی جگہوں کی طرف نظر کی جائے، نظر دل کو حرکت دیتی ہے دل خواہش کو مُتَحَرِّک کردیتا ہے۔ اس صورت کا حُصول یونہی ممکن ہے کہ گوشہ نشینی اختیار کی جائے اور شہوت والی تمام جگہوں سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے کہ بے کسوں کے مددگار، شفیعِ روزِ شمار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "نظر شیطان کا زہر آلود تیر ہے۔"[1]

شیطان ملعون یہ تیر جسے مارتا ہے اس کے لئے اس سے بچنے کی یہی صورت ہے کہ وہ آنکھیں بند کرلے یا اس جگہ سے دور ہوجائے کیونکہ شیطان یہ تیر مخصوص جگہوں کی طرف پھینکتا ہے اگر انسان وہاں نہ ہو تو اس کے تیر سے محفوظ رہتا ہے۔

...**تیسرا طریقہ:** یہ ہے کہ نفس جن مباح کاموں میں رغبت رکھتا ہے انسان اسے ان میں مصروف رکھے مثلاً نکاح۔ کیونکہ طبیعت جن چیزوں کی طرف رغبت رکھتی ہے انہیں مباح کاموں کے ذریعے پورا کرکے ممنوعات سے بچا جاسکتا ہے۔ علاج کا یہ طریقہ اکثر لوگوں کے لئے نفع بخش ہے جبکہ پہلے طریقے یعنی کھانا چھوڑ

1... مسند الشهاب، ۱/ ۱۹۶، حدیث: ۲۹۳

دینے کی وجہ سے چونکہ انسان کو اعمال کی ادائیگی میں کمزوری ہو جاتی ہے لہٰذا اس کے ذریعے اکثر لوگ شہوات کا خاتِمہ کرنے سے محروم رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حُضورِ اکرم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: (نوجوانو!) نکاح کرو، جو اس کی طاقت نہ رکھے اسے چاہئے روزے رکھے کہ روزہ شہوت ختم کر دیتا ہے۔ (1)

علاج کی یہ تین صورتیں بنتی ہیں: **پہلا علاج** یعنی کھانا چھوڑ دیا جائے اس کو یوں سمجھئے کہ سرکش جانور اور نقصان پہنچانے والے کتے کو کھانا نہ دیا جائے تو وہ بھی کمزور ہو جاتا ہے اور اس کی طاقت ختم ہو جاتی ہے۔ **دوسرے علاج** کو یوں سمجھئے کہ اگر کسی کتے کے سامنے سے گوشت اور گندم کھانے والے جانور کے سامنے سے گندم ہٹا لیا جائے تو نہ وہ اسے دکھائی دے گا نہ اس کی خواہش بھڑکے گی۔ **تیسرے علاج** کو یوں سمجھئے کہ جانور کی طبیعت جس چیز کی طرف مائل ہے اگر اس میں سے کچھ دے دیا جائے تو اس میں صبر کی قوت باقی رہتی ہے۔

باعث دینی کو تقویت دینے کے طریقے:

باعِثِ دینی کو تقویت دینے کے دو طریقے ہیں:

۞...**پہلا طریقہ:** یہ ہے کہ انسان مجاہدے کے دینی و دنیوی فوائد و ثَمَرات کی طَلَب میں رہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ صبر کی فضیلت اور دنیا و آخرت کے بہتر انجام کے متعلق جو رِوایات ذکر کی گئیں ان میں خوب غور و فکر کرے۔ مروی ہے کہ مصیبت پر صبر کا ثواب فوت شدہ چیز پر صبر کرنے سے زیادہ ہے۔ یقیناً ایسا مصیبت زدہ شخص قابل رشک ہے کیونکہ فوت شدہ چیز صرف دنیاوی زندگی میں اس کے پاس تھی جبکہ اس پر حاصل ہونے والا صبر کا ثواب موت کے بعد ہمیشہ ہمیشہ اس کے پاس رہے گا اور جو شخص کمتر چیز دے کر بہتر چیز لے اسے زیب نہیں دیتا کہ کمتر چیز کے فوت ہونے پر غمزدہ ہو۔ اس کا تعلق مَعْرِفَت سے ہے جسے ایمان کہا جاتا ہے کبھی یہ کمزور ہوتا ہے کبھی پختہ۔ اگر ایمان پختہ ہو تو باعِثِ دینی کو بھی تقویت دیتا اور غالب کرتا ہے اور اگر یہ خود کمزور ہو تو اسے بھی کمزور کر دیتا ہے کیونکہ قوتِ ایمانی درحقیقت یقین ہے اور یہی صبر کا مُحرِّک ہے اور بہت تھوڑے لوگ ہیں جنہیں یقین اور صبر دونوں عطا کئے گئے ہیں۔

۞...**دوسرا طریقہ:** یہ ہے کہ باعِثِ دینی کو باعِثِ ہَوٰی سے مقابلے کا عادی بنایا جائے یہاں تک کہ ایک

---

1 ...سنن الترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء فضل التزویج والحث علیہ، ۲/ ۳۴۳، حدیث: ۱۰۸۳

روز انسان کامیابی کا مزہ چکھ لے۔ پھر یہ غَلَبہ بر قرار رکھے تو باعثِ ہَوٰی کے مقابلے میں اس کی قوت بڑھ جائے گی کیونکہ اعمالِ شاقہ کا عادی ہونا اس قوت کو پختہ کر دیتا ہے جس سے یہ اعمال صادر ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بوجھ اٹھانے والوں، کشتی چلانے والوں اور جنگ کرنے والوں کی قوت زیادہ ہوتی ہے اور عموماً جو اعمالِ شاقہ کے عادی ہوتے ہیں ان میں درزی، عطر فروش، فقہا اور نیک لوگوں کے مقابلے میں زیادہ قوت ہوتی ہے کیونکہ ان اعمال کا عادی ہونے سے قوت میں مضبوطی نہیں آتی۔

بیان کردہ دونوں طریقوں میں سے پہلے کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کو مال ومتاع اور عزت کا لالچ دے کر کسی کے مقابلے پر ابھارنا جیسا کہ فرعون نے جادوگروں کو یہ لالچ دے کر حضرت سیِّدُنا موسیٰ کلیمُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے مقابلے پر اتارا تھا کہ غالب آنے کی صورت میں تم میرے مقرب ہو جاؤ گے۔

دوسرے کی مثال بچے کے لئے مقابلے اور جنگ کے اسباب مہیا کرنے کی سی ہے تاکہ بچہ اس کا عادی ہو، اس کی طرف مائل ہو اور اسے ان کاموں میں مہارت حاصل ہو جائے۔

جو شخص صبر کے ذریعے خواہش کی مخالَفت کرنا بالکل ترک کر دے تو اس میں باعثِ دینی (یعنی نیکی کی طرف مائل کرنے والی قوت) کمزور پڑ جاتی ہے اور ایسا انسان خواہشات پر غَلَبہ نہیں پا سکتا اگرچہ وہ کمزور ہوں اور جو اپنے نفس کو خواہشات کی مخالَفت کا عادی بنا لے وہ جب چاہے ان پر غَلَبہ پا سکتا ہے۔

صبر کی تمام اقسام میں علاج کا یہی طریقہ رائج ہے اور اسے مکمل طور پر بیان کرنا ممکن نہیں۔

مشکل ترین صبر:

یقیناً سب سے مشکل ترین صبر وسوسوں سے باطن کا پاک ہونا ہے۔ یہ کام اُس کے لئے زیادہ مشکل ہے جو تنہائی و گوشہ نشینی کے ذریعے اور مراقَبے اور ذِکر وفکر کے لئے بیٹھ کر ظاہری خواہشات کو تو ختم کر دے لیکن وسوسوں سے نہ بچ سکے۔ وسوسے انسان کو بھٹکاتے رہتے ہیں ان سے بچنے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ ظاہری باطنی تمام تعلقات ختم کر دے اپنے اہل، اولاد، عزت ومال، دوست، احباب سب کو چھوڑ دے اور بقدرِ ضرورت کھانا لے کر ایک کونے میں بیٹھ جائے اور اسی پر قناعت کرے۔

یہ سب کچھ اسی وقت فائدہ دے گا جبکہ اس کا مقصود صرف اور صرف ذاتِ باری تعالیٰ ہو اور دل کا

ذاتِ باری تعالٰی کی طرف مائل ہونا بھی اسی وقت فائدہ دے گا جبکہ تمام تر توجہ کا مرکز ذاتِ خداوند ہو اور باطن کے ذریعے زمینی و آسمانی سلطنتوں کی سیر کرے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پیدا کردہ عجائبات اور اس کی مَعرِفت کے تمام دروازوں سے واقف ہو۔ جب یہ سب کچھ اس کے دل پر غالب آجائے گا تو اسے شیطان کے وسوسوں اور اس کے فریب سے چھٹکارا حاصل ہو جائے گا۔ اگر انسان اس مرتبہ کو نہ پہنچ سکے کہ باطن کے ذریعے سیر کرے تو اس کی نجات اسی میں ہے کہ ہر وقت ذکر و اذکار یعنی نماز اور تلاوت وغیرہ میں مشغول رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ حُضورِ قلب کا بھی محتاج ہے کیونکہ حُضورِ قلب فکرِ باطن کے ذریعے حاصل ہوتا ہے نہ کہ ظاہری اَوراد سے۔

ذکر و فکر میں خلل ڈالنے والی باتیں:

جب انسان اکثر وقت ذکر و اذکار میں مشغول رہے گا تو اس کے پاس تھوڑا ہی وقت بچے گا کیونکہ دن بھر میں بہت سے ایسے واقعات پیش آتے ہیں جو اس کے فکر و اذکار میں خلل پیدا کر دیں گے مثلاً کسی مَرَض یا خوف کا لاحق ہونا، کسی کی طرف سے تکلیف پہنچنا اور کسی کا اس کی مرضی کے خلاف کام کرنا جبکہ اس کا ان لوگوں سے ملنا بھی ضروری ہے جو اسبابِ معیشت میں اس کی مدد کرتے ہیں۔

ذکر و فکر میں خلل پیدا کرنے والی مختلف اقسام میں سے یہ ایک قسم ہے۔ اس سے بھی زیادہ ضروری ایک اور قسم ہے اور اس سے مراد کھانا، پہننا اور اسبابِ مَعاش میں مشغول ہونا ہے کیونکہ ان کاموں کے لئے بھی وقت درکار ہوتا ہے جبکہ خود کفیل ہو اور اگر یہ کام کسی اور کے سپرد کئے ہوں تو بھی اس کی کفالت باطنی فکر میں خلل پیدا کرے گی۔ ہاں تمام تعلقات ختم کرنے کے بعد اسے زیادہ وقت مل سکتا ہے جبکہ کوئی دردناک واقعہ اچانک پیش نہ آجائے اور جب دل ہر فکر سے پاک و صاف رہے گا تو اس کے لئے باطنی فکر آسان ہو جائے گی اور زمین و آسمان میں پائے جانے والے وہ اَسرارِ الٰہی اس پر ظاہر کر دیئے جائیں گے کہ اگر دل کو دنیاوی تعلقات میں مشغول رکھا جائے تو عرصۂ دراز تک اس کا عُشرِ عَشِیر (یعنی معمولی حصہ) بھی حاصل نہیں ہو سکتا اور یہ مرتبہ انسان کی کوشش و محنت سے حاصل ہونے والے مقامات و مراتب کی انتہا اور حد ہے۔

ربّ تعالیٰ کے خزانوں کا حق دار کون؟

بہر حال احوال واعمال میں حاصل ہونے والے لُطفِ الٰہی اور کشف وظُہور کی مقدار کا اندازہ کرنا شکار کرنے اور رزق حاصل کرنے کی طرح ہے کہ بعض اوقات تھوڑی سی کوشش سے بڑا شکار ہاتھ لگ جاتا ہے اور کبھی انتھک محنت کے باوُجود بہت تھوڑا حصہ ملتا ہے، اس مُعاملے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل پر بھروسا کرنا چاہئے کہ وہی تمام اعمال کا بدلہ دینے والا ہے کیونکہ یہ مُعاملہ بندے کے اختیار میں نہیں البتہ بندے کو اتنا اختیار ہے کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فضل تلاش کرتا رہے اس طرح کہ دنیا کی طرف مائل کرنے والی چیزوں کو اپنے دل سے نکال دے کہ دنیا میں مشغول رہنے والا اَسْفَلُ السَّافِلِیْن (یعنی سب سے نچلے طبقے کے انسانوں) میں شمار کیا جاتا ہے نہ کہ اَعْلٰی عِلِّیِّیْن (یعنی بلند مرتبہ لوگوں) میں اور دنیاوی فکریں انسان کو دنیاوی مشغولیت کی طرف لے جاتی ہیں حالانکہ دنیا کی طرف مائل کرنے والی چیزوں سے دل کو پاک رکھنا ہی اِس حدیث پاک سے مراد ہے۔ چنانچہ رحمتِ عالَم، نُورِ مُجسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا مُبارَک فرمان ہے: ”تمہارے زمانوں میں تمہارے ربّ عَزَّوَجَلَّ کے خزانے وتجلیات ہیں (دل کی پاکی اور تزکیہ نفس کے ذریعے) انہیں تلاش کرو۔“[1]

یہ اس لئے ارشاد فرمایا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل اور خزانوں کے اسباب آسمان ہیں۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ فِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَ مَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ (پ۲۶، الذّٰریٰت: ۲۲)

ترجمۂ کنز الایمان: اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور جو تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے۔

یہ رزق کی اعلیٰ ترین قسم ہے اور آسمانی اُمور ہم پر پوشیدہ ہیں معلوم نہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ رزق کے اسباب کب آسان کر دے لہٰذا ہمیں چاہئے کہ دل کو خالی رکھیں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت اور اس کے لُطف وکرم کے اُس کاشتکار کی طرح منتظر رہیں جو زمین دُرُست کرتا اور اسے اضافی گھاس وغیرہ سے پاک کرتا اور اس میں بیج بوتا ہے اور یہ تمام کام بارش ہونے پر ہی نفع بخش ہیں اور وہ جانتا بھی نہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کس وقت بارش کے اَسباب پیدا فرمائے گا لیکن اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل ورحمت پر کامل بھروسا ہے کہ کوئی سال بغیر

---

[1]... المعجم الاوسط، ۲/ ۱۵۵، حدیث: ۲۸۵۶

بارش کے نہیں گزرا۔ یونہی کوئی سال، مہینہ اور کوئی دن اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل وخزانے سے خالی نہیں۔

بندے کو بھی چاہئے کہ اپنے دل کو خواہشات کی گھاس سے پاک کرے اور اس میں ارادہ اور اخلاص کا بیج بو کر اسے رحمت کی ہواؤں کے لئے پیش کر دے۔ جس طرح موسِم بہار آنے اور بادل چھا جانے پر بارش کا انتظار شدت اختیار کر جاتا ہے ایسے ہی اچھا دن آنے، تمام ہمتوں کے جمع ہو جانے اور دل کی مدد شامل ہونے پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے خزانوں کی اُمید بھی بڑھ جاتی ہے جیسا کہ عرفہ، جمعہ اور رمضان کے دنوں میں کیونکہ ہمتیں اور دل بحکم الٰہی نُزولِ رحمت کے اَسباب میں سے ہیں حتّٰی کہ ان کے سبب قحط سالی میں بھی بارش ہو جاتی ہے اور یہ سب بارش ہونے کے مُکاشَفاتِ الٰہیہ اور اُن لطائِفِ الٰہیہ میں سے ہیں جو سلطنت کے خزانے ہیں اور بارش برسنا اور پہاڑوں اور سمندروں کے کناروں سے بادل بننا انہی کے دم سے ہے۔

یہ اَحوال و مُکاشَفاتِ الٰہیہ ہر انسان کے دل میں موجود ہیں لیکن انسان دنیاوی تعلقات اور خواہشات کے سبب ان سے غافل ہے تو یہ دونوں چیزیں انسان اور مُکاشفاتِ الٰہیہ واحوال کے درمیان پردہ ہیں۔ انسان محتاج ہے کہ شہوت ختم کر دی جائے اور پردے اٹھا دیے جائیں تاکہ اس کا دل مَعارف کے انوار سے روشن کر دیا جائے کیونکہ تنگ گھڑے سے پانی نکالنا کسی دُوردَراز پسماندہ علاقے سے پانی لانے کے مقابلے میں آسان ہے اور مَعارِفِ الٰہیہ انسان کے دل میں موجود ہیں بس انسان ان سے غافل ہے۔

معارِفِ ایمان کے متعلق تین فرامین باری تعالیٰ:

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے تمام معارفِ ایمان کو لفظ "ذکر" کے ذریعے بیان فرمایا ہے:

﴿1﴾...

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۹ (پ۱۴، الحجر: ۹)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔

﴿2﴾...

وَ لِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۲۹ (پ۲۳، ص: ۲۹)

ترجمۂ کنزالایمان: اور عقلمند نصیحت مانیں۔

﴿3﴾...

وَ لَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۷﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور بے شک ہم نے قرآن یاد کرنے کے لیے آسان فرمادیا تو ہے کوئی یاد کرنے والا۔ (پ۲۷، القمر:۱۷)

وسوسوں اور دلی رُکاوٹوں سے صَبْر کا یہی علاج ہے اور یہ صبر کا انتہائی دَرَجہ ہے اور صبر کی اقسام میں مخلوق سے صبر (دور ہونے) کی تمام اقسام دل کے وسوسوں سے صبر (محفوظ رہنے) سے کم تر ہیں۔ اسی لئے حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْہَادِی نے فرمایا: "مومن کے لئے دنیا سے آخرت کی طرف سفر کرنا آسان ہے مگر حق تعالیٰ کی محبت میں مخلوق سے تعلق توڑنا مشکل ہے اور نفس کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف متوجہ کرنا اور خواہشات کو چھوڑ کر اطاعتِ الٰہی پر صبر کرنا اس سے بھی زیادہ دشوار ہے۔"

آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا کہ دل کو دُنیاوی مَشاغِل سے دور کرنا مشکل ہے اور محبَّتِ الٰہی میں مخلوق کو چھوڑ دینا اس سے زیادہ مشکل ہے اور انسان پر سب سے زیادہ مشکل چیز یہ ہے کہ مخلوق سے تمام تعلقات اور خود پسندی ختم کرے۔ ریاست، غلبہ اور بلندی حاصل کرنے اور دوسروں پر حکم چلانے میں ایسی لذت ہے جو دنیا کے طلبگاروں کے نزدیک دوسری تمام چیزوں پر غالب ہے اور کیوں نہ ہو کہ اُن کا مطلوب اللہ عَزَّوَجَلَّ کی صفات میں سے ایک صفت یعنی حاکمیت ہے اور دل کو طبعی طور پر حاکمیت محبوب و مطلوب ہے کیونکہ یہ اُمور حاکمیت کے لائق ہیں جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ ترجمۂ کنزالایمان: تم فرماؤ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے۔ (پ۱۵، بنی اسرآئیل:۸۵)

دل صِفَتِ حاکمیت سے محبت کے سبب قابلِ مَذمَّت نہیں بلکہ اس طریقے کے سبب قابلِ مَذمت ہے جسے اس نے شیطان مَلْعُون کے دھوکے میں آکر اختیار کیا کیونکہ شیطان کو عالَمِ اَمر سے دھتکارا جاچکا ہے اور انسان عالَمِ اَمر میں ہے، لہٰذا شیطان انسان کو گمراہ کرتا اور دھوکے میں مبتلا کرتا ہے۔

حاکمیت و بادشاہت کی اقسام:

صِفَتِ حاکمیت سے مَحبت پر دل قابلِ مَذمَّت کیسے ہوسکتا ہے جبکہ اس کا مطلوب یہ اُمور ہوں: آخرت کی

سعادت، ایسی بقا جس میں فنا نہیں، ایسی عزت جس کے بعد ذِلّت نہیں، ایسا اَمن جس کے بعد خوف کا شائبہ تک نہیں، ایسی مال داری جس کے بعد محتاجی نہیں اور ایسا کمال جس کے بعد نقصان نہیں۔ جب یہ تمام اُمور حاکمیت ہی کے اوصاف ہیں تو انہیں طلب کرنے والا قابلِ مَذمّت نہیں بلکہ یہ تو بندے کا حق ہے کہ ایسی بادشاہت طلب کرے جس کی انتہا نہ ہو اور طالبِ بادشاہت در حقیقت رِفعت، عزت اور کمال کا طالب ہوتا ہے۔ بادشاہت دو طرح کی ہے: (۱)... وہ جو جلد حاصل ہو لیکن تکالیف سے بھرپور ہو اور جلد ہی ختم ہو جائے، یہ دنیاوی بادشاہت ہے۔ (۲)...وہ جو دیر سے حاصل ہو لیکن ہمیشہ ہمیشہ رہے، نہ اس میں تکالیف ہیں نہ ہی اسے کوئی چیز ختم کر سکتی ہے۔

انسان چونکہ جلد باز اور جلدی کی طرف رغبت رکھنے والا پیدا کیا گیا ہے لہٰذا شیطان انسان کی طبیعت میں شامل اسی جلد بازی کو وسیلہ بنا کر اسے دھوکے میں مبتلا کرتا اور دنیاوی بادشاہت کو اس کے سامنے مُزَیَّن کر کے پیش کرتا ہے اور انسان کی بے وُقوفی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسی دھوکے اور دنیاوی بادشاہت کے بدلے اُس سے آخرت کی بادشاہت کا وعدہ کر لیتا ہے۔ دو جہاں کے تاجوَر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”بے وُقوف ہے وہ شخص جو خواہشِ نفس کی پیروی کرے اور پھر بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اُمید رکھے۔“[1]

لہٰذا رحمتِ الٰہی سے دور شخص دھوکے میں رہتے ہوئے اپنی تمام تر کوشش دنیاوی عزت و بادشاہت طلب کرنے میں صرف کر دیتا ہے اور جسے توفیق عطا کی جائے وہ شیطان کے دھوکے میں نہیں آتا کیونکہ وہ شیطان کے مکر و فریب کو خوب جانتا ہے، لہٰذا وہ اس جلدی ملنے والی بادشاہت سے اِعراض کرتا ہے۔

دنیا کے طلب گاروں کی قرآن میں مَذمّت:

رحمتِ الٰہی سے دور شخص کے بارے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

﴿1﴾...

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾ وَ تَذَرُوْنَ

ترجمۂ کنزالایمان: کوئی نہیں بلکہ اے کافرو تم پاؤں تلے کی

1... سنن الترمذی، کتاب صفة القیامة، باب ۲۴، ۴/ ۲۰۷، حدیث: ۲۴۶۷، ”العاجز“ بدلہ ”الاحمق“
غریب الحدیث لابن سلام، دین، ۱/ ۴۳۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ ۱۴۲۴ھ

الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾ (پ۲۹، القیامۃ: ۲۰تا۲۱) دوست رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑے بیٹھے ہو۔

﴿2﴾...

اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ یُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَ یَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ یَوْمًا ثَقِیْلًا ﴿۲۷﴾ (پ۲۹، الدھر: ۲۷)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک یہ لوگ پاؤں تلے کی عزیز رکھتے ہیں اور اپنے پیچھے ایک بھاری دن کو چھوڑے بیٹھے ہیں۔

﴿3﴾...

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ﳔ عَنْ ذِكْرِنَا وَ لَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَاؕ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِؕ (پ۲۷، النجم: ۲۹تا۳۰)

ترجمۂ کنزالایمان: تو تم اس سے منہ پھیر لو جو ہماری یاد سے پھرا اور اس نے نہ چاہی مگر دنیا کی زندگی یہاں تک ان کے علم کی پہنچ ہے۔

حقیقی بادشاہت:

مخلوق میں پھیلے شیطان کے مکر وفریب سے بچانے کے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے رسولوں کی طرف فرشتوں کے ذریعے وحی فرمائی جو دشمن اور اس کے دھوکے کو ہلاک وبرباد کرنے کے لئے مکمل طور پر کافی ہے۔ پھر اس مجازی بادشاہت کہ جسے حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں اور اگر اسے حقیقت شمار کر بھی لیا جائے تو بھی اسے دوام نہیں، حضراتِ انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام نے مخلوق کو اس سے پھیر کر حقیقی بادشاہت کی دعوت دی جیسا کہ قرآن پاک میں موجود ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِیْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِؕ اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَةِۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِیْلٌ ﴿۳۸﴾ (پ۱۰، التوبۃ: ۳۸)

ترجمۂ کنزالایمان: اے ایمان والو تمہیں کیا ہوا جب تم سے کہا جائے کہ راہِ خدا میں کوچ کرو تو بوجھ کے مارے زمین پر بیٹھ جاتے ہو کیا تم نے دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے پسند کرلی اور جیتی دنیا (دنیا کی زندگی) کا اسباب آخرت کے سامنے نہیں مگر تھوڑا۔

پس توریت، انجیل، زبور، قرآن مجید، حضرت سیِّدُنا موسیٰ اور حضرت سیِّدُنا ابراہیم عَلَیْہِمَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے صحیفے اور دیگر تمام آسمانی کُتب مخلوق کو حقیقی اور ہمیشہ رہنے والی بادشاہت کی طرف دعوت دینے کے لئے

ہی نازل کی گئیں جن سے یہی مقصود ہے کہ انسان کو دنیاوی اور اُخروی دونوں بادشاہتیں حاصل ہوں۔

دنیا کی حقیقی اور ظاہری بادشاہت:

دنیا کی حقیقی بادشاہت یہ ہے کہ بندہ دنیا میں زُہد اختیار کرے اور جو ملے اس پر قناعت کرے اور اُخروی بادشاہت اللہ عَزَّوَجَلَّ کے قُرب میں ہمیشہ ہمیشہ رہنا، نہ ختم ہونے والی عزت اور آنکھوں کو ایسی ٹھنڈک وراحت نصیب ہونا ہے جو دنیا میں نہ کبھی نصیب ہوئی نہ کسی نے اسے جانا۔

شیطان انسان کو دنیا کی ظاہری بادشاہت کی طرف مائل کرتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ اس کی وجہ سے انسان کو اُخروی بادشاہت حاصل نہ ہوسکے گی کیونکہ دنیا اور آخرت دو سوکنیں ہیں اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ دنیا بھی اسے حاصل نہیں ہوگی اور اگر حاصل ہو بھی جائے تو اس سے حسد کیا جائے گا کیونکہ دنیا جھگڑوں، نفرتوں اور فکروں سے خالی نہیں اور جاہ و مَنْزِلَت کے تمام اسباب کا یہی حال ہے پھر جب دنیاوی جاہ و منزلت کے اسباب مکمل ہوتے ہیں تو اس کی عمر وفا نہیں کرتی۔ چنانچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَ ازَّیَّنَتْ وَ ظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَیْهَاۤۙ اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَیْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِیْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِؕ (پ۱۱، یونس: ۲۴)

ترجمۂ کنزالایمان: یہاں تک کہ جب زمین نے اپنا سنگار لے لیا اور خوب آراستہ ہوگئی اور اس کے مالک سمجھے کہ یہ ہمارے بس میں آگئی ہمارا حکم اس پر آیا رات میں یا دن میں تو ہم نے اسے کر دیا کاٹی ہوئی گویا کل تھی ہی نہیں۔

دنیا کی مثال بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

وَ اضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِیْمًا تَذْرُوْهُ الرِّیٰحُؕ (پ۱۵، الکھف: ۴۵)

ترجمۂ کنزالایمان: اور ان کے سامنے زندگانی دنیا کی کہاوت بیان کرو جیسے ایک پانی ہم نے آسمان سے اتارا تو اس کے سبب زمین کا سبزہ گھنا ہو کر نکلا کہ سوکھی گھاس ہوگیا جسے ہوائیں اڑائیں۔

زُہد کی حقیقت:

زُہد درحقیقت دنیا کی حقیقی بادشاہت ہے، اسی لئے شیطان اس سے حسد کرتا اور انسان کو اس سے روکتا

ہے۔ زُہد کا معنیٰ یہ ہے کہ بندہ اپنے غصے اور خواہشات پر قابو پالے اور یہ دونوں باعثِ دینی اور اشارۂ ایمان کے تابع ہو جائیں۔ حقیقتاً انسان زُہد اختیار کر کے ہی بادشاہت کا مستحق ہوتا ہے کیونکہ اِس وقت وہ آزاد ہوتا ہے اور اگر اُس پر شہوت غالب آجائے تو وہ شرم گاہ، پیٹ اور تمام اعضاء کا غلام بن جاتا ہے۔ اِس صورتِ حال میں انسان چوپائیوں کی مثل بے بس و مجبور ہو جاتا ہے اور اس کے گلے میں پڑی شَہوت کی رسی سے شیطان جہاں چاہتا ہے اسے گھسیٹ کر لے جاتا ہے۔ انسان کتنے بڑے دھوکے کا شکار ہے کہ اس غلامی کو بادشاہت تصور کرتا ہے اور ایسا انسان دنیا اور آخرت دونوں جگہ رُسوا ہوتا ہے۔

زاہد اور دنیا دار بادشاہ:

ایک بادشاہ نے کسی عبادت گزار سے کہا: تمہاری کوئی حاجت ہو تو بتاؤ؟ زاہد نے کہا: ''تم سے کیسے حاجت طلب کروں جبکہ میری بادشاہت تم سے وسیع ہے۔ بادشاہ بولا: ایسا کیسے ممکن ہے؟ زاہد کہنے لگا: تم جس کے غلام ہو وہ خود میرا غلام ہے۔ بادشاہ نے کہا: کیسے؟ زاہد نے کہا: تم خواہش، غصے، شرم گاہ اور پیٹ کے غلام ہو جبکہ میں ان تمام کا مالک ہوں اور یہ میرے غلام ہیں۔

دنیا میں درحقیقت زاہد ہی بادشاہ ہے اور یہی اُخروی بادشاہت کے حُصول کی طرف گامزن ہے جبکہ شیطانی مَکْر وفَریب میں زندگی بسر کرنے والے دنیا وآخرت دونوں کے خسارے میں ہیں۔ جسے سیدھی راہ میں آنے والی مشکلات پر صبر کی توفیق عطا کی گئی وہ دنیا وآخرت میں کامیاب ہے۔ جب تم نے بادشاہت وحاکمیت اور بے بسی وغلامی کی حقیقت اور ان کی خامیوں اور شیطان کے مکر وفریب کو جان لیا تو اب دنیاوی بادشاہت وجاہ ومنزلت سے بچنا، اس سے منہ پھیر لینا، اس کے نہ ملنے پر صبر کرنا اور اس دنیاوی مال ومتاع کو چھوڑ کر اُخروِی بادشاہت کی امید کرنا تمہارے لئے آسان ہو جائے گا۔ جس بندے کو دنیاوی جاہ ومنزلت سے ایسی اُنسیت و محبت ہو کہ وہ اسی کے اسباب جمع کرنے میں خود کو لگائے رکھے تو اس شخص پر ان اُمور کا منکشف ہو جانا اور اس کا ان اُمور کو صرف جان لینا ہی کافی نہیں بلکہ ان پر عمل بھی ضروری ہے۔ عمل کے طریقے درج ذیل ہیں۔

دنیاوی مال ومتاع سے بے رغبتی کے طریقے:

دنیاوی مال ومتاع سے بے رغبتی اختیار کرنے کے تین طریقے ہیں:

...**پہلا طریقہ:** یہ ہے کہ انسان ایسی جگہوں سے دوری اختیار کرے تا کہ وہ اِن اَسباب کو دیکھ ہی نہ سکے کیونکہ اَسباب مہیا ہونے کی صورت میں صبر کرنا مشکل ہے جیسا کہ شَہوت کو اُبھارنے والی چیزوں کا مشاہدہ کرنے پر جب شہوت غالب آجائے تو وہاں سے دور ہونا مشکل ہے لیکن جو ایسا نہ کرے اس نے وُسعَتِ زمین کی ناشکری کی جو کہ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی ایک بڑی نعمت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ (پ۵، النسآء: ۹۷) ترجمۂ کنزالایمان: کیا **اللہ** کی زمین کُشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے۔

...**دوسرا طریقہ:** یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو خلافِ عادت اَفعال پر مجبور کرے تو عنقریب یہ مجبوری عاجزی میں بدل جائے گی۔ مثلاً کوئی بھی کام کرنے، رہائش اختیار کرنے، پہننے، کھانے اور اٹھنے بیٹھنے میں عام طور پر جو سہولیات پیشِ نظر رکھتا تھا ان کا الٹ کرے حتّٰی کہ نفس انہی کا عادی ہو جائے، یہی اس کا علاج ہے۔

...**تیسرا طریقہ:** یہ ہے کہ ایک دم عاجزی کی انتہا کو نہ پہنچ جائے بلکہ نرمی کے ساتھ آہستہ آہستہ نفس کو خلافِ عادت اَفعال کا عادی بنائے کیونکہ طبیعت کو ایک دم تبدیل کرنا ممکن نہیں بلکہ کچھ وقت لگتا ہے، آہستہ آہستہ تبدیل کرتا جائے حتّٰی کہ بعض عادات بدل جائیں۔ نفس ان کا عادی ہو جائے تو پھر دوسری عادات چھوڑنے کی کوشش کرے حتّٰی کہ نفس ان کا بھی عادی ہو جائے۔ یہ عمل مسلسل کرتا رہے یہاں تک کہ جو عادات اس میں راسخ تھیں وہ جڑ سے ختم ہو جائیں۔ سیِّدِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے درج ذیل دو فرامین اسی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

نرمی کے متعلق دو فرامین مصطفٰے:

﴿1﴾... یہ دین پختہ ہے نرمی کے ذریعے اس میں پختگی حاصل کرو اور **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی عبادت سے خود کو مُتَنَفِّر نہ کرو کہ ضرورت سے زیادہ کوشش سے تھکاوٹ کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔[1]

﴿2﴾... اس دین سے زور آزمائی نہ کرو، جو دین سے زور آزمائی کرے گا یہ اسے پچھاڑ دے گا۔[2]

1... الزھد لابن المبارک، باب ذکر اللہ، حدیث: ۱۱۷۸، ص ۴۱۵

2... بخاری، کتاب الایمان، باب الدین یسر، ۱/ ۲۶، حدیث: ۳۹، بتغیر قلیل

المسند للامام احمد بن حنبل، حدیث بریدۃ اسلمی، ۹/ ۱۲، حدیث: ۲۳۰۲۴

وسوسوں، خواہشات اور جاہ و منزلت سے بچنے کے ہم نے جو عِلاج بیان کئے ہیں انہیں ”رِیاضتِ نفس کے بیان“ میں ذکر کئے گئے مجاہدے کے قوانین کے ساتھ ملالو اور انہیں اچھی طرح ذہن نشین کرلو تاکہ ان کے ذریعے اُن تمام اَبحاث میں صَبر کے طریقے معلوم کرلو جو ہم پیچھے ذکر کر چکے ہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک کی تفصیل بہت زیادہ ہے۔

جو انسان بَتَدْرِیج اپنے صبر کو پختہ کرتا رہے تو ایک روز یہی صبر اِسے اُس مقام پر پہنچا دیتا ہے کہ اب اس پر صبر نہ کرنا شاق گزرتا ہے جیسا کہ پہلے صبر کرنا شاق گزرتا تھا۔ یعنی مُعاملات برعکس ہو جائیں گے جو چیزیں پہلے پسندیدہ تھیں اب ناپسند ہو جائیں گی اور جو اشیاء پہلے ناپسند تھیں اب ایسی محبوب ہو جائیں گی کہ ان سے رُکنا اب ممکن نہیں اور یہ بات تجرِبہ یا ذوق سے ہی سمجھی جاسکتی ہے۔ کسی بھی کام کو بتدریج کرنے کی عام سی مثال یہ ہے کہ بچے کو ابتداءً علم حاصل کرنے کے لئے جبراً بٹھایا جاتا ہے، کھیل کود سے باز رہ کر علم حاصل کرنا بچے پر دُشوار گزرتا ہے لیکن جب اس میں بصیرت پیدا ہوتی ہے تو اسے علم سے اُنسیت ہو جاتی ہے اور اب معاملہ برعکس ہو جاتا ہے کہ اب علم چھوڑ کر کھیل کود میں پڑ جانا اس پر شاق گزرتا ہے۔

مروی ہے کہ کسی بزرگ نے حضرت سیِّدُنا شیخ ابو بکر شِبْلی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی سے سب سے زیادہ دُشوار صبر کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ”اَلصَّبْرُ فِی اللہ“[1] اُن بزرگ نے کہا: ”نہیں۔“ آپ نے فرمایا: ”اَلصَّبْرُ لِلّٰہ“ انہوں نے کہا: ”نہیں۔“ آپ نے پھر فرمایا: ”اَلصَّبْرُ مَعَ اللہ“[2] کہا: ”نہیں۔“ حضرت سیِّدُنا شیخ ابو بکر شبلی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی کہنے لگے: ”آپ ہی بتا دیجئے۔“ تو اُن بزرگ نے فرمایا: ”اَلصَّبْرُ عَنِ اللہ“[3] اس پر حضرت سیِّدُنا شیخ ابو بکر شبلی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی نے ایسی زوردار چیخ ماری قریب تھا کہ آپ کی روح پرواز کر جاتی۔

1... ”اَلصَّبْرُ فِی اللہ“ سے مراد بُرے اخلاق سے چھٹکارا حاصل کرکے اچھے اخلاق اپنانا اور بھلائی کے کاموں میں مشغول ہونا ہے۔ (اتحاف السادۃ المتقین، ۱۱/ ۸۲)

2... ”اَلصَّبْرُ مَعَ اللہ“ سے مراد یہ ہے کہ انسان نیک اعمال کو اپنی طاقت و قوت کا کمال نہ سمجھے (بلکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف منسوب کرے)۔ (اتحاف السادۃ المتقین، ۱۱/ ۸۲)

3... ”اَلصَّبْرُ عَنِ اللہ“ سے مراد یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ بندے کو اپنا قرب عطا کرنے کے بعد اسے دور کر دے اور وہ اس پر صبر کرے (یعنی راہِ خدا سے انحراف نہ کرے)۔ (اتحاف السادۃ المتقین، ۱۱/ ۸۲)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ قف ترجمۂ کنزالایمان: صبر کرو اور صبر میں دشمنوں سے آگے رہو اور سرحد پر اسلامی ملک کی نگہبانی کرو۔

(پ۴، النسآء: ۲۰۰)

اس کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ "اِصْبِرُوْا فِی اللہ، وَصَابِرُوْا بِاللہ وَرَابِطُوْا مَعَ اللہ یعنی طاعتِ الٰہی کی بجا آوری کے دوران پیش آنے والی مشکلات پر صبر کرو، اللہ عَزَّوَجَلَّ کی مدد کو شاملِ حال رکھو اور اپنا تعلق اس کے ساتھ مضبوط رکھو۔"

ایک قول یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ "اَلصَّبْرُ لِلّٰہ" عنا (یعنی تکلیف و مشقت) ہے، "اَلصَّبْرُ بِاللہ" بقا ہے، "اَلصَّبْرُ مَعَ اللہ" وفا ہے اور "اَلصَّبْرُ عَنِ اللہ" ظُلم و جفا ہے۔ اسی بات کو شاعر کچھ یوں بیان کرتا ہے:

وَالصَّبْرُ فِیْ سَائِرِ الْاَشْیَاءِ مَحْمُوْدُ　　وَالصَّبْرُ عَنْکَ مَذْمُوْمٌ عَوَاقِبُہٗ

اِلَّا عَلَیْکَ فَاِنَّہٗ لَا یَجْمُلُ　　اَلصَّبْرُ یَجْمُلُ فِی الْمَوَاطِنِ کُلِّھَا

ترجمہ: الٰہی تجھ سے صبر (یعنی دوری) کا انجام مَذمُوم وبُرا ہے اور دیگر تمام اشیاء سے صبر کرنا پسندیدہ ہے۔

اے پَرْوَرْدگار! صبر ہر صورت میں بہتر ہے مگر تجھ سے صبر (یعنی دور رہنا) بہتر نہیں۔

صبر کے عُلوم واَسرار کی بحث یہاں ختم کرتے ہیں۔

دوسرا حصہ:

شکر

شکر کے تین اَرکان ہیں:

پہلا رُکن اس کی فضیلت، حقیقت، اقسام اور احکام کے بارے میں ہے۔ **دوسرا رُکن** نعمت کی حقیقت اور اس کی تمام اقسام کے بارے میں ہے۔ **تیسرا رُکن** اس بارے میں کہ صبر وشکر میں سے کون زیادہ فضیلت والا ہے۔

پہلا رکن: شُکر کی فَضِیلت، حقیقت، اَقسام اور اَحکام کا بیان

(اس میں چار فصلیں ہیں)

پہلی فصل: شُکر کی فضیلت

جان لیجئے! اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قرآن مجید میں جہاں اپنا ذکر فرمایا وہیں شکر کا بھی ذکر فرمایا اور یقیناً اللہ عَزَّوَجَلَّ

کا ذِکر بلند و بالا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ (پ٢١، العنکبوت:٤٥) ترجمۂ کنزالایمان: اور بے شک اللہ کا ذکر سب سے بڑا۔

شکر کے متعلق 10 فرامین باری تعالیٰ:

﴿1﴾...

فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِیْ وَ لَا تَكْفُرُوْنِ۠ ﴿۱۵۲﴾ (پ٢، البقرۃ:١٥٢) ترجمۂ کنزالایمان: تو میری یاد کرو میں تمہارا چرچا کروں گا اور میرا حق مانو اور میری ناشکری نہ کرو۔

﴿2﴾...

مَا یَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْ ؕ (پ٥، النسآء:١٤٧) ترجمۂ کنزالایمان: اور اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم حق مانو اور ایمان لاؤ۔

﴿3﴾...

وَ سَنَجْزِی الشّٰكِرِیْنَ ﴿۱۴۵﴾ (پ٤، اٰل عمرٰن:١٤٥) ترجمۂ کنزالایمان: اور قریب ہے کہ ہم شکر والوں کو صلہ عطا کریں۔

﴿4﴾... شیطان لعین کا قول حکایتاً بیان فرماتا ہے:

لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِیْمَ ۙ ﴿۱۶﴾ (پ٨، الاعراف:١٦) ترجمۂ کنزالایمان: (شیطان بولا) میں ضرور تیرے سیدھے راستہ پر ان کی تاک میں بیٹھوں گا۔

اس کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ شکر کا مرتبہ چونکہ بلند ہے لہٰذا یہی سیدھا راستہ ہے۔

﴿5﴾... شیطان لَعین نے مخلوق کے بارے میں طَعن کرتے ہوئے کہا:

وَ لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِیْنَ ﴿۱۷﴾ (پ٨، الاعراف:١٧) ترجمۂ کنزالایمان: اور (شیطان بولا) تو ان میں اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔

﴿6﴾... تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا:

وَ قَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾ (پ٢٢، سبا:١٣) ترجمۂ کنزالایمان: اور میرے بندوں میں کم ہیں شکر والے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے بندوں کے شکر پر ہی نعمت کی زیادتی کا ذکر فرمایا اپنی چاہت پر موقوف نہ رکھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿7﴾...

لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ (پ۱۳، ابراھیم:۷) ترجمۂ کنزالایمان: اگر احسان مانو گے تو میں تمہیں اور دوں گا۔

جبکہ دیگر اشیاء مثلاً دولت، دعا کی قبولیت، رزق، مغفرت اور توبہ کو اپنی چاہت پر موقوف رکھا۔ چنانچہ ان کے متعلق اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

فَسَوْفَ یُغْنِیْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ (پ۱۰، التوبۃ:۲۸) ترجمۂ کنزالایمان: تو عنقریب اللہ تمہیں دولت مند کر دے گا اپنے فضل سے اگر چاہے۔

فَیَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَیْهِ اِنْ شَآءَ (پ۷، الانعام:۴۱) ترجمۂ کنزالایمان: تو وہ اگر چاہے جس پر اسے پکارتے ہو اسے اٹھالے۔

اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ (پ۳، اٰل عمران:۳۷) ترجمۂ کنزالایمان: بے شک اللہ جسے چاہے بے گنتی دے۔

وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ (پ۵، النسآء:۴۸) ترجمۂ کنزالایمان: اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرمادیتا ہے۔

وَ یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ (پ۱۰، التوبۃ:۱۵) ترجمۂ کنزالایمان: اور اللہ جس کی چاہے توبہ قبول فرمائے۔

﴿8﴾... شکر رُبُوبِیَّت کے اخلاق میں سے ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِیْمٌ (پ۲۸، التغابن:۱۷) ترجمۂ کنزالایمان: اور اللہ قدر فرمانے والا حلم والا ہے۔

﴿9﴾... اہل جنت کا سب سے پہلا کلام کلماتِ شکر ہی پر مشتمل ہوگا۔ چنانچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ (پ۲۴، الزمر:۷۴) ترجمۂ کنزالایمان: اور وہ کہیں گے سب خوبیاں اللہ کو جس نے اپنا وعدہ ہم سے سچا کیا۔

﴿10﴾... اور فرماتا ہے:

وَ اٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۠ (۱۰) ترجمۂ کنز الایمان: اور ان کی دعا کا خاتمہ یہ ہے کہ سب خوبیوں سراہا (خوبیوں والا) اللہ جو رب ہے سارے جہان کا۔ (پ۱۱، یونس: ۱۰)

شکر کے متعلق پانچ فرامین مصطفٰے:

﴿1﴾... کھانے والا شکر گزار، صبر کرنے والے روزہ دار کی طرح ہے۔[1]

﴿2﴾... ایک مرتبہ حضرت سیِّدُنا عطاء بن ابورَباح رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ اُمّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی: ہمیں رحمتِ عالَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی وہ بات بتائیے جو آپ کو سب سے زیادہ پسند ہو۔ حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے اور فرمایا: حُضور اَکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم میں کوئی ایسی بات ہی نہیں جو پسندیدہ نہ ہو، ایک رات میرے پاس میرے بستر پر تشریف لائے اور میرے کمبل میں داخل ہوگئے حتّٰی کہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا جسمِ اقدس میرے جسم سے مل گیا، پھر فرمانے لگے: "اے ابوبکر کی بیٹی! میں اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے عرض کی: مجھے آپ کا قُرب محبوب ہے لیکن میری پسند آپ کی خواہش پر قربان، میں نے اجازت دے دی۔ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اٹھے اور مشکیزے کی طرف تشریف لے گئے، تھوڑے سے پانی سے وضو فرمایا اور نماز میں مشغول ہوگئے پھر آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی مبارک آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے حتّٰی کہ سینۂ اقدس تک آپہنچے، آپ نے رکوع فرمایا روتے رہے، سجدہ فرمایا اس میں بھی روتے رہے حتّٰی کہ سجدے سے سر اٹھانے کے بعد بھی آنسو نہ تھمے، اتنے میں حضرت بلال رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ حاضر ہوگئے اور انہوں نے نماز کے لئے پکارا تو میں نے عرض کی: "یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! کون سی چیز آپ کو رُلا رہی ہے حالانکہ آپ کے سبب اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ بخش دیئے۔" آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: کیا میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں! اور ایسا کیوں نہ کروں جبکہ میرے رب عَزَّوَجَلَّ نے مجھ پر یہ آیتِ مُبارکہ نازل فرمادی ہے:

1... سنن الترمذی، کتاب صفة القیامة، باب ۴۳، ۴/ ۲۱۹، حدیث: ۲۴۹۴

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ (پ۴، اٰل عمران: ۱۹۰)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کی باہم بدلیوں میں نشانیاں ہیں عقل مندوں کے لئے۔[1]

یقیناً یہ حدیثِ مُبارَک اس بات کی طرف راہ نمائی کرتی ہے کہ انسان اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں ہمیشہ آنسو بہاتا رہے۔ اگلی روایت میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک نبی عَلَیْہِ السَّلَام کسی چھوٹے سے پتھر کے پاس سے گزرے جس سے بہت زیادہ پانی بہہ رہا تھا، آپ عَلَیْہِ السَّلَام کو بڑا تعجب ہوا، اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس پتھر کو قوتِ گویائی عطا فرمائی تو وہ پتھر بولا: جب سے میں نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمان "وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ[2]" سنا ہے اس وقت سے خوف کے سبب میرے آنسو جاری ہیں۔ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں عرض کی: "مولا! اسے جہنم سے نجات عطا فرما۔" اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اسے نجات عطا فرمادی۔ کچھ عرصہ بعد جب دوبارہ اس پتھر کو دیکھا تو وہ اب بھی رو رہا تھا۔ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے پوچھا: "اب کیوں روتے ہو؟" اس نے عرض کی: "اُس وقت کا رونا خوف کے سبب تھا اور یہ شکر و خوشی کے آنسو ہیں۔"

انسان کا دل بھی پتھر کی طرح ہے یا اس سے بھی سخت اور اس کی سختی یونہی دور ہو سکتی ہے کہ انسان خوف و خوشی ہر حال میں ربّ تعالیٰ کی بارگاہ میں آنسو بہاتا رہے۔

﴿3﴾... قیامت کے دن پکارا جائے گا کہ "حَمَّادُوْن" کھڑے ہو جائیں تو ایک گروہ کھڑا ہو جائے گا، ان کے لئے ایک پرچم بلند کیا جائے گا اور وہ تمام لوگ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ عرض کی گئی: "حَمَّادُوْن" کون ہیں؟ فرمایا: جو لوگ ہر حال میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ادا کرتے ہیں۔[3]

ایک روایت میں ہے کہ "حَمَّادُوْن" وہ لوگ ہیں جو خوشحالی اور تنگی دونوں میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر کرتے ہیں۔[4]

1... الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الرقاق، باب التوبة، ۲/ ۸، حدیث: ۶۱۹

2... ترجمۂ کنزالایمان: جس (آگ) کے ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ (پ۲۸، التحریم: ۶)

3... تفسیر الطبری، پ۳۰، سورۃ الفجر تحت الآیة: ۲۲، ۱۲/ ۵۷۶، حدیث: ۳۷۱۸۶ مختصرًا
قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون: شرح مقامات الیقین، ۱/ ۳۴۵

4... شعب الایمان، باب فی تعدید نعم اللہ عزوجل وشکرھا، ۴/ ۹۱، حدیث: ۴۳۷۴، بتغیر قلیل
قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون: شرح مقامات الیقین، ۱/ ۳۴۵

﴿4﴾... اَلْحَمْدُ رِدَآءُ الرَّحْمٰن یعنی حمد رحمٰن عَزَّوَجَلَّ کی چادر ہے۔(1)

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت سیِّدُنا ایوب عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُوَالسَّلَام کی طرف وحی فرمائی کہ "میں اپنے پیاروں کے عمل کا بدلہ یہ دیتا ہوں کہ شکر کے سبب ان سے راضی ہوں۔" یونہی صبر کرنے والوں کے متعلق اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ عَلَیْہِ السَّلَام ہی کی طرف وحی فرمائی کہ "ان کا گھر اسلام ہے جب وہ اس میں داخل ہو جاتے ہیں تو میں انہیں بہتر کلام شکر کی تلقین کرتا ہوں اور جو شکر کرتا ہے میں اسے مزید توفیق عطا فرماتا ہوں اور ان کی طرف خاص نظر رحمت فرماتا ہوں۔"

﴿5﴾... جب زمینی خزانوں کے متعلق حکم نازل ہوا تو امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عُمَر فارُوقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے عرض کی: "ہم کونسا مال ذخیرہ کریں؟" حُضور سیِّدِ عالَم، محبوبِ ربِّ اَکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "تمہیں چاہئے کہ زبانیں ذکر سے اور دل شکر سے تر رکھو۔"(2)

حُضورِ اَکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے جمعِ مال کے بجائے دل کو شکر گزار بنانے کا حکم ارشاد فرمایا۔

حضرت سیِّدُنا ابن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: "اَلشُّکْرُ نِصْفُ الْاِیْمَان یعنی شکر نصف ایمان ہے۔"(3)

دوسری فصل: شکر کی تعریف اور حقیقت

جان لیجئے! شکر نیک لوگوں کے مَراتِب میں سے ایک مرتبہ ہے اور دین کے دیگر مراتب و مَقامات کی طرح شکر بھی علم، حال اور عمل پر مشتمل ہے۔ علم اَصْل ہے اس کے ذریعے حال وجود میں آتا ہے اور حال سے عمل وُجود پاتا ہے۔

علم، حال اور عمل:

علم سے مراد مُنْعِم یعنی نعمت عطا کرنے والے کی نعمت کو پہچاننا ہے، حال سے مراد وہ خوشی ہے جو نعمت ملنے پر حاصل ہو اور عمل سے مراد اس پر ثابت قَدَم رہنا ہے جو مُنْعِم کا مقصود و محبوب ہے اور اس عمل کا

1... تفسیر ابن ابی حاتم، سورۃ الفاتحۃ، تحت الآیۃ: ۱، ۱/ ۲۶، حدیث: ۱۱

2... شعب الایمان، باب فی محبۃ اللہ، فصل فی ادامۃ ذکر اللہ، ۱/ ۴۱۹، حدیث: ۵۹۰، مختصرًا

3... موسوعۃ ابن ابی الدنیا، الشکر للہ، ۱/ ۴۸۴، حدیث: ۵۷، فیہ: قول الشعبی

قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون: شرح مقامات الیقین، شرح مقام الشکر ووصف الشاکرین، ۱/ ۳۴۰

تعلق دل، اعضاء اور زبان تینوں کے ساتھ ہے۔

شُکر کی حقیقت کا مکمل اِحاطہ کرنے کے لئے ان تینوں کی تفصیل بیان کرنا ضروری ہے کیونکہ شکر کی جتنی بھی تعریفات کی گئیں وہ اس کے معانی کا پوری طرح احاطہ کرنے کے لئے ناکافی ہیں۔

شکر کے لئے تین اُمور کا "علم" ضروری ہے:

...**علم**: اس سے مراد تین اُمور پائے جانے کا یقین حاصل ہونا ہے: (۱)... نفسِ نعمت (۲)... وہ وجہ وسبب جس کے ذریعے بندہ نعمت کا مستحق ہو اور (۳)... مُنعِم کی ذات کا اور اس میں ان صِفات کا پایا جانا ضروری ہے جن کے ذریعے وہ انعام دینے کا اہل ہو اور اس کی طرف سے انعام صادر ہو۔

پس غیرُاللہ کے حق میں یہ علم (یعنی یقین) اسی وقت حاصل ہو گا جبکہ یہ تینوں اُمور پائے جائیں۔ بہرحال اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حق میں یہ یقین رکھنا چاہئے کہ وہی حقیقی مُنعِم ہے، تمام نعمتیں وہی عطا فرماتا ہے اور تمام واسطے اسی کے بنائے ہوئے ہیں۔ یہ یقین توحید وتَقدِیس سے بڑھ کر ہے کیونکہ توحید وتقدیس اس میں داخل ہیں۔

معارِفِ ایمان کے دَرَجات:

معارفِ ایمان میں پہلا درجہ تقدیس باری تعالیٰ کا ہے۔ پھر جب اس ذات کے مقدس ہونے کی معرِفت حاصل ہو جائے تو یہ معرفت بھی حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ مقدس ذات یکتا ہے اور پاکی میں کوئی اس کا ہمسر نہیں، یہی عقیدۂ توحید ہے۔ اس کے بعد یہ معرِفت حاصل ہوتی ہے کہ دنیا میں جو کچھ موجود ہے اسی کی عطا ہے، ہر شے اسی کی نعمت ہے، یہ مَعْرِفَت کا تیسرا دَرَجہ ہے کیونکہ اس میں تقدیس و توحید کی معرفت کے ساتھ ساتھ باری تعالیٰ کے کمالِ قدرت اور اپنے اَفعال میں یکتا ہونے کا بھی علم ہو جاتا ہے۔

درج ذیل اَحادیثِ مُبارَکہ میں اسی چیز کو بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ رسولِ کریم، رَءُوْفٌ رَّحیم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمان ہے:

توحید و تقدیس کے متعلق تین فرامین مصطفٰے:

﴿1﴾... جس نے "سُبْحَانَ اللہ" کہا اس کے لئے دس نیکیاں ہیں، جس نے "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ" کہا اس کے لئے بیس

نیکیاں ہیں اور جس نے ”اَلْحَمْدُ لِلّٰہ“ کہا اس کے لئے تیس نیکیاں ہیں۔[1]

﴿2﴾... سب سے افضل ذکر ”لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ“ ہے اور سب سے افضل دعا ”اَلْحَمْدُ لِلّٰہ“ ہے۔[2]

﴿3﴾... کوئی ذکر (ثواب کو) اتنا نہیں بڑھاتا جتنا کہ ”اَلْحَمْدُ لِلّٰہ“ کہنا بڑھاتا ہے۔

لفظوں کے تلفظ پر ہی نہیں معنی پر بھی غور کرو:

تمہیں یہ گمان نہیں کرنا چاہئے کہ فقط زبان کو حرکت دے کر یہ کلمات پڑھنا کافی ہے، دل میں ان کے معانی کا حصول ضروری نہیں (بلکہ کوشش کرو کہ دل میں ان کے معانی کی معرفت بھی ہو کہ) ”سُبْحَانَ اللّٰہ“ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی پاکی پر دلالت کرتا ہے اور ”لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ“ اس کی وحدانیت پر اور ”اَلْحَمْدُ لِلّٰہ“ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ نعمت اسی واحدِ حق تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ نیکیاں درحقیقت ان معارِف کے مقابلے میں ہیں جو ایمان اور یقین سے ہیں۔

جان لیجئے کہ مذکورہ تمام معارِف اَفعال میں شرکت سے منع کرتے ہیں۔ مثلاً کسی شخص کو بادشاہ نے انعام سے نوازا تو اگر وہ شخص اس نعمت کے ملنے میں بادشاہ کے ساتھ اس کے وزیر یا وکیل کا بھی دَخل جانے تو یہ ہے نعمت میں کسی کو شریک کرنا۔ اس صورت میں وہ شخص صرف بادشاہ کی طرف سے نعمت شمار نہیں کرتا بلکہ بادشاہ کے علاوہ دوسرے کی طرف سے بھی شمار کرتا ہے، اس کی خوشی بھی دونوں پر تقسیم ہوگی اور ایسا شخص بادشاہ کو بادشاہت میں یکتا تصوُّر نہیں کرتا۔ البتہ بادشاہ کی یکتائی اور کمالِ شکر میں اس وقت کوئی کمی نہ ہوگی جبکہ وہ نعمت ملنے کی وجہ صرف اور صرف اس واقعہ کو تصور کرے جس دوران بادشاہ نے دستخط کئے کیونکہ کاغذ و قلم بادشاہ کے تابع ہیں لہٰذا نہ تو وہ ان دونوں کی وجہ سے خوش ہوگا اور نہ ہی ان کا شکریہ ادا کرے گا۔ یونہی وکیل اور وزیر بھی نعمت پہنچانے میں بادشاہ کے حکم کے محتاج ہیں، اگر مُعاملہ ان کے سپرد کیا جائے اور بادشاہ کی طرف سے حکم نہ ہو تو انجام کے خوف سے یہ کبھی کوئی چیز نہ دیں۔ جب یہ بات جان لی گئی تو ظاہر ہو گیا کہ وزیر بھی کاغذ و قلم کی طرح محض بادشاہ کا تابع ہے اور نعمت کی نسبت خالصتاً بادشاہ کی طرف ہے کوئی اس کا شریک نہیں۔

1... قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون: شرح مقامات الیقین، ١/ ٣٤٣

2... سنن الترمذی، کتاب الدعوات، باب ماجاء ان دعوة المسلم مستجابة، ٥/ ٢٤٨، حدیث: ٣٣٩٤

دینے میں اپنا ہی بھلا ہے:

جو شخص ذاتِ باری تعالیٰ اور اس کے افعال سے واقف ہے وہ اس بات کا یقین رکھتا ہے کہ سورج، چاند، تارے اسی کے اختیار میں ہیں جیسے کاتب کے ہاتھ میں قلم، جن جانداروں کو اختیار دیا گیا ہے وہ بھی در حقیقت تحتِ قدرتِ الٰہی ہیں کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی نے ان کے لئے (اچھے بُرے) اَفعال کے دَواعی مُقَرَّر کئے ہیں جسے چاہیں اختیار کریں۔ ان کا معاملہ اُس مجبور وزیر کی طرح ہے جس کے لئے بادشاہ کی مخالفت کا کوئی راستہ نہیں ہوتا، اگر اسے آزاد چھوڑ دیا جائے اور پوچھ گچھ نہ کی جائے تو وہ تجھے ایک ذرّہ بھی نہ دے۔ لہٰذا جو کچھ تجھے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمتوں میں سے کسی کے ذریعے ملا تو وہ اس پر لازم کیا گیا تھا کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس کے لئے ارادہ لکھ دیا تھا، اسباب جمع کر دیئے تھے اور اس کے دل میں یہ بات ڈال دی تھی کہ اُس کے لئے دنیا اور آخرت کی بھلائی اسی میں ہے کہ جو کچھ تجھے دینا ہے دے دے، اس کے بغیر دُنیوی واُخروی مقصد کا حُصول ممکن نہیں۔ پھر جب اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کے دل میں یہ بات ڈال دیتا ہے تو اس کے لئے اِس سے منہ موڑنے کا کوئی راستہ نہیں ہوتا اور اس وقت وہ اپنی وجہ سے تجھے دیتا ہے نہ کہ تیری حاجت کو دیکھتے ہوئے اور اگر دینے میں اس کی غَرَض نہ ہوتی اور وہ یہ بات نہ جانتا کہ تجھے نَفْع پہنچانے میں اس کا نفع ہے تو نہ وہ تجھے دیتا اور نہ ہی تجھے نفع پہنچاتا۔ معلوم ہوا کہ وہ تجھے نفع پہنچا کر اپنے لئے نفع طلب کرتا ہے۔ وہ تجھے نوازنے والا نہیں بلکہ دوسری نعمت کے حُصول میں تجھے وسیلہ بناتا ہے جس کی امید لگائے بیٹھا ہے۔ جس ذات نے تجھ پر انعام کیا اسی نے اس شخص کو تجھ پر مہربان کیا اور اس کے دل میں وہ اعتقاد وارادہ پیدا کر دیا جس کے سبب وہ تجھے دینے پر مجبور ہو گیا۔

اگر تو نے ان تمام اُمور کو یوں جان لیا تو ربّ تعالیٰ کو اور اس کے افعال کو پہچان لے گا اور اس کی وَحدانیت تجھ پر واضح ہو جائے گی اور تو اس کے شکر پر قدرت حاصل کر لے گا بلکہ اس معرِفت کے بعد ہی تو شکر گزار بندہ بن جائے گا۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے شکر کی کیا صورت ہے؟

حضرت سیِّدُنا موسٰی کلیمُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے اپنی دعا میں اللہ عَزَّوَجَلَّ سے عرض کی: مولیٰ! تو نے آدم عَلَیْہِ السَّلَام کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا، فلاں فلاں کام تو نے ہی کیا تو تیرے شکر کی کیا

صورت ہے ؟ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے فرمایا: ”جان لو! ہر شے کا خالق میں ہوں، اس بات کا یقین ہی شکر ہے۔“

بس اے بندے! تیرا شکر ادا کرنا بھی اس بات کو جان لینے میں ہے کہ ہر چیز کا مالک اللہ عَزَّوَجَلَّ ہے، اس بارے میں اگر تو نے ذرا بھی شک کیا تو نہ تو نے نعمت کو پہچانا اور نہ ہی مُنْعِم (یعنی نعمت عطا کرنے والے) کو اور اس حالت میں تو مُنْعِم کے علاوہ سے بھی خوشی و رضا کا اظہار کرتا ہے۔ تیری معرفت ناقص ہونے کی وجہ سے اس حال میں تیرا خوش ہونا اور عمل کرنا سب ناقص ہے۔

شکر کے لئے بندے کی حالت:

...**حال:** اس سے مراد وہ حالت ہے جو معرِفت کے بعد حاصل ہو یعنی عاجزی و اِنکساری کے ذریعے مُنْعِم کے لئے خوشی کا اظہار کرنا اور یہ فعل فی نفسہٖ مَعْرِفَت کی طرح شکر ہے لیکن معرفت کا حُصول شرط کے پائے جانے پر (ربّ تعالیٰ کا) شکر ہے اور اس کی شرط یہ ہے کہ انسان کی خوشی مُنْعِم کی ذات سے وابستہ ہو نہ کہ نعمت وانعام سے۔ تمہارے لئے اس کا سمجھنا شاید تھوڑا مشکل ہو لہٰذا ہم مثال کے ذریعے واضح کرتے ہیں۔

انعام ملنے پر خوشی کی تین صورتیں:

ایک بادشاہ جس نے سفر کا ارادہ کیا ہو وہ کسی شخص کو گھوڑا انعام میں دے تو اس شخص کی خوشی کی تین صورتیں ہوں گی:

...**پہلی صورت:** یہ ہے کہ وہ شخص گھوڑا ملنے پر اس لئے خوش ہو کہ گھوڑا نفع بخش ہے اور اس پر سواری کی جاسکتی ہے جو کہ سفر کی حاجت ہے اور عمدہ نسل ہے۔ اس خوشی میں بادشاہ کی ذات کو کوئی دخل نہیں اس کا مقصود صرف گھوڑا ہے کہ اگر وہ اسے کسی صحرا میں پاتا اور حاصل کرلیتا تو اس وقت بھی اسے ایسی ہی خوشی ہوتی۔

...**دوسری صورت:** یہ ہے کہ وہ اس پر محض گھوڑا ہونے کی وجہ سے خوش نہ ہو بلکہ اس کی خوشی کا پہلو یہ ہو کہ اس کے ذریعے بادشاہ نے اس پر شفقت وعنایت کی ہے حتّٰی کہ اسے گھوڑے سے اس قدر عدمِ دلچسپی ہو یا بادشاہ کی نظروں میں مقام پانے کی خواہش میں اس کی نظر میں گھوڑا اس قدر بے وَقْعت ہو کہ اگر یہ اسے کسی صحرا میں ملتا یا بادشاہ کے علاوہ کوئی دیتا تو اسے بالکل خوشی نہ ہوتی۔

تیسری صورت: یہ ہے کہ اس کے ملنے پر اس لئے خوش ہو کہ بادشاہ کی خدمت کے لئے اس پر سوار ہو گا اور بادشاہ کا قرب حاصل کرنے اور اس کی خدمت کے لئے سفر کی مَشَقَّت برداشت کرے گا کہ اس خدمت کے سبب بادشاہ کی نظروں میں ترقی پاتے ہوئے منصبِ وَزارت حاصل کرلے۔ کیونکہ اس کا مقصود بادشاہ کے دل میں صرف اتنی ہی جگہ بنانا نہیں کہ بادشاہ اسے گھوڑے سے نوازے بلکہ وہ تو اس بات کا طلب گار ہے کہ کسی کو بھی انعام دینے کے لئے بادشاہ کا قاصد یہ خود ہو اور اس بات سے اس کا مقصود وزارت حاصل کرنا بھی نہیں بلکہ یہ تو بادشاہ کا قرب اور اس کی نظروں میں رہنا چاہتا ہے حتّٰی کہ اگر اسے وزارت اور بادشاہ کے قُرب میں سے کوئی ایک چیز چننے کو کہا جائے تو یہ بادشاہ کا قرب اختیار کرے۔

یہ تین صورتیں در حقیقت حال کے تین دَرَجات ہیں۔ پہلے درجے میں شکر موجود ہی نہیں کیونکہ نعمت ملنے والے کی نظر صرف گھوڑے پر تھی اسے اس بات کی خوشی تھی کہ گھوڑا ملا ہے دینے والے سے کوئی غرض نہیں۔ یہ حال ہر اس شخص کا ہے جو کسی نعمت کے ملنے پر صرف اس لئے خوش ہوتا ہے کہ یہ لذیذ ہے اور غرض کے مُوافِق ہے، اس میں کسی طرح بھی شکر کا معنی نہیں پایا جاتا۔ دوسرے درجے میں خوشی کا تعلق مُنْعِم (یعنی نعمت عطا کرنے والے) سے ہے اس اعتبار سے اس میں شکر بھی داخل ہے لیکن یہ تعلق مُنعِم کی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی شفقت وعنایت کی وجہ سے ہے جو کہ آئندہ بھی اسے انعام لینے پر اُبھارتا ہے۔ یہ حال اُن صالحین کا ہے جو اس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اور ثواب کی امید رکھتے ہوئے اس کی عبادت و شکر بجالاتے ہیں۔ شکر بھی کامل ہو اور خوشی کا اظہار بھی ہو تو یہ تیسرا درجہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمت پر بندہ اس وجہ سے خوش ہو کہ اس کے ذریعے مجھے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قرب پانے، اس کے جوارِ رحمت میں جگہ حاصل کرنے اور ہمیشہ ہمیشہ اس کی طرف متوجہ رہنے میں مدد ملے گی۔ یہ درجہ سب سے بلند ہے، اس کی علامت یہ ہے کہ بندہ دنیا میں صرف انہی چیزوں سے خوش ہو جو آخرت کے لئے نفع بخش اور مددگار ہوں اور ہر اس چیز سے غمزدہ ہو جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر سے غافل کرے اور اس کے راستے سے روکے کیونکہ وہ نعمت سے لذت کا ارادہ نہیں کرتا جیسا کہ (تیسری صورت میں) گھوڑا پانے والے شخص کا مقصود گھوڑے کا فَرْبَہ و عمدہ نسل ہونا نہیں بلکہ اس کے ذریعے بادشاہ کی صحبت میں حاضر ہونا تھا تاکہ ہمیشہ بادشاہ کے قریب اور اس کی نظروں میں رہے۔

حقیقی شکر کیا ہے؟

...حضرت سیِّدُنا شیخ ابو بکر شِبْلی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی فرماتے ہیں: شکر یہ ہے کہ نظر نعمت عطا کرنے والے پر ہو نہ کہ نعمت پر۔

...حضرت سیِّدُنا ابو اسحاق ابراہیم بن احمد خَوّاص عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْجَوَاد فرماتے ہیں: عام لوگ کھانے، پینے اور پہننے (یعنی ظاہری اشیاء) پر شکر کرتے ہیں جبکہ خاص لوگ دل پر وارد ہونے والے معانی پر شکر کرتے ہیں۔

وہ شخص اس درجہ کو ہرگز نہیں پاسکتا جس کے پیشِ نظر پیٹ، شرم گاہ اور دیگر رنگ و آواز والی حِسّی اشیاء کی لذات ہوں اور وہ قلبی لذات سے محروم ہو کیونکہ اچھے اخلاق سے مُزَیَّن دل اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر، اس کی معرِفت اور اس سے ملاقات کے شوق میں ہی لذت پاتا ہے اور ان کے علاوہ سے دل اُسی وقت لذت محسوس کرتا ہے جب بُری عادات کے سبب خراب ہو چکا ہو۔ مثلاً بعض لوگوں کو مٹی کھانے سے لذت ملتی ہے اور بیمار میٹھی اشیاء کو بدمزہ اور کڑوی اشیاء کو ذائقہ دار سمجھتے ہیں۔ اسی بارے میں شاعر کہتا ہے:

وَمَنْ یَّکُ ذَا فَمٍ مُّرٍّ مَرِیْضٌ   یَجِدْ مُرًّا بِہِ الْمَآءَ الزُّلَالَا

ترجمہ: جو مریض کی طرح کڑوے منہ والا ہو وہ میٹھے پانی کو بھی کڑوا پاتا ہے۔

لہٰذا نعمتِ الٰہی پر خوش ہونے کے لئے تیسرے درجے کا پایا جانا شرط ہے۔ البتہ اگر اونٹ نہ ملے تو بکری ہی کافی ہے یعنی اگر تیسرا درجہ حاصل نہ ہوسکے تو دوسرے درجے کا پایا جانا ضروری ہے۔ جہاں تک پہلے درجے کا تعلق ہے وہ تو کسی حساب میں ہی نہیں اور گھوڑے کے حُصول کے لئے بادشاہ کی خدمت کرنے والے اور بادشاہ کی خدمت کے لئے گھوڑا حاصل کرنے والے کے درجوں میں جس طرح فرق ہے اسی طرح نعمت حاصل کرنے کے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف متوجہ ہونے والے اور ربّ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے نعمت طلب کرنے والے کے درمیان فرق ہے۔

شکر کے لئے بندے کا عمل:

...**عمل:** اس سے مراد یہ ہے کہ مُنعِم کی پہچان ہونے پر حاصل ہونے والی خوشی کے مطابق عمل کرنا۔

مختلف اعضاء کا شکر:

اس عمل کا تعلق دل، زبان اور اعضاء تینوں کے ساتھ ہے۔ دل کے ساتھ اس طرح ہے کہ بھلائی کا ارادہ کرے اور اسے ہر ایک پر ظاہر نہ کرے، زبان کے ساتھ اس کا تعلق اس طرح ہے کہ شکر کا اظہار کرتے ہوئے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ایسی حمد کرے جو اس کی خوشی پر دلالت کرے اور اعضاء کے ساتھ اس طرح کہ اس نعمت کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طاعت وفرمانبرداری کے لئے استعمال میں لائے اور اس کی نافرمانی والے کاموں میں اس سے مدد نہ لے۔ اس کے مطابق آنکھوں کا شکر یہ ہے کہ مسلمان کا جو بھی عَیب دیکھے اسے چھپائے، کانوں کا شکر یہ ہے کہ کسی کا عیب سن لے تو اسے چھپائے۔ یہ طریقہ اعضاء کے ذریعے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی تمام صورتوں میں جاری ہوتا ہے۔ زبان سے شکر ادا کرنے سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رضا پر راضی رہنے کا اظہار ہوتا ہے جس کا بندے کو حکم دیا گیا ہے۔

اپنی گفتگو میں بھی شکر کا اظہار کرو!

سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے کسی شخص سے پوچھا: ”تم نے کس حال میں صبح کی؟“ اس نے عرض کی: ”اچھی حالت میں۔“ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے پھر یہی سوال کیا حتّٰی کہ جب تیسری مرتبہ پوچھا تو اس نے عرض کی: ”میں نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی حمد اور اس کا شکر بجالاتے ہوئے اچھی حالت میں صبح کی۔“ اس پر حُضورِ اَکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”میں تم سے یہی کلمات سننا چاہتا تھا۔“[1]

خیریت پوچھنے میں شکر کا اظہار:

اَسلاف کرام رَحِمَهُمُ اللّٰہُ السَّلَام جب باہم ملاقات فرماتے تو ایک دوسرے کی خیریت دریافت کیا کرتے تھے اور اس سے ان کا مقصد سامنے والے سے شکر کا اظہار کروانا ہوا کرتا تھا تاکہ شکر کرنے والا اور اس کا اظہار کروانے والا دونوں فرمانبردار بن جائیں۔ اس اظہارِ شوق سے ان کا مقصد ہر گز ریاکاری و دکھاوا نہیں ہوتا تھا۔

1... الزھد لابن مبارک، باب ذکر رحمۃ اللہ، ص۳۲۸، حدیث: ۹۳۷

جب بھی کسی بندے سے اس کی طبیعت دریافت کی جائے تو اس کی تین حالتیں ہوتی ہیں: (۱)...وہ شکر کرتا ہے یا (۲)... شکوہ یا پھر (۳)...خاموش رہتا ہے۔ شکر طاعت و فرمانبرداری میں داخل ہے اور شِکْوَہ کسی نیک شخص کے متعلق ہو تو مکروہ فعل ہے اور اگر اس ذات کے متعلق کیا جائے جو بادشاہوں کا بادشاہ اور ہر شے کا مالک ہے اور وہ بھی بندے سے جو خود اس کی مخلوق ہے کسی چیز پر قادر نہیں تو یہ انتہائی قَبِیْح ہے۔ یقیناً اگر انسان پیش آنے والی آزمائشوں و مصیبتوں پر صبر نہ کر سکے تو کمزوری اسے شکوہ کرنے پر مجبور کر دیتی ہے ایسے وقت میں اپنی پریشانی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں پیش کرنا ہی مناسب ہے کہ آزمائش میں مبتلا کرنے اور اسے دور کرنے پر وہی قادر ہے۔ اپنے مالکِ حقیقی کے سامنے جھکنے والا شخص بلند مرتبہ جبکہ اس کے غیر سے شکایت کرنا اپنی عزت خاک میں ملانا ہے کیونکہ اپنی ہی مثل انسان کے سامنے ذِلَّت کا اظہار انتہائی بُرا فعل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَ اعْبُدُوْهُ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ ؕ (پ۲۰، العنکبوت:۱۷)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک وہ جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو تمہاری روزی کے کچھ مالک نہیں تو اللہ کے پاس رزق ڈھونڈو اور اس کی بندگی کرو اور اس کا احسان مانو۔

اور ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ (پ۹، الاعراف:۱۹۴)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک وہ جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو تمہاری طرح بندے ہیں۔

معلوم ہوا کہ زبان سے شکر ادا کرنا بھی شکر کی ایک قسم ہے۔

عادل حکمران کا شکریہ ادا کرنا:

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت سیِّدُنا عُمَر بن عبدُ العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْعَزِیْز کی بارگاہ میں ایک قافلہ حاضر ہوا اور ایک نوجوان کچھ کہنے کے لئے کھڑا ہوا تو آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: ”کوئی بڑا کلام کرے۔“ وہ نوجوان کہنے لگا: امیر المؤمنین! اگر معاملہ عُمَر کا ہے تو مسلمانوں کا امیر آپ سے بڑا کوئی ہونا چاہئے تھا۔ آپ نے فرمایا: ”کہو کیا کہنا ہے۔“ اس نے عرض کی: ”یہاں ہمیں نہ کسی چیز کی رغبت لائی ہے اور نہ ہی آپ کا خوف کیونکہ آپ کے فضل کے سبب ہمیں کسی چیز کی خواہش باقی نہ رہی اور آپ کے عدل کے سبب ہم آپ

سے خوف زدہ نہیں، ہم تو حاضر ہوئے ہیں کہ زبان سے آپ کا شکریہ ادا کریں اور چلے جائیں۔"
علم، حال اور عمل میں سے عمل ہی شکر کے معانی کو اس کی مکمل حقیقت کے ساتھ گھیرے ہوئے ہے۔ لہٰذا

شکر کی پانچ تعریفات:

﴿1﴾... جس نے کہا کہ "طاعت وفرمانبرداری کے ذریعے مُنْعِم کی نعمت کا اعتراف کرنا شکر ہے۔"
تو یہ تعریف زبان و دل کی حالت کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے کی گئی ہے۔
﴿2﴾... جس نے کہا کہ "احسان کرنے والے کے احسان کا ذکر کر کے اس کی تعریف کرنا شکر ہے۔"
تو یہ تعریف صرف زبان کی طرف نظر کرتے ہوئے کی گئی ہے۔
﴿3﴾... ایک قول یہ ہے کہ "مُنْعِم کے فضل وانعام کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمیشہ اس کی تعظیم کرنا شکر کہلاتا ہے۔"
اس تعریف میں زبانی شکر کے علاوہ شکر کی اکثر صورتیں شامل ہیں۔
﴿4﴾... حضرت سیِّدُنا ابو صالح حَمْدُون بن احمد نیسابُوری رَحْمَۃُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: "نعمت کا شکر یہ ہے کہ تو نعمت کو اپنی طرف منسوب کرنے کے بجائے مُنْعِم کی طرف منسوب کرے۔"
آپ کی اس تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ شکر کا تعلق صرف معرِفت (یعنی علم) کے ساتھ ہے۔
﴿5﴾... حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللهِ الْھَادِی فرماتے ہیں: "شکر یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو نعمت کے قابل نہ سمجھے۔"
آپ کی تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ دل کی ایک خاص کیفیت کا نام شکر ہے۔

شکر کی تعریف میں بیان کئے گئے یہ تمام اَقوال ہر ایک کی اپنی کیفیت وحالت کے مطابق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شکر کے بارے میں پوچھے گئے سُوالات کے متعلق ان کے جوابات الگ الگ ہوا کرتے تھے۔ کبھی تو ایک ہی شخص کے دو جواب ہوا کرتے کیونکہ کبھی وہ اپنے آپ پر طاری ہونے والی مخصوص حالت یعنی فُضُولیات سے بچنے والے شخص کی حالت کے مطابق کلام کرتے اور کبھی سائل کی حالت کے مطابق صرف اسی قدر کلام کرتے جتنی اسے حاجت ہوتی۔

یہ تعریفات اور جو شرح ہم نے ذکر کی ہے اس سے ہر گز کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہمارا مقصود ان پر طَعْن کرنا

ہے اور ہماری بیان کردہ شرح کے ساتھ یہ تعریفات ان پر پیش کی جاتیں تو وہ انکار کر دیتے، ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ کوئی عاقل شخص اس کے انکار کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ البتہ لفظی اختلاف کی بنا پر یہ بحث کی جاسکتی ہے کہ ان الفاظ سے کی گئی شکر کی تعریف کیا شکر کے تمام معانی کو شامل ہے یا بعض مخصوص معانی کو شامل ہے اور بقیہ معانی اس کے تابع ولازم ہیں؟ اور اس مقام پر ہمارا مقصد لفظوں کے لغوی معانی کی شرح کرنا نہیں ہے کیونکہ اس کا آخرت کے علم سے کوئی تعلق نہیں۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنی رحمت سے توفیق دینے والا ہے۔

تیسری فصل: شکر سے روکنے والی اشیاء دور کرنے کا طریقہ

شاید تمہارے دل میں یہ بات آئے کہ شکر اسی کا کیا جائے جو نعمت عطا کرے تاکہ وہ اس سے نفع حاصل کرے اسی لئے ہم بادشاہوں کا شکر کبھی ان کی تعریف کے ذریعے کرتے ہیں تاکہ دلوں میں ان کا مقام و مرتبہ اور زیادہ ہو اور لوگوں کے درمیان ان کی بُزرگی میں اضافہ ہو تو اس سے ان کی عزت و عظمت زیادہ ہوتی ہے، کبھی خدمت کے ذریعے یعنی ان کے مقاصد کی تکمیل میں خود کو پیش کر کے ان کا شکر ادا کرتے ہیں اور کبھی ان کے سامنے خُدّام کی صورت میں کھڑے ہو کر ان کا شکر ادا کرتے ہیں جس سے ان کی جماعت میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ ان کی عزت میں اضافے کا سبب ہے۔ بادشاہوں کا شکر انہی وُجوہات میں سے کسی ایک کی بنا پر کیا جاتا ہے اور یہ تمام صورتیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حق میں دو وجہوں سے محال ہیں:

...**پہلی وجہ:** یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ فائدے، غرض اور خدمت و مدد کی محتاجی سے پاک ہے اور تعریف و توصیف کے ذریعے اس کی عزت و عظمت کا چرچا کیا جائے یا خادموں کی صورت میں اس کے سامنے حالتِ رُکوع و سجود میں کھڑے ہو کر اس کی جماعت میں اضافہ کیا جائے تو وہ اس محتاجی سے بھی پاک ہے۔ ہمارے شکر بجا لانے میں اس کی کوئی خوشی و غَرَض نہیں اس کے باوُجود ہم اسی کا شکر ادا کرتے ہیں اور ہمارا شکر ادا کرنا ایسا ہی ہے جیسے ہم انعام واکرام سے نوازنے والے بادشاہ کا شکر اس وقت ادا کریں جب وہ ہماری نظروں سے غائب ہو اور اس کے بارے میں کچھ علم نہ ہو۔ اس وقت ہم چاہیں تو اپنے گھروں میں سو جائیں، سجدے کریں یا رکوع کریں اس میں بادشاہ کی نہ تو خوشی ہے نہ کوئی غرض۔ یونہی ہمارے کسی بھی فعل سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کو کوئی غرض نہیں۔

...**دوسری وجہ:** یہ ہے کہ ہمارا آپس میں لین دین کرنا بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمتوں میں سے ہے کیونکہ ہمارے

اعضاء، قدرت، ارادے اور ہماری حرکات وسکنات کا سبب بننے والے تمام اُمور اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کی پیدا کردہ نعمتیں ہیں تو اسی کی نعمت سے نعمت کا شکر کیسے ادا کریں...؟ مثلاً اگر بادشاہ کوئی سُواری انعام میں دے، ہم اس کے ذریعے دوسری سواری حاصل کر کے اس پر سوار ہوں یا بادشاہ خود ہی دوسری سواری سے بھی نواز دے تو یہ دوسری سواری ہماری طرف سے پہلی کا شکریہ شمار نہیں کی جائے گی بلکہ یہ ایک اور نعمت ہے جو پہلی کی طرح شکریہ کی محتاج ہے۔ معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کی نعمت کا شکر اسی کی عطا کی گئی دوسری نعمت سے ہی ممکن ہے۔

ان دونوں وجوہات سے معلوم ہو گیا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا ناممکن ومحال ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ غرض سے پاک ہے اور اسے کسی کی مدد کی حاجت نہیں اور اس کی نعمت کا شکر ادا کرنا بھی ممکن نہیں لیکن شریعت نے ہمیں شکر کا حکم دیا ہے تو اس معاملے میں شریعت کی پاسداری کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ اس حوالے سے یہ جاننا ضروری ہے کہ جب حضرت سیِّدُنا داوٗد اور حضرت سیِّدُنا عیسٰی عَلَیْہِمَا السَّلَام کے دل میں اسی طرح کا خیال پیدا ہوا تو آپ نے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی: ''مولیٰ! میں تیرا شکر کیسے ادا کروں؟ حالانکہ تیرا شکر تیری ہی دی ہوئی دوسری نعمت سے ممکن ہے۔'' ایک روایت میں یوں ہے: ''تیرا شکر تو تیری ہی دی ہوئی دوسری نعمت ہے جو مجھ پر ایک اور شکر لازم کر دے گی۔'' اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان کی طرف وحی فرمائی: ''(ہر چیز کا خالق میں ہوں) تمہارا اس بات کو جان لینا ہی تمہاری طرف سے میرا شکر ہے۔'' ایک روایت میں یوں ہے: ''تمہارا اس بات کو جان لینا اور اس پر راضی رہنا ہی شکر کے لئے کافی ہے کہ نعمت کا خالق میں ہوں۔''

وحدانیتِ باری تعالیٰ کے دو گروہ:

اگر تم یہ سوال کرو کہ میں نے انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کا سوال تو سمجھ لیا لیکن ان کی طرف کی گئی وحی سمجھ نہیں آئی کیونکہ یہ تو معلوم ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر مُحال ہے لیکن اس بات کا علم ہونا ہی شکر ہے یہ بات سمجھ نہیں آئی کیونکہ اس بات کا علم ہونا بھی اس کی ایک نعمت ہے تو نعمت کیسے شکر بن سکتی ہے؟ اس ساری بحث کا حاصل یہ نکلے گا کہ جو شخص شکر نہ کرتا ہو وہ بھی شکر گزار کہلائے گا اور بادشاہ جسے ایک انعام سے نواز چکا ہو اس شخص کا دوسرا انعام وصول کرنا پہلے کے لئے شکر کہلائے گا۔ عقل اس راز کو سمجھنے سے قاصر ہے،

یہ بات قابل غور ہے اگر ممکن ہو تو اسے مثال کے ذریعے واضح کر دیا جائے۔

جواب: پہلے تو یہ جان لو کہ یہ بات معارِف یعنی عُلومِ مُعاملہ کے اعلیٰ درجوں سے تعلق رکھتی ہے، اس بارے میں گفتگو کرنا درحقیقت معارِف کے دروازوں پر دستک دینا ہے لیکن ہم اس کی چند علامات کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی وحدانیت کے متعلق لوگوں کے دو گروہ ہیں: (۱) وحدانیت کے قائل اور فَنَافِی اللہ اور (۲) وحدانیت کے منکر۔

(1)... وحدانیت کے قائل اور فَنَافِی اللہ:

یہ وہ لوگ ہیں جن کی نظر صرف **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی طرف ہوتی ہے۔ یہ مرتبہ تمہیں یقینی طور پر پہچان کروادے گا کہ وہی شاکر، وہی مَشْکُور[1]، وہی مُحِب اور وہی محبوب ہے۔ اس مرتبے پر فائز شخص کی نظر میں وُجود صرف ذاتِ باری تعالیٰ ہی کا ہے کیونکہ اس کے سوا سب کو فنا ہے یعنی وہی ازلی وہی ابدی ہے، **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے غیر کے لئے یہ تصور کرنا کہ "وہ بذاتِ خود قائم ہے اور اس کی مثل کوئی موجود نہیں۔" ایسا تصور محال بات کا تصور کرنا ہے کیونکہ حقیقی وُجود اسی شے کا ہوتا ہے جو "قائم بنفسہٖ" ہو اور جو شے "قائم بغیرہٖ" ہو اس کا وجود بھی غیر کا محتاج ہوتا ہے۔

کسی بھی شے کے "قائم بغیرہٖ" ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کا وجود غیر کا اعتبار کئے بغیر نہ پایا جائے یعنی اگر صرف اس شے کی ذات کا اعتبار کیا جائے اس کے علاوہ کسی شے کا اعتبار نہ کیا جائے تو خود اس کا وُجود نہ رہے اور کسی بھی شے کے "قائم بنفسہٖ" ہونے سے یہ مراد ہے کہ اگر اس کے علاوہ ہر شے کو معدوم تصور کیا جائے تو بھی وہ باقی رہے یعنی وہ بذاتِ خود موجود ہو۔ "قائم بنفسہٖ" ہونے کے ساتھ ساتھ اگر کوئی شے ایسی ہو کہ اس کے وُجود سے غیر کا وجود قائم ہو تو وہ قیوم ہے اور قیوم ایک ہی ذات ہے دوسری کسی ذات کا قیوم ہونا ممکن نہیں۔

اس ساری گفتگو سے معلوم ہوا کہ ذاتِ باری تعالیٰ کے سوا کسی کا وُجود حقیقی نہیں وہ خود زندہ، اوروں کا

---

[1]... **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کا مشکور (جس کا شکر ادا کیا جائے) ہونا تو ظاہر ہے جہاں تک **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے شاکر ہونے کی بات ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ بندوں کو اپنے شکر کی توفیق دیتا اور ان کے دلوں اور زبانوں پر اپنی ثنا الہام فرماتا ہے، اس اعتبار سے وہ شاکر ہے۔ (اتحاف السادۃ المتقین، ۱۱/ ۱۱۰)

قائم رکھنے والا، یکتا اور بے نیاز ہے۔ جب تم ان فَنَافِی الله لوگوں کے نظریے میں غور وفکر کروگے تو جان لو گے کہ ہر چیز کا خالق وہی ہے، اسی کی طرف لوٹتا ہے، وہی شاکر وہی مَشْکُور، وہی مُحِب اور وہی محبوب ہے۔

خود ہی دیتا ہے اور تعریف بھی کرتا ہے:

حضرتِ سیِّدُنا حبیب بن ابو حبیب رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه ان لوگوں میں سے تھے جو ہر وقت اللہ عَزَّوَجَلَّ کے جلووں میں گم رہتے۔ یہی وجہ ہے کہ جب یہ آیتِ مُبارَکہ:

اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًاؕ نِعْمَ الْعَبْدُؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ (۴۴) ترجمۂ کنزالایمان: بے شک ہم نے اسے صابر پایا کیا اچھا بندہ بے شک وہ بہت رجوع لانے والا ہے۔ (پ۲۳، ص: ۴۴)

تلاوت کرتے تو کہتے: بہت خوب! خود ہی دیتا ہے اور تعریف بھی کرتا ہے۔

آپ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه کے قول میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جب اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنی دی ہوئی چیز کی تعریف کی تو اپنی ہی تعریف کی لہٰذا وہی تعریف کرنے والا ہوا اور اسی کی تعریف کی گئی۔

وہی مُحِب بھی ہے اور محبوب بھی:

اسی فَنَافِی الله کے مرتبے پر فائز شیخ حضرت سیِّدُنا ابُوالْحَسَن مِیْھَنِی رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه کے سامنے جب یہ آیتِ مبارکہ:

یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ (پ۶، المائدہ: ۵۴) ترجمۂ کنزالایمان: وہ اللہ کے پیارے اور اللہ ان کا پیارا۔

تلاوت کی گئی تو کہنے لگے: میری عمر کی قسم! اللہ عَزَّوَجَلَّ ان سے محبّت کرتا ہے اسے محبت کرنے دو، حق تو یہ ہے کہ رب تعالیٰ ان سے اس لئے محبت کرتا ہے کیونکہ وہ اپنے آپ سے محبت کرتا ہے۔

آپ کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ مُحِب بھی ہے اور محبوب بھی۔ یہ مرتبہ بہت بلند ہے، اسے صرف مثال کے ذریعے سمجھا جاسکتا ہے جو تمہاری عقل کے مطابق ہو۔ مثلاً: اس بات سے تم بخوبی آگاہ ہوگے کہ جب کوئی شخص اپنی تصنیف کو پسند کرتا ہے تو در حقیقت وہ اپنے آپ ہی کو پسند کرتا ہے، ہنر مند جب اپنی کسی بنائی ہوئی چیز کو پسند کرتا ہے تو وہ بھی در حقیقت اپنے آپ کو پسند کرتا ہے، یونہی باپ

جب اپنے بیٹے سے بیٹا ہونے کی وجہ سے پیار کرتا ہے تو درحقیقت وہ اپنے آپ سے پیار کرتا ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا ہر چیز کا وجود اسی کے بنانے سے ہے لہٰذا اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنی بنائی ہوئی چیز کو پسند فرماتا ہے تو درحقیقت وہ اپنی ذات ہی کو پسند فرماتا ہے اور جب وہ اپنے آپ ہی کو پسند فرماتا ہے تو وہ مختار ہے جسے چاہے پسند فرمائے۔

یہ حالت ان لوگوں کی ہوتی ہے جو ہر وقت اللہ عَزَّوَجَلَّ کی یاد میں ڈوبے رہتے ہیں۔ صوفیائے کرام اس حالت کو "فنافی النفس" کا نام دیتے ہیں یعنی ایسا شخص جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے علاوہ ہر چیز حتّٰی کہ اپنا آپ بھی بھلا دیتا ہے اور صرف اللہ عَزَّوَجَلَّ کے جلووں میں گم رہتا ہے۔ جو شخص اس نظریہ کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا وہ اس کا انکار کر دیتا ہے اور کہتا ہے: کوئی شخص خود کو کیسے بھلا سکتا ہے جبکہ اس کا سایہ چار ہاتھ ہوتا ہے اور دن بھر میں شاید کئی روٹیاں کھاجاتا ہوگا۔

بے دین لوگ صوفیائے کرام کے کلام کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ان پر ہنستے اور باتیں بناتے ہیں اور ان کی عادت ہے کہ وہ اللہ والوں کے اقوال کا مذاق بناتے ہیں۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَضْحَكُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَ اِذَا مَرُّوْا بِهِمْ یَتَغَامَزُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَ اِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِیْنَ ﴿۳۱﴾ وَ اِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْۤا اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴿۳۲﴾ وَ مَاۤ اُرْسِلُوْا عَلَیْهِمْ حٰفِظِیْنَ ﴿۳۳﴾

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک مجرم لوگ ایمان والوں سے ہنسا کرتے تھے اور جب وہ ان پر گزرتے تو یہ آپس میں ان پر آنکھوں سے اشارے کرتے اور جب اپنے گھر پلٹتے خوشیاں کرتے پلٹتے اور جب مسلمانوں کو دیکھتے کہتے بے شک یہ لوگ بہکے ہوئے ہیں اور یہ کچھ ان پر نگہبان بنا کر نہ بھیجے گئے۔

(پ۳۰، المطففین: ۲۹تا۳۳)

اسی کے ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ کل بروزِ قیامت نیک لوگ ان بے دینوں پر زیادہ ہنسیں گے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَالْیَوْمَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ یَضْحَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ عَلَى الْاَرَآىِٕكِ یَنْظُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ (پ۳۰، المطففین: ۳۴تا۳۵)

ترجمۂ کنزالایمان: تو آج ایمان والے کافروں سے ہنستے ہیں تختوں پر بیٹھے دیکھتے ہیں۔

یونہی حضرت سیِّدُنا نوح عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام جب کشتی بنانے میں مشغول ہوئے تو ان کی قوم نے ان کا

مذاق بنایا اس پر آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے بھی انہیں اسی طرح کا جواب ارشاد فرمایا جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے:

اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو ایک وقت ہم تم پر ہنسیں گے جیسا تم ہنستے ہو۔

(پ۱۲، ھود: ۳۸)

یہ پہلے گروہ کا نظریہ ہے۔

﴿2﴾... وحدانیت کے منکر:

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں فَنَافِی الله کے مقام سے دور تک کوئی واسطہ نہیں۔ ان میں دو قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں:

...**پہلی قسم:** ان لوگوں کی ہے جو صرف اپنے وُجود کا اقرار کرتے ہیں اور اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ ان کا کوئی ربّ اور کوئی معبود ہے۔ یہ سارے کے سارے آنکھوں سے اندھے اور عقل سے پیدل ہیں کیونکہ یہ اس بات کا انکار کرتے ہیں جو یقینی طور پر ثابت ہے یعنی "قَیُّوْم" وہی ہے جو بذاتِ خود قائم ہے، ہر جان کو اس پر قائم رکھے ہوئے ہے جو کچھ اسے کرنا ہے اور ہر شے قائم ہونے میں اسی کی محتاج ہے۔

یہ لوگ صرف اسی پر اِکتفا نہیں کرتے بلکہ اپنے آپ کو "قائم بِالذّات" بھی مانتے ہیں۔ اگر یہ لوگ جاننا چاہتے تو ضرور انہیں معلوم ہو جاتا کہ نہ ان کا قیام بالذات ہے نہ ہی وُجود کیونکہ ان کا وُجود کسی کے سبب سے ہے خود سے ان کا وجود نہیں اور خود موجود ہونے اور کسی کے سبب سے ہونے میں بڑا فرق ہے۔

وجود دو طرح کا ہے:

کسی بھی شے کے وجود میں آنے کے دو ہی طریقے ہیں: (۱)... خود وجود میں آئے یا (۲)... کسی کے سبب سے۔ خود وجود میں آنے والی شے کا وجود بِالذّات ہے اور وہی قیوم ہے اور جو کسی کے سبب سے وجود میں آئے اس کا وجود باطل و فانی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہر چیز فنا ہو جائے گی اس وقت بھی تمہارا پروردگار عَزَّوَجَلَّ موجود رہے گا۔

...**دوسری قسم:** ان لوگوں کی ہے جو اندھے تو نہیں مگر کانے ضرور ہیں کیونکہ وہ وجودِ باری تعالیٰ کے منکر تو نہیں لیکن ان کا اقرار بھی ایک آنکھ والا ہے اور دوسری آنکھ سے چونکہ نظر ہی نہیں آتا لہٰذا الله عَزَّوَجَلَّ کے

علاوہ کا فانی ہونا انہیں دکھائی نہیں دیتا اور وہ غیرُاللہ کا وجود بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کی طرح مانتے ہیں یعنی غیرُاللہ کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شریک ٹھہراتے ہیں اور یہ لوگ پکّے مُشرک ہیں جیسا کہ پہلی قِسم والے پکّے مُنکِر ہیں۔

کسی شخص کا اگر اندھا پن ختم ہو جائے اگرچہ کمزور نظر ہی حاصل ہو تو بھی اسے دونوں کے وجود کا فرق معلوم ہو جائے گا جس سے اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رُبُوبِیَّت اور بندے کی عَبْدِیَّت ثابت ہو جائے گی۔

"لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ" کا حقیقی معنیٰ:

وَحْدَانِیَّت کا مُنکِر شخص جب خالق و مخلوق کے وُجود کا فرق اور غَیرِ خُدا کے فانی ہونے کو جان لے گا تو عقیدۂ توحید رکھنے والوں میں شامل ہو جائے گا۔ پھر اگر اس کی آنکھ میں سُرمہ لگایا جائے جس سے اس کی بینائی میں اضافہ ہوتا رہے تو اس پر اس عقیدے کی خرابی بھی ظاہر ہو جائے گی جو اس نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ثابت کیا تھا۔ اب اگر وہ اس پر قائم رہتے ہوئے صوفیائے کرام کے نَقْشِ قَدَم پر چلتا رہا تو غیرِ خُدا کا وُجود اس کے ذہن سے مٹتا چلا جائے گا حتّٰی کہ ایک وقت آئے گا کہ اس کے دل و دماغ میں صرف ربّ تعالیٰ کا تصوُّر ہو گا۔ یہ حالت توحید کی انتہا اور کمال ہے اور جس وقت اس نے غیر خدا کے وجود کے فنا ہونے کو جانا تھا وہ حالت توحید کی ابتدا ہے اور ان دونوں کے درمیان بے شمار درجات ہیں۔ معلوم ہوا کہ توحید کے قائلین کے مختلف دَرَجات ہیں۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام پر جو کتابیں نازل فرمائیں وہ سرمہ ہیں جو بینائی بڑھانے یعنی بلندیِ دَرَجات میں مددگار ہیں اور انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام سرمہ لگانے والے ہیں اور وہ صرف اللہ عَزَّوَجَلَّ کی وحدانیت کی پہچان کروانے کے لئے دنیا میں تشریف لائے۔ گویا انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام اس قول "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ" کے تَرجُمان ہیں اور اس کا معنیٰ یہ ہے کہ انسان کی نظر صرف اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات پر ہو۔

قائلین توحید کے مَراتب:

کمالِ توحید کا مرتبہ پانے والے بہت ہی تھوڑے افراد ہیں اور منکرین و مشرکین بمقابلہ قائلین توحید کے کم ہیں کیونکہ بُتوں کی پوجا کرنے والوں نے جب وُجودِ باری تعالیٰ کا اقرار کر لیا جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انہی کے الفاظ میں نقل فرمایا:

مَا نَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِيُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلۡفٰى ؕ (پ۲۳، الزمر: ۳) ترجمۂ کنزالایمان: ہم تو انہیں صرف اتنی بات کے لئے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے پاس نزدیک کر دیں۔

تو وہ اپنے اس قول کے سبب قائلین توحید میں شامل ہو گئے اور عقیدہ بہت کمزور ہونے کے سبب ان کا شمار قائلین توحید کے سب سے نچلے طبقے میں ہوتا ہے۔ توحید کا عقیدہ رکھنے والوں میں سے اکثر لوگوں کا عقیدہ مُتَوَسِّط درجے کا ہوتا ہے کیونکہ بعض لوگوں پر بعض اَحوال روشن ہونے کی وجہ سے توحید کی حقیقت واضح تو ہو جاتی ہے لیکن یہ سب کچھ بجلی کی طرح ہوتا ہے کہ چمکی اور ختم ہو گئی وہ اس پر قائم نہیں رہتے اور بعض لوگ اس پر ثابت قدم بھی رہتے ہیں لیکن کچھ عرصہ، ہمیشگی اختیار نہیں کر پاتے جبکہ اس پر ہمیشگی اختیار کرنا ہی توحید کا سب سے بلند درجہ اور کمالِ توحید ہے۔ جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

لِكُلٍّ اِلٰى شَأْوِ الْعُلَا حَرَكَاتٌ وَلٰكِنْ عَزِيْزٌ فِي الرِّجَالِ ثُبَاتٌ

ترجمہ: بلندی کے حُصول کے لئے کوشش تو ہر شخص کرتا ہے لیکن ثابت قدم کوئی کوئی رہتا ہے۔

قُربِ باری تعالٰی کے لئے دعائے مصطفٰے:

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جب اپنا مزید قرب عطا فرمانے کے لئے اپنے محبوب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو حکم ارشاد فرمایا کہ وَاسۡجُدۡ وَاقۡتَرِبۡ ۩[1] (ترجمۂ کنزالایمان: اور سجدہ کرو اور ہم سے قریب ہو جاؤ۔پ۳۰، العلق: ۱۹) تو اس وقت سردارِ انبیا صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے سجدے میں یہ دعا کی: ''اَعُوْذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عِقَابِكَ وَاَعُوْذُ

---

❶... یہ آیت سجدہ ہے۔ ''بہارِ شریعت''، جلد اول، صفحہ 728 پر ہے: ''آیتِ سجدہ پڑھنے یا سننے سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔ سجدہ واجب ہونے کے لئے پوری آیت پڑھنا ضروری نہیں بلکہ وہ لفظ جس میں سجدہ کا مادہ پایا جاتا ہے اور اس کے ساتھ قبل یا بعد کا کوئی لفظ ملا کر پڑھنا کافی ہے۔'' اور صفحہ 730 پر ہے: ''فارسی یا کسی اور زبان میں آیت کا ترجمہ پڑھا تو پڑھنے والے اور سننے والے پر سجدہ واجب ہو گیا، سننے والے نے یہ سمجھا ہو یا نہیں کہ آیتِ سجدہ کا ترجمہ ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ اسے نامعلوم ہو تو بتا دیا گیا ہو کہ یہ آیت سجدہ کا ترجمہ تھا اور آیت پڑھی گئی ہو تو اس کی ضرورت نہیں کہ سننے والے کو آیت سجدہ ہونا بتایا گیا ہو۔''

نوٹ: مزید تفصیل کے لئے بہارِ شریعت کے مذکورہ مقام کے صفحہ 720 تا 739 یا دعوت اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کے مطبوعہ 49 صفحات پر مشتمل رسالے ''تلاوت کی فضیلت'' کا مطالعہ کیجئے۔

بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْکَ لَااُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ یعنی (مولیٰ!) میں تیری پکڑ سے تیرے عفو ودرگزر کی پناہ مانگتا ہوں، تیری ناراضی سے تیری رضا کی پناہ مانگتا ہوں، تیری صفات (گرفت وغضب) سے تیری پناہ مانگتا ہوں، میں تیری تعریف کی طاقت نہیں رکھتا تو ویسا ہی ہے جیسی تعریف خود تو نے اپنی کی۔"[1]

دعائے مصطفٰی کی شرح:

آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی دعا کا یہ جملہ "اَعُوْذُبِعَفْوِکَ مِنْ عِقَابِکَ" اللہ عَزَّوَجَلَّ کے صرف افعال کا مُشاہدہ کرنے کی وجہ سے تھا۔ گویا آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے جب اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے افعال کا مشاہدہ کیا تو اسی کے ایک فعل کے ذریعے اس کے دوسرے فعل سے پناہ مانگی، پھر مزید قرب حاصل کرتے گئے حتی کہ اس کے افعال سے ترقی پاکر اس کی صِفات کا مُشاہدہ فرمایا تو یہ دعا مانگی "اَعُوْذُبِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ" حضورِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس کے بعد بھی توحید کے درجات میں ترقی کے لئے مزید قُرب حاصل کیا حتّٰی کہ صفات سے ترقی پاکر ربّ عَزَّوَجَلَّ کی ذات کا مشاہدہ فرمایا، اس وقت آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان الفاظ سے دعا کی "اَعُوْذُبِکَ مِنْکَ" اور اس سے مراد اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اَفعال وصفات کی طرف توجہ کئے بغیر صرف اس کی ذات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اس کی پناہ طلب کرنا اور اس کی تعریف کرنا ہے۔ اس مرتبے کو پاکر توحید کے درجات میں ترقی کے لئے مزید قُرب حاصل کیا اور پھر یہ جملہ ارشاد فرمایا: "لَااُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ" آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا "لَااُحْصِیْ" فرمانا درحقیقت اپنے آپ کو فنا کر دینے اور مشاہدۂ نفس سے آگے بڑھ جانے کی خبر دینا ہے اور آپ کا "ثَنَاءً عَلَیْکَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ" فرمانا درحقیقت یہ بات بیان کرنا ہے کہ وہی تعریف کرنے والا ہے اور اسی کی تعریف کی جاتی ہے، ہر چیز کی ابتدا اسی سے ہے اور ہر ایک نے اسی کی طرف لوٹنا ہے اور اس کی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے۔

معلوم ہوا کہ جو دیگر لوگوں کی انتہا اور کمالِ توحید ہے یعنی "صرف اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے اَفعال کا مشاہدہ کرنا اور اسی کے ایک فعل کے ذریعے اس کے دوسرے فعل سے پناہ مانگنا" وہ سرکارِ دوجہان، رحمتِ عالمیان صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی ابتدا اور بلندی کا آغاز ہے تو ذرا غور کیجئے! سردارِ انبیا، محبوبِ ربِّ کبریا صَلَّی

---

[1]... سنن الدار قطنی، کتاب الطہارۃ، باب صفۃ ماینقض الوضوء... الخ، ۱/ ۲۰۵، حدیث: ۵۰۸

اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا آخری اور سب سے بلند مقام کیا ہو گا جبکہ آپ نے ابتدائی مقام و مرتبے میں ہی حق تعالیٰ کا مُشاہَدہ کر لیا اور یہی نہیں بلکہ یہ مرتبہ بھی پالیا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا کسی شے کا مشاہدہ کرنے اور اس کی طرف نظر کرنے سے بری ہوگئے۔ حُضور اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ایک مرتبے سے دوسرے مرتبے کی طرف ترقی کرتے تو پہلے مرتبے کے مقابلے میں دوسرے مرتبے کو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دور گمان کرتے اور بلند درجہ حاصل کرنے کے بعد پہلے کے متعلق اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اِستغفار کرتے اور اسے کمتر اور درجات میں کمی کا سبب گمان کرتے۔ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا یہ فرمان اسی بات کی طرف اشارہ کرتا ہے: "میرے دل پر کبھی پردہ آجاتا ہے اور میں روزانہ ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔"(1)

آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ایسا فرمانا اس لئے تھا کہ ایک دن میں آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا مقام ستر درجے بلند کیا جائے اور ان میں سے ہر ایک درجہ دوسرے سے بلند ہو اگرچہ حُضور اَکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا پہلا درجہ ہی مخلوق کا آخری اور بلند ترین درجہ ہے لیکن چونکہ پہلا دَرَجہ دوسرے کے مقابلے میں کمتر ہے اِس لئے ربّ تعالیٰ کی بارگاہ میں استغفار کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے عرض کی کہ آپ کے سبب اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ کے اگلوں اور آپ کے پچھلوں کے گناہ بخش دیئے تو پھر سجدوں میں یہ اشکباری کیوں؟" اس پر آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔"(2)

اس فرمانِ عالی سے مراد یہ ہے کہ شکر نعمت کی زیادتی کا سبب ہے جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ (پ۱۳، ابراھیم: ۷) ترجمۂ کنزالایمان: اگر احسان مانوگے تو میں تمہیں اور دوں گا۔

شکر، شاکر اور مشکور کی حقیقت:

اب جبکہ ہم عِلْمِ مُکاشَفہ کے سمندر میں اُتر چکے ہیں تو ہمیں چاہئے کہ مہار (یعنی نکیل) خوب قابو میں

---

(1)... بخاری، کتاب الدعوات، باب استغفار النبی فی الیوم واللیلۃ، ۴/ ۱۹۰، حدیث: ۶۳۰۷، دون "انہ لیغان علی قلبی"

مسلم، کتاب العلم، باب استحباب الاستغفار، حدیث: ۲۷۰۲، ص ۱۴۴۹، فیہ "مائۃ مرۃ"

(2)... الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الرقاق، باب التوبۃ، ۲/ ۸، حدیث: ۶۱۹

رکھیں اور عُلومِ مُعاملہ میں جن چیزوں کا جاننا ضروری ہے ان کی طرف رجوع کریں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کو مبعوث ہی اس لئے فرمایا گیا تاکہ وہ مخلوق کو کمالِ توحید جسے ابھی ہم نے بیان کیا اس کی دعوت دیں لیکن کمالِ توحید اور لوگوں کے درمیان طویل مسافت اور سخت رکاوٹیں ہیں اور شریعت اس مسافت کو طے کرنے اور ان رکاوٹوں کو دور کرنے کا طریقہ بتاتی ہے۔ شریعت پر مکمل عمل پیرا ہو کر انسان کا مشاہدہ اور مقام تبدیل ہو جاتا ہے، اس وقت اس پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ شکر، شاکر اور مَشْکُور کیا ہے۔ اس بات کو مثال کے ذریعے ہی جاننا ممکن ہے۔

مثال: فرض کرو کہ بادشاہ اپنے کسی دور رہنے والے غلام کو سواری، کپڑے اور اس جگہ کو چھوڑ کر قریب رہائش کرنے کے لئے کچھ نَقْدی بھیجے تو بادشاہ کی یہ عنایت دو حالتوں سے خالی نہ ہو گی:

پہلی حالت: اس عنایت سے بادشاہ کا مقصد یہ ہو کہ بعض اہم مُعاملات اس کے سپرد کئے جائیں اس وقت اس عنایت کی وجہ بادشاہ کی اپنی خدمت ہو گی۔

دوسری حالت: بادشاہ کو اس سے کوئی غرض اور اس کی حاجت نہ ہو اور نہ ہی اس کے بادشاہ کے پاس آجانے سے بادشاہ کی ملکیت میں کوئی اضافہ ہو کیونکہ اس میں ایسی خدمت کرنے کی طاقت ہی نہیں جس کی وجہ سے بادشاہ بے فکر ہو جائے اور اس کی غیر موجودگی بادشاہ کی ملکیت میں نقصان کا باعث بھی نہ ہو تو اس وقت بادشاہ کا اس کو سواری وزادِ راہ دینے کا مقصد محض یہ ہو گا کہ وہ بادشاہ کا قُرب حاصل کرے اور اس قُرب کی سعادت سے صرف اس کی ذات کو فائدہ پہنچے بادشاہ کا اس میں کوئی فائدہ نہیں۔ مخلوق کے اعتبار سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی دوسری حالت ہے، اس کے لئے پہلی حالت محال ہے۔ پھر یہ کہ پہلی حالت میں غلام صرف سواری قبول کرنے اور بادشاہ کا قُرب حاصل کرنے سے ہی شاکر نہیں کہلائے جب تک خود کو بادشاہ کی اس خدمت پر مامور نہ کرلے جس کا بادشاہ نے ارادہ کیا تھا اور دوسری حالت میں بادشاہ کو تو اس کی خدمت کی بالکل حاجت نہیں لیکن اس کے باوجود وہ شکر گزار یا ناشکرا تصور کیا جائے گا۔ اس حالت میں اس کا شکر یہ ہے کہ جن انعام واکرام سے وہ نوازا گیا ہے انہیں بادشاہ کے پسندیدہ کاموں میں استعمال کرے نہ کہ اپنی خواہش کے مطابق اور اس کی ناشکری یہ ہے کہ بادشاہ کی چاہت کے مُطابِق ان کا استعمال نہ کرے بلکہ انہیں ضائع کر دے یا پھر ان کاموں

میں استعمال کرے جو اسے بادشاہ سے مزید دور کر دیں۔ تو اگر وہ کپڑے پہنے گا، سواری پر سوار ہو گا اور بادشاہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے ہی زادِ راہ خرچ کرے گا تو بادشاہ کا شکر گزار کہلائے گا کیونکہ اس نے بادشاہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اسی کے پسندیدہ کاموں میں خرچ کیا اور بادشاہ کے پسندیدہ کام بھی غلام ہی کے حق میں تھے ان میں بادشاہ کا ذاتی کوئی فائدہ نہیں اور اگر وہ سوار ہو کر بادشاہ سے مزید دور چلا جائے تو وہ ناشکرا کہلائے گا کیونکہ اس نے بادشاہ کی دی گئی نعمت کو ان کاموں میں استعمال کیا جو بادشاہ خود اس کے لئے ناپسند کرتا تھا اور اگر بیٹھا رہے نہ سواری پر سوار ہو نہ کہیں جائے تو بھی وہ ناشکرا ہے کیونکہ اس نے ان نعمتوں کو بے کار چھوڑ دیا اور ضائع کر دیا اگرچہ یہ ناشکری پہلی یعنی دوری اختیار کرنے والی ناشکری سے کم ہے۔

ایسے ہی اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انسان کو پیدا فرمایا، فطری طور پر وہ اپنی ابتدا میں خواہشات کے استعمال کا محتاج ہے کہ اسی کے ذریعے اس کے جسم کی تکمیل کی جاتی ہے تو اس خواہش کی وجہ سے وہ رب تعالیٰ سے دور ہو جاتا ہے جبکہ اس کی سعادت اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قُرب پانے میں ہے لہٰذا اپنا قُرب عطا فرمانے کے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس کے لئے نعمتیں تیار کیں اور اس کے استعمال پر قدرت دی۔ انسان کے قرب و دوری کو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس طرح تعبیر فرمایا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ﴿۴﴾ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ﴿۵﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (پ۳۰، التین: ۴تا۶)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک ہم نے آدمی کو اچھی صورت پر بنایا پھر اسے ہر نیچی سے نیچی سی حالت کی طرف پھیر دیا مگر جو ایمان لائے۔

پس اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ایسی نعمتیں عطا فرمائیں جن کے ذریعے بندہ سب سے نچلے درجے سے ترقی پا سکتا ہے اور یہ سب نعمتیں اس نے بندے ہی کی وجہ سے پیدا فرمائیں تاکہ ان کے ذریعے وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے قُرب کی سعادت پا سکے ورنہ اللہ عَزَّوَجَلَّ قرب و دوری سے پاک ہے۔ اب اگر بندہ ان نعمتوں کو اس کی فرمانبرداری میں استعمال کرے گا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پسندیدہ کاموں کو بجالانے کی وجہ سے شکر گزار شمار کیا جائے گا اور اگر اس کی نافرمانی میں استعمال کرے گا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کو ناپسند اور اس کی ناراضی والے کام کرنے کی وجہ سے ناشکرا شمار کیا جائے گا کیونکہ بندوں کی طرف سے ناشکری اور نافرمانی سے اللہ عَزَّوَجَلَّ ناراض ہوتا ہے اور اگر ان نعمتوں

کو ضائع کر دیا نہ اس کی فرمانبرداری میں استعمال کیا نہ ہی نافرمانی میں تو بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمت ضائع کرنے کی وجہ سے ناشکرا شمار کیا جائے گا۔

دنیا کی ہر شے انسان کے لئے آلہ ہے:

دنیا میں پیدا کی گئی ہر چیز انسان کے لئے آلہ ہے تاکہ اس کے ذریعے انسان اُخروی سعادت اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قُرب حاصل کرنے کی کوشش کرے تو ہر فرمانبردار اپنی طاعت کے مطابق اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمتوں کا شکر گزار ہے جنہیں اس نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی فرمانبرداری میں استعمال کیا اور ہر کاہل شخص نعمتوں کا استعمال نہ کرنے والا یا اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دور کر دینے والے کاموں میں انہیں استعمال کرنے والا ناشکرا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ناپسندیدہ کاموں میں گرفتار ہے۔ بہر حال معصیت ہو یا طاعت مشیّتِ الٰہی دونوں کو شامل ہوتی ہے لیکن رضا و ناراضی مشیت میں شامل نہیں بلکہ کبھی مراد پسندیدہ ہوتی ہے اور کبھی ناپسند۔ اس باریک مسئلہ کے پیچھے قدرت کا راز ہے جسے بیان کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

اس بحث سے یہ اِشکال ''جس کا شکر ادا کیا جائے اسے شکر کی حاجت ہی نہیں تو یہ شکر کیسا؟'' دور ہو گیا اور اسی کے ذریعے دوسرا اِشکال بھی دور ہو گیا کیونکہ شکر سے ہماری مراد یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمتوں کو اس کی رضا والے کاموں میں استعمال کیا جائے۔ جب تم نعمتوں کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رضا والے کاموں میں صرف کرو گے تو مراد حاصل ہو جائے گی۔

مخلوق تقدیرِ الٰہی کا محور ہے:

در حقیقت تمہارا فعل بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کی عطا ہے اور یہ تم سے صادر ہوتا ہے اس لئے وہ تمہاری تعریف کرتا ہے اور اس کا تعریف کرنا ایک اور نعمت ہے تو وہی دیتا ہے اور خود ہی تعریف کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس کا ایک فعل دوسرے فعل کو تعریف کی طرف پھیرنے کا سبب ہوتا ہے۔ ہر حال میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ضروری ہے اور تمہیں شاکر اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ تم اس کے محل ہو، تم میں شکر کا معنٰی پایا جاتا ہے اس لئے نہیں کہ تم شکر کے ایجاد کرنے والے ہو بالکل ایسے ہی جیسے تمہیں عالِم کہا جاتا ہے عِلْم جاننے کی وجہ سے نہ کہ علم کا موجِد ہونے کی وجہ سے اور تم ان صفات کا محل اس لئے ہو کیونکہ یہ ربّ تعالٰی کی طرف سے

تم میں موجود ہیں اور تمہارا شکر گزار ہونا در حقیقت اپنے ہونے کا ثبوت دینا ہے کیونکہ خالقِ حقیقی نے تمہیں بنایا اس وجہ سے تم ہو ورنہ خالقِ حقیقی کا اعتبار کئے بغیر اپنی ذات کا اعتبار کرتے ہوئے حقیقتاً تم کچھ بھی نہیں۔ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے نبیوں کے سردار، دوعالم کے مالک و مختار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "عمل کرو! ہر ایک کے لئے وہ کام آسان کر دیا جاتا ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔" یہ اس وقت فرمایا جب آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے عرض کی گئی: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہمیں عمل کا کیا فائدہ جبکہ اشیاء کو اس سے فارغ کر دیا گیا ہے۔[1]

معلوم ہوا کہ مخلوق تقدیرِ الٰہی کا مَحْوَر اور اس کے افعال کا محل ہے اگرچہ ساری مخلوق ہی اس کے اَفعال سے ہے لیکن اس کے بعض اَفعال بعض کا محل ہیں اور حدیثِ مُبارَک میں مذکور لفظ "عمل کرو" اگرچہ حضورِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی زبانِ مبارک سے جاری ہوا ہے لیکن یہ بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اَفعال میں سے ہے اور اس سے مخلوق کو یہ بھی معلوم ہوا کہ عمل نفع دینے والا ہے۔ مخلوق کا علم بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اَفعال میں سے ہے اور یہ حرکت و طاعت کی طرف لے جانے والی قوت کو اُبھارنے کا سبب ہے اور اس قوت کا ابھرنا بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فعل اور اعضاء کو حرکت دینے کا سبب ہے اور اعضاء کی حرکت بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اَفعال میں سے ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بعض افعال بعض کے لئے سبب ہوتے ہیں یعنی پہلا فعل دوسرے کے لئے شرط ہوتا ہے جیسا کہ جسم کا ہونا عرض کے لئے سبب ہے کیونکہ جسم سے پہلے عرض کا ہونا ممکن نہیں، یونہی عِلْم کے لئے زندگی کا ہونا شرط ہے اور کسی بھی کام کے ارادے کے لئے علم ہونا ضروری ہے اور یہ تمام کے تمام اللہ عَزَّوَجَلَّ کے افعال میں سے ہیں اور ان میں سے بعض بعض کے لئے سبب یعنی شرط ہیں۔

ایک فعل کے دوسرے کے لئے شرط ہونے سے مراد یہ ہے کہ یہی فعل اس کی صلاحیت رکھتا ہے کوئی اور نہیں جیسا کہ زندگی قبول کرنے کی صلاحیت صرف جوہر ہی میں ہے اور علم قبول کرنے کی صلاحیت زندہ شخص میں اور ارادہ کرنے کی صلاحیت علم والے ہی میں ہوتی ہے اور یہی مطلب سبب یا شرط ہونے کا ہے کہ انہیں غیر کے لئے شرط بنایا گیا ہے نہ کہ یہ دوسرے اَفعال کے موجِد ہیں۔ اس حقیقت سے جو آگاہ ہو جائے

[1] ... مسلم، کتاب القدر، باب کیفیة خلق الادمی... الخ، ص ۱۴۲۳، حدیث: ۲۶۴۷، دون "لما خلق له"

گا وہ توحید کے اعلیٰ مرتبے کو پالے گا۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر تم یہ کہو کہ ہمیں عمل کا حکم کیوں فرمایا گیا اور عمل نہ کرنے پر عذاب اور گناہ گاروں کی مَذمّت کا معاملہ کیوں؟ جبکہ ہمارے اختیار میں کچھ بھی نہیں تمام اختیارات اللہ عَزَّوَجَلَّ کو ہیں۔

جواب: تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ یہ حُکْمِ الٰہی ہمارے اعتقاد کی پختگی کا سبب ہے اور اعتقاد سبب ہے دل میں خوف پیدا ہونے کا اور خوف کے سبب ہی خواہشات سے رُکنا اور دھوکے کی دنیا سے بچنا ممکن ہے اور یہی چیز اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قُرب پانے کا سبب ہے۔ یقیناً اللہ عَزَّوَجَلَّ مُسَبِّبُ الْاَسْبَاب اور اسباب ترتیب دینے والا ہے۔ جس کے لئے ازل میں سعادت سبقت لے گئی اس کے لئے یہ تمام اسباب آسان کر دیئے جاتے ہیں حتّٰی کہ ان کے ذریعے اسے جنت میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ سیِّدِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اس فرمان ''فَكُلٌّ مُّيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ یعنی ہر ایک کے لئے وہ کام آسان کر دیا جاتا ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے'' سے یہی مراد ہے اور جس کے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے بھلائی نے سَبْقَت نہ کی وہ شخص کلامِ الٰہی، کلامِ رسول اور عُلَما کی وعظ و نصیحت نہیں سنتا جس کی وجہ سے وہ علم سے محروم رہتا ہے اور علم نہ ہونے کی وجہ سے دل میں خوف پیدا نہیں ہوتا اور خوفِ خدا نہ ہونے کی وجہ سے دنیاوی میلان ختم نہیں ہوتا اور دنیا سے لگاؤ رکھنے کی وجہ سے شیطان کا پیروکار بن جاتا ہے اور بے شک جہنم ان سب کا ٹھکانا ہے۔

جب تم یہ سب کچھ جان لوگے تو تمہیں اندازہ ہوگا کہ لوگوں کو زنجیروں سے کھینچ کر جنت کی طرف لے جایا جاتا ہے۔ یعنی انسان جنت میں جانے کے لئے بھی علم اور خوف خدا وغیرہ کی زنجیروں کا پابند ہے کہ انہی کے ذریعے جنت میں داخل کیا جاتا ہے اور بد نصیب و ذلیل شخص غفلت و دھوکے کی زنجیروں میں ہے اور انہی میں جکڑ کر جہنم میں جھونک دیا جاتا ہے۔ اَلْغَرَض نیکوں کو پکڑ کر جنت کی طرف کھینچا جا رہا ہے اور مجرموں کو پکڑ کر جہنم میں دھکیلا جا رہا ہے اور غالب ایک اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی ہے جو سب پر غالب ہے اور اُس عظمت والے بادشاہ کے سوا کوئی اس فعل پر قادر نہیں ہے۔ غافلوں کی آنکھ سے جب پردہ ہٹایا جائے گا تو وہ بھی اس کا مُشاہدہ کرلیں گے جب مُنادی کی یہ پکار سنیں گے:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۱۶﴾ ترجمۂ کنز الایمان: آج کس کی بادشاہی ہے ایک اللہ سب پر غالب کی۔

(پ۲۴، المؤمن:۱۶)

حقیقت میں تو ہر دن اسی واحد قَہَّار کی بادشاہی ہے صرف اس روز مخصوص نہیں لیکن اس روز یہ ندا بطور خبر غافلین کو حقیقتِ حال سے آگاہ کرنے کے لئے سنائی جائے گی اور کچھ نفع نہ دے گی۔ ہم حلم و عزت والے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ مانگتے ہیں جہالت اور غفلت سے کیونکہ ہلاکت کے اصل اسباب یہی ہیں۔

چوتھی فصل: ربّ تعالٰی کی رضا اور ناراضی والے افعال

جان لیجئے! مکمل طور پر ناشکری سے بچنا اور شکر کرنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رضا اور اس کی ناراضی والے افعال کا علم حاصل نہ ہو جائے کیونکہ شکر کہتے ہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمتوں کو اس کی رضا والے کاموں میں استعمال کرنا اور ناشکری اس کی ضد ہے یعنی نعمت کو سِرے سے استعمال ہی نہ کیا جائے یا اس کی ناراضی والے کاموں میں استعمال کیا جائے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رضا و ناراضی والے افعال کی پہچان کے دو طریقے ہیں: (۱)...سماعت یعنی آیات و اَحادیث کو سننا اور (۲)... قلبی بصیرت یعنی اشیاء کو عبرت کی نگاہ سے دیکھنا۔ قلبی بصیرت کا حُصول انتہائی دشوار ہے اسی وجہ سے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے رسولوں کو مبعوث فرمایا اور ان کے ذریعے مخلوق پر اَفعال کی پہچان کا راستہ آسان کر دیا اور یہ پہچان اسی وقت ممکن ہے جب بندوں کے اَفعال کے متعلق شرعی احکامات کی مَعْرِفَت حاصل ہو لہٰذا جس بندے کو اپنے کسی فعل کے متعلق شرعی حکم معلوم ہی نہیں وہ کسی طرح شکر گزار نہیں ہو سکتا۔

بہر حال قلبی بصیرت سے مراد یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پیدا کی گئی ہر شے کی حکمت کو جان لینا کیونکہ دنیا میں جو بھی شے پیدا کی گئی ہے اس میں ضرور کوئی حکمت ہے اور اس حکمت کا کوئی مقصد و نتیجہ بھی ہے جو کہ محبوب ہے۔

حکمت کی اقسام:

حکمت کی دو قسمیں ہیں: (۱)... ظاہری حکمت (۲)... پوشیدہ حکمت۔

...**ظاہری حکمت**: مثلاً سورج کے وجود کی حکمت یہ ہے کہ دن اور رات کے درمیان فرق ہو سکے، تو دن طلَبِ معاش کے لئے ہو گیا اور رات گھروں میں آرام کے لئے کیونکہ جس وقت دکھائی دے اس وقت کام

کاج آسان ہوتا ہے اور اندھیرے میں آرام۔ سورج کی صرف یہی ایک حکمت نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی اس کی بے شمار باریک حکمتیں ہیں۔ اسی طرح آسمان پر بادل چھا جانے اور بارش برسنے میں بھی حکمت ہے کہ اس کی وجہ سے زمین لوگوں کے کھانے اور چوپائیوں کے چرنے کے لئے مختلف سبزیاں اگاتی ہے۔ جو دقیق اور پوشیدہ حکمتیں لوگوں کی سمجھ سے بالاتر ہیں ان سے صَرفِ نظر کرتے ہوئے قرآن پاک میں اُن ظاہری حکمتوں کو بیان کیا گیا ہے جو لوگوں کے ذہنوں کے مطابق ہیں۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾ فَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾ وَّ عِنَبًا وَّ قَضْبًا ﴿۲۸﴾

ترجمۂ کنزالایمان: ہم نے اچھی طرح پانی ڈالا پھر زمین کو خوب چیرا تو اس میں اگایا اناج اور انگور اور چارہ۔

(پ۳۰، عبس: ۲۵تا۲۸)

پوشیدہ حکمت: مثلاً تمام ستاروں اور سیاروں کی حکمتیں پوشیدہ رکھی گئی ہیں۔ ساری مخلوق ان کی حکمتوں سے لاعلم ہے اور صرف اتنا جانتی ہے کہ یہ ستارے آسمان کی زینت ہیں جنہیں دیکھنے سے آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ اسی بات کو اپنے کلامِ مجید میں یوں بیان فرماتا ہے:

اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَةِ ﹰالْكَوَاكِبِ ﴿۶﴾

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک ہم نے نیچے کے آسمان کو تاروں کے سنگار سے آراستہ کیا۔

(پ۲۳، الصافات: ۶)

دنیا کی تمام اشیاء مثلاً آسمان، ستارے، ہوا، سمندر، پہاڑ، کان، ہریالی، حیوانات اور ان کے اعضاء بلکہ ان اشیاء کے ایک ایک ذرّے میں ایک سے لے کر 10 ہزار بلکہ بے شمار حکمتیں ہیں۔ اس اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو انسانی اعضاء میں سے بعض اعضاء وہ ہیں جن کی حکمتیں ہر ایک جانتا ہے مثلاً: آنکھ دیکھنے کے لئے ہے، ہاتھ پکڑنے کے لئے ہے اور پاؤں چلنے کے لئے ہے نہ کہ سونگھنے کے لئے اور بعض باطنی اعضاء ہیں مثلاً: آنتیں، پتا، جگر، گردے، رگیں، پٹھے اور دیگر اعضاء جو اندر سے کھوکھلے، آپس میں لپٹے ہوئے، اُلجھے ہوئے، عجیب شکل کے، بہت نرم یا سخت وغیرہ۔ ان باطنی اعضاء کی حکمتوں سے ہر ایک واقف نہیں اور جو چند لوگ جانتے بھی ہیں تو ان کا علم اللہ عَزَّوَجَلَّ کے علم کے مقابلے میں بہت کم ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ مَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۸۵﴾

ترجمۂ کنزالایمان: اور تمہیں علم نہ ملا مگر تھوڑا۔

(پ۱۵، بنی اسرآئیل: ۸۵)

لہٰذا جو شے جس کام کے لئے پیدا کی گئی ہے اور جس کا اس سے ارادہ کیا گیا ہے اگر کوئی شخص اسے اس کے علاوہ کسی کام میں استعمال کرے تو اس شے کے استعمال میں اس شخص نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی کی۔ مثلاً: اگر کوئی اپنے ہاتھ سے کسی دوسرے کو مارتا ہے تو وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی دی گئی اس نعمت کی ناشکری کرتا ہے کیونکہ ہاتھ اس لئے ہے کہ نقصان دہ چیز اس کے ذریعے دور کی جائے اور نفع بخش شے حاصل کی جائے نہ اس لئے کہ دوسرے کو نقصان پہنچایا جائے۔ اسی طرح جو شخص غیر محرم کو دیکھتا ہے تو وہ آنکھ اور سورج دونوں نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے کیونکہ یہ دونوں نعمتیں دیکھنے میں مددگار ہیں اور حقیقتاً تو انہیں اس لئے پیدا کیا گیا ہے تاکہ ان کی مدد سے دینی اور دنیاوی فائدے کی طرف نظر کی جائے اور دین و دنیا کے لئے جو کچھ نقصان دہ ہے اس سے بچا جائے، معلوم ہوا کہ بدنگاہی کرنے والے نے ان دونوں نعمتوں کا استعمال اس کے علاوہ میں کیا جس کے لئے انہیں پیدا کیا گیا تھا۔

مقصدِ حیات:

مخلوق، دنیا اور اس کے اسباب کی پیدائش کا مقصد یہی ہے کہ مخلوق ان کی مدد سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قُرب حاصل کر سکے اور ربّ عَزَّوَجَلَّ کا قرب حاصل کرنے کے لئے دنیا میں اس کی محبت واُنسیت اور دنیاوی خواہشات سے بچنا بے حد ضروری ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اُنسیت ہر دم اس کا ذکر کرنے سے ملتی ہے اور اس کی محبت ہمیشہ اس کی یاد میں ڈوبے رہنے سے حاصل ہونے والی معرفت سے ملتی ہے اور اس کے ذکر اور اس کی یاد پر ہمیشگی اسی وقت تک ممکن ہے جب تک جسم سلامت رہے اور جسم غذا کے ذریعے ہی سلامت رہتا ہے اور غذا زمین، پانی اور ہوا کے ذریعے وجود میں آتی ہے اور ان تمام اُمور کی تکمیل کے لئے آسمان و زمین اور تمام ظاہری اور باطنی اعضاء کی پیدائش ضروری ہے تو یہ تمام اُمور جسم کی وجہ سے ہیں اور جسم نفس کی سواری ہے اور یہی نفس لمبے عرصے کی عبادت و معرفت کے بعد جب اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قُرب حاصل کر لیتا ہے تو نفسِ مُطْمَئِنَّہ کہلاتا ہے جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ مَاۤ اُرِیْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ (پ۲۷، الذٰریٰت: ۵۶تا۵۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اور میں نے جن اور آدمی اتنے ہی لئے بنائے کہ میری بندگی کریں میں ان سے کچھ رزق نہیں مانگتا۔

لہٰذا جو شخص کسی نعمت کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی والے کام میں استعمال کرے در حقیقت اس نے اُن تمام نعمتوں میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی کی جو بطورِ اسباب اس نافرمانی والے کام میں استعمال ہوئیں۔ ہم پوشیدہ حکمت کی ایک ایسی مثال بیان کرتے ہیں جس کی حکمت زیادہ پوشیدہ نہیں ہے تاکہ اس سے نصیحت حاصل کی جائے اور نعمت کے شکر اور ناشکری کا طریقہ معلوم کیا جاسکے۔

روپے پیسے کے وُجود کی حکمتیں:

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمتوں میں سے روپے پیسے بھی ہیں جو نظامِ دنیا کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ یہ کوئی قیمتی شے نہیں اور نہ ہی ذاتی طور پر ان میں کوئی نفع ہے مگر انسان کو ان کی اَشَد ضرورت ہے کیونکہ ہر انسان کو کھانے، پہننے اور دیگر تمام ضروریات کے لئے بے شمار اشیاء کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً: بعض اوقات انسان کے پاس وہ چیز نہیں ہوتی جس کی اسے حاجت ہو اور وہ اس شے کا مالک ہوتا ہے جس کی اسے حاجت نہیں مثلاً ایک شخص زَعْفَران کا مالک ہوتا ہے لیکن اسے اونٹ کی حاجت ہوتی ہے تاکہ اس پر سواری کرے اور دوسرا شخص اونٹ کا مالک ہوتا ہے جبکہ اسے اونٹ کی نہیں بلکہ زعفران کی حاجت ہوتی ہے تو اس کا حل یہ تھا کہ یہ دونوں اپنی اشیاء ایک دوسرے سے بدل لیں لیکن تبادلے میں کوئی مقدار مُقرَّر کرنا ضروری ہے لہٰذا اونٹ والا زعفران کے بدلے تو اپنا اونٹ دینے پر راضی نہیں ہوگا کیونکہ زعفران اور اونٹ کے درمیان وزن یا صورت کسی اعتبار سے مناسبت نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کپڑوں کے بدلے مکان یا موزے کے بدلے غلام یا گدھے کے بدلے آٹا خریدتا ہے تو ان اشیاء میں بھی کوئی مناسبت نہیں اور یہ بھی نہیں جانا جاسکتا کہ اونٹ کتنی زعفران کے برابر ہے۔ اس طرح کے معاملات طے پانا انتہائی دشوار تھے اور حاجت تھی کہ ان متضاد اشیاء کے درمیان ایک واسطہ بطور حاکم قائم کیا جائے تاکہ ان کے درمیان صحیح فیصلہ کیا جائے اور ان میں سے ہر ایک کی حیثیت معلوم کرلی جائے کیونکہ جب ہر ایک کی حیثیت اور اس کا مرتبہ مقرر ہوجائے گا تو پھر مساوی اور غیر مُساوی اشیاء کا بھی علم ہوجائے گا۔ چنانچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے روپے پیسے کو ان تمام معاملات کے لئے بطور حاکم واسطہ بنایا تاکہ ان کے ذریعے اشیاء کی حیثیت معلوم کی جائے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ فلاں اونٹ سو دینار کا ہے اور اتنی مقدار زعفران بھی سو دینار کے برابر ہے تو اونٹ اور یہ زعفران اس حیثیت سے

برابر ہیں کہ دینار کے ذریعے ان کی قیمت برابر ہے۔

روپے پیسے کے ذریعے اشیاء کا لین دین اسی لئے ممکن ہے کیونکہ ان سے ذاتی طور پر کوئی غرض نہیں کیونکہ اگر ان کی ذات سے کوئی خاص کام مقصود ہوتا تو کبھی یہ اس خاص غرض میں استعمال ہوتے اُس شخص کے لئے جسے اِن کی حاجت ہو اور جب کبھی ان کی حاجت نہ ہوتی اس وقت دیگر اشیاء کے معاملات میں استعمال ہوتے یوں مُعاملات نہ چل پاتے لہٰذا اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انہیں ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں آنے اور اشیاء کا لین دین مُنصِفانہ طریقے سے کرنے کے لئے بنایا۔

روپے پیسے کے وجود میں آنے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ یہ تمام اشیاء کے حُصول کا ذریعہ ہیں کیونکہ یہ فی نفسہٖ محبوب و مقصود نہیں بلکہ ان کی تمام اشیاء کی طرف ایک ہی طرح کی نسبت ہے لہٰذا یہ جس شخص کی مِلک میں ہوں گویا وہ ہر شے کا مالک ہوتا ہے اس کے برخلاف جو شخص کسی اور شے کا مالک ہو مثلاً کوئی شخص کپڑے کا مالک ہے تو اس کی رسائی صرف کپڑوں تک ہی ہوتی ہے اگر اسے کھانے کی حاجت ہو تو ضروری نہیں جس کے پاس کھانا ہو وہ کپڑے ہی میں رغبت رکھتا ہو بلکہ اسے سواری وغیرہ میں بھی رغبت ہو سکتی ہے تو ضرورت ہے ایسی چیز کی جو صورتاً اگرچہ کچھ نہ ہو مگر معنوی طور پر وہی سب کچھ ہو اور جو شے فائدہ پہنچانے کے لئے خاص صورت کا تقاضا نہ کرے اس کی نسبت ہر شے کی طرف یکساں ہوتی ہے جیسا کہ آئینہ کہ اس کا خود تو کوئی رنگ نہیں ہوتا لیکن ہر رنگ ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح کرنسی بھی خود مقصود نہیں ہوتی لیکن ہر مقصود تک پہنچے کا ذریعہ ہوتی ہے جیسے حرف کہ اس کا کوئی معنی نہیں لیکن لفظوں (یعنی فعل واسم) کے معانی اسی سے مل کر ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ روپے پیسے کی دوسری حکمت ہے اور اس کے علاوہ بھی حکمتیں ہیں لیکن ان کا ذکر طوالت چاہتا ہے۔

اشیاء کو خلافِ حکمت استعمال کرنا ناشکری ہے:

لہٰذا جو شخص سونا چاندی کو ان کی حکمتوں کے خلاف استعمال کرے وہ ان کے حوالے سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمت کا ناشکرا ہے اور جو انہیں چھپا کر رکھے اس نے ان کے ساتھ زیادتی کی اور ان کی حکمت کو ختم کر دیا اور یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص مسلمانوں کے حاکم کو قید کر لے جس کی وجہ سے وہ اپنے تمام فیصلوں سے روک دیا جائے کیونکہ جب اسے چھپا دیا گیا تو اس کا فیصلہ بے کار ہو گیا اب اس سے مقصود حاصل نہ ہو گا۔

روپے پیسے کسی خاص فرد زید یا عمرو کے لئے نہیں بنائے گئے چنانچہ ان کی ذات سے کسی کو کوئی مطلب نہیں بلکہ انہیں ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں آنے کے لئے بنایا گیا ہے تو یہ درحقیقت لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے اور اشیاء کی قیمت وحیثیت کی پہچان کرانے کی علامت ہیں۔

لوگ موجودات کے صفحات پر مَرقُوم ایسی ربانی تحریر کو پڑھنے سے قاصر ہیں جو حرف و آواز سے پاک ہے، جس کا ادراک ظاہری آنکھ سے نہیں بلکہ صرف بصیرت سے ممکن ہے، مخلوق جسے سمجھنے سے عاجز ہے اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے حبیب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے وسیلے سے بذریعہ حرف و آواز لوگوں تک پہنچایا تاکہ حرف و آواز کے واسطے سے مخلوق اس کا معنیٰ سمجھ سکے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۙ﴿۳۴﴾ (پ۱۰، التوبۃ: ۳۴)

ترجمۂ کنزالایمان: اور وہ کہ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا چاندی اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں خوش خبری سناؤ درد ناک عذاب کی۔

پیٹ میں جہنم کی آگ:

جو شخص روپے پیسے کے ذریعے سونے چاندی کے برتن بنائے اس نے نا صرف نعمت کی ناشکری کی بلکہ ایسا شخص روپے پیسے چُھپا کر رکھنے والے سے بھی بدتر ہے اور اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو شہر کے حاکم کو نہ صرف قید کرے بلکہ اسے کپڑا بننے، جھاڑو لگانے اور ان کاموں میں لگادے جو لوگوں میں بُرے سمجھے جاتے ہیں۔ سونے چاندی کے برتن بنانا انہیں جمع کرنے سے زیادہ برا اس لئے بھی ہے کہ برتن سے مقصود مائع اشیاء کی حفاظت ہے اور اس کام کے لئے سونے چاندی کے علاوہ مٹی، لوہا، سیسہ اور تانبا بھی کافی ہیں لیکن یہ تمام اس غرض کے لئے کافی نہیں جو روپے پیسے سے مقصود ہے یعنی کرنسی۔ جس شخص پر یہ حقیقت مُنکَشِف نہیں اسے رسول صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ذریعے آگاہ کر دیا گیا چنانچہ مروی ہے کہ جو شخص سونے چاندی کے برتن میں پیئے گویا وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھر رہا ہے۔[1]

1... مسلم کتاب اللباس، باب تحریم استعمال اوانی... الخ، ص ۱۱۴۲، حدیث: ۲۰۶۵

سود حرام ہونے کی شرعی حکمت:

جو شخص روپے پیسے کے ذریعے سود حاصل کرے وہ نعمت کا شکر ادا نہ کرنے والا اور ظُلم کرنے والا ہے کیونکہ ان سے ان کی ذات مقصود نہیں بلکہ انہیں تو دوسری اشیاء کے حُصول کے لئے پیدا کیا گیا ہے تو جو شخص ان کی تجارت کرے وہ انہیں ان کی وضع وحکمت (یعنی جس کام کے لئے انہیں بنایا گیا ہے اس) کے خلاف استعمال کرنے والا ہے اور کرنسی سے جو کام مقصود ہے اس کے علاوہ کام لینا ظلم ہے۔ اس طرح جس کے پاس کپڑا موجود ہو لیکن کرنسی نہ ہو وہ کھانا یا جانور لینے پر قادر ہی نہ ہو گا کیونکہ ضروری نہیں کہ کپڑے کے بدلے کھانا یا جانور بیچا جاتا ہو لہٰذا وہ مجبور ہو جائے گا کہ کھانا بیچ کر کرنسی حاصل کرے اور انہیں وسیلہ بنا کر اپنا مقصود حاصل کرے کیونکہ روپے پیسے غیر کے حُصول ہی کے لئے وسیلہ ہیں ان کی ذات مقصود نہیں اور اشیاء کے درمیان ان کا وہی مقام ہے جو کلام میں حرف کا ہے جیسا کہ نحوی حضرات کہتے ہیں کہ حرف وہی ہوتا ہے جو غیر کے معنیٰ ظاہر کرنے کے لئے آتا ہے جیسے آئینہ رَنگوں کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کے برعکس جس کے پاس کرنسی ہو اور اس کے لئے کرنسی کو کرنسی کے بدلے (کمی زیادتی کے ساتھ) بیچنا جائز ہو تو اسے اس کی لَت پَڑ جائے گی اور اس طرح کرنسی بھی اسی کے پاس قید ہو کر رہ جائے گی اور وہ ذخیرہ کرنے والوں کی طرح ہو جائے گا اور حاکم یا قاصد کو ایک جگہ روک لینا اسی طرح ظلم ہے جس طرح انہیں قید کرنا ظلم ہے پس کرنسی کو کرنسی کے بدلے (کمی زیادتی کے ساتھ) بیچنے کا مقصد بھی صرف ذخیرہ کرنا ہے لہٰذا یہ بھی ظلم ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر تم کہو کہ پھر مختلف کرنسیوں کا باہمی تبادلہ یا ایک ہی کو اسی کی مثل کے بدلے بیچنا کیوں جائز ہے؟ **جواب:** تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ مقصود حاصل کرنے کے مُعاملے میں کرنسیاں مختلف ہوتی ہیں ایک کم درجے کی تو دوسری اس سے اعلیٰ، کم درجے والی کرنسی کو تھوڑا تھوڑا کر کے بے شمار مُعاملات میں استعمال کیا جاسکتا ہے جبکہ اعلیٰ درجے والی کو مختلف حاجات کے لئے کم درجے والی سے بدلنا ضروری ہے تو اگر مختلف کرنسیوں کے باہَمی تبادَلے سے منع کر دیا جائے تو کرنسی کے مقصود (یعنی اعلیٰ درجے والی کرنسی سے اشیاء کے حصول) میں خَلَل واقع ہو جائے گا۔

یکساں کرنسیوں کے تبادَلے کی صورت:

جہاں تک ایک ہی کرنسی کو اس کی مثل کے بدلے بیچنے کا معاملہ ہے تو یہ اس وجہ سے جائز ہے کہ دونوں کرنسیاں یکساں ہیں، کوئی عاقل شخص نہ اس کی طرف راغب ہوتا ہے اور نہ ہی تاجر اس میں مشغول ہوتا ہے کیونکہ یہ بیع فضول ہے اور یہ بیع کرنا درہم زمین پر گرا کر پھر اٹھالینے کی طرح ہے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ عقلمند حضرات اپنا وقت دَرَاہم کو زمین پر گرا کر انہیں اٹھانے میں صرف کریں گے اس لئے ہم نے ایسی چیز سے منع بھی نہیں کیا جس کی طرف نفس مائل نہ ہو مگر جب ان میں سے ایک دوسرے سے کھرا ہو تو نفس ضرور مائل ہو گا لیکن اس صورت میں تبادلے کا رَواج ہی نہیں کیونکہ جس کے پاس کھرا سِکّہ ہو وہ اسی کے برابر کھوٹا سِکّہ لینے پر کبھی راضی نہیں ہو گا لہٰذا بیع ہی نہ ہو گی اور اگر وہ کھوٹے سکے زیادہ طلب کرے جیسا کہ اس کی خواہش کی جاتی ہے تو یہ شرعاً ناجائز ہے اور حکم یہ ہے کہ جب کرنسی ایک ہی ہو تو اس میں کھرے یا کھوٹے کا کوئی فرق نہیں کیونکہ یہ صفات ان اشیاء میں مدِّ نظر رکھنا مناسب ہیں جن کی ذات اور ان کا حُصول مقصود ہو اور جن کی ذات مقصود نہ ہو ان میں صفات کی باریک تبدیلیوں کو پیشِ نظر رکھنا مناسب نہیں۔ لہٰذا ظالم ہے وہ شخص جو کرنسی کو کھرے کھوٹے میں تقسیم کر دے حتّٰی کہ ان کا حُصول مقصود بن جائے جبکہ حقیقتاً وہ مقصود نہیں۔

درہم کو اس کی مثل درہم کے بدلے اُدھار بیچنا ناجائز ہے اور اس پر وہی شخص اِقدام کرے گا جسے احسان کرنا منظور نہ ہو گا جبکہ قرض دینے میں مقروض پر احسان اور اسے چُھوٹ دینا ہے جس کی وجہ سے آدمی تعریف کا مستحق بھی ہوتا ہے اور ثواب کا بھی۔ اس کے برعکس بیع کرنے میں نہ تعریف کا مستحق ہے نہ ثواب کا بلکہ یہ ظُلم ہے کیونکہ یہ خصوصی احسان کو ضائع کر کے اس کے بدلے مُعاوَضہ طَلَب کرنا ہے۔

اشیائے خورد و نوش حاجت سے زائد ہوں تو!

اسی طرح کھانے کی اشیاء بطورِ غذا اور دوا استعمال کرنے کے لئے بنائی گئی ہیں لہٰذا مناسب نہیں ہے کہ ان میں تصرف کر کے کسی اور مقصد کے لئے استعمال کیا جائے کیونکہ اس صورت میں پریشانیوں کا دروازہ کھل جائے گا اور کھانا چند لوگوں کے ہاتھوں میں قید ہو کر رہ جائے گا اور اس کا مقصد فوت ہو جائے گا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے کھانے کی اشیاء صرف غذا کے طور پر استعمال کرنے کے لئے پیدا کی ہیں اور اس کی حاجت بھی شدید ہے تو

چاہئے کہ جن کے پاس حاجت سے زائد ہے ان کے ہاتھوں سے نکال کر حاجت مندوں تک پہنچایا جائے۔ کھانے کی اشیاء وہی بیچے گا جسے اس کی حاجت نہ ہو کیونکہ جس کے پاس کھانا موجود ہو اور اسے اس کی حاجت بھی ہو تو وہ اسے کھائے گا تجارتی سامان کیوں بنائے گا؟ اور اگر یہ کھانا اضافی ہو تو چاہئے کہ ایسے شخص کو بیچے جو اسے کھانے کے علاوہ وہ چیز دے جس کی اسے حاجت ہے لہٰذا جو شخص کھانے کے بدلے اسی قسم کا کھانا خریدے (یہی ہے ذخیرہ اندوز) کیونکہ اسے اس کھانے کی بھی حاجت نہیں۔ اسی وجہ سے شریعت نے ذخیرہ اندوز پر لَعْنَت کی ہے اور اس کے متعلق وعیدیں بھی ہیں جو ہم نے **"کسب و معاش کے آداب"** میں ذکر کی ہیں۔

البتہ کھجور کے بدلے گندم بیچنا جائز ہے کیونکہ وہ مجبور ہے کہ ان میں سے کسی کو دوسرے کی جگہ استعمال نہیں کیا جا سکتا اور ایک صاع گندم کے بدلے ایک ہی صاع گندم بیچنا بھی جائز ہے اگرچہ یہ شخص مجبور نہیں لیکن یہ فُضُول کام ہے، لہٰذا اس سے منع کرنے کی حاجت نہیں کہ نفس اس بیع کی طرف اسی وقت مائل ہو گا جبکہ ان کی صفات میں تفاوت ہو یعنی اسے خراب کے بدلے عمدہ کھجوریں دی جائیں جبکہ اس پر عمدہ کھجوروں والا راضی نہیں ہو گا لیکن جب دو صاع خراب کھجوروں کے بدلے ایک صاع عمدہ کھجویں دی جائیں تو نفس اس طرف مائل ہوتا ہے (لیکن یہ شرعاً جائز نہیں) کہ کھانے کی اشیاء ضروریات میں سے ہیں اور ان میں صفات کا تغیر یعنی عمدہ یا خراب ہونا اصل شے میں فرق پیدا نہیں کرتا اور بطورِ غذا استعمال ہونے والی اشیاء میں اس صفاتی فرق یعنی عمدہ یا تر و تازہ ہونے کی شریعت میں کوئی حیثیت نہیں۔

سود حرام ہونے کی یہ حکمت ہم پر فَنِّ فقہ سے فراغت کے بعد واضح ہوئی لہٰذا ہم نے اسے فقہی مسائل کے ساتھ ذکر کر دیا اور اختلافی مسائل جتنے بھی ہم نے ذکر کئے ہیں ان میں سب سے اہم یہ مسئلہ ہے۔ اس حکمت کے ذریعے ناپ تول کو سود کی عِلَّتِ حُرمت مُقَرَّر کرنے کے مقابلے میں حضرتِ سیِّدُنا امام شافعی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْکَافِی کے مذہب کے مطابق غذا کو حُرمت کی عِلَّت قرار دینے کی وجہ واضح ہو گئی کیونکہ اگر (سود کی علت جنس کے ساتھ ناپ تول کو بنا کر) چونے کی بیع بھی (حدیث مبارکہ[1] میں بیان کی گئی صورت کے مطابق) حرام

---

[1]... "صحیح مسلم" میں حضرت سیِّدُنا عبادہ بن صامت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے کہ رسولُ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: سونا سونے کے عوض اور چاندی کے عوض چاندی، گیہوں کے عوض گیہوں، جو کے عوض جو، چھوہارے...

قرار دی جائے تو اس حُرمت میں کپڑے اور جانوروں کی بیع بدرجہ اولیٰ داخل ہو گی اور اگر حدیثِ مُبارَک میں نمک کا ذکر نہ ہوتا تو حضرتِ سیِّدُنا امام مالک رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کا مذہب سب سے قوی ہوتا کیونکہ انہوں نے اشیاء میں سود کی علت شے کا قوت بخش ہونا قرار دیا ہے۔(1)

احکامات کی علتیں مقرر کرنے کی حکمت:

شریعت جو بھی حکم بیان کرے ہمیں چاہئے کہ اس کی کوئی حد کوئی علت مقرر کر لی جائے اور جہاں تک سود کی حرمت کی علت کا تعلق ہے تو "شے کا قوت بخش ہونا" مقرر کی جائے یا "بطورِ غذا استعمال ہونا" کی جائے دونوں ممکن ہیں جیسا کہ حضرتِ سیِّدُنا امام مالک اور حضرتِ سیِّدُنا امام شافعی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِمَا نے اسے عِلَّت شمار کیا لیکن شریعت نے سود کی حُرمت کی علت اشیاء کے بطور غذا استعمال ہونے کو مناسب سمجھا جو زندہ رہنے کے لئے سب سے بڑی ضرورت ہے۔ کبھی شرعی علتیں ایسے اطراف کو محیط ہوتی ہیں جن میں حکم پر ابھارنے والا اصل معنی قوی نہیں ہوتا لیکن اس کے باوجود وہ علت ہوتی ہے کیونکہ اگر احکام کی عِلَّتیں مقرر نہ کی جائیں تو لوگ اَحوال اور اشخاص کے اختلافات کی وجہ سے واضح شرعی احکامات پر بھی عمل کرنے میں پریشان ہوں گے کیونکہ حکم واضح ہونے کے باوجود احوال واشخاص کے اختلاف کی وجہ سے تبدیل ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ حد وعلت مقرر کرنا ضروری ہے، اسی کے متعلق اللہ عَزَّ وَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

...چھوہارے کے عوض اور نمک نمک کے عوض برابر برابر نقد بہ نقد بیچو جب یہ قسمیں بدل جائیں تو جیسے چاہو بیچو بشرطیکہ نقد بہ نقد ہو۔(مسلم، کتاب المساقاۃ والمزارعۃ، باب الصرف وبیع الذھب بالورق نقدا، ص۸۵۶، حدیث: ۸۱-(۱۵۸۷))

1...حضرت سیِّدُنا عبادہ بن صامت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی حدیث میں حُرمت کی علت احناف کے نزدیک سونے چاندی میں جنس ووزن ہے چنانچہ احناف کے نزدیک سونے چاندی میں ہم جنس وہم وزن اشیاء کا تبادلہ کمی زیادتی کے ساتھ ناجائز ہے، بقیہ چار اشیاء میں جنس وکیل علت ہے لہٰذا احناف کے نزدیک ناپ تول سے بکنے والی ایک ہی جنس کی اشیاء کا تبادلہ کمی زیادتی کے ساتھ ناجائز ہے۔ شوافع کے نزدیک سونے چاندی میں ثَمَنِیَّت علت ہے اور بَقِیَّہ اشیاء میں ماکول یعنی بطور غذا استعمال ہونا علت ہے۔ مالکیوں کے نزدیک سونے چاندی میں ثمنیت ہی علت ہے لیکن بقیہ اشیاء میں قوت بخش ہونا علت ہے۔ حَنابِلہ کے نزدیک سونے چاندی میں جنس ووزن علت ہے اور بقیہ اشیاء میں ان کے دو قول ہیں قدیم قول کے مطابق ماکولی ہونے کے ساتھ ساتھ مکیلی یا موزونی ہونا بھی شرط تھا لیکن جدید قول کے مطابق صرف ماکولی ہونا شرط ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین، ۱۱/ ۱۳۴، ۱۳۵، ملخصًا)

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ (پ۲۸، الطلاق: ۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھا بے شک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

حدو علت مقرر کرنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ شریعتوں کے احکامات ان حدود اور علتوں ہی کی وجہ سے مختلف ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوحُ اللّٰہ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُوَالسَّلَام کی شریعت میں شراب حرام ہونے کی علت نشہ آنا تھا جبکہ ہماری شریعَتِ اسلامیہ میں اس کی علت نشہ آور ہونا ہے چاہے تھوڑی ہو یا زیادہ کیونکہ تھوڑی ہی زیادہ کی طرف رغبت دلاتی ہے تو جو بھی شے نشہ آور جنس سے ہے وہ حُرمت میں داخل ہے جیسا کہ شراب نشہ آور ہونے کے سبب حرام ہے۔

روپے پیسے کی پوشیدہ حکمتوں کو سمجھنے کے لئے یہ ایک مثال تھی۔ ہمیں چاہئے کہ نعمت کے شکر اور ناشکری کو اسی سے جان لیں کیونکہ ہر شے کے وُجود کی ضرور کوئی حکمت ہوتی ہے جس میں تصرف کرنا مناسب نہیں اور یہ بات حکمت جاننے کے بعد ہی سمجھی جا سکتی ہے کہ جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی۔ لیکن جس کا دل خواہشات اور شیطان کے کھیل کا میدان ہو وہاں حکمتوں کے موتی جمع نہیں ہوتے بلکہ نصیحت عقلمند ہی حاصل کرتے ہیں۔ اسی لئے حُضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "اگر شیاطین نے انسانوں کے دلوں کو گھیرا ہوا نہ ہوتا تو وہ آسمان کی بادشاہی کی طرف دیکھ لیتے۔"[1]

جب تم نے یہ مثال اچھی طرح سمجھ لی تو اس سے اپنی حرکات و سَکَنات، بول چال اور ہر ہر فعل کا جائزہ لو یا تو وہ شکر پر مشتمل ہو گا یا ناشکری پر اس کے علاوہ کوئی صورت نہیں۔

انسانی اعضاء کی چند حکمتیں:

فقہ کی اصطلاح میں انسان کے بعض افعال کو مکروہ کہا جاتا ہے اور بعض کو ممنوع جبکہ صوفیائے کرام ایسے تمام افعال کو ممنوع جانتے ہیں مثلاً اگر تم سیدھے ہاتھ سے اِستِنجا کرو تو یہ دونوں ہاتھ جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمت ہیں ان کی ناشکری ہو گی کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے سیدھے ہاتھ کو اُلٹے سے زیادہ قوت عطا کی ہے تو شرافت و فضیلت کا یہ الٹے سے زیادہ حقدار ہے اور کمتر کو فضیلت دینا عدل کے خلاف ہے جبکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ تو عدل کا حکم

---

[1] ... المسند للامام احمد بن حنبل، مسند ابی ھریرۃ، ۳/ ۲۶۹، حدیث: ۸۶۴۸، بتغیر

ارشاد فرماتا ہے، پھر یہ کہ جس نے تمہیں ہاتھوں کی نعمت عطا کی ہے اسی نے تمہارے لئے اعمال بھی مقرر کئے ہیں جن میں سے بعض اعلیٰ ہیں جیسے قرآن پاک اٹھانا اور بعض ادنیٰ جیسے نجاست زائل کرنا، اب اگر تم الٹے ہاتھ سے قرآن پاک اٹھاؤ اور سیدھے ہاتھ سے نجاست زائل کرو تو تم نے فضیلت والے سے ادنیٰ کام لے کر اس کے حق میں کمی کی جو کہ ظلم اور عدل سے رُوگردانی ہے۔

سمتیں مقرر کرنے کی حکمت:

یونہی اگر تم قبلہ کی طرف تھوکو یا قضائے حاجت کے وقت اس طرف منہ کرو تو جہات (یعنی سمتیں) اور وُسْعَتِ عالَم جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمتوں میں سے ہیں تم نے ان کی ناشکری کی کیونکہ مختلف جِہات اس لئے بنائی گئیں کہ تمہیں حرکت کرنے میں آسانی ہو اور مختلف جِہات میں بھی بعض بعض سے اعلیٰ ہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ایک سمت میں گھر (یعنی کعبۃ اللہ شریف) بنا کر اسے اپنی طرف منسوب کر کے اس جِہَت کو عزت و شرافت بخش دی تا کہ تمہارا دل اسی طرف مائل رہے اور اس کی عَظْمَت تم اپنے دل میں بسالو حتّٰی کہ جب تم اپنے ربّ کی عبادت کرو تو تمہارا جسم بھی اسی جہت کی طرف سکون و باوقار طریقے سے متوجہ ہو۔ اگر تمہارے اَفعال کی تقسیم کی جائے تو ان میں بھی بعض اعلیٰ ہیں جیسے عبادت و فرمانبرداری کرنا جبکہ بعض بُرے سمجھے جاتے ہیں جیسے استنجا کرنا اور تھوکنا لہٰذا جب تم نے قبلے کی طرف تھوکا تو اس جہت کے ساتھ زیادتی کی اور اس کی ناشکری کی کیونکہ جہتِ قبلہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمت ہے اور اس جہت میں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے تمہاری عبادت کے لئے قبلہ بنا کر اسے عزت بخشی ہے۔

موزہ پہلے سیدھے پاؤں میں پہننے کی حکمت:

موزے پہننے میں الٹے پاؤں سے ابتدا کرنا بھی ظلم ہے کیونکہ موزہ پاؤں کی حفاظت کے لئے ہوتا ہے اور اسے پہننے میں پاؤں کی بہتری ہے اور بہتر اور بھلائی والے کام کی ابتدا شرافت و عظمت والی جانب سے کرنی چاہئے یہی عدل ہے اور اسی میں حکمت ہے جبکہ اس کا اُلٹ کرنا ظُلم ہے اور اس میں پاؤں اور موزے دونوں نعمتوں کی ناشکری ہے۔ فقہائے کرام کے نزدیک اگرچہ یہ فعل مکروہ ہے لیکن صوفیائے کرام اسے بہت بڑی

نافرمانی تصور کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک صوفی بزرگ نے گیہوں کے بھرے ڈول جمع کر رکھے تھے اور انہیں صدقہ کرتے جا رہے تھے، کسی نے اس کا سبب معلوم کیا تو انہوں نے فرمایا: ”ایک مرتبہ میں نے بھولے سے جوتے پہننے کی ابتدا اُلٹے پاؤں سے کرلی تھی، لہٰذا صدقے کے ذریعے اس کا کفارہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔“

فقیہ اس طرح کے معاملات کی شَدّ و مَد کے ساتھ بُرائی بیان نہیں کر سکتا کیونکہ اس کا مقصود اس عوام کی اصلاح ہے جو شرعی معاملات میں چوپائیوں کی طرح ہیں اور ایسے بڑے بڑے گناہوں کی اندھیریوں میں ڈوبے ہوئے ہیں جن کے مقابلے میں یہ کچھ بھی نہیں مثلاً اگر کوئی شخص اُلٹے ہاتھ میں پیالہ پکڑ کر شراب پی رہا ہو تو اسے یہ نہیں کہا جائے گا کہ تم دو برائیوں کے مرتکب ہوئے ایک شراب نوشی دوسرے اُلٹے ہاتھ سے پیالہ پکڑنا۔ یونہی جمعہ کے دن اذانِ ثانی کے وقت شراب کی خرید و فروخت میں مصروف شخص کو اس کی دو برائیاں یعنی ایک شراب کی خرید و فروخت اور دوسرا جمعہ کی اذان کے وقت خرید و فروخت نہیں گنوائی جائیں گی اور ایسے ہی جو بیچ مسجد میں قبلے کی طرف پیٹھ کرکے استنجا کر رہا ہو تو اسے استنجا کے آداب نہیں بتائے جائیں گے اگرچہ نافرمانیاں ساری کی ساری تاریکیاں ہیں لیکن بعض اس قدر سخت اور بڑی ہوتی ہیں کہ دوسری ان کے سامنے نظر بھی نہیں آتیں جیسے غلام اگر مالک کی چُھری بغیر اجازت استعمال کرے تو وہ اس پر اسے ڈانٹے گا لیکن اگر وہ اس چھری سے مالک کے بیٹے کو قتل کر دے تو اب مالک کی توجہ بغیر اجازت چھری استعمال کرنے پر نہ ہوگی (کیونکہ بیٹے کا قتل اس سے کہیں بڑا معاملہ ہے)۔ ایسے ہی وہ تمام معاملات جن کے آداب انبیا و بزرگانِ دین عَلَیْہِمُ السَّلَام نے پیشِ نظر رکھے لیکن فقہ کی رو سے انہیں چھوڑنے پر عوام پر کوئی سختی نہیں تو اس کی یہی وجہ ہے (کہ ان کے بڑے گناہوں کے سامنے یہ کچھ بھی نہیں) ورنہ اس طرح کی تمام نافرمانیاں بھی عدل سے روگردانی، نعمت کی ناشکری اور قُربِ الٰہی تک پہنچانے والے درجہ میں نقصان کا باعث ہیں بلکہ بعض نافرمانیاں تو قُربَتِ الٰہی کے مقام سے گرا کر ایسی دوری تک پہنچا دیتی ہیں جو شیاطین کا ٹھکانہ ہے۔

اشیاء انسانی حاجات کے لئے پیدا کی گئی ہیں:

اسی طرح جو شخص ضرورت اور صحیح حاجت کے بغیر درخت سے کوئی ٹہنی توڑے تو اس نے درخت اور ہاتھ جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمت ہیں ان دونوں کی نافرمانی کی۔ ہاتھ کی اس طرح کہ اسے فضول کاموں کے لئے

نہیں بنایا گیا بلکہ فرمانبر داری اور اس تک پہنچانے والے اَعمال کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور درخت اور اس کی جڑوں کی پیدائش، اس تک پانی پہنچانا اور اس میں حصول غذا اور نمو کی قوت پیدا فرمانا اس لئے ہے تاکہ یہ تناور درخت بن جائے اور لوگ اس سے نفع حاصل کریں تو اگر اس کی نَشْوونَما سے پہلے ہی بغیر کسی حاجت و نفع کے توڑ دیا جائے تو یہ اس کے مقصود و حکمت کے خلاف اور عدل سے روگردانی ہے اور اگر کسی ضروری حاجت کے لئے توڑا جائے تو پھر ٹھیک ہے کیونکہ درخت اور جانوروں کو انسانی حاجات پوری کرنے کے لئے بنایا گیا ہے۔ جب یہ دونوں ہلاک ہونے کے لئے ہی پیدا کئے گئے ہیں تو اشرف و اعلیٰ مخلوق کی بَقا کے لئے ادنیٰ کو ہلاک کر دینا ہی عدل کے زیادہ قریب ہے بمُقابلہ انہیں ضائع کرنے کے۔ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ عَزَّوَجَلَّ اشاد فرماتا ہے:

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ط (پ۲۵، الجاثیۃ:۱۳)

ترجمۂ کنزالایمان: اور تمہارے لئے کام میں لگائے جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں اپنے حکم سے۔

بعض اشیاء کا نفع بعض کے لئے خاص ہوتا ہے:

البتہ اگر دوسرے کی ملک میں لگے درخت سے ٹہنی توڑی جائے تو اگرچہ حاجت کی وجہ سے ہو پھر بھی ظلم ہے کیونکہ ہر درخت تمام لوگوں کی حاجت پوری کرنے کے لئے نہیں بلکہ بعض درخت بعض مخصوص لوگوں کی حاجت کے لئے ہیں اور یہ تخصیص بغیر کسی وجہ کے نہیں کہ یہ تو خود ظلم ہے بلکہ کسی بھی درخت کا نفع اسی شخص کے لئے خاص کیا جاتا ہے جو بیج حاصل کرے، اسے بوئے، پانی دے اور اس کی دیکھ بھال کرے تو یہ شخص دوسروں کے مقابلے میں اس کے نفع کا زیادہ حقدار ہوتا ہے اور انہی وُجوہات کی بنا پر اسے ترجیح دی جاتی ہے۔

جو زمین کسی کی ملک میں نہ ہو اگر اس میں کسی کے بیج لگائے بغیر پودا خود ہی اُگ جائے اور تناور درخت بن جائے تو اب تخصیص کی کوئی دوسری وجہ تلاش کرنی ضروری ہے اور وہ یہی ہے کہ جو پہلے اسے توڑنے آجائے کیونکہ پہلے آجانا بھی خصوصیت کے اسباب میں سے ہے تو عدل یہی ہے کہ جو پہلے آیا وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔ فُقَہا اس تخصیص کو بھی ملک سے تعبیر کرتے ہیں جو کہ خود خالِصَتاً مجازی ہے کیونکہ حقیقی مالک تو بادشاہوں کا بادشاہ ربّ عَزَّوَجَلَّ ہے اسی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ انسان کیسے کسی بھی چیز کا

مالک ہو سکتا ہے جبکہ اس کی اپنی جان کا مالک کوئی اور (یعنی باری تعالیٰ) ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ساری مخلوق کا مالک اللہ عَزَّوَجَلَّ ہے، زمین اس کا دستر خوان ہے، اس نے اپنے بندوں کو اختیار دیا ہے کہ اس دستر خوان سے اپنی حاجت کے مطابق جو چاہیں کھائیں جیسے کوئی بادشاہ اپنے غلاموں کے لئے دستر خوان بچھائے اور ایک غلام سیدھے ہاتھ سے ایک لقمہ اٹھا کر اچھی طرح تھام لے تو اب بعد میں آنے والے غلام کو پہلے کے ہاتھ سے لقمہ چھیننا جائز نہیں اور یہ اس وجہ سے نہیں کہ پہلا اسے پکڑ لینے سے اس کا مالک ہو گیا کیونکہ یہ شخص اور اس کا ہاتھ تو خود کسی کی ملکیت ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ ہر لقمے سے تمام غلاموں کی حاجات پوری نہیں کی جاسکتیں تو ترجیح یا کسی خصوصیت کے سبب بعض کو کسی کے لئے خاص کر دینے میں ہی عدل ہے اور لقمہ اٹھانا بھی خُصُوصیت ہے جس کے سبب اسے اِنْفِرادِیَّت حاصل ہے تو جسے یہ خصوصیت حاصل نہیں اسے اس کا تقاضا کرنے سے بھی منع کیا جائے گا۔ بندوں کے حق میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے معاملے کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے۔ اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ جو اپنی حاجت سے زائد دنیا کا مال و متاع حاصل اور جمع کرے نیز روکے رکھے جبکہ دیگر لوگوں کو اس کی حاجت ہو تو وہ ظالم ہے اور اس کا شمار اُن لوگوں میں سے ہے جو سونے اور چاندی کو جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے راستے سے مراد اس کی طاعت و فرمانبرداری ہے اور ربّ عَزَّوَجَلَّ کی فرمانبرداری میں مخلوق کا زادِراہ دنیاوی مال و متاع ہے کیونکہ اسی کے ذریعے لوگوں کی ضرورتیں اور حاجتیں پوری کی جاتی ہیں لیکن اس (یعنی لوگوں کی ضروریات پوری نہ کرنے) پر شرعاً کوئی سزا مقرر نہیں کیونکہ ضروریات مقرر کرنے کے لئے کوئی پیمانہ نہیں اور زمانہ مستقبل کے اعتبار سے فقر و محتاجی کے متعلق لوگوں کی آراء بھی مختلف ہیں نیز زندگی کا کچھ پتا نہیں تو عوام کو لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کا پابند بنانا بچے کو باوقار اور باادب رہنے اور ہر فضول کلام سے بچنے کا حکم دینے کی طرح ہے اور یہ ایسا حکم ہے کہ بچہ کم عَقْل ہونے کی وجہ سے اس پر قادر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بچوں کے کھیل کُود میں مشغول ہونے پر ہم اعتراض نہیں کرتے لیکن ہمارا انہیں یوں چھوڑ دینا کھیل کود کے جائز ہونے کی دلیل نہیں۔ اسی طرح عوام کے لئے زکوٰۃ کے علاوہ مال خرچ نہ کرنے اور جمع کرنے کو مباح اس لئے قرار دیا گیا کیونکہ بخل ان کی فطرت میں داخل ہے اسے ہر گز کوئی جَمْعِ مال کے اچھا ہونے پر دلیل نہ بنائے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کریم میں اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اِنْ یَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَیُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَ یُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾ (پ۲۶، محمد: ۳۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اگر انہیں (یعنی اموال کو) تم سے طلب کرے اور زیادہ طلب کرے تم بخل کروگے اور وہ بخل تمہارے دلوں کے میل ظاہر کر دے گا۔

اچھائی جو کدورت سے پاک ہو اور عدل جس میں ذرّہ برابر ظلم نہ ہو وہ یہ ہے کہ بندہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مال میں سے مسافر کی طرح ضرورت کے مطابق ہی لے کیونکہ ہر بندہ اپنے جسم پر سوار ہے اور اس کی منزل مالکِ حقیقی کی بارگاہ میں حاضری ہے۔ لہٰذا جو شخص ضرورت سے زیادہ مال جمع کرے اور راہِ آخرت کے مسافروں میں سے جسے اس کی حاجت ہو اس پر خرچ نہ کرے یہی ہے ظالم، عدل سے روگردانی کرنے والا، حکمت کے مقصود کو فوت کرنے والا اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمت کا منکر ہے اور اس پر قرآن وحدیث، عقل اور وہ تمام اسباب دلالت کرتے ہیں جن کے ذریعے جاننا ممکن ہے کہ ضرورت سے زیادہ مال جمع کرنا مسافر کے لئے دنیا و آخرت میں وبال ہے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے تمام موجودات میں جو حکمتیں رکھی ہیں جو شخص انہیں سمجھ لے وہی صحیح طرح سے شکر ادا کرسکتا ہے اور ان کا شمار کرتے ہوئے کئی جلدیں بھر دینا بھی بہت کم ہے لہٰذا ہم نے چند حکمتیں صرف اس لئے بیان کی ہیں تاکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمان: وَ قَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾ (1) کی سچائی اور ابلیس کے اس قول: وَ لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِیْنَ ﴿۱۷﴾ (2) کی خوشی کی وجہ معلوم ہو جائے۔ کیونکہ اشیاء کی حکمتوں کے متعلق جو مختصر کلام ہم نے بیان کیا ہے انسان کو جب تک اس کا علم نہ ہو اس پر ان آیات کا مفہوم واضح نہیں ہو سکتا۔ شکر کے لئے اس کے علاوہ بھی کئی علوم کا جاننا ضروری ہے جن کا کچھ حصہ بیان کرنے کے لئے کئی زندگیاں درکار ہیں۔

یہاں مفہوم سے مراد آیت کی تفسیر ہے ورنہ اس کے لغوی معنٰی تو ہر اس شخص کو معلوم ہیں جو عربی لُغَت کو جانتا ہے، اس سے آیت کے معنٰی اور تفسیر کا فرق بھی واضح ہو گیا۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر تم کہو کہ اس سارے کلام کا حاصل یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ہر شے میں کوئی حکمت ہے اور بندوں کے

---

1 ... ترجمۂ کنزالایمان: اور میرے بندوں میں کم ہیں شکر والے۔ (پ۲۲، سبا: ۱۳)

2 ... ترجمۂ کنزالایمان: اور (شیطان بولا) تو ان میں اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔ (پ۸، الاعراف: ۱۷)

افعال دو طرح کے ہیں بعض افعال حکمت کی تکمیل اور اس کے مقصود تک پہنچانے کا سبب ہیں اور بعض اس کی تکمیل میں رُکاوٹ ہیں۔ جو اَفعال حکمت کے تقاضوں کے موافق ہوتے ہیں حتّٰی کہ ان ہی کے سبب وہ مکمل ہوتی ہے وہ ''شکر'' کہلاتے ہیں اور جو اس کے تقاضوں کے خلاف اور اس کی تکمیل سے مانع ہوتے ہیں وہ ''ناشکری اور کُفرانِ نعمت'' کہلاتے ہیں۔ سارے کلام کا مفہوم یہی ہے جس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ بندوں کے تمام افعال چاہے حکمت کو پورا کرنے والے ہوں یا اس کی تکمیل سے مانع، دونوں ہی کا خالق اللہ عَزَّوَجَلَّ ہے تو پھر بندے کو ایک کے اعتبار سے ''شاکر'' اور دوسرے کے اعتبار سے ''ناشکرا'' کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب: جان لیجئے! اس معاملے کی مکمل تحقیق انتہائی دَقیق اور عُلومِ مُکاشَفَہ کا عظیم سمندر ہے۔ ہم نے گزشتہ بحث میں چند ابتدائی باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے ابھی اس کی انتہا اور غایت کے اعتبار سے مختصر کلام ذکر کرتے ہیں جسے وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو ولایت کے اس مقام پر ہو کہ پرندوں کی بولی سمجھتا ہو اور عام آدمی جس کی یہ حالت ہو کہ عالَمِ مَلَکُوت میں پرندوں کے گرد اُڑنا تو دَرکنار وہ تیز چل نہیں سکتا ایسا شخص تو اس کلام کا انکار ہی کرے گا۔

صِفَتِ قُدرت و مَشِیَّت کی حقیقت:

بات یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بلند رتبہ اور اعلیٰ صِفات میں سے ایک صِفَت اشیاء کی پیدائش و ایجاد کا ذریعہ ہے، یہ صفت بہت بلند و بالا ہے اس بات سے کہ لُغَت وَضع کرنے والوں کی آنکھیں اس کا اِحاطہ کرسکیں اور اس کی حقیقت و جلالتِ کُن کو لفظوں میں بیان کرسکیں کیونکہ اس کی شان بہت بلند ہونے اور لغت وضع کرنے والوں کی عقل اس تک پہنچنے سے قاصر ہونے کی وجہ سے ظاہری دنیا میں کوئی ایسا لفظ ہی نہیں جس سے اس کی حقیقت کو بیان کیا جائے۔ لغت وضع کرنے والوں کی آنکھیں فضا میں پھیلی اس کی روشنی کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتیں جیسے چمگادڑ کی آنکھ سورج کی روشنی دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتی اور دکھائی نہ دینا یہ سورج کی روشنی کم ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس کی اپنی بینائی کمزور ہونے کی وجہ سے ہے۔ جن لوگوں کی آنکھیں اس بلند رتبہ صفت کا مشاہدہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں وہ کسی لفظ کے بطورِ مجاز استعمال کرنے پر اہلِ لُغات کے اسرار پر مجبور ہوئے تاکہ اس صفت کی حقیقت سے کچھ آگاہی حاصل ہو اگرچہ انتہائی کمزور ہی

سہی۔ انہوں نے لَفْظِ ”قدرت“ کو اس صِفَت کے لئے بطورِ مجاز استعمال کیا اس کے بعد سے ہم بھی کہنے لگے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ایک صفت قدرت ہے جو اشیاء کی پیدائش و ایجاد کا ذریعہ ہے۔

پھر وجود کے اعتبار سے مخلوق کی بہت سی اقسام اور مخصوص صفات ہیں اور ان اقسام اور مخصوص صفات کا سبب ایک دوسری صفت ہے اور چونکہ یہ بھی پہلی (یعنی صِفَتِ قدرت) کی طرح ہے اس لئے لفظ ”مَشِیَّت“ بطورِ مجاز استعمال کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اَہْلِ لُغات اس صفت کو بھی اجمالاً ہی سمجھ سکے کیونکہ وہ لفظوں کے معانی حُروف و آواز کے ذریعے سمجھتے ہیں۔ لفظِ مشیت اس صفت کی حقیقت و جلالتِ کُنہ پر دلالت سے اسی طرح قاصر ہے جیسا کہ لفظِ قدرت پہلی صفت کی حقیقت بیان کرنے سے قاصر ہے۔

صِفَتِ قُدرت و مَشِیَّت اور اَفعال کا باہمی تعلق:

صِفَتِ قدرت سے وجود میں آنے والے افعال میں سے بعض اپنی حکمت کی غایت و انتہا تک ترتیب پاتے ہیں اور بعض غایت تک نہیں پہنچ پاتے لیکن ہر ایک کا تعلق صِفَتِ مَشِیَّت سے یوں ہوتا ہے کہ ہر فعل اپنی اس خصوصیت کے اعتبار سے مکمل ہوتا ہے جس سے اَفعال کی مختلف اقسام ترتیب پاتی ہیں۔ ان اَفعال کا صِفَتِ مَشِیَّت سے جو تعلق ہے اسی بنا پر حکمت کی غایت تک پہنچنے والے افعال کو ”محبوب و پسندیدہ“ افعال کہا جاتا ہے اور جو غایت تک نہیں پہنچ پاتے انہیں ”مکروہ و ناپسندیدہ“ کہا جاتا ہے۔ ان اَفعال کو پسندیدہ و ناپسندیدہ کہے جانے کے متعلق ایک قول یہ بھی ہے کہ صِفَتِ مَشِیَّت کے تحت تو دونوں طرح کے افعال داخل ہیں یا اس سے تعلق تو دونوں کا ہے لیکن انہیں پسندیدہ و ناپسندیدہ کہنے کی وجہ کوئی خاصیت ہے جو کہ دونوں میں مختلف ہے۔ جو لوگ معانی و مَفاہِیم سمجھنے میں لُغات و ظاہری لفظوں کے محتاج ہیں ان پر لفظ محبت و کراہیت کے سبب ان افعال کا مفہوم کچھ واضح ہو گیا ہو گا۔

بندوں کی مختلف اقسام:

صِفَتِ قدرت کے سبب وجود میں آنے والے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بندوں میں سے بعض وہ ہیں جن کے متعلق مَشِیَّت اَزَلی یہ ہوتی ہے کہ ان سے ایسے افعال کروائے جائیں جو حکمت کی غایت تک نہ پہنچتے ہوں۔ ان

کے لئے ان اَفعال کے اسباب اور ان پر اُبھارنے والی اشیاء مہیا کر دی جاتی ہیں اور یہ تمام ان کے حق میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قہر ہوتا ہے۔ بعض بندے وہ ہیں جن کے متعلق مَشِیَّتِ اَزَلی یہ ہوتی ہے کہ ان سے افعال کروائے جائیں جن میں سے بعض حکمت کی غایت تک پہنچنے والے ہوں۔ ان دونوں فریقوں کے افعال کا مَشِیَّت سے ایک خاص تعلق ہوتا ہے جسے حکمت کی غایت تک پہنچنے والے افعال کرنے والوں کے لئے لفظ ''رضا'' سے بطورِ مجاز تعبیر کیا جاتا ہے اور غایت تک نہ پہنچنے والے افعال کرنے والوں کے لئے لفظ ''غضب'' سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جس پر اَزَل میں رب تعالیٰ کا غضب ہو اسی سے ایسے افعال صادر ہوتے ہیں جو حکمت کی غایت تک نہیں پہنچتے۔ اس کے ان افعال کو ''ناشکری'' کہا جاتا ہے اور اس سے ایسے بے شمار اَفعال سرزد ہوتے ہیں تاکہ اس کا عذاب سخت ہو اور جس سے ازل میں ربّ عَزَّوَجَلَّ راضی ہو گیا اس سے حکمت کی غایت تک پہنچنے والے افعال صادر ہوتے ہیں۔ اس کے ان افعال کو ''شکر'' سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کی خوب تعریف کر کے اس کے درجے کو مزید بلند کیا جاتا ہے۔

حاصِلِ کلام:

اللہ عَزَّوَجَلَّ خود ہی نیک اعمال کی توفیق عطا فرماتا ہے اور خود ہی تعریف بھی کرتا ہے اور برائی پر قدرت بھی دیتا ہے اور اس پر مَذمَّت بھی فرماتا ہے۔ یہ بالکل ایسے ہے جیسے کوئی مالک اپنے غلام کا میل اچھی طرح سے دور کرے، اسے اچھے کپڑے پہنائے جب اسے خوب تیار کر لے پھر کہے: ''اے حسین انسان! تیرا چہرہ اور تیرے کپڑے کس قدر حسین ہیں۔'' کہ خود تیار کرنے پر اس کے حسن کی تعریف کرنا درحقیقت اپنی ہی تعریف ہے اور غلام تو بس اس کا ظاہری سبب ہے۔

قضا و تقدیر:

دنیاوی تمام معاملات اَزَل سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے عِلْم میں اسی ترتیب سے ہیں جس طرح آج رُونُما ہو رہے ہیں پھر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قدرت اور اس کے حکم ہی سے ان کے اسباب اور نتائج ترتیب پاتے ہیں۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کو ان تمام معاملات کا علم اتفاقی طور پر نہیں بلکہ اس کے ارادے سے ہے، اس کی حکمت بھی ہے اور یہ سچا اور اَٹل اَمر ہے جس کے لئے ''قَضَا'' کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور یہ بات اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ایسے ہے جیسے ایک

پلک مارنا بلکہ اس سے بھی کم۔ اسی قضا کے مطابق دنیاوی معاملات و احکامات جاری ہیں اور ان کے اسی طرح ترتیب وار بغیر کسی تغیر کے جاری ہونے کو "تقدیر" کہتے ہیں۔

گویا لفظ "قضا" ایک اَمرِ کلی (موجودات کے متعلق ازل سے اَبد تک کے علم) کے لئے بولا جاتا ہے اور اس کے مقابلے میں لفظِ "تقدیر" میں (قضا) کی وہ تمام وسیع تفصیلات جمع ہیں جس کا سلسلہ ناختم ہونے والا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ ہر شے قضا اور تقدیر کے تحت داخل ہے۔ لہٰذا بعض عابدین کو یہ وہم ہوا کہ قسمیں بیان کرنے اور اس تفصیل کی کیا ضرورت ہے اور اس قدر تفصیل اور تفاوت کے بعد عدل کیسے قائم کیا جاسکتا ہے؟ جبکہ بعض لوگ اپنے فہم کی کمی کی وجہ سے تقدیر کی حقیقت کا مشاہدہ کرنے اور اس کا احاطہ کرنے سے عاجز ہیں تو انہیں اس بارے میں کلام کرنے سے منع کیا گیا ہے اور گویا انہیں کہا گیا کہ تقدیر کے متعلق کلام نہ کرو کیونکہ تمہیں اس لئے پیدا نہیں کیا گیا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَ هُمْ یُسْـَٔلُوْنَ ﴿۲۳﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اس سے نہیں پوچھا جاتا جو وہ کرے اور ان سب سے سوال ہوگا۔

(پ۱۷، الانبیاء: ۲۳)

اور جن کے دلوں کے چراغ زمین و آسمانوں میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پھیلے ہوئے نور سے خوب روشن ہیں، ان کے دل اگرچہ پہلے ہی شیطانی وسوسوں سے محفوظ اور نورِ الٰہی سے روشن تھے لیکن اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اَنوار و تجلیات کی مزید بارشوں سے ان کے قلوب مزید روشن ہوگئے اور وہ اس مرتبے پر فائز ہوگئے کہ عالَمِ مَلَکُوت ان پر ظاہر ہوگیا اور اشیاء کی حقیقت ان پر واضح ہوگئی۔ پھر انہیں کہا گیا: اللہ عَزَّوَجَلَّ کے احکامات کے پابند رہو، خاموشی اختیار کرو اور تقدیر کے متعلق گفتگو نہ کرو[1] کیونکہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں اور تمہارے درمیان کمزور بصیرت والے عام لوگ بھی ہیں تو عام لوگوں کی طرح زندگی بسر کرو اور چمگادڑ کی مثل ان کمزور بصیرت والوں کے سامنے سورج کی روشنی ظاہر نہ کرو کہ روشنی ان کی ہلاکت کا سبب ہے۔ خود کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پسندیدہ اخلاق سے مُزَیَّن کرو اور تجلیاتِ الٰہیہ کے سبب تم جس بلندی پر ہو اس سے نیچے اترو تاکہ عام لوگ تم سے ملنے میں جھجک محسوس نہ کریں اور تمہارے اندر چھپے نورِ الٰہی کی روشنی سے فیض حاصل

1... المعجم الکبیر، ۲/ ۹۶، حدیث: ۱۴۲۷

کر سکیں جیسا کہ چمگادڑیں سورج کے طلوع وغروب کے وقت کی ہلکی سی روشنی سے فائدہ حاصل کرتی ہیں اور اسی میں نکلتی ہیں، دن میں سورج کی روشنی میں نکلنے کی ان میں طاقت نہیں۔ اور ان لوگوں کی طرح ہو جاؤ جن کے بارے میں کہا جاتا ہے:

شَرِبْنَا شَرَابًا طَیِّبًا عِنْدَ طَیِّبٍ كَذَاكَ شَرَابُ الطَّيِّبِيْنَ يَطِيْبُ

شَرِبْنَا وَاَهْرَقْنَا عَلَى الْاَرْضِ فَضْلَهٗ وَلِلْاَرْضِ مِنْ كَاْسِ الْكِرَامِ نَصِيْبُ

ترجمہ: (۱)...ہم نے مل کر پاکیزہ شراب پی اچھوں کی شراب اسی طرح پاکیزہ ہوا کرتی ہے۔

(۲)...پینے کے بعد بچی ہوئی ہم نے زمین پر بہادی، عزت دار لوگوں کے پیالوں سے زمین کو بھی حصہ ملتا ہے۔

یہی تقدیر و قضا ہے اسے تم اسی وقت سمجھ سکتے ہو جب اس کے اہل ہو اور جب تم اس کے اہل ہو جاؤ گے اس وقت تمہاری آنکھیں روشن ہو جائیں گی اور راستہ تم پر واضح ہو جائے گا پھر تم کسی کے محتاج نہ رہو گے اور نابینا شخص ہر وقت کسی کا محتاج ہوتا ہے حالانکہ ایک وقت تک ہی وہ کسی کی راہ نمائی لے سکتا ہے لہٰذا اگر راستہ تنگ ہو تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہو جسے پرندہ ہی پار کر سکتا ہو تو اندھے کے لئے ممکن نہیں کہ وہ پرندے کے پیچھے چلتے ہوئے راستہ پار کرلے یونہی جب خشک راستہ تنگ اور پانی والا گہرا ہو تو اسے تیر کر ہی پار کیا جاسکتا ہے اور گہرا پانی ماہر تیراک خود تو پار کر سکتا ہے لیکن کسی اور کو پار نہیں کرا سکتا۔ اسی طرح قضا و قدر کے معاملات ہیں کہ ان کا علم رکھنے والے اور عام آدمی کے درمیان اتنا ہی فرق ہے جتنا پانی پر چلنے والے اور زمین پر چلنے والے کے درمیان ہے کہ پانی میں تیرنا تو سیکھا جاسکتا ہے لیکن پانی میں چلنا کسی سے نہیں سیکھا جاسکتا بلکہ جس کا یقین پختہ ہو اسی کو یہ فَن حاصل ہو سکتا ہے۔ اسی وجہ سے جب بارگاہِ رسالت میں عرض کی گئی کہ حضرت سیِّدُنا عیسٰی عَلَیْہِ السَّلَام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ پانی پر چلتے تھے تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: "اگر ان کا یقین اس سے زیادہ ہوتا تو وہ ضرور ہوا میں بھی پرواز کرتے۔"(1)

اب تک کی تمام بحث کراہت، محبت، رضا، غضب، شکر اور ناشکری کا مفہوم سمجھنے کے لئے رُموز و اشارات ہیں ان کے سمجھنے کے لئے علمِ مُعاملہ کافی نہیں۔ مخلوق پر ان کا سمجھنا آسان ہو جائے اس کے لئے

(1)... الزهد الكبير، ص ۳۵۷، حديث: ۹۷۶

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ایک مثال بیان فرمائی کہ جنوں اور انسانوں کو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے[1] اور بندوں کے حق میں ان کی عبادت ہی ان کے پیدا کئے جانے کی حکمت کی انتہا وغایت ہے۔ اس نے اپنے دو بندوں کے بارے میں خبر دی جن میں سے **ایک** کو وہ پسند کرتا ہے جس کا نام "جبریل" ہے جنہیں روحُ القُدس اور امین بھی کہا جاتا ہے، آپ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، فرمانبردار اور امانت دار ہیں۔ **دوسرے** کو وہ ناپسند کرتا ہے جس کا نام "ابلیس" ہے جو اس کی بارگاہ سے دُھتکارا گیا ہے اور اسے مُقَرَّرہ وقت تک مہلت ہے۔ پھر اس نے ہدایت (یعنی وحیِ الٰہی پہنچانا) حضرت سیِّدُنا جبریل عَلَیْہِ السَّلَام کے سپرد کیا چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ (پ۱۴، النحل: ۱۰۲)

ترجمۂ کنزالایمان: تم فرماؤ اسے پاکیزگی کی روح (یعنی حضرت جبریل عَلَیْہِ السَّلَام) نے اتارا تمہارے رب کی طرف سے ٹھیک ٹھیک۔

اور فرماتا ہے:

یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (پ۲۴، المومن: ۱۵)

ترجمۂ کنزالایمان: ایمان کی جان (یعنی) وحی ڈالتا ہے اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے۔

اور لوگوں کو گمراہ وہدایت سے دور کرنا ابلیس کے سپرد کیا جیسا کہ اس کا رشاد ہے:

لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ (پ۲۳، الزمر: ۸)

ترجمۂ کنزالایمان: تاکہ اس کی راہ سے بہکا دے۔

گمراہ کرنے سے مراد بندوں کو حکمت کی غایت وانتہا تک پہنچنے سے روکنا ہے اور ہدایت دینے سے مراد بندوں کو حکمت کی غایت وانتہا تک پہنچانا ہے، لہٰذا جان لو کہ اس نے گمراہی کو اپنے نافرمان وناپسند بندے کی طرف منسوب کیا اور ہدایت کو اپنے محبوب وفرمانبردار بندے کی طرف منسوب کیا۔

انسانوں کے باہمی معاملات میں اس مثال کو یوں سمجھو کہ بادشاہ کو پانی پینے، حجامت بنوانے اور محل کی صفائی وغیرہ کے لئے اگر بندوں کی حاجت ہو اور اس کے پاس دو غلام ہوں تو ان میں سے جو کمتر ہوگا بادشاہ حجامت اور صفائی کا کام اسی سے لے گا اور خوبصورتی اور عقل کے اعتبار سے جو زیادہ بہتر ہوگا اور بادشاہ کو پسند ہوگا اسے پانی وشربت وغیرہ پلانے پر مامور کرے گا۔

---

[1]... (پ۲۷، الذّٰریٰت: ۵۶)

انسانی اَفعال عوام کی نظر میں:

انسان کو کسی بھی فعل کی نسبت اپنی طرف نہیں کرنی چاہئے، جب بھی تم کسی فعل کی نسبت اپنی طرف کرو گے اس وقت تم صریح غَلَطی پر ہوگے کہ دلوں کو پھیرنے والا اللہ عَزَّوَجَلَّ ہے جو نافرمان وبدبخت شخص کا دل ناپسندیدہ افعال کی طرف مائل کر دیتا ہے اور محبوب وفرمانبردار شخص کو پسندیدہ افعال کی طرف متوجہ کر دیتا ہے اور یہی اس کا کامل عدل ہے۔ پھر جہاں تک اس کے عدل کا تعلق ہے تو کبھی وہ تمہارے بغیر ہی مکمل ہو جاتا ہے اور کبھی اس کے عدل کا تعلق تم سے ہوتا ہے کیونکہ تمہاری ذات، تمہارا دل، تمہاری طاقت، عِلْم، عمل اور تمہاری تمام حرکات وسَکَنات درحقیقت اسی کی عطا ہیں جنہیں اس نے عدل وانصاف سے ترتیب دیا جس کی بدولت تم سے اچھے اعمال صادر ہوتے ہیں لیکن تمہاری نظر اپنی ہی ذات کی طرف ہوتی ہے لہٰذا بظاہر جو اعمال تم سے صادر ہوتے ہیں ان کے حقیقی خالق کے بجائے انہیں اپنی طرف منسوب کر دیتے ہو۔ گویا تمہاری مثال اس بچے کی سی ہے جو پردے کے پیچھے چُھپے شُعْبَدہ باز کے کَرتَب دیکھتا ہے کہ کچھ پُتلیاں ناچتی، اُچھلتی کودتی دکھائی دیتی ہیں، یہ پتلیاں بناوٹی ہوتی ہیں جو خود حرکت نہیں کرتیں بلکہ بال کی طرح باریک، رات کی تاریکی میں نظر نہ آنے والے دھاگے کی مدد سے حرکت کرتی ہیں، اس دھاگے کا سرا شعبدہ باز کے ہاتھ میں ہوتا ہے جو بچوں کی نگاہوں سے چھپا ہوتا ہے، بچے اسے دیکھ کر خوش ہوتے اور حیرت کرتے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں یہ اچھل کود پتلی خود کرتی ہے جبکہ سمجھ بوجھ رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ انہیں حرکت دینے والا کوئی موجود ہے اور بعض تو اس کی کچھ تفصیل بھی جانتے ہیں لیکن وہ بھی اتنا نہیں جانتے جتنا شُعْبَدہ باز خود جانتا ہے کہ یہ اس کے اپنے ہاتھ کا کام ہے۔

اشیاء کی حقیقتوں سے علمائے راسخین ہی واقف ہیں:

عام دنیادار، علمائے کرام کے مقابلے میں بچوں کی طرح ہیں کہ لوگوں کو حرکت کرتا دیکھ کر گمان کر بیٹھتے ہیں کہ یہ خود حرکت کر رہے ہیں لہٰذا لوگوں کے افعال کی نسبت انہی کی طرف کر دیتے ہیں جبکہ علما حضرات جانتے ہیں کہ لوگوں کی حرکات اور ان کے افعال کا خالق کوئی ہے اگرچہ وہ اس عمل کی حقیقت سے واقف نہیں اور اکثر کا حال ایسا ہی ہے لیکن انہی میں اپنے علم پر عمل کرنے والے، تقوٰی پرہیز گاری اپنانے

والے اور اشیاء کی حقیقتوں کو پہچاننے والے علما بھی ہیں جو اپنی نگاہِ بصیرت سے ہر انسان کے سر پر آسمان سے لٹکنے والے مکڑی کے جالے کی طرح بلکہ اس سے بھی باریک کثیر دھاگوں کو دیکھ رہے ہیں جبکہ یہ دھاگے اس قدر باریک ہیں کہ ظاہری نگاہ سے انہیں دیکھنا ممکن نہیں اس کے باوجود علمائے راسخین نہ صرف ان دھاگوں کا مشاہدہ کررہے ہیں بلکہ جہاں سے یہ دھاگے لٹک رہے ہیں اُس بلند مقام کو بھی ملاحظہ کر رہے ہیں اور آسمانوں پر نگہبان جن فِرشتوں کے قبضے میں یہ دھاگے ہیں ان کا بھی مشاہدہ کررہے ہیں اور یہ فرشتے ہر وقت حاملینِ عرش فِرشتوں کی طرف متوجہ رہتے ہیں تاکہ رب تعالیٰ کی بارگاہ سے ان حاملینِ عرش فرشتوں کے ذریعے ان کے لئے جو بھی حکم آئے اس پر عمل کرنے میں کسی قسم کی تاخیر یانافرمانی نہ ہو۔ ان علمائے راسخین کے مشاہدات کا تذکرہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس طرح فرمایا:

وَ فِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَ مَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ (پ۲۶، الذّٰریٰت: ۲۲)

ترجمۂ کنز الایمان: اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور جو تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے۔

اور آسمانوں پر نگہبان جو فرشتے رب تعالیٰ کے حکم کے منتظر ہیں ان کا ذکر قرآن پاک میں یوں فرمایا گیا:

خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾ (پ۲۸، الطلاق: ۱۲)

ترجمۂ کنز الایمان: (اللہ ہے جس نے) سات آسمان بنائے اور انہی کے برابر زمینیں، حکم ان کے درمیان اترتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے اور اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔

یہ وہ اُمورِ الٰہیہ ہیں جن کا ٹھیک پہلو اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے بتائے سے علمائے راسخین ہی جانتے ہیں جیسا کہ حضرت سیِّدُنا ابنِ عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں: ”علمائے راسخین کو وہ علوم حاصل ہوتے ہیں جن تک عام لوگوں کی رسائی ممکن نہیں۔“

یہی وجہ ہے کہ جب آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے لوگوں کے سامنے یہ آیتِ مُبارکہ: يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ [1] تلاوت فرمائی تو فرمایا: ”اگر میں اس آیت کا وہ معنٰی بیان کروں جو میں جانتا ہوں تو تم مجھے پتھر مارو۔“ ایک

---

[1]... ترجمۂ کنزالایمان: حکم ان کے درمیان اترتا ہے۔ (پ۲۸، الطلاق: ۱۲)

روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ”تم مجھے کافر کہو۔“

عِلْمِ مُکاشَفہ کی اس بحث کو یہیں ختم کر دیتے ہیں جو غیر اختیاری طور پر کافی طویل ہو گئی اور علمِ مُعاملہ کے ساتھ مل گئی ہے حالانکہ عِلْمِ مُعاملہ سے اس کا تعلق نہیں لہٰذا اب ہم واپس شکر کے مَقاصِد کی طرف آتے ہیں۔ جب شکر کی حقیقت کے بارے میں معلوم ہو گیا کہ بندے کا ایسا عمل کرنا جس سے حکمتِ الٰہیہ کی تکمیل ہو یہی شکر ہے تو **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کا محبوب ترین اور اس کے سب سے قریب وہی بندہ ہو گا جو سب سے زیادہ شکر گزار ہو اور اس کی مخلوق میں اس کے سب سے قریب فرشتے ہیں[1] اور ان میں بھی ترتیب وار ہر ایک کا مخصوص مقام ہے اور فَرِشتوں میں **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کا سب سے زیادہ قُرب حضرت سَیِّدُنا اسرافیل عَلَیْہِ السَّلَام[2] کو حاصل ہے۔ فَرِشتوں کے اس بلند مقام کا سبب ان کی ذاتی شرافت و فرمانبرداری ہے اور **اللہ** عَزَّوَجَلَّ نے ان کے ذریعے انبیا تک لوگوں کے لئے ہدایت پہنچائی۔ فرشتوں کے درجے سے قریب تر درجہ انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کا ہے جو زمین میں سب سے افضل اور برگزیدہ ہیں۔ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ نے ان کے ذریعے تمام مخلوق کو ہدایت دی اور اپنی حکمت کو مکمل کیا۔ ان میں سب سے بڑا مرتبہ ہمارے نبی صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ہے کہ آپ کے ذریعے **اللہ** عَزَّوَجَلَّ نے دینِ اسلام کو مکمل فرمایا اور آپ پر سلسلۂ نُبوت کو ختم کیا۔ انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کے بعد علما افضل ہیں کہ وہ انبیا کے وارث اور نیک پرہیزگار ہیں۔ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ ان کے ذریعے

1... یہ اہلِ سنت میں سے بعض اُن علما کا مذہب ہے جو ملائکہ کو انبیا سے افضل قرار دیتے ہیں (افضل کے یہ معنٰی ہیں کہ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے یہاں زیادہ عزت و منزلت والا ہو۔ بہارِ شریعت، ۱/ ۲۴۷)۔ امام غزالی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَالِی کا یہ فرمانا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کا بھی یہی موقف ہے۔ چنانچہ اسی بات کی طرف علامہ سیّد محمد مرتضٰی زَبیدی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی نے **اتحاف السادۃ المتقین، جلد13، ص413** پر اشارہ فرمایا۔ جمہور اہلِ سنت کا مذہب یہ ہے کہ انبیا ملائکہ سے افضل ہیں اور اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں کہ حُضور خَاتَمُ النَّبِیِّیْن صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم تمام مخلوق سے افضل ہیں۔

(الحبائک فی اخبار الملائک، خاتمۃ فی مسائل منثورۃ، مسألۃ فی التفضیل بین الملائکۃ والبشر، ص ۲۰۳)

2... علامہ علی قاری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْبَارِی ”شرح فقہ اکبر“ میں فرماتے ہیں: ملائکہ میں افضل جبریل عَلَیْہِ السَّلَام ہیں۔ (شرح الفقہ الاکبر، ص ۱۱۸ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ) ”طبرانی کبیر“ میں حضرت سَیِّدُنا ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت ہے کہ رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”کیا میں تمہیں ملائکہ میں سب سے افضل کے بارے میں نہ بتاؤں؟“ (پھر خود ہی ارشاد فرمایا:) ”وہ جبریل عَلَیْہِ السَّلَام ہیں۔“ (المعجم الکبیر، ۱۱/ ۱۲۹، حدیث: ۱۱۳۶۱)

مخلوق کی اصلاح فرماتا ہے اور ان میں جو جتنی زیادہ اپنی اور عوام کی اصلاح کی کوشش کرتا ہے اس کا مقام اتنا بلند ہے۔ ان کے بعد عادل سلاطین و حکمرانوں کا درجہ ہے کیونکہ یہ دنیاوی اعتبار سے عوام کی اصلاح اسی طرح کرتے ہیں جس طرح علما ان کے دین میں ان کی اصلاح کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے پیارے نبی حضرت سیِّدُنا محمد مصطفٰے صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے دین اور سلطنت[1] دونوں سے نوازا اور ہمارے نبی صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی سلطنت تمام انبیا کی سلطنت سے افضل ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ کے ذریعے دین و دنیا کے اصلاح کی تکمیل فرمائی اور انبیا میں سے صرف آپ کو کفار پر جہاد اور تمام مخلوق پر سرداری جیسی نعمت عطا کی[2]۔

خبردار! حاکم سے ہی دین قائم رہتا ہے وہ اگرچہ فاسق ہو لیکن اسے برا بھلا نہیں کہنا چاہئے۔

ظالم حکمرانوں کے متعلق دو روایات:

﴿1﴾... حضرت سیِّدُنا عَمرو بن عاص رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: ظالم حکمران دائمی فتنہ سے بہتر ہے۔

﴿2﴾... سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد ہے: عنقریب تم پر ایسے حکمران مقرر کئے جائیں گے جن کی بعض باتیں تمہیں اچھی لگیں گی اور بعض بری۔ وہ زمین میں فساد پھیلائیں گے لیکن اللہ عَزَّوَجَلَّ ان کے فساد سے زیادہ اُن کے ذریعے دین کو قوت عطا فرمائے گا لہٰذا اگر وہ تم سے اچھا برتاؤ کریں تو ان کے لئے اجر ہے اور اس وقت تم پر شکر لازم ہے اور اگر بُرا برتاؤ کریں تو وہ گناہ گار ہوں گے اور اس وقت تمہیں چاہئے کہ صبر کرو۔[3]

1... آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی سلطنت تمام انسانوں کو شامل ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو تمام بنی نوع انسان کے لئے نبی بنا کر بھیجا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ ترجمۂ کنز الایمان: اور اے محبوب ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے۔ (پ۲۲، سبا: ۲۸)

2... مفسرِ شہیر، حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی مراٰۃ المناجیح، جلد1، صفحہ 78 پر فرماتے ہیں: اگرچہ بعض پچھلی شریعتوں میں بھی جہاد تھا مگر اسلامی جہاد اور اس کے قوانین حضور (صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) سے شروع ہو کر قتل دجال تک رہیں گے۔

3... شعب الایمان، باب فی طاعۃ اولی الامر، فصل فضل الامام العادل، ۶/ ۱۵، حدیث: ۷۳۶۸، بتغیر

دوبار نظرِ رحمت کا مستحق:

حضرت سیِّدُنا سَہل تُسْتَرِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی کا فرمان ہے: جو حاکم کے خلاف بغاوت کرے وہ زِندیق ہے اور جو حاکم کے بلانے پر جواب نہ دے وہ بدِعتی ہے اور جو بن بُلائے حاکم کے پاس چلا آئے وہ جاہل ہے۔ آپ سے پوچھا گیا: لوگوں میں بہتر کون ہے؟ فرمایا: حاکم۔ عرض کی گئی: ہم تو حاکم کو سب سے برا جانتے ہیں۔ فرمایا: ایسا نہ کرو! **اللہ** عَزَّوَجَلَّ اس پر روزانہ دوبار نظرِ رحمت فرماتا ہے: **ایک بار** مسلمانوں کے اموال اور **دوسری بار** ان کی جانوں کی حفاظت کی وجہ سے، **اللہ** عَزَّوَجَلَّ جب یہ دونوں باتیں اس کے نامہ اعمال میں پاتا ہے تو اس کے تمام گناہ بخش دیتا ہے۔

حضرت سیِّدُنا سَہل تُستری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی ہی سے منقول ہے کہ حکمرانوں کے دروازوں پر لٹکے سیاہ دُرّے ستر قصہ گو واعظین سے بہتر ہیں۔

دوسرا رکن: کن چیزوں کا شکر ادا کیا جائے

شکر کا تعلق نعمت سے ہے۔ اس مقام پر ہم نعمت کی حقیقت، اس کی اقسام اور خاص وعام کو ملنے والی نعمتوں کے مختلف درجات بیان کریں گے۔ یقیناً **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی ہر ہر نعمت کا شمار نا ممکن ہے۔ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ ترجمۂ کنزالایمان: اور اگر **اللہ** کی نعمتیں گنو تو شمار نہ کر سکو گے۔

(پ۱۳، ابراھیم: ۳۴)

نعمتوں کی حقیقت سمجھنے کے لئے پہلے ہم چند بنیادی باتیں پیش کریں گے پھر الگ الگ نعمتوں کا ذکر کریں گے۔ درستی کی توفیق دینے والی ذات **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی ہے۔

پہلی فصل: نعمتوں کی حقیقت اور اقسام

جان لیجئے! راحت، لذت، سعادت بلکہ ہر مطلوبہ چاہت نعمت ہے مگر حقیقی نعمت اُخروی سعادت ہے۔ اس کے علاوہ دیگر اشیاء حقیقی نعمتیں نہیں، مجازی نعمتیں ہیں نیز اُخروی فائدے سے خالی دنیاوی نعمتوں کو نعمت کہنا غَلَط ہے البتہ بعض دنیاوی اشیاء کو نعمت کہہ سکتے ہیں لیکن زیادہ بہتر یہی ہے کہ اُخروی سعادت

دلانے والی اشیاء و افعال ہی کو نعمت کہا جائے خواہ وہ ایک واسطے یا ایک سے زائد واسطوں سے اُخروی سعادت تک پہنچائیں چنانچہ انہیں نعمت کہنا اس سبب سے ہے کہ یہ اُخروی سعادت تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں۔ نعمتوں کے انہی اسباب واقسام کو ہم مختلف قسموں میں بیان کریں گے۔

نعمت کی پہلی قسم:

انسان چار قسم کے اُمور سے وابستہ ہے: (۱)...دنیا و آخرت دونوں میں فائدہ پہنچانے والے اُمور جیسے علم اور اچھے اخلاق۔ (۲)...دونوں جہاں میں نقصان پہنچانے والے اُمور جیسے جہالت اور بُرے اخلاق۔ (۳)...دنیا میں فائدے کا سبب لیکن آخرت میں نقصان کا باعث بننے والے اُمور جیسے نفسانی خواہشات کی پیروی کر کے لذت حاصل کرنا۔ (۴)...دنیا میں مَشَقَّت کا سبب لیکن آخرت میں فائدے کا سبب بننے والے اُمور جیسے نفسانی خواہشات کا قَلْع قَمع کر کے نفس کی مُخالَفت کرنا۔

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا و آخرت دونوں جہاں میں فائدہ پہنچانے والی حقیقی نعمت علم اور اچھے اخلاق ہیں جبکہ دونوں جہاں میں نقصان پہنچانے والی حقیقی مصیبت جہالت اور بُرے اخلاق ہیں۔ دنیاوی فائدے کا سبب اور اخروی نقصان کا باعث بننے والی اشیاء اہلِ بصیرت کے نزدیک "مصیبت وآزمائش" سمجھی جاتی ہیں لیکن بے بصیرت لوگ اسے نعمت سمجھتے ہیں جیسے بھوکا شخص پتا نہ ہونے کی وجہ سے زہریلے شہد کو **نعمت** سمجھ رہا ہوتا ہے اور جب حقیقت معلوم ہوتی ہے تو جان لیتا ہے کہ یہ تو اس پر نازل ہونے والی ایک مصیبت ہے۔ دنیا میں مشقت کا سبب لیکن آخرت میں فائدے کا سبب بننے والی اشیا اہلِ بصیرت کے نزدیک "نعمتیں" ہیں جبکہ جاہلوں کے نزدیک "مصیبتیں" ہیں جیسے کڑوی دوا کا ذائقہ بُرا معلوم ہوتا ہے لیکن اس میں شفاو صحت ہوتی ہے اور ناواقف بچہ اس دوا کو مصیبت سمجھتا ہے جبکہ عقل مند آدمی اسے "نعمت" سمجھتا ہے اور مطلوبہ دوا تک رسائی میں جو بھی اس کی مدد کرے وہ اس کا احسان مند رہتا ہے۔

یونہی ماں مامتا اور عقل کی کمی کے باعث پچھنے کے ذریعے بچے کا خون نکلوانے نہیں دیتی جبکہ باپ کامل عقل کے سبب نقصان سے واقف ہوتا ہے اس لئے خون نکلوانے پر راضی ہو جاتا ہے اور بچہ نادانی کی وجہ سے ماں کا احسان مند ہوتا ہے اور اس کی ہمدردیوں سے مائل ہو کر اس سے خوش رہتا ہے جبکہ باپ کو اپنا

دشمن خیال کرتا ہے اور اگر عقل ہوتی تو بچہ سمجھ جاتا کہ ماں غلطی پر ہے کیونکہ خون نہ نکلوا کر وہ بڑی بیماری کو دعوت دے رہی ہے۔

اَلْغَرَض! نادان دوست عقل مند دشمن سے بُرا ہوتا ہے اور انسان نفس کو دوست بنالیتا ہے جو انسان کے لئے نادان دوست کی طرح ہے اور اسی وجہ سے یہ انسان کے ساتھ وہ سُلُوک کرتا ہے جو دشمن بھی نہیں کرتا۔

نعمت کی دوسری قسم:

دنیاوی نعمتیں مختلف ہیں۔ یہ نعمتیں اچھائیوں اور برائیوں کے ساتھ ملی ہوتی ہیں بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ انہیں خوبیوں میں شمار کیا جائے مثلاً: مال و دولت، اہل و عیال، اعزہ واقربا، عزت و مرتبہ یہ سب مختلف قسم کی نعمتیں ہیں۔ بعض نعمتوں کے نقصانات کم اور فوائد زیادہ ہیں جیسے بقدرِ ضرورت مال و دولت اور عزت و مرتبہ۔ بعض نعمتوں کے فوائد کم اور نقصانات زیادہ ہیں جیسے ضرورت سے زائد مال و دولت اور عزت و مرتبہ جبکہ بعض نعمتوں کے فوائد و نقصانات برابر ہیں۔

ان نعمتوں کے استعمال کرنے میں لوگوں کی عادات مختلف ہیں مثلاً: بہت سے نیک لوگ مال و دولت کی کثرت کے باوُجود اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں چنانچہ وہ اپنی حلال کمائی کو راہِ خدا اور اچھے کاموں میں خرچ کرکے اُخروی نفع حاصل کرتے ہیں، اچھی جگہ خرچ کرنے کی توفیق ہی ان کے لئے ”نعمت“ ہے۔ بہت سے لوگ تھوڑے مال سے بھی نقصان اٹھاتے ہیں کیونکہ وہ اسے ہمیشہ کم سمجھتے ہیں، ربّ عَزَّوَجَلَّ کی ناشکری اور مزید مال کے طالب رہتے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے تھوڑا مال بھی ذلت و رسوائی کا سبب ہوتا ہے۔

نعمت کی تیسری قسم اور اس کی وضاحت:

اس قسم کے تحت نعمت کی تین اقسام ہیں: (۱)...وہ نعمت جو ذاتی طور پر مقصود ہو (۲)...وہ نعمت جو کسی غَرَض کے حُصول کا ذریعہ بنے (۳)... وہ نعمت جو کبھی ذاتی طور پر مقصود ہو اور کبھی دوسری شے کے حصول کا ذریعہ بنے۔

...**وہ نعمت جو ذاتی طور پر مقصود ہو:** جیسے دیدارِ الٰہی کی لذت اور اس کی ملاقات۔ یعنی یہ اُخروی نعمت ہے

جو ہمیشہ رہے گی، اس نعمت کی طلب کسی دوسرے مقصد تک رسائی کے لئے نہیں ہوتی۔

...وہ نعمت جو کسی غرض کے حُصول کا ذریعہ ہو: جیسے سونا چاندی اور روپے پیسے کیونکہ ان سے ضروریاتِ زندگی وابستہ ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ کنکریوں کی طرح بے قیمت ہوتے مگر چونکہ ان کے ذریعے لذّتیں جلدی حاصل ہو جاتی ہیں لہذا جاہل لوگ لذت کا "سبب" بننے والی اس نعمت کو مطلوب و مقصود سمجھنے لگے، اسے جمع کرکے سودی کاروبار کرنے لگے، اسے ہی منزلِ مقصود سمجھنے لگے جیسا کہ ایک شخص کو کسی سے محبت ہوگئی محبوب کی جانب سے رابطے کا "سبب" ایک قاصد تھا لہذا محبوب کی وجہ سے وہ قاصد سے بھی مانوس ہوگیا۔ رفتہ رفتہ وہ شخص محبوب کو بھولتا گیا اور قاصد سے محبت کرنے لگا اور مسلسل اس کی دیکھ بھال اور نگرانی میں مصروف رہنے لگا۔ عقلمند آدمی اس اقدام کو یقیناً انتہائی درجہ کی جہالت اور بے وُقُوفی کہے گا۔

...وہ نعمت جو کبھی ذاتی طور پر مقصود ہو اور کبھی دوسری شے کے حصول کا ذریعہ ہو: جیسے صحت و تندرستی کیونکہ یہ بندے کو بارگاہِ الٰہی تک رسائی دلانے والے اعمال بجالانے کا ذریعہ ہے یا اس کے ذریعے انسان اپنے دیگر دُنیاوی مُعاملات اَحسن انداز میں نبھاتا ہے۔

یادرہے! کبھی کبھار صحت و تندرستی ذاتی طور پر بھی مقصود ہوا کرتی ہے جیسے ایک شخص کے پاس سواری بھی ہے اور تندرست پاؤں بھی تو وہ پیدل چلنا پسند نہیں کرتا کیونکہ اس میں پاؤں کے لئے آرام ہے اور اسی کو ذاتی مقصود کہتے ہیں۔

خلاصۂ کلام:

نعمت کی ان تینوں اقسام میں "حقیقی نعمت" پہلی قسم ہے۔ تیسری قسم بھی نعمت میں شامل ہے مگر پہلی قسم کے مقابلے میں اس کا درجہ کم ہے جبکہ دوسری قسم کی نعمت جیسے سونا چاندی، روپے پیسے وغیرہ حقیقتاً نعمت نہیں ہیں بلکہ وسیلہ بننے کے اعتبار سے نعمت ہیں لہٰذا جو لوگ اپنی ضروریاتِ زندگی ان کے بغیر پوری نہیں کرسکتے ان کے حق میں یہ نعمت شمار ہوں گے مگر جن کا مقصد علم و عبادت ہو اور ان کے پاس بقدرِ کفایت ضروریاتِ زندگی موجود ہوں ان کے نزدیک روپیہ پیسہ سونا چاندی کا ہونا نہ ہونا برابر ہے بلکہ اگر ان کی موجودگی علم و عبادت میں رکاوٹ بنے تو ان کے حق میں یہ نعمت نہیں مصیبت بن جاتے ہیں۔

نعمت کی چوتھی قسم اور اس کی وضاحت:

یہ قسم تین قسموں پر مشتمل ہے:(۱)...لذیذ(۲)... نفع بخش اور (۳)... جمیل۔

...لذیذ:اس نعمت کو کہتے ہیں جس کا فائدہ فوراً ظاہر ہو۔ ... نفع بخش:وہ نعمت جو مستقبل میں فائدہ دے۔ ... جمیل:ایسی نعمت ہوتی ہے جو ہر وقت فائدہ پہنچائے۔

مصیبت کی اقسام:

ان تینوں نعمتوں کی طرح مصیبتیں بھی تین طرح کی ہوتی ہیں:(۱)...بد مزہ(۲)...نقصان دہ اور (۳)...دردناک۔

نعمت اور مصیبت کی ان تینوں اقسام کی دو دو قسمیں ہیں:(۱)... مطلق اور (۲)...خاص

(1)... **مطلق** سے مراد وہ قسم جس میں نعمت یا مصیبت کی تینوں صفات اکٹھی پائی جائیں۔تینوں صفات پر مشتمل نعمت کی مثال "عِلْم و حِکْمَت" ہے کیونکہ اہْلِ علم کے نزدیک "علم و حکمت" لذیذ، نفع بخش اور جمیل ہے۔ تینوں صفات پر مشتمل مصیبت کی مثال "جہالت" ہے کیونکہ جہالت بد مزہ، نقصان دہ اور دردناک ہے چنانچہ جاہل شخص جب کسی عالم کو دیکھتا ہے تو اسے جاہل رہنے کی وجہ سے اذیت محسوس ہوتی ہے تو اُسے جہالت کے نقصان دہ اور بدمزہ ہونے کا اندازہ ہو جاتا ہے۔اس کے اندر علم جیسی لذیذ نعمت کی خواہش اُبھر آتی ہے لیکن حسد، تکبر اور نفسانی خواہشات علم حاصل کرنے میں رکاوٹ بنتے ہیں۔اس وقت دو مختلف قوّتیں اسے اپنی طرف کھینچ رہی ہوتی ہیں اور یہ مُعاملہ اس کے لئے سخت دردناک ہوتا ہے کیونکہ اگر وہ حُصولِ علم کو ترک کرے تو جہالت اور سخت نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اگر علم حاصل کرے تو حسد، تکبر اور خواہشات ترک کرنے سے اذیت کا سامنا کرنا پڑتا ہے چنانچہ ایسا شخص مستقل عذاب میں گرفتار ہو کر رہ جاتا ہے۔

(2)... **خاص** سے مراد وہ قسم جس میں نعمت یا مصیبت کی تینوں صفات میں سے بعض پائی جائیں اور بعض نہ پائی جائیں۔مثلاً:بعض عمل نفع بخش ہونے کے ساتھ ساتھ دردناک بھی ہوتے ہیں جیسے زائد انگلی کٹوا دینا، بدن سے خراب مادہ نکلوا دینا اور بعض چیزیں نفع بخش ہوتی ہیں مگر بری سمجھی جاتی ہیں جیسے بے وقوفی

بعض حالات میں نفع دیتی ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ جس کی عقل کام نہیں کرتی وہ فائدے میں ہے کیونکہ اسے انجام کا سامنا نہیں کرنا، لہٰذا اسے قَبْر وحَشْر کی کوئی فکر نہیں ہوتی حتّٰی کہ موت کا وقت آجاتا ہے۔ بعض عمل کسی اعتبار سے نفع بخش اور کسی وجہ سے نُقصان دہ ہوتے ہیں، جیسے ڈوبنے کا خوف ہو تو مال دریا میں پھینک دینا نقصان دہ ہے لیکن نجات کے اعتبار سے نفع بخش ہے۔

نفع بخش نعمت کی اقسام:

(1)... جس کے بغیر مقصود تک پہنچنا ممکن نہ ہو: جیسے اُخروی سعادت پانے کے لئے ایمان اور حسنِ اخلاق۔ یہاں مراد علم وعمل ہے کیونکہ علم وعمل کے سوا ایمان اور حُسنِ اخلاق کا قائم مقام کوئی نہیں ہو سکتا۔

(2)... جس کے بغیر مقصود تک پہنچنا ممکن ہو: مثلاً صفرا کی بیماری کے خاتمے کے لئے سِکَنْجِ بِیْن[1] کا استعمال کیونکہ اس کے بغیر دوسری چیزوں سے بھی اس بیماری کا ازالہ کیا جاسکتا ہے۔

نعمت کی پانچویں قسم اور اس کی تین اقسام کی وضاحت:

ہر لذیذ شے پر "نعمت" کا اطلاق ہوتا ہے۔ لذتیں انسان کے ساتھ مخصوص ہونے یا انسان اور غیر انسان کے شریک ہونے کے اعتبار سے تین طرح کی ہیں: (۱)...لذّتِ عقلیہ (۲)...خاص لذّتِ بدنیہ جس میں انسان کے ساتھ بعض مخصوص حیوانات شریک ہوتے ہیں (۳)...عام لذّتِ بدنیہ جس میں انسان کے ساتھ تمام حیوانات شریک ہوتے ہیں۔

﴿1﴾... لذتِ عقلیہ:

لذت عقلیہ کی مثال علم وحکمت ہے کیونکہ ان دونوں کی لذت کا تعلق سننے، دیکھنے، سونگھنے اور چکھنے نیز پیٹ اور شرم گاہ وغیرہ سے نہیں بلکہ ان کی لذت کا تعلق دل سے ہے کیونکہ دل جس صفت کے ساتھ خاص ہے اسے عقل کہتے ہیں۔ علم وحکمت کی لذت بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے لیکن اس کا مرتبہ سب سے اعلیٰ واشرف ہے اس کی لذت کم لوگوں کو نصیب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ علم سے صرف عالم ہی

---

[1]...لیموں یا سرکہ وغیرہ سے تیار شدہ ایک قسم کا مشروب۔

لُطف اندوز ہوتا ہے جبکہ حکمت کی لذت صرف حکیم و دانا حضرات ہی کو حاصل ہوتی ہے حقیقی عُلَما و حکما بہت کم ہیں اگرچہ نام کے علما و حکما بے شمار ہیں۔ علم و حکمت کی لذت کو اعلیٰ مقام اس لئے حاصل ہے کہ یہ لذت انسان کے ساتھ ہمیشہ رہتی ہے کبھی زائل نہیں ہوتی دنیا ہو یا آخرت ہر جگہ فائدہ پہنچاتی ہے۔ دائمی رفاقت کے باوُجود اہلِ علم اس سے اکتاتے نہیں انسان دیگر لذات مثلاً کھانے پینے سے اُکتاجاتا ہے لیکن علم و حکمت سے نہیں اکتاتا۔ انسان ہم بستری کے بعد تھکاوٹ محسوس کرتا ہے لیکن علم و حکمت کے حُصول میں تھکاوٹ و بوجھ کا کوئی تصور نہیں ہوتا۔ جو شخص اس اشرف و اعلیٰ، باقی و دائمی شے پر قدرت کے باوجود حقیر و فانی شے کو اختیار کرے تو یہ اس کی بے وقوفی و بدبختی ہے، عقل کا اس میں کوئی قصور نہیں۔

علم اور مال کے درمیان چھ طرح سے فرق ہے:

(۱)...علم کو کسی محافظ کی ضرورت نہیں جبکہ مال و دولت کو محافظ کی ضرورت ہوتی ہے۔(۲)...علم بندے کی حفاظت کرتا ہے جبکہ بندہ مال و دولت کی حفاظت کرتا ہے۔(۳)...علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے جبکہ مال خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے۔(۴)...مال چوری یا ضبط ہو سکتا ہے جبکہ علم نہ تو کوئی چوری کر سکتا نہ ہی کوئی حکومت و قیادت اسے ضبط کر سکتی ہے۔(۵)...صاحبِ علم ہمیشہ پُر سکون رہتا ہے جبکہ مال دار اور دنیاوی مرتبے والا شخص ہمیشہ خوف میں مبتلا رہتا ہے۔(۶)...علم ہمیشہ نفع بخش، لذیذ اور جمیل ہوتا ہے جبکہ مال کبھی ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے تو کبھی نجات کا راستہ دکھاتا ہے جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قرآن پاک میں کئی مقامات پر مال کی مَذمَّت کی ہے اگرچہ کئی مقامات پر اسے خیر (یعنی بھلائی) بھی فرمایا ہے۔

لذتِ علم سے محرومی کی وُجوہات:

اکثر لوگ لذتِ علم سے محروم ہیں جس کی تین وجوہات ہیں:(۱)...لوگوں میں علم و حکمت کے ادراک کا ذوق ختم ہو گیا ہے کہ بے ذوق علم و حکمت کو سمجھ سکتا ہے نہ اس میں شوق پیدا ہو سکتا ہے کیونکہ شوق، ذوق کے بعد آتا ہے۔(۲)...نفسانی خواہشات کی پیروی کے سبب لوگوں کے مزاج خراب اور دل بگڑ چکے ہیں جیسے کوئی مریض شہد کو کڑوا سمجھنے لگے۔(۳)...لوگوں میں لذت پہچاننے کی صلاحیت نہیں ہوتی کیونکہ لذت

کو پہچاننے والی صفت ان میں اب تک پیدا نہیں ہوئی جیسے دودھ پیتے بچے کو جو لذّت ماں کے دودھ میں ملتی ہے وہ شہد میں ملتی ہے نہ گوشت میں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ شہد اور گوشت میں لذت ہی نہیں اور نہ ہی بچے کا خوشی سے دودھ پینے کا یہ مطلب ہے کہ سب سے زیادہ لذّت دودھ ہی میں ہے۔

علم وحکمت کی لذت سے محروم لوگوں کی اقسام:

علم وحکمت کی لذت سے محروم لوگ تین طرح کے ہوئے:(۱)...جن کا باطن زندہ ہی نہ ہوا ہو جیسے بچہ۔(۲)...جن کا باطن زندہ تھا مگر خواہشات کی پیروی کے سبب مردہ ہوگیا۔(۳)...خواہشات کی پیروی کے باعث جو قلبی بیماری میں مبتلا ہیں۔اسی قلبی بیماری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ (پ۱، البقرۃ:۱۰) ترجمۂ کنزالایمان: ان کے دلوں میں بیماری ہے۔

ایک مَقام پر ارشاد فرماتا ہے:

لِّیُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَیًّا (پ۲۳، یٰس:۷۰) ترجمۂ کنزالایمان: کہ اسے ڈرائے جو زندہ ہو۔

اس آیتِ طیبہ میں ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جن کا باطن مردہ ہو چکا یعنی نصیحت صرف وہی مانتے ہیں جن کا باطن زندہ ہے۔

اَلْغَرَض! مردہ دل شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک بھی مردہ ہے اگرچہ جسمانی طور پر اور جاہلوں کے نزدیک زندہ ہے۔یہی وجہ ہے کہ شُہَدا بارگاہِ الٰہی میں زندہ ہیں، ان کو رِزْق دیا جاتا ہے، وہ فَرحَت وسُرور میں ہیں اگرچہ جسمانی کیفیت زندہ لوگوں جیسی نہیں۔

﴿2﴾...خاص لذّتِ بدنیہ:

وہ لذتِ بدنیہ جس میں انسان کے ساتھ بعض مخصوص حیوانات شریک ہوں جیسے حکمرانی، غلبہ اور برتری کی لذتیں کیونکہ یہ انسان کے علاوہ بعض حیوانات مثلاً شیر، چیتے کو بھی حاصل ہیں۔

﴿3﴾...عام لذّتِ بَدَنیہ:

وہ لذّتِ بدنیہ جس میں انسان کے ساتھ تمام حیوانات شریک ہوں جیسے بھوک اور جماع کی لذتیں۔یہ

دونوں بہت زیادہ پائی جاتی ہیں اگرچہ تمام لذتوں میں ادنیٰ ہیں ان میں تمام حیوانات شریک ہیں حتّٰی کہ کیڑے مکوڑے بھی۔ جو اس لذت سے تجاوز کرتا ہے وہ غَلَبہ واقتدار کی لذت میں پڑ جاتا ہے جس میں غافل لوگ مبتلا ہیں۔ پھر اگر وہ اس سے بھی تجاوز کرتا ہے تو سب سے اعلیٰ واشرف لذت یعنی علم وحکمت کی لذت کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے خصوصاً باری تعالیٰ کی ذات وصفات اورافعال کی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے اور اسے حاصل کرنا صِدِّیْقِیْن کا مقام ہے۔ یہ مقام کامل طور پر اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب دل سے حکومت واقتدار کی محبت ختم ہو جائے جیساکہ صدیقین کے دل و دماغ سے حکومت و اقتدار کی محبت ختم ہو جاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بھوک اور ہم بِسْتَری کی خواہش ختم کرنے پر تو نیک لوگ بھی قادر ہوتے ہیں لیکن حکومت واقتدار کی خواہش ختم کرنے پر صرف صِدِّیْقِیْن قادر ہوتے ہیں۔ ایسا ممکن نہیں کہ کبھی بھی اقتدار کا احساس و خیال دل میں نہ آئے کیونکہ یہ طاقَتِ انسانی سے باہر ہے البتہ بسا اوقات دل میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت کا ایسا غلبہ پایا جاتا ہے جس کی موجودگی میں کسی کا احساس وخیال نہیں رہتا لیکن یہ حالت عمر بھر ایک جیسی نہیں ہوتی بلکہ وقفے وقفے سے ہوتی ہے۔ جس وقت بَشَری تقاضے اُبھرتے ہیں اقتدار کی خواہش پائی جاتی ہے مگر اس وقت بھی یہ خواہش اس قدر غالب اور طاقت ور نہیں ہوتی کہ نفس کو حق بات سے روکنے پر اُکسائے۔

دل کی اقسام:

اس اعتبار سے لوگوں کے دل چار قسموں پر مشتمل ہیں: (۱)... صرف اللہ عَزَّوَجَلَّ سے محبت کرنے والا دل جسے فقط اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت اور معرفت میں زیادتی کی فکر ہو۔ (۲)... حکومت و اقتدار، جاہ و مرتبہ، مال و دولت اور جسمانی خواہشات سے لذت حاصل کرنے والا دل جو معرفتِ الٰہی کی لذت اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت سے بے خبر ہو۔ (۳)... عموماً اللہ عَزَّوَجَلَّ سے محبت، اس کی معرفت سے لذت اور معرفت میں زیادتی کی فکر کرنے والا دل لیکن یہ دل بعض اوقات بشری صفات کا اثر قبول کرتا ہے۔ (۴)... عموماً بشری صفات کا اثر قبول کرکے لذت حاصل کرنے والا دل البتہ بعض اوقات یہ علم و معرفت کی لذت حاصل کرلیتا ہے۔

پہلی قسم کے دل کا پایا جانا ممکن تو ہے لیکن بہت مشکل ہے **دوسری** قسم کے دل سے دنیا بھری پڑی ہے جبکہ **تیسری** اور **چوتھی** قسم کے دل پائے جاتے ہیں لیکن بہت کم ان کا وجود شاذونادر ہی پایا جاتا ہے جو

تھوڑے بہت اس قسم کے دل رکھنے والے پائے جاتے ہیں وہ بھی کم زیادہ ہوتے رہتے ہیں۔ انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کے مبارک زمانوں میں ان کی کثرت تھی، جوں جوں زمانہ گزرتا گیا ایسے دل رکھنے والے بھی کم ہوتے گئے، اس کمی کا سلسلہ جاری رہے گا حتّٰی کہ قیامت قائم ہو جائے گی اور اللہ عَزَّوَجَلَّ پورا کرے گا جو کام ہونا ہے۔

دنیا آخرت کا آئینہ ہے:

ایسے دِلوں کی کمی اس لئے ہے کہ یہ اُخروی سلطنت کا اصل سبب ہیں اور سلطنت و بادشاہ کم ہوا کرتے ہیں، جس طرح سلطنت اور حسن و جمال میں فوقیت رکھنے والے لوگ نادِر اور ان کے مرتبے والے لوگ زیادہ ہوتے ہیں ایسے ہی آخرت کی سلطنت کا معاملہ ہے کہ دنیا آخرت کا آئینہ ہے۔

دنیا آخرت کا آئینہ کیسے ہے؟

دنیا عالَمِ ظاہر کا جبکہ آخرت عالَمِ غیب کا نام ہے اور عالَمِ ظاہر عالَمِ غیب کے مطابق ہوتا ہے جیسا کہ آئینے میں آپ کا عکس آپ کی صورت کے مطابق ہوتا ہے عکس کا وُجود اگرچہ دوسرے نمبر پر ہے مگر دیکھنے کے اعتبار سے پہلے پر ہے کیونکہ آپ اپنی ذات کو خود نہیں دیکھ سکتے پہلے آپ آئینے میں اپنا عکس دیکھتے ہیں پھر اسی عکس کے ذریعے اپنی صورت پہچانتے ہیں یوں عکس وجود میں آپ کے مطابق ہو گیا لیکن معرفت و پہچان کے سلسلے میں آپ اس کے مطابق ہو گئے۔ اس قسم کی بہت سی مثالیں اس دنیا میں مل سکتی ہیں۔

اس مثال کا مقصد یہ ہے کہ عالَمِ ظاہر عالَمِ غیب کی تصویر ہے کہ جن لوگوں کو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے چشمِ عبرت سے نوازا ہے وہ جب بھی عالَمِ ظاہر کی کوئی چیز دیکھتے ہیں اسے عالَمِ غیب (آخرت) کے مطابق سامنے رکھ کر عبرت حاصل کرتے ہیں جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ ﴿۲﴾ (پ۲۸، الحشر: ۲) ترجمۂ کنزالایمان: تو عبرت لو اے نگاہ والو۔

بعض لوگوں کی بصیرت اندھے پن کا شکار ہے اس لئے وہ عبرت حاصل نہیں کرتے۔ دنیا ہی میں قید رہ جاتے ہیں کہ اس سے نکلنا بھی نصیب نہیں ہوتا، اسی قید خانے میں ان کے لئے جہنم کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں یہ قید خانہ آگ سے بھرا ہے اور وہ آگ دلوں پر چڑھ چکی ہے لیکن آگ کی حرارت انہیں

محسوس نہیں ہوتی کیونکہ ان کے اور آگ کے درمیان حِجاب ہے۔جو نہی موت آئے گی یہ حجاب اٹھ جائے گا اور حقیقت کا انہیں پتا چل جائے گی۔

علمُ الیقین اور عینُ الیقین:

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اہلِ حق کی زبان پر کلمۂ حق جاری فرمایا وہ اسی حق کو ظاہر کرتے ہوئے کہتے ہیں: جنت اور جہنم دونوں پیدا کر دیئے گئے ہیں۔ جہنم کا ادراک کبھی ایسے علم کے ذریعے ہوتا ہے جسے علمُ الیقین کہتے ہیں اور کبھی ادراک ایسے علم سے ہوتا جسے عینُ الیقین کہتے ہیں۔ عینُ الیقین کا تعلق صرف آخرت سے ہے جبکہ عِلْمُ الْیَقِیْن کبھی دنیا میں حاصل ہو جاتا ہے لیکن ان لوگوں کو جنہیں نورِ یقین سے وافر حصہ ملا ہو جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝٥ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝٦ (پ۳۰، التکاثر: ۵، ۶)

ترجمۂ کنزالایمان: ہاں ہاں اگر یقین کا جاننا جانتے تو مال کی محبّت نہ رکھتے، بے شک ضرور جہنّم کو دیکھو گے۔

یعنی دنیا میں ہی دیکھ لو گے۔

مزید فرماتا ہے:

ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝٧ (پ۳۰، التکاثر: ۷)

ترجمۂ کنزالایمان: پھر بے شک ضرور اسے یقینی دیکھنا دیکھو گے۔

اس سے مراد آخرت میں دیکھنا ہے۔تو بات واضح ہو گئی کہ اُخروی سلطنت کی صلاحیت رکھنے والے دل کم ہوتے ہیں جیسا کہ دنیا میں نیک لوگ کم پائے جاتے ہیں۔

نعمت کی چھٹی قسم:

یہ تقسیم تمام نعمتوں کو شامل ہے۔جان لیجئے! نعمتیں دو طرح کی ہوتی ہیں: (۱)...جو بِالذّات مطلوب و مقصود ہوں اور (۲)...جو بِالذّات مطلوب نہ ہوں بلکہ مقصود کے لئے مطلوب ہوں۔

بِالذّات مطلوب و مقصود نعمت "اُخروی سعادت" کا نام ہے۔اُخروی سعادت چار چیزوں پر مشتمل ہے: (۱)...دائمی زندگی (۲)... غم سے خالی خوشیوں بھری زندگی (۳)... جہالت سے پاک علم سے بھرپور

زندگی اور (۴)...دائمی مال داری۔

حقیقی نعمت:

اُخروی سعادت ہی حقیقی نعمت ہے اسی لئے رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: لَاعَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَۃ یعنی حقیقی زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔[1] ایک بار خندق کھودتے وقت آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم بہت تکلیف میں تھے تو اپنی تسلی کے لئے یہی جملہ ارشاد فرمایا جبکہ حجۃُ الوداع کے موقع پر جب صحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ آپ کے اِرد گرد کھڑے تھے اور آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم بہت خوش تھے تو یہی الفاظ ارشاد فرمائے تاکہ نفس دنیاوی خوشی کی طرف مائل نہ ہو۔

کامل نعمت:

ایک بار کسی شخص نے دعا کی: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! میں تجھ سے کامل نعمت کا سوال کرتا ہوں تو حُضورِ اَکرم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اُس سے فرمایا: جانتے ہو کامل نعمت کیا ہے؟ اس نے عرض کی: نہیں۔ فرمایا: جنت میں داخلہ کامل نعمت ہے۔[2]

اُخروی سعادت پانے کے ذرائع:

اخروی سعادت پانے کے چار ذرائع ہیں: (۱)...سب سے خاص اور سب سے قریبی ذریعہ جیسے نفسانی کمالات (۲)...پہلی قسم کی تکمیل کرنے والا ذریعہ جیسے جسمانی کمالات (۳)...دوسری قسم کی تکمیل کرنے والے ذرائع جن کا تعلق جسم سے نہیں ہوتا بلکہ یہ جسم سے قریب رہنے والی خارجی نعمتیں ہوتی ہیں جیسے مال و دولت، اہل وعیال اور خاندان (۴)...جسمانی اور خارجی دونوں قسم کے ذرائع کا مجموعہ جیسے رُشد وہدایت۔

اگرچہ ان کمالات کی بہت سی اقسام ہیں لیکن ان کا خلاصہ و نچوڑ دو چیزوں میں ہے: (۱)...ایمان (۲)...حُسنِ اخلاق۔

---

1 ... بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب دعاء النبی... الخ، ۲/۵۵۸، حدیث: ۳۷۹۶

2 ... سنن الترمذی، کتاب الدعوات، باب ۱۰۱، ۵/۳۱۲، حدیث: ۳۵۳۸، بتغیر قلیل

ایمان کے درجات:

ایمان کے دو درجے ہیں: (۱)... عِلْمِ مُکاشَفہ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات و صِفات، فِرِشتوں اور رسولوں کی معرفت (۲)... عِلْمِ مُعاملہ یعنی جسمانی مجاہدے اور عبادات۔

حُسْنِ اَخلاق کے درجات:

حُسنِ اَخلاق کے بھی دو درجے ہیں: (۱)... خواہشات اور غضب وغصہ کو ترک کر دینا اسے "عِفَّت" کہتے ہیں۔ (۲)... خواہشات کو ترک کرنے یا ان کی پیروی کرنے میں میانہ روی سے کام لینا یعنی ایسا نہ ہو کہ ہر طرح کی خواہش سے رُک جائے اور نہ ہی ایسا ہو کہ ہر طرح کی خواہش کی پیروی کرے بلکہ خواہش کی تکمیل اور اس سے بچنا عدل وانصاف کے قاعدے کے مطابق ہو جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ ﴿۸﴾ وَ اَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَ لَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ ﴿۹﴾ (پ۲۷، الرحمٰن: ۸،۹)

ترجمۂ کنزالایمان: کہ ترازو (ترازو) میں بے اعتدالی (ناانصافی) نہ کرو اور انصاف کے ساتھ تول قائم کرو اور وزن نہ گھٹاؤ۔

میانہ روی:

جو شخص ہم بستری کی خواہش ختم کرنے کے لئے خود کو نامرد بنالیتا ہے یا برائی سے بچنے اور اہل ہونے کے باوجود نکاح نہیں کرتا یا کھانا پینا چھوڑ کر عبادت اور ذکر وفکر کے قابل نہیں رہتا ایسا شخص عدل وانصاف کے تقاضے پر عمل نہیں کر رہا ہے اس کے برعکس جو شخص صرف کھانے پینے اور ہم بستری کی خواہش میں مصروف رہتا ہے وہ بھی ناانصافی کر رہا ہے کیونکہ عدل وانصاف یہ ہے کہ بندہ کمی بیشی ترک کرے اور میانہ روی اختیار کر کے دونوں جانب کو برابر رکھے۔

قربِ الٰہی کے حصول کے ذرائع:

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے قریب کرنے والے خاص نفسانی کمالات چار ہیں: (۱)... عِلْمِ مُکاشَفہ (۲) عِلْمِ مُعاملہ (۳) عفت اور (۴) عدل وانصاف۔

ان چاروں کی تکمیل دوسری قسم یعنی جسمانی کمالات کے ساتھ ہوتی ہے۔ یہ بھی چار ہیں: (۱)... صحت

(۲)...طاقت (۳)...خوبصورتی (۴)...طویل زندگی۔

ان چاروں کی تکمیل تیسری قسم یعنی جسم سے قریب رہنے والی خارجی نعمتوں سے ہوتی ہے۔ یہ بھی چار ہیں: (۱)...مال و دولت (۲)...اہل وعیال (۳)...جاہ و مرتبہ (۴)...خاندانی شرافت۔

ان جسمانی اور خارجی ذرائع سے نفع اسی صورت میں حاصل ہوتا ہے جب چوتھی قسم پائی جائے اور یہ جسمانی اور خارجی دونوں قسم کے ذرائع کو جمع کرتی ہے۔ یہ بھی چار ہیں: (۱)...رُشدِ باری تعالیٰ (۲) ہدایتِ باری تعالیٰ (۳) تائید باری تعالیٰ (۴) دُرُستی مِن جانبِ الله۔ مجموعی طور پر ان نعمتوں کی تعداد سولہ ہوگئی جیسا کہ چاروں اقسام کی مزید چار چار قسمیں کی گئی ہیں، ان تمام کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

بعض ذرائع ایک دوسرے کے محتاج ہیں:

بعض ذرائع ایک دوسرے کے محتاج ہیں، محتاجی خواہ اہم ہو یا مفید۔ اہم یوں ہو سکتی ہے کہ اُخروی سعادت پانے کے لئے ایمان اور حُسنِ اخلاق کی محتاجی ہے کہ یقیناً ان کے بغیر اُخروی سعادت نہیں مل سکتی کیونکہ انسان جس چیز کی کوشش کرتا ہے وہی پاتا ہے اور آخرت میں ہر شخص وہی پائے گا جو زادِ راہ دنیا میں اکٹھا کیا۔ اسی طرح نفسانی کمالات کو عُلومِ نافعہ حاصل کرنے اور اخلاق سنوارنے میں اس بات کی محتاجی ہوتی ہے کہ بدَن تندُرُست و توانا رہے مفید حاجت کی مثال نفسانی اور جسمانی کمالات ہیں جنہیں خارجی نعمتوں مثلاً مال و دولت، جاہ و منزلت، بیوی بچے اور قریبی رشتہ داروں کی حاجت ہوتی ہے کیونکہ اگر یہ خارجی نعمتیں نہ ہوں تو بعض اوقات داخلی نعمتوں میں خلل واقع ہوتا ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اُخروی سعادت کے لئے خارجی نعمتیں یعنی مال و دولت، جاہ و منزلت، بیوی بچے اور قریبی رشتہ دار کیسے مفید ہیں؟ **جواب:** یاد رکھئے! یہ اسباب پرندے کے پَر اور مقصود کو آسان کرنے والے آلے کی طرح ہیں۔

مال کے فوائد:

مال تو یوں مفید ہے کہ بندہ مال کے بغیر کسی علم و فن میں مہارت حاصل نہیں کر سکتا کہ یہ میدانِ جنگ

میں ہتھیار کے بغیر لڑنے اور بغیر پروں کے شکار کرنے والے شاہین کی طرح ہے۔

سیِّدِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے مال کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "نِعمَ المَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ یعنی مردِ صالح[1] کے لئے حلال مال بہت ہی اچھا ہے۔"[2]

رحمتِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد ہے: نِعْمَ الْعَوْنُ عَلٰی تَقْوَی اللّٰہِ الْمَالُ یعنی خوفِ خدا کے لئے مال بہترین مددگار ہے۔[3]

یقیناً مال بہترین مددگار ہے کیونکہ جس کے پاس مال نہیں وہ تمام عُمر روزی، لباس و مکان اور رہن سہن کے مُعاملات ہی میں گزار دیتا ہے۔ طرح طرح کی پریشانیاں اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر سے دور رکھتی ہیں۔ اس کی پریشانیوں کا حل فقط مال ہی سے ممکن ہوتا ہے جس کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ حج، زکوٰۃ و صَدَقات کی فضیلت پانے اور دیگر مالی عبادات کرنے سے محروم رہتا ہے۔

مال داری، امن، صحت اور جوانی نعمتیں ہیں:

کسی بزرگ رَحمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے پوچھا گیا کون سی چیز نعمت ہے؟ فرمایا: مالداری کیونکہ محتاج شخص کی کوئی زندگی نہیں ہوتی۔ کسی نے پوچھا: مزید کوئی نعمت؟ فرمایا: امن کیونکہ خوف زدہ شخص کی کوئی زندگی نہیں ہوتی۔ پھر کسی نے پوچھا: مزید کوئی نعمت؟ فرمایا: صحت کیونکہ بیمار شخص کی کوئی زندگی نہیں۔ کسی نے پھر پوچھا: مزید کوئی نعمت؟ فرمایا: جوانی کیونکہ بوڑھے شخص کی کوئی زندگی نہیں۔

بزرگ کا یہ فرمانا دنیاوی نعمتوں کی طرف اشارہ ہے لیکن انہیں نعمت اس لئے فرمایا کہ یہ آخرت کے لئے مددگار ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے مُحسِنِ کائنات، فخرِ موجودات صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "مَنْ

1... مُفَسِّرِ شہیر، حکیم الامت مفتی احمد یار خان عَلَیْہِ رَحمَۃُ الْحَنَّان اس حدیث کی شرح میں مراٰۃ المناجیح، جلد5، صفحہ 391 پر ارشاد فرماتے ہیں: مردِ صالح وہ ہے جو نیکی پہچانے اور کرے اور مالِ صالح وہ ہے جو اچھے راستے (سے) آئے اور اچھی راہ جائے یعنی حلال کمائی، بھلائی میں خرچ ہو۔

2... المسند للامام احمد بن حنبل، حدیث عمرو بن العاص، ۶/ ۲۲۸، ۲۴۰، حدیث: ۱۷۷۷۸، ۱۷۸۱۷

3... مسند الشھاب، ۲/ ۲۶۰، حدیث ۱۳۱۷

اَصْبَحَ مُعَافًى فِیْ بَدَنِهٖ اٰمِنًا فِیْ سِرْبِهٖ عِنْدَهٗ قُوْتُ یَوْمِهٖ فَكَاَنَّمَا حِیْزَتْ لَهُ الدُّنْیَا بِحَذَافِیْرِهَا یعنی جو شخص اس حال میں صبح کرے کہ اس کا بدن تندرست، دل مطمئن اور اس کے پاس اُس دن کا کھانا ہو تو گویا اس کے لئے دنیا پوری کی پوری جمع کر دی گئی۔"[1]

بیوی بچوں اور رشتہ داروں کے فوائد:

جہاں تک بیوی بچوں کا تعلق ہے تو ان کا مفید ہونا کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کیونکہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے فرمایا: نِعْمَ الْعَوْنُ عَلَى الدِّیْنِ الْمَرْاَةُ الصَّالِحَةُ یعنی دین پر بہترین مددگار نیک بیوی ہے۔[2]

نیک اولاد کے مفید ہونے کے بارے میں آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم کا ارشاد ہے: "اِذَا مَاتَ الْعَبْدُ اِنْقَطَعَ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ وَّلَدٌ صَالِحٌ یَدْعُوْ لَهٗ[3] یعنی انسان کے مرنے کے بعد اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے البتہ تین چیزیں فائدہ پہنچاتی ہیں جن میں سے ایک نیک اولاد ہے جو اس کے لئے دعا کرتی ہے۔" (مزید تفصیل دیکھنی ہو تو) نکاح کے بیان میں بھی ہم نے بیوی بچوں کے فوائد ذکر کئے ہیں۔

قریبی رشتہ دار بھی اُخروی سعادت کے لئے مفید ہوتے ہیں۔ انسان کی اولاد اور رشتہ دار آنکھ اور ہاتھ کی طرح ہوتے ہیں جن کے ذریعے آخرت کے بہت سے ضروری اُمور آسان ہو جاتے ہیں جنہیں اگر اکیلا کیا جائے تو بہت وقت دَرْکار ہو۔ اَلْغَرَض! جس چیز کی وجہ سے دل دنیا سے دور ہو جائے وہ انسان کے دین کے لئے مددگار ہوتی ہے اور اسی نظریہ کے تحت وہ نعمت بھی ہے۔

جاہ و منزلت کے فوائد:

جاہ و منزلت کے بھی بے شمار فوائد ہیں۔ انسان اس کے ذریعے ذلت اور ظلم سے بچ جاتا ہے اور کوئی مسلمان اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا کیونکہ کوئی نہ کوئی دشمن اسے اذیت پہنچانا چاہتا ہے اور اس ظالم کی وجہ سے انسان علمی، عملی اور دیگر مَشاغِل میں اُلجھن اور پریشانی کا شکار ہو جاتا ہے۔ دل اصل سرمایہ ہے یہ بھی ان تفکرات میں مبتلا ہو جاتا ہے اگر جاہ و منزلت کی نعمت ہو تو اس کی مشکل حل اور پریشانی دور ہو جاتی ہے۔

1... سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب القناعة، ۴/ ۴۴۲، حديث: ۴۱۴۱، دون "بحذافيرها"

2... مسلم، كتاب الرضاع، باب خير متاع الدنيا المرأة الصالحة، ص۷۷۴، حديث: ۱۴۶۷، مفهومًا

3... مسلم، كتاب الوصية، باب ما يلحق الانسان... الخ، ص۸۸۶، حديث: ۱۶۳۱

اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ”دین اور حکمرانی لازم وملزوم ہیں۔“ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ (پ۲، البقرۃ: ۲۵۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اگر اللہ لوگوں میں بعض سے بعض کو دفع نہ کرے تو ضرور زمین تباہ ہو جائے۔

جاہ ومنزلت کا مطلب:

جاہ ومنزلت کا مطلب لوگوں کے دلوں کا مالک ہونا ہے جیسا کہ مالداری کا مطلب جائیداد اور پیسوں کا مالک ہونا ہے۔ لوگ مال دار شخص کے دل میں جگہ بناتے ہیں تا کہ نقصان وتکلیف سے بچ جائیں جس طرح آدمی کو بارش سے بچنے کے لئے چھت، سردی سے تحفظ کے لئے گرم کپڑے اور جانوروں کو بھیڑیئے سے بچانے کے لئے کُتّے کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح خود سے شر کو دور کرنے والی چیزوں کی ضرورت بھی پڑتی ہے۔ جن انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کے پاس دنیاوی حکومت وسلطنت نہ تھی وہ بادشاہوں سے حکمت کے پیشِ نظر برتاؤ رکھتے تھے تا کہ ان میں اپنی جاہ ومنزلت قائم رکھ سکیں۔ علمائے دین بھی بادشاہوں کے ساتھ دینی مَصلِحت کے پیشِ نظر تَعَلُّقات رکھتے تھے، انہیں بادشاہوں کے خزانے اور دنیاوی مال جمع کرنے سے کوئی غَرَض نہ تھی اور ہرگز تم یہ گمان نہ کرنا کہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا جاہ ومنزلت ہجرت سے پہلے کم تھا کہ کُفّارِ مکہ کی تکالیف کی وجہ سے آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو ہجرت کی حاجت پیش آئی اور جب مکہ فتح ہوا، دین کامل ہوا، تمام دشمنوں پر غلبہ ہو گیا اور ہر ایک کے دل میں حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی محبت بیٹھی تو اس نعمتِ الٰہی میں اضافہ ہوا۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

کیا عمدہ نسب اور خاندانی شرافت بھی نعمت ہے؟ **جواب:** جی ہاں نعمت ہے جیسا کہ حُسنِ اَخلاق کے پیکر، مَحبوبِ رَبِّ اَکبر صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: ”اَلْاَئِمَّۃُ مِنْ قُرَیْشٍ یعنی خلفا قُریش سے ہیں۔“[1] اسی وجہ سے سیِّدِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا نسب تمام لوگوں میں سب سے اعلیٰ واشرف ہے۔

آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”تَخَیَّرُوْا لِنُطَفِکُمُ الْاَکْفَاءَ یعنی عمدہ خصائل والی عورت سے

[1] ...سنن الکبری للنسائی، کتاب القضاء، باب الائمۃ من قریش، ۳/ ۴۶۷، حدیث: ۵۹۴۲

نکاح کرو۔"[1] نیز ارشاد فرمایا: "خَضْرَاءُ الدِّمَن سے بچو۔" عرض کی گئی: خَضْرَاءُ الدِّمَن کیا ہے؟ فرمایا: "ایسی خوبصورت عورت جس کی پرورش بُرے ماحول میں ہوئی ہو۔"[2]

اِزالۂ وہم:

خاندانی شرافت ایک نعمت ہے، یہ مراد ہرگز نہیں کہ آپ ظالموں اور دنیاداروں میں رشتہ داری کیجئے بلکہ وہ گھرانہ تلاش کیجئے جو رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم، علماو صُلَحا اور علم و عمل سے مالا مال لوگوں کے سلسلۂ نسب سے تعلق رکھتا ہو۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

جسمانی کمالات کا کیا مطلب ہے؟ **جواب:** اس بات میں کوئی شک نہیں کہ انسان کو صحت، طاقت اور لمبی عُمُر کی بہت زیادہ حاجت ہے کیونکہ ان ہی کے ذریعے علم و عمل کی تکمیل ہوتی ہے جیسا کہ رحمتِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد ہے: "اَفْضَلُ السَّعَادَاتِ طُوْلُ الْعُمُرِ فِیْ طَاعَةِ اللّٰہِ یعنی **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی عبادت میں گزرنے والی لمبی زندگی افضل سعادت ہے۔"[3]

خوبصورتی نعمت ہے:

جسمانی کمالات میں "خوبصورتی" بھی نعمت ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں: جسم کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ بندہ نیکی کر سکے، کوئی بیماری رکاوٹ نہ بنے، خوبصورتی ضروری نہیں جبکہ ہم خوبصورتی کو بھی معاونِ نعمت شمار کرتے ہیں کہ اس کے دنیاوی فوائد مخفی نہیں اور دو طرح سے یہ آخرت کے لئے بھی فائدہ مند ہے:

(1)... لوگ بد صورت شخص کو حقارت کی نظر سے دیکھتے اور اسے ناپسند کرتے ہیں نیز بد صورت کے مقابلے میں خوبصورت کی حاجات جلد پوری ہو جاتی ہیں، لوگوں میں اس کی قدر و منزلت بڑھتی چلی جاتی

1... سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب الاکفاء، ۲/ ۴۷۳، حدیث: ۱۹۶۸

2... مسند الشھاب، ۲/ ۹۶، حدیث: ۹۵۷

3... تاریخ بغداد، ۶/ ۱۶، الرقم: ۳۰۴۶، ابو اسحاق ابراھیم بن احمد المقری البزوری، بتغیر قلیل

ہے یوں مال و دولت اور جاہ و منصب کی طرح خوبصورتی بھی کامیابی کا ذریعہ بن جاتی ہے گویا یہ طاقت و قدرت کی نوعیت اختیار کر جاتی ہے۔ اَلْغَرَض! خوبصورت شخص اپنی حاجتوں کی تکمیل میں بدصورت پر برتری رکھتا ہے اور اس کی یہی دنیاوی خوبی اُخروی اُمور کے لئے بھی مددگار و مفید ثابت ہوسکتی ہے۔

(2)... عموماً ظاہری خوبصورتی سے باطنی خوبصورتی کا پتا چلتا ہے کیونکہ جب باطنی نور کامل ہو کر جسم پر ظاہر ہونے لگتا ہے تو ظاہر و باطن یکساں ہو جاتا ہے۔

ظاہر باطن کا آئینہ ہے:

باطن میں ظاہر کا اثر ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اولیائے کرام رَحِمَہُمُ اللّٰہُ السَّلَام ظاہر کو دیکھ کر باطن پہچان لیتے ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ”چہرہ اور آنکھ باطن کا آئینہ ہیں۔“ حقیقت بھی یہی ہے کہ چہرے اور آنکھ میں غم و غصہ، خوشی و مسرت کا اثر پایا جاتا ہے۔

منقول ہے کہ خوش نُما چہرہ باطن کا اثر ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ دنیا کی ہر قبیح چیز کو اس کا چہرہ ہی سنوارتا و سجاتا ہے۔

حکایت: ظاہری و باطنی حُسن سے محروم

منقول ہے کہ ایک بار عباسی خلیفہ مامونُ الرَّشید نے فوج کا جائزہ لیا، ان میں ایک بدصورت شخص نظر آیا۔ خلیفہ نے اس سے گفتگو کی تو وہ ہَکلا بھی نکلا۔ خلیفہ نے اسے معزول کر دیا اور کہنے لگا: اگر روح کی چمک ظاہر پر پڑنے لگے تو اسے صباحت یعنی خوبصورتی کہتے ہیں اور اگر باطن پر پڑنے لگے تو فصاحت کہلاتی ہے۔ یہ شخص تو ظاہری و باطنی ہر دو حُسن سے محروم ہے۔

مُحْسِنِ کائنات، فخرِ موجودات صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”اُطْلُبُوا الْخَیْرَ عِنْدَ صِبَاحِ الْوُجُوْہ یعنی بھلائی خوبصورت چہرے والوں سے مانگو۔“[1]

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: جب کہیں قاصد بھیجنے کا ارادہ کرو تو اچھے نام اور اچھے چہرے کا انتخاب کرو۔

1... مسند ابی یعلی، مسند عائشہ، ۴/ ۲۲۳، حدیث: ۴۷۴۰، بتغیر قلیل

فقہا فرماتے ہیں: اگر چند نمازی علم وغیرہ میں برابر ہوں تو ان میں جو زیادہ خوبصورت ہے وہ امامت کا زیادہ حق دار ہے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے خوبصورتی کے ذریعے (طالوت پر) اپنے احسان کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ (پ۲، البقرة: ۲۴۷) ترجمۂ کنزالایمان: اور اسے علم اور جسم میں کشادگی زیادہ دی۔

ازالۂ وہم:

ہم نے جہاں بھی خوبصورتی کو سراہا ہے اس سے شہوت کو ابھارنے والی خوبصورتی مراد نہیں کیونکہ اُسے تو "نِسوانی حُسن" کہتے ہیں۔ ہماری مراد یہ ہے کہ انسان میانہ قد ہو، زیادہ موٹا ہو نہ پتلا، مناسب بدن ہو، چہرہ ایسا ہو کہ لوگ اسے دیکھ کر نفرت نہ کریں۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

آپ نے مال و دولت، جاہ و منصب، بیوی بچوں کو نعمتوں میں شامل کیا حالانکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مال وجاہ کی مذمت فرمائی ہے۔ اسی طرح رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم [1] اور علمائے کرام نے بھی ان کی مذمت بیان فرمائی۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ (پ۲۸، التغابن: ۱۴) ترجمۂ کنز الایمان: تمہاری کچھ بیبیاں اور بچّے تمہارے دشمن ہیں تو ان سے احتیاط رکھو۔

مزید ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ (پ۲۸، التغابن: ۱۵) ترجمۂ کنزالایمان: تمہارے مال اور تمہارے بچّے جانچ ہی ہیں۔

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم نسب کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: "لوگ نسب کی طرف نہیں بلکہ اپنی نیکیوں کی طرف منسوب کئے جائیں گے نیز انسان کی قدر و قیمت اس کی نیکی ہے۔" [2] کہا گیا ہے: فضیلت و شرف کا معیار انسان خود ہے، نسب نہیں۔ کیا ان مذمّت

---

1 ... سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب فی اخذ المال بحقه، ۴/ ۱۶۶، حدیث: ۲۳۸۳

2 ... جامع بیان العلم، باب الحث علی استدامة الطلب والصبر، حدیث: ۴۴۹، ص۱۳۹

والے اَقوال وفرامین کی موجودگی میں مال ودولت، جاہ ومنصب اور بیوی بچے نعمت شمار ہوں گے؟

جواب: چونکہ اس سوال کی بنیاد قرآن وحدیث کو ٹھہرایا گیا ہے اسی لئے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ قرآن وحدیث کے فقط ظاہری معنیٰ اور مخصوص الفاظ سے دلیل پیش کرنے والا شخص اکثر گمراہی کا شکار ہو جاتا ہے۔ قرآن وحدیث وہی سمجھ سکتا ہے جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے اس کی ہدایت ملے پھر قرآن وحدیث کی روشنی میں تاویل وتخصیص کو پیشِ نظر رکھے۔ مال ودولت، جاہ ومنصب، بیوی بچے آخرت کے لئے مددگار ہیں، اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں اور یہ حقیقت بھی تسلیم ہے کہ ان کی وجہ سے انسان مصیبت وآزمائش میں مبتلا ہو سکتا ہے مثلاً "مال" سانپ کی طرح ہے کہ جس میں نفع بخش تِریاق[1] بھی ہے اور نقصان پہنچانے والا زہر بھی۔ جو شخص اس کے زہر سے بچنے کا طریقہ جانتا اور نفع بخش تِریاق نکال سکتا ہے اس کے لئے یہ نعمت ہے اور ناتجربہ کار شخص پکڑے تو اس کے لئے یہی سانپ مصیبت وآزمائش ہے۔ مال گویا ایک سمندر ہے، جس کی تہہ میں مختلف اقسام کے ہیرے جواہرات ہیں، جو شخص ماہر تیراک ہے نیز سمندری خطرات سے بچنا جانتا ہے وہ تو سمندری نعمتوں کو حاصل کرلے گا مگر جو اس مَہارت سے عاری ہونے کے باوجود غوطہ لگائے گا وہ یقیناً خود کو ہلاکت میں ڈالنے والا کہلائے گا۔

مال کے مزید فائدے:

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے (سورۃ البقرہ کی آیت:۱۸۰ میں) مال کو "خیر" فرمایا ہے۔ رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے بھی اس کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "نِعْمَ الْعَوْنُ عَلٰی تَقْوَی اللّٰہِ الْمَالُ یعنی مال خوفِ خدا کے لئے بہترین مددگار ہے۔"[2] اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حُضور خَاتَمُ النَّبِیِّیْن صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو تمام مَذاہِب وادیان پر غلبہ عطا فرمایا اور آپ کی محبت تمام مخلوق کے دلوں میں ڈال دی اسی احسان کا نام جاہ ومنصب ہے۔

مال ومرتبہ کی مَذمت:

قرآن وحدیث میں مال ومرتبہ کی تعریف بہت کم اور مذمت زیادہ مذکور ہے۔ جہاں بھی ریاکاری کی

---

1 ... زہر کا اثر ختم کرنے والی دوا۔

2 ... مسند الشھاب، ۲/ ۲۶۰، حدیث: ۱۳۱۷

مَذَمَّت کی گئی ہے وہاں جاہ و منصب کی مذمت پائی جارہی ہے کیونکہ ریاکاری کا مقصد ''لوگوں کے دلوں میں مقام پیدا کرنا'' ہوتا ہے اور جاہ و منصب کا مطلب ''لوگوں کے دلوں کا مالک ہونا'' ہے۔

کم تعریف اور زیادہ مذمت کی وجہ:

مال و مرتبہ کی تعریف کم اور مذمت زیادہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اکثر لوگ ''مال'' پر بیٹھے زہریلے سانپ سے بچنے اور جاہ و منصب کے سمندر میں غوطہ لگانے کے طریقے سے ناواقف ہیں اسی لئے انہیں مال و مرتبہ کے حُصول سے ڈرانا ضروری ہے کیونکہ یہ ناواقف لوگ مال پر بیٹھے زہریلے سانپ کا تِریاق نکالنے اور سمندر کے جواہرات حاصل کرنے کی کوشش میں سانپ کے زہر سے ہلاک اور سمندر کے مگرمچھ کا شکار ہو جائیں گے۔

مال و مرتبہ بالذات مذموم نہیں:

مال و مرتبہ بِالذّات بری چیز نہیں اور نہ ہی یہ ہر ایک کے لئے مذموم ہے ورنہ ہمارے پیارے آقا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو نبوت کے ساتھ حکومت اور حضرت سیِّدُنا سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام کو نبوت کے ساتھ مال و دولت عطا نہ ہوتی۔

سانپ، بچہ اور تِریاق:

اُمت کے عام لوگ بچوں کی مثل اور مال سانپ کی طرح ہے جبکہ انبیا و اولیا عَلَیْہِمُ السَّلَام ایسے ہیں جو سانپ کا تِریاق جانتے ہیں۔ بچے کو سانپ سے ضَرَر پہنچ جاتا ہے جبکہ تِریاق نکالنے والا سانپ کے ضرر سے محفوظ رہتا ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص سانپ کا تِریاق نکالنا جانتا ہو اور اسے سانپ کے تریاق کی ضرورت بھی ہو پھر اسے کوئی سانپ دکھائی دے اور اس وقت اس کے پاس اس کا بیٹا بھی موجود ہو جس کی اچھی تربیت اور اچھی زندگی کا خواہشمند ہو مگر وہ یہ جانتا ہو کہ اگر اس نے سانپ کا تریاق نکالنے کی کوشش کی تو اس کا بیٹا بھی اس کی دیکھا دیکھی سانپ کو پکڑنے کی کوشش کرے گا یوں وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دے گا اب اسے بچے کی فکر بھی ہے اور تریاق کی ضرورت بھی۔ ایسی صورت میں وہ غور و فکر کرے کہ اسے تریاق کی زیادہ ضرورت ہے یا بچے کی حفاظت اسے زیادہ مطلوب ہے۔ غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ تریاق نکالے بغیر بھی گزارا

ہو سکتا ہے جبکہ بچے کی ہلاکت میں بڑا نقصان ہے۔ اب باپ کے لئے ضروری ہے کہ سانپ سے دور بھاگے اور بچے کو بھی سانپ سے دور بھاگنے کا کہے نیز بچے کو سانپ کی شکل وصورت سے ڈرائے اور اسے بتائے کہ اس میں جان لیوا زہر ہے جس کے اثر سے بچنا انتہائی مشکل ہے اور کبھی بھی بچے کو نہ بتائے کہ اس میں نفع بخش تِریاق بھی ہے کیونکہ بچہ انجانے میں اس پر جرأت کر سکتا ہے۔

ماہر تیراک اور بچہ:

یونہی ایک شخص تیراکی کے فَن میں ماہر ہے۔ اسے معلوم ہے کہ بچے کے سامنے دریا اور نہر وغیرہ میں غوطہ لگانا نقصان دہ ہے کیونکہ وہ بھی ایسا کرنے کی کوشش کرے گا اور ہلاکت میں جا پڑے گا بلکہ اسے تو بچے کو دریا اور نہر وغیرہ کے کنارے پر جانے سے بھی ڈرانا چاہئے۔ پھر اگر بچہ یہ سوچ کر نہ ڈرے کہ ابو خود بھی تو دریا اور نہر میں جاتے ہیں تو اب والد کے لئے ضروری ہے کہ خود بھی ساحل کی طرف جانا چھوڑ دے اور بچے کو بھی دور رکھے، اس کے سامنے ہرگز دریا کے قریب نہ جائے۔

اُمَّت کی مثال:

امت بھی انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کی آغوشِ شفقت میں ناواقف بچوں کی طرح ہے جیسا کہ خلق کے رَہبَر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: ''اِنَّمَا اَنَا لَکُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ لِوَلَدِہٖ یعنی جس طرح والد اولاد کے لئے ہوتا ہے میں تمہارے لئے ویسا ہی ہوں۔''[1] نیز ارشاد فرمایا: ''اِنَّکُمْ تَتَہَافَتُوْنَ عَلَی النَّارِ تَھَافُتَ الْفَرَاشِ وَاَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِکُمْ یعنی تم پروانوں کی طرح آگ میں کودرہے ہو اور میں تمہارے کمربند پکڑ کر تمہیں گرنے سے بچا رہا ہوں۔''[2]

انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کی بعثت کا مقصد:

انبیا کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کی بعثت کا سب سے بڑا مقصد اُمتوں کو ہلاکت خیز باتوں سے بچانا تھا، مال و دولت سے انھیں کوئی غرض نہ تھی۔ یہ حضراتِ قُدسِیہ صرف اتنا مال رکھتے جتنی ضرورت ہوتی اور اسی پر اِکتفا کرتے۔ اگر کبھی مال زیادہ ہو جاتا تو اسے جمع نہیں کرتے بلکہ راہِ خدا میں خرچ کر دیتے کیونکہ راہِ خدا میں خرچ

---

1 ... سنن ابن ماجہ، کتاب الطھارۃ، باب الاستنجاء بالحجارۃ، ۱/ ۱۹۸، حدیث: ۳۱۳

2 ... المعجم الکبیر، ۱۰/ ۲۱۵، حدیث: ۱۰۵۱۱ ...... بخاری، کتاب الرقاق، باب الانتھاء عن المعاصی، ۴/ ۲۴۲، حدیث: ۶۴۸۳، بتغیر

کرنا ہی تِریاق ہے اور جمع کرنا زہرِ قاتل ہے۔

مذمَّتِ مال و دولت کی وُجوہات:

اگر لوگوں کو مال کمانے کی چھوٹ دے دی جائے تو وہ اسی میں مگن ہو جائیں گے اور مال و دولت جمع کرنے جیسے زہرِ قاتل کا شکار ہو جائیں گے نیز خرچ کرنے جیسے تِریاق کو بھول جائیں گے۔ انہی وُجوہات کی بنا پر مال و دولت کی مَذمَّت کی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مال داری کی حرص اور ذخیرہ اندوزی مذموم صفت ہے کیونکہ مالداری کی حرص اور نعمتوں میں زیادتی کی تمنا دنیا اور اس کی لذت کی طرف مائل کرتی ہے لیکن بقدرِ ضرورت مال ہونا اور زیادہ ہونے کی صورت میں نیک کاموں میں خرچ کرنا مذموم صفت نہیں ہے کیونکہ ہر مسافر بقدرِ ضرورت زادِ راہ رکھنے کا حقدار ہوتا ہے اور اگر دیگر رُفقا پر خرچ کرنا اور انہیں کھانا کھلانا چاہے تو زیادہ لے جانے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

سیِّدِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد ہے: "لِیَکُنْ بَلَاغُ اَحَدِکُمْ مِنَ الدُّنْیَا کَزَادِ الرَّاکِبِ یعنی تمہارا دنیاوی توشہ مسافر کے زادِ راہ کی طرح ہونا چاہئے۔"(1)

حدیثِ پاک کا مطلب:

حدیثِ پاک کا مطلب یہ ہے کہ اپنے لئے بقدرِ ضرورت اشیاء رکھو۔ اس حدیث کو بیان کرنے والے بھی ایسا ہی کرتے تھے، یہ لوگ لاکھوں لاکھ کماتے تھے مگر (ضرورت سے زائد) کچھ بھی نہ بچاتے۔ سب لوگوں پر خرچ کر دیتے۔

ایک بار رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "مال دار لوگ مشکل کا سامنا کر کے جنت میں داخل ہوں گے۔" یہ سن کر حضرت سیِّدُنا عبد الرحمٰن بن عوف رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے اپنی تمام ملکیت صَدَقہ کرنے کی اجازت چاہی۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اجازت عطا فرمائی تو حضرت سیِّدُنا جبریل امین عَلَیْہِ السَّلَام نے بارگاہِ رسالت میں حاضری دی اور فرمایا:

(1)... الزهد لابن أبي عاصم، ص ۶۵، حدیث: ۱۶۹

انہیں مسکین کو کھانا کھلانے، بے لباس کو لباس پہنانے اور مہمان کی مہمان نوازی کا حکم دیجئے۔[1]

اَلْغَرَض! دنیاوی نعمتیں دیگر اشیاء سے ملی ہوئی ہیں، دوا کے ساتھ مرض، امید کے ساتھ خوف، نفع کے ساتھ نقصان ملا ہوا ہے۔ لہٰذا جسے اپنی بصیرت اور کمالِ معرفت پر اعتماد ہو وہ شخص مال و دولت کے نقصان سے بچتے ہوئے اور اس کی دوا کو استعمال کرتے ہوئے اسے رکھ سکتا ہے اور جسے اعتماد نہ ہو اسے خطرات کے مقام سے علیحدہ و دُور رہنا چاہئے اور ایسے لوگوں کے لئے بچنا ہی بہتر ہے۔ عموماً لوگ دنیا کی دولت میں پھنس جاتے ہیں مگر جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ محفوظ رکھے اور اپنے راستے کی طرف راہ نمائی فرمائے۔

توفیقِ خداوندی کی وضاحت:

توفیقِ خداوندی کی نعمت جس کا تعلق ہدایت، رُشد اور تائید باری تعالیٰ نیز تسدید یعنی دُرستی مِنْ جَانِبِ اللہ ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ **جواب:** جان لیجئے! توفیقِ خداوندی ہر ایک کے لئے ضروری ہے۔ توفیق کا مطلب بندے کے ارادے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جانب سے لکھی ہوئی تقدیر کا ایک دوسرے کے موافق ہونا ہے۔ توفیق عام ہے اچھی ہو یا بُری، نیک ہو یا بد، البتہ عام طور پر عوام میں توفیقِ خُداوندی سے مراد توفیقِ خیر لی جاتی ہے جیسے اِلحاد کے لغوی معنیٰ میلان ہے لیکن اب حق سے باطل کی طرف میلان کا نام اِلحاد کہلاتا ہے یونہی اِرتداد وغیرہ جیسے الفاظ۔

توفیقِ خداوندی کی ضرورت سے کسی کو انکار نہیں چنانچہ شاعر کہتا ہے:

اِذَا لَمْ يَكُنْ عَوْنٌ مِّنَ اللّٰهِ لِلْفَتٰى فَاَكْثَرُ مَا يَجْنِيْ عَلَيْهِ اجْتِهَادُهٗ

ترجمہ: جب کسی کی باری تعالیٰ کی طرف سے مدد نہ ہو تو اکثر اوقات اس کی کوشش ہی اس کے حق میں بُری ہو جاتی ہے۔

ہدایتِ باری تعالیٰ کا مفہوم:

ہدایتِ باری تعالیٰ کے بغیر کوئی شخص سعادت حاصل نہیں کر سکتا۔ انسان بعض اوقات نیکی کا ارادہ کرتا ہے لیکن اسے پتا ہی نہیں چلتا کہ نیکی و بھلائی کس چیز میں ہے حتّٰی کہ وہ گناہ کو بھی نیکی سمجھ بیٹھتا ہے۔ معلوم

[1]... المستدرک، کتاب معرفۃ الصحابۃ، باب مناقب عبدالرحمن بن عوف، ۴/ ۳۶۸، حدیث: ۵۴۰۹، بتغیر

ہوا کہ فقط نیکی کا ارادہ کافی نہیں بلکہ ارادہ، قدرت اور اسباب کا فائدہ ہدایتِ باری تعالیٰ کی موجودگی ہی میں ہوتا ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْۤ اَعْطٰى كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿۵۰﴾ (پ۱۶، طٰہٰ: ۵۰)

ترجمۂ کنزالایمان: کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کے لائق صورت دی پھر راہ دکھائی۔

اور ارشاد فرماتا ہے:

وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ یُزَكِّیْ (پ۱۸، النور: ۲۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم میں کوئی بھی کبھی ستھرا نہ ہو سکتا ہاں اللہ ستھرا کر دیتا ہے جسے چاہے۔

نیز سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "کوئی بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت یعنی ہدایت کے بغیر جنت میں نہیں جائے گا۔" کسی نے عرض کی: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! کیا آپ بھی؟ فرمایا: "میں بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت سے ہی جنت میں جاؤں گا۔"[1]

ہدایت کے درجات:

ہدایت کے تین درجات ہیں:

...ہدایت کا پہلا درجہ: خیر و شر کی راہ بتانا ہے جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے فرمان میں یوں بیان فرمایا: وَ هَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ ﴿۱۰﴾[2] یعنی ہم نے اُسے خیر و شر کی راہ بتائی۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ہدایت کے ذریعے تمام بندوں پر مختلف انعامات فرمائے۔ بعض کو عقل کے فیضان اور بعض کو انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کی مبارک زبان سے ہدایت کا راستہ بتایا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَیْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى

ترجمۂ کنزالایمان: اور رہے ثمود انہیں ہم نے راہ دکھائی

1... مسلم، کتاب صفة القیامة، باب لن یدخل احد الجنة بعمله... الخ، ص ۱۵۱۳، حدیث: ۲۸۱۶

2... ترجمۂ کنزالایمان: اور اسے دو اُبھری چیزوں کی راہ بتائی۔ (پ۳۰، البلد: ۱۰)

الْهُدٰى (پ۲۴، حم السجدۃ:۱۷) تو انہوں نے سوجھنے پر اندھے ہونے کو پسند کیا۔[1]

خلاصہ یہ کہ آسمانی کُتب، انبیاورُسُل عَلَیْہِمُ السَّلَام اور **عقلی بصیرت** ہدایت کے اسباب ہیں۔ یہ اسباب ہر ایک کو مُیَسَّر ہیں مگر حسد، تکبر، دنیا کی محبت اور باطن کو اندھا کرنے والے اسباب اس میں رکاوٹ بنتے ہیں اگرچہ انسان حقیقتاً اندھا نہ ہو جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾ (پ۱۷، الحج: ۴۶)

ترجمۂ کنزالایمان: تو یہ کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

آباء واجداد کے ناجائز طریقوں کی پیروی:

آباء واجداد کے ناجائز طریقوں سے لگاؤ، ان کا عادی ہو جانا اور ان پر مُصِر رہنا بھی ہدایت کے اسباب سے نفع اٹھانے میں رکاوٹ بنتا ہے جیسا کہ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ (مشرکین کے قول کو ذکر کرتے ہوئے) فرماتا ہے:

اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ (پ۲۵، الزخرف: ۲۲) ترجمۂ کنزالایمان: ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا۔

تکبر وحسد کے ہدایت میں رکاوٹ بننے سے متعلق **اللہ** عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ ﴿۳۱﴾ (پ۲۵، الزخرف: ۳۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اور بولے کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن ان دو شہروں کے کسی بڑے آدمی پر۔

اور فرماتا ہے:

اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗۤ (پ۲۷، القمر: ۲۴)

ترجمۂ کنزالایمان: کیا ہم اپنے میں کے ایک آدمی کی تابعداری کریں۔

یہ چند اُمور باطن کو اندھا کرتے ہیں نیز ہدایت حاصل کرنے اور ہدایت کی جانب راہ نُمائی کرنے والے راستوں میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

ہدایت کا دوسرا درجہ: پہلے درجے سے بڑا ہے۔ ہدایت کے اس درجے میں بندے کو ہر آن **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی مدد حاصل رہتی ہے، ہدایت کا یہ درجہ مجاہدے کا نتیجہ ہوتا ہے۔ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

---

1 ...(یعنی) ایمان کے مقابلہ میں کفر اختیار کیا۔ (خزائن العرفان)

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ (پ۲۱، العنکبوت: ۶۹) ترجمۂ کنزالایمان: اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھادیں گے۔

درج ذیل آیت میں بھی اسی ہدایت کی طرف اشارہ ہے:

وَالَّذِیْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى (پ۲۶، محمد: ۱۷) ترجمۂ کنزالایمان: اور جنہوں نے راہ پائی اللہ نے ان کی ہدایت اَور زیادہ فرمائی۔

...**ہدایت کا تیسرا درجہ:** دوسرے درجے سے بڑا ہے۔ یہ ایک نور ہے جو کمالِ مجاہدہ کے بعد عالَم نُبُوت وولایت میں چمکتا ہے۔ اس کی وجہ سے صاحبِ ہدایت پر وہ اسرار ورُموز کھلتے ہیں جہاں علم وعمل کے منبع یعنی عقل کی بھی رسائی نہیں ہوتی۔ اسی کو ہدایتِ مُطلَقہ کہتے ہیں۔ ہدایت کی بقیہ تمام اقسام اسی کے پیچھے ہیں اگرچہ ہر قسم کی ہدایت اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کی طرف سے ہے مگر ہدایت کی اس قسم کو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنی طرف نسبت کرتے ہوئے فرمایا:

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ (پ۷، الانعام: ۷۱) ترجمۂ کنزالایمان: تم فرماؤ کہ اللہ ہی کی ہدایت، ہدایت ہے۔

اسی ہدایت کو قرآنِ پاک نے زندگی قرار دیتے ہوئے فرمایا:

اَوَ مَنْ كَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ (پ۸، الانعام: ۱۲۲) ترجمۂ کنزالایمان: اور کیا وہ کہ مردہ تھا تو ہم نے اسے زندہ کیا اور اس کے لئے ایک نور کردیا جس سے لوگوں میں چلتا ہے۔

درج ذیل فرمانِ باری تعالیٰ میں بھی اسی ہدایت کی طرف اشارہ ہے:

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ (پ۲۳، الزمر: ۲۲) ترجمۂ کنزالایمان: تو کیا وہ جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔

رُشدِ باری تعالیٰ کا مفہوم:

رُشد اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ایسی عنایت ہے جو انسان کے مقاصد میں مددگار ثابت ہوتی ہے اور بھلائی والے کاموں میں تقویت کا باعث بنتی ہے نیز انسان کی برائیوں کو ختم کرتی ہے۔ رُشد کا تعلق باطن سے ہوتا ہے جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ ﴿۵۱﴾ (پ۱۷، الانبیاء: ۵۱) ترجمۂ کنزالایمان: اور بے شک ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے اس کی نیک راہ عطا کر دی اور ہم اس سے خبر دار تھے۔

اَلْغَرَض! رُشد فلاح و نجات کے لئے مُحرِّک اور سبب بننے والی ہدایت ہے۔ چنانچہ اگر کوئی بچہ تجارت کے طریقے، مال کی حفاظت اور اُس میں اضافے کی تدبیر سے واقف ہو لیکن فُضول خرچی سے نہ بچے اور مال میں اضافہ نہ کرے ایسی صورت میں اُسے تجارت کے اچھے بُرے اُمور کی ہدایت و پہچان تو ہے لیکن یہ ہدایت و پہچان سبَب و مُحرِّک نہ ہونے کی وجہ سے ناقص رہے، لہٰذا اسے رُشد یافتہ نہیں کہا جائے گا۔

بہت سے لوگوں کو نقصان دہ اُمور کی ہدایت و پہچان ہوتی ہے پھر بھی وہ ان میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ نقصان دہ اُمور کی ہدایت و پہچان لاعِلم حضرات کے مقابلے میں انہیں ممتاز تو کرتی ہے لیکن اسے رُشد نہیں کہا جائے گا۔ معلوم ہوا کہ ہدایت کے ساتھ رُشد ضروری ہے اور اس اعتبار سے رُشد ہدایتِ محض کے مقابلے میں اکمل و اعظم نعمت ہے۔

''تَسْدِیْد'' یعنی دُرُستی مِنْ جانبِ اللہ کا مفہوم:

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جانب سے بندے کی حرکت و ارادے کو مطلوب و مقصود کی طرف پھیر دینا اور اُسے آسان بنا دینا تسدید ہے تاکہ بندہ جلد از جلد صحیح راستے پر استقامت حاصل کر لے۔ جس طرح ہدایت کے ساتھ رُشد کی ضرورت ہے تاکہ ارادے کو حرکت ملتی رہے اسی طرح رُشد کے ساتھ تسدید بھی ضروری ہے تاکہ اس کی مدد سے عمل کرنا آسان ہو جائے یہاں تک کہ حرکت و ارادے کو مطلوب و مقصود مل جائے۔

مختصر یہ کہ ہدایت پہچان اور رُشد محرِّک کا نام ہے تاکہ وہ بیداری اور حرکت پیدا کرے اور تسدید اعضاء کی حرکت سے صحیح راستے پر استقامت دلانے والی اِعانت و مدد کا نام ہے۔

تائیدِ باری تعالیٰ کا مفہوم:

یہ گزشتہ تینوں قسموں پر مشتمل ہے گویا اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا بندے کی باطنی بصیرت کو تقویت دینا اور خارِجی اسباب کی مُوافقَت اور پختگی کو مضبوط بنا دینا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمان سے یہی مراد ہے:

اِذْ اَیَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (پ۷، المائدۃ: ۱۱۰) ترجمۂ کنزالایمان: جب میں نے پاک روح سے تیری مدد کی۔

عصمت کا معنیٰ:

عِصمت کا معنٰی بھی تائید سے ملتاجلتا ہے یعنی بندے کے باطن میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ایسی عنایت جس کے ذریعے انسان بھلائی کی تلاش کرنے اور برائی سے باز رہنے پر قادر ہو جاتا ہے گویا باطن میں موجود کوئی غیر محسوس چیز اسے بُرائی سے روکتی ہو اور بھلائی کی طرف بلاتی ہو۔یہی مراد اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس ارشادِ پاک میں ہے:

وَ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَ هَمَّ بِهَا لَوْ لَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ (پ۱۲، یوسف: ۲۴)

ترجمۂ کنزالایمان: اور بے شک عورت نے اس کا ارادہ کیا اور وہ بھی عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا۔

نعمت کی چھٹی قسم کا حق دار کون؟

یہ قسم تمام نعمتوں کو شامل ہے اور اسی کے پاس رہتی ہے جسے بارگاہِ الٰہی سے پاکیزہ ذہن عطا ہو، جو دل کے کانوں سے نصیحت کو سننے والا، پیکرِ عجز وانکسار اور نصیحت کرنے والا ہو، اس قدر مال اسے حاصل ہو جو اس کے ضروری کاموں کے لئے کافی ہو اور زیادہ ہونے کی وجہ سے دین سے دور نہ کرے نیز اتنا معزز ہو کہ احمقوں، جاہلوں اور دشمنوں کے ظلم سے بچ جائے۔

نعمتِ خداوندی لامحدود ہے:

نعمت کی چھٹی قسم 16 اقسام میں تقسیم ہے پھر 16 اقسام مزید نعمتوں اور اسباب میں تقسیم ہوتی چلی جاتی ہیں یہاں تک کہ نعمتوں کا یہ طویل سلسلہ اسباب کو پیدا کرنے والی ذات ربُّ العٰلمین تک پہنچ جاتا ہے چونکہ باری تعالٰی کی پیدا کردہ نعمتیں اور اسباب لامحدود و بے شمار ہیں اسی لئے سب کو اس کتاب میں لکھا نہیں جاسکتا لہٰذا ہم بطورِ نمونہ ان میں سے کچھ کا ذکر کریں گے تاکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمان:

وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ (پ۱۴، النحل: ۱۸)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو شمار نہ کرسکو گے۔

کی وضاحت ہو جائے۔وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْق (توفیق اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کی طرف سے ہے)

صَلُّوْا عَلَی الْحَبِیْب صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّد

دوسری فصل: اللہ تعالٰی کی بے شمار نعمتوں اور ان کے تسلسل کا بیان

جان لیجئے! ہم نے نعمت کی چھٹی قسم کو 16 قسموں میں تقسیم کیا۔ صحت وتندرستی کو دوسرے مرتبے کی نعمتوں میں شمار کیا۔ اگر اس ایک نعمت کا ہی اندازہ لگایا جائے کہ کن کن مَراحِل سے گزر کر یہ مکمل ہوتی ہے تو ہم ایسا نہیں کرسکتے۔

اَلْغَرَض! نعمت کی ایک قسم صحت ہے، اس کے بے شمار اسباب ہیں ایک سبب کھانا ہے۔ ہم کھانے کی نعمت کو مکمل کرنے والے چند اسباب کا ضمناً ذکر کرتے ہیں۔ کھانا ایک فعل ہے جو فعل ہونے کے لحاظ سے حرکت و عمل ہے اور ہر حرکت و عمل کے لئے کوئی حرکت کرنے والا ہوتا ہے اور حرکت و عمل پر قدرت بھی ضروری ہے اور حرکت کے لئے ارادہ بھی لازم ہے اور ارادے کے لئے علم وادراک بھی ضروری ہے اور اگر بھوک مٹانی ہو تو کھانا موجود ہونا بھی ضروری ہے پھر کھانا حاصل کرنے کے ذرائع کا ہونا بھی ضروری ہے اور کھانا پکانے والا بھی ہونا چاہئے۔ آگے ہم قوتِ مُدْرِکہ[1]، ارادے، اختیار اور غذا کے اسباب ترتیب سے مختصراً بیان کریں گے۔

قوتِ مُدْرِکہ کے اسباب کی تخلیق میں نعمتیں:

غور کیجئے! خدائے مہربان نے زمین سے نباتات پیدا کیں۔ انہیں پتھر، ڈھیلے، لوہے، تانبے اور جواہرات کے مقابلے میں کامل وجود عطا فرمایا کیونکہ ان تمام چیزوں میں تو نشو و نَما کی قابلیت اور قوتِ غذائیت بھی نہیں جبکہ نباتات کی جڑوں کو قوتِ غذائیت سے نوازا۔ ان کی جڑیں اگرچہ زمین میں ہوتی ہیں لیکن انہیں غذا کا ذریعہ بنایا۔ نعمتوں کا تسلسل دیکھئے! ابتداءً پتوں میں محسوس ہونے والی باریک جڑیں آہستہ آہستہ موٹی ہوکر پھیلنے لگتی ہیں۔ رفتہ رفتہ موٹی جڑوں سے باریک جڑیں پھوٹتی ہیں، پتے پھیلتے رہتے ہیں، یہ سلسلہ جاری رہتا ہے حتّٰی کہ وہ جڑیں پتوں میں گم ہوکر نظروں سے اَوجَھل ہوجاتی ہیں۔ مگر اس کے باوُجود نباتات ناقص

---

[1]... دریافت کرنے اور معلوم کرنے کی قوت۔

کہ اگر ان کو غذا نہ پہنچے تو خشک ہو جاتی ہیں اور یہ تو خود کہیں سے غذا بھی حاصل نہیں کرسکتیں کیونکہ کسی چیز کو حاصل کرنے کے لئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے:(۱)...شے مطلوب کا علم ہونا اور (۲)...مطلوب تک پہنچ جانا اور نباتات میں یہ دونوں صلاحیتیں نہیں ہوتیں۔

مُلاحظہ فرمایئے! انسان پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی کتنی نعمتیں ہیں حتّٰی کہ غذا حاصل کرنے کے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انسان کو احساس اور حرکت و عمل جیسے آلات سے بھی نوازا۔

حواسِ خمسہ کی نعمت:

حواسِ خمسہ یعنی چھونے، سونگھنے، دیکھنے، سننے اور چکھنے کی حِس کی تخلیق پر غور کیجئے! یہ پانچوں حواس اشیاء کو پہچاننے میں کس طرح مددگار ہوتے ہیں اس ترتیب کی حکمت کو سمجھئے۔

چُھونے کی حِس:

چھونے کی حس پر غور کیجئے! اس میں کتنے انسانی فوائد پوشیدہ ہیں۔ یہاں تک کہ جب آگ سے جسم جلے یا تلوار سے کوئی زخم پہنچے تو اسی حس کی بدولت انسان محسوس کرتا اور بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ تمام ذِی رُوح میں یہی حِس سب سے پہلے پیدا کی جاتی ہے، اس حس سے کوئی بھی ذی روح خالی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اگر کسی میں یہ حس بالکل نہ ہو تو اسے ذی روح نہیں کہا جائے گا۔ کم سے کم اتنی حِس کا ہونا ضروری ہے کہ جو چیز کسی سے چھو جائے اُسے محسوس ہو جائے۔ دور کی چیزوں کو محسوس کرلینا "کامل احساس" کہلاتا ہے۔

اَلْغَرَض! ادنیٰ سی حِس تو ہر ذی روح میں پائی جاتی ہے حتّٰی کہ کیچڑ میں پائے جانے والے کیڑے میں بھی ہوتی ہے کہ اگر اسے سوئی چُبھائی جائے تو وہ بچنے کی کوشش کرتا ہے جبکہ نباتات میں ادنیٰ سی حس بھی نہیں پائی جاتی جیسا کہ انہیں کاٹا جائے تو وہ بچنے کے لئے کوئی حرکت نہیں کرتے کیونکہ ان میں محسوس کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی۔

سونگھنے کی حِس:

یاد رہے! اگر انسان میں سونگھنے کی حِس نہ ہوتی فقط چھونے کی حِس ہوتی تو وہ کیڑے کی طرح ہوتا جس

کے سامنے اگر کوئی غذا دور رکھی ہوتی تو اس کا شُعور حاصل نہیں ہوتا بلکہ جو چیز ہاتھ لگ جاتی اُسے غذا سمجھ کر اپنی طرف کھینچ لیتا۔ اشیاء کو محسوس کرنے کی ضرورت پوری کرنے کے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انسان کو سونگھنے کی حِس جیسی نعمت سے نوازا۔

دیکھنے کی حِس:

سونگھنے کی حِس سے انسان بدبو اور خوشبو کا اندازہ تو لگا لیتا ہے مگر یہ کہاں سے آ رہی اسے پتا نہیں چلتا۔ فقط سونگھنے کی حس ہوتی تو انسان بو محسوس کرنے کے لئے ہر طرف بھاگتا پھرتا۔ کبھی بو تک پہنچ جاتا، کبھی نہیں پہنچ پاتا یوں انسان انتہائی ناقص ہو کر رہ جاتا، لہٰذا سونگھنے کی حس کے بعد اللہ عَزَّوَجَلَّ نے دیکھنے کی حس پیدا فرمائی تاکہ انسان چھونے سونگھنے کے ساتھ مُعَیَّن اشیاء کو دیکھ بھی سکے اور اسے آس پاس کا بھی علم ہو جائے تاکہ جس طرف جانا چاہے بآسانی جا سکے۔

سُننے کی حِس:

فقط چھونے، سونگھنے اور دیکھنے کی حِس ہوتی تب بھی انسان ناقص ہوتا کیونکہ عام شخص دیواروں اور پردوں کے پیچھے نہیں دیکھ سکتا اور نہ ہی ان چیزوں کا اسے علم ہو سکتا ہے۔ ایسی حالت میں یہ صرف سامنے موجود اشیاء ہی دیکھ پاتا ہے اور دشمن کو اسی وقت محسوس کر سکتا جب وہ سامنے ہوتا ہے۔ اگر دشمن پردے کے پیچھے ہوتا تو اسے کسی حرکت کا احساس تک نہ ہوتا اچانک پردہ ہٹتا، دشمن حملہ کرتا مگر سامنے والا بھاگ نہ پاتا۔ لہٰذا اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انسان میں سننے کی حس پیدا فرمائی تاکہ انسان دیواروں اور پردوں کے پیچھے ہونے والی حرکت کو محسوس کر سکے اور سامنے موجود اشیاء دیکھنے کے علاوہ نظروں سے اوجھل لفظوں اور آوازوں سے مرکب گفتگو بھی سن سکے اور چونکہ یہ سب سننے کی حِس سے ممکن تھا لہٰذا انسان کے لئے کان پیدا کر دیئے گئے۔

چکھنے کی حِس:

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انسان کو سننے کی حِس کے ذریعے کلام سمجھنے کی نعمت سے نواز کر دوسرے تمام حیوانات سے ممتاز فرمادیا مگر جب تک چکھنے کی حِس عطا نہ ہوئی انسان کامل نہ ہوا کیونکہ اگر چکھنے کی حس نہ ہوتی

توانسان صحت کے مُوافِق اور مخالف غذا میں فرق نہیں کر پاتا اور ہلاک ہو جاتا۔

دیکھئے! درخت کی جڑ میں پانی ڈالا جاتا ہے وہ اسے جذب کر لیتی ہے، بعض اوقات پانی درخت کو خشک کر دیتا ہے کیونکہ درخت میں چکھنے کی حس نہیں کہ وہ بچ جائے۔

حِسِّ مشترک کی ضرورت واہمیت:

اگر انسانی دماغ کے اگلے حصے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عطا کردہ ایک اَور نعمت "حِسِّ مُشْتَرَک" نہ ہوتی تو حواسِ خمسہ ناکافی تھے کیونکہ حواس خمسہ کے عمل کا دارومدار اسی پر ہوتا ہے انسان کو اس کے بغیر انتہائی دشواری کا سامنا رہتا مثلاً کوئی شخص فقط دیکھنے کی حس استعمال کرے اور زرد رنگ کی چیز کھالے اور وہ چیز طبیعت کے مُوافِق نہ ہو تو وہ شخص جب بھی کوئی زرد چیز دیکھے گا اسے نہیں کھائے گا لیکن جب دیکھنے کے ساتھ چکھ بھی لے تو مُوافِق اور غیر مُوافِق کا پتا چل جائے گا۔

دیکھئے! زرد رنگ کا پتا دیکھنے کی حِس سے چلا جبکہ موافق اور غیر موافق ہونا چکھنے کی حِس سے معلوم ہوا لہٰذا پتا چلا کہ ان دونوں حواس کو جمع کرنے والی ایک اور حِس کی ضرورت باقی ہے جس سے رنگ اور ذائقہ دونوں کا پتا چل سکے تاکہ بندہ موافق اور غیر موافق دونوں کا آسانی سے فرق معلوم کر لے چنانچہ اس دُشواری کو ختم کرنے کے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے "حِسِّ مُشْتَرَک" پیدا فرمائی۔ اَلْغَرَض! انسان ہو یا غیر انسان ہر ایک حواسِ خمسہ اور حِسِّ مُشْتَرَک کا محتاج ہے جیسا کہ بکری میں یہ تمام حواس ہوتے ہیں۔

نعمتِ عقل کے فوائد:

حواسِ خمسہ اور حِسِّ مشترک ہونے کے باوُجود انسان دیگر حیوانات کی طرح ناقص ہی رہتا جیسا کہ کسی جانور کو حیلے سے پکڑ لیا جائے تو اسے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کس طرح جان بچائی جائے اور قید سے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ بسا اوقات جانور خود کو کنویں میں گرا لیتا ہے اسے اتنا بھی پتا نہیں ہوتا کہ یہ ہلاکت کا باعث ہو گا۔ کبھی کبھار جانور کسی چیز کو لذیذ سمجھ کر کھا تو لیتے ہیں لیکن انھیں پتا نہیں چلتا کہ کھا کر مر بھی سکتے ہیں، وجہ یہی ہے کہ وہ صرف ظاہری اور موجودہ حالت کو دیکھتے ہیں، ان میں غور و فکر کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی کہ اس کا انجام کیا ہو سکتا ہے؟

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انسان کو عقل جیسی عظیم نعمت عطا فرما کر حیوانات سے ممتاز کر دیا۔ عقل تمام نعمتوں سے اشرف واعلیٰ نعمت ہے، کونسی غذا نقصان دہ ہے؟ کونسی غذا فائدہ مند؟ یہ عقل ہی بتاتی ہے نیز کھانا پکانے والی اشیاء کا انتخاب کرنے اور بنانے میں عقل ہی مددگار ہوتی ہے۔ غذائیت کے مُعاملے میں عقل کے فوائد پر غور کیجئے! صحت و تندرستی زندگی کی بقا کا اہم سبب ہے، عقل یہاں بھی بہترین مددگار ہے اور یہ تو عقل کا چھوٹا سا فائدہ اور معمولی حکمت ہے جبکہ عقل کا بڑا فائدہ اور بڑی حکمت یہ ہے کہ انسان اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اسماو صفات کے ذریعے اس کی ذات واَفعال کی مَعرِفت حاصل کرے مخلوق کو پیدا کرنے کی حکمت پر غور کرے۔

حواسِ انسانی کے فوائد:

حواسِ خمسہ کے مختلف فوائد ہیں۔ حواسِ خمسہ گویا بادشاہ کی جانب سے ملک کے اَطراف میں مقرر کردہ مخبروں اور جاسوسوں کی طرح ہیں۔ ہر ایک کو الگ الگ مخصوص ذمہ داری سونپ دی جاتی ہے مثلاً کسی کو رنگوں کی خبر، کسی کو آوازوں کی خبر، کسی کو بُو کی خبر، کسی کو ذائقے کی خبر اور کسی کو ٹھنڈا گرم، سخت نرم ہونے کی خبر دینے پر مُتَعَیَّن کیا جاتا ہے۔

انسانی مملکت یعنی جسم کی تمام خبریں یہ جاسوس "حِسِّ مُشْتَرَک" کے حوالے کر دیتے ہیں۔ جس طرح دربانِ سلطنت کے حالات جاسوسوں سے وصول کر کے بادشاہ تک پہنچاتے ہیں ویسے ہی دماغ کے اگلے حصے میں موجود حِسِّ مُشْتَرَک وُصُول شُدہ تمام خبریں جمع کر کے حرف بحرف بادشاہ یعنی دل تک پہنچا دیتی ہے کیونکہ حِسِّ مُشْتَرَک کو صرف وصول شدہ تمام خبریں جمع کر کے حفاظت کے ساتھ پہنچانے کا اختیار ہوتا ہے، حقائق کی پہچان حاصل کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا (جیسا کہ بادشاہ کے دربانوں کو اختیار نہیں ہوتا)۔

دل کا عمل:

عقل سے معمور دل پیش کردہ تمام خبروں کی اچھی طرح تحقیق کرتا ہے۔ ان ہی کی روشنی میں مملکت یعنی جسم کے اسرار ورُموز سمجھ کر اعضائے انسانی کو عمل کی ہدایت کرتا ہے۔ اس کی تفصیل ہم یہاں بیان نہیں کریں گے۔ دل موقع محل کے مطابق اپنے لشکر یعنی اعضائے انسانی کو متحرک رکھتا ہے کبھی کسی کام کو کرنے کا حکم دیتا ہے، کبھی کسی کام سے رکنے کا حکم دیتا ہے، کبھی پیش آنے والی تدبیروں کو پورا کرنے کا حکم دیتا ہے۔

ظاہری حواس سے متعلق اللہ عَزَّوَجَلَّ کی چند نعمتیں ہم نے مختصراً بیان کیں، اس سے ہرگز کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ ہم نے ہر ہر پہلو کو تفصیلاً بیان کر دیا کیونکہ حواس ظاہرہ بعض ادراکات کا نام ہے۔

حسی نعمتوں کی ایک جھلک:

دیکھنے کی حس پر غور کیجئے! اس میں آنکھ آلہ ہے، آنکھ دس مختلف طَبقات سے مرکب ہے، بعض رُطُوبات ہیں، بعض پردے ہیں، بعض پردے مکڑی کے جالے کی طرح ہیں، بعض رِحْمِ مادر میں بچے پر لپٹی جھلی کی طرح ہیں، بعض رطوبات انڈے کی سفیدی کی طرح ہیں، بعض برف کی مانند ہیں۔ مجموعی طور پر دس طَبقات، مختلف صِفات پر مشتمل ہیں مثلاً صورت، شکل، ہیئت، چوڑائی گولائی اور ترکیبِ خاص۔ ان دس طبقات میں سے کسی ایک میں بھی خلل یا کسی بھی طبقے کی صفت میں نقص کی وجہ سے بینائی چلی جائے تو ماہرینِ چشم اور طبیب حضرات بھی اس کے ازالے سے عاجز ہو جائیں۔

اندازہ لگایئے! جب ایک حس کا حال یہ ہے تو دیگر حواس کا عالم کیا ہوگا؟ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آنکھ اور اس کے طبقات میں جس قدر حکمتیں پوشیدہ رکھی ہیں وہ کئی جلدوں میں بھی بیان نہیں ہو سکتیں۔

غور کیجئے! آنکھ اپنے طبقات وصفات سمیت اخروٹ سے بھی چھوٹی ہوتی ہے، جب بدن کے اس چھوٹے جز کا یہ حال ہے تو سارے بدن اور اسکے ہر ہر عضو میں پائی جانے والی نعمتوں کو کیسے بیان کیا جائے؟ ہم نے محسوسات سے متعلق اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمتوں کے چند اسرار ورُموز بیان کر دیئے۔ اسی کے ساتھ ہم اپنی گفتگو ختم کرتے ہیں۔

ارادے کی تخلیق میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمتیں:

ذرا سوچئے! اگر انسان میں صرف دیکھنے کی صلاحیت پیدا کی جاتی تا کہ وہ غذا کا اِدْراک کر لے مگر کھانے پر اُبھارنے والی رغبت اور خواہش پیدا نہ کی جاتی تو دیکھنے کی صلاحیت بے کار ہو جاتی جیسا کہ بہت سے مریض سامنے رکھے ہوئے کھانے کو فقط رغبت نہ ہونے کی وجہ سے نہیں کھاتے گویا دیکھنے کی حس تو باقی ہے مگر اس کا ادراک بے کار ہو گیا۔

انسان موافق چیز کی رغبت کے لئے خواہش اور غیر موافق چیز سے اُکتاہٹ کے لئے کراہت جیسے ارادوں کا محتاج تھا تا کہ خواہش کے ذریعے طلب پوری کرے اور کراہت کی وجہ سے دور رہے پس اللہ عَزَّوَجَلَّ

نے انسان میں کھانے کی خواہش پیدا فرمائی تاکہ خواہش اسے کھانے پر مجبور کرے اور انسان کھا کر زندہ رہ سکے۔ کھانے کی خواہش میں انسان کے ساتھ حیوانات بھی شریک ہیں البتہ نباتات شریک نہیں۔ چونکہ زیادہ کھانے سے انسان ہلاک بھی ہو سکتا تھا اسی لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے سیر ہو کر کھانے کے بعد طبیعت میں کراہت پیدا فرمائی تاکہ انسان مزید کھانے سے ہاتھ روک لے ورنہ جس طرح کھیتی زیادہ پانی جذب کر لینے سے تباہ ہو جاتی ہے یہی حال انسان کا بھی ہوتا لہٰذا انسان کو ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ بقدر ضرورت ہی غذا استعمال کرے کبھی پانی پی کر پیاس بجھائے اور کبھی سیر اب رہ کر پانی سے دور رہے۔ جس طرح اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انسان کے اندر کھانے پینے کی خواہش پیدا فرمائی تاکہ بدن انسانی سلامت رہے اسی طرح اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ہم بستری کی خواہش بھی پیدا کی تاکہ نَسْلِ انسانی باقی رہے۔

تخلیقِ انسانی کے چند عجائبات:

اگر ہم فقط تَخْلِیْقِ انسانی پر روشنی ڈالیں اور اس سے متعلق عجائبات پر گفتگو کریں تو آپ عالَمِ حیرت میں ڈوب جائیں گے مثلاً رِحم کی بناوٹ کیسے ہوئی؟ حیض کا نظام کس طرح قائم ہے؟ مادہ تولید اور خونِ حیض سے بچہ کس طرح بنتا ہے؟ کپورے کس طرح تخلیق پاتے ہیں؟ پیٹھ میں مادۂ تولید کس طرح ٹھہرتا ہے؟ عورت کا مادۂ تولید سینے کی رگوں سے رِحم تک کیسے پہنچتا ہے؟ بچہ دانی کیسی ہوتی ہے جس میں کبھی لڑکا پرورش پاتا ہے، کبھی لڑکی؟ مادۂ تولید کتنے مراحل سے گزرتا ہے کہ پہلے خون کا قطرہ بنتا ہے پھر خون کا قطرہ گوشت کی بوٹی بنتا ہے پھر گوشت کی بوٹی ہڈیاں بنتیں پھر ان ہڈیوں پر گوشت چڑھتا ہے پھر اس میں خون جاری ہوتا ہے پھر سر، ہاتھ پاؤں، پیٹ، پیٹھ اور تمام اعضاء تخلیق پاتے ہیں۔ نیز یہ سب تو ابتدائے تخلیق میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی مختلف نعمتوں کا ذکر ہے، اندازہ لگایئے! مکمل وُجود میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی کیسی کیسی نعمتیں پوشیدہ ہوں گی چونکہ ابھی ہمارا موضوع یہ نہیں اس لئے ہم فی الحال کھانے سے متعلق نعمتوں کا ذکر کریں گے تاکہ کلام طویل نہ ہو جائے۔

"غصہ" ارادہ کی ایک قسم ہے:

خلاصہ یہ ہے کہ "خواہش" انسانی ارادوں کی ایک قسم ہے لیکن یہ یادر ہے کہ خواہش تنہا کافی نہیں

کیونکہ انسان پر چاروں جانب سے دشمنوں کی یلغار بھی رہتی ہے۔ اگر انسان میں نقصان دہ چیزوں کو دور کرنے کے لئے غصہ نہ رکھا جاتا تو یہ ظلم کا نشانہ بن کر رہ جاتا، دیگر حیوانات اس کی غذا بھی چھین لیتے کیونکہ غذا کا تو ہر ایک حاجت مند ہے لہٰذا ایک ایسے ارادے کی ضرورت پیش آئی جو نقصان دور کرنے اور مقابلہ کرنے میں کام آئے اور یہ خاصیت غصہ ہی میں پائی جاتی ہے۔ پھر خواہش اور غصہ بھی کافی نہیں تھے کیونکہ یہ دونوں صرف وقتی طور پر فائدہ یا نقصان کے حامل ہوتے ہیں، مستقبل کے حوالے سے کچھ کارگر نہیں ہوتے۔ جس طرح اللہ عَزَّوَجَلَّ نے غصہ اور خواہش کو موجودہ حالت سے واقف رہنے والی حس کے تابع فرمایا ہے اسی طرح اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان کے ساتھ انسان میں ایک اور ارادہ پیدا فرمایا جو عقل کے اشاروں پر چلتا ہے۔ یہ ارادہ خواہش اور غصے کو انجام سے خبردار کرتا ہے البتہ انسان کو مکمل فائدہ عقل کے ذریعے ہی حاصل ہوتا ہے کیونکہ اس فائدے کے لئے فقط یہ جاننا کافی نہیں کہ فلاں چیز نقصان دہ ہے بلکہ نقصان دہ چیز سے بچنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ جس طرح عقل کی وجہ سے انسان انجام کی آگاہی رکھتا ہے اسی طرح اس ارادے کے ذریعے انسان جانوروں سے ممتاز ہوتا ہے اور یہی انسان کے لئے باعثِ عزت واکرام ہے۔ ہم نے اس ارادے کا نام "دینی اُمور پر اُبھارنے والی قوت" رکھا ہے اور "صبر کے بیان" میں اسے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اختیارات اور آلاتِ حرکت کی تخلیق میں نعمتیں:

یاد رکھئے! حِس سے فقط کسی چیز کا علم حاصل ہوتا ہے جبکہ ارادہ کسی چیز کو طلب کرنے یا اُسے ترک کرنے پر اُبھارتا ہے اور جب تک آلہ طلب وترک نہ ہو اس وقت تک ارادہ طلب کرنے اور ترک کرنے کے لئے کافی نہیں۔ دیکھئے! ایک مریض ہاتھ پاؤں سے فالج کا شکار ہے، اسے کچھ کھانے پینے کی طلب محسوس ہوئی، وہ جانتا ہے کہ چیز کہاں رکھی ہے لیکن آلہ کے استعمال سے محروم ہے کیونکہ ہاتھ پاؤں تو موجود ہیں مگر کارگر نہ ہونے کے سبب مطلوبہ چیز حاصل نہیں کر سکتا۔ معلوم ہوا کہ حرکت وعمل کے لئے آلات ضروری ہیں نیز آلات کے استعمال کرنے پر قدرت واختیارات بھی ہوں تاکہ خواہش کے سبب طلب پوری کرے اور کراہت کی وجہ سے دور رہے۔ اسی حکمت کے پیشِ نظر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مختلف اعضاء پیدا فرمائے۔ ہم فقط ظاہری اعضاء دیکھتے ہیں مگر ان کے اسرار پر غور نہیں کرتے مثلاً: بعض اعضاء کچھ طلب کرنے اور بچنے کے لئے

ہیں جیسے انسان کے لئے پاؤں، پرندوں کے لئے پَر اور چوپایوں کے لئے ٹانگیں۔ بعض اعضاء اپنے دفاع کے کام آتے ہیں جیسے انسانوں کے لئے ہاتھ پاؤں اور حیوانات کے لئے سینگ۔ دفاع و مقابلہ کے سلسلے میں چوپایوں اور پرندوں کے مُعاملات مختلف ہیں کہ بعض کے دشمن بہت زیادہ ہوتے ہیں اوران کی غذا بھی دور ہوتی ہے پس یہ دشمن سے بچنے اور جلد از جلد غذا حاصل کرنے کے محتاج ٹھہرے تو ان کے لئے پَر پیدا کئے گئے تاکہ وہ تیزی سے اڑ سکیں۔ بعض کے چار، بعض کے دو پاؤں ہوتے ہیں، بعض رینگنے والے ہیں۔

اَلْغَرَض !ان سب کی تفصیل لمبی ہے۔ فی الحال ہم کھانے کی نعمت سے تعلق رکھنے والے اعضاء کا ذکر کریں گے تاکہ انہیں سامنے رکھ کر دیگر اعضاء کی اہمیت کا اندازہ ہوجائے۔

ہاتھ کی حکمت:

انسان کا غذا کو دیکھنا اور اس کی طرف بڑھنا اس وقت تک کافی نہیں جب تک وہ غذا حاصل نہ کرلے، لہٰذا انسان پکڑنے کی نعمت کا محتاج ہوا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انعام فرماتے ہوئے اسے ہاتھ کی نعمت سے نوازا۔ پھر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ہاتھوں میں مناسب لمبائی رکھی ، یہ دونوں ہر طرف بآسانی پھیل سکتے ہیں اور مختلف جوڑوں کی مدد سے انسان انہیں ہر جانب حرکت دے سکتا ہے۔ دونوں ہاتھ سیدھی لکڑی کی طرح نہیں ہوتے بلکہ مُڑنے سمٹنے کی مکمل صلاحیت رکھتے ہیں، اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ہتھیلی پیدا فرما کر ہاتھ کے سِرے کو کُشادہ کیا پھر ہتھیلی کے سرے کو پانچ حصوں یعنی انگلیوں میں تقسیم کیا، انگلیوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا، ایک جانب انگوٹھا اور دوسری جانب چار انگلیاں رکھیں۔ اگر انگلیاں اکٹھی ہوتیں یا ایک دوسرے سے جُڑی ہوئی ہوتیں تو ان سے خاطر خواہ فائدہ حاصل نہ ہوتا پس اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انہیں ایسا بنایا کہ اگر ہتھیلی پھیلا کر رکھی جائے تو بیلچہ کی شکل اختیار کرلے اور اگر سمیٹ لی جائے تو چُلُّو بن جائے اور اگر اکٹھی کرلی جائے تو گھونسہ بن کر مارنے کا کام دے نیز اگر ہتھیلی کسی چیز پر رکھ کر بند کرلی تو پکڑنے کا فائدہ دے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انگلیوں کے سِروں پر ناخن بھی پیدا فرمائے تاکہ انگلیوں کی مکمل حفاظت ہوسکے نیز ان کے ذریعے بآسانی وہ چھوٹی اور باریک اشیاء چن لی جائیں جنہیں انگلیاں نہیں اٹھا سکتیں کیونکہ چھوٹی اور باریک اشیاء ناخن کے سروں سے بآسانی پکڑ میں آجاتی ہیں۔

منہ کے فوائد:

اب انسان غذا کی نعمت کو ہاتھ سے پکڑ تو سکتا ہے مگر اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا جب تک کہ اسے معدہ میں نہ پہنچائے لہٰذا اسے ایک ایسے ظاہری راستے کی ضرورت پڑی جس سے غذا معدہ تک پہنچ سکے پس اللہ عَزَّوَجَلَّ نے منہ کو راستہ بنا دیا تاکہ انسان معدہ تک غذا پہنچا سکے، منہ صرف معدے تک غذا پہنچانے ہی میں مددگار نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی اس کے بے شمار فائدے اور حکمتیں ہیں نیز غذا کو معدے تک پہنچانے کے لئے نِگل جانا چونکہ دُشوار عمل تھا لہٰذا اللہ عَزَّوَجَلَّ نے منہ میں دو ہڈیوں سے جبڑے بنا کر ان میں دانت پیدا فرما دیئے تاکہ غذا کو چبا کر باریک کر لیا جائے۔ اوپر نیچے داڑھ پیدا کر کے اوپر والے دانتوں کو نچلے دانتوں کے مُوافِق اور برابر کیا تاکہ غذا چبانے میں آسانی ہو۔ غذا کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں مثلاً بعض توڑ کر، بعض کاٹ کر، بعض چبا کر کھائی جاتی ہیں۔ تینوں مقاصد پورے کرنے کے لئے تین قسم کے دانت بنائے جیسا کہ چبانے کے لئے اَضراس یعنی داڑھ کے دانت، کاٹ کر کھانے کے لئے رُباعیات یعنی سامنے کے دانت بنائے، توڑ کر کھانے کے لئے انیاب یعنی رُباعیات کے ساتھ والے دانت بنائے نیز جبڑوں کے جوڑوں کو آپس میں پیوست نہ کیا تاکہ نچلا حصہ آگے پیچھے ہو سکے اور اوپر والے حصے پر چکی کی طرح گھوم سکے۔ اگر جبڑوں کو اس طرح نہ بنایا جاتا تو دونوں آپس میں تالی بجانے کی طرح ٹکراتے اور دانتوں کی تخلیق کا مقصد حاصل نہ ہو پاتا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انسان کے مقصد کو پورا کرنے کے لئے نیچے والے جبڑے کو چکی کی طرح متحرک رکھا اور اوپر والا جبڑا اپنی جگہ ساکن رکھا۔

قدرتِ باری تعالیٰ کے عجائب:

مُلاحظہ فرمایئے! اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قدرت میں کیسے کیسے عجائبات ہیں۔ انسانوں نے جو چکی بنائی ہے اس کا نچلا پتھر ٹھہرا رہتا ہے اور اوپر والا پتھر حرکت کرتا ہے لیکن اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جبڑے کو چکی کی مثل اس طرح بنایا کہ اس کا نچلا حصہ حرکت کرتا ہے اور اوپر والا ٹھہرا رہتا ہے۔ سُبْحٰنَ الله! اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قدرت وشان کس قدر عظیم ہے، اس کی بادشاہی کتنی غالب ہے، اس کے دلائل وبرہان کس قدر کامل ہیں اور اس کے احسان کا دائرہ کتنا وسیع ہے۔

زبان کے فوائد:

انسان غذا کو اپنے منہ میں رکھ تو سکتا ہے مگر چونکہ دانتوں میں غذا کو اپنی طرف کھینچنے کی طاقت نہیں ہوتی تو غذا دانتوں سے کیسے چبائی جائے؟ نیز بار بار انگلی منہ میں ڈال کر غذا اِدھر اُدھر کرنا بھی دشوار عمل ہے۔اللہ عَزَّوَجَلَّ کے احسان کو مُلاحظہ فرمایئے!اس نے زبان کی نعمت سے بھی نوازا جو غذا چبانے کے دوران منہ کے اندر گھومتی ہے اور تھوڑی تھوڑی غذا دانتوں کے حوالے کرتی ہے جیسے چکی میں دانے یکبارگی نہیں ڈالے جاتے بلکہ تھوڑے تھوڑے کرکے ڈالے جاتے ہیں تاکہ بآسانی پیس لئے جائیں۔یہ زبان کا ایک فائدہ تھا نیز اس کے علاوہ بھی زبان کے بے شمار فائدے ہیں مثلاً: اپنے مقصد کو بیان کرنے کے لئے قوّتِ گویائی وغیرہ۔زبان کی تخلیق میں اَور بھی بہت ساری حکمتیں موجود ہیں چونکہ یہ مقام ان کے ذکر کا نہیں اسی لئے ہم انہیں ذکر نہیں کرتے۔

زبان میں موجود لُعاب کا فائدہ:

بالفرض غذا خشک ہو،اسے کُترنے اور چبانے کے بعد جب تک تَر نہ کرلیا جائے حلق سے پیٹ میں داخل نہیں کیا جاسکتا۔اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس کام کی تکمیل کے لئے زبان کے نیچے ایک چشمہ بنایا جس سے لعاب بہتا ہے۔یہ لعاب خشک غذا میں بقدرِ ضرورت مل جاتا ہے یہاں تک کہ غذا تر ہوجاتی ہے۔

غور فرمایئے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے لعاب کو انسان کی خدمت کے لئے کس طرح پابند کردیا کہ غذا پر نظر پڑنے کے بعد جب منہ کھولتا ہے منہ لعاب سے تَر ہوجاتا ہے۔بعض اوقات کھانا سامنے آنے سے پہلے ہی لعاب سے ہونٹوں کا کنارہ تر ہوجاتا ہے۔

معدہ تک غذا کیسے پہنچتی ہے؟

چبائی ہوئی غذا لعاب سے تربتر ہوجانے کے بعد معدے تک کیسے پہنچائی جائے؟غذا کو ہاتھ سے معدہ میں ڈالنا ممکن نہیں کیونکہ معدہ پیٹ میں ہوتا ہے اور نہ ہی معدے میں کوئی ایسا آلہ ہے جو آگے بڑھ کر غذا اپنے اندر کھینچ لے۔اللہ عَزَّوَجَلَّ نے معدہ میں غذا پہنچانے کے لئے کھانے پینے اور سانس کی نالی پیدا فرمائی

جس کے بالائی حصے غذا وُصول کرنے کے لئے پھیلتے اور پھر سُکڑ کر تنگ ہو جاتے ہیں تا کہ غذا اُلٹ پُلٹ ہو جائے اور کھانے کی نالی کے ذریعے معدے میں پہنچ جائے۔

معدہ کا فائدہ:

جب غذا اس انداز میں معدے تک پہنچتی ہے تو اس میں گوشت، ہڈیاں اور خون بننے کی صلاحیت نہیں ہوتی بلکہ اسے مکمل طور پر پکانے والی چیز کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ اس کے اجزاء ایک جیسے ہو جائیں۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے معدے کو ہانڈی کی طرح بنایا، غذا پہنچنے کے بعد معدہ بند ہو جاتا ہے اور اس وقت تک نہیں کھلتا جب تک ہضم اور پکنے کا عمل مکمل نہ ہو جائے۔ جس طرح ہانڈی میں موجود اشیاء آگ کی حرارت سے خَلَط مَلَط ہو جاتی ہیں اسی طرح معدہ میں غذا اطراف میں موجود اعضاء مثلاً: جگر، تلی، چربی اور پیٹھ کے گوشت وغیرہ کی حرارت سے پک کر مائع کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ یہ مائع غذا جَو کے پانی کے مُشابِہ ہوتی ہے اور رَگوں میں گردش کرنے کی صلاحیت بھی رکھتی ہے لیکن ابھی تک یہ غذائیت اور بدن کا حصہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

جگر کا فائدہ:

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے معدے سے جگر تک رگوں کے ذریعے چند راستے بنائے ہیں اور ان کے لئے بہت سے منہ رکھے ہیں جن کے ذریعے وہ مائع غذا جگر میں منتقل ہو جاتی ہے۔ جگر گاڑھے خون سے بنایا گیا ہے گویا یہ خون ہی ہوتا ہے۔ جگر میں بہت سی باریک رگیں پھیلی ہوئی ہیں، وہ مائع غذا ان رگوں کے ذریعے پورے جگر میں پھیل جاتی ہے پھر جگر اس پر غالب آ کر اسے اپنے رنگ میں رنگ کر خون بنا دیتا ہے اور یہ غذا خون بن کر کچھ دیر جگر میں ٹھہرتی ہے تا کہ دوسری بار پک کر بدن کی غذا بننے کے لئے صاف خون میں تبدیل ہو جائے مگر اس عمل کے نتیجے میں دو فاضل مادے پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ عموماً مائع چیز کو پکاتے وقت کچھ نہ کچھ فاضل مادہ پیدا ہوتا ہے۔ ایک مادہ گدلا پانی کی طرح ہوتا ہے جسے ''سودا'' کہتے ہیں۔ دوسرا مادہ دودھ کے جھاگ کی طرح ہوتا ہے جسے ''صَفراوِی'' کہتے ہیں۔ اگر یہ دونوں فاضل مادے خون سے الگ نہ ہوں تو جسم کا مزاج خراب ہو جائے۔

پِتّا اور تلی کا فائدہ:

جسم کا مزاج دُرُست رکھنے کے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے پِتّا اور تِلی پیدا فرمائے ہیں نیز ان دونوں کو لمبی رگیں عطا کی ہیں تا کہ یہ جگر تک پہنچ جائیں۔ پِتّا صفراوی مادہ جذب کرتا ہے اور تِلی سوداوِی مادہ جذب کرتی ہے۔ اس عمل کے دوران صاف خون رہ جاتا ہے جس میں پتلا پن اور رَطوبت ہی رَطوبت ہوتی ہے کیونکہ فاسد اجزاء کے اِخراج کے بعد اس میں فقط مائع والا وصف باقی رہ جاتا ہے۔

گردے کا فائدہ:

اگر خون پتلا نہ ہو تو جسم میں پھیلی ہوئی باریک رگوں میں گردش نہ کرے اور نہ ہی دیگر اعضاء میں منتقل ہو سکے تو اس عمل کے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے دو گردے پیدا کئے۔ ان دونوں کو بھی جگر تک پہنچنے والی لمبی رَگیں عطا کی ہیں۔ یہ بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی حکمتوں کا عجوبہ ہیں کہ ان دونوں کی رگیں جگر کے اندر داخل نہیں ہوتیں بلکہ جگر کے اوپر نکلی ہوئی رگوں سے ملی ہوتی ہیں تا کہ گردے خون کی رطوبت کو اسی وقت جذب کر لیں جب وہ جگر کی باریک رگوں سے باہر نکلے کیونکہ اگر وہ پہلے جذب کریں تو خون گاڑھا ہو جائے گا اور رگوں سے نکل نہیں پائے گا۔ رطوبت کے جذب ہونے کے ساتھ ہی غذا کو خراب کرنے والے تینوں فاضل مادے نکل جاتے ہیں اور خالص خون باقی رہ جاتا ہے۔

رگوں کا فائدہ:

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جگر سے بہت سی رگیں نکالی ہیں۔ ان کی بہت ساری قسمیں ہیں اور ہر ایک قسم کئی کئی شُعْبوں میں بٹی ہوئی ہے۔ ان رگوں کا جال پورے جسم میں سر سے پاؤں تک ظاہری وباطنی طور پر پھیلا ہوا ہے۔ جگر سے صاف خون ان رگوں کے ذریعے تمام اعضاء میں منتقل ہوتا ہے حتّٰی کہ بعض مُنْقَسِم رگیں اتنی باریک ہو جاتی ہیں کہ دکھائی نہیں دیتیں جس طرح درختوں اور پتوں کے ریشے آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں، انہی رگوں سے غذا اُتر کر تمام اعضاء تک پہنچتی ہے۔

پِتّا، تلی اور گردے کے مزید فوائد:

اگر پتا میں کوئی بیماری پیدا ہو جائے تو وہ صفراوی مادہ جذب نہیں کرتا یوں خون خراب ہو جاتا ہے اور

صفراوِی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں مثلاً: یَرقان، پھنسیاں، سُرخ دانے وغیرہ۔ اگر تِلّی متاثر ہو جائے تو سوداوِی مادے جذب نہیں کرتی اور سوداوِی امراض پیدا ہو جاتے ہیں جیسے بَرص، جُذام، مالیخُولیا[1] وغیرہ اور اگر گردے زائد رطوبت جذب نہ کریں تو اِستِسقا[2] وغیرہ بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ ربِّ حکیم عَزَّوَجَلَّ کی حکمت دیکھئے! اس نے کس طرح ان تینوں (یعنی صفراوی، سوداوِی اور بلغمی) فاسد مادوں میں بھی جسمانی فوائد وَدِیعت کر دیئے۔ پِتّا ایک رَگ سے فُضلات کھینچتا ہے اور دوسری رگ سے اُسے آنتوں میں ڈال دیتا ہے تاکہ آنتوں میں چکناہٹ پیدا ہو اور غذا کی آمد و رفت سہولت سے چلتی رہے نیز آنتوں میں جلن پیدا ہو جائے جس سے طبیعت قضائے حاجت کا تقاضا کرے اور چکناہٹ کے سبب فضلات جلد نکلیں اور انسانی فضلے میں زردی کی وجہ صفراوِی مادہ ہی ہوتا ہے۔ تِلّی سے نکلنے والے فاضل مادے میں تلی کے اثرات سے کھٹاس اور جماؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ اجزاء روزانہ کچھ نہ کچھ معدے کے منہ تک پہنچتے ہیں اور کھٹاس کے باعث بھوک کی خواہش پیدا کرتے ہیں، باقی فاسد اَجزاء پاخانے کے ساتھ باہر آجاتے ہیں۔ گردے فقط خون کی رَطوبت سے غذائیت حاصل کرتے ہیں، بَقِیَّہ دیگر رطوبتیں مثانے کی طرف منتقل کر دیتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ہم کھانے پینے کے لئے تیار کردہ اَسباب اور ان سے مُتعلقہ نعمتِ الٰہیہ کے بیان کا اختتام کرتے ہیں۔

اگر ہم جسمِ انسانی کی مزید تفصیل میں جائیں تو گفتگو طویل ہو جائے گی مثلاً جگر کو دل و دماغ کی حاجت نیز ان تینوں اعضائے رئیسہ کا آپس میں ایک دوسرے کا محتاج ہونا، دل سے بے شمار رگوں کا نکلنا، ان رگوں کا تمام جسم میں پھیلا ہوا ہونا، انہی کے ذریعے اعضاء میں اِحساس کا پایا جانا، جگر سے بھی بہت ساری رگوں کا نکلنا، انہی کے ذریعے تمام بدن میں غذا منتقل ہونا، اعضاء کی نشو و نَما ہونا، رطوبتیں نکلنا، ہڈیوں، پٹھوں، رگوں، جوڑوں وغیرہ کی تعداد بیان کرنا۔

کوئی عضو حکمت سے خالی نہیں:

غذا کے سلسلے میں جسم کے ہر ہر عضو کی ضرورت پڑتی ہے نیز یہ اعضاء غذا کے علاوہ دیگر مقاصد میں

1... ایک قسم کا جنون۔

2... ایک قسم کی بیماری جس میں پیٹ بڑھ جاتا ہے۔

بھی کام آتے ہیں بلکہ انسانی جسم میں کئی ہزار مختلف چھوٹے بڑے، موٹے پتلے پٹھے اور رگیں موجود ہیں اَلْغَرَض! جسم کا بڑے سے بڑا چھوٹے سے چھوٹا کوئی ایسا حصہ نہیں جس میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بے شمار حکمتیں نہ ہوں اور یہ سب ہم پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمتیں ہیں۔

سیِّدُنا اِمام غزالی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ کی نصیحت:

اے میرے کمزور بھائیو! اگر ان میں سے کوئی مُتَحَرِّک رَگ رُک جائے یا ساکن رَگ متحرک ہو جائے تو ہم ہلاک ہو جائیں گے۔ ہمیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمتوں پر غور کرنا چاہیے تاکہ شکر کرنا آسان ہو جائے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمتیں تو بے شمار ہیں لیکن اگر آپ فقط ایک ہی نعمت یعنی کھانے پر غور کریں گے نیز اس میں بھی صرف اسی چیز کو مدِّ نظر رکھیں گے کہ بھوک لگے تو کھانا کھالیا جائے تو آپ میں اور گدھے میں فرق کیا رہ جائے گا؟ کیونکہ یہ بات تو گدھا بھی جانتا ہے کہ بھوک لگے تو کچھ کھالو، بوجھ اٹھا کر تھک جاؤ تو آرام کر لو، شہوت آئے تو جُفتی کر لو اور کسی کام کے لئے اٹھایا جائے تو دولتّیاں مارتے ہوئے اٹھ جاؤ۔ اگر آپ بھی اتنا ہی جانیں جتنا گدھا جانتا ہے تو کس طرح اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمتوں کا شکر ادا کریں گے؟

ہم نے مختصراً جس بات کی طرف اشارہ کیا ہے یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمتوں کے وسیع تر سمندر کا فقط ایک قطرہ ہے۔ جو کچھ ہم نے طوالت کے ڈر سے بیان نہیں کیا اُس کا اندازہ بھی اسی کی روشنی میں لگالیا جائے جن نعمتوں کا ہم نے ذکر کیا یا لوگوں کو معلوم ہیں اگر اِنہیں اُن نعمتوں کے مقابلے میں رکھ کر دیکھا جائے جن نعمتوں کا ہم نے ذکر نہیں کیا یا لوگوں کو معلوم نہیں تو وہ نعمتوں کے سمندر کا ایک معمولی سا قطرہ نظر آئے گا مگر جو لوگ نعمتوں کے اس سمندر سے تھوڑا بہت بھی واقف ہیں وہ اس فرمانِ الٰہی:

وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ (پ۱۴، النحل:۱۸) ترجمۂ کنزالایمان: اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو شمار نہ کر سکو گے۔

کے کچھ نہ کچھ معانی جان جاتے ہیں۔

روح کی نعمت:

غور فرمایئے! اللہ عَزَّوَجَلَّ نے کس طرح ان اعضاء کا نِظام، ان کے منافع، اِدراک و قوت کا دارو مدار

اَخلاطِ اَرْبَعَہ (یعنی صفرا، خون، بلغم اور جلے ہوئے بلغم) سے نکلنے والے ایک غیر مادِّی جوہر سے قائم کر رکھا ہے جس کا ٹھکانا دل ہے۔ یہ غیر مادِّی جوہر رگوں کے ذریعے پورے جسم میں سرایت کرتا ہے، یہ جسم کے جس حصے میں پہنچتا ہے اس میں حِس وادراک اور قوت وحرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ چراغ کی طرح ہے کہ اسے گھر میں جہاں پھرایا جائے وہاں روشنی ہو گی گویا روشنی کا سبب یہی چراغ ہے۔ روشنی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی مخلوق ہے مگر اُس نے چراغ کو اپنی حکمت سے روشنی کا سبب بنا دیا ہے اسی طرح یہ غیر مادّی جوہر بھی حِس و ادراک اور قوت وحرکت کا ایک سبب ہے جسے طبیب حضرات "روح" کا نام دیتے ہیں جس کا ٹھکانا دل ہے۔

روح کو چراغ کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ:

جسم روح کے لئے چراغ کی آگ کی طرح ہے، دل آلۂ چراغ جیسا ہے، دل میں موجود سیاہ خون گویا چراغ کی بتی ہے اور غذا چراغ کے تیل کی مانند ہے۔ تمام جسمانی اعضاء میں روح کے سبب پائی جانے والی ظاہری حیات چراغ کی اُس روشنی کی مثل ہے جو تمام گھر کو روشن کرتی ہے۔ دیکھئے! جس طرح چراغ تیل ختم ہونے سے بجھ جاتا ہے اسی طرح روح کا چراغ بھی غذا بند ہونے سے بجھ جاتا ہے۔ جس طرح چراغ کی بتی راکھ ہو جائے تو چراغ کثیر تیل کے باوجود فائدہ نہیں دیتا اسی طرح دل میں موجود سیاہ خون بعض اوقات حرارتِ قلبی کی وجہ سے جل جاتا ہے اور روح غذا ملنے کے باوُجود بے کار ہو جاتی ہے کیونکہ روح کو بقا دینے والا دل میں موجود سیاہ خون غذا قبول نہیں کرتا جیسا کہ راکھ فقط تیل سے روشنی پیدا نہیں کر پاتی۔

چراغ بعض اوقات بیان کردہ داخلی سبب سے بجھ جاتا ہے اور بعض اوقات خارجی سبب سے بھی بجھتا ہے جیسے تیز ہوا چلنے سے۔ اسی طرح رُوح بھی کبھی داخلی سبب سے جسم سے جدا ہوتی ہے اور کبھی خارجی سبب سے جیسے قتل وغیرہ۔ تیل کے ختم ہونے، بتی کے خراب ہو جانے، آندھی کے چلنے سے چراغ کا بجھنا یا کسی انسان کا چراغ کو بجھا دینا یہ سب کچھ تقدیر کے مطابق ہوتا ہے اور تمام اَسباب کا حقیقی علم اللہ عَزَّوَجَلَّ کو ہوتا ہے۔ انسانی روح کے جسم سے جدا ہونے کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے نیز جس طرح چراغ کا بجھ جانا اس کا انتہائی وقت اور لوحِ محفوظ میں لکھی آخری مدت ہے اسی طرح رُوح کے جسم سے جدا ہونے کا معاملہ ہے۔ جس طرح چراغ کے بجھنے سے تمام گھر میں اندھیرا چھا جاتا ہے اسی طرح رُوح کے نکلنے سے تمام جسم

میں تاریکی چھا جاتی ہے اور روح سے حاصل ہونے والے انوار یعنی اِحساسات، قُدرت وارادہ اور لفظِ حیات میں شامل تمام اُمور جسم سے جُدا ہو جاتے ہیں۔ روح اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمتوں اور اس کی صنعت وحکمت کے عجائبات کی جانب ایک مختصر سا اشارہ ہے تاکہ معلوم ہو جائے:

لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ (پ۱۶، الکھف: ۱۰۹)

ترجمۂ کنز الایمان: اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لئے سیاہی ہو تو ضرور سمندر ختم ہو جائے گا اور میرے ربّ کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔

تو جو شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کے وُجود کا منکر ہے اس کے لئے ہلاکت ہے اور جو اس کی نعمت کا ناشکرا ہے اس پر خوب پھٹکار ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

آپ نے روح کا ذکر مثال ووضاحت کے ساتھ کیا جبکہ رسولُ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے رُوح کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فقط اتنا فرمایا[1]: "قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ"[2] اور اس کی وضاحت نہ فرمائی تو آپ نے اس کی وضاحت کیوں فرمائی؟

جواب: لفظ "روح" کئی معنوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس کے معانی سے بے خَبَری کی وجہ سے ہی یہ اعتراض کیا گیا ہے۔ ہم نے اس کے تمام معانی مراد نہیں لئے بلکہ ایک معنٰی مراد لیا ہے۔ وہ مرادی معنٰی غیر مادِّی جوہر ہے جسے اَطِبَّا "رُوح" کہتے ہیں۔ اَطِبَّا نے اس کی صفت، اس کا وُجو، اعضاء میں اس کے جاری ہونے کی کیفیت، اس کے ذریعے اعضاء میں احساس اور قوت کی کیفیت مراد لی ہے حتّٰی کہ جب کوئی عضو بے حِس ہو جائے تو انہیں پتا چل جاتا ہے کہ یہ بے حِسی روح کے راستوں میں رکاوٹ پیدا ہونے کی وجہ سے ہے لہٰذا وہ بے حِس مقام کا علاج نہیں کرتے بلکہ پٹھوں کے مراکز کا پتا چلاتے ہیں کیونکہ رکاوٹ کے مقامات وہی مراکز ہوتے ہیں پھر رکاوٹ ختم کرنے کے لئے علاج کرتے ہیں۔ روح کی یہ قسم اپنی لطافت کی وجہ سے

1... بخاری، کتاب التفسیر، باب ویسئلونک عن الروح، ۳/ ۲۶۳، حدیث: ۴۷۲۱

2... تم فرماؤ روح میرے ربّ کے حکم سے ایک چیز ہے۔ (پ۱۵، بنی اسرائیل: ۸۵)

پٹھوں کے جال میں سرایت کرکے دل سے گزر کر تمام جسم میں پھیلتی ہے۔ روح کا جو معنیٰ اَطِبّا نے بیان کیا ہے اسے سمجھنا کوئی مشکل کام نہیں ہے لیکن وہ روح جس کے بگڑنے سے پورا جسم بگڑ تا ہے وہ اسرارِ الٰہیہ میں سے ایک راز ہے، ہم نے اس کی وضاحت نہیں کی اور نہ ہی اس کی وضاحت کی اجازت ہے۔ ہم صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ وہ اَمرِ ربانی ہے جیسا کہ باری تعالیٰ نے سَیِّدِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے فرمایا:

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ ترجمۂ کنز الایمان: تم فرماؤ روح میرے ربّ کے حکم سے ایک چیز ہے۔

(پ۱۵، بنی اسرائیل: ۸۵)

عقل اور امر ربانی:

عقل اَمرِ رَبّانی کے کسی بھی وصف کو سمجھ نہیں سکتی بلکہ اس سلسلے میں اکثر لوگوں کی عقلیں حیران و پریشان ہیں نیز جس طرح ہم آنکھ سے آواز کا ادراک نہیں کرسکتے اسی طرح وہم و گمان سے بھی اَمرِ ربّانی کو نہیں سمجھ سکتے۔ اَلْغَرَض عقل جو ہر وعرض کا مجموعہ ہے اسی لئے اس کے ذریعے اَمرِ ربّانی کے کسی بھی وصف کو نہیں سمجھا جاسکتا بلکہ اس کا ادراک عقل سے اعلیٰ و اشرف ایک نور سے ہوتا ہے جو عالَمِ نَبوت اور عالَمِ وِلایت کے ساتھ خاص ہے جس طرح عقل کا مقام وہم و گمان سے اعلیٰ ہے اسی طرح اس نورِ نبوت وولایت کا مقام عقل سے اعلیٰ ہے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے یکساں مخلوق پیدا نہیں فرمائی لہٰذا بچہ صرف حِسّی چیزوں کو پہچانتا ہے اور وہ ابھی اس مرتبے کو نہیں پہنچا ہوتا ہے کہ عقلی باتیں سمجھے۔ بالغ عقلی باتوں کو تو سمجھ جاتا ہے لیکن عقل سے بالاتر بات نہیں سمجھ سکتا کیونکہ اس میں عقل سے بالاتر بات سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی۔ عقل سے بالاتر بات سمجھنا ایک بُزرگی والا مقام اور بلند رتبہ ہے۔ اس مقام پر فائز ہستی حق تعالیٰ کو ایمان و یقین کے نور سے دیکھتی ہے۔ یہ ایک بلند مقام ہے کہ ہر ایک اس تک نہیں پہنچ پاتا بلکہ مخصوص حضرات اس تک پہنچتے ہیں۔ بارگاہِ حق گویا ایک صدر مقام ہے جس میں ایک وسیع میدان ہے اور میدان سے پہلے ایک چبوترا ہے جو اَمرِ ربانی کا ٹھکانا ہے۔ جو شخص اس چبوترے یا اس کے محافظ تک نہیں پہنچ سکتا وہ نہ تو میدان میں پہنچ سکتا نہ ہی اس میدان میں پائے جانے والے مشاہداتِ عالیہ تک پہنچ سکتا چنانچہ اسی کے پیشِ نظر کہا جاتا ہے کہ ”جو

مکمل طور پر خود کو پہچان نہیں سکتا وہ ربّ تعالیٰ کو بھی پہچان نہیں سکتا۔“

یہ سب باتیں اَطِبَّا کی کتابوں میں کہاں ہوتی ہیں؟ اس مقام کو کوئی طبیب کیسے ملاحظہ کر سکتا ہے؟ اَمرِ ربّانی اور اَطِبَّا کی بیان کردہ ”روح“ کے درمیان اسی طرح کا فرق ہے جو بادشاہ اور اس کے بَلّے سے پھینکی ہوئی گیند میں فرق ہے لہٰذا جو شخص طبی روح کو جاننے کے بعد یہ گمان کرے کہ اس نے اَمرِ ربانی کو پالیا وہ اس شخص کی طرح ہے جو بادشاہ کی پھینکی ہوئی گیند کو دیکھ کر کہے: ”میں نے بادشاہ کو دیکھ لیا۔“ بلاشبہ یہ واضح غَلَطی ہے بلکہ طبی روح کو اَمرِ ربانی سمجھنا تو بہت بڑی خطا ہے۔ اَمرِ رَبّی ایسا راز ہے کہ عقلِ انسانی اس کی حقیقت جاننے سے قاصر ہے حالانکہ عقل کی وجہ سے آدمی عبادات کا مکلَّف ہوتا ہے نیز اسی کے ذریعے دنیاوی مُعاملات انجام دیئے جاتے ہیں اور چونکہ یہ راز ہے اِسی لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے حبیب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو لوگوں میں اس کی حقیقت بیان کرنے کی اجازت نہیں دی بلکہ آپ کو حکم تھا کہ لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق گفتگو فرمائیں نیز اللہ عَزَّوَجَلَّ نے بھی اپنی کتاب قرآنِ کریم میں اس امر کی حقیقت بالکل ذکر نہیں فرمائی بلکہ اس کی نسبت و فعل کا ذکر فرمایا اور حقیقت کو مخفی رکھا۔ چنانچہ نسبت کا ذکر کرتے ہوئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا: ”مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ“ (ترجمۂ کنز الایمان: میرے ربّ کے حکم سے۔ پ۱۵، بنی اسرائیل: ۸۵) جبکہ فعل کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىٕنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ﴿۲۹﴾ وَ ادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ﴿۳۰﴾ (پ۳۰، الفجر: ۲۷تا۳۰)

ترجمۂ کنز الایمان: اے اطمینان والی جان اپنے رب کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی، پھر میرے خاص بندوں میں داخل ہو اور میری جنّت میں آ۔

اب ہم دوبارہ اپنے مقصدِ تحریر کی طرف آتے ہیں اور ہمارا مقصود کھانے کے متعلق اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمتیں بیان کرنا تھا اور کھانے کے آلات کے ضمن میں ہم نے بعض نعمتوں کا ذکر کر دیا۔

غذا کی تیاری میں نعمتیں اور اسباب:

یہاں وہ اُمور بیان کئے جائیں گے جن کے ذریعے انسان خود غذا تیار کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

جان لیجئے! غذائیں بہت قسم کی ہیں اور ان کی تخلیق میں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے بے شمار عجائبات رکھے ہیں نیز

غذاؤں کے اسباب میں نہ ختم ہونے والا سلسلہ پایا جاتا ہے۔ اگرچہ غذا کی تمام قسموں کو بیان کرنا ایک طویل بحث ہے مگر ہم یہاں مختصراً چند چیزوں کو بیان کریں گے۔

غذا کی اقسام:

غذائیں عام طور پر تین طرح کی ہیں: (۱)... ادویات (۲)... میوہ جات (۳)... کھانے میں استعمال کی جانے والی اشیاء۔ ہم صرف تیسری قسم کی غذا کا ذکر کریں گے کیونکہ یہی بُنیادی غذا ہے۔

اگر آپ گندم کے چند دانے لے کر کھاتے ہیں تو گندم ختم ہو جاتا ہے مگر پیٹ نہیں بھرتا۔ آپ بھوک کی وجہ سے ضرور چاہیں گے کہ گندم بڑھادی جائے تاکہ ضرورت پوری ہو جائے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جس طرح آپ کے اندر نشوونُما کی صلاحیت رکھی ہے اسی طرح گندم میں بھی بڑھنے کی قوت پیدا کی ہے تاکہ اسے غذا بنایا جائے۔ نباتات اور انسان میں حِس و حرکت کا فرق ہے لیکن غذا حاصل کرنے میں دونوں برابر ہیں کیونکہ نباتات کی غذا پانی ہے، وہ جڑوں کے ذریعے اپنے اندر پانی جذب کرتے ہیں جیسا کہ انسان غذا کھا کر اپنے اندر جمع کر لیتا ہے۔ جن ذرائع سے نباتات غذا حاصل کرتے ہیں ہم ان کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتے البتہ ان کی غذا کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔

کھیتی کی غذا:

انسان کی غذا لکڑی اور مٹی نہیں بلکہ انسان ایک مخصوص غذا کا محتاج ہے یونہی بیج بھی ہر چیز سے غذا حاصل نہیں کرتا بلکہ ایک مخصوص چیز کا محتاج ہوتا ہے جیسا کہ آپ اِسے گھر میں رکھ چھوڑیں تو اس میں کچھ نہیں اُگے گا کیونکہ یہاں تو اسے صرف ہَوا پہنچے گی اور اکیلی ہوا اس کی غذا نہیں بن سکتی اور اگر آپ اُسے پانی میں ڈال دیں گے پھر بھی کچھ نہیں اُگے گا اور اگر آپ اسے ایسی زمین میں ڈال دیں جس میں پانی نہ ہو تب بھی کچھ نہیں اُگے گا بلکہ اسے ایسی زمین میں ڈالنے کی ضرورت ہے جس میں پانی ہو نیز وہ پانی زمین سے مل کر گارا بن گیا ہو۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰی طَعَامِهٖۤ ﴿۲۴﴾ اَنَّا صَبَبْنَا ترجمۂ کنزالایمان: تو آدمی کو چاہئے اپنے کھانوں کو دیکھے کہ

الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾ ہم نے اچھی طرح پانی ڈالا پھر زمین کو خوب چیرا۔

(پ۳۰،عبس:۲۴تا۲۶)

پھر صرف پانی اور مٹی کھیتی کے لئے کافی نہیں کیونکہ اگر آپ نے بیج کسی ٹھوس اور تر زمین میں ڈالا تو ہوا کی آمد ورفت نہ ہونے کی وجہ سے غلہ نہیں اُگے گا پس بیج کو نَرْم وکھوکھلی زمین میں ڈالنے کی ضرورت پیش آئی تاکہ اس میں ہَوا داخل ہو سکے۔ معمولی ہوا بھی مفید نہیں بلکہ ایسی تیز ہوا ہونی چاہئے جو زور سے زمین پر لگے اور بیج کے اندر چلی جائے اسی کو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے یوں بیان فرمایا:

وَ اَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ (پ۱۴، الحجر:۲۲) ترجمۂ کنزالایمان: اور ہم نے ہوائیں بھیجیں بادلوں کو بارَوَر کرنے والیاں۔

یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی تیز ہوائیں بادلوں سے ٹکراتا ہے تاکہ پانی مٹی اور ہوا کے درمیان تعلق قائم ہو اور تب کھیتی اُگتی ہے نیز موسم بھی بہت زیادہ ٹھنڈا اور سرد نہ ہو بلکہ بہار اور گرمی کا موسم ہو۔

معلوم ہوا کہ کھیتی کے لئے چار چیزیں ضروری ہیں: (۱) ہوا (۲) پانی (۳) زمین (۴) گرم موسم۔ پھر ہم خود دیکھ سکتے ہیں کہ کھیتی کے سلسلے میں ان میں سے ہر ایک کے لئے کئی چیزوں کی ضرورت پیش آتی ہے مثلاً: پانی کے لئے سمندر، دریا، چشمہ اور نَہر و نالی کی ضرورت پڑتی ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ہماری سہولت کے لئے سمندر بنائے چشمے اور نہریں جاری فرما کر ضروریات پوری کیں۔

بادَلوں اور پہاڑوں کے فوائد:

بعض خطے بلندی پر واقع ہوتے ہیں جن تک پانی نہیں پہنچ پاتا تو ان کے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے بادل بناکر ان پر ہَوا کو مسلّط کر دیا تاکہ ہَوا حُکْمِ خداوندی سے بادلوں کو زمین کے چپے چپے پر گھمائے اور بارش کے ذریعے ہر جگہ پانی پہنچ جائے حالانکہ بادلوں میں پانی بھرا ہوتا ہے اور یہ بہت بھاری ہوتے ہیں۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قدرت دیکھئے کہ کس طرح وہ کھیتی کی ضرورت کے مطابق ربیع اور خریف کے موسم میں بارش برساتا ہے۔

پھر دیکھئے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے پہاڑوں سے چشمے جاری فرمائے اور پہاڑوں کو ان چشموں کا محافظ بنایا۔ یہ چشمے بتدریج بہتے ہوئے نشیبی علاقوں کو سیراب کرتے ہیں۔ اگر یہ ایک دم تیزی سے بہہ نکلیں تو شہروں

کو تباہ و برباد کر دیں اور کھیتی و جانور ہلاک ہو جائیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ پہاڑوں، بادلوں، سمندروں اور بارشوں میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بے شمار نعمتیں ہیں۔

سورج کے فوائد:

پانی اور مٹی دونوں ٹھنڈے ہوتے ہیں اور ان کے ملاپ سے حرارت حاصل نہیں ہو سکتی تو حرارت کے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے سورج کو پیدا فرمایا۔ زمین سے میلوں دور ہونے کے باوجود اسے پابند بنایا گیا کہ وہ فقط ایک وقت زمین کو حرارت پہنچائے، دوسرے وقت نہیں تاکہ ٹھنڈک کی ضرورت ہو تو ٹھنڈک ملے اور حرارت کی حاجت ہو تو حرارت ملے۔ یہ تو فقط ایک فائدہ ہے ورنہ فوائد تو اس کے بے شمار ہیں۔

چاند کے فوائد:

پودوں اور درختوں میں نکلنے والے پھل ابتداءً سخت اور کچے ہوتے ہیں، انہیں پکانے کے لئے نمی کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے چاند کو پیدا فرمایا جس میں نمی پیدا کرنے کی صلاحیت رکھی جیسا کہ سورج میں حرارت کی خاصیت رکھی۔ چاند پھلوں اور میووں کو پکاتا اور انہیں قدرتی رنگ دیتا ہے۔ یہ سب حکمت والے خالقِ کائنات کی طرف سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر درخت یا پودے کسی ایسی جگہ ہوں جہاں سورج کی گرمی اور چاند ستاروں کی روشنی نہ پڑے تو درخت و پودے بے کار و خراب ہو جاتے ہیں حتّٰی کہ اگر چھوٹا درخت بڑے درخت کے سائے میں ہو تو وہ خراب ہو جاتا ہے۔

چاند کی نمی معلوم کرنے کا طریقہ:

چاند کی نمی کا تجربہ کرنا ہو تو آپ چاند کی روشنی میں ننگے سر ٹھہر جایئے تو آپ کو سر میں نمی محسوس ہو گی اور زُکام کا سبب یہی نمی ہوا کرتی ہے۔ معلوم ہوا کہ چاند جس طرح سر میں نمی پہنچاتا ہے اسی طرح پودوں اور درختوں کو بھی نمی پہنچاتا ہے۔ ہم اس کے متعلق مزید گفتگو نہیں کریں گے کیونکہ اس کے متعلق تفصیلی گفتگو کرنا ہماری غرض نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہر سَیارہ کوئی نہ کوئی فائدہ پہنچانے کا پابند ہے جیسا کہ سورج حرارت اور چاند نمی پہنچانے

کے لئے پابند ہے۔ غَرَض یہ کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ہر نعمت میں بے شمار حکمتیں ہیں جن کا شمار طاقتِ انسانی سے باہر ہے۔ ان حکمتوں کو تسلیم کرنا ضروری ہے ورنہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمتوں کو بے کار و باطل ماننا لازم آئے گا نیز ان دو فرامینِ باری تعالیٰ کی تکذیب لازم آئی گی:

﴿1﴾...

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ (پ۴، ال عمران: ۱۹۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اے رب ہمارے تو نے یہ بیکار نہ بنایا۔

﴿2﴾...

وَ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ ۝۳۸ (پ۲۵، الدخان: ۳۸)

ترجمۂ کنزالایمان: اور ہم نے نہ بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیل کے طور پر۔

کوئی چیز بے کار نہیں:

جس طرح انسان کے جسم کا کوئی عُضْو بے کار نہیں یونہی دنیا کی کوئی چیز بے کار نہیں۔ پورا عالَم ایک شخص کی طرح ہے اور اس میں پائی جانے والی اشیاء اعضاء کی طرح ہیں۔ یہ اشیاء ایک دوسرے سے اسی طرح تعاوُن کرتی ہیں جس طرح انسانی اعضاء ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں۔ اگر ان کی حکمتوں پر تفصیلی گفتگو کی جائے تو تشریح بہت طویل ہو جائے گی۔

علم نجوم اور اس کی تصدیق:

یہ کہنا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے سورج، چاند، ستاروں کو بطورِ اسباب فلاں فلاں حکمت کے تحت پابند فرمایا ہے دُرُست نہیں اور اس پر ایمان لانا خلافِ شریعت ہے۔ حدیثِ پاک میں علمِ نجوم اور نجومیوں کی باتوں کی تصدیق کرنے سے منع کیا گیا ہے۔[1] اور اس مُمانَعت کے سلسلے میں دو چیزیں ہیں:

(1)... علمِ نُجُوم اور نُجُومیوں کی بتائی ہوئی باتوں کی تصدیق اس عقیدے کے ساتھ کرنا کہ ستارے وغیرہ خود بخود سب کام انجام دیتے ہیں نیز یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی تدبیر کے تحت نہیں ہیں تو یہ عقیدہ کفر ہے۔

(2)... نُجومیوں کی بتائی ہوئی باتوں کو جنہیں ہر شخص سمجھ نہیں پاتا حرف بحرف صحیح سمجھنا بھی غلط ہے اس

---

[1]...سنن ابی داود، کتاب الطب، باب فی النجوم، ۴/ ۲۱، حدیث: ۳۹۰۵، ۳۹۰۶

لئے کہ ان کی بتائی ہوئی باتیں اندازوں پر مبنی اور حقائق سے خالی ہوتی ہیں۔ علمِ نجوم ایک نبی عَلَیْہِ السَّلَام کو بطورِ معجزہ عطا کیا گیا تھا اور ان کے بعد یہ علم ناپید ہو گیا اب جو کچھ باقی ہے اس میں (غلط کی) آمیزش ہو گئی ہے جس کی وجہ سے صحیح غلط کی تمیز نہ رہی۔

ستاروں کے اثرات ماننا:

اگر کوئی شخص ستاروں کے اثرات کو اس عقیدے کے ساتھ مانتا ہے کہ یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی حکمت و تدبیر کے سبب زمین، نباتات، حیوانات پر اثر انداز ہوتے ہیں تو یہ عقیدہ دین میں خرابی پیدا نہیں کرتا بلکہ یہ عقیدہ دُرُست ہے البتہ اگر کوئی نہ جاننے کے باوجود یہ دعوٰی کرے کہ وہ ستاروں وغیرہ کی علامات کو مکمل طور پر جانتا ہے تو جَہالت پر مبنی یہ دعوٰی دین کی خرابی کا سبب ہے۔

چاند، سورج اور ستاروں کے اثر انداز ہونے کی مثال:

اگر آپ نے کپڑے دھو کر خشک کرنے کا ارادہ کیا اور کوئی آکر کہے: "دھوپ نکل چکی ہے نیز گرم ہوا چل رہی ہے آپ اپنے کپڑے ڈال لیں۔" تو آپ اسے نہیں جھٹلائیں گے، نہ ہی سورج کی وجہ سے چلنے والی گرم ہوا پر اعتراض و تنقید کریں گے۔ یونہی اگر آپ نے کسی سے چہرے کی رنگت تبدیل ہونے کا سبب پوچھا تو اس نے کہا: "دھوپ کی وجہ سے ایسا ہوا۔" یقیناً آپ اسے جھٹلا نہیں سکتے کیونکہ یہ ایسا سبب ہے جس کا انکار ممکن نہیں تو باقی تمام علامات و اثرات کا اسی سے اندازہ لگا لیجئے۔

لیکن یاد رہے! بعض علامات و اثرات کا علم ہو جاتا ہے مگر بعض کا علم نہیں ہو پاتا جن علامات و اثرات کا علم نہ ہو ان کے بارے میں علم کا دعوٰی کرنا غلط بات ہے۔ چنانچہ بعض علامات و اثرات کا علم سب کو ہوتا ہے جیسے سورج کے طلوع ہونے سے روشنی اور گرمی ہو جانا۔ بعض علامات و اثرات کا علم چند مخصوص لوگوں کو ہوتا ہے جیسے چاند کی نمی سے زُکام ہو جانا۔

خلاصہ یہ ہے کہ چاند، سورج اور ستارے بے کار نہیں بلکہ ان میں بے شمار حکمتیں پوشیدہ ہیں اسی لئے سَیِّدِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے آسمان کی طرف نگاہ اُٹھا کر یہ آیت تلاوت فرمائی:

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا ترجمۂ کنز الایمان: اے رب ہمارے تو نے یہ بیکار نہ بنایا

عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ (پ۴، اٰل عمران: ۱۹۱) پاکی ہے تجھے تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

پھر فرمایا: "وَيْلٌ لِّمَنْ قَرَاَهٰذِهِ الْاٰيَةَ ثُمَّ مَسَحَ بِهَا سَبَلَتَهٗ یعنی اس شخص کے لئے خرابی ہے جو یہ آیت پڑھے پھر مونچھ پر ہاتھ پھیر لے۔"(1)

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس آیت کو پڑھنے کے ساتھ ساتھ اس پر غور بھی کیا جائے اور نظر کو آسمانی سلطنت کی رنگت وہیئت اور طول و عرض تک محدود نہ رکھا جائے کیونکہ اتنا تو جانوروں کو بھی پتا ہوتا ہے لٰہذا جو شخص صرف اتنا ہی جانے گا وہ مونچھ پر ہاتھ پھیرنے والا ہے۔

انسان و حیوان میں ربّ تعالیٰ کے عجائبات ہیں:

سورج، چاند ستارے، ساتوں آسمان اور تمام انسان و حیوان میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے عجائبات ہیں۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے محبت کرنے والے لوگ ان عجائبات کو جاننے کے طلب گار رہتے ہیں کیونکہ جو شخص کسی مصنف سے محبت کرتا ہے وہ ہمیشہ اس کی تصانیف کی تلاش میں لگا رہتا ہے تاکہ اس کے علمی شاہکار سے آگاہی حاصل کرتا رہے۔ تمام جہاں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی تصنیف ہے بلکہ مخلوق کی تصانیف بھی اسی کی تصانیف ہیں کہ اس نے اپنے بندوں کے دلوں میں یہ بات ڈالی۔ اگر آپ کو کسی کی لکھی ہوئی کتاب پسند آئے تو لکھنے والے پر تعجب نہ کریں بلکہ اس ذات کا شکر ادا کریں جس نے لکھنے والے کو توفیق بخشی اور اسے کتاب لکھنے کی ہدایت و تعلیم دی جیساکہ کسی پتلے کو رقص کرتے، موزوں و مناسب حرکات کرتے دیکھ کر تعجب نہیں ہوتا کیونکہ یہ تو کپڑے کا ایک ٹکڑا ہے جو خود حرکت نہیں کرتا بلکہ اسے حرکت دی جاتی ہے تعجب تو مَداری پر ہے جو پردے کے پیچھے سے اسے قابو کرکے دکھا رہا ہے اور اپنی ذہانت و مَہارت کے ذریعے نظر نہ آنے والے باریک دھاگوں سے حرکت دے رہا ہے۔

مقصود یہ ہے کہ کھیتیوں کی غذا کی تکمیل ہَوا، پانی، سورج، چاند اور ستاروں کے بغیر نہیں ہوسکتی اور سورج، چاند ستاروں کی حرکت اپنے مَدار کے بغیر نہیں ہوسکتی جو ان کا مِحْوَر ہے اور انہیں حرکت دینے والے فِرِشتے ہیں۔ یوں ایک عمل دوسرے عمل کا سبب بنتا رہتا ہے اور جتنا ہم نے بیان کردیا وہ بَقِیَّہ پر آگاہی کے لئے کافی ہے لٰہذا ہم یہاں اپنی گفتگو کھیتی کی غذائیت والے اسباب پر ختم کرتے ہیں۔

---

1 ... جمع الجوامع، ۸/ ۱۰۸، حدیث: ۲۴۸۰۳، بتغیر

غذاؤں کے نقل و حمل سے متعلق نعمتیں:

ہر قسم کی غذائیں ہر جگہ مُہیّا نہیں ہوتیں بلکہ چند مخصوص شرائط کے ساتھ کہیں مُہیّا ہوتی ہیں اور کہیں مہیا نہیں ہوتیں۔غذاؤں کو استعمال کرنے والے پوری دنیامیں پھیلے ہوئے ہیں۔غذائیں ان کی پہنچ سے دور تھیں درمیان میں وسیع وعریض سمند اور خشکی کے طویل راستے تھے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان تک غذا کی رسائی تاجروں کے ذریعے ممکن بنائی۔ تاجروں کے دلوں میں مال کی حرص اور نفع کی خواہش پیدا فرمائی حالانکہ عام طور پر مال سے نفع حاصل نہیں کرپاتے کیونکہ جمع شدہ اَموال کشتیوں سمیت ڈوب جاتے ہیں یاڈاکو لوٹ لیتے ہیں یا تاجروں کے دوسرے شہروں میں مرنے کے سبب اموال کو(لاوارث بتاکر) حکمران اپنے قبضے میں لے لیتے ہیں اوراگر ایسانہ ہوتووُرثاان کے اموال پر قابض ہوجاتے ہیں حالانکہ انہیں اگر پہلے علم ہوجائے تو یہی ان کے بڑے دشمن ہوتے ہیں۔

غور فرمایئے! اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان پر غفلت اور جہالت کے کیسے پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ نفع حاصل کرنے کے لئے سختیاں برداشت کرتے ہیں، خطروں سے کھیلتے ہیں، سمندری سفر کے دوران تیز ہواؤں کا سامنا کرتے ہیں پھر بھی طرح طرح کی غذائیں اور ضرورت کی چیزیں مشرق و مغرب تک پہنچاتے ہیں نیز اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انہیں کشتیاں بنانے اور ان میں سُوار ہونے کا طریقہ سکھایا۔اس نے حیوانات پیدا فرماکر انہیں جنگلوں اور صحراؤں میں سواری اور بوجھ اٹھانے کے لئے مُسَخَّر کیا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قدرت تو دیکھئے کہ کس طرح جانوروں کو ان کے مناسب اوصاف عطاکئے مثلاً گھوڑے کو تیز رفتاری عطاکی۔ گدھے میں مَشَقَّت پر صبر کی طاقت رکھی۔ اونٹ میں بھوکا پیاسارہ کر بھاری بوجھ اٹھاکر صحراؤں کو طے کرنے کی قوت بخشی۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قدرت پر غور کیجئے کہ وہ کس طرح تاجروں کو کشتیوں کے ذریعے سمندر میں اور حیوانات کے ذریعے خشکی میں سفر کرواتا ہے تاکہ وہ آپ تک غذا اور دیگر ضروری اشیاء پہنچائیں۔ غرض یہ کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے غذاؤں کے نقل و حمل سے متعلق اشیاء اس قدر کثرت سے پیدا کی ہیں جن کا شمار ناممکن ہے لہٰذا اختصار کے پیشِ نظر ہم ان کا ذکر نہیں کریں گے۔

غذا کی تیاری میں موجود نعمتیں:

یاد رکھئے! نباتات وحیوانات سے حاصل ہونے والی ہر غذا کو دانتوں سے چبا کر کھانا ممکن نہیں ہے بلکہ

اس کی تیاری اور اِصلاح کی ضرورت پیش آتی ہے نیز ان میں بعض اشیاء قابلِ استعمال ہوتی ہیں بعض نہیں۔ اَلْغَرَض! بے شُمار مَراحِل سے گزر کر غذا قابلِ استعمال ہوتی ہے۔ ہر ہر غذا کی تیاری میں پیش آنے والے عمل کو تفصیلاً بیان کرنا مشکل کام ہے البتہ ہم فقط روٹی بنانے میں پیش آنے والے عمل کو بیان کریں گے تاکہ ہم غور تو کریں کہ ایک روٹی کس کس عمل کی محتاج ہوتی ہے یہاں تک کہ گول ہو کر کھانے کے قابل ہو جاتی ہے حالانکہ یہ بیج کی صورت میں زمین میں ڈالی گئی تھی۔

روٹی کی تیاری کے مراحل:

روٹی کی تیاری میں سب سے پہلے کسان کی ضرورت پیش آتی ہے تاکہ وہ زمین کو ٹھیک کر کے کھیتی باڑی کرے پھر تمام لَوازمات کے ساتھ بیل اور ہَل چلانے کی ضرورت پیش آتی ہے پھر ایک خاص مدت تک پانی دینا پھر زمین سے جُڑی گھاس وغیرہ دور کرنا پھر کھیتی کاٹنا اور اناج سے چھلکا صاف کر کے اسے پیسنا، گوندھنا اور پکانا اس کے بعد روٹی تیار ہوتی ہے۔ غور کیجئے! یہ کتنے کام ہیں نیز بعض کاموں کا ہم نے ذکر بھی نہیں کیا۔ تیاری کے ان مَراحِل میں لوہے، لکڑی، پتھر وغیرہ کے استعمال ہونے والے آلات کو شمار کیجئے۔ ان لوگوں کو بھی شمار کیجئے جو اس کام میں کسی بھی طرح شریک ہوتے ہیں مثلاً کھیتی باڑی کے آلات تیار کرنے والے کاریگر، گندم پیسنے والے، روٹی پکانے والے، بڑھئی، لوہار اور نانبائی وغیرہ۔ آگے چل کر مزید غور فرمایئے کہ لوہار کو لوہے سیسے اور تانبے کی ضرورت ہوتی ہے پھر نظر اٹھا کر دیکھئے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے پہاڑوں، پتھروں اور معدنیات کی کانیں کس طرح بنائی ہیں۔ زمین کو کس طرح مختلف ٹکڑوں میں تقسیم فرمایا کہ آپس میں ملے ہوئے ہیں۔

اَلْغَرَض! غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ ایک روٹی کی تیاری میں ہزار سے بھی زائد کاریگروں کی ضرورت پیش آتی ہے کہ ابتدا اس فِرِشتے سے ہوتی ہے جو بادلوں کو کھینچ کر لاتا ہے تاکہ پانی برسے پھر گندم تیار ہونے تک فِرِشتے مُعاوِن ہوتے ہیں، اس کے بعد انسانی عمل کی باری آتی ہے تو ہزاروں کاریگر کام کرتے ہیں، ہر کاریگر مخلوق کی ضرورت سے متعلق ایک خاص کام پر متعین ہوتا ہے۔ انسانی عمل کی کثرت سے ان آلات کے عمل کا اندازہ لگایئے کہ انہوں نے کتنا کام کیا۔ سوئی کی تیاری کے مراحل پر غور فرمایئے کہ یہ ایک چھوٹا سا آلہ ہے لباس کی سلائی وغیرہ کا فائدہ دیتا ہے، لباس سردی سے محفوظ رکھتا ہے۔ لوہے سے سوئی

مکمل شکل اختیار کرنے میں سوئی بنانے والوں کے ہاتھوں سے کئی کئی مراحل سے گزرتی ہے اور ہر بار کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا ہے۔ اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ مختلف شہر والوں کو ایک دوسرے کا وسیلہ نہ بناتا اور بندوں کو پابند نہ فرماتا تو انسان کی ساری عمر گندم کاٹنے کے لئے صرف ایک درانتی بنانے میں خرچ ہو جاتی اور درانتی بھی نہ بن پاتی مگر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی شان دیکھئے کہ اس نے انسان کو ناپاک نُطفے سے پیدا کرنے کے باوُجود کیسے کیسے عجیب و غریب آلات بنانے کے گُر بتادیئے مثلاً قینچی کو دیکھئے کہ اس کے دو پلے ایک دوسرے سے چمٹے ہوتے ہیں مگر چیز کو لیتے ہی تیزی سے کاٹ دیتے ہیں۔ اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے فضل و کرم سے ہمیں اس کے بنانے کا طریقہ نہ بتاتا تو ہم اپنی سوچ سے اس کو بنانے پر مجبور ہوتے اور ہمیں پتھر سے لوہا نکالنا پڑتا پھر قینچی بنانے والے آلات کی ضرورت بھی پیش آتی پھر اگر ہمیں حضرت سیِّدُنا نوح عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُوَالسَّلَام کے برابر (ہزار سالہ) زندگی حاصل ہوتی اور نہایت کامل بصیرت بھی دی جاتی تو بھی ہم قینچی بنانے کا طریقہ معلوم نہ کرپاتے دوسری اشیاء بنانے کی بات تو دور کی ہے۔ پاکی ہے اسے جس نے بے بصیرت لوگوں میں کامل بصیرت والوں کو بھی شامل کر دیا اور اس بیان کے اظہار سے روک دیا۔

غور فرمایئے! اگر کسی شہر میں لوہار یا آٹا پیسنے والا یا پچھنے لگانے جیسے کم تر کام کرنے والا نہ ہوتا یا کوئی جلاہا یا کسی بھی قسم کا کوئی کاریگر نہ ہوتا تو انسان کو کتنی پریشانی کا سامنا ہوتا؟ انسان تمام کاموں میں کس قدر اِضطراب کا شکار ہو جاتا؟ پاکی ہے اس ذات کو جس نے ایک انسان کو دوسرے کے لیے مُسَخَّر فرمایا اسی سے اس کی مَشِیَّتِ نافِذہ اور حِکْمَتِ کامِلہ کا پتا چلتا ہے۔

اس سلسلے میں بھی ہم نے مختصر کلام کیا کیونکہ ہماری غرض آگاہی ہے، تمام نعمتوں کا اِحاطہ مقصود نہیں۔

مصلحین کی اصلاح کے ضمن میں نعمتیں:

اگر غذا وغیرہ تیار کرنے والوں کی آراء مختلف ہو جائیں یا وحشیوں کی طرح ان کی طبیعتوں میں نااتفاقی کی فضا پھیل جائے تو ایک دوسرے سے دوری پیدا ہو جائے گی۔ جس طرح وحشی ایک دوسرے کو نفع پہنچانے کا ذہن نہیں رکھتے اور ایک جگہ رہ نہیں پاتے نیز کسی مقصد پر مُتَّحِد نہیں ہوتے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اس نعمت پر غور کیجئے کہ اس نے لوگوں کے دلوں کو کس طرح مِلا کر آپس میں اُلفت و محبت پیدا فرمادی۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ (پ۱۰، الانفال: ۶۳)

ترجمۂ کنزالایمان: اگر تم زمین میں جو کچھ ہے سب خرچ کر دیتے ان کے دل نہ ملا سکتے لیکن اللہ نے ان کے دل ملا دیئے۔

تو اسی اُلفت ومحبت اور ارواح کے باہمی تعارُف کی وجہ سے لوگ متحد ومدد گار ہو گئے اور انہوں نے ویرانوں کو آباد کر کے شہر بسائے، بستیاں آباد کیں، ایک دوسرے سے متصل گھر تعمیر کئے، بازار اور دکانیں بنائیں، کئی کئی قسم کے کارخانے بنائے۔

حکمرانوں کے ذریعے رعایا کی اصلاح:

پھر یہ محبت ان کاموں میں ختم ہو گئی جن میں مقابلہ اور سبقت کی جاتی ہے چونکہ انسانی فطرت میں حرص و حسد اور غضب وغصہ بھی ہے اس لئے آپس میں یہ لڑائی جھگڑے بھی کرتے ہیں۔ بسا اوقات یہی لڑائی جھگڑے قتل وغارت کا باعث بن جاتے ہیں۔ غور فرمایئے! کس طرح اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان پر حکمرانوں کو مُسَلَّط کیا، انہیں قوت و ہتھیار فراہم کئے، رعایا کے دلوں میں ان کا رُعب ودبدبہ ڈالا تاکہ وہ نظم وضبط کے مُعاملے میں خوشی وناخوشی سے احکامات پر عمل کریں نیز اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حکمرانوں کو مُلک ومِلَّت کے نظم وضبط دُرُست رکھنے کا سلیقہ بتایا تو انہوں نے ملک کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا۔ یہ حصے ایک دوسرے کے لئے مددگار ثابت ہوتے ہیں جس طرح جسم کے مختلف اعضاء ایک دوسرے کے لئے مددگار ہوتے ہیں۔ یہی حکمران ہر شہر میں قاضی وحاکم وغیرہ مقرر کرتے ہیں تاکہ یہ لوگوں کو عدل وانصاف پر مبنی قوانین کی پابندی کروائیں۔ حکمرانوں نے لوگوں کو باہمی تعاون کا پابند بنایا حتّٰی کہ لوہار، قصاب اور نانبائی تمام شہر والوں سے نفع اٹھانے لگے اور شہر والے ان سے نفع حاصل کرنے لگے۔ حجام کسان کے ذریعے اور کسان حجام کے ذریعے نفع اٹھانے لگا۔ حکمرانوں کی ترتیب اور نظم وضبط کے مطابق یہ نفع اندوزی ایسے ہی ہے جیسے تمام جسمانی اعضاء ایک دوسرے سے تعاون کرتے اور نفع اٹھاتے ہیں۔

انبیا عَلَیْهِمُ السَّلَام کے ذریعے حکمرانوں کی اصلاح:

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے احسان پر غور کیجئے کہ اس نے انبیائے کرام عَلَیْهِمُ السَّلَام کو مَبْعُوث فرمایا تاکہ یہ مُقَدَّس

ہستیاں حکمرانوں کی اِصلاح فرمائیں اور انہیں رعایا کے ساتھ عدل وانصاف کے شرعی قوانین بتائیں اور انہیں رعایا کی نظم وضبط کے لئے ملکی معاملات سمجھائیں نیز ان پر حکومت وسلطنت کے احکام واضح فرمائیں اور دین ودنیا کی اصلاح کے لئے فقہی احکام ان پر واضح فرمائیں۔

نعمتِ وحی:

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اس نعمت پر غور کیجئے کہ کس طرح فِرشتوں کے ذریعے انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کو وحی فرمائی اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اُس نعمت پر غور کیجئے کہ کس طرح فِرشتے ایک دوسرے کی بھلائی چاہتے ہیں حتّٰی کہ یہ سلسلہ اُس مُقَرَّب فِرشتے تک پہنچا جس کے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔

غذا کی اصلاح اور اسکے آلات کی تیاری:

نانبائی روٹی کی تیاری واصلاح گوندھے ہوئے آٹے سے کرتا ہے۔ پِسائی کرنے والا اس کی اصلاح پیس کر کرتا ہے۔ کسان کھیتی کی اصلاح کاٹ چھانٹ کے ذریعے کرتا ہے۔ لوہار کاشتکاری کے آلات کی اصلاح کرتا ہے۔ لوہار کے تیار کردہ آلات کی مزید اصلاح بڑھئی کرتا ہے۔ اسی طرح تمام پیشہ ور حضرات اور کاریگر غذاؤں کی تیاری میں آنے والے آلات کی اصلاح کرتے ہیں۔ حکمران اپنے ماتحت کاریگروں کی اصلاح کرتے ہیں۔ انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام اپنے وارثین یعنی عُلَمائے کرام کی اصلاح فرماتے ہیں اور علمائے کرام حکمرانوں کی اصلاح فرماتے ہیں۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ فِرشتوں کے ذریعے انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کی جانب وحی فرماتا ہے حتّٰی کہ یہ سلسلہ باری تعالیٰ کی ذات تک پہنچ جاتا ہے جو ہر نظام وانتظام کی اصل ہے۔ یہ سب ربُّ الْاَرباب اور مُسَبِّبُ الْاَسْبَاب کی نعمتیں ہیں۔ اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے فضل وکرم سے یہ نہ فرماتا:

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ (پ۲۱، العنکبوت: ۶۹)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھادیں گے۔

تو ہمیں کسی نعمت کی پہچان حاصل نہ ہوتی اور اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ ہمیں نعمتیں شمار کرنے سے نہ روکتا تو ہمارے اندر ان کے شمار کرنے کا شوق پیدا ہوتا مگر اس نے اپنے غَلَبہ اور قدرت کے سبب اس فرمانِ پاک:

وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ (پ۱۴، النحل:۱۸) ترجمۂ کنزالایمان: اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو شمار نہ کر سکو گے۔

کے ذریعے منع فرمادیا۔ اگر ہم نے کچھ کلام کیا تو اسی کی اجازت سے کیا اور کرتے گئے۔ اگر ہم خاموش رہے تو اسی کے غلبہ وقدرت سے خاموش ہوئے کیونکہ جس چیز سے اللہ عَزَّوَجَلَّ روک دے اسے کوئی نہیں دے سکتا اور جو کچھ عطا کرے اسے کوئی روک نہیں سکتا اس لئے کہ ہم زندگی کے ہر ہر لمحے میں دل کے کانوں سے ربّ تعالیٰ کا یہ کلام سنتے ہیں:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۱۶﴾ (پ۲۴، المؤمن:۱۶) ترجمۂ کنزالایمان: آج کس کی بادشاہی ہے، ایک اللہ سب پر غالب کی۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ہے جس نے ہمیں کفار سے ممتاز کرتے ہوئے زندگی ہی میں یہ فرمان سنادیا۔

تخلیقِ ملائکہ میں نعمتِ خداوندی:

واضح ہو کہ انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام تک خیر اور وحی پہنچانے کے اعتبار سے فِرشتوں کی پیدائش نعمت ہے جیسا کہ پہلے گزرا۔ آپ یہ گمان نہ کرلیجئے گا کہ ان کا صرف یہی کام ہے کہ انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام تک خیر اور وحی پہنچانے کا واسطہ بنیں بلکہ فِرشتے کثرتِ تعداد اور مَراتب کے اعتبار سے تین طَبقات میں تقسیم ہیں: (۱)...زمینی فرشتے (۲)...آسمانی فرشتے (۳)...عرش کو اٹھانے والے فرشتے۔ غور فرمائیے کہ کس طرح اللہ عَزَّوَجَلَّ نے کھانے اور غذا سے متعلق اُمور پر ان فرشتوں کو مُقرَّر فرمایا ہے۔ یہاں رُشد و ہدایت پر مقرر فرشتے ہماری گفتگو کا حصہ نہیں۔

فرشتوں کی صورت میں نعمتیں:

یاد رہے! انسانی جسم یا نباتات کے جسم کا کوئی جز اس وقت تک غذا حاصل نہیں کر سکتا جب تک اس پر کم سے کم سات فرشتے مقرر نہ ہوں جبکہ زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ غذا کا معنٰی یہ ہے کہ غذا کا جُز اس جُز کے قائم مقام بنے جو ضائع ہو گیا ہے اور یہی غذا آخری مرحلے میں خون بن جاتی ہے پھر گوشت اور ہڈی بن جاتی ہے۔ گوشت اور ہڈیوں کی شکل اختیار کرنے کے بعد یہ کامل غذائیت بن جاتی ہے۔ خون اور گوشت دونوں

اجسام کی شکل میں ہوتے ہیں جنہیں طاقت، مَعرِفت اور اختیارات حاصل نہیں ہوتے۔ یہ خود بخود حرکت کرسکتے ہیں نہ کسی شکل میں تبدیل ہوسکتے ہیں اور محض طبیعت کے تقاضے کے سبب غذا مختلف شکلوں میں تبدیل نہیں ہوسکتی جیسا کہ گندم خود بخود پس جائے پھر آٹے کی شکل میں تبدیل ہوجائے اور آٹا روٹی کی صورت میں بدل جائے تو یہ ممکن نہیں بلکہ اس کے لئے کسی عمل کرنے والے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح خون بھی خود بخود گوشت، ہڈیاں، رگیں اور پٹّھے نہیں بنتا بلکہ کسی بنانے والے کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ باطنی کام فرشتے انجام دیتے ہیں جیسا کہ شہر والوں کے ظاہری کام کاج کاریگر انجام دیتے ہیں۔ غور فرمائیے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انسان پر ظاہری اور باطنی ہر قسم کی نعمتوں کا فیضان فرمایا تو انسان کو ان نعمتوں سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔

سیِّدُنا امام غزالی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ کی تحقیق:

میرے نزدیک گوشت اور ہڈی تک غذا پہنچانے کے لئے ایک فرشتہ مقرر ہونا ضروری ہے کیونکہ غذا خود بخود حرکت نہیں کرتی نیز دوسرا فِرشتہ گوشت اور ہڈی میں غذا روکنے کے لئے مقرر ہوتا ہے۔ تیسرا فرشتہ غذا سے خون بناتا ہے۔ چوتھا فِرشتہ اس خون کو گوشت، رگ اور ہڈی وغیرہ میں تبدیل کرتا ہے۔ پانچواں فرشتہ زائد غذا کو دور کرتا ہے۔ چھٹا فرشتہ ہڈی بننے کی صلاحیت رکھنے والی اشیاء کو ہڈی سے ملاتا ہے۔ گوشت بننے والی اشیاء کو گوشت سے ملاتا ہے تاکہ یہ علیحدہ نہ ہوجائیں۔ ساتویں فرشتے کا کام ان کو ملانے میں جسمانی مقدار کی رعایت کرنا ہے یعنی گول چیز کو اس طرح ملائے کہ گولائی زائل نہ ہو۔ چوڑی چیز کو اس طرح ملائے کہ چوڑائی باقی رہے۔ کھوکھلی اور خلا رکھنے والی چیز کو اس طرح ملائے کہ کھوکھلاپن اور خلا باقی رہے یعنی ہر عضو میں اس کی ضرورت کو پیشِ نظر رکھے مثلاً اگر بچے کی ناک پر ران کے برابر گوشت رکھ دیا جائے تو ناک بڑی ہوجائے گی اور خلا ختم ہوجائے گا نیز شکل وصورت بگڑ جائے گی۔ اسی لئے ہر عضو مناسب چیزوں پر مشتمل ہونا چاہئے مثلاً پلکیں باریک، آنکھ کے ڈھیلے میں صفائی، رانیں موٹی، ہڈیاں سخت ہوں تو اس طرح ہر عضو مناسب مقدار اور شکل میں ہوں گے ورنہ صورت بگڑ جائے گی اور بعض جسمانی اعضاء بڑھ جائیں گے اور بعض کم ہوجائیں گے۔ اگر اس فرشتہ کے ذریعے معتدل تقسیم عمل میں نہ آتی کہ بچے کا ہر عضو بڑھتا جاتا اور ایک پاؤں جس طرح بچپن میں کمزور اور چھوٹا تھا ویسے ہی رہتا تو آپ ایک نئی مخلوق کو دیکھتے

جس کا ایک پاؤں بچے کی طرح ہوتا اور بقیہ جسامت مرد کی طرح۔ چونکہ اس صورت میں انسان اپنے ایک پاؤں سے نفع حاصل نہیں کرپاتا لہٰذا جسمانی مقدار کی رعایت کے لئے ایک فرشتہ مقرر کیا گیا۔

یہ گمان نہیں کرنا چاہئے کہ خون خود سے شکل بدل لیتا ہے کیونکہ ایسے کاموں کو طبعی معاملہ قرار دینے والا جاہل ہے وہ جانتا ہی نہیں کہ کیا کہہ رہا ہے جبکہ یہ تو زمینی فِرشتوں کا عمل ہے۔ آپ نیند کی حالت میں آرام کررہے ہوں یا غفلت میں اِدھر اُدھر پھر رہے ہوں یہ فِرشتے ہر حال میں آپ کی غذا کی اصلاح کررہے ہوتے ہیں مگر آپ ان سے بے خبر رہتے ہیں۔ یہ جسم کے تمام اجزا میں اصلاحی عمل کرتے ہیں حتّٰی کہ بعض اجزا مثلاً آنکھ اور دل وغیرہ سو سے زائد فرشتوں کے محتاج ہیں۔ ہم نے اختصار کے پیشِ نظر اس تفصیل کو چھوڑ دیا ہے۔

آسمانی فرشتے زمینی فرشتوں کی مدد کرتے ہیں۔ اس مدد کی کیفیت و ترتیب کی حقیقت اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی جانتا ہے اور آسمانی فرشتوں کو عرش اٹھانے والے فرشتوں سے مدد حاصل ہوتی ہے اور ان سب کو خالقِ کائنات عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ سے مدد و ہدایت اور دُرُستی کی نعمتیں ہر لمحے مل رہی ہیں۔

اَحادیثِ مُبارَکہ سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ فرشتے زمین و آسمان اور نباتات و حیوانات کے اجزاء حتّٰی کہ بارش کے ہر قطرے اور بادلوں پر مقرر ہیں۔ چونکہ اس بارے میں بے شمار احادیثِ مُبارَکہ ہیں اسی لئے ہم نے انہیں ذکر نہیں کیا۔

فرشتوں کی کثرت کیوں؟

ان تمام افعال کے لئے ایک ہی فِرِشتہ کیوں مُقَرَّر نہیں کیا گیا؟ سات فَرِشتوں کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ گندم کو غذا بنانے میں کئی مراحل کا سامنا ہوتا ہے مثلاً پیسنا، آٹا چھاننا، اس میں پانی ڈالنا، گوندھنا، گول گول پیڑے بنانا، اس کے بعد اسے روٹی کی شکل دینا پھر اسے تَنُّور میں لگانا۔ یہ تمام مراحل ایک ہی شخص طے کرسکتا ہے تو کیا ایک فرشتہ یہ تمام مَراحِل اکیلے طے نہیں کرسکتا؟

جواب: انسان اور فرشتوں کی تخلیق میں بڑا فرق ہے۔ ہر فِرِشتہ ایک خاص وصف کا حامل ہوتا ہے، انسان کی طرح انہیں دیگر اوصاف نہیں دیئے جاتے اور ہر ایک پر اس کے وصف کے مطابق ہی کام مقرر ہوتا ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ارشاد گرامی میں اسی کی طرف اشارہ ہے:

وَ مَامِنَّاۤ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾ (پ۲۳، الصفت: ۱۶۴)

ترجمۂ کنزالایمان: اور فرشتے کہتے ہیں ہم میں ہر ایک کا ایک مقام معلوم ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فَرِشتے آپس میں لڑنے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ ان کی مثال حواسِ خمسہ کی طرح ہے کہ ہر فرشتے کا ایک مقام اور مخصوص کام ہے جیسا کہ دیکھنے کی قوت آواز کے معاملے میں سننے کی قوت میں مُداخلَت نہیں کرتی۔ سونگھنے اور سننے کی قوت دیکھنے کی قوت سے مُتَصادِم ہوتی ہے نہ ہی ان دونوں سے دیکھنے کی قوت ٹکراتی ہے نیز حواس خمسہ دیگر اعضاء کی طرح بھی نہیں کیونکہ بعض اوقات ہاتھ کی جگہ پاؤں کی انگلیوں سے اشیاء پکڑی جاتی ہیں اگرچہ گِرِفت کمزور ہوتی ہے مگر پاؤں ہاتھ کے کام میں شریک ضرور ہوجاتا ہے۔ عموماً کسی کو مارنے کا کام ہاتھ سے لیا جاتا ہے مگر کبھی کبھی سر بھی استعمال کر لیا جاتا ہے تو اس طرح ہاتھ کے کام میں سَر شریک ہو گیا حالانکہ مارنے کا آلہ ہاتھ تھا۔ حواسِ خمسہ انسان کی طرح بھی نہیں کیونکہ ایک شخص کئی کام کر سکتا ہے مثلاً آٹا پیسنا، گوندھنا اور روٹی پکانا جبکہ ایک حس فقط ایک کام کر سکتی ہے مثلاً آنکھ سے صرف دیکھ سکتے ہیں، سن نہیں سکتے۔ انسان کا یہ وصف اِعتدال سے اِنحراف پر دلالت کرتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی طبیعت کئی قسم کی ہے تو طبیعت ایک نہ رہنے کی وجہ سے عمل بھی ایک نہ رہا۔ اسی سبب سے انسان کبھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی فرمانبرداری کرتا ہے اور کبھی نافرمانی کیونکہ اس کی کئی طبیعتیں ہیں جبکہ فرشتوں کی طبیعتوں میں یہ ممکن نہیں ہے بلکہ ان کی تخلیق فطری طور پر اطاعتِ خُداوندی پر کی گئی ہے۔ ان سے نافرمانی کی گنجائش ہی نہیں یقیناً یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انہیں حکم ہو وہی کرتے ہیں، رات دن اس کی پاکی بولتے ہیں اور سستی نہیں کرتے۔ ان میں بعض ایسے ہیں جو ہمیشہ رکوع میں ہوتے ہیں بعض ایسے ہیں جو ہمیشہ سجدہ کی حالت میں رہتے ہیں جبکہ بعض ایسے ہیں جو ہمیشہ حالتِ قیام میں رہتے ہیں۔ ان کے افعال میں تبدیلی ہوتی ہے نہ ہی یہ کوتاہی کرتے ہیں ہر ایک کا مقرر کام اور مقام ہے وہ اس سے تجاوُز نہیں کرتا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی فرمانبرداری میں کسی طرح بھی ان کی جانب سے مخالفت متصوَّر نہیں۔ فرشتوں کی اطاعت کو انسانی اعضاء کے ساتھ تشبیہ دے سکتے ہیں یعنی جس طرح اعضاء انسان کی حکم عدولی نہیں کرتے فرشتے بھی اپنے ربّ کی حکم عدولی نہیں کرتے مثلاً انسان پلکیں

کھولنا چاہے تو صحیح سالم پلکوں کو اس میں کوئی تَرَدُّد اور اختلاف نہیں ہو سکتا بلکہ یہ تو کھلنے اور بند ہونے کے معاملے میں انسان کے ارادوں اور اشاروں کی منتظر رہتی ہیں۔ البتہ یاد رہے یہ تشبیہ ہر طرح سے دُرُست نہیں کیونکہ پلکوں کو اپنی حرکت کا علم نہیں ہوتا جبکہ فرشتوں میں حیات ہے اور وہ اپنے عمل کا علم رکھتے ہیں۔

غور فرمایئے! اللہ عَزَّوَجَلَّ نے زمین و آسمان کے فرشتوں کے ذریعے صرف کھانے پینے کی اشیاء میں اس قدر نعمت عطا فرمائی ہے تو باقی حرکات و حاجات میں نعمتوں کا کیا عالم ہو گا؟ ہم باقی نعمتوں کا ذکر کر کے کلام طویل نہیں کریں گے کیونکہ جب ایک طبقہ کی نعمتوں کا شمار ممکن نہیں ہے تو تمام طَبَقات کی نعمتوں کا شمار کیسے ممکن ہو گا؟

ظاہری و باطنی نعمتیں:

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انسان کو ظاہری اور باطنی نعمتوں سے نوازا اور پھر ارشاد فرمایا:

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ (پ۸، الانعام: ۱۲۰) ترجمۂ کنزالایمان: اور چھوڑ دو کھلا اور چھپا گناہ۔

باطنی گناہوں سے مراد حسد، بدگمانی، بِدْعَتِ سَیِّئَہ، دل میں کسی کے لئے مُخالَفت اور بُرائی چھپائے رکھنے جیسی باطنی بیماریاں ہیں جنہیں لوگ پہچان نہیں پاتے۔ ان گناہوں کو چھوڑ دینا حقیقت میں باطنی نعمتوں کا شکر ہے اور ظاہری گناہوں کو چھوڑ دینا ظاہری نعمتوں کا شکر ہے۔

پلک جھپکنے کی مقدار نافرمانی:

اگر کوئی شخص پلک جھپکنے کی صورت میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی کرے یعنی بد نگاہی کرے تو میرے نزدیک اس نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی تمام زمینی و آسمانی نعمتوں کی ناشکری کی کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جو کچھ بھی پیدا کیا ہے مثلاً: فرشتے، زمین و آسمان، حیوانات و نباتات یہ سب کچھ بندوں پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمتیں ہیں کہ ان نعمتوں کا نفع بندوں سے وابستہ ہوتا ہے اگرچہ دیگر مخلوق بھی ان سے نفع اٹھاتی ہے۔

پلکوں میں موجود نعمتیں:

پَلَک جھپکنا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمت ہے ہی نیز دو نعمتیں پلکوں میں بھی شامل ہیں کیونکہ ہر پلک کے نیچے دماغ

کے اعصاب سے مُتَّصِل کچھ گوشت اور پٹّھے ہیں، ان کے ذریعے اوپر والی پلک جھپکتی اور نیچے والی پلک اٹھتی ہے، ہر پلک پر سیاہ بال ہیں، ان کے سیاہ ہونے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمت یہ ہے کہ وہ آنکھ کی روشنی کو جمع رہنے دیتی ہے جبکہ سفیدی روشنی کو پھیلاتی ہے۔ ان بالوں کا ایک ترتیب کے ساتھ ہونا بھی نعمت ہے کیونکہ اس سے نگاہوں کی حفاظت ہوتی ہے نیز ہوا میں اڑنے والے گرد وغبار اور کیڑے مکوڑے آنکھوں میں نہیں جاسکتے۔ پھر پلکوں کے ہر بال میں دو نعمتیں ہیں یعنی بالوں کی جڑوں کا نرم ہونا اور نرمی کے باوجود کھڑا رہنا۔ اوپر نیچے کی پلکیں مل کر جال بن جاتے ہیں یہ بہت بڑی نعمت ہے اس لئے کہ بعض اوقات ہوا میں اڑتا غبار آنکھ کھلنے میں رکاوٹ بنتا ہے اگر آنکھیں بند کرلی جائیں تو کچھ نظر نہ آئے۔ اوپر نیچے کی پلکوں کو جال بنا کر اس وقت اتنی مقدار میں آنکھ بند کرسکتا ہے کہ ان کی آڑ میں سے دیکھ سکے یوں اشیاء نظر بھی آئیں گی اور غُبار وغیرہ سے آنکھ بھی محفوظ رہے گی۔ اگر آنکھ کی پُتلی تک غبار پہنچ بھی جائے تو ایک دو مرتبہ آنکھ بند کرنے کھولنے سے غبار زائل ہوجاتا ہے کیونکہ پلکوں کا کنارہ اور آنکھ کی پُتلی مل کر اسے آئینے کی طرح صاف وشَفّاف کردیتے ہیں۔

مکھی کی پلکیں نہیں ہوتیں:

مکھی کی آنکھوں پر پلکیں نہیں ہوتیں اسی لئے وہ ہمیشہ اپنی اگلی ٹانگوں سے آنکھیں مل کر غبار صاف کرتی ہے۔

ہم نعمتوں کا تفصیلی بیان نہ کرسکے کیونکہ یہ کتاب کے مقصود پر اضافہ کا باعث ہوتا اور کتاب مزید طویل ہوجاتی۔ اگر مُہلَت ملی اور توفیق شامِل حال رہی تو ہم ”عَجَائِبُ صَنْعِ الله“[1] نامی ایک الگ کتاب لکھیں گے۔ اب ہم دوبارہ اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں۔

تمام زمینی وآسمانی نعمتوں کا ناشکرا:

آنکھوں کے ذریعے نافرمانی کی بات چل رہی تھی مثلاً اگر کسی شخص نے غیر محرم عورت کو دیکھنے کے لئے آنکھ کھولی تو اس نے پلکوں کی صورت میں ملنے والی نعمتِ خداوندی کی ناشکری کی۔ غور فرمایئے! پلکیں

1... علامہ سیّد محمد مرتضٰی زَبیدی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: ”اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انہیں یہ توفیق دی اور انہوں نے یہ کتاب تالیف فرمائی۔ علامہ ابن سبکی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی نے اس کتاب کو امام غزالی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَالِی کی تصانیف میں شمار کیا۔“ (اتحاف السادة المتقين، ۱۱/ ۲۴۹)

آنکھوں کے بغیر، آنکھ سر کے بغیر، سر جسم کے بغیر، جسم غذا کے بغیر قائم نہیں اور غذا پانی، زمین، ہوا، بارش، بادل، چاند سورج کے بغیر قائم نہیں۔ ان میں سے کوئی بھی چیز آسمانوں کے بغیر قائم نہیں ہوتی اور کوئی آسمان فِرشتوں کے بغیر قائم نہیں ہوتا کیونکہ یہ سب ایک چیز کی مثل ہیں جیسے بدن کے اعضاء ایک دوسرے سے مل جل کر قائم ہیں ویسے ہی یہ سب ایک دوسرے سے مِل جُل کر قائم ہیں تو معلوم ہوا کہ کسی ایک نعمت کا ناشکرا تمام زمینی و آسمانی نعمتوں کا ناشکرا ہے۔ فِرشتے، حیوانات، نباتات، جَمادات ناشکرے شخص پر لعنت بھیجتے ہیں۔ مروی ہے کہ زمین کے جس حصے میں لوگ جمع ہوتے ہیں اور پھر جُدا ہوتے ہیں تو وہ حصہ اُن پر لعنت بھیجتا ہے یا اُن کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہے۔

ایک رِوایت میں ہے: اِنَّ الْعَالِمَ یَسْتَغْفِرُ لَہٗ کُلُّ شَیْءٍ حَتَّی الْحُوْتُ فِی الْبَحْرِ یعنی بے شک عالِم کے لئے ہر چیز بخشش مانگتی ہے حتّٰی کہ دریا میں مچھلیاں بھی۔[1]

بے شمار حدیثوں میں گناہ گاروں پر فِرشتوں کے لعنت کرنے کا ذکر موجود ہے۔[2] یہ احادیث اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ پلک جھپکنے بھر بھی نافرمانی کرنے والا تمام مُلک و مَلَکُوت کا مُجرِم ٹھہرتا ہے اور خود کو ہلاکت میں ڈالنے والا ہوتا ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص کسی گناہ کے بعد نیکی کرکے گناہ مٹا دے تو لعنت، اِستِغفار میں بدل جاتی ہے اور اُمید پیدا ہو جاتی ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کی توبہ قبول فرما کر اسے معاف کر دے۔

سیِّدُنا ایوب عَلَیْہِ السَّلَام کی جانب وحی:

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت سیِّدُنا ایوب عَلَیْہِ السَّلَام پر وحی نازل فرمائی کہ میرے ہر بندے کے ساتھ دو فرشتے ہوتے ہیں اور جب بندہ میری نعمتوں پر شکر ادا کرے تو دونوں فرشتے نعمت میں اضافے کی یوں دعا کرتے ہیں: "اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! اس کی نعمت میں اضافہ فرما، بے شک تو ہی حمد و شُکر کے لائق ہے۔" اے ایوب! تم بھی شکر کرتے رہو، میرے نزدیک شکر کرنے والوں کے بلند مرتبہ ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ میں ان کا شکر قبول کروں اور میرے فرشتے ان کے لئے دعا مانگیں۔ میرے شُکر گزار بندے جہاں رہتے

---

1 ...سنن الدارمی، المقدمۃ، فی فضل العلم والعالم، ۱/ ۱۱۰، حدیث: ۳۴۳

2 ... مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب النھی عن الاشارۃ... الخ، ص ۱۴۱۰، حدیث: ۲۶۱۶

ہیں وہاں کی زمین ان سے محبت کرتی ہے اگر یہ چلیں جائیں تو آثار و مقامات ان کی جدائی میں آنسو بہاتے ہیں۔

سانسوں میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمتیں:

آپ پلکوں کے متعلق نعمتوں کو جان چکے یونہی سانس لینے میں بھی دو نعمتیں ہیں مثلاً: آپ سانس باہر نکالتے ہیں تو دل میں موجود دھواں نکل جاتا ہے، اگر یہ نہ نکلے تو آدمی ہلاک ہو جائے۔ اسی طرح سانس اندر لیتے وقت تازہ ہوا دل میں پہنچتی ہے اگر سانس کے ذریعے ہوا نہ پہنچے تو دل اندرونی تپش سے جل جائے اور انسان ہلاک ہو جائے۔ دن رات ملا کر 24 گھنٹے بنتے ہیں انسان ہر گھنٹے میں تقریباً ہزار بار سانس لیتا ہے، ہر سانس میں تقریباً 10 لمحے ہوتے ہیں گویا سانس کی صورت میں انسان پر ہر لمحے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی لاکھوں نعمتیں نازل ہوتی ہیں۔ فقط انسان ہی پر نہیں بلکہ عالَم کے ہر ہر جز میں بے شمار نعمتیں پائی جاتی ہیں۔ غور فرمایئے! کیا انہیں شمار کرنے کا تصور کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

سَیِّدُنا موسٰی عَلَیْہِ السَّلَام کا طریقۂ شکر:

جب حضرت سیدنا موسٰی عَلَیْہِ السَّلَام پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمان:

وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَاؕ (پ۱۴، النحل: ۱۸)

ترجمۂ کنز الایمان: اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو انہیں شمار نہ کر سکو گے۔

کی حقیقت ظاہر ہوئی تو آپ عَلَیْہِ السَّلَام عرض گزار ہوئے: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! میں تیرا شکر کس طرح ادا کروں؟ میرے جسم کے ہر بال میں تیری دو نعمتیں ہیں کہ تو نے اس کی جڑ کو نرم اور اس کے سرے کو جھکا ہوا کیا۔

روایت میں ہے کہ جو شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمتوں کو صرف کھانے پینے کی حد تک جانتا ہے اس کا علم کم اور عذاب قریب ہے۔

کھانے پینے کے متعلق جو کچھ بھی ہم نے لکھا ہے اسی سے دیگر نعمتوں کا اندازہ لگا لیجئے کیونکہ عقل مند شخص جب اِس عالم میں کسی چیز کو دیکھتا ہے یا اس کے دل میں کسی موجود شے کا خیال آتا ہے تو وہ اس میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمت تلاش کرتا ہے، اب ہم تفصیل کو موقوف کرتے ہیں کیونکہ غیر مقصود کی خواہش بے فائدہ ہے۔

تیسری فصل: شکرِ نعمت سے دور کرنے والے اسباب

جان لیجئے! جہالت اور غفلت ہی انسان کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے سے عاجز کرتے ہیں کیونکہ نعمت کا شکر نعمت پہچاننے کے بعد ہی ہوتا ہے جسے وہ جہالت اور غفلت کی وجہ سے پہچان نہیں پاتا پھر اگر نعمت کی پہچان حاصل کر بھی لے تو "اَلْحَمْدُ لِلّٰہ" یا "اَلشُّکْرُ لِلّٰہ" جیسے الفاظ کہہ لینے ہی کو کافی سمجھتا ہے اور شکر کا مطلب نہیں جانتا کہ نعمت اللہ عَزَّوَجَلَّ کی فرمانبرداری میں استعمال کی جائے یعنی نعمتوں کے ذریعے اطاعتِ الٰہی کی حکمت پیشِ نظر رہے۔ البتہ! نعمت کی پہچان اور شکر کا معنٰی سمجھ لینے کے بعد بھی شکر ادا نہ کرنا شہوت کا غلبہ اور شیطان کا تَسَلُّط ہے۔

نعمت سے غفلت کے اسباب:

نعمتوں سے غفلت کے کئی اسباب ہیں۔ ایک سبب یہ ہے کہ لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے ان چیزوں کو نعمت نہیں سمجھتے جو ہر ایک کو تمام حالات میں میسر ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان نعمتوں کا بھی شکر ادا نہیں کرپاتے چونکہ یہ نعمتیں تمام لوگوں میں یکساں استعمال ہوتی ہیں لہٰذا ہر ایک نہ تو اپنے ساتھ ان نعمتوں کے تعلق کو سمجھ پاتا ہے اور نہ انہیں نعمت شمار کرتا ہے۔

مثلاً: لوگ ہوا (آکسیجن) پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ادا نہیں کرتے حالانکہ (یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ) اگر کچھ دیر کے لئے کسی کا گلا دبا دیا جائے یہاں تک کہ ہوا کی آمد و رفت بند ہو جائے تو وہ شخص مر جائے یا کسی کو ایسے حمام میں بند کر دیا جائے جس میں گرم ہوا ہو (اور نکلنے کا راستہ نہ ہو) یا ایسے کنویں میں قید کر دیا جائے جس میں تری کی وجہ سے بدبودار ہوا ہو تو وہ شخص دم گھٹنے کی وجہ سے مر جائے۔

اگر کوئی شخص ان مصیبتوں میں مبتلا ہو جائے پھر ان سے نجات پائے تو سمجھ جاتا ہے کہ ہوا نعمت ہے اور اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ادا کرتا ہے۔ یقیناً یہ بڑی جہالت کی بات ہے کہ نعمت زائل ہونے کے بعد دوبارہ ملے تب شکر کیا جائے حالانکہ نعمت کا ہر حال میں شکر کرتے رہنا چاہیئے۔ آپ نے اسی بصارت والے کو شکر ادا کرتے دیکھا ہو گا کہ جو پہلے اندھا تھا پھر اسے بینائی لوٹائی گئی تو اسے قوت بصارت کے نعمت ہونے کا احساس ہوا اور شکر ادا کرتے ہوئے قوت بصارت کو نعمت شمار کیا۔

رحمت و نعمت سے غافل شخص کی مثال:

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت وسیع ہے، اس کی نعمتیں تمام مخلوق میں عام ہیں، مخلوق لمحہ بہ لمحہ ان سے نفع اٹھا رہی ہے لیکن شکر سے غافل شخص اسے پہچان نہیں پاتا۔ ایسے شخص کی مثال اس کم عقل غلام کی سی ہے جسے ہر وقت مار پڑتی ہے اگر کچھ دیر مار نہ پڑے تو شکر گزار رہے اور اگر بالکل ہی نہ مارا جائے تو اَکڑ جائے اور ناشُکرا بن جائے۔ اب تو لوگ مال کی نعمت پر ہی شکر ادا کرتے ہیں اور مال بھی وہ جو مخصوص طریقے سے حاصل ہو چاہے کم ہو یا زیادہ۔ ایسے لوگ اپنے اوپر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی دیگر نعمتوں سے غافل ہیں۔

حکایت: اِصلاح کا انوکھا انداز

منقول ہے کہ کسی شخص نے ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے اپنی تنگدستی کا شکوہ کیا اور اس سے ہونے والے رنج و غم کا اظہار کیا۔ انہوں نے اس سے پوچھا: کیا تمہیں 10 ہزار درہم کے بدلے اندھا ہونا قبول ہے؟ اس نے عرض کی: نہیں۔ پوچھا: کیا تمہیں دس ہزار درہم کے بدلے گونگا ہونا قبول ہے؟ اس نے عرض کی: نہیں۔ بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے پوچھا: کیا تمہیں 20 ہزار درہم کے بدلے دونوں ہاتھ اور پاؤں کٹوانا قبول ہے؟ اس نے عرض کی: نہیں۔ پوچھا: کیا تمہیں 10 ہزار درہم کے بدلے پاگل ہونا قبول ہے؟ اس نے عرض کی: نہیں۔ تب انہوں نے فرمایا: تمہیں حیا نہیں آتی کہ پچاس ہزار کا سامان ہونے کے باوُجود اپنے آقا و مولیٰ کی شکایت کر رہے ہو؟

حکایت: قاری صاحب کا قصہ

منقول ہے کہ ایک قاری صاحب شدید تنگدستی کا شکار ہو گئے یہاں تک کہ یہ معاملہ برداشت سے باہر ہو گیا، کسی نے خواب میں آکر کہا: کیا ہم تمہیں ایک ہزار دینار کے بدلے سورۂ انعام بھلا دیں؟ قاری صاحب نے کہا: نہیں۔ پھر پوچھا گیا: سورۂ ھود بھلا دیں؟ قاری صاحب نے کہا: نہیں۔ پھر پوچھا گیا: سورۂ یوسف بھلا دیں؟ قاری صاحب نے کہا: نہیں۔ خواب میں کہنے والے نے کئی سورتوں کے نام لئے پھر کہا: تمہارے پاس ایک لاکھ دینار ہے اور تم شکوہ کرتے ہو؟ قاری صاحب بیدار ہوئے تو تنگدستی کا غم دور ہو چکا تھا۔

حکایت: پوری سلطنت کی قیمت پانی کا ایک گلاس

حضرت سیِّدُنا ابنِ سماک رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کسی عباسی خلیفہ کے پاس تشریف فرما تھے۔ خلیفہ ہاتھ میں پانی کا گلاس تھامے عرض گزار ہوا: مجھے نصیحت فرمایئے؟ آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: سخت پیاس کی حالت میں اگر تمہیں یہ پانی کا گلاس تمام مال کے بدلے لینا پڑے تو کیا تم تمام مال دے کر پانی لو گے؟ خلیفہ نے عرض کی: جی ہاں۔ پوچھا: اگر اس پانی کے بدلے تمام حکومت چھوڑنی پڑے تو کیا تم حکومت چھوڑ دو گے؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ فرمایا: جس حکومت کی قیمت پانی کا ایک گلاس ہے اس پر تمہیں ذرا بھی خوش نہیں ہونا چاہئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ پیاس کے وقت ایک گھونٹ پانی مل جانا تمام زمین کی سلطنت و حکومت سے بڑی نعمت ہے۔ جب یہ معلوم ہو چکا کہ انسانی طبیعت عام نعمت کے بجائے خاص نعمت کو نعمت شمار کرتی ہے تو اب ہم نعمتِ خاصہ کی طرف مختصر سا اشارہ کریں گے جبکہ نعمت عامہ کا تذکرہ پیچھے کر چکے ہیں۔

کچھ خاص خاص نعمتیں:

کوئی بھی شخص گہرائی میں جا کر اپنا جائزہ لے تو معلوم ہو جائے گا کہ اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے ایک یا کئی نعمتیں ایسی ملی ہیں جن میں گنے چُنے لوگ شریک ہوں گے اور بعض مرتبہ تو کوئی بھی شریک نہیں ہوتا۔ ان خاص نعمتوں میں سے تین کا اعتراف ہر شخص کرتا ہے۔ (۱)... عقل (۲)... اَخلاق اور (۳)... اپنے اعمال کا علم۔

نعمتِ عقل کی وضاحت:

ہر انسان عقل کے متعلق اللہ عَزَّوَجَلَّ سے راضی دکھائی دیتا ہے۔ ہر شخص خود کو سب سے عقلمند تصور کرتا ہے۔ بہت کم لوگ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے عقل کا سوال کرتے ہیں۔ یہ عقل کی خصوصیت ہے کہ جس میں نہیں ہے وہ بھی خوش ہے اور جس میں ہے وہ بھی خوش ہے۔ بہر حال جس کا یہ گمان ہو کہ وہ سب سے زیادہ عقلمند ہے اور حقیقت بھی یہی ہو جیسا وہ گمان کرتا ہے تو اسے لازمی شکر ادا کرنا چاہئے۔ اگر اس کے گمان کے مطابق نہ ہو تب بھی اس پر شکر بجالانا ضروری ہے کیونکہ اس کے حق میں نعمت پائی جا رہی ہے جیسے کسی شخص نے زمین میں خزانہ دبایا اور خوشی سے شکر بجالایا۔ اب اگر کسی نے اس کا خزانہ نکال لیا اور اسے پتا نہیں چلا تب بھی وہ اپنے گمان کے مطابق خوش اور شکر گزار رہتا ہے کیونکہ اس کے گمان کے مطابق خزانہ موجود ہے۔

نعمتِ اخلاق کی وضاحت:

دوسری خاص نعمت حُسنِ اخلاق ہے۔ عموماً انسان دوسروں میں ایسے عیب دیکھتا ہے جنہیں وہ ناپسند کرتا ہے اور ایسے اخلاق دیکھتا ہے جن کی وہ مذمت کرتا ہے اور مذمت بھی یوں کرتا ہے کہ خود کو ان عیبوں سے پاک سمجھتا ہے۔ اگر کوئی شخص دوسرے کی مذمت میں مشغول نہ ہو تو اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے اسے اچھے اخلاق سے نوازا اور دوسروں کی طرح بُرے اخلاق میں مبتلا نہیں کیا۔

نعمتِ علم کی وضاحت:

تیسری خاص نعمت اپنے اعمال کا علم ہے۔ ہر شخص اپنے اندرونی خیالات اور خفیہ اَفکار کو اکیلا جانتا ہے۔ اگر حقیقت سے پردہ اٹھ جائے اور کوئی ان باتوں پر مُطَّلع ہو جائے تو اسے بدنامی کا سامنا کرنا پڑے۔ اگر پورے عالم پر آشکار ہو جائے تو کیسی بدنامی ہو گی؟ بہر حال ہر شخص کو اپنے خفیہ اعمال کا علم حاصل ہوتا ہے جسے اس کے سوا کوئی اور نہیں جانتا۔ جب معاملہ ایسا ہی ہے تو وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ادا کیوں نہیں کرتا جس نے اس کی برائیوں کی پردہ پوشی فرمائی اور اچھائیوں کو ظاہر کیا ہے۔ لوگوں کی نگاہوں سے اس کے مُعاملات کو پوشیدہ رکھ کر فقط اس تک ان باتوں کا علم محدود رکھا تاکہ کوئی دوسرا ان باتوں پر مُطَّلَع نہ ہو سکے۔

مذکورہ تینوں نعمتیں خاص ہیں۔ ہر شخص ان کی خصوصیت کا جُزوی یا کُلّی طور پر اِعتراف کرتا ہے۔

خاص نعمتوں کی ایک اور صورت:

مذکورہ تینوں نعمتوں کے علاوہ کچھ اور نعمتیں بھی ہیں جو گزشتہ تین کے مقابلے میں کچھ عام ہے۔ ہر انسان کو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے شکل وصورت، اَخلاق واوصاف، اہل وعیال، گھر، شہر، دوست واحباب، عزیز واقارب، عزت وجاہ وغیرہ کی صورت میں چند ایسی محبوب اشیاء دی ہیں کہ اگر اس سے چھین کر دوسروں کو دے دی جائیں تو وہ راضی نہیں ہو گا مثلاً: اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اسے مومن بنایا کافر نہ بنایا، حیات رکھی جمادات نہ بنایا، انسان بنایا جانور نہ بنایا، مرد بنایا عورت نہ بنایا، تندرست رکھا بیمار نہ بنایا، عیبوں سے محفوظ رکھا عیب دار نہیں بنایا۔ یہ سب خصوصی نعمتیں ہیں اگرچہ ہر ایک کو حاصل ہونے کے اعتبار سے عام ہیں۔

خصوصی نعمت وحالت کی علامت:

اگر ان کی جگہ ان کے مُخالِف احوال پیش کئے جائیں (مثلاً: تندرستی کی جگہ بیماری وغیرہ) تو کوئی بھی اس پر راضی نہیں ہوگا بلکہ بعض نعمتیں ایسی ہیں جنہیں کوئی کسی چیز کے بدلے بھی قبول نہیں کرے گا اور قبول نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یا تو خاص اسے یہ نعمت ملی ہے یا پھر زیادہ تر لوگوں کو یہ نعمت ملی ہے، جب کوئی شخص اپنی حالت کسی دوسرے سے بدلنا نہ چاہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ اس کی حالت دوسرے سے بہتر ہے اور جب کوئی شخص ایسا نہ ملے جو اپنی حالت کو مکمل طور پر یا جزوی طور پر بدلنا چاہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی وہ نعمتیں ہیں جو کسی اور کو میسر نہیں۔ البتہ اگر کوئی دوسروں کی بعض حالت سے اپنی حالت کو بدلنا چاہتا ہے اور بعض سے نہیں تو اسے ان لوگوں کی تعداد پر غور کرنا چاہئے یقیناً وہ دوسروں کی نسبت کم ہوں گے کیونکہ جو لوگ کمتر حالت میں ہیں وہ بہتر حالت والوں سے عموماً تعداد میں زیادہ ہوتے ہیں۔

کیا ہو گیا ہے انسان کو کہ خود سے بہتر کو دیکھ کر اپنے اوپر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمت کو حقیر سمجھتا ہے اور اپنے سے کمتر کو دیکھ کر نعمت کو عظیم نہیں سمجھتا، آخر کیا ہو گیا ہے انسان کو کہ اپنی دنیا کو دین کے ذریعے درست نہیں کر پاتا۔

شکر کی توفیق نہ ملنے کی وجہ:

کیا ایسا نہیں ہوتا کہ جب نفس کسی گناہ پر ملامت کرتا ہے تو لوگ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ گناہ گار اور فاسق لوگ کثرت سے ہیں، ایسے لوگ دین کے مُعاملے میں ہمیشہ اپنے سے بہتر کے بجائے کمتر کو دیکھتے ہیں جبکہ دنیاوی مُعاملے میں ایسا نہیں کرتے تو جب دینی معاملات میں اکثر لوگوں کی حالت ان سے بہتر ہو اور دنیاوی معاملات میں ان کی حالت دیگر لوگوں سے بہتر ہو تو شکر کی توفیق کیسے ملی گی؟

صابر وشاکر:

رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد ہے: جو شخص دنیاوی معاملات میں اپنے سے کمتر کو دیکھے اور دینی مُعاملات میں اپنے سے بہتر کی طرف نظر رکھے وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک صابر وشاکر ہوتا ہے اور جو شخص دنیاوی مُعاملات میں اپنے سے بہتر کو دیکھے اور دینی مُعاملات میں خود سے کمتر کو دیکھے وہ

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک صابر وشاکر نہیں ہوتا۔[1]

جو بھی اپنے حالات و مُعاملات کا بغور جائزہ لے اور خصوصی نعمتوں کے متعلق غور وفکر کرے تو دیکھ لے گا کہ اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بہت سی نعمتیں ہیں بالخصوص وہ جنہیں قرآن وسنت، علم وایمان، صحت و فراغت اور امن وامان جیسی نعمتیں حاصل ہیں۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

مَنْ شَآءَ عَيْشًا رَحِيْبًا يَسْتَطِيْلُ بِهٖ ... فِيْ دِيْنِهٖ ثُمَّ فِيْ دُنْيَاهُ اِقْبَالًا

فَلْيَنْظُرَنَّ اِلٰى مَنْ فَوْقَهٗ وَرَعًا ... وَّلْيَنْظُرَنَّ اِلٰى مَنْ دُوْنَهٗ مَالًا

ترجمہ: جو شخص من پسند زندگی کا طالب ہو، دین میں عزت اور دنیا میں سربلندی کا خواہاں ہو، اسے تقویٰ میں اپنے سے بہتر اور دولت میں اپنے سے کمتر کی طرف دیکھنا چاہئے۔

قرآن کے ذریعے غنا کے حصول پر پانچ فرامین مصطفےٰ:

﴿1﴾...مَنْ لَمْ يَسْتَغْنِ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ فَلَا اَغْنَاهُ اللّٰهُ یعنی جو شخص آیاتِ باری تعالیٰ کے ذریعے غنا نہیں چاہتا اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے غنی نہیں کرتا۔ اس میں نعمت علم کی طرف اشارہ ہے۔

﴿2﴾...اِنَّ الْقُرْاٰنَ هُوَ الْغِنٰى لَا غِنٰى بَعْدَهٗ وَلَا فَقْرَ مَعَهٗ یعنی بے شک قرآن کریم ہی وہ غنا جس کے ساتھ کوئی فقر ہے نہ اس کے بعد کوئی غنا۔[2]

﴿3﴾...جس شخص کو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قرآن پاک کا علم عطا فرمایا پھر بھی وہ دوسرے کو خود سے زیادہ غنی خیال کرے تو بے شک اس نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی آیات کا مذاق اڑایا۔[3]

﴿4﴾...لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ یعنی جس نے قرآن کریم کے ذریعے غنا حاصل نہ کیا وہ ہم میں سے نہیں۔[4] [5]

1...سنن الترمذی، کتاب صفة القیامة، باب (۱۲۳)، ۴/ ۲۲۹، حدیث: ۲۵۲۰، بتغیر قلیل

2...المعجم الکبیر، ۱/ ۲۵۵، حدیث: ۷۳۸، بتغیر

3...شعب الایمان، فصل فی التکثر بالقران والفرح بہ، ۲/ ۵۲۲، حدیث: ۲۵۹۰

4...بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: واسروا قولکم...الخ، ۴/ ۵۸۶، حدیث: ۷۵۲۷

5...مفسرِ شہیر، حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ الْقَوِی **مراٰۃ المناجیح، جلد3، صفحہ 266** پر اس کے تحت فرماتے ہیں: یَتَغَنّٰی یا تو غِناءٌ سے بنا ہے بمعنی خوش الحانی اور اچھے لہجے سے پڑھنا یا غَنا سے بنا ہے بمعنی بے پرواہی بے نیازی...

﴿5﴾...کَفٰی بِالْیَقِیْنِ غِنًیً یعنی یقین ہی غنی ہونے کے لئے کافی ہے۔[1]

کامل نعمت:

کسی بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے منقول ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنی نازل کردہ ایک کتاب میں فرماتا ہے: بے شک! میں نے جس بندے کو بادشاہ کے پاس جانے، طبیب سے دوا لینے اور دوسروں کے مال سے بے پروا کیا تو اسے اپنی کامل نعمت عطا کر دی۔

کسی شاعر نے اس کی یوں ترجمانی کی ہے:

اِذَا مَا الْقُوْتُ یَاْتِیْکَ کَذَا الصِّحَّۃُ وَالْاَمْنُ

وَاَصْبَحْتَ اَخَا حُزْنٍ فَلَا فَارَقَکَ الْحُزْنُ

ترجمہ: جب آپ کو رزق، صحت اور امن حاصل ہو جائے تب بھی آپ غمگین رہیں تو غم کبھی ختم نہیں ہو گا۔

بلکہ فصیح و بلیغ کلمات والی ذات یعنی سَیِّدِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس کی جانب یوں اشارہ فرمایا: جس نے قلبی سکون اور جسمانی صحت کے ساتھ صبح کی اور اس کے پاس دن بھر کی خوراک ہو تو گویا اس کے لئے ساری دنیا جمع کر دی گئی۔[2]

ناشکرے لوگ:

آپ لوگوں کے حالات کا جائزہ لیں گے تو انہیں ان تین نعمتوں پر شکر کے بجائے شکوہ کرتا پائیں گے

......یعنی جو شخص قرآن شریف خوش الحانی سے نہ پڑھے وہ ہمارے طریقہ سے خارج ہے معلوم ہوا کہ بُری آواز والا بھی بقدرِ طاقت عمدگی سے قرآن شریف پڑھے کہ خوش آوازی قرآنِ کریم کا زیور ہے جس سے تلاوت میں کشش پیدا ہوتی ہے لوگوں کے دل مائل ہوتے ہیں، اس لئے یہ تبلیغ کا ذریعہ ہے، یا جسے اللہ (عَزَّوَجَلَّ) قرآن کا علم دے اور وہ لوگوں سے بے نیاز نہ ہو جائے بلکہ اپنے کو ان کا محتاج سمجھے وہ ہمارے طریقہ یا ہماری جماعت سے خارج ہے عالِم صرف اللہ رسول (عَزَّوَجَلَّ وَصَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کا محتاج ہے اور باقی مخلوق عالِمِ دین کی حاجت مند ہے، اس لئے معلوم ہوا کہ قرآن پڑھ کر بھیک مانگنا یا عُلَماء کا مالداروں کے دروازوں پر ذِلّت سے جانا ممنوع ہے اللہ تعالٰی علمائے دین کو کفایت بھی دے قناعت بھی۔

1...شعب الایمان، باب فی الزھد وقصر الامل، ۷/ ۳۵۳، حدیث: ۱۰۵۵۶

2...سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب القناعۃ، ۴/ ۴۴۲، حدیث: ۴۱۴۱

اور ان تینوں کے علاوہ مزید کی حرص میں پریشان دیکھیں گے حالانکہ مزید کی حرص ان کے لئے نقصان دہ ہے۔ ایسے لوگ نہ تو ان تینوں نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں اور نہ ہی ایمان جیسی نعمت پر شکر ادا کرتے ہیں جس کے ذریعے دائمی نعمتوں اور بہت بڑی بادشاہی تک پہنچنا ہے۔

اصل دولت:

بصیرت والوں کو مَعرفت، یقین اور ایمان کی دولت پر ہی خوش ہونا چاہئے بلکہ ہم نے تو بعض ایسے علما دیکھے ہیں جنہیں اگر پوری دنیا کے حکمرانوں کی جانب سے نوکر چاکر، مال و دولت، مدد گار وغیرہ دے کر یہ کہا جائے کہ کچھ علم کے عوض یہ چیزیں لے لیں، تو وہ نہیں لیں گے کیونکہ انہیں امید ہے کہ آخرت میں علم کی نعمت قُربِ خُداوندی عَزَّوَجَلَّ تک پہنچائے گی بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ آخرت میں جس چیز کی آپ امید رکھتے ہیں وہ یقینی طور پر ملے گی بس یہ دنیاوی لذات علم کی لذت کے بدلے لے لیں تب بھی وہ کچھ نہیں لیں گے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ علم کی لذت دائمی ہے۔ یہ کبھی ختم نہ ہوگی ہمیشہ باقی رہے گی، چوری ہو سکتی ہے نہ چھینی جاسکتی ہے اور نہ ہی کوئی دوسرا اس میں اضافہ کر سکتا ہے۔ یہ ایسی صاف ہے جس میں کوئی گدلا پن نہیں جبکہ دنیا کی تمام لذات ناقص و فانی ہیں، گدلی ہیں اور تشویش ناک ہیں جن کے چلے جانے کا خوف ملنے کی امید سے زیادہ ہے، تکلیف لذت سے زائد اور غم راحت سے بڑھ کر ہے۔ شروع سے لے کر اب تک یہ سلسلہ چلا آرہا اور جب تک یہ دنیا باقی ہے یہ سلسلہ چلتا رہے گا کیونکہ دنیاوی لذات اس لئے پیدا کی گئی ہیں تاکہ ناقص عقل والے دھوکا کھا کر ان میں پھنس جائیں پھر جب یہ پھنس جاتے ہیں تو یہ لذتیں ان کی نافرمانی اور بغاوت کرتی ہیں جیسے کوئی خوبصورت عورت کسی شہوت پرست غافل جوان کے لئے خوب بناؤ سنگھار کرتی ہے، جب وہ اس کی زلفوں کا اسیر بن جاتا ہے تو اس کی نافرمانی کرتے ہوئے چھپ جاتی ہے یوں وہ مسلسل پریشانی اور غم کا شکار ہو جاتا ہے۔ اُسے ان مصیبتوں کا سامنا نظر کے دھوکے کی وجہ سے پیش آیا لہٰذا اگر عقل سے کام لیتا، نگاہیں نیچی رکھتا اور اس لذت کو حقیر جانتا تو ساری زندگی ان مصیبتوں سے محفوظ رہتا۔ یوں دنیا دار دنیا کے جال میں پھنس جاتے ہیں اور اس کے ہتھکنڈوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔

تکلیف میں کون؟

یہ کہنا مناسب نہیں ہے کہ دنیا سے منہ پھیرنے والے لوگ صبر کر کے اذیت میں مبتلا رہتے ہیں کیونکہ دنیادار بھی اس کی حفاظت کرنے، اسے پانے اور اسے چوروں سے بچانے کی تکالیف برداشت کر کے اذیت میں مبتلا رہتے ہیں اور دنیا سے منہ پھیرنے والے کی اذیت آخرت میں لذت کی طرف لے جاتی ہے جبکہ دنیادار کی اذیت آخرت میں تکلیف کی طرف لے جاتی ہے۔ دنیا سے منہ پھیرنے والوں کو چاہئے کہ اس آیت مبارکہ کو پڑھیں:

وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ یَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَ تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا یَرْجُوْنَ ؕ (پ۵، النساء: ۱۰۴)

ترجمۂ کنزالایمان: اور کافروں کی تلاش میں سستی نہ کرو اگر تمہیں دکھ پہنچتا ہے تو انہیں بھی دکھ پہنچتا ہے جیسا تمہیں پہنچتا ہے اور تم اللہ سے وہ امید رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ لوگوں پر شکر کا راستہ اس لئے تنگ ہو گیا ہے کہ وہ ظاہری و باطنی اور خاص و عام نعمتوں سے ناواقف ہیں۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

شکرِ نعمت سے غافل دلوں کا علاج کیا ہے؟ تاکہ غافل دل اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمتوں کا احساس کر کے شکر بجالائیں۔

جواب: بصیرت والے دل تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ان عام نعمتوں میں بھی غور و فکر کر کے شکر ادا کر لیتے ہیں جن کا ہم اشارہ کر چکے ہیں مگر زنگ آلود دل نعمت کو اس وقت نعمت سمجھتے ہیں جب کوئی خاص نعمت حاصل ہو یا کوئی مصیبت نازل ہو۔ ایسے لوگوں کا علاج یہ ہے کہ ہمیشہ اپنے سے کمتر لوگوں کو دیکھیں اور بزرگانِ دین کے نقشِ قدم پر چلیں کہ وہ روزانہ شفاخانہ، قبرستان اور ان مقامات پر جاتے جہاں مجرموں کو سزائیں ملتی تھیں۔ شفاخانے میں جا کر طرح طرح کی بیماریوں کا مشاہدہ کرتے پھر اپنی صحت و سلامتی پر غور کرتے تاکہ دل بیماریوں میں مبتلا لوگوں کو دیکھ کر صحت کی نعمت کا شعور حاصل کر لے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر بجالائے۔ اسی طرح وہ مجرموں کا مشاہدہ کرتے کہ ان کو قصاص میں قتل کیا جاتا ہے، چوری کرنے پر ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے جاتے ہیں، ان کو مختلف سزائیں دی جاتی ہیں پھر ان گناہوں اور سزاؤں سے اپنے محفوظ رہنے پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ادا کرتے۔ وہ قبرستان کا رُخ کر کے یہ تصوُّر کرتے کہ فوت شدہ لوگوں کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب بات یہ ہے کہ وہ

پھر دنیا میں لوٹائے جائیں اگرچہ ایک ہی دن کے لئے تاکہ گناہ گار اپنے گناہوں کا ازالہ کرلے اور نیکوکار اطاعت میں اضافہ کرلے کیونکہ قیامت کا دن خسارے کا دن ہے۔ اطاعت گزار شخص بھی اس دن خسارے میں ہوگا جب وہ اپنے اعمال کی جزا دیکھے گا تو کہے گا: ”میں تو اس سے زیادہ نیکیاں کرنے پر قادر تھا، مجھے کتنا بڑا نقصان ہوا کہ میں نے وقت کا کچھ حصہ محض جائز کاموں پر خرچ کر دیا۔“ اور گناہ گار کا نقصان تو واضح ہے۔

قبرستان جاتے وقت کیا ذہن ہونا چاہئے؟

بُزرگانِ دین قبروں کا مُشاہَدہ کرتے وقت فوت شدہ لوگوں کی سب سے پیاری چیز دنیا میں واپس لوٹائے جانے پر غور کرتے پھر اپنی بقیہ زندگی ان کی خواہش کے مطابق (یعنی اطاعت الٰہی میں) گزارتے تاکہ اس کے ذریعے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمتوں کی معرفت حاصل ہوتی رہے بلکہ وہ ہر سانس کی مہلت پر غور کرتے جب انہیں نعمت کی معرفت حاصل ہوجاتی تو اپنی زندگی کو ان کاموں میں صرف کرکے نعمت کا شکر ادا کرتے جن کے لئے پیدا ہوئے اور وہ دنیا سے آخرت کا توشہ تیار کرنا ہے۔

یہ سب شکرِ نعمت سے غافل دلوں کا علاج تھا تاکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمتوں کا احساس کریں اور شکر ادا کریں۔

سیِّدُنا ربیع بن خُثَیْم عَلَیْہِ الرَّحْمَہ کا انداز:

حضرت سیِّدُنا ربیع بن خُثَیم رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ صاحبِ بصیرت ہونے کے باوُجود اس طریقے سے مدد حاصل کرتے تھے تاکہ معرفت کامل ہوجائے۔ آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے اپنے گھر میں قبر کھود رکھی تھی۔ اپنے گلے میں طَوق ڈال کر اس قبر میں لیٹ جاتے اور یہ آیت تلاوت کرتے:

رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا — ترجمۂ کنزالایمان: اے میرے رب مجھے واپس پھیر دیجئے شاید اب میں کچھ بھلائی کماؤں۔ (پ۱۸، المؤمنون: ۹۹، ۱۰۰)

پھر یہ کہتے ہوئے کھڑے ہوجاتے: اے ربیع! جس کا تم نے سوال کیا وہ تمہیں مل گیا، اب اس وقت سے پہلے عمل کرو کہ جب تم لوٹنے کا سوال کرو تو موقع نہ دیا جائے۔

شکر نعمت سے غافل دل کا ایک اور علاج:

اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ادا کرنے سے دور رہنے والے دلوں کا ایک علاج یہ ہے کہ نعمت کو یوں پہچانے کہ جب

نعمت کا شکر ادا نہ کیا جائے تو وہ زائل ہو جاتی ہے اور دوبارہ نہیں لوٹتی۔ اسی لئے حضرت سَیِّدُنا فُضَیل بن عیاض رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرمایا کرتے: لوگو! نعمتوں کا شکر ضرور ادا کرتے رہو کیونکہ بہت کم نعمتیں ایسی ہیں جو کسی قوم سے چلی جانے کے بعد دوبارہ ملی ہوں۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں: نعمتیں وحشی جانوروں کی طرح ہیں انہیں شکر کے ذریعے قید میں رکھو۔

حدیث پاک میں ہے: جس بندے کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جتنی بڑی نعمت ملتی ہے لوگوں کی ضرورتیں اس سے اتنی ہی وابستہ ہو جاتی ہیں پس جو شخص انہیں حقیر سمجھتا ہے نعمت اس سے زائل ہو جاتی ہے۔[1]

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْؕ (پ۱۳، الرعد: ۱۱)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک اللہ کسی قوم سے اپنی نعمت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدل دیں۔

دوسرے رکن کا مضمون مکمل ہوا۔

تیسرا رکن: صبر و شکر کا باھمی تعلق اور اشتراک

(اس میں تین فصلیں ہیں)

پہلی فصل: صبر و شکر کا ایک چیز میں جمع ھونے کا سبب

کوئی یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ آپ نے پہلے ذکر کیا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ہر پیدا کردہ چیز میں کوئی نہ کوئی نعمت ہے اس سے پتا چلا کہ مصیبت کا وجود ہی نہیں ہے، جب مصیبت کا وجود ہی نہیں تو صبر کا کیا مطلب ہے؟ اور اگر مصیبت کا وجود ہے تو شکر کا کیا مطلب ہوا؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو مصیبت پر بھی شکر ادا کرتے ہیں نعمت پر شکر کرنا تو ایک طرف رہا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جس مصیبت پر صبر کیا جائے تو اس پر شکر ہو سکے؟ کیونکہ صبر تو مصیبت پر ہوتا ہے جو کہ غم کا تقاضا کرتا ہے جبکہ شکر خوشی کا تقاضا کرتا ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایسی صورت میں آپ کا یہ کہنا کہ ہر موجود چیز میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمت ہے۔ اس کا کیا مطلب ہوگا؟

اس کا **جواب** یہ ہے کہ جس طرح نعمتوں کا وجود ہے اسی طرح مصیبتوں کا بھی وجود ہے۔ اگر آپ نعمت

---

[1] ...موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب قضاء الحوائج، ۴/ ۱۷۴، ۱۷۵، حدیث: ۴۸، ۵۰

کا وجود مانتے ہیں تو مصیبت کا وجود بھی ماننا پڑے گا کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ پس مصیبت کا نہ آنا نعمت ہے اور نعمت کا نہ ہونا مصیبت ہے۔ البتہ یہ بات پہلے بھی بیان ہو چکی کہ نعمت کی دو قسمیں ہیں:

(1)... **مُطْلَق نعمت:** جو ہر اعتبار سے نعمت ہو جیسے آخرت میں قُربِ خداوندی کی سعادت ملنا اور دنیا میں ایمان، حُسنِ اخلاق اور ان دونوں پر مددگار چیزوں کا ملنا۔

(2)... **خاص نعمت:** جو ایک اعتبار سے نعمت ہو اور دوسرے اعتبار سے نہ ہو جیسے مال ایک اعتبار سے دینی فوائد کا سبب بنتا ہے جبکہ کسی اَور لحاظ سے دینی نقصان کا باعث بنتا ہے۔

اسی طرح مصیبت کی بھی دو قسمیں ہیں:

(1)... **مطلق مصیبت:** جیسے آخرت میں بندہ قُربِ خداوندی دیر سے پائے یا بالکل نہ پاسکے اور دنیا میں اس کی مثال کفر و گناہ اور بداَخلاقی وغیرہ۔ یہی چیزیں انسان کو مطلق مصیبت تک پہنچاتی ہیں۔

(2)... **خاص مصیبت:** جیسے تنگدستی، بیماری، خوف اور ان کے علاوہ دیگر مصیبتیں۔ یہ سب دینی نہیں بلکہ دنیاوی اعتبار سے مصیبتیں ہیں۔ پتا چلا کہ جو نعمتیں مطلق ہیں ان پر شکر بھی مطلق ہوتا ہے۔

کس مصیبت پر صبر کا حکم نہیں؟

مطلق مصیبت پر صبر کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا کیونکہ کفر و گناہ ایسی مصیبتیں ہیں جن پر صبر کرنے کا کوئی مطلب ہی نہیں بلکہ کافر پر لازم ہے کہ کفر ترک کرے اور گناہ گار پر لازم ہے کہ گناہ چھوڑے البتہ بعض اوقات کافر کو اپنے کفر کا پتا ہی نہیں ہوتا تو یہ اس مریض کی طرح ہے جسے بے ہوشی یا کسی اور وجہ سے تکلیف کا کچھ پتا ہی نہیں تو صبر کیا کرے گا؟ لیکن گناہ گار گناہ کو جانتا ہے لہٰذا اس پر گناہ چھوڑنا لازم ہے۔

ہر وہ تکلیف جس کا ازالہ انسان کے اختیار میں ہو اس پر صبر کا بھی حکم نہیں دیا جائے گا مثلاً: اگر سخت پیاس کے باوُجود آدمی پانی نہ پیئے اور شدت بڑھتی ہی جائے تو اس سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ صبر کرتے رہو بلکہ تکلیف کو ختم کرنے کے لئے پانی پینے کا کہا جائے گا کیونکہ صبر تو اسی تکلیف پر ہوتا ہے جسے دور کرنا انسان کے اختیار میں نہ ہو لہٰذا جب دنیاوی مصیبت پر صبر مطلق مصیبت نہ رہے گا بلکہ ایک طرح سے نعمت ہو جائے گا تو یہ کہنا بھی ممکن ہو جائے گا کہ صبر و شکر دونوں اکٹھے ہو سکتے ہیں۔

دولت و تندرستی نعمت ہے یا مصیبت؟

دولت انسان کی ہلاکت کا سبب بھی بن سکتی ہے یہاں تک کہ مال کی وجہ سے اسے اَہل وعیال سمیت قتل کر دیا جاتا ہے۔ یہی مُعاملہ تندرستی کا بھی ہے۔ الغرض! دنیا کی کوئی بھی نعمت کسی وجہ سے مصیبت بن سکتی ہے یونہی کوئی بھی مصیبت کسی وجہ سے نعمت بن سکتی ہے۔ بہت سے لوگوں کے لئے تنگدستی اور بیماری یوں نعمت ہوتی ہے کہ اگر یہ تندرست یا دولت مند ہوتے تو متکبر اور سرکش ہو جاتے جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ (پ۲۵، الشوریٰ: ۲۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اگر اللہ اپنے سب بندوں کا رزق وسیع کر دیتا تو ضرور زمین میں فساد پھیلاتے۔

اور فرماتا ہے:

كَلَّاۤ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰۤى ۙ﴿۶﴾ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ؕ﴿۷﴾ (پ۳۰، العلق: ۶، ۷)

ترجمۂ کنزالایمان: ہاں ہاں بے شک آدمی سرکشی کرتا ہے اس پر کہ اپنے آپ کو غنی سمجھ لیا۔

رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد ہے: بندہ مومن دنیا سے محبت کرتا ہے مگر اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے دنیا سے یوں بچاتا ہے جیسے تم اپنے بیمار کو پرہیز کرواتے ہو۔[1]

اسی طرح بیوی بچے اور قریبی رشتہ دار بھی کسی کے لئے نعمت اور کسی کے لئے مصیبت بن سکتے ہیں۔

علم و معرفت کی نعمت کبھی مصیبت بن جاتی ہے:

ہم نے اِیمان اور اَخلاقِ حسنہ کے علاوہ نعمتوں کی جو سولہ قسمیں بیان کی ہیں وہ بھی بعض لوگوں کے لئے مصیبت بن سکتی ہیں۔ اس صورت میں ان کی ضد اِن لوگوں کے لئے نعمت قرار پائے گی جیسا کہ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ علم و معرفت ایک کمال اور نعمت ہے کیونکہ یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی صفات میں سے ایک صفت ہے لیکن بعض اوقات یہ کسی کے لئے مصیبت بن جاتی ہے تو پھر اس کا نہ ہونا ہی بندے کے لئے نعمت ہے مثلاً: انسان کا اپنی موت کے وقت سے بے خبر رہنا اس کے لئے نعمت ہے کیونکہ اگر اسے موت کا علم ہو جائے تو زندگی دوبھر ہو جائے اور غم بڑھ جائے۔ اسی طرح اپنے اور عزیز و اقارب کے متعلق لوگوں کے دلوں میں

---

1 ...المسند للامام احمد بن حنبل، حدیث محمود بن لبید، ۹/ ۱۵۸، حدیث: ۲۳۶۸۳

چُھپے ہوئے خیالات سے لاعلمی بھی انسان کے لئے نعمت ہے کیونکہ پردہ اٹھنے اور ان باتوں پر مُطَّلَع ہونے کی صورت میں دکھ، کینہ، حسد اور جذبۂ انتقام پیدا ہو گا۔ اسی طرح لوگوں کی بُری صفات سے لاعلم ہونا بھی نعمت ہے کیونکہ اگر ان باتوں سے کسی کو آگاہی حاصل ہو جائے تو وہ ایسے لوگوں سے بغض رکھے گا اور انہیں اذیت پہنچائے گا یوں اس کی دنیا اور آخرت برباد ہو جائے گی بلکہ بعض اوقات دوسروں کی اچھی صفات سے لاعلمی بھی نعمت میں داخل ہوتی ہے کیونکہ بعض اوقات وہ اچھی صفات والا اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ولی ہوتا ہے حالانکہ لوگ اسے ایذا پہنچاتے اور اس کی توہین کرتے ہیں۔ اگر اذیت پہنچانے والا اُسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ولی جاننے کے باوُجود اذیت پہنچائے تو یہ یقیناً بہت بڑا گناہ ہے کیونکہ جاننے کے باوجود کسی نبی یا ولی کو اذیت پہنچانے والا انجانے میں اذیت پہنچانے والے شخص کی طرح نہیں ہوتا۔

چند پوشیدہ نعمتوں کی حکمت:

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قیامت کا دن، شبِّ قدر، یومِ جُمعہ کی قبولیت کی گھڑی اور بعض کبیرہ گناہوں کو پوشیدہ رکھا یہ سب بھی نعمتیں ہیں کیونکہ ان سے لاعلمی کی وجہ سے ان میں رغبت اور کوشش زیادہ ہوتی ہے۔

غور کیجئے! جب ان نعمتوں کا علم نہ ہونے میں یہ حکمتیں اور وُجوہات ہیں تو علم کی صورت میں کیا حال ہو گا؟ ہمارا قول کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پیدا کردہ ہر چیز نعمت ہے اسی اعتبار سے تھا جو کہ بالکل صحیح ہے اور یہ ہر شخص کے لئے عام ہے، محض گمان سے اس کا انکار نہیں کیا جائے گا یہاں تک کہ درد بھی تکلیف میں مبتلا شخص کے لئے نعمت ہے اگر اس کے لئے نعمت نہ ہو مثلاً: گناہ کی وجہ سے ہونے والا درد کہ کوئی شخص اپنا ہاتھ کاٹ لے یا جلد کو داغ کر نشانات بنوا لے تو اس کی وجہ سے درد محسوس کرے گا اور گناہ گار ہو گا۔ کفار کا جہنم میں تکلیف اٹھانا بھی مسلمانوں کے لئے نعمت ہے کیونکہ ایک قوم کا مصیبتوں میں مبتلا ہونا دوسری قوم کے لئے فائدے کی بات ہوتی ہے۔ اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ عذاب کو پیدا کر کے اس میں ایک جماعت کو مبتلا نہ کرتا تو جنہیں نعمتیں دی گئی ہیں وہ ان کی قدر و قیمت سمجھتے نہ اس پر زیادہ خوشی کا اظہار کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اہلِ جنت دوزخیوں کی تکالیف کے بارے میں سوچیں گے تو ان کی خوشی مزید بڑھ جائے گی۔

کیا آپ نے اس پر غور نہیں کیا کہ لوگ ضرورت کے باوُجود دھوپ کو دیکھ کر کسی خاص خوشی کا اظہار

نہیں کرتے کیونکہ دھوپ عام وخاص سب کے لئے ہوتی ہے۔ یونہی آسمان کی زینت دیکھ کر خاص مسرت ظاہر نہیں کی جاتی حالانکہ وہ انتہائی جِدّ وجہُد سے تعمیر کئے جانے والے دنیاوی باغوں سے بھی زیادہ خوبصورت ہے لیکن چونکہ اس کی خوبصورتی عام ہے اسی لئے لوگ اس سے واقف نہیں اور نہ ہی نعمت سمجھ کر خوشی کا اظہار کرتے۔ لہٰذا ہم نے جو کہا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ہر چیز میں حکمت رکھی ہے اور ہر چیز کو نعمت بنایا ہے بالکل صحیح ہے اب یہ نعمت تمام افراد پر ہو یا بعض افراد پر۔ اسی طرح اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مصیبت کو بھی نعمت بنایا ہے اب یہ نعمت مصیبت زدہ پر ہو یا کسی اور پر۔ لہٰذا ہر وہ حالت جسے نہ تو مطلق مصیبت کہا جاسکے اور نہ مطلق نعمت تو اس میں صبر و شکر دونوں ایک ساتھ جمع ہوسکتے ہیں۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

صبر و شکر دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں یہ کس طرح ایک ساتھ جمع ہوسکتے ہیں کیونکہ صبر تو غم پر ہوتا ہے جبکہ شکر خوشی پر؟ **جواب:** جان لیجئے! انسان کبھی کسی چیز سے ایک طرح سے خوش ہوتا ہے تو دوسرے اعتبار سے غمگین اور غم کی حیثیت کو دیکھا جائے تو صبر کی صورت ہوگی اور خوشی کی حیثیت کو دیکھا جائے تو شکر کی صورت ہوگی۔

مصیبت پر شکر کرنے کے پانچ پہلو:

دنیاوی مصیبتیں مثلاً تنگدستی، بیماری، خوف وغیرہ میں پانچ پہلو ہیں۔ عقل مند انسان کو ان پر خوش رہ کر شکر بجالانا چاہیے۔

... پہلا پہلو:

ہر مصیبت اور بیماری کے بارے میں اس طرح تصور کرے کہ اس سے بھی بڑھ کر بیماری اور مصیبت موجود ہے کیونکہ بے شمار چیزیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قدرت کے تحت داخل ہیں۔ اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ اس میں اضافہ کردے تو کیا وہ اسے روک سکتا ہے دور کرسکتا ہے؟ پس اسے شکر کرنا چاہیے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس سے بڑی مصیبت و بیماری نہیں بھیجی۔

...دوسرا پہلو:

یہ تصور کرے کہ ممکن تھا کہ اس کے بدلے کوئی دینی مصیبت ہوتی (لہٰذا دینی مصیبت نہ ہونے پر شکر بجالائے)۔

منقول ہے کہ ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا سہل بن عبد اللہ تُستری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی سے کہا: چور میرے گھر میں داخل ہوا اور سامان لے کر چلا گیا۔ آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ادا کرو اگر شیطان تمہارے دل میں داخل ہو کر ایمان لُوٹ لیتا تو کیا کرتے؟

اسی وجہ سے حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے یوں دعا کی: اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ مُصِیْبَتِیْ فِیْ دِیْنِیْ یعنی اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! میرے دین میں کوئی مصیبت پیدا نہ کرنا۔

ہر مصیبت میں چار نعمتیں:

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عُمَر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مجھے جس مصیبت میں بھی مبتلا کیا اس میں مجھ پر چار نعمتیں تھیں: (۱)... وہ آزمائش میرے دین میں نہ تھی (۲)...اس سے بڑھ کر مصیبت نہ آئی (۳)... میں اس پر راضی ہونے کی دولت سے محروم نہ ہوا (۴)... مجھے اس پر ثواب کی امید رہی۔

حکایت: ایک بزرگ اور قیدی دوست

کسی بزرگ کا ایک دوست تھا جسے بادشاہ نے قید کر دیا اس نے اپنے دوست کو اِطّلاع دی اور شکوہ بھی کیا۔ انہوں نے پیغام بھجوایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ادا کرو۔ بادشاہ نے اسے سزا دی اس نے پھر اپنے دوست کو اطلاع دی اور شکوہ کیا تو انہوں نے پھر پیغام بھجوایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ادا کرو۔ اسی دوران دَسْت کی بیماری میں مبتلا ایک مجوسی کو لایا گیا اور اس کے ساتھ قید کر دیا گیا بیڑی کا ایک کڑا اس کے پاؤں میں تھا تو دوسرا کڑا مجوسی کے پاؤں میں۔ اس نے پھر پیغام بھیجا تو دوست کا جواب ملا: اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر کرو۔ مجوسی کو قضائے حاجت کے لئے کئی بار اٹھنا پڑتا تو اسے بھی مجبوراً ساتھ اٹھنا پڑتا اور مجوسی کے فارغ ہونے تک اس کے ساتھ ٹھہرنا پڑتا۔ قیدی دوست نے یہ سب لکھ کر دوست کو بھیجا تو جواب ملا: اللہ تعالٰی کا شکر ادا کرو۔ قیدی دوست نے لکھ

کر بھیجا کب تک شکر کروں ؟اس سے بڑی مصیبت کیا ہو سکتی ہے ؟ بُزرگ دوست نے جواب لکھا: اگر مجوسی کی کمر میں بندھا زُنّار تمہاری کمر میں ہوتا تو تم کیا کرتے ؟

تبصرۂ امام غزالی:

انسان کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے اگر وہ اس بات میں خوب غور وفکر کرے کہ اس سے اپنے مالک ومولیٰ عَزَّوَجَلَّ کی ظاہری وباطنی اعتبار سے بے ادبی ہوئی ہے تو ضرور جان لے گا کہ وہ ابھی یا آئندہ اس سے بھی زیادہ مصیبت کا مستحق ہے لہٰذا جسے سو کوڑے مارنے کا حق حاصل ہو مگر وہ آپ کو دس کوڑے مارے تو آپ کے شکریہ کا مستحق ہے اسی طرح جسے آپ کے دونوں ہاتھ کاٹنے کا حق حاصل ہو لیکن وہ ایک ہاتھ کاٹے تو وہ بھی آپ کے شکریہ کا مستحق ہے۔

حکایت: راکھ ڈالنا تو نعمت ہے

منقول ہے کہ ایک بزرگ سڑک سے گزر رہے تھے کہ ان کے سر پر راکھ کا ایک تھال گرادیا گیا۔ وہ بارگاہِ خداوندی میں سجدہ شکر بجالائے۔ سجدہ کرنے کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا: میں تو آگ کا مُنْتَظِر رہتا تھا اس کی جگہ راکھ کا ڈالنا نعمت ہے۔

شکر کا انوکھا انداز:

کسی بزرگ سے پوچھا گیا: بارش نہیں ہو رہی کیا آپ نمازِ اِسْتِسْقاء کے لئے باہر نہیں جائیں گے ؟ انہوں نے فرمایا: تم سے تو بارش روکی گئی ہے اور مجھ سے تو پتھر روکے گئے ہیں۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر تم یہ کہو کہ میں کیسے خوش ہو جاؤں حالانکہ میں لوگوں کو دیکھ رہا ہوں کہ ان کے گناہ مجھ سے بھی زیادہ ہیں اور جس مصیبت کا میں شکار ہوں لوگ اس کا شکار نہیں حتّٰی کہ کافر بھی نہیں ؟

جواب: کافروں کے لئے تو بہت زیادہ مصیبتیں ہیں جو کہ پوشیدہ ہیں، انہیں ڈھیل اس لئے دی گئی ہے تاکہ ان کے گناہ بڑھتے جائیں اور عذاب زیادہ ہو جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْۤا اِثْمًا ۚ (پ۴، اٰل عمران:۱۷۸)

ترجمۂ کنزالایمان: ہم تو اسی لیے انہیں ڈھیل دیتے ہیں کہ اور گناہ میں بڑھیں۔

جہاں تک گناہوں کا تعلق ہے تو آپ یہ کس طرح جان لیں گے کہ دنیا میں فلاں شخص فلاں سے زیادہ گناہ گار ہے کیونکہ بہت سے لوگوں کے دل اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کی صفات کے مُعاملے میں بے ادبی کرکے شراب نوشی، زناکاری اور دیگر گناہوں سے بڑے گناہ کا اِرتکاب کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ تَحْسَبُوْنَهٗ هَیِّنًا ۖۗ وَّ هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمٌ ۱۵ (پ۱۸، النور:۱۵)

ترجمۂ کنزالایمان: (تم) اسے سہل سمجھتے تھے اور وہ اللہ کے نزدیک بڑی بات ہے۔

لہٰذا آپ نے کیسے سمجھ لیا کہ دوسروں کے گناہ آپ سے زیادہ ہیں؟ کیا پتا انہیں آخرت میں سزا دی جائے اور آپ کو دنیا ہی میں سزا دی جا رہی ہو۔ آپ اس نعمت پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر کیوں نہیں کرتے؟

... تیسرا پہلو:

یہی شکر کا تیسرا پہلو ہے کہ آپ کی سزا آخرت تک مُؤَخَّر نہیں کی گئی پھر یہ کہ دنیاوی مَصائب بعض اسبابِ تسلی سے کم ہو جاتے ہیں تو مصیبت کا اثر بھی ہلکا ہو جاتا ہے جبکہ اُخروی سزا اور آزمائش دائمی ہے۔ اگر دائمی نہ رہے تو بھی کسی تسلی کے ذریعے اس میں کمی نہیں ہو گی کیونکہ اُخروی عذاب میں مبتلا لوگوں کے لئے تسلی کا کوئی سبب باقی نہ رہے گا۔

یاد رہے! جسے دنیا میں سزا دے دی گئی اسے آخرت میں دوبارہ سزا نہیں دی جائے گی کیونکہ رحمتِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ارشاد فرماتے ہیں: ''بندہ اگر کوئی گناہ کرے پھر اسے دنیا میں کوئی تکلیف یا مصیبت پہنچ جائے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے دوبارہ سزا نہیں دے گا۔''[1]

... چوتھا پہلو:

یہ مصیبت و تکلیف تو بندے کے لئے لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی تھی جو لازماً اس کو پہنچنی تھی۔ جب دنیا میں پہنچ چکی اور اس نے اس کے بعض یا کل سے فراغت و راحت حاصل کر لی تو یہ اس کے حق میں نعمت ہے۔

---

[1]... سنن الترمذی، کتاب الایمان، باب ماجاء لایزنی الزانی وھو مومن، ۴/ ۲۸۴، حدیث: ۲۶۳۵

...پانچواں پہلو:

مصیبت کا ثواب مصیبت سے بہت زیادہ ہے۔ دو وجہ سے دنیاوی مصیبتیں راہِ آخرت کے لئے معاوِن ہوتی ہیں:

...**پہلی وجہ:** مریض کے لئے ناپسندیدہ دوا نعمت ہوتی ہے اور بچے کو کھیلنے کودنے سے دور رکھنا اس کے لئے نعمت ہے کیونکہ اگر اسے ہر وقت کھیلنے دیا جائے تو یہ اسے علم و ادب کے حُصول سے روک دے گا یوں وہ ساری عمر خسارہ اٹھائے گا۔ اسی طرح مال، اہل و عیال، عزیز و اقارب، جسمانی اعضاء بالخصوص آنکھ جو سب سے زیادہ معزز سمجھی جاتی ہے یہ تمام بعض اوقات انسان کی ہلاکت کا باعث بنتے ہیں بلکہ عقل جو سب سے قیمتی شے سمجھی جاتی ہے بعض اوقات یہ بھی ہلاکت کا باعث بنتی ہے جیسا کہ بے دین لوگ بروزِ قیامت تمنا کریں گے کہ کاش! ہم پاگل یا بچے ہوتے ہیں اور دینِ خُداوندی میں اپنی عقلوں کو استعمال نہ کرتے۔

ان اسبابِ آزمائش میں سے جس بھی سبب کا بندے کو سامنا ہو اس کے متعلق یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ اسی میں اس کی دینی بھلائی ہے لہٰذا اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بارے میں حُسنِ ظن رکھنا چاہئے اور جو مصیبت پہنچے اسے اپنے حق میں بہتر خیال کر کے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی حکمت وسیع ہے، بندوں کے لئے کیا اچھا ہے وہ ان سے زیادہ جانتا ہے۔ لوگ بروزِ قیامت مصیبتوں پر ملنے والے ثواب کو دیکھیں گے تو شکر ادا کریں گے جس طرح بچہ جوان ہونے کے بعد اپنے استاذ اور ماں باپ کا شکریہ ادا کرتا ہے کہ انہوں نے ادب سکھانے کے لئے اسے سزا دی جس کا پھل اسے اس وقت مل رہا ہے۔ مصیبت و آزمائش بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے تادیب اور عنایت ہے اور ربّ کی عنایت تو ماں باپ کی عنایت سے بڑھ کر ہے۔

سَیِّدِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خدمت بابرکت میں کسی نے عرض کی: مجھے نصیحت فرمایئے۔ ارشاد فرمایا: ”لَا تَتَّهِمِ اللّٰهَ فِيْ شَيْءٍ قَضَاهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ نے تیرے بارے میں جو لکھ دیا اس پر اسے تہمت نہ لگا۔“[1]

ایک مرتبہ رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے آسمان کی طرف دیکھ کر تبسم فرمایا۔

1...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الرضا عن اللہ، ۱/ ۳۹۳، حدیث: ۵

اس کی وجہ پوچھی گئی تو ارشاد فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قضا سے متعلق مومن کے معاملے پر تعجب ہے کہ اگر اسے بھلائی پہنچتی ہے تو اس پر راضی رہتا ہے یہی اس کے لئے بہتر ہے اور اگر آزمائش پہنچے تب بھی راضی ہوتا ہے یہی اس کے لئے بہتر ہے۔[1]

...دوسری وجہ: مہلک گناہوں کی بنیاد دنیا کی محبت ہے اور دنیا سے دل کا اُچاٹ ہو جانا اُخروی نجات کی بنیاد ہے۔ کسی مصیبت و آزمائش کے بغیر خواہش کے مطابق دنیاوی نعمتوں کا پے در پے ملنا دل میں دنیا اور اس کے اسباب کی طرف محبت و میلان پیدا کرتا ہے حتّٰی کہ دل دنیا کو جنت سمجھ بیٹھتا ہے اور موت کے وقت دنیا کو چھوڑنا اس کے لئے بہت بڑی مصیبت بن جاتا ہے لیکن جب مصیبتیں زیادہ ہوں تو دل دنیا سے اُچاٹ ہو جاتا ہے، اسے دنیا میں سکون ملتا ہے نہ اس کی محبت بڑھتی ہے بلکہ دنیا اس کے لئے قید خانہ بن جاتی ہے اور اسے دنیا سے نجات پانے کی شدید خواہش ہوتی ہے جس طرح (قیدی کو) قید سے چھوٹنے کی شدید خواہش ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شہنشاہِ مدینہ، قرارِ قلب و سینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْکَافِرِ یعنی دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے۔"[2]

حدیث پاک کی شرح:

حدیثِ پاک میں کافر سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے منہ موڑ کر دنیا کا ہو کر رہ جاتا ہے اسی پر راضی اور مطمئن رہتا ہے اور مومن سے مراد وہ شخص ہے جس کا دل دنیا سے اچاٹ ہو اور دنیا چھوڑنے کے لئے بے چین ہو۔

کفر کی دو قسمیں ہیں: (۱)...کُفرِ جَلی اور (۲)...کُفرِ خَفی۔

دنیا کی محبت جس قدر دل میں بڑھے گی کُفرِ خفی اتنا بڑھے گا بلکہ حقیقی مُوَحِّد وہ ہے جس کے دل میں صرف اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات کا خیال ہو۔

جب ایسی بات ہے تو مصیبتوں کا شمار نعمتوں میں ہو گا لہٰذا اس پر خوش ہونا چاہئے۔ مصیبت میں تکلیف

---

1 ...مسلم، کتاب الزھد، باب المومن امرہ کلہ خیر، ص۱۵۹۸، حدیث: ۲۹۹۹

2 ...مسلم، کتاب الزھد والرقائق، ص۱۵۸۲، حدیث: ۲۹۵۶

تولازمی ہوتی ہے جیسے آپ کو پچھنا لگوانے کی ضرورت پیش آئے تو مفت میں کوئی پچھنا لگادے یا کوئی شخص نفع بخش کڑوی دوا مفت میں پلادے۔ایسی صورت میں آپ کو تکلیف کا سامنا ہو گا مگر خوشی بھی ہو گی تو آپ تکلیف پر صبر اور خوشی کے باعث شکر کریں گے۔دنیا میں پیش آنے والی ہر مصیبت کڑوی دوا کی طرح ہے جو ابتداءً تکلیف دہ محسوس ہوتی ہے لیکن بعد میں نفع پہنچاتی ہے بلکہ یوں سمجھئے کہ ایک شخص دلکشی اور خوبصورتی دیکھنے کے لئے بادشاہ کے محل میں گیا،اسے معلوم ہے کہ یہاں سے لازماً واپس نکلنا ہے پھر بھی اگر وہ وہاں کسی ایسی خوبصورت چیز کو دیکھ لے جو اسے باہر نکلنے نہ دے تو یہ اس پر وبال اور مصیبت ہو گی کیونکہ اس چیز نے اس کے دل میں ایسے مکان کی محبت پیدا کر دی جس میں رہنا ممکن نہیں۔اگر اس موقع پر اسے خیال آجائے کہ بادشاہ کو پتا چلا تو سزا دے گا تو وہ شخص اس خوبصورت چیز کو ناپسند کرے گا حتّٰی کہ اس سے نفرت کرنے لگے گا یہ عمل اس کے لئے نعمت ہو گا- دنیا بھی ایک مکان ہے جس میں لوگ ماں کے پیٹ کے ذریعے داخل ہوتے اور قبر کے دروازے سے واپس جاتے ہیں تو جو چیز اس مکان سے محبت کا باعث بنے وہ مصیبت ہے اور جو چیز دلوں کو اس مکان سے اُچاٹ کرے،اس کی محبت ختم کرے وہ نعمت ہے۔جس نے اس بات کو پہچان لیا ممکن ہے وہ مصیبتوں پر شکر بھی کرے لیکن جس نے یہ نہیں پہچانا کہ ان مصیبتوں میں نعمتیں بھی ہیں اس سے شکر کا تصور نہیں کیا جاسکتا کیونکہ شکر لازماً نعمت کی پہچان کے بعد ہوتا ہے اور جس آدمی کا اس بات پر ایمان نہ ہو کہ مصیبت کا ثواب مصیبت سے زیادہ ہوتا ہے اس سے بھی مصیبت پر شکر متصوَّر نہیں۔

منقول ہے کہ کسی دیہاتی نے حضرت سیِّدُنا عبدُاللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے ان کے والد کی وفات پر تعزیت کرتے ہوئے کہا:

اِصْبِرْ نَكُنْ بِكَ صَابِرِيْنَ فَاِنَّمَا ... صَبْرُ الرَّعِيَّةِ بَعْدَ صَبْرِ الرَّاْسِ

خَيْرٌ مِّنَ الْعَبَّاسِ اَجْرُكَ بَعْدَهٗ ... وَاللّٰهُ خَيْرٌ مِّنْكَ لِلْعَبَّاسِ

ترجمہ: صبر کیجئے تاکہ ہم بھی آپ کی وجہ سے صبر کریں کیونکہ رعایا کا صبر سردار کے صبر ہی سے ہوتا ہے۔حضرت سیِّدُنا عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے بعد آپ کا اجر ان سے بہتر ہے اور حضرت سیِّدُنا عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے لئے **اللہ** عَزَّوَجَلَّ آپ سے بہتر ہے۔

یہ سن کر حضرت سیِّدُنا عبدُ اللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا: اس سے بہتر انداز میں کسی نے مجھ سے تعزیت نہیں کی۔

مَصائب پر صبر کرنے کے متعلق بہت ساری روایات وارِد ہیں۔ چنانچہ

مَصائب پر صبر کرنے کے متعلق 29 روایات:

﴿1﴾... مَنْ یُّرِدِ اللہُ بِہٖ خَیْرًا یُّصِبْ مِنْہُ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ جس سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے کسی مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے۔"[1]

﴿2﴾... سرکارِ نامدار، مدینے کے تاجدار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمان ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: جب میں اپنے کسی بندے کو اس کے جسم، مال یا اولاد کے ذریعے آزمائش میں مبتلا کروں پھر وہ صبر جمیل کے ساتھ اس کا اِستقبال کرے تو قیامت کے دن مجھے حیا آئے گی کہ اس کے لئے میزان قائم کروں یا اس کا نامۂ اعمال کھولوں۔[2]

﴿3﴾... نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سرور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد ہے: جس مسلمان پر کوئی مصیبت آئے پھر وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فرمان کے مطابق یوں کہے:

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ (پ۲، البقرۃ: ۱۵۶) ترجمۂ کنزالایمان: ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا۔

(اور یہ دعا کرے:) "اَللّٰھُمَّ اْجُرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاَعْقِبْنِیْ خَیْرًا مِّنْھَا یعنی اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! مجھے اس مصیبت پر اجر اور اس سے بہتر بدل عطا فرما!" تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کو اس سے بہتر عطا فرمائے گا[3]۔[4]

﴿4﴾... دو جہاں کے تاجْوَر، سلطانِ بَحر و بَر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمان ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا

1... بخاری، کتاب المرضی، باب ماجاء فی کفارۃ المرض، ۴/۴، حدیث: ۵۶۴۵

2... نوادر الاصول للحکیم ترمذی، الاصل الخامس والثمانون والمائۃ، ۲/ ۷۰۰، حدیث: ۹۶۳

3... اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا اُمِّ سَلَمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا یہ حدیث بیان کرنے کے بعد فرماتی ہیں: جب ابو سَلَمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فوت ہوگئے تو میں نے سوچا کہ مسلمانوں میں ان سے بہتر کون ہوگا؟ وہ تو حضور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی جانب ہجرت کرنے والوں میں اول گھر والے تھے۔ بہر حال میں نے یہ دعا پڑھ لی۔ بعد ازاں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مجھے پیارے مصطفٰے صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی زَوجیَّت کا شرف بخشا۔ (مسلم، کتاب الجنائز، باب مایقال عند المصیبۃ، ص۴۵۷، حدیث: ۹۱۸)

4... الموطا للامام مالک، کتاب الجنائز، باب جامع الحسبۃ فی المصیبۃ، ۱/ ۲۲۰، حدیث: ۵۶۹

ہے: میں جس کی دو کریم چیزیں (یعنی آنکھیں) لے لوں (پھر وہ صبر کرے) تو اس کی جزا میری جنت میں ہمیشہ رہنا اور میرا دیدار کرنا ہے۔[1]

﴿5﴾... ایک شخص نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! میرا مال تباہ ہو گیا ہے اور میں بیماری میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اُس بندے میں کوئی بھلائی نہیں جس کا مال تباہ نہ ہو اور اسے جسمانی بیماری کا سامنا نہ ہو۔ بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ جب کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو اسے آزمائش میں ڈالتا ہے اور جب اسے آزماتا ہے تو صبر کی توفیق دیتا ہے۔[2]

﴿6﴾... حُسنِ اَخلاق کے پیکر، مَحبوبِ رَبِّ اَکبر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: مسلمان کا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں ایک مرتبہ لکھا ہوتا ہے۔ جب وہ اپنے عمل کے ذریعے اس مرتبے تک نہیں پہنچ پاتا تو جسمانی آزمائش میں مبتلا کر دیا جاتا ہے یوں وہ اس مرتبے کو پالیتا ہے۔[3]

﴿7﴾... حضرت سیِّدُنا خَبَّاب بن اَرَت رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے کہ رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اپنی چادر مبارک کو تکیہ بنا کر کَعْبَۃُ اللہ کے سائے میں آرام فرما تھے۔ ہم نے خدمتِ اَقدس میں حاضری دی اور شکوہ کیا کہ یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! آپ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ہماری مدد کی دعا کیوں نہیں کرتے؟ یہ سن کر آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے چہرے کا رنگ مُتَغَیَّر ہو گیا اور آپ اٹھ کر بیٹھ گئے پھر فرمایا: تم سے پہلے زمانے میں کسی کو (سزا کے لئے) لایا جاتا اور ایک گڑھا کھود کر اس میں ڈال دیا جاتا پھر آرا سر پر رکھ کر اسے دو ٹکڑے کر دیا جاتا لیکن یہ تکلیف اسے دین سے نہ پھیرتی۔[4]

﴿8﴾... امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم فرماتے ہیں: جس شخص کو حکمران ظلماً قید کرے اور وہ مر جائے تو شہادت کا رتبہ پائے گا اور اگر بادشاہ کے مارنے سے مر جائے تو بھی شہید ہے۔

1 ...بخاری، کتاب المرضی، باب فضل من ذھب بصرہ، ۴/ ۶، حدیث: ۵۶۵۳ ...... المعجم الاوسط، ۶/ ۳۰۴، حدیث: ۸۸۵۵

2 ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب المرض والکفارات، ۴/ ۲۹۴، حدیث: ۲۴۶

3 ...سنن ابی داود، کتاب الجنائز، باب الامراض المکفرۃ، ۳/ ۲۴۶، حدیث: ۳۰۹۰

4 ...بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، ۲/ ۵۰۳، حدیث: ۳۶۱۲

سنن ابی داود، کتاب الجھاد، باب فی الاسیر یکرہ علی الکفر، ۳/ ۶۵، حدیث: ۲۶۴۹

﴿9﴾... اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عظمت اور اس کے حق کی معرفت کا تقاضا یہ ہے کہ تم اپنے درد کی شکایت کرو نہ مصیبت کا ذکر۔ [1]

﴿10﴾... حضرت سیِّدُنا ابو درداء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: تمہیں موت کے لئے پیدا کیا گیا ہے مگر تمہاری حالت یہ ہے کہ فنا ہونے والی عمارتوں کی تعمیر میں لگے ہو۔ تم فانی چیز کی حرص رکھتے ہو اور باقی رہنے والی کو بھولے بیٹھے ہو۔ سنو! تین ناپسندیدہ چیزیں کیا ہی اچھی ہیں (یعنی) فقر، بیماری اور موت۔

﴿11﴾... رحمتِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ارشاد فرماتے ہیں: اللہ عَزَّوَجَلَّ جب کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا اور اسے پاک کرنا چاہتا ہے تو مصیبتوں اور تکلیفوں میں مبتلا کر دیتا ہے پھر جب وہ بندہ دعا کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں: یہ تو جانی پہچانی آواز ہے۔ اگر وہ دوبارہ دعا کرے اور کہے: اے میرے ربّ! تو اللہ عَزَّوَجَلَّ فرماتا ہے: اے میرے بندے! میں موجود ہوں۔ تُو جس چیز کا سوال کرے گا عطا کروں گا اور اگر کوئی اچھی چیز تجھ سے دور رکھوں گا تو اسے اپنے پاس تیرے لئے افضل چیز سے بدل دوں گا۔

(اسی روایت کے ضمن میں) یہ بھی مروی ہے کہ بروزِ قیامت نیکی کرنے والے کی نیکیوں کا وزن کیا جائے گا اور پورا پورا بدلہ دیا جائے گا خواہ وہ نمازی، روزہ دار، صَدَقہ کرنے والے یا حج کرنے والے ہوں۔ پھر ان لوگوں کو لایا جائے گا جو آزمائش میں مبتلا ہوئے تو ان کے لئے میزان قائم کیا جائے گا نہ ان کا نامۂ اعمال کھولا جائے گا۔ ان پر اجر و ثواب کی بارش یوں ہو گی جس طرح ان پر مصیبتیں اُترا کرتی تھیں۔ دنیا میں عافیت کی زندگی بسر کرنے والے ان کے اجر کو دیکھ کر آرزو کریں گے کہ کاش ان کے جسم قینچیوں سے کاٹے گئے ہوتے (تاکہ آج مصائب پر صبر کرنے والوں کا ثواب پاتے)۔ [2]

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۱۰﴾ (پ۲۳، الزمر: ۱۰)

ترجمۂ کنز الایمان: صابروں ہی کو ان کا ثواب بھرپور دیا جائے گا بے گنتی۔

---

1 ... مختصر منهاج القاصدين، كتاب الصبر والشكر، فصل في اداب الصبر عند المصيبة، ص ۳۲۳، فيه: قول علي بن ابي طالب رضي الله عنه

2 ... موسوعة الامام ابن ابي الدنيا، كتاب المرض والكفارات، ۴/ ۲۸۵، حديث: ۲۱۲

فردوس الاخبار، ۱/ ۱۵۱، حديث: ۹۷۸ ...... الدر المنثور، پ۲۳، الزمر، تحت الاية: ۱۰، ۷/ ۲۱۵

مومن کو آزمائش میں مبتلا کرنے کی وجہ:

﴿12﴾... حضرت سیِّدُنا ابنِ عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا: ایک نبی عَلَیْہِ السَّلَام نے ربّ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی: اے میرے ربّ عَزَّوَجَلَّ! مومن بندہ تیری فرمانبرداری کرتا ہے، نافرمانی سے بچتا ہے تو اس سے دنیا کو دور کرتا اور اسے آزمائشوں میں مبتلا رکھتا ہے جبکہ کافر تجھ پر جرأت کرتا اور تیری نافرمانی کرتا ہے لیکن تو اس سے آزمائشوں کو دور کرتا اور دنیا اس کے لئے کشادہ کر دیتا ہے؟ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ بندے بھی میرے ہیں اور مصیبت و آزمائش بھی میرے اختیار میں ہے اور سب میری حمد بیان کرتے ہیں۔ مومن بندے کے کچھ گناہ ہوتے ہیں۔ میں اس سے دنیا کو دور کر کے مصیبتوں میں مبتلا کرتا ہوں نتیجۃً وہ مصیبتیں اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں پھر جب وہ مجھ سے ملاقات کرے گا تو میں اسے اس کی نیکیوں کی جزا عطا کروں گا۔ رہا کافر تو اس کے کچھ اچھے کام ہوتے ہیں، میں اسے وافر دنیا اور مصیبتوں سے دور رکھ کر دنیا ہی میں اچھے کام کا بدلہ دے دیتا ہوں پھر جب وہ مجھ سے ملاقات کرے گا تو میں اسے اس کی برائیوں کی سزا دوں گا۔

تکلیف و آزمائش گناہوں کا کفارہ:

﴿13﴾... ایک روایت میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ ۙ (پ۵، النسآء: ۱۲۳) ترجمۂ کنزالایمان: جو برائی کرے گا اس کا بدلہ پائے گا۔

تو حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: اس آیت کے بعد بھلا کیسی خوشی؟ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”اے ابو بکر! اللہ عَزَّوَجَلَّ تمہاری مغفرت فرمائے۔ کیا تم بیمار نہ ہو گے؟ کیا تمہیں کوئی اذیت نہیں پہنچے گی؟ کیا تم غمزدہ نہ ہو گے؟ یہ سب تمہارا بدلہ ہوں گے۔“[1] یعنی یہ سب تکلیف و آزمائش تمہارے گناہوں کا کفارہ ہیں۔

﴿14﴾... حضرت سیِّدُنا عُقبہ بن عامر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ بیان کرتے ہیں کہ مُحْسِنِ کائنات صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کی پسند کے مطابق عطا فرمائے جا رہا ہے مگر پھر بھی وہ اپنے گناہوں پر قائم ہے تو سمجھ جاؤ کہ یہ ڈھیل ہے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

[1]... المسند للامام احمد بن حنبل، مسند ابی بکر الصدیق، ۱/ ۳۵، حدیث: ۶۸، ۷۱

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَیْءٍؕ (پ۷، الانعام: ۴۴)

ترجمۂ کنزالایمان: پھر جب انہوں نے بھلا دیا جو نصیحتیں ان کو کی گئی تھیں ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے۔

یعنی جب انہوں نے ہمارے اَحکام پر عمل کرنا چھوڑ دیا تو ہم نے ان پر بھلائی کے دروازے کھول دیئے:[1]

حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا (پ۷، الانعام: ۴۴)

ترجمۂ کنزالایمان: یہاں تک کہ جب خوش ہوئے اس پر جو انہیں ملا۔

یعنی جب انہیں بھلائی دی گئی:

اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً (پ۷، الانعام: ۴۴)

ترجمۂ کنزالایمان: تو ہم نے اچانک انہیں پکڑ لیا۔

﴿15﴾... حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ الْقَوِی فرماتے ہیں: حضور اکرم صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم کے زمانے میں کسی نے دورِ جاہلیت کی جان پہچان والی عورت کو دیکھا تو اس سے بات کی پھر واپس چلنے لگے لیکن چلتے ہوئے اسے مڑ مڑ کر دیکھتے تھے۔ اسی دوران سامنے ایک دیوار سے ٹکرائے اور چہرے پر نشان پڑ گیا۔ انہوں نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کیا تو آپ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ جب کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے گناہ کی سزا فوری طور پر دنیا ہی میں دے دیتا ہے۔[2]

﴿16﴾... امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی كَرَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَجْهَهُ الْكَرِیْم فرماتے ہیں: کیا میں تمہیں قرآن پاک کی وہ آیت نہ بتاؤں جو بہت زیادہ امید دلاتی ہے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَمَاۤ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍؕ(۳۰) (پ۲۵، الشوریٰ: ۳۰)

ترجمۂ کنزالایمان: اور تمہیں جو مصیبت پہنچی وہ اس کے سبب سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا اور بہت کچھ تو معاف فرما دیتا ہے۔

معلوم ہوا دنیا میں تکالیف اور مصیبتیں گناہوں کی وجہ سے پہنچتی ہیں۔ جب اللہ عَزَّوَجَلَّ مومن بندے کو کسی دنیاوی عذاب میں مبتلا کرتا ہے تو اس کے کرم سے بعید ہے کہ وہ اسے دوبارہ عذاب میں مبتلا کرے اور اگر اسے دنیا

1 ...المعجم الاوسط، ۶/ ۴۲۲، حدیث: ۹۲۷۲

2 ...سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی الصبر علی البلاء، ۴/ ۱۷۸، حدیث: ۲۴۰۴

میں مُعاف کردے تو اس کے کرم سے یہ بھی بعید ہے کہ وہ اُسے قیامت کے دن عذاب میں مبتلا کرے۔

دو پسندیدہ گھونٹ:

﴿17﴾... حضرت سیِّدُنا انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: دو گھونٹوں سے بڑھ کر کوئی گھونٹ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک پسندیدہ نہیں: (۱)...غصے کا گھونٹ جسے بندہ برداشت کرتے ہوئے پی لے اور (۲)...مصیبت کا گھونٹ جسے بندہ صبر کرتے ہوئے پی لے اور دو قطروں سے بڑھ کر کوئی قطرہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک پسندیدہ نہیں: (۱)...راہِ خدا میں بہایا جانے والا خون کا قطرہ اور (۲)...رات کی تاریکی میں سجدے کی حالت میں نکلنے والا آنسو کا قطرہ جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا کوئی نہ دیکھ رہا ہو۔ دو قدموں سے زیادہ کوئی قدم اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک پسندیدہ نہیں: (۱)...فرض نماز کے لئے اٹھنے والا قدم اور (۲)...صلہ رِحمی کے لئے اٹھنے والا قدم۔[1]

﴿18﴾... حضرت سیِّدُنا ابو درداء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا سلیمان بن داوٗد عَلَیْہِمَا السَّلَام کے ایک شہزادے نے وفات پائی تو آپ بے حد غمگین ہوئے۔ دو فرشتے حاضر ہوئے اور ایک مُعاملے کا فیصلہ کروانے آپ کے سامنے بیٹھ گئے۔ ایک نے کہا: میں نے بیج بویا تھا جب کھیتی تیار ہوگئی تو اس نے روند دیا۔ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے دوسرے سے اِستفسار فرمایا: تم کیا کہتے ہو؟ اس نے عرض کی: میں شاہراہ پر چل رہا تھا کہ اچانک ایک کھیتی پر نظر پڑی۔ میں نے دائیں بائیں دیکھا تو کوئی راستہ نہ ملا ناچار کھیتی کے اوپر سے گزرنا پڑا۔ حضرت سیِّدُنا سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام نے پہلے سے استفسار فرمایا: تم نے شاہراہ میں بیج کیوں بویا؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ لوگ شاہراہ ہی سے آنا جانا کرتے ہیں؟ تو پہلے فرشتے نے کہا: آپ اپنے بیٹے کی جدائی پر کیوں غمگین ہیں؟ آپ بھی تو جانتے ہیں کہ موت آخرت کا راستہ ہے۔ حضرت سیِّدُنا سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام اسی وقت ربّ تعالٰی کے حُضور متوجہ ہوئے اور اس کے بعد بیٹے کی وفات پر غم کا اظہار نہ کیا۔

---

[1]...الزھد لابن المبارک، باب ماجاء فی الشح، ص ۲۳۵، حدیث: ۶۷۲، بتغیر قلیل، عن الحسن مرسلاً

جمع الجوامع، ۶/ ۲۸۰، حدیث: ۱۹۱۴۴، مختصراً عن علی رضی اللہ عنہ

سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کا صبر:

﴿19﴾... حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْعَزِیْز اپنے بیمار فرزند کے پاس تشریف لے گئے تو ارشاد فرمایا: اے بیٹے! تم میرے ترازو میں رکھے جاؤ یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں تمہارے ترازو میں رکھا جاؤں۔ بیٹے نے عرض کی: اباجان! مجھے آپ کی پسند اپنی پسند سے زیادہ عزیز ہے۔

سیِّدُنا ابنِ عباس رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا کا صبر:

﴿20﴾... حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ جب انہیں بیٹی کے انتقال کی خبر ملی تو "اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ؕ(۱۵۶)[1]" پڑھنے کے بعد فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ایک قابلِ سَتْر چیز کو ڈھانپ دیا اور میرے بوجھ کو ہلکا کیا اور مجھے اجر وثواب عطا فرمایا۔ یہ کہنے کے بعد کھڑے ہو کر دو رکعت نفل نماز ادا کی اور فرمایا: ہم نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حکم پر عمل کیا اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَ اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ (پ۱، البقرۃ: ۴۵) ترجمۂ کنزالایمان: اور صبر اور نماز سے مدد چاہو۔

﴿21﴾... حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن مبارک رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے بیٹے کا انتقال ہوا تو آپ سے واقفیت رکھنے والے ایک مجوسی نے تعزیت کرتے ہوئے کہا: عقل مند آدمی کو آج وہ کام کرنا چاہئے جو بے وقوف شخص پانچ دن بعد کرتا ہے۔ یہ سن کر آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: اس کی یہ بات لکھ لو۔

﴿22﴾... بعض علما کا قول ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ بندے کو پے در پے آزمائش میں مبتلا فرماتا ہے حتّٰی کہ وہ گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔

﴿23﴾... حضرت سیِّدُنا فُضَیل بن عِیاض رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے مومن بندے کو (اس کے بھلے کے لئے) آزمائش میں ڈالتا رہتا ہے جس طرح آدمی اپنے گھر والوں سے (ان کے بھلے کے لئے) اچھا سلوک کرتا رہتا ہے۔

﴿24﴾... حضرت سیِّدُنا حاتم اَصَم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم نے فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ قیامت کے دن چار قسم کے لوگوں

---

[1] ...ترجمۂ کنزالایمان: ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا۔ (پ۲، البقرۃ: ۱۵۶)

کے خلاف چار آدمیوں سے حجت قائم فرمائے گا۔مال دار لوگوں کے خلاف حضرت سیِّدُنا سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام سے، غریب اور تنگدست لوگوں کے خلاف حضرت سیِّدُنا عیسٰی عَلَیْہِ السَّلَام سے، غلاموں پر حضرت سیِّدُنا یوسف عَلَیْہِ السَّلَام سے اور بیماروں پر حضرت سیِّدُنا ایوب عَلَیْہِ السَّلَام سے۔

سیِّدُنا زکریا عَلَیْہِ السَّلَام کا صبر:

﴿25﴾... ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت سیِّدُنا زکریا عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُوَالسَّلَام بنی اسرائیل کے کُفّار سے بچتے ہوئے ایک درخت کے اندر چھپ گئے تو ان کو جب اس کا پتا چلا تو وہ آرا لے کر آئے اور درخت کو چیرنے لگے حتّٰی کہ آرا حضرت سیِّدُنا زکریا عَلَیْہِ السَّلَام کے سر مبارک تک پہنچ گیا تو آپ نے ایک آہ بھری۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ اے زکریا! اگر تم نے دوبارہ آہ نکالی تو میں نَبُوَّت کے رجسٹر سے تمہارا نام نکال دوں گا۔[1] حضرت سیِّدُنا زکریا عَلَیْہِ السَّلَام نے صبر کیا حتّٰی کہ آپ کے دو ٹکڑے ہوگئے۔

﴿26﴾... حضرت سیِّدُنا ابو مسعود بلخی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: جس شخص کو مصیبت پہنچے اور وہ کپڑے پھاڑے یا سینہ پیٹے تو گویا وہ نیزہ لے کر اللہ عَزَّوَجَلَّ سے لڑنے کے لئے تیار ہوا۔

﴿27﴾... حضرت سیِّدُنا لقمان حکیم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْکَرِیْم نے اپنے بیٹے سے فرمایا: اے بیٹے! سونے کے کھوٹے کھرے ہونے کا پتا آگ کے ذریعے چلتا ہے اور نیک بندے کا پتا مصیبتوں کے ذریعے چلتا ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ جب کسی قوم کو پسند کرتا ہے تو انہیں آزمائش میں ڈال دیتا ہے ان میں جو راضی رہا اس کے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رِضا ہے اور جو ناراض ہوا اس کے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ناراضی ہے۔

﴿28﴾... حضرت سیِّدُنا اَحنف بن قیس رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: ایک دن میری داڑھ میں درد ہوا تو میں نے اپنے چچا سے کہا: میں داڑھ کے درد کی وجہ سے گزشتہ رات سو نہیں سکا حتّٰی کہ میں نے یہ بات تین بار کہی تو میرے چچا نے کہا: تم نے ایک رات میں درد کی اتنی زیادہ شکایت کر دی؟ میری آنکھوں کی روشنی ضائع ہوئے تیس برس ہو گئے لیکن اس کا کسی کو علم نہیں۔

﴿29﴾... اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت سیِّدُنا عزیر عَلَیْہِ السَّلَام کی طرف وحی فرمائی کہ جب تم پر کوئی مصیبت آئے تو میری

---

[1]...(نبی سے نبوت کا زوال ماننا جائز نہیں) جو شخص نبی سے نبوت کا زوال جائز جانے کافر ہے۔(بہارِ شریعت، حصہ اول، ۱/ ۳۷)

مخلوق سے شکایت نہ کرنا بلکہ مجھ سے عرض کرنا جیسا کہ میں مخلوق کی خطائیں فرشتوں کے سامنے بیان نہیں کرتا۔

ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اس کے عظیم لُطف وکَرَم کے ذریعے دنیا وآخرت میں ستر جمیل کا سوال کرتے ہیں۔

دوسری فصل: مصیبت پر نعمت کی فضیلت کا بیان

ہو سکتا ہے آپ یہ کہیں کہ جو روایات مذکور ہوئیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں نعمتوں کے مقابلے میں مصیبتیں زیادہ بہتر ہیں لہٰذا ہمیں اللہ عَزَّوَجَلَّ سے مصیبتوں کا سوال کرنا چاہئے؟

میں کہتا ہوں: اس سوال کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ مروی ہے کہ حُضور اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم دنیا اور آخرت کی مصیبتوں سے پناہ کی دعا کیا کرتے۔[1] آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اور دیگر انبیا عَلَیْہِمُ السَّلَام یوں دعا کیا کرتے: "رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً[2]"[3] نیز انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام مصیبت پر دشمنوں کے خوش ہونے وغیرہ سے بھی پناہ مانگا کرتے۔[4]

عافیت کے متعلق پانچ روایات:

﴿1﴾... امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم نے ایک مرتبہ یوں دعا مانگی: "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الصَّبْرَ یعنی اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! میں تجھ سے صبر کا سوال کرتا ہوں۔" سیِّدِ عالَم، نورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے یہ سنا تو ارشاد فرمایا: تم نے اللہ عَزَّوَجَلَّ سے مصیبت کا سوال کیا ہے، اس سے عافیت کا سوال بھی کرو۔[5]

﴿2﴾... امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ رحمتِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد ہے: "سَلُوا اللّٰہَ الْعَافِیَةَ فَمَا اُعْطِیَ اَحَدٌ اَفْضَلَ مِنَ الْعَافِیَةِ اِلَّا الْیَقِیْنَ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ سے

1... المسند للامام احمد بن حنبل، حدیث نسر بن ارطاۃ، ۶/ ۱۹۶، حدیث: ۱۷۶۴۵

2... ترجمۂ کنزالایمان: اے رب ہمارے ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور ہمیں آخرت میں بھلائی دے۔ (پ۲، البقرۃ: ۲۰۱)

3... بخاری، کتاب الدعوات، باب قول النبی: ربنا اتنا... الخ، ۴/ ۲۱۴، حدیث: ۶۳۸۹

4... بخاری، کتاب الدعوات، باب التعوذ من جهد البلاء، ۴/ ۲۰۲، حدیث: ۶۳۴۷

کتاب الجامع لمعمر بن راشد ملحق مصنف عبد الرزاق، باب القول حین یمسی وحین یصبح، ۱۰/ ۹۳، حدیث: ۲۰۰۵

5... سنن الترمذی، کتاب الدعوات، باب (۱۰۱)، ۵/ ۳۱۲، حدیث: ۳۵۳۸، دون ذکر "علی"

سنن الکبریٰ للنسائی، کتاب عمل الیوم واللیلة، باب ما یقول عند ضر ینزل به، ۶/ ۲۶۱، حدیث: ۱۰۸۹۷، بتغیر

عافیت کا سوال کرو کسی شخص کو یقین کے علاوہ عافیت سے افضل چیز نہیں دی گئی۔ "[1]

یقین کا ذکر فرما کر آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے جہالت اور شک کی بیماری سے دل کی عافیت کی طرف اشارہ فرمایا تو دل کی عافیت بدن کی عافیت سے اعلیٰ ہے۔

﴿3﴾... حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: وہ خیر جس میں کسی طرح کا شر نہ ہو وہ شکر کے ساتھ عافیت ہے۔ مگر بہت سے انعام یافتہ لوگ شکر نہیں کرتے۔

﴿4﴾... حضرت سیِّدُنا مطرِّف بن عبد اللّٰہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: میں عافیت میں رہوں اور شکر کروں یہ مجھے مصیبت میں مبتلا ہو کر صبر کرنے سے زیادہ پسند ہے۔

﴿5﴾... ایک مرتبہ نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے دعا کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ! تیری طرف سے ملنے والی عافیت مجھے زیادہ پسند ہے۔[2]

یہ بات دلیل وغیرہ کی محتاج نہیں (کہ عافیت مصیبت سے بہتر ہے) کیونکہ مصیبت دو اعتبار سے نعمت بنتی ہے: (۱)...بڑی مصیبت نہ آنے کے اعتبار سے خواہ دنیاوی ہو یا دینی اور (۲)... ثواب کی اُمید کے اعتبار سے۔ لہٰذا انسان کو دنیا میں کامل نعمت کے حُصول اور بڑی مصیبت سے دور رہنے کا سوال کرنا چاہئے اور اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمت کا شکر کرنے پر اخروی ثواب کا سُوال کرنا چاہئے کیونکہ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ اس بات پر قادر ہے کہ شکر پر وہ ثواب عطا فرمائے جو صبر کرنے پر نہ دیا جائے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں: میں جہنم کے اوپر پل بنا چاہتا ہوں تا کہ لوگ مجھ پر سے گزر کر پار ہو جائیں اور نجات پا جائیں اور صرف میں جہنم میں رہ جاؤں۔ حضرت سیِّدُنا سمنون رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں:

وَلَيْسَ لِيْ فِيْ سِوَاكَ حَظٌّ فَكَيْفَ مَا شِئْتَ وَاخْتَبِرْنِيْ

ترجمہ: میری ذات میں تیرے سوا کسی کا حصہ نہیں تو جس طرح چاہے مجھے آزمالے۔

یہ دونوں قول مصیبت کا سُوال کرنے پر دلالت کرتے ہیں۔

1...مسند ابی یعلی، مسند ابی بکر الصدیق، ۱/ ۷۶، حدیث: ۱۲۹

2...قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون، شرح مقامات الیقین، ۱/ ۳۴۴، بلفظ "عافیتک اوسع لی"

اس شعر کو ذکر کرنے کے بعد حضرت سیِّدُنا سمنون رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ پیشاب رک جانے کے مرض میں مبتلا ہو گئے۔ وہ مَدْرَسوں کے دروازوں پر جاتے اور بچوں سے کہتے: ”جھوٹی بات کرنے والے چچا کے لئے دعا کرو۔“

کسی انسان کا عشق و محبت میں یہ کہنا کہ تمام مخلوق کی جگہ میں ہی جہنم میں جاؤں یہ ناممکن بات ہے۔ تاہم بعض اوقات محبت دل پر اس قدر غالب آجاتی ہے کہ مُحب خود کو ان جیسی باتوں کے لائق سمجھ لیتا ہے۔ جو عشقِ حقیقی کا جام پیتا ہے وہ مدہوش ہو جاتا ہے اور اس حالت میں ایسی بڑی باتیں کر جاتا ہے کہ نشہ زائل ہونے کے بعد اسے معلوم ہو جائے تو خود کہہ دے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ جو کچھ تم نے اس سلسلے میں سنا (حضرت سمنون اور بزرگ عَلَیْہِمَا الرَّحْمَہ کا کلام) ان عُشّاق کا کلام ہے جو محبت میں بڑھے ہوئے ہیں اور عشاق کے کلام سے کانوں کو لذت حاصل ہوتی ہے لیکن قابل اعتبار نہیں ہوتا جیسا کہ

حکایت: عاشقوں کا کلام قابل بیان نہیں ہوتا

ایک فاختہ کا نَر اس کے قریب ہونا چاہتا تھا لیکن فاختہ اسے قریب نہیں ہونے دیتی۔ نر نے پوچھا: کونسی چیز تمہیں مجھ سے روک رہی ہے؟ اگر تم یہ کہو کہ میں تمہاری خاطر دونوں جہاں حضرت سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام کی حکومت سمیت الٹ پلٹ دوں تو میں یہ بھی کر ڈالوں۔ حضرت سیِّدُنا سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام نے یہ بات سن لی اور اسے بلا کر ڈانٹا تو اس نے عرض کی: یَانَبِیَّ اللہِ! عاشقوں کا کلام قابلِ بیان نہیں ہوتا۔

شاعر کہتا ہے:

اُرِیْدُ وِصَالَہٗ وَیُرِیْدُ ھِجْرِیْ　　　فَاَتْرُکُ مَا اُرِیْدُ لِمَا یُرِیْدُ

ترجمہ: میں اس سے ملاقات کا ارادہ کرتا ہوں مگر وہ مجھ سے دور ہونا چاہتا ہے پس میں اس کے ارادے کی خاطر اپنا ارادہ تبدیل کرتا ہوں۔

شاعر کی مراد بھی ناممکن ہے کہ اس نے پہلے ملاقات کی خواہش ظاہر کی پھر محبوب کے ارادے کو اپنی خواہش بنالیا حالانکہ دونوں کا ارادہ و خواہش ایک دوسرے کی ضد ہیں کیونکہ جو ملاقات کا خواہشمند ہو گا وہ جُدائی کا ارادہ کیسے کرے گا؟ البتہ دو تاویلوں کے ساتھ اس کلام کی تصدیق کی جا سکتی ہے:

...**پہلی تاویل:** یہ صورت بعض احوال میں پیش آتی ہے تاکہ اس کے ذریعے محبوب کی رِضا حاصل کرلی جائے

یوں مستقبل میں محبوب سے ملاقات بھی ممکن ہے، لہٰذا جدائی، رضا کا وسیلہ ہے اور رِضا ملاقاتِ محبوب کا وسیلہ ہے اور جو چیز محبوب کی طرف وسیلہ بنے وہ بھی محبوب ہوتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص مال سے محبت کرتا ہے، اس سے ایک درہم لے کر دو دِرہم کا وعدہ کیا جائے تو ایک درہم فی الحال چھوڑ دے گا۔

...**دوسری تاویل:** شاعر کے کلام کی تصدیق کے لئے دوسری تاویل یہ ہے کہ محب کو فقط محبوب کی رِضا مطلوب ہے کیونکہ اگر محبوب کی رِضا حاصل ہو جائے تو اس کی لذت بعض اوقات دیدار کی لذت سے بھی بڑھ جاتی ہے تو اس وقت یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ وہ اس میں پائی جانے والی رِضا کا ارادہ کر رہا ہے یہی وجہ ہے کہ بعض اَہلِ محبت کی حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ ان کے نزدیک وہ آزمائشیں جن میں ربّ عَزَّوَجَلَّ کی رضا ہو اس سلامتی سے زیادہ لذیذ ہو گئیں جس میں رضائے الٰہی کا علم ہی نہیں۔ چنانچہ جب یہ لوگ آزمائش میں راضی رہنے پر قادر ہو جاتے ہیں تو آزمائش ان کے لئے عافیت سے زیادہ محبوب بن جاتی ہے۔

غلبۂ عشق کی اس حالت کا پایا جانا کوئی بعید نہیں ہے لیکن یہ حالت بہت مختصر رہتی ہے۔ اگر یہ باقی رہ جائے تو یہ بات مُشْتَبَہ ہو جاتی کہ یہ صحیح حالت ہے یا دل پر وارد ہونے والی دوسری حالت نے دل کو راہِ اعتدال سے منحرف کر دیا ہے اور یہ بات محلِ نظر ہے جس کی تحقیق ہمارے موضوع سے مُناسَبَت نہیں رکھتی۔ گزشتہ گفتگو سے ظاہر ہوا کہ عافیت مصیبت سے بہتر ہے۔ ہم اللہ تعالٰی سے اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے دنیا اور آخرت میں عفو و عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

تیسری فصل: صبر افضل ہے یا شکر

اس بارے میں اہلِ علم کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض صبر کو اور بعض شکر کو افضل قرار دیتے ہیں جبکہ بعض عُلَما دونوں کو برابر قرار دیتے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں: جس طرح لوگوں کے احوال میں اختلاف ہونے سے حکم میں اختلاف ہوتا ہے یہاں بھی وہی مُعاملہ ہو گا۔ ہر ایک گروہ کی دلیل میں شدید اِضْطِراب پایا جاتا ہے جو حُصولِ مقصد سے دور کرتا ہے۔ ان سب دلیلوں کو نقل کرنے کی کوئی حاجت نہیں بلکہ دُرُست قول کو ذکر کرنے میں جلدی کرنا ہی زیادہ بہتر ہے۔ ہم اسے دو مقام کے عنوان کے نام سے بیان کریں گے:

...**پہلا مقام:** اس مقام کی وضاحت عامیانہ انداز پر ہو گی یعنی ظاہری امر کو دیکھا جائے گا اس کی حقیقت کی

تفتیش نہیں کی جائے گی۔ چونکہ عوام کم فہم ہوتی ہے، گہرائی کی باتیں نہیں سمجھ سکتی اس لئے انہیں آسان انداز پر سمجھانا مناسب ہو گا۔ واعظین اور مُقَرِّرِین کو اسی اندازِ بیان کو اپنانا چاہئے کیونکہ عوام کے سامنے وعظ و بیان کا مقصد ان کی اصلاح ہوا کرتی ہے۔ ماں کے لئے یہ بات مناسب نہیں کہ وہ بچے کو موٹے موٹے پرندے اور قِسم قِسم کی میٹھی چیزیں کھلا کر اس کی اِصلاح کرے بلکہ وہ اسے نہایت لطیف دودھ پلاتی ہے۔ اس پر لازم ہے کہ عمدہ کھانے اس وقت تک نہ دے جب تک بچہ ان کے قابل نہ ہو جائے اور اس میں پائی جانے والی کمزوری ختم ہو جائے۔

میں کہتا ہوں کہ یہاں بحث و تفصیل کی حاجت نہیں فقط یہاں شرعی دلائل کے ظاہری مفہوم کو دیکھا جائے تو ان سے صبر کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ شکر کی فضیلت میں اگرچہ بہت سی روایات آئی ہیں لیکن صبر کی فضیلت میں وارد روایات بہت زیادہ ہیں بلکہ صبر کی فضیلت میں صریح اَلفاظِ حدیث موجود ہیں۔

صبر کے متعلق چھ فرامینِ مصطفٰے:

﴿1﴾... سب سے افضل چیز جو تمہیں دی گئی وہ یقین اور صبر ہے۔[1]

﴿2﴾... مروی ہے کہ بروزِ قیامت روئے زمین کے سب سے زیادہ شکر گزار کو لایا جائے گا۔ اللہ تعالٰی اسے شکر کا ثواب عطا فرمائے گا پھر روئے زمین کے سب سے زیادہ صبر کرنے والے کو لایا جائے گا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ فرمائے گا: کیا تو اس بات پر راضی ہے کہ اس شکر گزار کو ملنے والا ثواب تجھے بھی ملے؟ وہ عرض کرے گا: ہاں میرے ربّ۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ فرمائے گا: ہرگز نہیں! میں نے تجھے نعمت عطا کی تو تو نے شکر کیا اور مصیبت میں مبتلا کیا تو تو نے صبر کیا۔ آج میں تجھے دُگنا اجر عطا کروں گا پھر اسے شکر گزاروں سے دُگنا اجر عطا کیا جائے گا۔[2]

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّمَا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۱۰﴾ (پ۲۳، الزمر: ۱۰)

ترجمۂ کنزالایمان: صابروں ہی کو ان کا ثواب بھرپور دیا جائے گا بے گنتی۔

﴿3﴾... اَلطَّاعِمُ الشَّاكِرُ بِمَنْزِلَةِ الصَّائِمِ الصَّابِر یعنی شکر ادا کرتے ہوئے کھانے والا شخص صبر کرنے والے روزے دار کی

1... التفسیر الکبیر، پ۱، البقرۃ، تحت الآیۃ: ۱۵۵، ۲/ ۱۳۱

2... تفسیر نیشاپوری، پ۱، سورۃ البقرۃ، تحت الآیۃ: ۱۵۵، ۱/ ۴۴۲

طرح ہے۔[1]

یہ بھی فضیلتِ صبر کی دلیل ہے کیونکہ اس مبارک فرمان میں صبر کو مُبالغَہ کے پیشِ نظر ذکر کیا گیا تاکہ اس کے ذریعے شکر کے درجے کی بلندی بیان کی جائے اور شکر کو صبر سے تشبیہ دے کر ذکر کرنا صبر کے اعلیٰ درجہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اگر شریعت کی جانب سے صبر کی اَفْضَلیت سمجھی نہ جاتی تو شکر کو صبر سے تشبیہ دے کر شکر کی تعریف میں مبالغہ نہ کیا جاتا اس جیسی تشبیہ دیگر احادیث مبارکہ میں بھی وارد ہے جیسا کہ رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد ہے: اَلْجُمُعَۃُ حَجُّ الْمَسَاکِیْنِ وَجِہَادُ الْمَرْاَۃِ حُسْنُ التَّبَعُّل یعنی جمعہ غریبوں کا حج ہے اور عورت کا جہاد خاوند کے ساتھ اچھی طرح رہنا ہے۔[2] اسی طرح ایک حدیث پاک میں فرمایا گیا: ”شَارِبُ الْخَمْرِ کَعَابِدِ الْوَثَنِ یعنی شراب پینے والا بت پرست کی طرح ہے۔“[3] ہمیشہ مُشَبَّہ بِہٖ (جس سے تشبیہ دی جائے) اعلیٰ مرتبہ کا ہونا چاہیے چنانچہ رسولِ پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد ہے: ”اَلصَّبْرُ نِصْفُ الْاِیْمَانِ یعنی صبر نصف ایمان ہے۔“[4] اس حدیث پاک کا یہ مطلب نہیں کہ شکر بھی صبر کی طرح نصف ایمان ہے۔ یونہی حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمان ہے: ”اَلصَّوْمُ نِصْفُ الصَّبْرِ یعنی روزہ نصف صبر ہے۔“[5] جو چیز دو حصوں میں تقسیم ہو اس کے ہر حصے کو نصف کہتے ہیں اگرچہ ان میں کچھ فرق ہو جیسے کہا جاتا ہے: ایمان علم و عمل کا نام ہے پس عمل نصف ایمان ہوا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ عمل علم کے برابر ہو گیا۔

﴿4﴾ ... انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام میں سب سے آخر میں حضرت سلیمان بن داوٗد عَلَیْہِمَا السَّلَام اپنی بادشاہت کے سبب جنت میں جائیں گے اور صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان میں حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ اپنی مال داری کے سبب سب سے آخر میں جنت میں جائیں گے۔[6]

---

1 ... سنن الترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب (۱۰۸)، ۴/ ۲۱۹، حدیث: ۲۴۹۴

2 ... مسند الشھاب، ۱/ ۸۱، حدیث: ۷۸ ...... شعب الایمان، باب التوکل اللّٰہ... الخ، ۲/ ۷۳، حدیث: ۱۱۹۷

3 ... سنن ابن ماجہ، کتاب الاشربۃ، باب مدمن الخمر، ۴/ ۶۱، حدیث: ۳۳۷۵، ”مدمن“ بدلہ ”شارب“
البحر الزخار، مسند عبد اللّٰہ بن عمرو، ۶/ ۳۶۷، حدیث: ۲۳۸۲

4 ... شعب الایمان، فی البصر علی المصائب، ۷/ ۱۲۳، حدیث: ۹۷۱۶

5 ... سنن الترمذی، کتاب الدعوات، باب (۹۲)، ۵/ ۳۰۸، حدیث: ۳۵۳۰

6 ... تفسیر نیشاپوری، پ۱، سورۃ البقرۃ، تحت الآیۃ: ۱۵۵، ۱/ ۴۴۲

﴿5﴾... حضرت سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام دیگر انبیا عَلَیْہِمُ السَّلَام کے 40 سال بعد جنت میں جائیں گے۔[1]

﴿6﴾... جنت کے تمام دروازوں کے دو دو کواڑ ہیں لیکن صبر کے دروازے کا ایک ہی کواڑ ہے اور جنت میں سب سے پہلے آزمائش میں مبتلا لوگوں کے امام حضرت ایوب عَلَیْہِ السَّلَام داخل ہوں گے۔[2]

فقر کی فضیلت میں جتنی رِوایات ہیں سب صبر کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ صبر فقیر کی حالت ہے اور شکر مالدار کی حالت ہے۔ پہلے مقام کا مضمون ختم ہوا جو عوام کے سمجھنے کے لئے تھا۔ ان کے لئے اسی انداز کا وعظ کافی ہوتا ہے اور اسی میں ان کے دین کی اصلاح ہے۔

...دوسرا مقام: اس مقام کی وضاحت اہل علم اور اربابِ بصیرت کے لئے ہے۔ انھیں حقائقِ امور اور کَشْف واِیضاح کے ذریعے آگاہ کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں ہم یہ کہتے ہیں کہ دو مُبْہَم چیزوں کے درمیان اِبہام کی موجودگی میں مُوازنہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ان میں سے ہر ایک کی حقیقت واضح نہ ہو جائے۔ پھر جس چیز کی حقیقت واضح ہو جائے اگر وہ کئی قسموں پر مشتمل ہو تو ان میں اِجتماعی طور پر مُوازنہ ممکن نہیں بلکہ ضروری ہے کہ ہر فرد کا الگ الگ موازنہ کیا جائے تاکہ ترجیح کا تعیُّن ہو جائے۔

صبر و شکر کو دیکھا جائے تو ان کی اقسام اور شعبے بے شمار ہیں۔ اسی لئے اجمالاً ان دونوں میں ترجیح و نقصان کا حکم واضح نہیں ہو سکتا۔ ہم یہ پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ یقین کے مقامات تین اُمور یعنی علوم، احوال اور اعمال سے مرکب ہوتے ہیں۔ صبر و شکر اور دیگر ذکر کئے جانے والے مقامات بھی انہی امور سے مرکب ہوتے ہیں۔ ان تین امور کا آپس میں موازنہ کیا جائے تو ظاہری صورتحال دیکھنے والوں کو یہی بات سمجھ آئے گی کہ علوم احوال کا اور احوال اعمال کا ذریعہ ہیں لہٰذا ان میں اعمال افضل ہوئے لیکن اربابِ بصیرت کی رائے بالکل برعکس ہے کیونکہ ان کے نزدیک اعمال احوال کا اور احوال کو علوم کا ذریعہ ہیں چنانچہ وہ علوم کو افضل مانتے ہیں پھر احوال اور اس کے بعد اعمال کیونکہ جو چیز دوسروں کے لئے مقصود بنے وہ یقیناً افضل ہوتی ہے لیکن ان تینوں اُمور کو جب الگ الگ کر کے ایک دوسرے کی طرف منسوب کر دیا جائے تو اعمال کبھی برابر ہوتے

1... المعجم الکبیر، ۱۲/ ۹۴، حدیث: ۱۲۶۵۱

2... تفسیر نیشاپوری، پ۱، سورۃ البقرۃ، تحت الآیۃ: ۱۵۵، ۱/ ۴۴۲

ہیں اور کبھی ان میں تفاوت (فرق) ہوتا ہے یہی صورتحال علوم واحوال میں پیش آتی ہے۔ معارف میں علومِ مکاشفہ علومِ معاملہ سے ارفع واعلیٰ ہیں بلکہ علومِ معاملہ تو خود معاملات سے بھی کم درجہ ہیں کیونکہ یہ معاملے کے لئے مقصود ہوتے ہیں تو اس کا فائدہ اصلاحِ عمل ہے۔ عالم کو عابد (عبادت گزار) پر فضیلت دینے کا مطلب یہ ہے کہ عالم کے علم سے دوسروں کو نفع پہنچے تو ایک خاص عمل (علم پر عمل) کی وجہ سے یہ افضل ہو گیا ورنہ کسی کا علم اگر عمل سے خالی ہو تو وہ عمل سے افضل نہیں ہے۔ عمل کی اصلاح کا فائدہ حالِ دل کی اصلاح ہے اور حالِ دل کی اصلاح کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات وصفات اور افعال کی تجلیات منکشف ہو جاتی ہیں۔ علومِ مُکاشفہ میں سب سے اعلیٰ و ارفع علم معرفتِ خداوندی ہے اور یہی حقیقی مقصود و مطلوب ہے کیونکہ اس کے ذریعے سعادت حاصل ہوتی ہے بلکہ یہی عین سعادت ہے لیکن دنیا میں بعض اوقات دل کو اس کے عینِ سعادت ہونے کا پتا نہیں چلتا بلکہ اسے آخرت میں پتا چلتا ہے تو یہ آزاد معرفت ہوتی ہے جس پر کوئی قید نہیں لہٰذا یہ ہر طرح کی قید سے آزاد ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ جو بھی معارف ہیں وہ اس لئے مطلوب ہوتے ہیں تاکہ ان کے ذریعے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت حاصل کی جائے (ذاتی طور پر مقصود نہیں ہوتے) جب یہ معارف معرفتِ خداوندی تک پہنچانے کا ذریعہ ہوئے تو یہ معرفتِ خداوندی تک پہنچانے میں اپنے نفع کے اعتبار سے مختلف ہوں گے یوں ایک معرفت دوسری معرفت تک ایک واسطے یا کئی واسطوں سے پہنچنے کا ذریعہ بنے گی اور جس معرفت میں بندے اور معرفتِ خداوندی کے درمیان واسطے کم ہوں گے تو وہ معرفت (دیگر معارف سے) افضل ہو گی۔

احوال سے مراد:

اَحوال سے ہماری مراد دل کے احوال ہیں جنہیں دنیاوی عُیوب ونقائص اور مخلوق کی رغبت سے پاک وصاف کیا جائے یہاں تک کہ جب دل پاک صاف ہو جائے تو اس پر معرفتِ خداوندی واضح ہو جاتی ہے۔ دل کی اصلاح وپاکی اور اسے عُلومِ مُکاشَفہ کے حُصول پر آمادہ کرنے میں اَحوال کی فضیلت اپنی تاثیر کے مطابق ہو گی نیز جس طرح آئینے کو مکمل طور پر صاف وشفاف بنانے کے لئے پہلے کچھ اَحوال کی ضرورت پیش آتی ہے جن میں بعض اَحوال آئینے کو زیادہ صاف وشفاف بناتے اور بعض کم اسی طرح دل کے اَحوال ہیں (کہ

بعض دل کی صفائی زیادہ کرتے اور بعض کم) تو جو حالت دل کی صفائی کرنے میں قریب ہو یا قریب کرنے والی ہو وہ کم درجے والی حالتوں سے لازماً افضل ہو گی کیونکہ وہ مقصود کے قریب ہے۔

عمل کی دو حالتیں:

اعمال کی ترتیب بھی اسی طرح ہے کیونکہ انہی کی تاثیر دل کی صفائی اور احوال کو دل پر طاری کرتی ہے اور ہر عمل کی دو حالتیں ہوتی ہیں: (۱)...وہ حالت دل پر ایسے احوال طاری کر دے جو مکاشفہ کی راہ میں رکاوٹ بنیں، دل کی تاریکی کا باعث بنیں اور دنیاوی زینتوں کی طرف لے جائیں یا (۲)...وہ حالت دل پر ایسے احوال طاری کر دے جو مکاشفہ کی راہ ہموار کر دیں، دل کی صفائی کا سبب بنیں اور دنیاوی تعلُّقات کو ختم کریں۔ پہلی حالت کو مَعْصِیَّت (نافرمانی) اور دوسری کو اِطاعت (فرمانبرداری) کہتے ہیں۔

اطاعت و معصیت کے اثرات:

دل کی سختی اور تاریکی میں معصیت کے اثرات مختلف ہوتے ہیں یونہی دل کو روشن اور صاف کرنے میں اطاعت کے اثرات بھی مختلف ہوتے ہیں۔ گویا معصیت اور اطاعت کے درجات اپنے اپنے تاثیری درجات کے مطابق ہوا کرتے ہیں اور یہ اختلافِ احوال کے سبب بدلتے بھی رہتے ہیں مثلاً: ہم مُطْلَقاً یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ نفلی نماز ہر نفلی عبادت سے افضل ہے۔ حج، صَدَقہ سے افضل ہے۔ رات کی عبادت دیگر نفلی عبادات سے افضل ہے لیکن تحقیق یہ ہے کہ ایسا مالدار جس پر بخل اور مال جمع کرنے کی محبت غالب ہو اس کا (اطاعتِ الٰہی میں) ایک درہم خرچ کرنا کئی راتوں کی عبادت اور کئی دنوں کے روزوں سے افضل ہے کیونکہ روزہ تو ایسے شخص کے لئے مناسب ہے جس پر بھوک کی شہوت غالب ہو اور وہ شہوت کو ختم کرنا چاہے یا سیر ہو کر کھانا عُلومِ مکاشفہ میں غور و فکر سے رکاوٹ بنتا ہو تو اس نے (روزے رکھ کر) بھوک کے ذریعے دل کو صاف کرنے کا ارادہ کیا ہو لیکن اس بخیل اور مال جمع کرنے والے کی یہ حالت نہیں ہے کیونکہ اسے پیٹ کی شہوت نقصان دیتی نہ وہ کسی غور و فکر میں مشغول ہے کہ شکم سیری رکاوٹ بنے تو اس کا روزے رکھنا اپنی حالت چھوڑ کر دوسرے کی حالت اختیار کرنا کہلائے گا اور یہ اس بیمار کی طرح ہو گا جس کے پیٹ میں درد ہو اور دوا سر درد کی استعمال کرے تو یقیناً اسے فائدہ نہیں پہنچے گا بلکہ اسے تو ہلاک کرنے والی بیماری کو دیکھنا چاہئے جو اس پر غالب

ہے۔بخل جس کی پیروی کی جائے ہلاکت میں ڈالنے والی ہے اور اس کے بخل کو سو سال کے روزے اور ایک ہزار راتوں کی عبادت بھی دور نہیں کرسکتے بلکہ اس کا اِزالہ مال خرچ کرنے سے ہوتا ہے لہٰذا اسے صدقہ خیرات کرنی چاہئے۔ہم نے اس کی تفصیل مُہلِکات کے بیان میں ذکر کی ہے وہاں مطالعہ کرلیجئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اطاعت وفرمانبرداری کے اثرات احوال کے اعتبار سے مُرتَّب ہوتے ہیں لہٰذا سمجھدار شخص ایسی صورت میں پہچان لے گا کہ تحقیق سے خالی جواب میں خطا ہے کیونکہ کوئی شخص پوچھے کہ روٹی بہتر ہے یا پانی؟ تو اس کا دُرُست جواب یہی بنے گا کہ بھوکے کے لئے روٹی اور پیاسے کے لئے پانی بہتر ہے۔ اگر دونوں باتیں پائی جائیں تو جسے غلبہ حاصل ہو اُسے دیکھا جائے کہ اگر پیاس غالب ہو تو پانی بہتر ہے اور اگر بھوک غالب ہو تو روٹی بہتر ہے۔اگر دونوں برابر ہوں تو دونوں پر برابری کا حکم ہوگا۔

اسی طرح جب پوچھا جائے کہ سِکَنْجِبِیْن[1] بہتر ہے یا نیلوفر[2] کا شربت؟ تو مطلقاً جواب دینا درست نہ ہوگا۔ہاں اگر ہم سے یہ پوچھا جائے کہ سِکَنْجِبِیْن بہتر ہے یا صَفرا[3] کا نہ ہونا بہتر ہے؟ تو ہم کہیں گے صفرا کا نہ ہونا بہتر ہے کیونکہ سِکَنْجِبِیْن کی ضرورت صَفرا کو ختم کرنے کے لئے ہوتی ہے اور جب کوئی چیز کسی دوسری چیز کے لیے مقصود بنے تو دوسری چیز بہتر وافضل ہوتی ہے۔مال کا خرچ کرنا بھی ایک عمل ہے،اس سے ایک حالت حاصل ہوتی ہے یعنی بخل کا زائل ہونا اور دل سے دنیا کی محبت نکلنا۔دنیا کی محبت نکلنے کے سبب دل **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی معرفت ومحبت کے لئے تیار ہوجاتا ہے تو مَعْرِفَتِ خُداوندی بہتر وافضل ٹھہری،حال اس سے کم اور عمل اس سے بھی کم درجہ ہوا۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر کوئی یہ کہے کہ شریعت نے اعمال کی ترغیب دیتے ہوئے اس کی فضیلت مُبالَغہ کے ساتھ بیان کی ہے حتّٰی کہ صدقہ دینے کی ترغیب میں **اللہ** عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

1...لیموں یا سرکہ سے تیار شدہ مشروب۔
2...ایک قسم کے نیلے پھول کا نام جو پانی میں پیدا ہوتا ہے اور دوا کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔
3...اِخلاطِ اَرْبَعَہ میں سے ایک زرد رنگ کی کڑوی خلط۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ترجمۂ کنزالایمان: ہے کوئی جو اللہ کو قرضِ حسن دے۔

(پ۲، البقرۃ: ۲۴۵)

اور ارشاد فرماتا ہے:

وَ یَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ (پ۱۱، التوبۃ: ۱۰۴) ترجمۂ کنزالایمان: اور صدقے خود اپنے دست قدرت میں لیتا ہے۔

یہ سب فضیلت ہوتے ہوئے کس طرح عمل اور مال خرچ کرنا افضل نہ ہو گا؟ **جواب:** یاد رکھیے! طبیب جب دوائی کی تعریف کرے تو ہرگز یہ مقصد نہیں ہوتا کہ وہ بعینہٖ مقصود ہے یا وہ صحت و شفا سے افضل ہے۔ البتہ نیک اعمال قلبی بیماریوں کا علاج ہیں اور قلبی بیماریوں کا عام طور پر پتہ نہیں چلتا جیسے کسی شخص کے چہرے پر برص کے داغ ہو جائیں اور آئینہ نہ ہو تو اسے شعور نہیں ہوتا۔ اگر اسے بتایا جائے تو یقین نہیں کرتا تو ایسے شخص سے بات کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر عرقِ گلاب ان داغوں کو زائل کرتا ہو تو عرقِ گلاب سے چہرہ دھونے کی حد سے بڑھ کر تعریف کی جائے تاکہ زیادہ تعریف اسے مسلسل منہ دھونے پر مجبور کر دے اور اس کا مرض زائل ہو جائے لیکن اگر اس سے کہا جاتا کہ مقصود تمہارے چہرے سے برص کے داغ کو زائل کرنا ہے تو ممکن تھا کہ وہ علاج نہ کرتا اور یہ خیال کرتا کہ اس میں کوئی عیب نہیں ہے۔

اسی سے قریب ایک مثال یہ بھی ہے کہ ایک شخص نے اپنے بیٹے کو قرآن اور دیگر علوم کی تعلیم دلائی اب وہ چاہتا ہے کہ اس کا بیٹا اسے یاد رکھے اور بھولے نہ، مگر وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اگر بیٹے کو تکرار کرنے یا پڑھنے کے لیے کہوں تاکہ علم محفوظ رہے تو بیٹا کہے گا: مجھے یاد ہے، تکرار کرنے اور پڑھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ بیٹے کا گمان ہے جو کچھ اسے تعلیم کے دوران یاد تھا وہ ہمیشہ یاد رہے گا۔ اسی شخص کے غلام بھی ہوں تو وہ بیٹے کو کہے: تم غلاموں کو پڑھاؤ اور اچھے انعام کا وعدہ بھی کر لے تاکہ بیٹا سکھانے کے ذریعے زیادہ تکرار کر سکے۔ بعض اوقات بے چارہ بیٹا یہ سمجھتا ہے کہ مقصود غلاموں کو قران پاک کی تعلیم دینا ہے جبکہ میں تو تعلیم کے ذریعے ان کی خدمت کر رہا ہوں۔ اسے یہ وسوسہ پریشانی میں مبتلا کر دیتا ہے اور سوچنے لگتا ہے کہ کیا وجہ ہے والد صاحب مجھ سے ان غلاموں کی خدمت لے رہے ہیں حالانکہ میں تو ان کے نزدیک زیادہ معزز و محترم ہوں۔ میں جانتا ہوں اگر والد صاحب کا مقصد غلاموں کو تعلیم دینا ہوتا تو مجھے ذمہ داری دیئے

بغیر بھی حاصل ہو جاتا اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ ان غلاموں کے چلے جانے سے والد صاحب کو کوئی نقصان نہیں ہوتا چہ جائیکہ وہ قرآن پاک پڑھنا نہ جانتے ہوں۔ پس یوں بعض اوقات وہ سستی کرنے لگتا ہے اوروالد کی بے پروائی اور درگزر پر بھروسہ کرتے ہوئے ان کو پڑھانا چھوڑ دیتا ہے یوں قرانِ پاک اور دیگر علوم کو بھول جاتا ہے اور ایسا محروم ہو جاتا ہے گویا اسے کچھ پتہ ہی نہیں۔

بعض لوگ اس قسم کے خیالات کی وجہ سے دھوکے کا شکار ہوئے اورانہوں نے اباحت پسندی کی راہ اختیار کرلی اور کہنے لگے: اللہ عَزَّوَجَلَّ کو ہماری عبادت کی ضرورت ہے نہ وہ ہم سے قرض لینے کا محتاج۔(اگر یہ بات ہے)توپھر اس آیت:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا

ترجمۂ کنزالایمان: ہے کوئی جو اللہ کو قرضِ حسن دے۔

(پ۲، البقرۃ: ۲۴۵)

کا کیا مطلب ہوا؟

مزید ان کا یہ کہنا ہے: اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ ان مساکین کو کھانا دینا چاہتا تو دے دیتالہٰذا ہمیں ان پر مال خرچ کرنے کی ضرورت نہیں جیسا کہ قرآن مجید میں کفار کا قول ذکر ہے:

وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗۤ ﳓ (پ۲۳، یٰس: ۴۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جب ان سے فرمایا جائے اللہ کے دیئے میں سے کچھ اس کی راہ میں خرچ کرو تو کافر مسلمانوں کے لئے کہتے ہیں کہ کیا ہم اسے کِھلائیں جسے اللہ چاہتا تو کھلا دیتا۔

کفار نے یہ بھی کہا:

لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشْرَكْنَا وَ لَاۤ اٰبَآؤُنَا

ترجمۂ کنزالایمان: اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا۔

(پ۸، الانعام: ۱۴۸)

دیکھئے! کفار اپنے کلام میں کس قدر سچے نکلے اور کس طرح اپنی سچائی کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔ پاک ہے وہ ذات جو چاہے توسچ بولنے والے کو ہلاک کردے اور جہالت کے باوُجود سعادت مندی کی دولت سے لوگوں کو مالامال کردے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًاۙ-وَّ یَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًاؕ (پ۱، البقرۃ:۲۶)

ترجمۂ کنزالایمان: اللہ بہتیروں کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہتیروں کو ہدایت فرماتا ہے۔

دھوکے کے شکار اور اِباحت پسندی کی راہ اختیار کرنے والوں نے جب یہ گمان کیا کہ ان سے مساکین اور فقرا کی خدمت لی جارہی ہے یا اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لیے دینے کو کہا جارہا ہے تو کہنے لگے نہ ہمیں مَساکین سے کچھ ملنا ہے نہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کو ہمارے مال کی حاجت۔ ہم مال خرچ کریں یا نہ کریں برابر ہے۔ یہ اس طرح ہلاک ہوئے جیسے وہ لڑکا ہلاک ہوا جب اس نے سوچا کہ اس کے والد کا مقصد غلاموں سے خدمت لینا ہے۔ اس نے یہ نہ جانا کہ مقصود تو صفتِ علم کو اس کے دل میں قائم رکھنا اور پختہ کرنا ہے تاکہ یہ اس کے لئے دنیا میں سعادت کا سبب بنے اور والد اسے شفقت کی وجہ سے اس بات کی طرف کھینچ رہا تھا جس میں اس کی سعادت تھی۔ اس مثال نے آپ کے لئے ان لوگوں کی گمراہی واضح کردی جو اس طریقے سے گمراہ ہوتے ہیں۔

مال لینا مسکین کا احسان ہے:

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ آپ سے مال حاصل کرنے والا مسکین اس مال کے ذریعے آپ کے دل سے بخل کی خباثت اور دنیا کی محبت نکالتا ہے اور یہ دونوں ہلاکت میں ڈالنے والی ہیں۔ گویا مسکین پَچھنے لگانے والے کی طرح ہے جو آپ سے خون نکال کر اندر سے مہلک بیماری ختم کرتا ہے۔ مسکین تو آپ کا خدمت گار ٹھہرا، آپ اس کی خدمت نہیں کرتے۔ بالفرض! اگر خون نکالنے میں اس کا کوئی مقصد ہوتا مثلاً: خون سے کوئی چیز تیار کرنی ہوتی تب بھی وہ آپ کے خادم ہونے سے خارج نہیں ہوتا۔

چونکہ صَدَقات باطن کی طہارت اور بری صفات سے تزکیہ کا باعث ہیں اسی لئے رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اسے اپنے لئے قبول نہ فرمایا جیسا کہ پَچھنے لگانے والے کی کمائی سے منع فرمایا[1] اور صدقات کو لوگوں کے میل کا نام دیا[2] اور اہلِ بیت کو اس سے محفوظ رہنے کا شرف عطا فرمایا۔

مقصود یہ بتانا ہے کہ اعمال دل پر اثر انداز ہوتے ہیں جیسا کہ ''مُہلِکات کے بیان'' میں گزر چکا ہے اور دل

---

1 ...سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب عن کسب الحجام، ۳/ ۲۰، حدیث: ۲۱۶۵

2 ...مسلم، کتاب الزکاۃ، باب ترک استعمال ال النبی علی الصدقۃ، ص ۵۴۰، حدیث: ۱۰۷۲

اعمال کی تاثیر کے مطابق ہدایت اور نورِ معرفت قبول کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ یہ ایک جامع بات اور بنیادی ضابِطہ ہے، لہٰذا اعمال، احوال اور معارِف کی فضیلت پہچاننے کے لئے اس کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ اب ہم اپنے موضوع یعنی صبر و شکر کی طرف دوبارہ رخ کرتے ہیں۔ صبر و شکر دونوں میں معرفت، حال اور عمل کاوُجود پایا جاتا ہے، لہٰذا ایک میں پائی جانے والی معرفت کا دوسرے میں پائے جانے والے حال اور عمل کے ساتھ مقابلہ نہ کیا جائے بلکہ ہر ایک کا مقابلہ اس کی مثل کے ساتھ کیا جائے تاکہ مناسَبَت ظاہر ہو اور اس کے بعد فضیلت واضح ہو۔

صبر و شکر کے اجتماع کی صورت:

جب شکر کرنے والے کی معرفت کا صبر کرنے والے کی معرفت کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو بعض اوقات دونوں کی معرفت ایک ہی ہو جاتی ہے مثلاً: شکر کرنے والے کی معرفت یہ ہے کہ وہ بینائی کی نعمت کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے سمجھے اور صبر کرنے والے کی معرفت یہ ہے کہ نابینا ہونے کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے سمجھے۔ یہ دونوں معرفتیں ایک دوسرے کو لازم و مساوی ہیں۔ یہ اس وقت ہے جب ہم (صبر کو) مصیبت وآزمائش میں شمار کریں۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ صبر کبھی اطاعت اور کبھی معصیت سے باز رہنے پر ہوتا ہے اور اس صورت میں صبر و شکر اکٹھے پائے جاتے ہیں کیونکہ عبادت پر صبر کرنا اطاعت پر عین شکر ہے کیونکہ شکر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمت کو اس سے مقصود حکمت (اطاعتِ الٰہی) میں استعمال کرنے کو کہا جاتا ہے اور صبر نفسانی خواہشات پر ابھارنے والی چیزوں کے مقابلے میں دینی بات پر ابھارنے والی چیزوں پر ثابت قدم رہنے کو کہا جاتا ہے۔ تو صبر و شکر اس تعریف کے مطابق دو مختلف تعبیروں کے ذریعے ایک مفہوم کے دو نام ہوئے چنانچہ باعثِ ہوا کے مقابلے میں باعثِ دینی کا ثابت رہنا صبر ہے اگر نسبت نفسانی خواہشات کی طرف ہو اور اگر نسبت دینی بات کی طرف ہو تو یہ شکر ہے کیونکہ دِینی بات پر ابھارنے والی چیز اسی حکمت یعنی شہوت پر ابھارنے والی چیز کو پچھاڑنے کے لئے پیدا کی گئی ہے اور جب اس نے اسے مقصود کی طرف پھیر دیا تو یہ ایک مفہوم کے لئے دو تعبیریں ہوئیں تو کس طرح ایک چیز خود سے افضل ہو سکتی ہے؟

اطاعت ومَعْصِیَّت میں اس کا حکم واضح ہو گیا جہاں تک مصیبت کا تعلق ہے تو وہ نعمت نہ ہونے کا نام ہے اور

نعمت یاتوضروری ہوتی ہے جیسے آنکھیں یاحاجت کی جگھوں میں ہوتی ہے جیسے ضرورت سے زیادہ مال ہونا۔نابینا آدمی کا صبر یہ ہے کہ وہ شکوہ ظاہر نہ کرے، اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فیصلے پر رضا ظاہر کرے،نابیناہونے کو بعض گناہوں کے لئے اجازت نہ سمجھے اور بینائی والے کا شکر عمل کے اعتبار سے دوطرح ہوتا ہے: (۱)... آنکھوں کو گناہ کے لئے استعمال نہ کرے (۲)... انہیں عبادت و اطاعت میں استعمال کرے۔ دونوں صورتوں میں صبر بھی پایا جاتا ہے کیونکہ نابینا آدمی کو خوبصورت چہرے دیکھنے سے خود بخود صبر حاصل ہو گیا کہ وہ انہیں دیکھ ہی نہیں سکتا جبکہ بینا کی نگاہ کسی خوبصورت چہرے پر پڑے اور وہ صبر کرے(یعنی فوراً نگاہ جھکالے)تو وہ آنکھوں کی نعمت پر شکر کرنے والا ہے۔ اگر بینا دیکھتا رہے تو اس نے آنکھوں کی نعمت پر ناشکری کی۔یوں صبر ،شکر میں داخل ہو گیا۔اسی طرح جب کوئی عبادت واطاعت پر آنکھوں سے مدد لے تو اطاعت پر لازماً صبر پایا جاتا ہے پھر کبھی وہ عجائباتِ خداوندی دیکھ کر شکر کرتا ہے تاکہ اس کے ذریعے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت تک پہنچے تو یہ شکر، صبر سے افضل ہے اگر اس صورت میں شکر افضل نہ ہو تو حضرت سیِّدُنا شعیب عَلَیْہِ السَّلَام کا رتبہ حضرت سیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام اور دیگر انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام سے اعلیٰ ہوتا کیونکہ آپ کی بینائی چلی گئی تو آپ نے اس پر صبر کیا جبکہ حضرت سیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو یہ معاملہ پیش نہ آیا کہ وہ بینائی جانے پر صبر کرتے۔

شکر کے افضل ہونے کی صورت:

کمال تو یہ ہے کہ انسان کے تمام اعضاء سلب کر لئے جائیں اور وہ گوشت کا ایک لوتھڑا بن کر رہ جائے البتہ یہ ناممکن ہے کیونکہ انسان کا ہر عضو ایک دینی آلہ ہے۔جب ایک آلہ بیکار ہو جائے تو دین کا کوئی رکن فوت ہو جاتا ہے۔ ان اعضاء پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ادا کرنا یہ ہے کہ اِنہیں اُن دینی ارکان میں استعمال کرے جس میں یہ آلہ بنیں اور یہ صبر ہی کی صورت میں ممکن ہے۔وہ نعمت جو حاجت کی جگھوں میں ہوتی ہے جیسے ضرورت سے زیادہ مال ہونا۔اس کی صورت یہ ہے کہ کسی کو اتنا مال ملا جتنی اسے ضرورت تھی لیکن وہ اس سے زائد کا حاجت مند بھی ہے تو زائد سے صبر کرنا مجاہَدہ ہے اور یہ جہادِ فقر ہے جبکہ زائد کا پایا جانا نعمت ہے اور اس کا شکر ادا کرنا یہ ہے کہ اسے نیک کاموں میں خرچ کیا جائے یا گناہ میں استعمال نہ کیا جائے، لہٰذا اگر صبر کی نسبت ایسے شکر کی طرف کی جائے جو اطاعت وعبادت پر مشتمل ہو تو شکر افضل ہے کیونکہ اس میں صبر

اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمت پر خوش ہونا دونوں شامل ہیں۔ اس میں فقرا پر خرچ کرنے کے درد کا پہلو بھی پایا جاتا ہے نیز اسے جائز خوشیوں میں صرف کرنے سے باز رکھنا بھی ہے۔ گویا حاصل کلام اس بات کی طرف لوٹتا ہے کہ دو چیزیں ایک چیز سے افضل ہوتی ہیں اور کل، بعض کے مقابلے میں اعلیٰ رُتبہ رکھتا ہے اور اس بات میں بھی خلل ہے کیونکہ کُل اور اس کے بعض اَجزاء کے درمیان مُوازَنہ نہیں ہو سکتا۔

کب صبر افضل ہے اور کب شکر؟

اگر شکر کی یہ صورت ہو کہ نعمت کے ذریعے گناہ پر مدد حاصل نہ کی جائے بلکہ اس کو جائز خوشی پر خرچ کیا جائے تو اس صورت میں صبر، شکر سے افضل ہے۔ صبر کرنے والا فقیر اس مالدار سے افضل ہے جو مال روکے رکھے اور فقط جائز کاموں میں خرچ کرے البتہ اس مال دار سے افضل نہ ہو گا جو اپنا مال نیک کاموں میں خرچ کرتا ہے۔ صبر کرنے والا فقیر اس لئے افضل ہے کہ وہ بعض اوقات نفس سے مجاہدہ کرتا ہے، اس کی حرص کو ختم کرتا ہے، اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے آنے والی آزمائش پر پوری طرح راضی رہتا ہے اور یہ حالت لازماً قوت کا تقاضا کرتی ہے۔ مال دار آدمی حرص و شہوت کے پیچھے تو چلتا ہے لیکن اس نے جائز کام پر اکتفا کیا اور جائز کام کرنے میں حرام کام سے چھٹکارا ہے مگر حرام سے بچنے کے لیے بھی قوت چاہئے لیکن جس قوت کے تحت فقیر صبر کرتا ہے وہ جائز کام سے خوشی حاصل کرنے والی قوت پر اِکتفا کرنے سے اعلیٰ اور اتم ہے اور شرف اسی قوت کو حاصل ہوتا ہے جس پر عمل دلالت کرے کیونکہ اعمال، دل کے احوال کے لئے مقصود ہوتے ہیں اور یہ قوت دل کی حالت ہے جو یقین اور ایمان کی قوت کے مطابق مختلف ہوتی رہتی ہے تو جو چیز قوتِ ایمانی میں اضافے پر دلالت کرے وہ یقیناً افضل ہو گی۔

قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ میں صبر و شکر کے ثواب کی جو تفصیل آئی ہے اس سے یہی خاص رُتبہ حاصل کرنا مقصود ہے کیونکہ عوام کے ذہن میں نعمت کا تصور مال اور مال داری ہے جبکہ نعمت کے شکر کا مفہوم ذہنوں میں یہ آتا ہے کہ انسان ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہ'' کہے اور اس کے ذریعے گناہ پر مدد حاصل نہ کرے اور یہ مفہوم نہیں سمجھا جاتا کہ نعمت کو اطاعتِ الٰہی میں خرچ کیا جائے۔ جب ایسی صورت ہو تو صبر، شکر سے افضل ہو گا یعنی وہ صبر جسے عوام صبر سمجھتی ہے وہ اس شکر سے افضل ہو گا جسے عوام شکر سمجھتی ہے۔

سیِّدُنا جنید بغدادی رَحۡمَۃُ اللہِ عَلَیۡہ کی رائے:

سَیِّدُ الطائفہ حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی عَلَیۡہِ رَحۡمَۃُ اللہِ الۡہَادِی نے خاص اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا جب آپ رَحۡمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ سے صبر وشکر کے متعلق پوچھا گیا: کون افضل ہے؟ فرمایا: ”نہ مال دار مال کی وجہ سے قابلِ تعریف ہے اور نہ محتاج مال نہ ہونے کی وجہ سے قابلِ تعریف ہے بلکہ دونوں کی تعریف شرائط کے ساتھ قائم ہونے کی وجہ سے ہے۔ مال دار کی شرائط اس کی صفت کے مطابق ہوتی ہیں اور نفس اس سے لطف اور لذت حاصل کرتا ہے جبکہ محتاج کی شرائط میں ایسی باتیں ہیں جو اس کو ایذا دیتی اور بے قرار کرتی ہیں۔ جب یہ دونوں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رضا کے لیے ان شرائط کو قائم رکھیں اور جس کی صفت اسے تکلیف دے اور بے قرار کرے وہ اس سے کامل حال والا ہوگا جو عیش وعشرت میں رہے۔“

حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی عَلَیۡہِ رَحۡمَۃُ اللہِ الۡہَادِی نے جو بات فرمائی یہ بات ہماری ذکر کردہ صبر وشکر کی اقسام میں سے صرف آخری قسم پر صادق آتی ہے، دیگر ان کی مراد نہیں۔

حکایت: مخالفت کا انجام

منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا ابو العباس بن عطا رَحۡمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ نے اس سلسلے میں حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی عَلَیۡہِ رَحۡمَۃُ اللہِ الۡہَادِی کی مُخالَفت کرتے ہوئے کہا: مال دار شکر گزار صبر کرنے والے فقیر سے افضل ہے۔ تو حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی عَلَیۡہِ رَحۡمَۃُ اللہِ الۡہَادِی نے ان کے خلاف دعا کی تو ان کو اولاد کے قتل، مال کے ضیاع اور چودہ سال تک عقل کے زوال کی سخت آزمائش کا سامنا کرنا پڑا۔ خود فرمایا کرتے: مجھے حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی عَلَیۡہِ رَحۡمَۃُ اللہِ الۡہَادِی کی بددعا لگی ہے، لہٰذا بعد میں انہوں نے اپنی بات سے رجوع کرلیا اور صبر کرنے والے فقیر کو مال دار شکر گزار سے افضل سمجھنے لگے۔

جب آپ ہمارے ذکر کردہ مَطالِب پر غور کریں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ دونوں اقوال اپنی اپنی جگہ کوئی نہ کوئی وجہ رکھتے ہوں گے۔ کئی صبر کرنے والے فقیر مال دار شکر گزار سے افضل ہوتے ہیں جیسا کہ پیچھے گزرا اور کئی مال دار شکر گزار صبر کرنے والے فقیر سے افضل ہیں۔ یہ وہ مال دار ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو فقیر سمجھتے ہیں کیونکہ وہ اپنے پاس حسبِ ضرورت مال رکھتے ہیں، بقیہ مال نیک کاموں میں خرچ کر دیتے ہیں یا محتاجوں اور

مسکینوں کو دینے کے لئے جمع کرتے ہیں۔ وہ انتظار میں ہوتے ہیں کہ کوئی حاجت مند ہو تو اس پر خرچ کریں پھر جب خرچ کرتے تو شہرت اور عزت کی طَلَب کے لئے نہیں کرتے نہ احسان جتانے کے لئے کرتے بلکہ بندوں کا جائزہ لے کر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حقوق کو ادا کرتے ہیں تو یہ مال دار، صبر کرنے والے فقیر سے افضل ہیں۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

مال دار کا خرچ کرنا نفس کے لئے مشقت کا باعث نہیں جبکہ محتاجی فقیر پر گراں گزرتی ہے کیونکہ مال دار کو تو مال پر قدرت کی لذت ہوتی ہے جبکہ فقیر تو صبر کے دکھ کو محسوس کرتا رہتا ہے۔ مال دار اگرچہ مال کی جدائی پر دکھی ہوتا ہے لیکن یہ دکھ خرچ کرنے پر قدرت کی لذت سے ختم ہو جاتا ہے؟

جواب: ہمارے نزدیک وہ مال دار مراد ہے جو رغبت اور خوش دلی سے اپنا مال خرچ کرتا ہو تو اس کا حال اس سے زیادہ کامل ہو گا جو بخل کے ساتھ خرچ کرتا ہے اور نفس پر جبر کر کے مال کو جدا کرتا ہے۔ ہم نے توبہ کے بیان میں اس کی تفصیل ذکر کر دی ہے۔ نفس کو دکھ پہنچانا ذاتی طور پر مقصود نہیں بلکہ یہ اس کو ادب سکھانے کے لئے ہوتا ہے گویا یہ شکاری کتے کو مارنے کی طرح ہے اور تَربِیَّت یافتہ کتا مار کھانے والے کتے کے مقابلے میں زیادہ کامل ہوتا ہے اگرچہ مار پر صبر کرتا ہو۔ اسی لیے وہ ابتدا میں تکلیف اور کوشش کا محتاج ہوتا ہے اور آخر میں اسے ان دونوں باتوں کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ آخر میں تکلیف دہ بات اس کے نزدیک لذیذ بن جاتی ہے جس طرح عقل مند بچے کے نزدیک حصولِ علم لذیذ ہو جاتا ہے حالانکہ شروع شروع میں اس کے لئے یہ اذیت ناک تھا۔ اکثر لوگوں کی حالت شروع شروع میں بلکہ اس سے بھی پہلے بچوں کی طرح ہوتی ہے۔ حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے مُطْلَقًا فرمایا: جو شخص اپنے نفس کو تکلیف دے وہ افضل ہے۔ تو عوام کے اعتبار سے ان کی بات صحیح ہے۔

ایسی صورت میں تفصیلی جواب کی حاجت نہیں بلکہ اکثر مخلوق کے اعتبار سے مطلق بیان کرنا ہو گا کہ صبر، شکر سے افضل ہے تو یہ عوامی سمجھ کے اعتبار سے درست ہے۔ جب تحقیق کا ارادہ ہو تو تفصیل چاہئے کیونکہ صبر کے کئی درجات ہیں۔ سب سے ادنیٰ درجہ تنگی میں بھی شکایت نہ کرنا ہے۔ ان درجات سے اوپر مقامِ رضا ہے جو صبر سے اوپر ہے۔ اس سے آگے آزمائشوں پر شکر کرنا ہے یہ رضا سے بھی اوپر ہے کیونکہ

صبر تکلیف میں کیا جاتا ہے جبکہ رِضا دکھ اور خوشی دونوں میں ممکن ہے اور شکر صرف فرحت وخوشی میں ادا کیا جاتا ہے۔ شکر کے بھی کئی درجات ہیں ہم نے اعلیٰ درجہ ذکر کیا ہے۔ بہت سے درجات ایسے بھی ہیں جو اس درجہ کے مقابلے میں کمتر ہیں جیسے بندے کا اپنے اوپر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے مسلسل نعمتوں کی وجہ سے حیا کرنا، شکر میں کوتاہی کرنے کو پہچاننا، کم شکری پر معذرت پیش کرنا، اللہ عَزَّوَجَلَّ کے عظیم حلم اور اس کی طرف سے پردہ پوشی کو پہچاننا، اس بات کا اِعتراف کرنا کہ میں ان نعمتوں کا حقدار نہیں پھر بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ نے یہ نعمتیں عطا فرمائیں، اس بات کو جاننا کہ نعمت کا شکر ادا کرنا بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ طرف سے نعمت اور عطیہ ہے اور نعمت ملنے پر عاجزی وانکساری کرنا۔ یہ سب شکر ہی ہے نیز نعمت ملنے کے وسیلہ کا شکر ادا کرنا بھی شکر ہے کیونکہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ''مَنۡ لَّمۡ یَشۡکُرِ النَّاسَ لَمۡ یَشۡکُرِ اللّٰہَ یعنی جس نے بندوں کا شکریہ ادا نہیں کیا اس نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ادا نہیں کیا۔''[1]

ان سب کی حقیقت ہم نے ''اسرارِ زکوۃ'' کے بیان میں ذکر کی ہے۔ نعمت عطا کرنے والے پر اعتراض نہ کرنا اور حسنِ ادب اختیار کرنا، نعمتوں کو اچھی طرح قبول کرنا اور چھوٹی نعمتوں کو بڑا سمجھنا بھی شکر ہے۔ صبر وشکر کے تحت جو احوال واعمال آتے ہیں انہیں ایک ایک کرکے شمار نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے مختلف درجات ہیں، اجمالی طور پر ایک کو دوسرے پر کیسے فضیلت دی جاسکتی ہے؟ البتہ عام لفظ بول کر خاص مراد لے سکتے ہیں جیسا کہ احادیث وآثار میں آیا ہے۔

حکایت: 70 یا 80 سال سے شکرِ نعمت

ایک بزرگ فرماتے ہیں: میں نے سفر کے دوران ایک بزرگ کی زیارت کی جو بوڑھے ہوچکے تھے۔ میں نے ان کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: عالَمِ شباب میں مجھے اپنے چچا کی بیٹی سے محبت ہوگئی۔ وہ بھی مجھ سے محبت کرتی تھی۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اس نے مجھ سے شادی کرلی۔ شبِ زِفاف میں نے اس سے کہا: آؤ! یہ رات ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ کے شکر میں گزاریں کہ اس نے ہمیں ملادیا پس ہم رات بھر نوافل پڑھتے رہے اور ہم دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے کے لیے فارغ نہ ہوا۔ دوسری رات آئی تو وہی فیصلہ کیا اور رات

[1] ...سنن الترمذی، کتاب البر والصلة، باب فی الشکر لمن احسن الیک، ۳/ ۳۸۴، حدیث: ۱۹۶۲

پھر نماز پڑھتے رہے۔ ہم 70 یا 80 سال سے ہر رات اسی طرح کرتے آرہے ہیں۔ بزرگ نے اپنی بوڑھی زوجہ سے فرمایا: کیا یہی بات نہیں ہے؟ ان کی زوجہ نے کہا: یہ ٹھیک فرمارہے ہیں۔

دیکھیے! اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ ان دونوں کو نہ ملاتا تو کیا یہ جدائی کی مصیبت پر صبر کرلیتے؟ کیا جس طرح وہ وِصال پر شکر کررہے تھے، جدائی پر صبر کرتے؟ اس مثال سے مخفی نہ رہا کہ ایسا شکر (صبر سے) افضل ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ (صبر و شکر میں سے) کس کو کس پر فضیلت حاصل ہے، تفصیل کے بغیر اس کا علم نہیں ہوسکتا۔ وَاللہُ اَعْلَم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل و کرم سے "صبر و شکر کا بیان" مکمل ہوا

تمام مؤمنین کی مائیں

ہمارے پیارے آقا، مدینے والے مصطفےٰ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی ازواجِ مُطَہَّرات رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھُنَّ کی تعداد 11 تھی اور یہ سب اُمَّہاتُ المؤمنین یعنی مؤمنین کی مائیں کہلاتی ہیں، ان کے اَسمائے مُبارکہ یہ ہیں:

﴿1﴾... اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا خَدِیجہ بِنْتِ خُوَیْلَد رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھَا

﴿2﴾... اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا سَوْدہ بِنْتِ زَمعہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھَا

﴿3﴾... اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ بِنْتِ اَبُوبکر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا

﴿4﴾... اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا حفصہ بِنْتِ عُمَر فاروق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا

﴿5﴾... اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا اُمِّ سَلَمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھَا

﴿6﴾... اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا اُمِّ حَبِیْبہ بِنْتِ اَبُوسُفْیان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھَا

﴿7﴾... اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا زَیْنَب بِنْتِ جَحْش رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھَا

﴿8﴾... اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا زَیْنَب بِنْتِ خُزَیْمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھَا

﴿9﴾... اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا مَیْمُوْنہ بِنْتِ حارِث بن حَزن رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھَا

﴿10﴾... اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا جُوَیْرِیہ بِنْتِ حارِث رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھَا

﴿11﴾... اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا صَفِیَّہ بِنْتِ حُیَیّ بن اَخْطَب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھَا

(جامع الترمذی، کتاب الدعوات، باب رغم انف رجل... الخ، ۵/۳۲۱، حدیث: ۳۵۵۷)

خوف اور اُمید کا بیان

تمام تعریفیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ہیں جس کے لُطف وثواب کی اُمید رکھی جاتی ہے اور اس کی خفیہ تدبیر اور عذاب کا خوف رکھا جاتا ہے جس نے اپنے اولیا کے دلوں کو اُمید کی خوشی و فرحت کے ساتھ آباد کیا حتّٰی کہ انہیں اپنے قُرب کی جنت میں ٹھہرنے کی لطیف نعمت عطا کی اور مصیبتوں کے گھر (جہنَّم) سے بچایا جو اس کے دشمنوں کا ٹھکانا ہے۔ اس نے اپنی بارگاہ سے منہ موڑنے والوں کو خوف کے کوڑوں اور سخت سرزنش کے ذریعے ثواب و کرامت کے گھر (جنّت) کی طرف پھیر دیا۔ اپنی ملامت کی زد میں آنے اور اپنے غضب وانتقام کا نشانہ بننے سے ان کی حفاظت فرمائی۔ مختلف قسم کے لوگوں کو جنت کی طرف چلایا کبھی قہر اور سختی کی زنجیروں کے ذریعے اور کبھی نرمی ومہربانی کی رسیوں کے ذریعے۔ درود و سلام نازل ہو حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر جو انبیا کے سردار اور مخلوق میں سب سے بہتر ہیں اور آپ کے آل واصحاب پر بھی۔

دو پَر اور دو سُواریاں:

اُمید اور خوف دو ایسے پر ہیں جن کے ذریعے مُقَرَّبِین ہر پسندیدہ مقام کی طرف پرواز کرتے ہیں اور دو ایسی سواریاں ہیں جن پر سوار ہو کر وہ آخرت کی راہوں کی ہر دُشوار گزار گھاٹی طے کرتے ہیں۔ رحمٰن کے قُرب اور جنّت کی طرف ایسی صورت میں نہیں چلا جا سکتا جبکہ اُمید بہت بعید اور زادِ راہ ایسا بھاری ہو جو دلوں کو ناپسند اور اعضاء کی مشقتوں سے پُر ہے مگر اُمید کی لگام کے ذریعے یہ سفر ممکن ہے اور انتہائی پوشیدہ خواہشات اور عمدہ لذات کے ضمن میں چھپی ہوئی دوزخ کی آگ اور دردناک عذاب سے خوف اور سختی کے کوڑوں کے ذریعے ہی بچا جا سکتا ہے۔

اس لئے ان دونوں کی حقیقت، ان کے فضائل اور ان دونوں کے باہم مخالف ہونے کے باوُجود جمع کی صورت بیان کرنا ضروری ہے۔ ہم ان دونوں کو دو باب میں جمع کریں گے۔ پہلے باب میں امید اور دوسرے میں خوف کا بیان ہو گا۔

پہلا باب امید کی حقیقت، فضیلت اور اس کے علاج کی دوا حاصل کرنے کے بیان پر مشتمل ہو گا۔

باب نمبر1: # امید کا بیان (اس میں تین فصلیں ہیں)

پہلی فصل: ## امید کی حقیقت کا بیان

مقام اور حال کی تعریف:

جان لیجئے کہ امید مقاماتِ سالکین میں سے ایک مقام اور احوالِ طالبین میں سے ایک حال ہے۔ جب وصف باقی اور قائم رہے اسے **مقام** کہا جاتا ہے اور جب وہ عارضی اور جلد زائل ہونے والا ہو تو اسے **حال** کہتے ہیں۔ جس طرح زردی کی تین قسمیں ہوتی ہیں:(۱)...جو باقی رہتی ہے جیسے سونے (Gold) کی زردی (۲)...جو جلد زائل ہو جاتی ہے جیسے خوف کی وجہ سے چہرے کا زرد ہو جانا اور (۳)...وہ جو اِن دونوں کے درمیان ہوتی ہے جیسے مریض کے جسم کا زرد ہو جانا (کہ مریض کی زردی کبھی باقی رہ جاتی اور کبھی زائل ہو جاتی ہے)۔

اسی طرح دل کی صفات میں بھی یہی تقسیم ہوتی ہے۔ جو صفت باقی نہ رہتی ہو اسے "حال" کہتے ہیں کیونکہ حال جلد ہی تبدیل ہو جاتا ہے اور یہ صورت تمام اَوصافِ قلب میں پیش آتی ہے۔ اس وقت ہمارا مقصد امید کی حقیقت بیان کرنا ہے اور امید کی تکمیل حال، علم اور عمل سے ہوتی ہے پس علم کے نتیجے میں حال پیدا ہوتا ہے، حال عمل کا تقاضا کرتا ہے اور اُمید ان تینوں کے مجموعے کی حالت کا نام ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ آپ کو جو کچھ پیش آتا ہے وہ ناپسندیدہ ہو گا یا پسندیدہ پھر وہ فی الحال موجود ہو گا یا ماضی میں اس کا وُجود رہ چکا ہو گا یا مستقبل میں اس کا انتظار ہو گا۔ اگر آپ کے دل میں اس بات کا خیال آئے جو ماضی میں واقع ہو چکی ہے اسے ذِکر اور تَذَکُّر (یعنی یاد آنا) کہتے ہیں اور اگر دل میں آنے والی چیز کا خیال فی الحال موجود ہے تو اسے وَجد، ذوق اور اِدراک کہتے ہیں۔ وجد کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک ایسی حالت ہے جسے آپ اپنے اندر پاتے ہیں۔ اور اگر آپ کے دل میں کسی ایسی چیز کا خیال آئے جس کا وُجود مستقبل میں مُتوَقَّع ہے اور وہ چیز دل پر غالب بھی آ جائے تو اسے انتظار اور توقع کہتے ہیں اور چیز جس کا انتظار ہے اگر وہ ناپسند ہو اور اس کے خیال سے دل کو تکلیف پہنچتی ہو تو اسے خوف اور اِشفاق کہتے ہیں اور اگر کسی محبوب چیز کا انتظار ہو اور اس کی طرف میلان اور دل میں خیال آنے سے دل کو لذت اور خوشی حاصل ہوتی ہو تو اس خوشی کو اُمید کہتے ہیں۔ معلوم ہوا اُمید اس چیز کے انتظار سے خوش ہونے کو کہتے ہیں جو اس کے نزدیک محبوب ہو۔ اُمید میں

متوقع چیز کا محبوب ہونا ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا کوئی سبب ہو۔

لہٰذا اگر کسی چیز کا انتظار اس کے اکثر اسباب کے حاصل ہو جانے کی وجہ سے ہے تو اس پر اُمید کا نام صادق آتا ہے اور اگر یہ انتظار ناقص اسباب کے ساتھ ہو یا اِضطراب کے ساتھ ہو تو اس پر دھوکے اور بے وقوفی کا نام اُمید کے مقابلے میں زیادہ صادق آتا ہے اور اگر اسباب کی موجودگی اور غیر موجودگی کا پتا ہی نہ ہو تو اس انتظار پر تمنا کا نام زیادہ صادق آتا ہے کیونکہ یہ انتظار بغیر کسی سبب کے ہے۔

اُمید اور خوف کا لفظ کن چیزوں پر بولا جائے گا؟

بہر حال اُمید اور خوف کا نام ان ہی چیزوں پر بولا جائے گا جن کے پائے جانے میں تَرَدُّد ہو اور جن کا وُجود یقینی ہو ان پر نہیں بولا جائے گا کیونکہ سورج کے طلوع کے وقت یہ نہیں کہا جاتا کہ مجھے سورج کے طلوع ہونے کی اُمید ہے اور غروب کے وقت یہ نہیں کہا جاتا کہ مجھے غروبِ آفتاب کا خوف ہے کیونکہ یہ دونوں باتیں یقینی ہیں۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مجھے بارش کے برسنے کی اُمید ہے اور اس کے رک جانے کا خوف ہے۔

دنیا آخرت کی کھیتی ہے:

اربابِ بصیرت جانتے ہیں کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور دل زمین کی طرح ہے، ایمان اس میں بیج کی حیثیت رکھتا ہے اور عبادت کی مثال زمین میں ہَل چلانے، اس کی صفائی کرنے، نہریں کھودنے اور ان کی طرف پانی لے جانے کی طرح ہے۔ جو دل دنیا پر فریفتہ اور اس میں مُسْتَغْرَق ہے اس نمکین زمین کی طرح ہے جس میں بیج کی نشو ونَما نہیں ہوتی اور قیامت کا دن کھیتی کاٹنے کا دن ہے اور ہر شخص وہی کاٹے گا جو اس نے بویا ہو گا اور کھیتی کا بڑھنا ایمان کے بیج ہی کے ذریعے ممکن ہے اور ایمان قلب میں خباثت اور بُری عادات کی موجودگی میں کم ہی نفع پہنچاتا ہے جس طرح کھاری زمین میں بیج پھلتا پھولتا نہیں ہے۔

اُمید، دھوکا اور تمنا کی مثال:

بندے کے مغفرت کی اُمید کو کھیتی والے کی اُمید پر قیاس کرنا چاہئے تو جو شخص بھی اچھی زمین حاصل کرتا ہے اس میں سڑا ہوا اور کیڑا لگا ہوا بیج نہیں بوتا بلکہ عمدہ بیج بوتا ہے اور بیج کی تمام ضروریات کو پورا کرتا

ہے یعنی اسے اس کے اوقات میں پانی دیتا ہے پھر زمین سے کانٹے، خود رَو گھاس اوران تمام رکاوٹوں کو دور کرتا ہے جو بیج کی بڑھوتری یا بڑھوتری کے بعد اس کے خراب ہونے کی راہ میں حائل ہوں پھر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل کا منتظر ہو کر بیٹھ جاتا ہے کہ وہ کھیتی تیار ہونے تک زمین کو بجلی کی گرج اوراسے خراب کرنے والی آفات سے بچائے گا تو اس کا یہ انتظار اُمید کہلاتا ہے۔ اگر کوئی ایسی زمین میں بیج بوئے جو سخت یا نمکین ہو یا ایسی بلندی پر واقع ہو جس میں پانی نہ پہنچ سکے نیز وہ اس کی بالکل دیکھ بھال بھی نہ کرے اور کھیتی کاٹنے کا انتظار کرے تو ایسا انتظار بے وقوفی اور دھوکا کہلائے گا امید نہیں۔ اگر کسی نے عمدہ زمین میں بیج بویا مگر اسے پانی نہ دیا اور بارش کے پانی کا انتظار کرنے لگا جبکہ یہ وہ وقت ہو جس میں غالب طور پر بارش نہ برستی ہو البتہ برسنا ممکن ہو تو اس انتظار کو تمنا کہتے ہیں نہ کہ اُمید۔

معلوم ہوا کہ اُمید کا لفظ ایسی محبوب چیز کے انتظار پر صادق آتا ہے جس کے تمام اسباب مہیا ہوں اور وہ بندے کے اختیار میں ہوں، صرف وہ اسباب باقی رہ گئے ہوں جو بندے کے اختیار میں نہ ہوں تو اب اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فضل ہی ہے کہ وہ اس کھیتی سے تمام نقصانات اور مُفْسِدات کو دور کر دے۔

حقیقی اُمید:

جب بندہ ایمان کا بیج بوتا ہے اور اس کو عبادات کے پانی سے سیراب کرتا ہے اور دل کو بری عادات کے کانٹوں سے پاک کرتا ہے تو پھر وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل یعنی ان چیزوں پر مرتے دم تک قائم رہنے اور مغفرت کا سبب بننے والے حُسنِ خاتمہ کا منتظر رہتا ہے تو اس کا یہ انتظار حقیقی اُمید ہے جو فی نفسہٖ قابلِ تعریف ہے اور اسبابِ ایمان کے مطابق موت تک مغفرت کے اسباب کی تکمیل میں مشغولیت اور ہمیشگی کا باعث ہے۔

احمق شخص:

اگر ایمان کے بیج کا حق عبادت کے پانی سے دیکھ بھال کر کے پورا نہ کیا یا دل کو بُرے اخلاق میں مُلَوَّث رہنے دیا اور دنیاوی لذات کی طَلَب میں منہمک رہا پھر مغفرت کا منتظر بھی رہا تو اس کا یہ انتظار حماقت اور دھوکا ہے۔ رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد ہے: ''اَلْاَحْمَقُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَہٗ ھَوَاھَا وَتَمَنّٰی عَلَی اللہِ

الْجَنَّۃَ یعنی احمق وہ ہے جو اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرے پھر اللہ عَزَّوَجَلَّ سے جنت کی تمنّا رکھے۔“[1]

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ یَلْقَوْنَ غَیًّا ۟ۙ (۵۹) (پ١٦، مریم: ۵۹)

ترجمۂ کنزالایمان: تو ان کے بعد ان کی جگہ وہ ناخلف آئے جنہوں نے نمازیں گنوائیں اور اپنی خواہشوں کے پیچھے ہوئے تو عنقریب وہ دوزخ میں غَی[2] کا جنگل پائیں گے۔

اور فرماتا ہے:

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ یَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَ یَقُوْلُوْنَ سَیُغْفَرُ لَنَا ۚ (پ٩، الاعراف: ١٦٩)

ترجمۂ کنزالایمان: پھر ان کی جگہ ان کے بعد وہ ناخلف آئے کہ کتاب کے وارث ہوئے اس دنیا کا مال لیتے ہیں اور کہتے اب ہماری بخشش ہوگی۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قرآن پاک میں اُس باغ والے کی مذمت فرمائی جس نے اپنے باغ میں داخل ہو کر یہ کہا:

مَاۤ اَظُنُّ اَنْ تَبِیْدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا ۟ۙ (۳۵) وَّ مَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآىِٕمَةً ۙ وَّ لَىِٕنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّیْ لَاَجِدَنَّ خَیْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا (۳۶) (پ١٥، الکھف: ٣٥، ٣٦)

ترجمۂ کنزالایمان: مجھے گمان نہیں کہ یہ کبھی فنا ہو اور میں گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہو اور اگر میں اپنے رب کی طرف پھر گیا بھی تو ضرور اس باغ سے بہتر پلٹنے کی جگہ پاؤں گا۔

تمامیتِ نعمت اور قبولیتِ توبہ کی امید کون رکھے؟

بہر حال وہ بندہ جو نیکیوں میں کوشش کرتا ہے اور گناہوں سے باز رہتا ہے وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل یعنی نعمت کے پورا ہونے کا منتظر رہے اور نعمت صرف جنت میں داخلے کی صورت میں پوری ہوگی اور وہ گناہ گار جو توبہ کر لیتا ہے اور اپنی تمام کوتاہیوں کی تلافی کر لیتا ہے تو وہ اس بات کا حق دار ہے کہ قبولیتِ توبہ کی امید رکھے۔

---

1 ...غریب الحدیث لابن سلام، دین، ١/ ٤٣٨

2 ...”غَی“ جہنّم میں ایک وادی ہے جس کی گرمی سے جہنم کی وادیاں بھی پناہ مانگتی ہیں۔ (خزائن العرفان)

توفیقِ توبہ کی اُمید کے لائق کون؟

اگر توبہ سے پہلے کوئی شخص گناہ کو ناپسند کرتا ہے اور گناہ اسے ناگوار گزرتے ہوں اور نیکیوں سے خوشی محسوس ہوتی ہو نیز وہ نفس کی مذمت اور اسے ملامت کرتا ہے اور توبہ کی خواہش اور اس کا شوق رکھتا ہے تو وہ اس بات کے لائق ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے توبہ کی توفیق کی اُمید رکھے کیونکہ اس کا گناہ کو ناپسند کرنا اور توبہ پر حریص ہونا اُس سبب کے قائم مقام ہے جو توبہ تک لے جاتا ہے اور اُمید اسباب کے مکمل طور پر مہیا ہونے کے بعد ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِۙ اُولٰٓىٕكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِؕ (پ۲، البقرۃ:۲۱۸)

ترجمۂ کنزالایمان: وہ جو ایمان لائے اور وہ جنہوں نے اللہ کے لئے اپنے گھر بار چھوڑے اور اللہ کی راہ میں لڑے وہ رحمت الٰہی کے امیدوار ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ رحمتِ الٰہی کی اُمید رکھنے کے مستحق ہیں۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ اُمید صرف ان ہی لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ بعض اوقات ان کے علاوہ لوگ بھی امید رکھتے ہیں لیکن امید رکھنے کے حق دار صرف یہی لوگ ہیں۔

رہا وہ شخص جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ناپسندیدہ کاموں میں منہمک رہتا ہے، نہ اس پر نفس کی مذمت کرتا ہے اور نہ توبہ اور رجوع کا ارادہ رکھتا ہے تو ایسے شخص کا مغفرت کی اُمید رکھنا بے وقوفی ہے اور اس طرح کی اُمید اس شخص کی امید جیسی ہے جو نمکین زمین میں بیج بوئے اور پانی دینے اور صفائی کے ذریعے اس کی دیکھ بھال کرنے کا ارادہ نہ کرے۔

بڑا دھوکا:

حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن مُعاذ رازی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْہَادِی فرماتے ہیں: میرے نزدیک بڑے دھوکوں میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی مغفرت کی امید رکھتے ہوئے بغیر کسی ندامت کے گناہوں میں مشغول رہے اور عبادت کے بغیر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے قُرب کی اُمید رکھے اور جہنم کا بیج بو کر جنت کی کھیتی کا منتظر رہے اور گناہوں کے اِرتکاب کے باوجود اطاعت گزاروں کے گھر کا طالب رہے نیز بغیر عمل کے ثواب کا انتظار کرے اور زیادتی

کے باوُجود اللہ عَزَّوَجَلَّ سے تمنا رکھے۔ پھر آپ نے یہ اشعار پڑھے:

تَرْجُوا النَّجَاةَ وَلَمْ تَسْلُكْ مَسَالِكَهَا   اَنَّ السَّفِيْنَةَ لَا تَجْرِيْ عَلَى الْيَبَسِ

ترجمہ: تم نجات کی اُمید تو رکھتے ہو مگر اس کے راستوں پر نہیں چلتے یقیناً کشتی خشکی پر نہیں چلا کرتی۔

جب آپ نے اُمید کی حقیقت اور اس کے مقام کو پہچان لیا تو آپ نے یہ بھی جان لیا کہ یہ ایسی حالت ہے جو علم کے نتیجے میں اکثر اسباب کے وُقوع کے بعد پیدا ہوتی ہے اور اس حالت کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی بقدرِ اِمکان بقیہ اَسباب کو اختیار کرنے کی کوششوں میں لگ جاتا ہے کیونکہ جو شخص پیداوار کے قابل زمین میں عمدہ بیج بوتا ہے اور اسے ضرورت کے مطابق پانی دیتا ہے تو اس کی اُمید سچی ہوتی ہے اور وہ سچی اُمید اسے زمین کی دیکھ بھال اور اس میں اُگنے والی خود رَو گھاس کو دور کرنے پر ابھارتی رہتی ہے لہٰذا وہ کاٹنے کے وقت تک اس کی دیکھ بھال کرنے سے بالکل بھی غفلت نہیں برتتا کیونکہ اُمید مایوسی کی ضد ہے اور مایوسی دیکھ بھال کرنے سے روکتی ہے۔

اُمید عمل پر اُکساتی ہے:

جو شخص اس بات کو جانتا ہے کہ زمین نمکین ہے اور پانی بھی کم ہے، بیج بھی کھیتی اُگانے کی صلاحیت نہیں رکھتے تو وہ لازمی طور پر زمین کی نگرانی چھوڑ دیتا ہے اور اس کی دیکھ بھال میں خود کو تھکاتا نہیں ہے۔ اُمید اس لئے محمود ہے کہ وہ عمل پر اُکساتی ہے اور مایوسی جو کہ اُمید کی ضد ہے اس لئے مذموم ہے کہ وہ عمل سے روک دیتی ہے اور خوف اُمید کی ضد نہیں بلکہ اس کا رفیق ہے جیسا کہ عنقریب اس کی وضاحت آئے گی بلکہ جس طرح امید رغبت کی راہ سے عمل پر ابھارتی ہے اسی طرح خوف بھی ڈر دلا کر عمل کا مُحرِّک بنتا ہے۔

مقامِ اُمید سے محروم شخص:

جسے اُمید کی حالت میسر ہوتی ہے وہ اعمال کے ساتھ طویل مجاہدہ کرلیتا ہے اور اُسے عبادات پر پابندی نصیب ہو جاتی ہے اگرچہ احوال میں تبدیلی ہوتی رہے۔ اس کی ایک علامت یہ ہے کہ بندہ ہمیشہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف متوجہ رہنے کے سبب لذت پاتا ہے اور اس کے ساتھ مناجات کے ذریعے لُطف اندوز ہوتا ہے اور دعا کے وقت اس کے سامنے عجز کے اظہار میں اسے خوشی حاصل ہوتی ہے۔ یہ وہ احوال ہیں جو ہر اس شخص

پر لازمی طور پر ظاہر ہوتے ہیں جو کسی بادشاہ یا کسی شخص سے اُمید رکھتا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حق میں ان اَحوال کا ظہور کیسے نہیں ہو گا؟ اور اگر ان کا ظہور نہیں ہوتا تو سمجھ لو کہ وہ مقامِ اُمید سے محروم اور دھوکے اور تمنا کے گڑھے میں گرا ہوا ہے۔

یہ اُمید کی وضاحت تھی اور اس علم کی جس سے اُمید پیدا ہوتی ہے اور اس عمل کی جو امید کے سبب وجود میں آتا ہے۔ اُمید کے ذریعے اعمال کے وجود میں آنے پر حضرت سیِّدُنا زید الخیل رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کی وہ روایت دلالت کرتی ہے جس میں انہوں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: میں آپ کے پاس یہ پوچھنے کے لئے حاضر ہوا ہوں کہ جس شخص کے ساتھ اللہ عَزَّوَجَلَّ بہتری کا ارادہ فرماتا ہے اس کی کیا پہچان ہے اور جس کے ساتھ بہتری کا ارادہ نہیں فرماتا اس کی کیا علامت ہے؟ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے دریافت فرمایا: تم نے صبح کس حال میں کی؟ عرض کی: میں نے صبح اس حالت میں کی کہ میں نیکی اور نیکوں سے محبت کرنے والا ہوں، جب نیکی پر قدرت پاتا ہوں تو اس کی طرف سبقت کرتا ہوں اور یہ یقین رکھتا ہوں کہ مجھے اس کا ثواب حاصل ہو گا اور جب مجھ سے کوئی نیک عمل چھوٹ جاتا ہے تو اس پر غمگین ہو جاتا ہوں اور اس کو پانے کا منتظر رہتا ہوں۔ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ''یہ اس شخص کی علامت ہے جس کے ساتھ اللہ عَزَّوَجَلَّ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اگر تمہارے لئے بُرائی کا ارادہ فرماتا تو تمہارے لئے اس کے اَسباب مہیا فرما دیتا پھر وہ اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ برائی کی کون سی وادی میں تم ہلاک ہوتے ہو۔''[1]

دیکھئے! سَیِّدِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس شخص کی علامت بیان کر دی جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا گیا ہے تو جو شخص ان علامات کے بغیر ہی اس بات کی اُمید رکھے کہ اس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا گیا ہے تو ایسا شخص دھوکے میں مبتلا ہے۔

دوسری فصل: اُمید کی فضیلت اور اس کی ترغیب کا بیان

جان لیجئے! اُمید کے ساتھ عمل کرنا خوف کے ساتھ عمل کرنے سے اعلیٰ ہے کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا سب سے زیادہ مُقَرَّب بندہ وہ ہے جو اس سے زیادہ محبت کرتا ہو اور محبت کا غلبہ اُمید کے ذریعے ہوتا ہے۔ اسے یوں

1... حلیۃ الاولیاء، عبد اللہ بن مسعود، ۱/ ۲۶۱، حدیث: ۱۳۰۰

سمجھئے کہ دو بادشاہوں میں سے ایک کی خدمت اس کی سزا کے خوف سے کی جاتی ہو اور دوسرے کی انعام کی اُمید پر تو انعام کی اُمید رکھنے والا خوف رکھنے والے شخص کے مقابلے میں زیادہ محبت کرنے والا ہوگا۔ اسی لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اُمید اور اچھا گمان رکھنے کے متعلق ترغیب دلائی گئی ہے بالخصوص موت کے وقت۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ (پ۲۴، الزمر: ۵۳) ترجمۂ کنزالایمان: اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو۔

معلوم ہوا کہ (ربّ تعالیٰ کی رحمت سے) نااُمید ہونا حرام ہے۔

باپ اور بیٹے میں جُدائی کا سبب:

منقول ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت سیِّدُنا یعقوب عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی طرف وحی فرمائی: کیا تم جانتے ہو کہ میں نے تمہارے اور یوسُف کے درمیان جُدائی کیوں ڈالی؟ انہوں نے عرض کی: نہیں۔ ارشاد فرمایا: تم نے (حضرت یوسف عَلَیْہِ السَّلَام کے متعلق ان کے بھائیوں سے) کہا تھا: میں ڈرتا ہوں اسے بھیڑیا کھالے اور تم اس سے بے خبر رہو۔[1] تم نے بھیڑیئے کا خوف کیوں کیا؟ مجھ سے اُمید کیوں نہ رکھی؟ تم نے یوسف (عَلَیْہِ السَّلَام) کے بھائیوں کی غفلت کو کیوں دیکھا اور میرے حفظ وامان کی طرف نظر کیوں نہ کی؟

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے متعلق بندے کا گمان کیسا ہو؟

مُحسنِ کائنات، فَخرِ موجودات صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ''لَا يَمُوْتَنَّ اَحَدُكُمْ اِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللّٰهِ تَعَالٰى یعنی تم میں سے ہر ایک اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اچھا گمان رکھتے ہوئے ہی مرے۔''[2]

رحمتِ عالم، نُورِ مُجسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمان ہے: اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: ''اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ فَلْيَظُنَّ بِيْ مَا شَآءَ یعنی میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوں اب وہ میرے متعلق جو چاہے گمان رکھے۔''[3]

---

1 ...(پ۱۲، یوسف: ۱۳)

2 ...مسلم، کتاب الجنة، وصفة نعيمها، باب امر بحسن الظن باللّٰہ تعالٰی، ص ۱۵۳۸، حدیث: ۲۸۷۷

3 ... سنن الدارمی، کتاب الرقاق، باب حسن ظن باللّٰہ، ۲/ ۳۹۵، حدیث: ۲۷۳۱

خوف اور اُمید کے درمیان شخص:

سَیِّدِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ایک شخص کے پاس تشریف لائے جو نزع کے عالم میں تھا۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اُس سے پوچھا: خود کو کیسا محسوس کر رہے ہو؟ اس نے عرض کی: میں اپنے آپ کو اس طرح پاتا ہوں کہ گناہوں پر خوف زدہ ہوں اور اپنے رب کی رحمت کا اُمیدوار ہوں۔ ارشاد فرمایا: ایسے وقت میں جب کسی بندے کے دل میں یہ دونوں چیزیں (اُمید و خوف) جمع ہو جائیں تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کی اُمید اسے عطا فرماتا ہے اور جس چیز سے وہ خوف زدہ ہوتا ہے اُس سے اُسے امن عطا فرماتا ہے۔[1]

رحمتِ الٰہی سے نا اُمیدی بہت بڑا گناہ ہے:

امیر المؤمنین حضرت سَیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم نے ایک شخص سے جو گناہوں کی کثرت کے باعث خوف کی وجہ سے مایوسی کا شکار تھا، فرمایا: ”اے فلاں! تمہارا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت سے نا اُمید ہونا تمہارے گناہوں سے بھی بڑا گناہ ہے۔“

اللہ عَزَّوَجَلَّ سے بد گمانی کے سبب ہلاکت:

حضرت سَیِّدُنا سُفیان ثَوری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی نے ارشاد فرمایا: جو شخص گناہ کرے پھر وہ یہ جانے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اسے میری تقدیر میں لکھ دیا ہے اور مغفرت کی اُمید رکھے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کا گناہ بخش دیتا ہے کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ایک قوم کا عیب بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَ ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِیْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ

(پ۲۴، حم السجدۃ: ۲۳)

ترجمۂ کنزالایمان: اور یہ ہے تمہارا وہ گمان جو تم نے اپنے رب کے ساتھ کیا۔

اور فرماتا ہے:

وَ ظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚۖ وَ كُنْتُمْ قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۲﴾

(پ۲۶، الفتح: ۱۲)

ترجمۂ کنزالایمان: اور تم نے بُرا گمان کیا اور تم ہلاک ہونے والے لوگ تھے۔

---

[1] ...سنن الترمذی، کتاب الجنائز، باب ۱۱، ۲/ ۲۹۶، حدیث: ۹۸۵

رحمت کی اُمید:

نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "اللہ عَزَّوَجَلَّ بروزِ قیامت بندے سے اِستِفسار فرمائے گا: "جب تو نے برائی دیکھی تو کس وجہ سے اسے نہیں روکا؟" اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کے ذہن میں جواب القا فرمادے گا تو وہ عرض کرے گا: اے میرے رب عَزَّوَجَلَّ! مجھے تیری رحمت کی اُمید تھی اور لوگوں کا خوف تھا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرمائے گا: "میں نے تیرا گناہ معاف کیا۔"[1]

حُسنِ ظن اور اُمید کے باعث بخشش:

صحیح حدیث[2] میں ہے کہ ایک شخص لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا، وہ مالدار کے ساتھ نرمی کرتا اور تنگ دست کو مُعاف کر دیتا۔[3] جب اس کی موت واقع ہوئی تو وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اس حال میں ملا کہ اس نے کوئی بھی نیک عمل نہیں کیا تھا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا: ہم سے زیادہ معاف کرنے کا کون حق دار ہے؟[4] یوں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اُسے عبادت کے مُعاملے میں مُفلِس ہونے کے باوجود حُسنِ ظن اور اُمید رکھنے کے باعث بخش دیا۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِیَةً یَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾

(پ۲۲، فاطر: ۲۹)

ترجمۂ کنزالایمان: بیشک وہ جو اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور نماز قائم رکھتے اور ہمارے دیئے سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں پوشیدہ اور ظاہر وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جس میں ہرگز ٹوٹا (خسارہ) نہیں۔

میرے بندوں کو مایوس نہ کیجئے:

ایک مرتبہ شہنشاہِ مدینہ، قرارِ قلب و سینہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے صحابۂ کِرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کو وعظ

---

1 ...سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب قولہ تعالٰی: یا ایھا الذین امنو، ۴/ ۳۶۶، حدیث: ۴۰۱۷، دون "قد غفرتہ لک"

2 ...وہ حدیث جس کی سند متصل ہو، تمام راوی عادل ضابط ہوں اور اس حدیث میں عِلّتِ قادحہ وشذوذ نہ ہو اور اگر ضبط میں کمی ہو تو تعدد طرق سے یہ کمی پوری ہو جائے۔ (نصاب اصول حدیث مع افادات رضویہ، ص۴۱، ۴۲)

3 ...اس امید پر کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ مجھ سے درگزر فرمائے۔ (بخاری، کتاب البیوع، باب من انظر معسراً، ۲/ ۱۲، حدیث: ۲۰۷۸)

4 ... مسلم، کتاب المساقاۃ، باب فضل انظار المعسر، ص ۸۴۴، حدیث: ۱۵۶۱، ۱۵۶۲

ونصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو کم ہنستے اور بہت روتے اور پہاڑوں کی طرف نکل جاتے اور تمہارے دل بے چین ہو جاتے اور تم اپنے ربّ کے حُضور گڑگڑانے لگتے۔"[1] حضرت سیِّدُنا جبریلِ امین عَلَیْہِ السَّلَام بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: آپ کا ربّ آپ سے ارشاد فرماتا ہے: "میرے بندوں کو کیوں مایوس کرتے ہیں؟" یہ سن کر آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم صحابۂ کِرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں اُمید اور شوق دلایا۔[2]

لوگوں کے دلوں میں میری محبت پیدا کیجئے:

منقول ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت سیِّدُنا داود علٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی طرف وحی فرمائی: "مجھ سے محبت کریں اور جو لوگ مجھ سے محبت کرتے ہیں ان سے بھی محبت کریں اور لوگوں کے دلوں میں میری محبت پیدا کریں۔" آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے عرض کی: اے میرے رب عَزَّوَجَلَّ! میں لوگوں کے دلوں میں تیری مَحبت کیسے پیدا کروں؟ ارشاد فرمایا: "مجھے خوبیوں کے ساتھ یاد کرو، میرے انعامات و احسانات کو بھی یاد کرو اور لوگوں کو بھی یاد دلاؤ کیونکہ وہ مجھ سے صرف اچھے سلوک ہی کو جانتے ہیں۔"

بکثرت اُمید دلانے کا انعام:

حضرت سیِّدُنا ابان بن ابی عیاش عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَھَّاب اُمید کا کثرت سے ذکر کیا کرتے تھے۔ کسی نے انہیں خواب میں دیکھ کر حال دریافت کیا تو آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مجھے اپنی بارگاہ عالی میں کھڑا کر کے استفسار فرمایا: "تُو اُمید کا کثرت سے ذکر کیوں کرتا تھا؟" میں نے عرض کی: میں چاہتا تھا کہ مخلوق کے دل میں تیری محبت اُجاگر کروں۔ یہ سن کر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مجھے بخش دیا۔

حکایت: واہ! یہ تو خوشی کی بات ہے

حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن اَکثم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم کے وصال کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھ کر پوچھا:

---

1 ...سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب فی قول النبی: لو تعلمون... الخ، ۴/ ۱۴۰، حدیث: ۲۳۱۹، دون "تلمدون صدورکم"

2 ...الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب العلم، باب ذکر بیان بان علی العالم... الخ، ۱/ ۱۶۲، حدیث: ۱۱۳

مَافَعَلَ اللّٰہُ بِکَ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ انہوں نے کہا: اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مجھے اپنی بارگاہِ عالی میں کھڑا کرکے فرمایا: ”اے بد عمل بوڑھے! تو نے فلاں فلاں کام کیا۔“ فرماتے ہیں: مجھ پر اس قدر رُعب طاری ہو گیا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی جانتا ہے۔ پھر میں نے عرض کی: اے میرے رب عَزَّوَجَلَّ! مجھے تیرا یہ حال نہیں بتایا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا: ”پھر میرے بارے میں کیا بیان کیا گیا؟“ میں نے عرض کی: مجھ سے حضرت عبد الرزاق نے، ان سے حضرت مَعْمَر نے، ان سے حضرت امام زُہری نے اور ان سے حضرت سیِّدُنا انس بن مالک رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے اور وہ تیرے نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے اور آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے جبرئیلِ امین عَلَیْہِ السَّلَام کے حوالے سے بیان فرمایا کہ تُو فرماتا ہے: ”میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوں تو وہ میرے ساتھ جو چاہے گمان رکھے۔“[1] میرا گمان یہ تھا کہ تُو مجھے عذاب نہیں دے گا، تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے فرمایا: جبریل نے سچ کہا، میرے نبی نے سچ کہا، انس، زُہری، معمر، عبد الرزاق نے بھی سچ کہا اور میں نے بھی سچ کہا۔ حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن اکثم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْاَکْرَم فرماتے ہیں: پھر مجھے جنتی لباس پہنایا گیا اور جنت تک میرے آگے آگے غلام چلتے رہے تو میں نے کہا: واہ! یہ تو خوشی کی بات ہے۔

رحمتِ الٰہی سے نااُمید کرنے کا انجام:

منقول ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک شخص لوگوں کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت سے مایوس کرتا اور ان پر سختی کیا کرتا تھا۔ بروزِ قیامت اللہ عَزَّوَجَلَّ اس سے ارشاد فرمائے گا: ”آج میں تجھے اپنی رحمت سے مایوس کر دوں گا جس طرح تو میرے بندوں کو اس سے نااُمید کرتا تھا۔“[2]

اچھی اُمید جہنم سے نجات کا سبب بن گئی:

رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ایک شخص کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا تو وہ وہاں ایک ہزار سال تک ”یَاحَنَّانُ یَامَنَّانُ“ کہہ کر اللہ عَزَّوَجَلَّ کو پکارتا رہے گا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ جبریلِ امین سے فرمائے گا: ”جاؤ! میرے بندے کو لے کر آؤ۔“ چنانچہ وہ اسے لے کر آئیں گے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ

1 ...الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الرقائق، باب حسن الظن باللہ تعالٰی، ٢/ ١٥، حدیث: ٦٣٤ عن واثلۃ بن الاسقع

2 ... المصنف لعبد الرزاق، کتاب العلم، باب الاقناط، ١٠/ ٢٦١، حدیث: ٢٠٧٢٨، بتغیر قلیل

میں پیش کر دیں گے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ اُس سے دریافت فرمائے گا: "تونے اپنا ٹھکانا کیسا پایا؟" وہ عرض کرے گا: "بہت بُرا۔" اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرمائے گا: "اسے دوبارہ وہیں لے جاؤ۔" وہ جارہا ہو گا تو پیچھے مڑ کر دیکھے گا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ فرمائے گا: کیا دیکھتا ہے؟ وہ عرض کرے گا: مجھے تجھ سے یہ اُمید تھی کہ ایک مرتبہ جہنّم سے نکالنے کے بعد مجھے دوبارہ اس میں نہیں بھیجے گا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ فرمائے گا: "اسے جنت میں لے جاؤ۔"[1]

یہ حدیثِ پاک اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس کی اُمید ہی اس کی نجات کا سبب بنی۔ ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اس کے لطف و کرم کی بدولت حُسنِ توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

تیسری فصل: اُمید کا علاج اور اسے حاصل کرنے کا بیان

جان لیجئے! اس کے علاج کی حاجت دو قسم کے لوگوں کو پڑتی ہے: (۱)...اس شخص کو جس پر مایوسی کا غلبہ ہو اور وہ عبادت کو ترک کر دے اور (۲)...وہ شخص جس پر خوف غالب ہو اور عبادت پر ہمیشگی اختیار کرنے میں اس حد تک بڑھ جائے کہ خود کو اور اپنے گھر والوں کو بھی تکلیف میں ڈال دے۔ یہ دونوں شخص راہِ اعتدال سے ہٹے ہوئے ہیں اور اِفراط و تفریط کی طرف مائل ہیں۔ ان دونوں کو ایسے علاج کی ضرورت ہے جو ان کو اِعتدال کی طرف لے آئے لیکن دھوکے میں مبتلا شخص جو عبادت سے غفلت برتنے اور گناہ کرنے کے باوُجود اللہ عَزَّوَجَلَّ سے مغفرت کا خواہاں ہو تو ایسے شخص کے حق میں اُمید کی دوا زہرِ قاتل میں تبدیل ہو جائے گی جیسے شہد اس شخص کے لئے تو شفا ہے جس کے مزاج میں ٹھنڈک غالب ہو مگر جس کے مزاج میں گرمی کا غلبہ ہو اس کے لئے زہرِ قاتل ہے بلکہ دھوکے کا شکار شخص اپنے لئے صرف خوف کی اَدْوِیات استعمال کرے اور ان اسباب کو عمل میں لائے جو خوف پیدا کریں۔

واعظ کو کیسا ہونا چاہئے؟

واعظ کے لئے ضروری ہے کہ وہ نبض شناس، بیماریوں کے مواقع کی طرف نظر رکھنے والا اور ہر باطنی بیماری کا علاج اس کی ضد سے کرنے والا ہو نہ کہ اس چیز کے ساتھ جو مرض میں مزید اضافہ کر دے کیونکہ

---

[1]... موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب حسن الظن باللہ، ۱/ ۱۰۵، حدیث: ۱۰۹

مقصود تمام صفات واَخلاق میں اِعتدال ہے اور بہترین اُمور وہی ہوتے ہیں جن میں میانہ روی ہو لہٰذا اگر کوئی صفتِ اعتدال سے تجاوُز کرکے اِفراط وتفریط میں سے کسی ایک کی جانب مائل ہو جائے تو اس کا علاج ایسی چیز کے ساتھ کیا جائے گا جو اسے اعتدال کی طرف لے آئے نہ کہ ایسی چیز کے ساتھ جو اسے اعتدال سے اور زیادہ دور لے جائے۔

اس زمانے میں وعظ کا انداز کیسا ہو؟

اس زمانے کے لوگوں کے ساتھ فقط اُمید کے اسباب عمل میں نہیں لانے چاہئیں بلکہ خوف دلانے میں مبالغہ کرنا چاہئے کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ حق اور دُرُست راہ سے ہٹ جائیں کہ فقط اُمید کے اسباب کا ذکر تو ان کو بالکل ہلاک کردے گا لیکن چونکہ اُمید کے اسباب دلوں کے لئے خفیف تر اور نفسوں کے لئے لذیذ تر ہیں اور واعظ تو صرف چاہتے ہی یہی ہیں کہ لوگ ان کی طرف مائل ہوں اور کلمات تحسین بلند کریں خواہ کسی بھی طرح۔ اس لئے وہ امید کی طرف مائل ہو گئے یہاں تک کہ بگاڑ میں مزید اضافہ ہو گیا اور سرکشی میں منہمک لوگ اپنی سرکشی میں اَور زیادہ بڑھ گئے۔

عالم کون ہے؟

حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم فرماتے ہیں: ”عالم وہ ہے جو لوگوں کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت سے نااُمید کرے نہ انہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف کرے۔“[1]

اسبابِ امید ذکر کرنے کی وجہ:

ہم امید کے اسباب اس لئے ذکر کر رہے ہیں تاکہ انہیں مایوس یا اس شخص کے حق میں استعمال کیا جائے جس پر خوف کا غلبہ ہے اور ایسا ہم قرآن وحدیث کی پیروی میں کر رہے ہیں کیونکہ یہ دونوں خوف اور امید پر مشتمل ہیں بلکہ مختلف قسم کے مریضوں کے حق میں تمام اسبابِ شفا کے جامع ہیں تاکہ علما جو کہ وارثِ انبیا ہیں طبیب حاذِق کی طرح حسبِ حاجت انہیں استعمال کریں، اس بے وقوف کی طرح نہیں جو یہ سمجھتا

---

1 ...قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون: شرح مقامات الیقین، ۱/ ۳۷۰

ہے کہ تمام دوائیں ہر مریض کے لئے کارآمد ہوتی ہیں خواہ مرض کیسا ہی ہو۔

حالتِ امید کیسے غالب ہو؟

اُمید کی حالت دو چیزوں کے ذریعے غالب ہوتی ہے، نصیحت پکڑنے کے ذریعے اور آیات، احادیث اور آثار کے تَتَبُّع و تلاش کے ذریعے۔

نصیحت حاصل کرنے کے ذریعے اُمید کا غلبہ:

شکر کے باب میں ہم نے جو مختلف نعمتیں بیان کی ہیں ان کے ذریعے نصیحت حاصل کرنے کی صورت یہ ہے کہ اُن پر غور و فکر کرتا رہے حتّٰی کہ دنیا میں بندوں کو دی گئی نعمتوں کے لطائف سے آگاہ ہو جائے اور جو عجیب حکمتیں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انسان کی خِلقت میں ملحوظ رکھی ہیں ان سے واقف ہو جائے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انسان کو دنیا میں ہر وہ چیز مہیا کر دی جو اس کی بقا کے لئے ضروری تھی مثلاً آلاتِ غذا اور ان کے استعمال کے لئے جن چیزوں کی حاجت تھی جیسے انگلیاں اور ناخن پھر اسے وہ چیزیں بھی عطا کی گئیں جو اس کے لئے زینت تھیں مثلاً ابروؤں کا کمان کی شکل میں ہونا، آنکھوں میں دو مختلف رنگوں یعنی سیاہی اور سفیدی کا ہونا اور ہونٹوں کا سرخ ہونا وغیرہ جن کے نہ ہونے سے غرض میں خلل واقع نہیں ہوتا صرف حسن و جمال متاثر ہوتا ہے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عنایت:

یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عنایت ہے کہ اس نے اپنے بندوں کے مُعاملے میں اس طرح کے باریک اُمور بھی نظر انداز نہیں کئے حتّٰی کہ وہ اپنے بندوں کے لئے اس بات پر بھی راضی نہ ہوا کہ حاجت اور زینت کی اضافی اشیاء فوت ہو جائیں تو پھر وہ انہیں دائمی ہلاکت کی طرف لے جانے پر کیسے راضی ہو گا؟ بلکہ اگر انسان صحیح نظر سے دیکھے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ اکثر مخلوق کے لئے دنیا میں اسبابِ سعادت مہیا کر دیے گئے ہیں حتّٰی کہ وہ موت کے ذریعے دنیا سے جانا پسند نہیں کرتے ہیں اگرچہ انہیں یہ بتلا دیا جائے کہ مرنے کے بعد انہیں کبھی بھی عذاب نہیں دیا جائے گا یا دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا لہٰذا وہ موت کو صرف اس لئے ناپسند کرتے ہیں کہ یقیناً دنیا میں نعمتوں کے اسباب ان پر غالب ہیں اور موت کی تمنا کرنے والے بہت کم

ہوتے ہیں۔ تمنا کرنے والے بھی کسی نادر حالت یا اچانک پیش آنے والے واقعے کی وجہ سے تمنا کرتے ہیں۔ جب دنیا میں اکثر لوگوں پر خیر و سلامتی کی حالت غالب ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کا دستور بدلتا نہیں ہے تو غالب یہی ہے کہ آخرت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہوگا کیونکہ دنیا اور آخرت کی تدبیر فرمانے والا ایک ہی ہے۔ وہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے، بندوں کا محافظ اور ان پر مہربان ہے، جب اس طرح غور کیا جائے جیسا کہ حق ہے تو اُمید کے اسباب قوی ہو جائیں گے۔

آیتِ مُداینہ[1] میں اُمید کا پہلو:

نصیحت حاصل کرنے کی ایک صورت شریعت کی حکمتوں، دنیاوی مُعاملات میں اس کی رہنمائی اور ان مُعاملات میں بندوں پر رحمت کی وجہ پر غور کرنا بھی ہے حتّٰی کہ ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سورۂ بقرہ کی آیتِ مداینہ کو اُمید کے قوی ترین اسباب میں سے خیال کرتے تھے، ان سے پوچھا گیا: اس آیت میں تو امید کی کوئی بات نہیں ہے؟ ارشاد فرمایا: دنیا تمام کی تمام قلیل ہے اور انسان کا رزق اس قلیل دنیا سے قلیل ہے اور دَین[2] اس قلیل رزق سے بھی قلیل ہے تو غور کرو کہ کیسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قلیل دَین کے متعلق طویل ترین آیت (آیتِ مداینہ) نازل فرمائی تا کہ اپنے بندے کو دَین کی حفاظت کے سلسلے میں احتیاط کے راستے کی ہدایت فرمائے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس دَین کی حفاظت کیونکر نہیں فرمائے گا جس کا بندے کے پاس کوئی عوض ہی نہ ہو؟

اُمید کے بارے میں بے شمار آیات، احادیث اور آثار وارد ہوئے ہیں۔

اُمید کے متعلق چھ فرامین باری تعالیٰ:

﴿1﴾...

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا ترجمۂ کنزالایمان: تم فرماؤ اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی

❶...پ ۲، سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۸۲ تا ۲۸۳ آیتِ مداینہ کہلاتی ہے۔

❷...صَدْرُ الشَّرِیْعَہ، بَدْرُ الطَّرِیْقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: جو چیز واجب فی الذمہ ہو کسی عقد مثلاً بیع یا اجارہ کی وجہ سے یا کسی چیز کے ہلاک کرنے سے اسکے ذمہ تاوان ہوا یا قرض کی وجہ سے واجب ہوا، ان سب کو دَین کہتے ہیں۔ دَین کی ایک خاص صورت کا نام قرض ہے، جس کو لوگ دستگرداں کہتے ہیں۔ ہر دَین کو آج کل لوگ قرض بولا کرتے ہیں، یہ فقہ کی اصطلاح کے خلاف ہے۔ (بہار شریعت، حصہ ۱۱، ۲/ ۷۵۲)

مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۵۳﴾ (پ۲۴، الزمر: ۵۳) جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بے شک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔

رسولِ پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے مروی ایک قِراءَت میں یوں ہے: "وَلَا یُبَالِی اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْم یعنی اور اسے پروا نہیں ہے، بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔"

﴿2﴾...

وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِی الْاَرْضِ ؕ (پ۲۵، الشوریٰ: ۵) ترجمۂ کنزالایمان: اور فرشتے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بولتے اور زمین والوں کے لئے معافی مانگتے ہیں۔

﴿3﴾... اللہ عَزَّوَجَلَّ نے بتادیا کہ اس نے جہنّم اپنے دشمنوں کے لئے تیار کی ہے اور اپنے دوستوں کو اس سے ڈرایا ہے چنانچہ وہ فرماتا ہے:

لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ یُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ (پ۲۳، الزمر: ۱۶) ترجمۂ کنزالایمان: ان کے اوپر آگ کے پہاڑ ہیں اور ان کے نیچے پہاڑ اس سے اللہ ڈراتا ہے اپنے بندوں کو۔

﴿4﴾...

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْۤ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ۚ﴿۱۳۱﴾ (پ۴، اٰل عمران: ۱۳۱) ترجمۂ کنزالایمان: اور اُس آگ سے بچو جو کافروں کے لئے تیار رکھی ہے۔

﴿5﴾...

فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ۚ﴿۱۴﴾ لَا یَصْلٰىهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَى ۙ﴿۱۵﴾ الَّذِیْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ؕ﴿۱۶﴾ (پ۳۰، اللیل: ۱۴تا۱۶) ترجمۂ کنزالایمان: تو میں تمہیں ڈراتا ہوں اس آگ سے جو بھڑک رہی ہے نہ جائے گا اس میں مگر بڑا بدبخت جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا۔

﴿6﴾...

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ (پ۱۳، الرعد: ۶) ترجمۂ کنزالایمان: اور بے شک تمہارا رب تو لوگوں کے ظلم پر بھی انہیں ایک طرح کی معافی دیتا ہے۔

منقول ہے کہ حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اپنی امت کے لئے (مغفرت کا) سوال کرتے رہے حتّٰی کہ آپ سے کہا گیا: کیا آپ اب بھی راضی نہیں ہیں حالانکہ آپ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے: وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰىؕ(۵) [1]

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں ہے کہ حضرت محمد (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) اس وقت تک راضی نہ ہوں گے جب تک ان کا ایک امتی بھی جہنم میں ہو گا۔ [2]

سب سے زیادہ اُمید والی آیت:

حضرت سیِّدُنا ابو جعفر امام محمد باقر عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْخَالِق فرمایا کرتے: "اے اہلِ عراق تم یہ کہتے ہو کہ قرآنِ پاک میں سب سے زیادہ اُمید والی آیت یہ ہے:

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِؕ (پ۲۴، الزمر: ۵۳)

ترجمۂ کنزالایمان: تم فرماؤ اے میرے وہ بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے نااُمید نہ ہو

جبکہ ہم اہلِ بیت کہتے ہیں سب سے زیادہ امید والی آیت یہ ہے:

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰىؕ(۵) (پ۳۰، والضحی: ۵)

ترجمۂ کنزالایمان: اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

اُمید کے متعلق 38 فرامین مصطفٰے:

﴿1﴾... میری اُمّت، اُمَّتِ مرحومہ ہے، اس پر آخرت میں عذاب نہیں ہو گا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ زلزلوں اور فتنوں کی شکل میں اسے دنیا میں ہی سزا دے گا اور جب قیامت کا دن ہو گا تو میری اُمّت کے ہر فرد کو اہلِ کتاب میں سے ایک ایک شخص دیا جائے گا اور کہا جائے گا: یہ جہنّم سے تمہارا فدیہ ہے۔ [3]

---

1 ... ترجمۂ کنزالایمان: اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔ (پ۳۰، والضحی: ۵)

2 ... فردوس الاخبار، فصل فی تفسیر القرآن، ۱/ ۴۰۱، حدیث: ۳۸۲۷

3 ... سنن ابی داود، کتاب الفتن والملاحم، باب ما یرجی فی القتل، ۴/ ۱۴۲، حدیث: ۴۲۷۸

سنن ابن ماجه، کتاب الزهد، باب صفة امة محمد، ۴/ ۵۱۳، حدیث: ۴۲۹۲

﴿2﴾...اس امت کا ہر شخص ایک یہودی یا نصرانی کو پکڑ کر جہنم کی طرف لائے گا اور کہے گا: یہ جہنّم سے میرا فِدیہ ہے چنانچہ اُسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔[1]

﴿3﴾...بخار جہنم کے جوش سے ہے اور یہ مومن کا آگ سے حصہ ہے۔[2]

یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ترجمۂ کنزالایمان: جس دن اللہ رسوانہ کرے گا نبی اور ان کے ساتھ کے ایمان والوں کو۔ (پ۲۸، التحریم: ۸)

اس ارشاد باری تعالیٰ کی تفسیر کے متعلق مروی ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے سَیِّدِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی طرف وحی فرمائی کہ میں آپ کی اُمَّت کا حساب آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے عرض کی: اے میرے ربّ عَزَّوَجَلَّ! نہیں، کیونکہ میرے مقابلے میں تو ان پر زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے فرمایا: جب یہ بات ہے تو ہم ان کے مُعاملے میں تمہیں رسوا نہیں کریں گے۔[3]

﴿4﴾...حضرت سیِّدُنا انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ رحمتِ عالم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اپنی اُمَّت کے گناہوں کے متعلق اللہ عَزَّوَجَلَّ سے عرض کی: اے میرے رب عَزَّوَجَلَّ! ان کا حساب میرے حوالے کردے تاکہ ان کی بُرائیوں پر میرے علاوہ کوئی مُطَّلع نہ ہو۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی طرف وحی فرمائی کہ یہ لوگ تمہاری اُمَّت ہیں اور میرے بندے ہیں اور میں ان پر تم سے زیادہ رحم کرنے والا ہوں لہٰذا میں ان کا حساب کسی کو نہیں سونپوں گا تاکہ ان کی برائیوں کو نہ آپ دیکھ سکیں نہ کوئی اَور۔[4]

﴿5﴾...میری زندگی اور وصال دونوں تمہارے لئے بہتر ہے۔ میری زندگی اس لئے کہ میں تمہارے لئے سنتیں اور احکامِ شرع بیان کرتا ہوں اور میرا وِصال اس لئے کہ تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کیے جائیں گے تو ان میں سے جو اچھا عمل ہو گا اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ادا کروں گا اور جو بُرا ہو گا اس پر تمہارے لئے اللہ

1... مسلم، کتاب التوبة، باب قبول توبة القاتل وان کثر قتله، ص ۱۴۸۰، حدیث: ۲۷۶۸، بتغیر

2... حلیة الاولیاء، الرقم: ۱۷۱، عروة بن زبیر، ۲/ ۲۰۸، حدیث: ۱۹۶۰
بخاری، کتاب الطب، باب الحمی من فیح جهنم، ۴/ ۲۸، حدیث: ۵۷۲۵، دون ''وهی حظ المؤمن من النار''

3... موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الحسن الظن باللہ، ۱/ ۸۱، حدیث: ۶۲، بتغیر قلیل

4... قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون: شرح مقامات الیقین، ۱/ ۳۵۷

عَزَّوَجَلَّ سے مغفرت طلب کروں گا۔[1]

﴿6﴾...دو جہاں کے تاجْوَر، سلطانِ بَحر و بَر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ایک دن اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں عرض کی: ''یَا کَرِیْمُ الْعَفُوْ'' تو حضرت جبریل عَلَیْہِ السَّلَام نے پوچھا: کیا آپ اس جملے کی تفسیر جانتے ہیں؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنی رحمت سے گناہوں کو معاف کر دے اور اپنے کرم سے انہیں نیکیوں سے تبدیل کر دے[2]۔[3]

نعمت کے پورا ہونے سے مراد؟

رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے کسی شخص کو ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ تَمَامَ النِّعْمَۃِ یعنی اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! میں تجھ سے نعمت کے پورا ہونے کا سوال کرتا ہوں'' کہتے ہوئے سنا تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے نعمت کے پورا ہونے کا مطلب دریافت فرمایا۔ اس نے عرض کی: میں نہیں جانتا۔ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جنت میں داخلہ۔[4]

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ہم پر اپنی نعمت پوری کر دی:

علمائے کرام رَحِمَہُمُ اللہُ السَّلَام فرماتے ہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ہمارے لئے اسلام پسند کر کے ہم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا ہے کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًاؕ (پ۶، المائدۃ:۳)

ترجمۂ کنزالایمان: تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

---

1 ...مسند البزار، مسند عبد اللہ بن مسعود، ۵/ ۳۰۸، حدیث: ۱۹۲۵

2 ...شعب الایمان، باب فی معالجۃ کل ذنب بالتوبۃ، ۵/ ۳۸۹، الحدیث: ۷۰۴۳

3 ...علامہ عراقی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْکَافِی فرماتے ہیں: میں نے اس واقعہ کو رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے نہیں پایا بلکہ اس طور پر ملتا ہے کہ یہ حضرت سیِّدُنا ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام اور حضرت سیِّدُنا جبریل عَلَیْہِ السَّلَام کے درمیان پیش آیا تھا، اور ایسے ہی اس واقعہ کو ابو الشیخ نے کتاب العظمہ میں عتبہ بن ولید کے قول کے طور پر اور بیہقی نے شعب الایمان میں عتبہ بن ولید کی روایت سے ایک زاہد کے حوالے سے ذکر کیا۔ (اتحاف السادۃ المتقین، ۱۱/ ۳۴۸)

4 ...سنن الترمذی، کتاب الدعوات، باب ۹۳، ۵/ ۳۱۲، حدیث: ۳۵۳۸

﴿7﴾... جب بندہ گناہ کے بعد اللہ عَزَّوَجَلَّ سے معافی طلب کرتا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ فرشتوں سے فرماتا ہے: میرے بندے کو دیکھو کہ گناہ کیا اور اسے معلوم ہے کہ اس کا ایک ربّ ہے جو گناہوں کو بخشتا ہے اور ان پر پکڑ بھی فرماتا ہے۔ میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اسے بخش دیا۔ [1]

﴿8﴾... ایک حدیث پاک میں ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: ”اگر بندے کے گناہ آسمان کی بلندی تک پہنچ جائیں پھر وہ مجھ سے مغفرت طلب کرے اور اُمید رکھے تو میں اسے بخش دوں گا۔“ [2]

جبکہ ایک حدیث میں اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

﴿9﴾... اگر میرا بندہ زمین بھر گناہ لے کر مجھ سے ملے گا تو میں اتنی ہی بخشش کے ساتھ اس سے ملوں گا۔“ [3]

﴿10﴾... جب بندہ گناہ کرتا ہے تو فرشتہ چھ ساعتوں تک قلم اٹھائے رکھتا ہے، اگر اس عرصے میں وہ توبہ و اِستغفار کرلیتا ہے تو اسے نہیں لکھتا ورنہ ایک گناہ لکھ لیتا ہے۔ [4]

نیکی کے سبب گناہ مٹادیا جاتا ہے:

﴿11﴾... جب فرشتہ گناہ لکھ لیتا ہے پھر وہ بندہ کوئی نیکی کرتا ہے تو دائیں جانب کا فرشتہ جو حاکم ہے بائیں جانب والے محکوم فرشتے سے کہتا ہے: اس گناہ کو مٹادو اور میں بھی (ایک نیکی کے بدلے ملنے والی) دس نیکیوں سے ایک کم کئے دیتا ہوں اور نو نیکیاں باقی رکھتا ہوں چنانچہ اس کا گناہ مٹادیا جاتا ہے۔ [5]

اللہ عَزَّوَجَلَّ کا حُسنِ عفو:

﴿12﴾... سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو وہ اس کے ذمّہ لکھ دیا جاتا ہے۔ ایک اَعرابی نے عرض کی: ”اگر اس سے توبہ کرلے تو؟ ارشاد فرمایا:

1... بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: یریدون ان یبدلوا کلام اللہ، ۴/ ۵۷۵، حدیث: ۷۵۰۷، بتغیر

2... سنن الترمذی، کتاب الدعوات، باب فی فضل التوبۃ والاستغفار... الخ، ۵/ ۳۱۸، حدیث: ۳۵۵۱

3... مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الذکر والدعاء، ص ۱۴۴۳، حدیث: ۲۶۸۷

4... المعجم الکبیر، ۸/ ۱۸۵، الحدیث: ۷۷۶۵

5... المعجم الکبیر، ۸/ ۱۹۱، الحدیث: ۷۷۸۷

اسے مٹا دیا جاتا ہے۔ اس نے پوچھا: اگر دوبارہ کرے تو؟ ارشاد فرمایا: دوبارہ لکھ دیا جاتا ہے۔ اس نے پوچھا: اگر پھر توبہ کر لے تو؟ ارشاد فرمایا: پھر مٹا دیا جاتا ہے۔ اس نے عرض کی: ایسا کب تک ہوتا رہتا ہے؟ ارشاد فرمایا: ”جب تک وہ توبہ و اِستغفار کرتا رہتا ہے۔ بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ اس وقت تک مغفرت فرماتا رہتا ہے جب تک بندہ استغفار کرنے سے تھک نہ جائے۔ جب بندہ کسی نیک عمل کا ارادہ کرتا ہے تو دائیں جانب کا فرشتہ عمل سے پہلے ہی ایک نیکی لکھ لیتا ہے اور جب عمل کرتا ہے تو اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں پھر اللہ عَزَّوَجَلَّ انہیں بڑھا کر سات سو گنا تک کر دیتا ہے اور جب وہ کسی گناہ کا قصد کرتا ہے تو اس کے ذمہ گناہ نہیں لکھا جاتا، اگر کر لیتا ہے تو ایک گناہ لکھا جاتا ہے اور اس کے بعد اللہ عَزَّوَجَلَّ کا حُسنِ عفو ہے۔“[1]

سرکار صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مالک و مختار ہیں:

﴿13﴾... ایک شخص نے تاجدارِ رِسالت، شہنشاہِ نبوّت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! میں رمضان کے مہینے سے زیادہ روزے نہیں رکھتا اور نہ پانچ وقت کی نمازوں سے زیادہ نماز پڑھتا ہوں، اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خاطر میرے مال میں (صاحبِ نصاب نہ ہونے کی وجہ سے) زکوٰۃ ہے نہ حج اور نہ خیرات۔ مرنے کے بعد میرا ٹھکانہ کہاں ہو گا؟ رحمتِ عالَم، شفیعِ مُعَظَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم مسکرائے اور ارشاد فرمایا: ”میرے ساتھ جنت میں۔“ اس نے عرض کی: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! آپ کے ساتھ؟ فرمایا: ”ہاں! میرے ساتھ بشرطیکہ تم اپنے دل کو دو چیزوں حسد اور کینے سے بچاؤ اور زبان کو دو چیزوں غیبت اور جھوٹ سے محفوظ رکھو اور اپنی آنکھوں کی دو چیزوں سے حفاظت کرو یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جو چیزیں حرام کی ہیں ان کی طرف نظر نہ کرو اور ان کے ذریعے کسی مسلمان کو حقارت سے نہ دیکھو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو میرے ساتھ دو ہتھیلیوں جتنا قریب ہو کر جنت میں داخل ہو گے۔“[2]

سمجھدار اعرابی:

﴿14﴾... ایک طویل حدیث میں ہے کہ ایک اعرابی نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ

1... قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون: شرح مقامات الیقین، ۱/ ۳۵۸

2... قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون: شرح مقامات الیقین، ۱/ ۳۵۸

تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! مخلوق کا حساب کون لے گا؟ ارشاد فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ۔ اس نے عرض کی: وہ خود حساب لے گا؟ فرمایا: ہاں۔ یہ سن کر اعرابی ہنس پڑا۔ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ہنسنے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا: قدرت رکھنے والا کریم تو معاف کر دیتا ہے اور حساب لیتا ہے تو چشم پوشی فرماتا ہے۔ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اعرابی نے سچ کہا۔ سن لو! اللہ عَزَّوَجَلَّ سے بڑھ کر کوئی کریم نہیں، وہ اَکْرَمُ الْاَکْرَمِیْن (سب سے زیادہ کرم کرنے والا) ہے۔ اس کے بعد آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اعرابی سمجھ گیا۔[1]

تمام مؤمنین اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ولی ہیں:

مذکورہ حدیث میں یہ بھی ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے کعبۃُ اللہ کو شرافت و عظمت عطا فرمائی ہے، اگر کوئی شخص ایک ایک پتھر کرکے اسے پورا گرادے پھر اسے جلاڈالے تو اس کا جُرم اس شخص کے جرم کو نہیں پہنچ سکتا جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ولی کی توہین کرتا ہے۔ اعرابی نے عرض کی: اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اولیا کون ہیں؟ فرمایا: تمام مؤمنین اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ولی ہیں۔ کیا تم نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا یہ فرمان نہیں سنا: اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۙ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ[2]۔[3]

مومن کی شان:

﴿15﴾... اَلْمُؤْمِنُ اَفْضَلُ مِنَ الْکَعْبَۃِ یعنی مومن کعبہ معظمہ سے افضل ہے۔[4]

﴿16﴾... اَلْمُؤْمِنُ طَیِّبٌ طَاھِرٌ یعنی مومن پاک اور ستھرا ہے۔[5]

﴿17﴾... اَلْمُؤْمِنُ اَکْرَمُ عَلَی اللّٰہِ تَعَالٰی مِنَ الْمَلَائِکَۃِ یعنی مومن اللہ ربُّ العالمین عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک بعض فرشتوں سے

---

❶... قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون: شرح مقامات الیقین، ۱/ ۳۵۸

❷... ترجمۂ کنزالایمان: اللہ والی ہے مسلمانوں کا انہیں اندھیریوں سے نور کی طرف نکالتا ہے۔ (پ۳، البقرۃ: ۲۵۷)

❸... قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون: شرح مقامات الیقین، ۱/ ۳۵۸

❹... سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب حرمۃ دم المؤمن ومالہ، ۴/ ۳۱۹، حدیث: ۳۹۳۲ مفہوماً

قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون: شرح مقامات الیقین، ۱/ ۳۵۹

❺... بخاری، کتاب الغسل، باب عرق الجنب وان المسلم لاینجس، ۱/ ۱۱۶، حدیث: ۲۸۳، مفهومًا

زیادہ عزت والا ہے[1]۔[2]

جہنم مومن کے لئے کوڑے کی مانند ہے:

﴿18﴾...اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنی رحمت سے جہنم کو کوڑے (چابک) کے طور پر بنایا جس کے ذریعے وہ اپنے بندوں کو جنت کی طرف چلاتا ہے۔[3]

﴿19﴾...اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: میں نے مخلوق کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ مجھ سے نفع اٹھائیں اس لئے پیدا نہیں کیا کہ میں ان سے نفع اٹھاؤں۔[4]

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت اس کے غضب پر حاوی ہے:

﴿20﴾...اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جو بھی چیز پیدا کی ہے اس پر غالب آنے والی چیز بھی بنائی ہے اور اس نے اپنی رحمت کو اپنے غضب پر غلبہ عطا کیا۔[5]

ایک مشہور روایت میں ہے کہ

1... مفسر شہیر، حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی **مراٰۃ المناجیح، جلد7، صفحہ 605** پر اس کے تحت فرماتے ہیں: اس حدیث میں افراد مؤمنین کا ذکر ہے ان کی تفصیل یہ ہے کہ عام مؤمنین افضل ہیں عام فرشتوں سے اور خاص مؤمنین افضل ہیں خاص فرشتوں سے یہ بھی خیال رہے کہ خاص مؤمنین سے مراد حضرات انبیاء و رسل و مرسلین ہیں اور خواص ملائکہ سے مراد حضرت جبریل و میکائیل وغیرہ اشرف ملائکہ اور عوام مؤمنین سے مراد ہیں صالحین، متقین جن میں خلفاء راشدین خاص خاص تابعین اولیاءُ اللہ مراد ہیں۔ ربّ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ؕ (پ۳۰، البینۃ: ۷، ترجمۂ کنزالایمان: بے شک جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے وہی تمام مخلوق میں بہتر ہیں)۔ لہٰذا حضرات خلفائے راشدین، حضور غوث پاک، امام اعظم ابو حنیفہ (عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان) عام فرشتوں سے بھی افضل دیکھو مرقات۔ یہ تفصیل خیال میں رہے ہاں انسانیت افضل ہے ملکیت سے۔ مگر صدیق اکبر بعد انبیاء سب سے افضل ہیں۔

2... سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب المسلمون فی ذمۃ اللہ، ۴/ ۳۲۶، حدیث: ۳۹۴۷

شعب الایمان، باب فی الایمان بالملائکۃ، فصل فی معرفۃ الملائکۃ، ۱/ ۱۷۴، حدیث: ۱۵۲

3... قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون: شرح مقامات الیقین، ۱/ ۳۶۶

4... الرسالۃ القشیریۃ، باب الرجاء، ص۱۷۳

5... المستدرک، کتاب التوبۃ والانابۃ، باب ماخلق اللہ من... الخ، ۵/ ۳۵۴، الحدیث: ۷۷۰۸

﴿21﴾... بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مخلوق کی تخلیق سے پہلے ہی اپنے ذِمَّۂ کرم پر رحمت لازم کرلی (اور فرمایا:) ''اِنَّ رَحْمَتِیْ تَغْلِبُ غَضَبِیْ یعنی بے شک میری رحمت میرے غضب پر حاوی ہے۔''[1]

کلمۂ طیبہ کے سبب جنت میں داخلہ:

﴿22﴾... جس شخص نے ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کہا وہ داخِلِ جنت ہوگا۔[2]

﴿23﴾... جس کا آخری کلام ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' ہوگا اسے دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی۔[3]

﴿24﴾... جو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اس حال میں ملے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو اس پر جہنم کی آگ حرام کردی جائے گی۔[4]

﴿25﴾... جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو گا وہ دوزخ میں داخل نہیں ہو گا۔[5]

رحمتِ الٰہی کی وُسعت:

﴿26﴾... اگر کافر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت کی وُسعت کو جان لیں تو کوئی بھی کافر اس کی جنت سے مایوس نہ ہو۔[6]

ہزار میں سے نو سو ننانوے:

﴿27﴾... نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے یہ آیت مبارکہ:

اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ① (پ۱۷، الحج:۱) ترجمۂ کنزالایمان: بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے۔

تلاوت فرمائی تو صحابۂ کِرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان سے دریافت فرمایا: جانتے ہو یہ کون سا دن ہو گا؟ یہ وہ دن ہو گا جس میں حضرتِ آدم عَلَیْہِ السَّلَام سے کہا جائے گا: اٹھئے اور اپنی اولاد میں سے جہنمیوں کو جہنم کی طرف

---

❶... بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللّٰہ تعالٰی: ویحذرکم اللّٰہ نفسہ، ۴/ ۵۴۰، الحدیث: ۷۴۰۴، دون ''قبل ان یخلق الخلق''
سنن ابن ماجہ، کتاب السنۃ، باب فیما انکرت الجھیمۃ، ۱/ ۱۲۳، الحدیث: ۱۸۹

❷... سنن الترمذی، کتاب الایمان، باب ماجاء فیمن یموت... الخ، ۴/ ۲۹۰، حدیث: ۲۶۴۷

❸... المعجم الاوسط، ۱/ ۱۷۳، الحدیث: ۵۷۴

❹... بخاری، کتاب العلم، باب من خص بالعلم... الخ، ۱/ ۶۷، ۶۸، حدیث: ۱۲۸، ۱۲۹

❺... المسند للامام احمد بن حنبل، مسند عبد اللّٰہ بن مسعود، ۲/ ۸۴، حدیث: ۳۹۱۳

❻... مسلم، کتاب التوبۃ، باب فی سعۃ رحمۃ اللّٰہ... الخ، ص ۱۴۷۲، حدیث ۲۷۵۵

بھیج دیجئے۔وہ عرض کریں گے: کتنوں کو؟ حکم ہو گا: ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے کو جہنم کی طرف اور ایک کو جنت کی طرف۔(یہ فرما کر آپ تشریف لے گئے) صحابۂ کِرام عَلَیۡہِمُ الرِّضْوَان پریشانی میں مبتلا ہو گئے اور رونا شروع کر دیا اور اس روز دیگر کام کاج اور مصروفیات کو موقوف کر دیا یہاں تک کہ حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم تشریف لائے اور صحابۂ کِرام عَلَیۡہِمُ الرِّضْوَان سے پوچھا: تم کام کیوں نہیں کرتے ہو؟ صحابۂ کِرام عَلَیۡہِمُ الرِّضْوَان نے عرض کی: جو کچھ آپ نے بیان کیا ہے اس کے بعد کون کام میں مشغول ہو سکتا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: تمام اُمتوں کے مقابلے میں تمہاری تعداد ہی کتنی ہے؟ باویل، تاریس، مَنسک اور یاجوج و ماجوج بھی امتیں ہیں جن کی صحیح تعداد اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی جانتا ہے۔ان تمام امتوں میں تمہاری مثال ایسے ہے جیسے کالے بیل کی جلد پر سفید بال یا جانور کی اگلی ٹانگ میں سفید داغ۔[1]

غور کرو! کس طرح آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم صحابۂ کرام عَلَیۡہِمُ الرِّضْوَان کو خوف دلایا کرتے پھر انہیں اُمید کی رسیوں کے ذریعے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جانب کھینچتے کیونکہ پہلے آپ نے انہیں خوف کے کوڑوں سے چلایا اور جب وہ خوف کے سبب حدِّ اعتدال سے تجاوُز کر کے اِفراط یعنی مایوسی کی طرف نکلنے لگے تو اُمید کی دوا کے ذریعے ان کا علاج فرما کر اعتدال اور میانہ روی کی طرف لے آئے اور دوسری بات پہلی کے خلاف نہیں ہے کیونکہ پہلے وہ بات بیان کی جسے آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے شفا کا سبب جانا اور اسی پر اِکتفا فرمایا پھر جب امید کے ذریعے علاج کی حاجت پیش آئی تو پورا مُعاملہ ذکر کر دیا لہٰذا واعظ کے لیے ضروری ہے کہ وہ واعظین کے سردار حبیبِ پروردگار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی پیروی کرے اور باطنی بیماریوں کو پرکھنے کے بعد خوف و اُمید کی روایات کو حسبِ حاجت استعمال کرنے میں باریک بینی سے کام لے۔اگر وہ اس کا لحاظ نہیں رکھے گا تو اس کے وعظ سے اِصلاح کے مقابلے میں بگاڑ زیادہ ہو گا۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ بخشنے والا مہربان ہے:

﴿28﴾...اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ ضرور ایسے لوگوں کو پیدا فرماتا جو گناہوں کا اِرتکاب کرتے پھر

[1]... سنن الترمذی، کتاب التفسیر، سورۃ الحج، ٥/ ١١٣، ١١٤، حدیث: ٣١٧٩، ٣١٨٠، بتغیر

بخاری، کتاب الرقاق، باب قولہ عزوجل: ان زلزلۃ الساعۃ شیء عظیم، ٤/ ٢٥٤، حدیث: ٦٥٣٠، بتغیر

اللہ عَزَّوَجَلَّ ان کی مغفرت فرما دیتا۔[1]

دوسری روایت میں ہے کہ

﴿29﴾... تو اللہ عَزَّوَجَلَّ ضرور تمہیں لے جاتا اور ایسے لوگوں کو لاتا جو گناہ کرتے پھر وہ انہیں بخش دیتا بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔[2]

گناہوں سے بھی بدتر:

﴿30﴾... اگر تم سے گناہ سرزد نہ ہوتے تو مجھے اُس امر کا خوف تھا جو گناہوں سے بھی بدتر ہے۔ صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے عرض کی: وہ کیا چیز ہے؟ ارشاد فرمایا: خود پسندی۔[3]

مہربان ماں سے بھی بڑھ کر رحیم:

﴿31﴾... اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے بندۂ مومن پر مہربان ماں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔[4]

ابلیس بھی مغفرت الٰہی کا منتظر ہو گا:

﴿32﴾... اللہ عَزَّوَجَلَّ بروز قیامت اس قدر مغفرت فرمائے گا کہ کسی کے دل پر اس کا خیال بھی نہ گزرا ہو گا حتّٰی کہ ابلیس بھی مغفرت پانے کی امید پر اپنی گردن دراز کر رہا ہو گا۔[5]

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی 100 رحمتیں:

﴿33﴾... اللہ عَزَّوَجَلَّ کی 100 رحمتیں ہیں جن میں سے اس نے ننانوے رحمتیں اپنے پاس رکھی ہیں اور ایک رحمت دنیا میں ظاہر فرمائی ہے اسی رحمت کے باعث لوگ ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں، ماں اپنے بچے پر

1... مسلم، کتاب التوبۃ، باب سقوط الذنوب... الخ، ص ۱۴۶۹، حدیث: ۲۷۴۸

2... مسلم، کتاب التوبۃ، باب سقوط الذنوب... الخ، ص ۱۴۷۰، حدیث: ۲۷۴۹

3... مساوئ الاخلاق، باب ما جاء فی ذم العجب... الخ، ص ۲۳۹، حدیث: ۵۹۴، بتغیر قلیل

4... بخاری، کتاب الادب، باب رحمۃ الولد... الخ، ۴/ ۱۰۰، حدیث: ۵۹۹۹، بتغیر قلیل

5... موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب حسن الظن باللہ، ۱/ ۹۸، حدیث: ۹۳

شفقت کرتی ہے اور جانور اپنے بچے پر مہربان ہوتا ہے۔بروزِ قیامت اللہ عَزَّوَجَلَّ اس رحمت کو ان ننانوے رحمتوں میں شامل کرکے یہ رحمتیں تمام مخلوق پر عام فرمادے گا۔ان میں ہر رحمت آسمانوں اور زمین کے طبقوں جتنی وسیع ہوگی۔جس کے مُقَدَّر میں ہلاکت ہے وہ شخص ہلاک ہوجائے گا۔(1)

صرف عمل نجات نہیں دلائے گا:

﴿34﴾...تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرائے گا اور نہ دوزخ سے نجات دلائے گا۔صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے عرض کی:یارسولَ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! آپ کو بھی نہیں؟آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:ہاں!البتہ اللہ عَزَّوَجَلَّ مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لے گا۔"(2)

﴿35﴾...عمل کرو اور خوشخبری دو،یادرکھو!کسی کو اس کا عمل نجات نہیں دلائے گا۔(3)

شفاعتِ مصطفٰے:

﴿36﴾...میں نے اپنی شفاعت اپنی امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے محفوظ رکھی ہے۔(4)کیا تم اسے اِطاعت گزاروں اور گناہوں سے پاک لوگوں کے لئے خیال کرتے ہو؟یہ تو گناہوں میں لتھڑے ہوئے لوگوں اور سخت خطاکاروں کے لئے ہے۔(5)

ہمارے دین میں آسانی ہے:

﴿37﴾...بُعِثْتُ بِالْحَنِیْفِیَّةِ السَّمْحَةِ السَّهْلَةِ یعنی میں ہر باطل سے جدا اور آسان دین کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔(6)

1...بخاری، کتاب الادب، باب جعل اللہ الرحمۃ مئۃ جزء، ۴/ ۱۰۰، حدیث: ۶۰۰۰، بتغیر

2...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند ابی ھریرۃ، ۳/ ۳۴۱، حدیث: ۹۰۷۴

3...سنن الدارمی، کتاب الرقاق، باب لاینجی احد کم عملہ، ۲/ ۳۹۵، حدیث: ۲۷۳۳، ''اعملوا'' بدلہ ''قاربوا''

4...سنن الترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب۱۱، ۴/ ۱۹۸، حدیث: ۲۴۴۳

5...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند عبد اللہ بن عمر، ۲/ ۳۶۶، حدیث: ۵۴۵۳

6...المسند للامام احمد بن حنبل، حدیث ابی امامۃ الباھلی، ۸/ ۳۰۳، حدیث: ۲۲۳۵۴، دون ''السھلۃ''
تاریخ بغداد، ۷/ ۲۱۷، جعفر بن احمد، الرقم: ۳۶۷۸

﴿38﴾... میں چاہتا ہوں اہلِ کتاب یہ بات جان لیں کہ ہمارے دین میں آسانی ہے۔[1]

اللہ عَزَّوَجَلَّ کا مؤمنین کی دعا قبول فرمانا اس امر کی دلیل ہے چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا (پ۳، البقرة: ۲۸۶) ترجمۂ کنزالایمان: (اے رب) ہم پر بھاری بوجھ نہ رکھ۔

اور ارشاد فرمایا:

وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْؕ (پ۹، الاعراف: ۱۵۷) ترجمۂ کنزالایمان: اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جو ان پر تھے اتارے گا۔

"اَلصَّفْحَ الْجَمِیْلَ" کیا ہے؟

حضرت سیِّدُنا محمد بن حنفیہ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی كَرَّمَ اللهُ تَعَالٰی وَجْهَهُ الْكَرِیْم سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت مبارکہ:

فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِیْلَ ﴿۸۵﴾ (پ۱۴، الحجر: ۸۵) ترجمۂ کنزالایمان: تو تم اچھی طرح درگزر کرو۔

نازل ہوئی تو رسولِ اکرم صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے دریافت فرمایا: اے جبریل! "اَلصَّفْحَ الْجَمِیْلَ" کیا ہے؟ حضرت سیِّدُنا جبریل عَلَیْهِ السَّلَام نے جواب دیا: جب آپ ظلم کرنے والے کو معاف کر دیں تو پھر اسے ملامت نہ کریں۔ آپ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اے جبریل! پھر تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے کرم کی بدولت اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ جس سے درگزر فرمائے تو اس پر عتاب نہ کرے۔ یہ سن کر حضرت سیِّدُنا جبریل عَلَیْهِ السَّلَام رونے لگے اور رسولِ پاک، صاحبِ لولاک صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم بھی رونے لگے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان دونوں کی طرف حضرت سیِّدُنا میکائیل عَلَیْهِ السَّلَام کو پیغام دے کر بھیجا کہ تمہارا ربّ تم دونوں کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے: جس کو میں معاف کر دوں گا اس پر عتاب کیسے کروں گا؟ ایسا کرنا میرے کرم کے شایانِ شان نہیں۔[2]

امید کے اسباب کے بارے میں بے شمار اقوال مروی ہیں۔

1... المسند للامام احمد بن حنبل، مسند السيدة عائشة، ۹/ ۴۲۷، حديث: ۲۴۹۰۹، "اهل الكتاب" بدله "يهود"

2... قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون: شرح مقامات اليقين، ۱/ ۳۷۳

اُمید کے متعلق نواقوالِ بزرگانِ دین:

﴿1﴾...امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم نے فرمایا: جس نے کوئی گناہ کیا اور اللہ عَزَّوَجَلَّ نے دنیا میں اس کی پردہ پوشی فرمائی تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے کرم کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ آخرت میں اس کا پردہ اٹھادے اور جس شخص کو دنیا میں اس کے گناہ کی سزادے دی گئی ہو تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے عدل وانصاف کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ آخرت میں اپنے بندے کو دوبارہ سزادے۔[1]

﴿2﴾...حضرتِ سیِّدُنا سُفیان ثَوری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: مجھے یہ پسند نہیں کہ میرا حساب میرے والدین کے سِپُرد کر دیا جائے کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ میرے والدین سے بڑھ کر مجھ پر رحم کرنے والا ہے۔

﴿3﴾...ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: جب مومن گناہ کرتا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے فرشتوں کی نگاہوں سے اوجھل کر دیتا ہے تاکہ وہ اس کے خلاف گواہی نہ دے سکیں۔

﴿4﴾...حضرت سیِّدُنا محمد بن مُصعب رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے حضرت سیِّدُنا اَسود بن سالم رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کو خط لکھا کہ جب بندہ اپنے اوپر ظلم کرتا ہے اور بارگاہِ خُداوندی میں اپنے ہاتھوں کو دعا کے لئے اٹھا کر عرض کرتا ہے: "اے میرے ربّ" تو فرشتے اس کی آواز روک دیتے ہیں۔ دوسری اور تیسری مرتبہ بھی ایسے ہی ہوتا ہے حتّٰی کہ جب وہ چوتھی مرتبہ "اے میرے ربّ" کہتا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: کب تک میرے بندے کی آواز مجھ سے روکتے رہو گے؟ بلاشبہ میرا بندہ یہ بات جانتا ہے کہ میرے علاوہ کوئی ربّ نہیں جو اس کے گناہوں کو بخشے، لہٰذا میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اسے بخش دیا۔

﴿5﴾...حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن ادہم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْاَکْرَم فرماتے ہیں: ایک رات مجھے تنہا طواف کرنے کا موقع ملا۔ یہ ایک تاریک رات تھی جس میں شدید بارش ہو رہی تھی۔ میں ملتزم (یعنی حجرِ اسود اور بابِ کعبہ کی درمیانی دیوار) کے پاس کھڑا ہو گیا اور یہ دعا کرنے لگا: اے میرے رب! مجھے اپنی حفاظت میں لے لے تاکہ میں کبھی بھی تیری نافرمانی نہ کر سکوں۔ تو بیتُ اللہ سے غیبی آواز آئی: اے ابراہیم! تم مجھ سے گناہوں سے

1... قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون: شرح مقامات الیقین، ۱/ ۳۵۷

حفاظت کا سوال کرتے ہو اور میرے تمام مومن بندے بھی یہی دعا کرتے ہیں۔ اگر میں سبھی کو گناہوں سے محفوظ کر دوں گا تو کس پر اپنا فضل کروں گا؟ اور کس کی مغفرت کروں گا؟

﴿6﴾... حضرتِ سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرمایا کرتے تھے کہ اگر مومن سے گناہ نہ ہوتے تو وہ آسمانوں کی بادشاہی میں پرواز کرنے لگتا لیکن اللہ عَزَّوَجَلَّ نے گناہوں کے سبب اس کے پر کاٹ دیئے۔

﴿7﴾... سَیِّدُ الطائفہ حضرتِ سیِّدُنا جنید بغدادی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْہَادِی فرماتے ہیں: اگر ایک نظر عنایت ہو گئی تو بدوں کو نیکوں کے ساتھ ملا دے گی۔

﴿8﴾... حضرتِ سیِّدُنا مالک بن دینار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَفَّار کی حضرتِ سیِّدُنا ابان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْحَنَّان سے ملاقات ہوئی تو ان سے پوچھا: آپ کب تک لوگوں کو اُمید اور رخصت کی احادیث سناتے رہیں گے؟ تو انہوں نے جواب دیا: اے ابو یحییٰ! میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ بروزِ قیامت اللہ عَزَّوَجَلَّ کے عفو و کرم کے ایسے مَناظر دیکھیں گے کہ خوشی کے سبب اپنے کپڑے پھاڑ دیں گے۔

﴿9﴾... تابعی بزرگ حضرت سیِّدُنا ربعی بن حِراش عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَہَّاب اپنے بھائی کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے وفات کے بعد کلام فرمایا۔ فرماتے ہیں: جب میرے بھائی کا انتقال ہوا تو ہم نے ان کو کپڑے سے ڈھانپ کر چارپائی پر رکھ دیا۔ ایک دم انہوں نے اپنے چہرے سے کپڑا اٹھایا اور سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے: میں نے اپنے ربّ عَزَّوَجَلَّ سے ملاقات کی تو اس نے رُوح و رَیحان (راحت اور پھول)[1] کے ذریعے مجھے عزت بخشی۔ میرا رب ناراض نہ تھا، میں نے معاملہ تم لوگوں کے گمان سے بھی زیادہ آسان پایا مگر سستی مت کرنا۔ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اور آپ کے اصحاب عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان میرے منتظر ہیں لہٰذا اب میں ان کی طرف لوٹ رہا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ گر پڑے گویا کوئی کنکری تھی جو کسی طشت میں گر پڑی ہو پھر ہم نے ان کا جنازہ اٹھایا اور انہیں سپردِ خاک کیا۔

﴿ صَلُّوْا عَلَی الْحَبِیْب صَلَّی اللہُ عَلٰی مُحَمَّد ﴾

1... ابو العالیہ نے کہا کہ مقرّبین سے جو کوئی دنیا سے مفارقت کرتا ہے اس کے پاس جنّت کے پھولوں کی ڈالی لائی جاتی ہے اس کی خوشبو لیتا ہے تب روح قبض ہوتی ہے۔ (خزائن العرفان، پ۲۷، سورۃ الواقعۃ، تحت الآیۃ: ۸۹)

حکایت: ایک جملہ دنیا و آخرت کی تباہی کا سبب بن گیا

ایک روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل کے دو شخصوں کے مابین اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خاطر دوستی تھی، ان میں سے ایک گناہوں میں مبتلا رہتا تھا اور دوسرا عبادت گزار تھا۔ دوسرا شخص اسے سمجھاتا اور گناہوں سے باز رکھنے کی کوشش کرتا تو وہ اس کے جواب میں کہتا: تم میرے اور میرے رب کے درمیان سے ہٹ جاؤ۔ کیا تمہیں مجھ پر نگران بنا کر بھیجا گیا ہے؟ حتّٰی کہ ایک دن جب عابد نے اسے کبیرہ گناہ کرتے دیکھا تو غصے میں آکر کہہ دیا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ تیری مغفرت نہ فرمائے۔ رسولِ خدا صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: ”بروز قیامت اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرمائے گا: کیا کسی کو طاقت ہے کہ میری رحمت میرے بندوں سے روک لے؟ پھر گناہگار سے ارشاد فرمائے گا: جا! میں نے تجھے بخش دیا اور عابد سے ارشاد فرمائے گا: تو نے اپنے لئے آگ کو لازم کر لیا ہے۔“ اس کے بعد رسولِ کریم، رَءُوْفٌ رَّحیم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قُدرت میں میری جان ہے! اس عابد نے ایسی بات کہی جس نے اس کی دنیا و آخرت تباہ کر دی۔“[1]

حکایت: ڈاکو حواریوں میں شامل ہو گیا

مروی ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص 40 سال تک ڈاکہ ڈالتا رہا۔ ایک مرتبہ حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام اس کے پاس سے گزرے۔ آپ کے پیچھے عبادت گزار حواری بھی تھا۔ یہ دیکھ کر اس ڈاکو نے اپنے دل میں کہا: اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نبی یہاں سے گزر رہے ہیں اور ان کے ساتھ ان کا ایک حواری بھی ہے، اگر میں ان کے ساتھ سفر میں شامل ہو جاؤں تو میں ان دو کے ساتھ تیسرا ہو جاؤں گا چنانچہ وہ شریکِ سفر ہو گیا اور حواری کے قریب ہونے کی کوشش کرنے لگا اور حواری کی عظمت کے پیشِ نظر خود کو حقیر سمجھتے ہوئے اپنے دل میں کہنے لگا: میرے جیسا شخص اس عبادت گزار بندے کے ساتھ چلنے کا حق دار نہیں ہو سکتا، جب حواری کو اس کے آنے کا علم ہوا تو اس نے اپنے دل میں کہا کہ اس جیسا شخص میرے ساتھ چل رہا ہے اور آگے بڑھ کر حضرت سیِّدُنا عیسٰی عَلَیْہِ السَّلَام کے ساتھ چلنے لگا، ڈاکو پیچھے رہ گیا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے

---

[1] ...سنن ابی داود، کتاب الادب، باب النھی عن البغی، ۴/ ۳۶۰، حدیث: ۴۹۰۱، بتغیر قلیل

حضرت سیِّدُنا عیسٰی عَلَیْہِ السَّلَام کی طرف وحی فرمائی کہ ان دونوں سے کہہ دیں کہ نئے سرے سے عمل شروع کریں کیونکہ ان کے پچھلے تمام اعمال مٹادیئے گئے، حواری کے اعمالِ حسنہ خود پسندی کی وجہ سے ضائع ہوگئے اور ڈاکو کے اعمالِ سَیِّئَہ خود کو حقیر سمجھنے کے سبب مٹادیئے گئے۔ آپ نے ان دونوں کو اس وحی سے مطلع کیا اور اس شخص کو اپنا ہم سفر بنالیا اور اسے اپنے حواریوں میں شامل کرلیا۔

حکایت: ایک سرکش کی مغفرت

حضرت سیِّدُنا مسروق رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے مروی ہے کہ (بنی اسرائیل کے) ایک نبی عَلَیْہِ السَّلَام اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی بارگاہ میں سجدہ ریز تھے کہ ایک سرکش شخص نے ان کی گردن کو روند دیا حتّٰی کہ روندنے کی شدت کے باعث کنکری ان کی پیشانی کے ساتھ مل گئی۔ نبی عَلَیْہِ السَّلَام نے جلال کی حالت میں اپنا سر اٹھایا اور اس سے فرمایا: جاؤ! اللہ عَزَّ وَجَلَّ ہرگز تمہاری مغفرت نہ کرے۔ اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ میرے بندوں کے معاملے میں مجھ پر قسم کھاتے ہو، بلاشبہ میں نے اس کی مغفرت کردی ہے۔

حضرت سیِّدُنا ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ سیِّدِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نماز میں مشرکین کے خلاف دعا کیا کرتے اور ان پر لعنت بھیجتے تھے تو اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

لَیْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ اَوْ یُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ (پ۴، اٰل عمرٰن: ۱۲۸)

ترجمۂ کنز الایمان: یہ بات تمہارے ہاتھ نہیں یا انہیں توبہ کی توفیق دے یا اُن پر عذاب کرے کہ وہ ظالم ہیں۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ نے ان کے خلاف دعا کرنا چھوڑ دی[1] اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے ان میں سے بہت سوں کو ہدایت عطا فرما کر اسلام کی دولت سے مشرف فرمایا۔

جیسی مانگ ویسی عطا:

مروی ہے کہ دو عبادت گزار برابر برابر عبادت کیا کرتے تھے (بروز قیامت) جب انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا تو ایک کو دوسرے کے مقابلے میں بلند درجات عطا کئے جائیں گے۔ اس پر ایک عبادت

---

1 ... بخاری، کتاب التفسیر، باب لیس لک من الامر، ۳/ ۱۹۴، حدیث: ۴۵۵۹ عن ابن عمر، بتغیر

گزار عرض کرے گا:اے میرے ربّ!یہ دنیا میں مجھ سے زیادہ عبادت نہیں کیا کرتا تھا پھر کیا وجہ ہے کہ تو نے اسے عِلِّیِّین میں بلند درجہ عطا فرمایا؟اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرمائے گا:وہ دنیا میں مجھ سے بلند درجات کا سوال کیا کرتا تھا اور تو جہنم سے نجات کی دعا مانگا کرتا تھا لہٰذا میں نے ہر ایک کو اس کے سوال کے مطابق عطا کر دیا۔

اس واقعہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ اُمید کے ساتھ عبادت کرنا افضل ہے اس لئے کہ خوف رکھنے والے کے مقابلے میں اُمید رکھنے والے شخص پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت زیادہ غالب ہوتی ہے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ سے بلند درجات کا سوال کیا کرو:

سزا سے بچنے اور اِنعام واِکرام کے لئے جو لوگ دنیاوی بادشاہوں کی خدمت کرتے ہیں بادشاہ ان کے درمیان فرق رکھتے ہیں اسی لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے (اپنی ذات کے بارے میں) اچھے گمان کا حکم دیا ہے اور اسی بِنا پر رسولِ پاک، صاحبِ لولاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:"سَلُوا اللّٰہَ الدَّرَجَاتِ الْعُلٰی فَاِنَّمَا تَسْاَلُوْنَ کَرِیْمًا یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ سے بلند درجات کا سوال کیا کرو اس لئے کہ تم کریم سے سوال کرتے ہو۔"(1)

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے کوئی بھی چیز دینا مشکل نہیں:

رسولِ کریم، رَءُوْفٌ رَّحیم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:جب تم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے سوال کرو تو اس میں خوب رغبت کرو اور اس سے فردوسِ اعلیٰ کا سوال کرو کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے کوئی بھی چیز دینا مشکل نہیں ہے۔(2)

اللہ عَزَّوَجَلَّ کا عفو و کرم:

حضرت سیِّدُنا بَکْر بن سُلَیْم صوّاف عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَہَّاب فرماتے ہیں:جس شام حضرت سیِّدُنا امام مالک بن اَنَس عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَحَد کا وصال ہوا ہم ان کے پاس تھے۔ہم نے ان سے پوچھا:اے ابوعبداللہ!آپ خود کو کیسا محسوس کر رہے ہیں؟فرمایا:مجھے نہیں معلوم کہ اس سوال کا تمہیں کیا جواب دوں مگر عنقریب تم اللہ عَزَّوَجَلَّ

1... قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون:شرح مقامات الیقین، ۱/ ۳۷۴

2... بخاری، کتاب الجھاد والسیر، باب درجات المجاھدین... الخ، ۲/ ۲۵۰، حدیث: ۲۷۹۰، بتغیر

مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب العزم بالدعاء، ص ۱۴۴۰، حدیث: ۲۶۷۹

کے اس قدر عفو و کرم کا مشاہدہ کرو گے جس کا تمہیں گمان بھی نہیں ہو گا اور ہم اپنی جگہ پر ہی تھے کہ آپ کا انتقال ہو گیا حتّٰی کہ آپ کی آنکھیں ہم ہی نے بند کیں۔

سیِّدُنا یحییٰ بن مُعاذ عَلَیْہِ الرَّحْمَہ کی مناجات:

حضرتِ سیِّدُنا یحییٰ بن مُعاذ رازی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْہَادِی اپنی مناجات میں عرض کیا کرتے تھے: گناہوں کے باوجود میرا تجھ سے اُمید رکھنا نیک اعمال کے ساتھ تجھ سے اُمید رکھنے پر غالب ہے اس لئے کہ اعمال میں میرا اعتماد اخلاص پر ہوتا ہے اور میں آفتوں (یعنی ریا، خود پسندی وغیرہ) سے ان کی حفاظت کیونکر کر سکتا ہوں جبکہ میں آفت کے معاملے میں مشہور ہوں اور گناہوں کی صورت میں میرا بھروسہ تیرے عفو و کرم پر ہوتا ہے اور تو میرے گناہوں کو کیوں نہیں بخشے گا حالانکہ تو جود و کرم سے مُتَّصِف ہے۔

مجوسی اسلام لے آیا:

منقول ہے کہ ایک مجوسی نے حضرت سیِّدُنا ابراہیم خلیلُ اللّٰہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے یہاں مہمان بننے کی خواہش کی۔ حضرت سیِّدُنا ابراہیم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے فرمایا: اگر تم ایمان لے آؤ تو میں تمہیں اپنا مہمان بنالوں گا یہ سن کر وہ مجوسی چلا گیا۔ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت سیِّدُنا ابراہیم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی طرف وحی فرمائی کہ اے ابراہیم! تم نے کھانا کھلانے کے لئے دِین کی تبدیلی شرط رکھی جبکہ میں اس کے کفر کے باوجود 70 سال سے اسے کھانا کھلا رہا ہوں، اگر تم ایک رات اسے مہمان بنا لیتے تو تمہارا کیا نقصان ہوتا؟ حضرت سیِّدُنا ابراہیم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام اس مجوسی کے پیچھے دوڑے، اسے واپس لے کر آئے اور اس کی مہمان نوازی کی۔ مجوسی نے آپ سے پوچھا کہ اس تبدیلی کی کیا وجہ ہے؟ حضرت سیِّدُنا ابراہیم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے وحی کا ذکر فرمایا۔ مجوسی نے کہا: کیا اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ نے میرے بارے میں ایسا معاملہ فرمایا؟ پھر کہنے لگا: مجھے ایمان والوں میں شامل کر لیجئے۔ چنانچہ وہ ایمان لے آیا۔

مُعاملہ وہم و گمان سے کہیں زیادہ آسان پایا:

حضرت سیِّدُنا ابو سہل زُجاجی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْہَادِی اس بات کے قائل تھے کہ جب اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ نے گناہ پر عذاب

کا وعدہ فرمایا ہے تو وہ ضرور پورا ہو گا۔ حضرت سیِّدُنا استاذ ابو سہل صَعْلُوکی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی نے انہیں خواب میں دیکھ کر پوچھا: آپ کا کیا حال ہے؟ ارشاد فرمایا: ہم نے مُعاملہ اپنے وہم و گمان سے کہیں زیادہ آسان پایا۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ساتھ اچھا گمان رکھنے کا انعام:

کسی نے حضرت سیِّدُنا استاد ابو سہل صعلوکی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی کو انتقال کے بعد خواب میں ایسی عمدہ حالت میں دیکھا جسے بیان نہیں کیا جا سکتا اور ان سے دریافت کیا کہ کس سبب سے آپ نے یہ مقام پایا؟ ارشاد فرمایا: اپنے رب کے ساتھ اچھا گمان رکھنے کی وجہ سے۔

خواب میں عظیم بشارت:

منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا ابو العباس بن سریج رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے اپنے مرض الموت میں خواب دیکھا کہ گویا قیامت قائم ہو چکی ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ فرما رہا ہے: علما کہاں ہیں؟ چنانچہ علما آئے پھر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم نے اپنے علم پر کتنا عمل کیا؟ انہوں نے عرض کی: اے رب عَزَّوَجَلَّ! ہم نے کوتاہی کی ہے، برے اعمال کئے ہیں۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنا سوال پھر دہرایا گویا وہ اس جواب سے راضی نہیں ہے بلکہ کوئی دوسرا جواب چاہتا ہے۔ میں نے عرض کی: جہاں تک میرا تعلُّق ہے میرے اعمال نامے میں شرک نہیں ہے اور تو نے وعدہ فرمایا ہے کہ شرک کے علاوہ ہر گناہ معاف کر دے گا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا: انہیں لے جاؤ اور میں نے ان سب کو بخش دیا۔ اس خواب کے تین دن بعد آپ کا وصال ہو گیا۔

حکایت: چار درہم کے عوض چار دعائیں

منقول ہے کہ ایک شخص بہت زیادہ شراب پیا کرتا تھا۔ ایک دن اس نے اپنے ہم نشینوں کو جمع کیا اور غلام کو چار درہم دے کر کہا: اہلِ محفل کے لئے کچھ پھل خرید لاؤ۔ غلام حضرت سیِّدُنا منصور بن عمار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَفَّار کی مجلس کے پاس سے گزرا تو حضرت سیِّدُنا منصور بن عمار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَفَّار اس وقت کسی حاجت مند کے لئے کچھ مانگ رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ جو اسے چار درہم دے گا میں اس کے لئے چار دعائیں کروں گا۔ غلام نے چار درہم دے دیئے۔ حضرت سیِّدُنا منصور بن عمار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَفَّار نے اس سے پوچھا: تم اپنے

لئے کیا دعا کرانا چاہتے ہو؟اس نے عرض کی: میرا ایک آقا ہے اس سے چھٹکارا چاہتا ہوں۔ آپ نے اس کی آزادی کے لئے دعا کر دی اور پوچھا کہ دوسری دعا کیا ہے؟اس نے عرض کی: اللہ عَزَّوَجَلَّ مجھے ان چار درہم کا عوض عطا کر دے۔ آپ نے یہ بھی دعا کر دی اور دریافت کیا کہ تیسری دعا کیا ہے؟اس نے عرض کی: اللہ عَزَّوَجَلَّ میرے آقا کو توبہ کی توفیق دے۔ آپ نے آقا کے لئے بھی دعا کر دی پھر پوچھا کہ چوتھی کیا ہے؟اس نے عرض کی: اللہ عَزَّوَجَلَّ میری، میرے آقا کی، آپ کی اور حاضرینِ مجلس کی مغفرت فرمائے، آپ نے یہ دعا بھی کر دی۔ غلام جب واپس لوٹا تو آقا نے تاخیر کا سبب پوچھا چنانچہ اس نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ آقا نے پوچھا کہ تم نے کون سی دعائیں کروائی ہیں؟اس نے عرض کی: پہلی دعا یہ تھی کہ مجھے آزادی مل جائے، آقا نے کہا: جا! تو آزاد ہے۔ غلام نے عرض کی: دوسری دعا یہ تھی کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ مجھے ان دراہم کا بدلہ عطا فرمائے۔ آقا نے کہا: تیرے لئے چار ہزار درہم ہیں۔ غلام نے عرض کی: تیسری دعا یہ تھی کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ آپ کو توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آقا نے کہا: میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔ غلام نے عرض کی: چوتھی دعا یہ تھی کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ میری، آپ کی، حاضرینِ مجلس اور واعظ (یعنی حضرت سیِّدُنا منصور بن عمار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَفَّار) کی مغفرت فرمائے۔ آقا نے کہا: یہ چوتھی بات میرے اختیار میں نہیں ہے۔ رات کو جب وہ سویا تو خواب میں دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے: تیرے اختیار میں جو کچھ تھا وہ تو نے کیا، تیرا کیا خیال ہے جو میرے اختیار میں ہے وہ میں نہیں کروں گا، میں نے تیری، غلام کی، منصور بن عمار کی اور تمام حاضرین کی مغفرت کر دی۔

حکایت: ایک ہیجڑے کی مغفرت

حضرت سیِّدُنا عبد الوہاب بن عبد المجید ثقفی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: میں نے ایک جنازہ دیکھا جسے تین مرد اور ایک خاتون نے اٹھا رکھا تھا، خاتون کی جگہ میں نے اٹھا لیا پھر ہم جنازے کو قبرستان لے گئے، نماز جنازہ پڑھنے اور تدفین کے بعد میں نے اس خاتون سے معلوم کیا کہ میت سے آپ کا کیا رشتہ تھا؟ بولی: میرا بیٹا تھا۔ میں نے پوچھا: پڑوسی وغیرہ جنازے میں کیوں نہیں آئے؟اس نے کہا: انہوں نے اس کے معاملہ کو حقیر سمجھ کر کوئی اہمیت نہیں دی۔ میں نے اس کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا: میرا فرزند ہیجڑا تھا۔ حضرت سیِّدُنا عبد الوہاب بن عبد المجید ثقفی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: مجھے اس غمزدہ ماں پر بڑا رحم آیا، میں اسے

اپنے گھر لے آیا، اسے رقم، گیہوں اور کپڑے پیش کئے۔ اِسی رات سفید لباس میں ملبوس ایک آدمی چودھویں کے چاند کی طرح چہرہ چمکتا ہوا میرے خواب میں آیا اور شکریہ ادا کرنے لگا۔ میں نے پوچھا: آپ کون ہیں؟ بولا: میں وہی مخنث ہوں جسے آج آپ لوگوں نے دفن کیا تھا، لوگوں کے حقیر سمجھنے کی وجہ سے میرے ربّ عَزَّوَجَلَّ نے مجھ پر رحم فرمایا۔

بددُعا کی جگہ توبہ کی دعا:

حضرتِ سیِّدُنا ابراہیم اُطْرُوْش رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: ہم بغداد شریف میں دریائے دِجلہ کے کنارے حضرت سیِّدُنا معروف کرخی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی کے ہمراہ بیٹھے ہوئے تھے کہ کچھ نوجوان دَف بجاتے، شراب پیتے اور کھیل کود کرتے ہوئے ایک چھوٹی کشتی میں ہمارے پاس سے گزرے۔ لوگوں نے حضرت سیِّدُنا معروف کرخی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی سے عرض کی: کیا آپ انہیں دیکھ رہے ہے کہ کس طرح کھلے عام اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی کر رہے ہیں؟ آپ ان کے لئے بددعا کیجئے۔ آپ نے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی کہ اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! جس طرح تو نے انہیں دنیا میں خوشی بخشی ہے اسی طرح آخرت میں بھی مسرور کرنا۔ لوگوں نے عرض کی: ہم نے تو آپ سے بددعا کرنے کا کہا تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ انہیں آخرت کی خوشیاں عطا فرمائے گا تو (مرنے سے پہلے) انہیں توبہ کی توفیق دے دے گا۔

گویا تو غضب فرماتا ہی نہیں!

ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ اپنی دعاؤں میں یہ عرض کیا کرتے: اے میرے رب عَزَّوَجَلَّ! کس زمانے کے لوگوں نے تیری نافرمانی نہیں کی مگر پھر بھی ان پر تیری نعمت پوری اور رزق وسیع رہا، تیری ذات پاک ہے، تیرا حِلم کیا ہی خوب ہے، تیری عزت کی قسم! تیری نافرمانی کی جاتی ہے لیکن پھر بھی تو نعمت کو پورا کرتا ہے اور وسیع رزق عطا فرماتا ہے گویا تو غضب فرماتا ہی نہیں۔

تبصرۂ امامِ غزالی:

یہ وہ اسباب تھے جو خوف زدہ اور مایوس لوگوں کے دلوں میں امید پیدا کرتے ہیں۔ بے وقوف اور دھوکے میں پڑے لوگوں کو ان میں سے کچھ بھی نہیں سنانا چاہئے بلکہ انہیں وہ باتیں سنائی جائیں جنہیں ہم

اسبابِ خوف میں ذکر کریں گے اس لئے کہ اکثر لوگوں کی اِصلاح صرف خوف سے ہوتی ہے جیسے بُری عادتوں میں ملوث غلام اور شرارتی بچے کو کوڑے، لاٹھی اور سخت کلامی کے بغیر راہ راست پر نہیں لایا جاسکتا۔ لہٰذا اس کے برعکس مُعاملہ کرنے کی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ان پر دین و دنیا میں اصلاح کا دروازہ بند ہو جائے۔

باب نمبر2: خوف کا بیان

اس باب میں درج ذیل نو فصلیں ہیں: (١)...خوف کی حقیقت (٢)...خوف کے درجات (٣)...خوف والی اشیاء کی اقسام (٤)...خوف کی فضیلت (٥)...خوف افضل ہے یا امید (٦)...خوف پیدا کرنے کی دوا کا بیان (٧)...برے خاتمے کا مفہوم (٨)...انبیائے کِرام اور ملائکہ عِظام عَلَیۡہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا خوفِ خُدا (٩)...صحابۂ کِرام، تابعینِ عِظام عَلَیۡہِمُ الرِّضۡوَان اور سَلَف صالحین رَحِمَہُمُ اللّٰہُ السَّلَام کا خوفِ خدا۔

ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے حُسنِ توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

پہلی فصل: خوف کی حقیقت کا بیان

خوف کی تعریف:

اس بات کو ذہن نشین کر لیجئے کہ مستقبل میں کسی ناپسندیدہ چیز کے در پیش آنے کے خدشے کے سبب دل میں پیدا ہونے والے درد، سوزش اور گھبراہٹ کو خوف کہا جاتا ہے۔ گذشتہ صفحات میں اُمید کی حقیقت بیان کرتے ہوئے خوف کی حقیقت بھی ظاہر ہو چکی ہے اس لئے ہم یہاں اسے نہیں دہرائیں گے۔

جو بندہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے مانوس ہو جائے، یادِ خداوندی اس کے دل پر غلبہ پالے اور وہ ہر گھڑی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے انوار و تجلیات کا مشاہدہ کرنے والا بن جائے تو اسے مستقبل کی کوئی فکر نہیں رہتی اور اس کے لئے خوف و اُمید بے معنٰی ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ دونوں تو دو لگامیں ہیں جو نفس کو اس کی اصلی حالت کی طرف واپس جانے سے روکتی ہیں جبکہ مذکورہ شخص ان دونوں سے بلند رُتبہ پر فائز ہو جاتا ہے۔ حضرت سیِّدُنا ابو الحسن واسطی عَلَیۡہِ رَحۡمَۃُ اللّٰہِ الۡقَوِی نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: خوف بندے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے درمیان حجاب ہے۔ آپ مزید ارشاد فرماتے ہیں: جب دلوں پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی یاد غالب آجائے تو پھر ان میں

خوف اور اُمید کے لئے کوئی جگہ نہیں بچتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ محبت کرنے والا اگر محبوب کی جدائی کے خوف سے اپنے دل کو اس کے مشاہدے میں مشغول کرے تو ایسا مشاہدہ ناقص ہو گا اگرچہ محبوب کا دائمی مشاہدہ سب سے بلند ترین مقام ہے لیکن فی الحال ہم ابتدائی مقام کے اعتبار سے گفتگو کر رہے ہیں۔

خوف میں شامل امور:

رَجا (اُمید) کی طرح خوف کی حالت بھی علم، حال اور عمل کے مجموعے سے مرتب ہوتی ہے۔

علم:

علم سے مراد ناپسندیدہ چیز تک لے جانے والے سبب کا علم ہے مثلاً کسی شخص نے بادشاہ کی نافرمانی کی اور گرفتار کر لیا گیا تو اب اسے قتل کئے جانے کا خوف بھی ہے اور مُعافی وآزادی کی امید بھی لیکن اسے جس قدر قتل تک لے جانے والے اسباب کا علم ہو گا اسی قدر اس کے دل میں خوف میں اضافہ ہو گا مثلاً اس کی نافرمانی کا بڑا ہونا، بادشاہ کا انتقامی مزاج والا، غصیلا اور کینہ پرور ہونا، بادشاہ کے اردگرد انتقام پر ابھارنے والوں کی موجودگی اور اس کے حق میں سفارش کرنے والوں کا نہ ہونا اور اس مجرم کا کسی ایسے وسیلے یا عمل سے خالی ہونا جو بادشاہ کے نزدیک اس کے جُرم کی شدت کو کم کر دے وغیرہ وغیرہ۔ جس قدر ان اسباب کی زیادتی کا علم ہو گا اسی قدر دل میں خوف کی کیفیت زیادہ ہو گی جبکہ ان اسباب کی کمزوری کے حساب سے خوف کی کیفیت میں بھی کمی ہو گی۔

بعض اوقات خوف کا سبب یہ نہیں ہوتا کہ ڈرنے والے نے کسی جرم کا اِرتکاب کیا ہے بلکہ جس چیز سے خوف کیا جا رہا ہے اس کی کوئی صفت اس خوف کا باعث بنتی ہے مثلاً کوئی شخص کسی درندے کے چنگل میں پھنس جائے تو وہ درندے کی ذات میں موجود صفات یعنی چیرنے، پھاڑنے کے سبب اس سے خوف کرے گا اگرچہ یہ چیر پھاڑ درندے کا اختیاری وصف ہے۔ یونہی بعض اوقات ڈرانے والی چیز کا کوئی قدرتی وصف خوف کا باعث بنتا ہے مثلاً کوئی شخص پانی کے بہاؤ میں یا آگ کے قریب گر جائے تو وہ اس لئے خوف زدہ ہو گا کہ قدرت نے پانی کو بہنے اور ڈبونے والا جبکہ آگ کو جلانے والا بنایا ہے۔

بہر حال ناپسندیدہ چیز تک لے جانے والے اسباب کا علم دل میں پیدا ہونے والے درد، گھبراہٹ اور سوزش کا باعث بنتا ہے اور اسی سوزش وگھبراہٹ کی کیفیت کا نام خوف ہے۔

خوفِ خدا کے اسباب:

اللہ عَزَّوَجَلَّ سے خوف کا مُعاملہ بھی یہی ہے۔ خوفِ خدا کبھی تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات وصفات کی معرفت کے سبب پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ تمام جہانوں کو ہلاک فرمادے تو بھی اسے اس بات کی کوئی پرواہ نہ ہوگی اور نہ کوئی اسے اس بات سے روک سکتا ہے۔ بعض اوقات خوفِ خدا کا سبب یہ ہوتا ہے کہ بندہ بہت گناہ گار ہوتا ہے جبکہ بسا اوقات ذات وصِفات کی مَعْرِفَت اور گناہوں کا ارتکاب یہ دونوں خوفِ خدا کا سبب بنتے ہیں۔ بندے کو جس قدر اپنے عیبوں کا علم ہو، اللہ عَزَّوَجَلَّ کے جلال، بلندی اور بے نیازی کی معرفت حاصل ہو اور یہ بات پیشِ نظر ہو کہ:

لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَ هُمْ یُسْـَٔلُوْنَ ﴿۲۳﴾ (پ۱۷، الانبیاء: ۲۳)

ترجمۂ کنزالایمان: اس سے نہیں پوچھا جاتا جو وہ کرے اور ان سب سے سوال ہوگا۔

اسی قدر اس کے دل میں خوفِ خدا زیادہ ہوگا۔ لوگوں میں سب سے زیادہ خوفِ خدا کا حامل وہ شخص ہوگا جسے سب سے زیادہ اپنی ذات اور اپنے ربّ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت حاصل ہوگی اسی لئے سرکارِ نامدار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ''اَنَا اَخْوَفُکُمْ لِلّٰہِ یعنی میں تم سب سے زیادہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا خوف رکھنے والا ہوں۔''[1]

اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمانِ عالی شان ہے:

اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُاؕ (پ۲۲، فاطر: ۲۸)

ترجمۂ کنز الایمان: اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔

جب بندے کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی کامل معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کے دل میں سوزش اور خوف کی حالت پیدا ہوتی ہے پھر اس سوزش کا اثر دل سے اس کے بدن، ظاہری اعضاء اور صفات پر ظاہر ہوتا ہے۔

---

[1]... بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، ۳/ ۴۲۱، حدیث: ۵۰۶۳

بدن پر خوفِ خدا کا اثر:

بدن پر اس کا اثر رنگت کے زرد پڑ جانے، بے ہوشی، چیخ وپکار اور رونے دھونے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور بعض اوقات خوف کی کیفیت اس قدر غالب آتی ہے کہ انسان کا پِتا پھٹ جاتا ہے جس کے سبب وہ ہلاک ہو جاتا ہے یا پھر یہ کیفیت اس کی دماغ پر غالب آجاتی ہے جس کے باعث وہ اپنی عقل سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے یا پھر خوف کی یہ کیفیت اس قدر مضبوط ہو جاتی ہے کہ بندہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت سے مایوسی اور نااُمیدی کا شکار ہو جاتا ہے۔

اعضاء پر خوفِ خدا کا اثر:

خوفِ خدا کا اعضاء پر یہ اثر ہوتا ہے کہ بندہ گزشتہ گناہوں کی تلافی اور مستقبل کی تیاری کے لئے اپنے اعضاء کو گناہوں سے باز رکھتا اور صرف نیک کاموں کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ خوفِ خدا رکھنے والا شخص وہ نہیں جو روتا ہے اور اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھتا ہے بلکہ خائف وہ ہے جو ان کاموں کو ترک کر دے جن پر سزا کا اندیشہ ہو۔

حضرت سیِّدُنا ابو القاسم اسحاق بن محمد سمرقندی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: جو شخص کسی چیز سے خوف زدہ ہوتا ہے وہ اس سے دور بھاگتا ہے جبکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے خوف رکھنے والا اُسی کے دامنِ کرم میں پناہ لیتا ہے۔

حضرت سیِّدُنا ذوالنون مصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی کی خدمت میں عرض کی گئی: بندہ خائفین کے مقام پر کب فائز ہوتا ہے؟ ارشاد فرمایا: جب وہ اپنے آپ کو اس مریض کی طرح سمجھے جو مرض کے بڑھنے کے خوف سے ہر چیز سے پرہیز کرتا ہے۔

صفات پر خوفِ خدا کا اثر:

خوفِ خدا کا صفات پر یہ اثر ہوتا ہے کہ نفسانی خواہشات کا جڑ سے خاتمہ ہو جاتا ہے، دنیوی لذتیں بے مزہ ہو جاتی ہیں اور محبوب ترین گناہ بندے کے نزدیک اس طرح ناپسند ہو جاتے ہیں جیسے شہد کی خواہش رکھنے والے کو اگر یہ علم ہو جائے کہ اس میں زہر شامل ہے تو وہ اس کے نزدیک ناپسند ہو جاتا ہے۔

بہر حال خوفِ خدا کی برکت سے نفسانی خواہشات جل کر خاکستر ہو جاتی ہیں، اعضاء باادب ہو جاتے

ہیں، دل میں اَفْسُردَگی، خشوع اور عاجزی وانکساری کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، دل سے تکبر، حسد، کینہ اور دیگر بُری صفات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ خوفِ خدا کی دولت سے مالامال خوش نصیب انسان ہمہ وقت خوف کی کیفیت میں مگن رہتا اور اپنے انجام کی فکر میں لگا رہتا ہے جس کے سبب وہ (دنیاوی مقاصد کے لئے) کسی دوسرے انسان کے سامنے نہیں گڑگڑاتا اور ہر وقت غور وفکر، محاسبے اور مجاہدے میں مشغول رہتا ہے اور اپنی زندگی کے قیمتی لمحات اور سانسوں کو مفید کاموں میں خرچ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ نیز دل میں آنے والے خیالات، ہاتھ پاؤں کی حرکات اور زبان سے ادا ہونے والے کلمات پر اپنا محاسبہ کرتا ہے۔ ایسے شخص کی حالت اس شخص جیسی ہوتی ہے جو خونخوار درندے کے قابو میں آچکا ہے اور نہیں جانتا کہ یہ درندہ اُسے چھوڑدے گا یا پھر چیر پھاڑ ڈالے گا۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں مذکورہ شخص ہمہ تن اس درندے کی طرف متوجہ رہے گا اور کسی دوسری طرف ہر گز التفات نہیں کرے گا۔ جس شخص پر خوف کی کیفیت مکمل طور پر غالب آجائے اس کی یہی حالت ہوتی ہے اور یہی حال صحابۂ کِرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان اور تابعین عظام رَحِمَہُمُ اللہُ السَّلَام کی ایک جماعت کا تھا۔

خوفِ خدا سے حاصل ہونے والے مقامات:

ماقبل جو عرض کیا گیا کہ خوفِ خدا رکھنے والا شخص مراقبہ، محاسبہ اور مجاہدہ میں مشغول رہتا ہے تو اس کی قوت اس خوف کی قوت کے مطابق ہوتی ہے جو کہ دل کی سوزش اور تکلیف کا نام ہے جبکہ خوف کی قوت اس اعتبار سے ہوتی ہے کہ بندے کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے جلال وعظمت، صفات و افعال نیز اپنی ذات میں موجود عُیُوب ونقائص اور (مرنے کے بعد پیش آنے والے) خطرات اور ہولناکیوں کی کس قدر معرفت حاصل ہے۔

خوف کا کم سے کم درجہ جس کا اثر اعمال میں ظاہر ہوتا ہے، یہ ہے کہ بندہ ان تمام کاموں سے باز آجائے جو شرعاً ممنوع ہیں۔ ممنوعاتِ شَرعِیَّہ سے باز رہنے کے اس عمل کو "وَرَع" یعنی پرہیزگاری کہا جاتا ہے۔ اگر باز رہنے کی اس قوت میں اضافہ ہو کر ان چیزوں کو بھی شامل ہو جائے جن کے حرام ہونے کا امکان ہے اور بندہ ان کاموں کو بھی ترک کردے جن کی حُرمت یقینی نہ ہو تو یہ "تقوٰی" ہے کیونکہ تقوٰی یہ ہے کہ بندہ شک میں ڈالنے والی چیزوں کو ترک کر کے غیر مشکوک چیزوں کو اختیار کرلے اور اس شخص کو تقوٰی نے اس بات پر برانگیختہ کیا ہے کہ جن چیزوں میں حرج ہے ان کے خوف سے ان چیزوں کو بھی ترک کردے جن میں کوئی

حرج نہیں اور یہ تقویٰ میں سچائی کی علامت ہے۔ اگر اس کے ساتھ ساتھ کوئی شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کے لئے گوشہ نشینی اختیار کر لے اور ایسا مکان نہ بنائے جس میں رہنا نہیں، ایسی غذا نہ جمع کرے جسے کھانا نہیں، دنیا کی جن چیزوں کے بارے میں علم ہے کہ انہیں چھوڑ جانا ہے ان کی طرف متوجہ نہ ہو اور اپنا کوئی بھی سانس اللہ عَزَّوَجَلَّ کے غیر کے لئے صرف نہ کرے تو یہ مقام "مقامِ صِدْق" ہے اور اس پر فائز شخص "صدیق" کے لقب کا حقدار ہے۔ بہر حال صدق میں تقویٰ شامل ہے، تقویٰ میں ورع شامل ہے جبکہ ورع میں عِفَّت شامل ہے کیونکہ عفت کے معنی شہوات وخواہشات کے تقاضوں پر عمل سے باز رہنے کے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ خوف اعضاء پر دونوں اعتبار سے اثرانداز ہوتا ہے یعنی مامورات کے بجالانے اور ممنوعات سے باز رہنے کے اعتبار سے۔ البتہ جن چیزوں سے بچا جائے ان کے اعتبار سے اس کے نام مختلف ہوتے ہیں۔ شہوت کے تقاضوں پر عمل پیرا ہونے سے باز رہنا "عفت" کہلاتا ہے۔ عفت سے اوپر "ورع" کا درجہ ہے کیونکہ یہ عام ہے اور اس میں تمام ممنوعات سے باز رہنا شامل ہے۔ ورع سے بلند "تقویٰ" کا مقام ہے کیونکہ یہ ممنوعات کے ساتھ ساتھ شبہات سے بچنے کو بھی شامل ہے جبکہ تقویٰ سے بھی اوپر "صدیق" اور "مُقَرَّب" کا مقام ہے۔ سب سے آخری مرتبے کی ماقبل مراتب کے ساتھ وہی نسبت ہے جو خاص کی عام کے ساتھ ہوتی ہے اس لئے اگر کسی نے اخص یعنی سب سے اعلیٰ مقام کو ذکر کر دیا تو گویا اس نے تمام مراتب کو ذکر کر دیا۔ مثلاً: اگر کوئی کہے کہ انسان یا تو عربی ہے یا عجمی، عربی یا تو قُرَشی ہے یا غیرِ قُرَشی، قُرَشی یا تو ہاشمی ہے یا غیرِ ہاشمی، ہاشمی یا تو عَلَوِی ہے یا غیرِ عَلَوِی جبکہ عَلَوِی یا تو حَسَنِی ہے یا حُسَیْنِی۔ اب اگر کسی شخص کے بارے میں کہا جائے کہ وہ حسنی ہے تو گویا حسنی سے نیچے جس قدر صفات ہیں ان تمام کے ساتھ اس کا ذکر کر دیا گیا اور اگر کسی کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ علوی ہے تو جس قدر صفات علوی سے اوپر اور اس سے عام ہیں ان سب کے ساتھ اس شخص کا ذکر کر دیا گیا یونہی اگر کسی شخص کو صدیق کہا گیا تو درحقیقت اسے متقی، ورع اختیار کرنے والا اور عفیف بھی کہہ دیا گیا۔ یہ گمان ہر گز نہیں کرنا چاہئے کہ مختلف درجات کے لئے جو مختلف نام ہیں یہ مختلف اور الگ الگ معانی پر دلالت کرتے ہیں ورنہ مقصود کا سمجھنا مشکل ہو جائے گا جیسے کوئی شخص صرف الفاظ سے معنیٰ حاصل کرنے کی کوشش کرے اور الفاظ کو معنیٰ کے تابع نہ کرے تو اس کے لئے

مقصود کا حُصول مشکل ہو جاتا ہے۔

یہاں تک ہم نے جس قدر کلام کیا ہے اس میں خوف کے مختلف معانی نیز اس کے دونوں کناروں کا بیان شامل ہے۔ اوپری کنارے میں اس معرفت کا بیان ہے جو خوف کے پیدا ہونے کا سبب بنتی ہے جبکہ نچلے کنارے میں ان اعمال کا بیان ہے جو خوف سے صادر ہوتے ہیں چاہے خوف کے سبب ان اعمال کا اِرتکاب کیا جائے یا انہیں ترک کیا جائے۔

دوسری فصل: خوف کے درجات اور ان کی مختلف صورتیں

جان لیجئے کہ خوف ایک قابلِ تعریف چیز ہے لیکن بعض اوقات یہ گمان کیا جاتا ہے کہ جو چیز قابلِ تعریف ہو وہ جس قدر زیادہ اور مضبوط ہو اسی قدر اچھی ہے حالانکہ یہ ایک غلط گمان ہے۔ دراصل خوف **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کا ایک کوڑا ہے جس کے ذریعے وہ اپنے بندوں کو علم وعمل کی پابندی کی طرف ہانکتا ہے تاکہ بندے اس کے قُرب کا مرتبہ پانے میں کامیاب ہو سکیں۔ چوپایوں اور بچوں کو قابو میں رکھنے کے لئے اگرچہ کوڑے کی ضرورت پڑتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہر وقت انہیں مارتے رہنا کوئی اچھا عمل ہے۔ خوف کے تین مراتب ہیں: (۱)... حد سے کم (۲)... حد سے زیادہ (۳)... معتدل۔ ان تینوں میں سے معتدل اور اوسط درجے کا خوف بہترین اور قابلِ تعریف ہے۔

﴿1﴾... حد سے کم خوف:

جو خوف حد سے کم ہو وہ عورتوں پر طاری ہونے والی رِقَّت کی طرح عارضی ہوتا ہے مثلاً: قرآن کی کوئی آیت سننے پر یا پھر کوئی ڈرا دینے والا معاملہ دیکھ لینے پر خوف کی کیفیت پیدا ہوئی، رونے دھونے آنسو بہانے کا سلسلہ ہوا اور پھر جب وہ ڈرانے والی چیز نظروں سے اوجھل ہو گئی تو دل دوبارہ اپنی سابقہ غفلت والی حالت پر لوٹ آیا۔ اس قسم کا خوف حد سے کم اور انتہائی معمولی نفع کا حامل ہے اور اس کی مثال ایسے ہے جیسے کسی طاقتور جانور کو ہانکنے کے لئے کمزور سی ٹہنی کا استعمال کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس ٹہنی کے مارنے سے نہ تو جانور کو کوئی خاص تکلیف ہو گی اور نہ وہ منزل کی طرف چلنے پر آمادہ ہو گا۔ عارِفین عِظام اور عُلَمائے کرام رَحِمَھُمُ اللہُ السَّلَام کے علاوہ دیگر تمام عام لوگوں کا خوف اسی قسم کا ہوتا ہے۔

حقیقی عالم کون؟

علما سے میری مراد وہ لوگ نہیں جو رسمی طور پر علم حاصل کر کے عالم کہلانے لگتے ہیں کیونکہ یہ تو سب لوگوں سے زیادہ خوفِ خدا سے دور ہوتے ہیں بلکہ وہ نُفوسِ قُدسیہ مراد ہیں جو اللہ عَزَّوَجَلَّ، اس کی نعمتوں، نشانیوں اور اَفعال کا علم رکھنے والے ہیں اور یہ ایسے لوگ ہیں جن کا وُجود آج کے دور میں بہت کم ہے۔

اقرار جھوٹ اور انکار کفر:

اسی لئے حضرت سیِّدُنا فضیل بن عیاض عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَھَّاب نے ارشاد فرمایا: اگر تم سے یہ پوچھا جائے کہ کیا تم اللہ عَزَّوَجَلَّ کا خوف رکھتے ہو تو خاموش ہو جاؤ کیونکہ اگر تم نے انکار کیا تو یہ کفر ہو گا اور اگر اقرار کیا تو جھوٹ ہو گا۔

حضرت سیِّدُنا فضیل بن عیاض عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَھَّاب نے اپنے اس قول میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ حقیقی خوفِ خدا وہ ہے جو انسان کے اعضاء کو گناہوں سے روک کر نیک اعمال کا پابند بنا دے جبکہ جو خوف اعضاء میں مذکورہ اثر نہ کرے وہ محض دل میں آنے والا ایک خیال ہے اور اس قابل نہیں کہ اسے خوفِ خدا کا نام دیا جائے۔

﴿2﴾... حد سے زیادہ خوف:

حد سے زیادہ خوف وہ ہے جو اس قدر شدید ہو کہ اِعتدال کی حد سے تجاوز کر جائے یہاں تک کہ اس کا شکار شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت سے مایوسی اور نااُمیدی میں مبتلا ہو جائے۔ اس قسم کا خوف بھی شرعاً قابلِ مذمت ہے کیونکہ یہ انسان کو عمل سے روک دیتا ہے۔ خوف کا مقصد وہی ہوتا ہے جو کہ کوڑے کا مقصد ہے یعنی عمل پر اُبھارنا۔ اگر یہ مقصد حاصل نہ ہو تو پھر خوف میں کوئی کمال نہیں کیونکہ درحقیقت خوف میں نقصان ہے اس لئے کہ خوف لاعلمی اور عاجزی کے سبب پیدا ہوتا ہے۔ لاعلمی سے اس لئے کہ بندے کو اپنے مُعاملے کے انجام کی خبر نہیں ہوتی، اگر اسے خبر ہو جائے تو وہ خوف زدہ نہ ہو کیونکہ وہ اپنے انجام سے خوف کا شکار ہوتا ہے جس کے بارے میں وہ تَرَدُّد کا شکار ہے۔ عاجز ہونا بھی خوف کے پیدا ہونے کا سبب ہے کیونکہ بندے کو ایک ایسی چیز کا

سامنا ہے جس سے بچنا چاہئے لیکن وہ اسے دور کرنے پر قادر نہیں، اس صورت میں چونکہ بندے کی کمزوری کا اظہار ہے اس لئے عجز قابلِ تعریف ہے ورنہ درحقیقت علم اور قُدرت محمود ہیں۔ ہر وہ صفت جس سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا وصف بیان کیا جاسکے وہ محمود ہے جبکہ جس صفت سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا وصف بیان کرنا جائز نہ ہو اس میں درحقیقت کوئی کمال نہیں، ایسی صفت اپنے سے بڑی کسی کمزوری کے اعتبار سے ہی قابلِ تعریف ہوتی ہے مثلاً دوا کی تکلیف کو برداشت کرنا درحقیقت کوئی کمال نہیں بلکہ ایک طرح کی خامی ہے لیکن اگر مرض اور موت کی تکلیفوں کو دیکھا جائے تو ان کے اعتبار سے دوا کی تکلیف کو برداشت کرنا قابلِ تعریف ہے۔

بہرحال ایسا خوف جو انسان کو عمل کی طرف راغب کرنے کے بجائے مایوسی اور نااُمیدی میں مبتلا کردے وہ مذموم ہے۔ اس قسم کا خوف بعض اوقات انسان کو شدید مرض، کمزوری، حیرانی و دیوانگی بلکہ موت تک بھی لے جاتا ہے۔ ایسا خوف شرعاً مذموم ہے اور یہ اس مار کی طرح ہے جس کے سبب بچہ ہلاک ہوجائے یا پھر اس کوڑے کی مثل ہے جو جانور کو ہلاک یا بیمار کردے یا پھر اس کے کسی عضو کو ضائع کردے۔ سَیِّدِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے بکثرت ایسی باتوں کا بیان فرمایا ہے جو انسان کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت کی طرف متوجہ کرتی ہیں، انہیں بیان کرنے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ان کے ذریعے حد سے تجاوز کرنے والے اور مایوسی میں مبتلا کرنے والے خوف کا علاج کیا جاسکے۔

ہر وہ چیز جسے کسی مقصود اور مراد تک پہنچنے کے لئے اختیار کیا جاتا ہے اس کی اسی قدر مقدار قابلِ تعریف ہوتی ہے جو مطلوبہ مقصود تک پہنچانے میں مُعاوِن ثابت ہو جبکہ جو مقدار مقصود تک نہ پہنچا سکے یا اس سے تجاوز کرجائے وہ قابلِ مذمت ہوتی ہے۔ خوف کا مقصود و مطلوب یہ ہوتا ہے کہ بندے کو احتیاط، پرہیزگاری، تقویٰ، مجاہدہ، عبادت، فکر، ذکر اور اللہ عَزَّوَجَلَّ تک پہنچانے والے دیگر اسباب حاصل ہوسکیں اور ان سب اسباب کو پانے کے لئے بدن کی صحت اور عقل کی سلامتی کے ساتھ زندگی ضروری ہے اس لئے خوف کی کوئی بھی ایسی قسم جو ان اسباب میں خلل پیدا کرے وہ شرعاً مذموم ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

جس شخص پر خوفِ خدا کا ایسا غلبہ ہو کہ وہ اسی کیفیت میں فوت ہوجائے تو وہ شہید ہوتا ہے پھر بھلا اس

کی یہ حالت قابلِ مَذمّت کیسے ہوسکتی ہے؟

جواب: یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ مذکورہ شخص کے خوفِ خدا کے سبب فوت ہونے پر شہید ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر وہ اسی وقت خوف کے علاوہ کسی اور سبب سے ہلاک ہوتا تو اسے شہادت کا مرتبہ حاصل نہ ہوتا تو اس اعتبار سے تو یہ فضیلت کی بات ہے لیکن اگر اسی معاملے کو دوسرے اعتبار سے دیکھا جائے کہ مذکورہ شخص اگر زندہ رہ کر طویل عمر پاتا اور اپنی زندگی کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت اور اس کی شریعت پر عمل کرنے میں گزارتا تو پھر مذکورہ شہادت میں کوئی فضیلت نہیں ہے کیونکہ فکر و مجاہدہ کرتے ہوئے اور معرفت کے درجات میں ترقی کرتے ہوئے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی راہ پر چلنے والے خوش نصیب شخص کو ہر ہر لمحے میں نہ صرف ایک بلکہ کئی شُہَدا کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہو تو پھر ایسا بچہ جسے قتل کر دیا گیا یا پھر ایسا پاگل شخص جسے کسی درندے نے چیر پھاڑ کر کھالیا اس کا مرتبہ بھی ان انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام اور اولیائے عظام رَحِمَہُمُ اللہُ السَّلَام سے بلند ہونا چاہئے جنہوں نے اپنی طبعی عمر پوری کرنے کے بعد وصال فرمایا تھا اور ظاہر ہے کہ یہ ناممکن ہے۔ بہر حال اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کرتے ہوئے طویل زندگی پانا سب سے بڑی سعادت ہے اور ہر وہ چیز جو انسان کی عمر، عقل یا پھر بنیادی صحت جس کے بغیر انسان اپنی عمر سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا، ان میں سے کسی کو نقصان پہنچائے تو وہ چیز اس اعتبار سے نقصان کا باعث ہے اگرچہ کسی دوسرے اعتبار سے اس کی بعض اقسام باعثِ فضیلت ہی کیوں نہ ہوں، جیسے شہادت اپنے سے کم تر درجات کے اعتبار سے بہت بڑی فضیلت اور سعادت ہے نہ کہ انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام اور صِدِّیْقِیْن رَحِمَہُمُ اللہُ الْمُبِیْن کے مرتبے کے اعتبار سے۔

اثر کے اعتبار سے خوف کے مختلف دَرَجات:

خوف اگر انسان کو عمل کی طرف راغب نہ کرے تو پھر اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے اور یہ اس کوڑے کی طرح ہے جو جانور کی رفتار میں اضافہ نہ کرے۔ خوف اگر بندے کو عمل پر ابھارتا ہے تو پھر اثر کے اعتبار سے اس کے مختلف درجات ہیں۔ اگر یہ بندے کو صرف عفت یعنی شہوات کے تقاضوں پر عمل پیرا ہونے سے باز رکھتا ہے تو اس کا بھی ایک درجہ ہے، اگر اس کی بدولت بندے کو ورع کی دولت حاصل ہو تو پھر اس کا درجہ ماقبل درجے سے بڑا ہے جبکہ خوف کی بدولت حاصل ہونے والا سب سے بڑا درجہ یہ ہے کہ بندہ صدیقین

کے مقام تک پہنچ جائے۔اس درجے کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ خوف دل پر ایسا غالب آجاتا ہے کہ بندے کے ظاہر وباطن سے **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے علاوہ ہر کسی کا خیال دور ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے دل میں غیر خدا کے لئے کوئی جگہ نہیں بچتی۔خوف کے قابلِ تعریف درجات میں سے یہ سب سے بڑا درجہ ہے اور اسے پانے کے لئے بھی صحت اور عقل کی سلامتی ضروری ہے۔خوف کی یہ کیفیت اگر اعتدال کی حد سے تجاوز کر کے صحت اور عقل کے فساد کا باعث بن جائے تو پھر یہ ایک مرض ہے جس کا علاج کرنا ضروری ہے۔اگر ایسا خوف بھی قابلِ تعریف ہوتا تو اُمید وغیرہ کے اسباب کے ذریعے اس کا علاج کرنا واجب نہ ہوتا۔اسی لئے حضرت سَیِّدُنا ابو محمد سہل تُستری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی کئی کئی دنوں تک بھوک کو اختیار کرنے والے مریدین سے فرمایا کرتے تھے: اپنی عقلوں کی حفاظت کرو کیونکہ ناقِصُ الْعَقْل شخص وَلِیُّ اللہ نہیں ہو سکتا۔

تیسری فصل: خوف والی اشیاء کی اقسام

اس بات کو ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ خوف مستقبل میں کسی ناپسندیدہ چیز کے اندیشے کے سبب پیدا ہوتا ہے پھر وہ چیز بذاتِ خود ایسی ہوتی ہے کہ اسے ناپسند کیا جائے مثلاً: آگ یا پھر کسی ناپسندیدہ چیز تک پہنچانے کے سبب اس سے نفرت کی جاتی ہے مثلاً: گناہوں سے اس لئے نفرت کی جاتی ہے کہ یہ آخرت میں عذاب میں مبتلا ہونے کا سبب بن سکتے ہیں یا پھر بیمار شخص نقصان دہ پھلوں کو اس لئے ناپسند کرتا ہے کیونکہ یہ اسے موت تک لے جاسکتے ہیں۔خوف رکھنے والے ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے دل میں ان دونوں میں سے کسی ایک صورت کا تصوُّر جمائے اور اس کے دل میں اس کے انتظار کی کیفیت اس قدر مضبوط ہو جائے کہ اس ناپسندیدہ چیز کے احساس سے اس کا دل جلنے لگے۔خائفین کے دلوں پر جن باتوں کا خوف غالب ہوتا ہے ان کے اعتبار سے خائفین کے مختلف مقامات ہیں۔

خائفین کا پہلا طبقہ:

...خائِفِیْن کا پہلا طَبَقہ ان حضرات پر مشتمل ہے جن کے دلوں پر ایسی چیزوں کا خوف طاری ہوتا ہے جو بذاتِ خود ناپسندیدہ نہیں بلکہ ناپسند چیزوں تک لے جانے کے باعِث قابل نفرت ہیں۔ان کے دلوں پر طاری ہونے والے خوف کی درج ذیل اقسام ہیں:

(۱)...توبہ سے پہلے موت کا خوف (۲)...توبہ کرنے کے بعد اس کے ٹوٹنے کا خوف (۳)...اللہ عَزَّوَجَلَّ سے جو عہد کیا ہے اس میں عہد شکنی کا خوف (۴)...اللہ عَزَّوَجَلَّ کے تمام حقوق ادا کرنے سے عاجز آجانے کا خوف (۵)...دل کی نرمی کی دولت سے محروم ہو کر دل کے سخت ہو جانے کا خوف (۶)...سیدھے راستے سے بھٹک جانے کا خوف (۷)...دل جن خواہشات سے مانوس ہے ان کی اتباع کی عادت کے غلبے کا خوف (۸)...اس بات کا خوف کہ میں نے جن نیکیوں پر بھروسا کر لیا ہے اور ان کے سبب لوگ میری عزت کرتے ہیں کہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ مجھے انہی کے حوالے کرکے اپنی امداد سے محروم نہ فرمادے (۹)...اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عطا کردہ کثیر نعمتوں کے سبب تکبُّر کا شکار ہو جانے کا خوف (۱۰)...غیرُاللہ میں مشغول ہو کر اللہ عَزَّوَجَلَّ سے غافل ہو جانے کا خوف (۱۱)... مسلسل ملنے والی نعمتوں کے بارے میں اس بات کا خوف کہ کہیں یہ اِسْتِدْراج تو نہیں (۱۲)... اس بات کا خوف کہ روزِ قیامت میرے نیک اَعمال میں موجود کوتاہیاں منکشف ہو جائیں گی اور اللہ عَزَّوَجَلَّ اس طرح میری پکڑ فرمائے گا جو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں ہے (۱۳)...اس بات کا خوف کہ لوگوں کی غیبت، خیانت اور دل میں ان کے لئے بُرائی رکھنے کے سبب وہ روزِ قیامت مجھ سے اپنے حق کا مطالبہ کریں گے (۱۴)...یہ خوف کہ نہ جانے بقیہ زندگی میں مجھ سے کون سے اعمال صادر ہوں گے (۱۵)... گناہوں کی سزا دنیا میں ہی ملنے کا خوف (۱۶)...مرنے سے پہلے رُسوائی کا خوف (۱۷)...دنیوی رنگینیوں کے دھوکے میں مبتلا ہونے کا خوف (۱۸)...اس بات کا خوف کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ تو میرے دل کی حالت پر مُطَّلع ہے لیکن میں غفلت کا شکار ہوں (۱۹)...بُرے خاتمے کا خوف (۲۰)...اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خفیہ تدبیر کا شکار ہو جانے کا خوف۔

ہر خوف کا اپنا ایک فائدہ ہے:

یہ وہ باتیں ہیں جن سے عارِفین خوف زدہ رہتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک خوف کا اپنا ایک الگ فائدہ ہے۔ مثلاً: جس چیز سے خوف ہے بندہ اس تک لے جانے والی چیزوں سے احتیاط کرتا ہے۔ جسے اس بات کا اندیشہ ہو کہ میری کوئی عادت مجھ پر غالب آکر نقصان پہنچائے گی وہ اس عادت کو ترک کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جسے یہ خوف لاحق ہو جائے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ میرے دلی خیالات پر مطلع ہے تو وہ اپنے دل کو وساوس سے پاک کرنے میں لگ جاتا ہے۔ اَلْغَرَض! خوف کی مذکورہ اقسام میں سے ہر ایک کا اپنا اپنا فائدہ ہے۔

بُرے خاتمے کا خوف:

خوف کی ان تمام اقسام میں سے مُتَّقِی حضرات پر بُرے خاتمے کا خوف غالب ہوتا ہے کیونکہ یہ ایک انتہائی خطرناک مُعاملہ ہے اور ان سب قسموں میں سے اعلیٰ ترین اور کمالِ معرفت پر دلالت کرنے والا خوف اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خفیہ تدبیر کا خوف ہے کیونکہ خاتمے کا اچھا یا برا ہونا اسی کے تابع ہے اور اسی کی ایک شاخ ہے جو اس سے نکلتی ہے اگرچہ ان دونوں کے درمیان کثیر اَسباب موجود ہیں۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے کسی شخص کے لئے لوحِ محفوظ میں جو انجام لکھ دیا ہے، خاتمے سے اس کا اظہار ہوتا ہے۔

خاتمے کا خوف رکھنے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خفیہ تدبیر سے ڈرنے والے شخص کی مثال ان دو افراد جیسی ہے جن کے بارے میں بادشاہ نے ایک حکم تحریر کیا ہے، ہوسکتا ہے کہ وہ حکم ان کے قتل کا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ انہیں وزیر بنائے جانے کا حکم دیا ہو اور وہ حکم ان دونوں تک نہیں پہنچا۔ ان میں سے ایک شخص کا دل اس وقت کا مُنتظر ہے کہ جب وہ فرمان اس کے پاس آئے گا اور وہ اسے کھول کر دیکھے گا تو اس میں سے کیا حکم ظاہر ہوگا جبکہ دوسرے شخص کا دل اس فکر میں ڈوبا ہوا ہے کہ حکم لکھتے وقت بادشاہ کی کیفیت کیا تھی اور اس وقت اس پر رحمت غالب تھی یا پھر وہ غُصّے میں تھا۔ دوسرے شخص کی توجہ سبب کی طرف ہے جبکہ پہلا شخص فَرع یعنی حکم کی طرف متوجہ ہے اور سبب کی طرف متوجہ ہونا فرع کی طرف توجہ سے افضل ہے۔ یونہی اللہ عَزَّوَجَلَّ نے لوحِ محفوظ میں جو اَزلی تقدیر لکھ دی ہے اس کی طرف متوجہ ہونا خاتمے کی طرف توجہ سے افضل ہے جس کا ظُہور آخرت میں ہوگا۔

اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انبیا کے سردار، رسولِ مختار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے منبر پر تشریف فرما ہو کر اپنی دائیں مٹھی کو بند کرکے ارشاد فرمایا: "یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی کتاب ہے جس میں اس نے تمام جنتیوں کے، ان کے باپوں کے اور قبیلوں کے نام تحریر فرمادیئے ہیں، اب اس میں کوئی زیادتی ہوسکتی نہ کمی۔" پھر بائیں مٹھی کو بند کرکے ارشاد فرمایا: "یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی کتاب ہے جس میں اس نے تمام دوزخیوں کے، ان کے باپوں کے اور قبیلوں کے نام تحریر فرمادیئے ہیں، اب اس میں کوئی زیادتی یا کمی نہیں ہوسکتی۔ ایک سعادت مند شخص بدبختوں جیسے اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ بدبختوں جیسا ہے بلکہ یہ

انہیں کا ایک فرد ہے پھر اس کی موت سے پہلے اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے بد بختوں کے گروہ میں سے نکال لیتا ہے اگرچہ موت سے اتنی دیر پہلے جتنی دیر میں اونٹنی کا دودھ دوہا جاتا ہے اور ایک بد بخت شخص سعادت مندوں جیسے کام کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ یہ سعادت مندوں کی طرح ہے بلکہ انہیں کا ایک فرد ہے لیکن اس کی موت سے کچھ دیر قبل اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے سعادت مندوں کے گروہ سے خارج فرما دیتا ہے اگرچہ اتنی دیر پہلے جتنی دیر میں اونٹنی کو دوہا جاتا ہے۔ وہ شخص سعادت مند ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قضا سے سعادت مند ہو اور بد بخت وہ ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قضا سے بد بخت ہو اور اعمال کا دارو مدار خاتمے پر ہے۔"[1]

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خفیہ تدبیر کا خوف رکھنے اور بُرے خاتمے سے ڈرنے والے کا خوف ان دو افراد کے خوف کی طرح ہے جن میں سے ایک اپنے گناہوں اور نافرمانیوں کے سبب خوف زدہ ہے جبکہ دوسرا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات وصفات، جلال و عظمت اور ان اوصاف کے سبب خوف زدہ ہے جو ڈرنے کا تقاضا کرتے ہیں۔ ان میں سے دوسرے شخص کا مقام و مرتبہ پہلے شخص سے اعلیٰ ہے۔ اگرچہ اس کے پاس صِدِّیْقِیْن کے برابر نیک اعمال موجود ہوں لیکن پھر بھی اس کا خوف باقی رہے گا جبکہ پہلے شخص کو اگر نیک اعمال پر استقامت حاصل ہو جائے تو پھر وہ خوف سے محروم ہو کر امن اور دھوکے کا شکار ہو جائے گا۔ گناہوں سے خوف نیک بندوں کا جبکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے خوف مُوَحِّدِین اور صدیقین کا خوف ہے اور یہ خوف اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت کا نتیجہ ہے۔ جو شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات وصِفات کی معرفت حاصل کرتا ہے وہ اس کی ان صِفات کو جان لیتا ہے جو اس بات کی حق دار ہیں کہ بغیر کسی گناہ کا اِرتکاب کئے ان سے خوف کیا جائے بلکہ اگر گناہ گار شخص کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی کامل معرفت حاصل ہو جائے تو وہ اپنے گناہوں کے بجائے اللہ عَزَّوَجَلَّ سے خوف کرنے لگے۔ اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ڈر نہ ہوتا تو وہ اسے گناہ کے لئے مسخر کرتا نہ اس کے لئے اس کا راستہ آسان کرتا اور نہ ہی اسباب تیار کرتا کیونکہ گناہوں کے اسباب کا آسان کرنا اپنی بارگاہ سے دور کرنا ہے حالانکہ اس سے پہلے وہ کسی ایسے گناہ کا مرتکب نہیں ہوا جس کی وجہ سے دوسرے گناہ کی آزمائش میں مبتلا ہو اور اس کے اسباب اس کے لئے آسان ہوں یونہی جس شخص کو نیکی کی توفیق

---

[1]...سنن الترمذی، کتاب القدر، باب ماجاء ان اللہ کتب... الخ، ۴/ ۵۵، حدیث: ۲۱۴۸، بتغیر

الابانة لابن بطة، باب ماروی فی الایمان بالقدر... الخ، ۴/ ۲۰۸، حدیث: ۱۷۵۷ نوٹ: دارالرایة ۱۴۱۸ھ، ریاض

ملتی ہے تو اس کے پاس بھی کوئی ایسا وسیلہ نہیں ہوتا جس کے باعث اسے یہ سعادت نصیب ہوتی ہے۔ گنہگار کے حق میں گناہ کا اور نیکوکار کے حق میں نیکی کا فیصلہ کر دیا گیا ہے چاہے وہ اسے پسند کریں یا ناپسند۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے بغیر کسی سابقہ وسیلے کے سرکارِ نامدار، مدینے کے تاجدار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو اعلیٰ عِلِیِّیْن (جنت میں سب سے بلند مقام) عطا فرمایا اور بغیر کسی سابقہ خطا کے ابوجہل کو اَسْفَلُ السَّافِلِیْن (جہنم کے سب سے نچلے طبقے) میں گرایا، لہٰذا وہ اس بات کا حق دار ہے کہ اس کی صفتِ جلال کے سبب اس سے خوف کیا جائے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت کرنے والا شخص اس لئے اس کی اطاعت کرتا ہے کیونکہ اس پر اطاعت کے ارادے کو مسلّط کر دیا جاتا ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے اطاعت کی قدرت عطا فرماتا ہے اور مضبوط ارادے و یقینی قُدرت کے حُصول کے بعد فعل کا واقع ہونا ضروری ہو جاتا ہے۔ اسی طرح گناہ کا ارتکاب کرنے والا شخص اس لئے گناہ کرتا ہے کیونکہ اس پر گناہ کرنے کا مضبوط اور پختہ ارادہ مُسَلَّط کر دیا جاتا ہے اور گناہ کے اسباب اور قُدرت فراہم کر دی جاتی ہے اور قُدرت و ارادے کے حُصول کے بعد فعل کا وقوع ضروری ہوتا ہے۔

خواہشِ امام غزالی:

کاش میں یہ جان سکتا کہ وہ کون سی چیز ہے جس نے ایک شخص کی عزت واکرام کو لازم کیا اور اسے نیک اعمال کے ارادے کے ساتھ خاص کر دیا جبکہ دوسرے شخص کی توہین کو واجب کیا اور اس پر گناہ کی طرف لے جانے والی چیزوں کو مسلط کر کے رحمت سے دور کر دیا گیا اور پھر ان باتوں کی نسبت بندوں کی طرف کیوں کی جاتی ہے؟ چونکہ ان معاملات کی نسبت بغیر کسی گناہ اور وسیلے کے اَزَلی تقدیر کی طرف کی جاتی ہے اس لئے ہر عقل مند شخص کے نزدیک اللہ عَزَّوَجَلَّ سے خوف کرنا لازمی ہے جو جیسا چاہتا ہے فیصلہ فرماتا ہے۔

ہم نے یہاں تک جو کچھ بیان کر دیا اس سے آگے تقدیر کا راز ہے جسے کھولنا جائز نہیں۔

مثال کی اہمیت:

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی صفات سے خوف کو سمجھنا صرف مثال کے ذریعے ممکن ہے اور اگر شریعت نے مثالیں بیان کرنے کی اجازت نہ دی ہوتی تو صاحِبِ بصیرت شخص اس مُعاملے میں مثال بیان کرنے کی جرأت ہرگز نہ کرتا۔

منقول ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت سیّدُنا داوٗد عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی طرف وحی فرمائی: "اے داوٗد! مجھ سے اس طرح خوف کرو جس طرح تم نقصان پہنچانے والے درندے سے خوف کرتے ہو۔"[1]

اس مثال سے آپ کو حاصِلِ معنیٰ تو سمجھ آسکتا ہے لیکن اس کے سبب سے آگاہی نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کے سبب سے واقف ہونا تقدیر کے راز پر واقف ہونا ہے جو صرف اس کی اہلیت رکھنے والوں کے ساتھ خاص ہے۔

درندے سے خوف کا سبب:

حاصِلِ معنیٰ یہ ہے کہ انسان درندے سے اس لئے خوف زدہ نہیں ہوتا کہ اس نے درندے کو کوئی نقصان پہنچایا ہے بلکہ اس درندے کی صفات مثلاً: اس کی پکڑ، رُعب ودبدبہ اور ہیبت کے سبب خوف زدہ ہوتا ہے نیز اسے پتا ہوتا ہے کہ یہ درندہ جو چاہے کر سکتا ہے اسے کسی بات کی پروا نہیں۔ اگر یہ انسان کو مار دے تو اس کے دل میں نرمی پیدا ہوگی نہ موت سے اسے غم ہوگا۔ اگر یہ انسان کو چھوڑ دے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہوگی کہ اس نے شفقت کرتے ہوئے اور زندہ رہنے کے لئے چھوڑا ہے بلکہ اس کا سبب یہ ہوگا کہ یہ انسان اس کے نزدیک اس قدر بے وُقعت ہے کہ اس نے توجہ ہی نہیں دی۔ کوئی زندہ رہے یا مردہ بلکہ ہزاروں انسانوں کی ہلاکت اور ایک چیونٹی کی ہلاکت اس کے نزدیک برابر ہے کیونکہ اس سے اس کی درندگی اور قوت وطاقت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

جو شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کی مَعرفت حاصل کرلے وہ باطنی مشاہدے کے ذریعے جو کہ ظاہری مشاہدے سے زیادہ مضبوط، قابلِ اعتماد اور روشن ہے اس بات کی معرفت بھی حاصل کرلیتا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے اس فرمانِ عالی شان میں سچا ہے: "هٰؤُلَاءِ اِلَی الْجَنَّةِ وَلَا اُبَالِیْ وَهٰؤُلَاءِ اِلَی النَّارِ وَلَا اُبَالِیْ یعنی یہ لوگ جنت میں جائیں مجھے پروا نہیں اور یہ لوگ دوزخ میں جائیں مجھے پروا نہیں۔"[2] اللہ عَزَّوَجَلَّ کا خوف پیدا کرنے والے مُتَعَدَّد اَسباب میں سے اس کی

---

1 ...قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون: شرح مقامات الیقین، ۱/ ۴۰۲

2 ...الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب البر والاحسان، باب ماجاء فی الطاعات وثوابها، ۱/ ۲۷۷، حدیث: ۳۳۹

مکمل حدیث یوں ہے: اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام کے دائیں کاندھے سے ایک سفید مخلوق نکالی جس کے متعلق ارشاد فرمایا: "یہ لوگ جنت میں جائیں مجھے پروا نہیں۔" اور بائیں کاندھے سے کوئلہ کی طرح سیاہ مخلوق نکالی جس کے متعلق ارشاد فرمایا: "یہ لوگ دوزخ میں جائیں مجھے پروا نہیں۔" (مسند احمد، حدیث ابی الدرداء عویمر، ۱۰/ ۴۱۷، حدیث: ۲۷۵۵۸)

بے نیازی اور بے پرواہی کی معرفت کافی ہے۔

خائفین کا دوسرا طبقہ:

...خائفین کا دوسرا طبقہ ان حضرات پر مشتمل ہے جن کے دلوں میں ایسی چیزوں کا خوف طاری ہوتا ہے جو خود ناپسندیدہ اور قابلِ نفرت ہیں۔ یہ حضرات جن چیزوں سے خوف زدہ ہوتے ہیں ان کی درج ذیل اقسام ہیں:

(۱)...موت کی سختیاں اور شدت کا خوف۔(۲)...منکر نکیر کے سوالات کا خوف۔(۳)...عذابِ قبر کا خوف۔(۴)...قیامت کی ہولناکیوں کا خوف۔(۵)...اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سامنے کھڑے ہونے کی ہیبت کا خوف۔(۶)...پوشیدہ رازوں کے کھلنے سے حیا کا خوف۔(۷)...میدانِ قیامت میں ایک ایک چیز کے بارے میں سوال کا خوف۔(۸)...پُل صراط، اس کی تیزی اور اس پر سے گزرنے کی کیفیت کا خوف۔ (۹)... دوزخ، اس کے جوش مارنے اور اس کے ہولناک مَناظر کا خوف۔(۱۰)...جنت سے محرومی کا خوف۔(۱۱)...جنت کے بلند درجات سے محروم رہنے کا خوف۔(۱۲)...اللہ عَزَّوَجَلَّ کی زیارت سے محرومی کا خوف۔

یہ تمام وہ باتیں ہیں جو خود ناپسندیدہ ہیں اس لئے ان سے لازمی طور پر خوف زدہ ہونا چاہئے۔مذکورہ باتوں سے خوف رکھنے والوں کے احوال مختلف ہوتے ہیں اور ان میں سب سے بلند مرتبہ خوف اس شخص کا ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دوری اور اس کی زیارت سے محرومی سے خوف زدہ ہو۔خوف کی یہ قسم عارفین کا خوف ہے جبکہ اس سے پہلے مذکور دیگر خوف عابدین، صالحین، زاہدین اور دیگر باعمل مسلمانوں کا حصہ ہیں۔

جس شخص کو کامل معرفت کی دولت حاصل نہیں ہوتی اور نہ اس کی دلی آنکھیں روشن ہوتی ہیں اسے نہ تو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے وصال کی لذت کا شعور ہوتا ہے اور نہ ہی وہ اس سے جدائی اور دوری کے درد سے واقف ہوتا ہے، اس کے سامنے جب اس بات کا تذکرہ ہوتا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت رکھنے والا دوزخ سے نہیں بلکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی زیارت سے محرومی سے خوف زدہ ہوتا ہے تو اس کے دل میں اس بات کا انکار پیدا ہوتا ہے اور وہ تعجب کا شکار ہو جاتا ہے۔اگر شریعت نے اس بات کی مُمانَعت نہ فرمائی ہوتی تو شاید وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی زیارت کی لذت کا ہی انکار کر بیٹھتا۔اس کا اپنی زبان سے اس بات کا اقرار صرف تقلید کی ضرورت کے باعث ہوتا ہے ورنہ اس کے دل میں اس بات کی تصدیق نہیں ہوتی۔اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ صرف پیٹ،

شرم گاہ اور آنکھ کی لذتوں سے آشنا ہوتا ہے جو کہ مختلف رنگوں اور خوبصورت چہروں کو دیکھنے سے حاصل ہوتی ہیں۔ الغرض! ایسا شخص صرف ان لذتوں سے آشنا ہوتا ہے جن میں چوپائے بھی اس کے شریک ہیں جبکہ عارفین کو ایسی لذتیں حاصل ہوتی ہیں جو کسی اور کے حصے میں نہیں آتیں۔

جو شخص ان باتوں کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس کے سامنے ان باتوں کی تفصیل اور شرح بیان کرنا حرام ہے اور جو انہیں سمجھنے کا اہل ہوتا ہے وہ بذاتِ خود غور و فکر کر کے انہیں سمجھ سکتا ہے، کسی دوسرے کی وضاحت کا محتاج نہیں ہوتا۔

خوف کی مختلف اقسام کا بیان یہاں مکمل ہوتا ہے، ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اس بات کا سوال کرتے ہیں کہ وہ اپنے فضل و کرم سے ہمیں اچھے کاموں کی توفیق عطا فرمائے۔

چوتھی فصل: خوف کی فضیلت اور اس کی ترغیب کا بیان

خوف کی فضیلت کو جاننے کے دو طریقے ہیں: (۱)... غور و فکر (۲)... آیات و احادیث۔

غور و فکر:

کسی چیز کی فضیلت کا پیمانہ یہ ہے کہ وہ بندے کو کس قدر اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ملاقات کی سعادت کے قریب کرتی ہے کیونکہ ایک بندے کا سب سے بڑا مطلوب و مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ سعادت مندی کو پالے اور سب سے بڑی سعادت مندی یہ ہے کہ اسے اپنے مالک و مولیٰ عَزَّوَجَلَّ کی ملاقات اور اس کے قُرب کی دولت حاصل ہو جائے۔ ہر وہ چیز جو اس مقصد کو پانے میں مُعاوِن ثابت ہو وہ باعِثِ فضیلت ہے اور اس کی فضیلت اسی قدر ہے جس قدر وہ معاون ہو۔ یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ آخرت میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ملاقات کی سعادت پانے کا صرف یہ راستہ ہے کہ دنیا میں اس کی محبت و الفت کو حاصل کیا جائے۔ محبت کا حاصل کرنا حصولِ معرفت کے بغیر ناممکن ہے اور معرفَتِ الٰہی اس کے جَلال و قدرت میں غور و فکر کرتے رہنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے انس اس کی محبت اور اس کی نعمتوں کو یاد کرتے رہنے سے نصیب ہوتا ہے، ذکر و فکر کی مذکورہ نعمتیں دل سے دنیا کی محبت کا قَلع قَمع کرنے پر حاصل ہوتی ہیں اور محبَّتِ دنیا کا دل سے خاتمہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ بندہ دنیاوی لذّات اور خواہِشات کو ترک کر دے، خواہشات کو ترک کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ

شہوتوں کا جڑ سے خاتمہ کر دیا جائے اور یہ کام جس طرح خوف کی آگ سے ہو سکتا ہے اس طرح کسی اور چیز سے نہیں ہو سکتا۔ خوف ایک ایسی آگ ہے جو شہوتوں کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے، اب یہ جتنی مقدار میں شہوتوں کو جلائے، گناہوں سے باز رکھے اور نیک اعمال کی طرف راغب کرے اسی قدر اس کی فضیلت میں اضافہ ہوتا جائے گا اور خوف کے مختلف درجات جن کا بیان ما قبل ہو چکا ہے ان کے اعتبار سے یہ مقدار مختلف ہوتی ہے۔ بھلا خوف باعثِ فضیلت کیوں نہ ہو گا حالانکہ اسی کے ذریعے بندے کو عفت، ورع، تقویٰ اور مجاہدہ جیسے اعمال حاصل ہوتے ہیں جو کہ انتہائی عالی شان اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے قُرب کی دولت سے سرفراز کرنے والے ہیں۔

آیات واحادیث:

جہاں تک آیات واحادیث کے ذریعے خوف کی فضیلت کو جاننے کا تعلق ہے تو اس بارے میں بے شمار آیات واحادیث وارد ہیں۔ خوف کی فضیلت کو جاننے کے لئے صرف اتنی بات کافی ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اہْلِ جنت کے چاروں مقامات یعنی ہدایت، علم، رحمت اور رِضا کو درج ذیل تین آیاتِ مُقدَّسہ میں خائفین کے لئے جمع فرما دیا ہے:

...﴿1﴾

هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ (پ۹، الاعراف: ۱۵۴)

ترجمۂ کنزالایمان: ہدایت اور رحمت ہے ان کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔

...﴿2﴾

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ (پ۲۲، فاطر: ۲۸)

ترجمۂ کنزالایمان: اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔

عُلَما کے خوف کے سبب انہیں علم کی صفت سے موصوف قرار دیا ہے۔

...﴿3﴾

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۠﴿۸﴾ (پ۳۰، البینۃ: ۸)

ترجمۂ کنزالایمان: اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی یہ اس کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرے۔

علم کا پھل اور نتیجہ:

نیز وہ تمام آیات جن میں علم کی فضیلت بیان کی گئی ہے وہ خوف کی فضیلت پر بھی دلالت کرتی ہیں کیونکہ خوف علم کا پھل اور اس کا نتیجہ ہے اسی لئے حضرت سیِّدُنا موسیٰ کَلِیْمُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے منقول ہے کہ خائفین کو رفیقِ اعلیٰ کا قرب حاصل ہو گا اور اس معاملے میں کوئی ان کا شریک نہ ہو گا۔

غور کیجئے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے کس طرح خائفین کو رفیقِ اعلیٰ کی رَفاقت کے لئے خاص فرمادیا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ خائفین عُلَمائے کرام رَحِمَہُمُ اللہُ السَّلَام ہوتے ہیں، عُلَما کو انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کا وارث ہونے کے سبب ان کی رفاقت کا شرف حاصل ہوتا ہے اور رفیقِ اعلیٰ کی رفاقت انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام اور ان کے لواحقین کے ساتھ خاص ہے اسی لئے جب تاجدارِ رِسالت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو مرضِ وصال کے دوران دنیا میں رہنے یا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا اختیار دیا گیا تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: اَسْئَلُكَ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی یعنی (اے اللہ عَزَّوَجَلَّ!) میں تجھ سے رفیقِ اعلیٰ کا سوال کرتا ہوں۔[1]

بہرحال اگر اس بات کی طرف نظر کی جائے کہ خوف کس چیز سے پیدا ہوتا ہے تو وہ علم ہے اور اگر خوف کے پھل کی طرف توجہ کی جائے تو وہ ورع اور تقویٰ ہے اور ورع و تقویٰ کے فضائل پوشیدہ نہیں ہیں یہاں تک کہ جس طرح حمد اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے اور درود و سلام سرکارِ نامدار، مدینے کے تاجدار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے لئے خاص ہے اسی طرح عاقبت کا لفظ متقین کے ساتھ خاص ہو گیا ہے۔ چنانچہ خطبے میں کہا جاتا ہے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ اَجْمَعِیْنَ" نیز اللہ عَزَّوَجَلَّ نے تقویٰ کی اضافت اپنی طرف فرما کر اسے خاص فرمایا ہے۔ چنانچہ، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ (پ۱۷، الحج: ۳۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اللہ کو ہر گز نہ ان کے گوشت پہنچتے ہیں نہ ان کے خون ہاں تمہاری پرہیزگاری اس تک باریاب ہوتی ہے۔

تقویٰ کا معنیٰ یہ ہے کہ خوفِ خدا جن چیزوں سے بچنے کا تقاضا کرتا ہے انسان ان چیزوں سے باز رہے۔

---

[1] ...بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم و وفاتہ، ۳/ ۱۵۴، حدیث: ۴۴۳۷

چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ (پ۲۶، الحجرات: ۱۳)

ترجمۂ کنز الایمان: بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے تمام اولین وآخرین کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَ لَقَدْ وَصَّیْنَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ اِیَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ (پ۵، النسآء: ۱۳۱)

ترجمۂ کنز الایمان: اور بے شک تاکید فرمادی ہے ہم نے ان سے جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے اور تم کو کہ اللہ سے ڈرتے رہو۔

نیز ارشاد فرمایا:

وَ خَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷۵﴾ (پ۴، اٰل عمرٰن: ۱۷۵) ترجمۂ کنز الایمان: اور مجھ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو۔

چنانچہ، اپنے خوف کا حکم دے کر اسے لازم قرار دیا بلکہ اسے ایمان کے لئے شرط بتایا۔ یہی وجہ ہے کہ کسی مومن کے بارے میں اس بات کا تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ خوفِ خدا سے یکسر خالی ہو، مومن کے دل میں خوفِ خدا ضرور ہوتا ہے اگرچہ کمزور ہو اور خوف کی یہ کمزوری اس کی معرفت اور ایمان کی کمزوری کے اعتبار سے ہوتی ہے۔

تقویٰ کی فضیلت:

تقویٰ کی فضیلت کے بارے میں پیارے مصطفےٰ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ جب اولین وآخرین کو ایک معلوم دن کے لئے جمع فرمائے گا تو انہیں ایسی آواز سے ندا فرمائے گا جسے دور والے بھی ایسے ہی سنیں گے جیسے پاس والے سنتے ہیں۔ ارشاد فرمائے گا: اے لوگو! جب سے میں نے تمہیں پیدا کیا تب سے لے کر آج تک میں نے تمہارے بارے میں کلام نہیں کیا آج تم میرے لئے خاموش رہو۔ یہ تمہارے اعمال ہیں جو تم پر پیش کئے جارہے ہیں۔ اے لوگو! ایک نسب میں نے مقرر کیا اور ایک نسب تم لوگوں نے مقرر کیا پھر تم میرے مقرر کردہ نسب کو پست اور اپنے بنائے ہوئے نسب کو بلند کرتے ہو۔ میں نے یہ کہا:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ (پ٢٦، الحجرات: ١٣) ترجمۂ کنز الایمان: بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے۔

لیکن تم یہ کہتے تھے کہ فلاں شخص فلاں کا بیٹا ہے اور فلاں شخص فلاں سے زیادہ مال دار ہے۔ آج میں تمہارے وضع کردہ نسب کو پست اور اپنے مقررہ نسب کو بلند کروں گا۔ (پھر ارشاد ہو گا:) متقین کہاں ہیں؟ ان کے لئے ایک جھنڈا بلند کیا جائے گا اور یہ لوگ اس کے پیچھے چلتے ہوئے بغیر حساب و کتاب جنت میں اپنے ٹھکانوں پر پہنچ جائیں گے۔[1]

حکمت و دانائی کی بنیاد:

حضور نبیّ پاک، صاحبِ لولاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: رَاْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللّٰهِ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ کا خوف حکمت و دانائی کی بنیاد ہے۔"[2]

حضور نبیّ کریم، رَءُوْفٌ رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے ارشاد فرمایا: اِنْ اَرَدْتَّ اَنْ تَلْقَانِیْ فَاَكْثِرْ مِنَ الْخَوْفِ بَعْدِیْ یعنی اگر تم مجھ سے ملنا چاہتے ہو تو میرے بعد بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ سے بہت ڈرتے رہنا۔

حضرت سیِّدُنا فضیل بن عِیاض رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: جو شخص خوفِ خدا اختیار کرتا ہے تو یہ خوف ہر ایک بھلائی کی طرف اس کی رہنمائی کرتا ہے۔

خوفِ خدا کی برکت:

حضرت سیِّدُنا ابو بکر شبلی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْوَلِی فرماتے ہیں: جب بھی میں کسی دن اللہ عَزَّوَجَلَّ سے خوف کرتا ہوں تو اس دن مجھ پر حکمت و عبرت کا ایسا دروازہ کھل جاتا ہے جو میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا ہوتا۔

دو بھلائیاں:

حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن معاذ رازی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْہَادِی فرماتے ہیں: جو بھی مومن کسی برائی کا ارتکاب کرتا

---

1 ...المعجم الاوسط، ٣/ ٢٥٦، حدیث: ٤٥١١

2 ...شعب الایمان، باب فی الخوف من اللہ، ١/ ٤٧٠، حدیث: ٧٤٤

ہے تو اسے دو بھلائیاں حاصل ہوتی ہیں: عذاب کا خوف اور معافی کی امید (اور وہ ان دونوں کے درمیان ایسے ہوتا ہے) جیسے دو شیروں کے درمیان موجود لومڑی۔

خائفین حساب کتاب سے مامون ہوں گے:

حضرت سیِّدُنا موسٰی کَلِیْمُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے منقول ہے کہ (اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:) میں ہر ایک شخص سے اس کے اعمال کا حساب لوں گا اور اس کے معاملات کی تفتیش کروں گا سوائے پرہیزگاروں کے کہ انہیں حساب کے لئے کھڑا کرنے میں مجھے حیا آتی ہے۔

ورع اور تقویٰ یہ دونوں نام ایسے معنٰی سے ماخوذ ہیں جس کے لئے خوف شرط ہے اس لئے اگر کوئی شخص خوف کی دولت سے محروم ہو تو اس پر ان دونوں ناموں کا اطلاق درست نہیں۔ اسی طرح یہ بات بھی پوشیدہ نہیں ہے کہ ذکر کے بارے میں جو فضائل وارد ہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انہیں خائفین کے لئے خاص فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

سَیَذَّكَّرُ مَنْ یَّخْشٰىۙ﴿۱۰﴾ (پ۳۰، اعلیٰ: ۱۰)

ترجمۂ کنز الایمان: عنقریب نصیحت مانے گا جو ڈرتا ہے۔

ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

وَ لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِۚ﴿۴۶﴾ (پ۲۷، الرحمٰن: ۴۶)

ترجمۂ کنز الایمان: اور جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔

دو خوف اور دو امن:

مصطفٰے جانِ رحمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: مجھے اپنی عزت کی قسم! میں اپنے بندے پر دو خوف اور دو امن جمع نہ کروں گا۔ جو مجھ سے دنیا میں بے خوف رہے گا اسے قیامت کے دن خوف زدہ کروں گا اور جو دنیا میں مجھ سے خوف زدہ رہے گا اسے روزِ قیامت امن عطا کروں گا۔[1]

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پیارے حبیب، حبیبِ لبیب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کا

---

1 ...الزھد لابن المبارک، باب ماجاء فی الخشوع والخوف، ص ۵۰، حدیث: ۱۵۷

خوف رکھتا ہے ہر ایک چیز اس سے ڈرتی ہے اور جو غیر خدا کا خوف رکھتا ہے وہ ہر چیز سے ڈرتا ہے۔[1]

سب سے بڑا عقل مند:

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غیوب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: تم میں سب سے زیادہ عقل مند وہ ہے جو سب سے زیادہ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کا خوف رکھنے والا اور **اللہ** عَزَّوَجَلَّ نے جن چیزوں کے کرنے کا اور جن سے بچنے کا حکم دیا ہے ان میں سب سے زیادہ غور کرنے والا ہے۔[2]

حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن معاذ رازی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْہَادِی فرماتے ہیں: بے چارہ انسان فقر و تنگ دستی سے جس طرح ڈرتا ہے اگر اسی طرح دوزخ سے ڈرتا تو جنت میں داخل ہو جاتا۔

حضرت سیِّدُنا ذوالنون مصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: جو **اللہ** عَزَّوَجَلَّ سے ڈرتا ہے اس کا دل نرم ہو جاتا، اس کی محبّتِ الٰہی میں اضافہ ہو جاتا اور اس کی عقل درست رہتی ہے۔

خوف امید سے زیادہ ہونا چاہئے:

حضرت سیِّدُنا ذوالنون مصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: بندے کے دل میں امید سے زیادہ خوف ہونا چاہئے کیونکہ دل پر اگر امید غالب آجائے تو دل تشویش میں مبتلا ہو جاتا (یعنی دل میں فساد پیدا ہو جاتا) ہے۔

سعادت مندی کی علامت:

حضرت سیِّدُنا ابوالحسن ضریر عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَدِیْر فرماتے ہیں: کسی شخص کی سعادت مندی کی علامت یہ ہے کہ اسے بدبختی کا خوف لاحق رہے کیونکہ خوف **اللہ** عَزَّوَجَلَّ اور بندے کے درمیان لگام ہے، جب کسی بندے کی لگام ٹوٹ جائے تو وہ ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاکت کا شکار ہو جاتا ہے۔

بروزِ قیامت امن میں رہنے والا:

حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن معاذ رازی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْہَادِی سے پوچھا گیا: کل بروزِ قیامت مخلوق میں سے سب

---

[1] ...مسند شہاب، ۱/ ۲۲۵، حدیث: ۴۲۹

[2] ...مسند الحارث، کتاب الادب، باب ماجاء فی العقل، ۲/ ۸۰۴، حدیث: ۸۲۰

سے زیادہ امن میں کون ہو گا؟ فرمایا: جو آج دنیا میں سب سے زیادہ خوف رکھنے والا ہے۔

حضرت سیِّدُنا ابو محمد سَہل تُستَرِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: تم اس وقت تک خوفِ خدا کی دولت کو نہیں پاسکتے جب تک حلال روزی نہ اختیار کرلو۔

ڈرانے والوں کی صحبت میں رہنا چاہئے:

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی کی خدمت میں عرض کی گئی: اے ابو سعید! ہم ایسے لوگوں کی صحبت میں رہتے ہیں جو ہمیں اس قدر ڈراتے ہیں کہ خوف کی شدت کے باعث ہمارے دل اپنی جگہ سے ہلنے کے قریب ہو جاتے ہیں، ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! تمہارا ایسے لوگوں کے ساتھ رہنا جو تمہیں دنیا میں خوف زدہ کرتے رہیں جس کی بدولت تمہیں آخرت میں امن کی دولت حاصل ہو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ایسے لوگوں کی صحبت میں رہو جو تمہیں دنیا میں بے خوف کر دیں اور پھر آخرت میں تمہیں خوف کا سامنا کرنا پڑے۔

حضرت سیِّدُنا ابو سلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی فرماتے ہیں: جس دل سے خوفِ خدا جدا ہو جائے وہ دل ویران و برباد ہو جاتا ہے۔

عبادات کے قبول نہ ہونے کا خوف:

اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں: میں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! اس فرمانِ باری تعالیٰ:

وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ (پ۱۸، المؤمنون: ۶۰)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جو دیتے ہیں جو کچھ دیں اور ان کے دل ڈر رہے ہیں۔

میں کیا چوری اور زنا کرنے والا شخص مراد ہے؟ تو میرے سرتاج، صاحبِ معراج صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: نہیں بلکہ وہ شخص مراد ہے جو روزہ رکھتا، نماز پڑھتا اور صدقہ و خیرات کرتا ہے اور اس بات کا خوف رکھتا ہے کہ میری یہ عبادات قبول نہیں ہوں گی۔[1]

1... سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب التوقي على العمل، ۴/ ۴۶۷، حديث: ۴۱۹۸

خوف اور امید لازم و ملزوم ہیں:

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے عذاب اور اس کی خفیہ تدبیر سے امن اور بے خوفی کی مذمت کے بارے میں جو روایات وغیرہ وارد ہوئی ہیں وہ اس قدر زیادہ ہیں کہ انہیں شمار نہیں کیا جاسکتا اور یہ تمام کی تمام روایات بھی خوف کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ کسی چیز کی مذمت دراصل اس کی ضد کی تعریف ہوتی ہے، جس طرح امید کی ضد ناامیدی ہے یونہی خوف کی ضد امن اور بے خوفی ہے، جس طرح مایوسی وناامیدی کی مذمت امید کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے یونہی امن و بے خوفی کی مذمت اس کی ضد یعنی خوف کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ امید کے تمام تر فضائل در حقیقت خوف کی فضیلت پر بھی دلیل ہیں کیونکہ امید اور خوف دونوں آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ جو شخص کسی محبوب چیز کے ملنے کی امید کرتا ہے وہ لازمی طور پر اس سے محرومی سے خوف زدہ بھی ہوتا ہے اگر اسے اس چیز سے محرومی کا خوف نہ ہو تو وہ دراصل اس سے محبت ہی نہیں کرتا اور نہ ہی وہ اس چیز کے انتظار کے ذریعے اس کی امید کرنے والا کہلائے گا۔

خوف اور امید لازم وملزوم ہیں اور ان کا ایک دوسرے سے جدا ہونا ناممکن ہے البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے پر غالب آجائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ دل ان میں سے کسی ایک میں مشغول ہو جائے اور دوسرے سے غفلت کے باعث فی الحال اس کی طرف متوجہ نہ ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ خوف اور امید کے لئے یہ شرط ہے کہ جس چیز کے بارے میں شک ہو یہ اس سے متعلق ہوتے ہیں جبکہ معلوم چیز کی نہ تو امید کی جاتی ہے اور نہ اس سے خوف۔ بندے کو جو چیز محبوب ہو لازمی طور پر اس کا ہونا، نہ ہونا دونوں ممکن ہوتے ہیں۔ اس کے ہونے کی صورت دل کو راحت بخشتی ہے اور اسی راحت کا نام امید ہے جبکہ اس کے نا ہونے کی صورت دل کو تکلیف دیتی ہے جسے خوف کہا جاتا ہے۔ جس چیز کی امید کی جاتی ہے اس میں شک ہو تو دونوں صورتیں (یعنی خوف اور امید) ایک دوسرے کے مقابل ہوتی ہیں البتہ شک کی دو طرفوں میں سے ایک بعض اوقات بعض اسباب کے باعث ترجیح پا جاتی ہے اسے ظن کہتے ہیں اور یہ بات ایک دوسرے پر غلبے کا سبب ہوتی ہے۔ اگر پسندیدہ چیز کے وجود کا غالب گمان ہو تو امید قوی ہو جاتی ہے جبکہ خوف اس کے مقابلے میں پوشیدہ ہوتا ہے اسی طرح اس کے برعکس بھی ہوتا ہے، دونوں صورتوں میں یہ ایک دوسرے کو

لازم وملزوم ہیں، اسی وجہ سے اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۖ (پ١٧، الانبیاء: ٩٠) ترجمۂ کنزالایمان: اور ہمیں پکارتے تھے امید اور خوف سے۔

ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۖ (پ٢١، السجدة: ١٦) ترجمۂ کنزالایمان: اور اپنے رب کو پکارتے ہیں ڈرتے اور امید کرتے۔

چونکہ خوف اور امید لازم وملزوم ہیں اس لئے اہلِ عرب "رجا" کے لفظ سے خوف بھی مراد لیتے ہیں۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴿١٣﴾ (پ٢٩، نوح: ١٣) ترجمۂ کنزالایمان: تمہیں کیا ہوا اللہ سے عزت حاصل کرنے کی امید نہیں کرتے۔

یعنی تمہیں کیا ہوا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرتے نہیں ہو۔

قرآنِ پاک میں کثیر مقامات پر "رجا" کا لفظ خوف کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ خوف ورجا لازم وملزوم ہیں اور اہلِ عرب کی عادت ہے کہ وہ کسی چیز کو بیان کرنے کے لئے اس کے لازم کا استعمال بھی کرتے ہیں۔

میں یہ کہتا ہوں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے خوف سے رونے کے بارے میں جو فضائل وارد ہیں وہ خوفِ خدا کی فضیلت کو بھی ظاہر کرتے ہیں کیونکہ رونا اسی خوف کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَّلْيَبْكُوا كَثِيرًا ۚ (پ١٠، التوبة: ٨٢) ترجمۂ کنزالایمان: تو انہیں چاہئے کہ تھوڑا ہنسیں اور بہت روئیں۔

ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا ﴿١٠٩﴾ السجدة (پ١٥، بنی اسرائیل: ١٠٩) ترجمۂ کنزالایمان: روتے ہوئے اور یہ قرآن ان کے دل کا جھکنا بڑھاتا ہے۔[1]

---

❶... یہ آیتِ سجدہ ہے۔ دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 1250 صفحات پر مشتمل کتاب بہارِ شریعت، جلد اول، صفحہ 728 پر صَدْرُ الشَّرِیْعَہ، بَدْرُ الطَّرِیْقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ...

ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِیْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَ تَضْحَكُوْنَ وَ لَا تَبْكُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَ اَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿۶۱﴾

ترجمۂ کنزالایمان: تو کیا اس بات سے تم تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں اور تم کھیل میں پڑے ہو۔

(پ۲۷، النجم: ۵۹تا۶۱)

احادیثِ مبارکہ میں بھی خوفِ خدا کی وجہ سے رونے کے کثیر فضائل بیان کئے گئے ہیں:

خوفِ خدا سے رونے کی فضیلت پر مشتمل آٹھ فرامینِ مصطفےٰ:

﴿1﴾...مَا مِنْ عَبْدٍ مُّؤْمِنٍ تَخْرُجُ مِنْ عَيْنَيْهِ دَمْعَةٌ وَّاِنْ كَانَتْ مِثْلَ رَأْسِ الذُّبَابِ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى ثُمَّ تُصِيْبُ شَيْئًا مِّنْ حَرِّ وَجْهِهٖ اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ یعنی جس بندۂ مومن کی آنکھوں سے **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے خوف کے سبب مکھی کے پر برابر بھی آنسو نکل کر اس کے چہرے تک پہنچا تو **اللہ** عَزَّوَجَلَّ اس بندے پر دوزخ کو حرام فرما دیتا ہے۔[1]

﴿2﴾...اِذَا اقْشَعَرَّ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ تَحَاتَّتْ عَنْهُ خَطَايَاهُ كَمَا يَتَحَاتُّ مِنَ الشَّجَرَةِ وَرَقُهَا یعنی **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے خوف کے سبب جب مؤمن کا دل کانپتا ہے تو اس کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔[2]

﴿3﴾...لَا يَلِجُ النَّارَ اَحَدٌ بَكٰى مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى حَتّٰى يَعُوْدَ اللَّبَنُ فِي الضَّرْعِ یعنی جو شخص **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے خوف سے روئے وہ دوزخ میں داخل نہیں ہو گا یہاں تک کہ دودھ تھنوں میں واپس لوٹ جائے۔[3]

... رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی نقل فرماتے ہیں: "آیتِ سجدہ پڑھنے یا سننے سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔ سجدہ واجب ہونے کے لئے پوری آیت پڑھنا ضروری نہیں بلکہ وہ لفظ جس میں سجدہ کا مادہ پایا جاتا ہے اور اس کے ساتھ قبل یا بعد کا کوئی لفظ ملا کر پڑھنا کافی ہے۔" اور صفحہ 730 پر فرماتے ہیں: فارسی یا کسی اور زبان میں آیت کا ترجمہ پڑھا تو پڑھنے والے اور سننے والے پر سجدہ واجب ہو گیا، سننے والے نے یہ سمجھا ہو یا نہیں کہ آیتِ سجدہ کا ترجمہ ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ اسے نامعلوم ہو تو بتا دیا گیا ہو کہ یہ آیتِ سجدہ کا ترجمہ تھا اور آیت پڑھی گئی تو اس کی ضرورت نہیں کہ سننے والے کو آیتِ سجدہ ہونا بتایا گیا ہو۔"

نوٹ: مزید تفصیل کے لئے بہارِ شریعت کے مذکورہ مقام کے صفحہ 720 تا 739 یا **دعوتِ اسلامی** کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کے مطبوعہ 49 صفحات پر مشتمل رسالے "**تلاوت کی فضیلت**" کا مطالعہ کیجئے!

1...سنن ابن ماجه، کتاب الزهد، باب الحزن والبکاء، ۴/ ۴۶۷، حدیث: ۴۱۹۷

2...مسند البزار، ۴/ ۱۴۸، حدیث: ۱۳۲۲

3...سنن الترمذی، کتاب فضائل الجهاد، باب ماجاء فی فضل الغبار فی سبیل الله، ۳/ ۲۳۶، حدیث: ۱۶۳۹

﴿4﴾... حضرت سیِّدُنا عقبہ بن عامر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! نجات کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: اَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ یعنی اپنی زبان قابو میں رکھو، تمہارا گھر تمہارے لئے کافی ہو اور اپنی خطاؤں پر رویا کرو۔[1]

﴿5﴾... اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں: میں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! کیا آپ کی امت میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جو بلاحساب کتاب جنت میں داخل ہوگا؟ ارشاد فرمایا: ہاں! وہ شخص جو اپنے گناہوں کو یاد کرکے روئے۔

﴿6﴾... مَا مِنْ قَطْرَةٍ اَحَبُّ اِلَى اللّٰہِ تَعَالٰى مِنْ قَطْرَةِ دَمْعٍ مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰہِ تَعَالٰى اَوْ قَطْرَةِ دَمٍ اُهْرِيْقَتْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک اس کے خوف سے بہنے والے آنسو کے قطرے اور اس کی راہ میں بہنے والے خون کے قطرے سے زیادہ کوئی قطرہ محبوب نہیں۔[2]

﴿7﴾... مصطفٰے جانِ رحمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم یہ دعا فرمایا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ عَيْنَيْنِ هَطَّالَتَيْنِ تَشْفِيَانِ الْقَلْبَ بِذُرُوْفِ الدَّمْعِ مَعَ خَشْيَتِكَ قَبْلَ اَنْ تَصِيْرَ الدُّمُوْعُ دَمًا وَالْاَضْرَاسُ جَمْرًا یعنی اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! مجھے ایسی دو آنکھیں عطا فرما جو خوب بہنے والی ہوں اور تیرے خوف سے آنسو بہا بہا کر دل کو شفا بخشیں اس سے پہلے کہ آنسو خون میں اور داڑھیں انگاروں میں تبدیل ہوجائیں۔[3]

﴿8﴾... پیارے مصطفٰے صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جس دن عرشِ الٰہی کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا اس دن اللہ عَزَّوَجَلَّ سات قسم کے لوگوں کو اپنے عرش کے سائے میں جگہ عطا فرمائے گا، ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو تنہائی میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کو یاد کرے اور (خوفِ خدا سے) اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلیں۔[4]

1... سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی حفظ اللسان، ۴/ ۱۸۲، حدیث: ۲۴۱۴

2... الزھد لابن المبارک، باب ماجاء فی الشح، ص ۲۳۵، حدیث: ۶۷۲

3... کتاب الدعاء للطبرانی، باب ماکان النبی یدعو بہ فی سائر نھارہ، ۱/ ۴۲۹، حدیث: ۱۴۵۷

المؤتلف و المختلف للدارقطنی، باب سرح وسرج، ۳/ ۱۲۲۷

حلیۃ الاولیاء، سالم بن عبداللہ، ۲/ ۲۲۵

4... بخاری، کتاب الاذان، باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلاۃ، ۱/ ۲۳۶، حدیث: ۶۶۰

مسلم، کتاب الزکوۃ، باب فضل اخفاء الصدقۃ، ص ۵۱۴، حدیث: ۱۰۳۱

خوفِ خدا سے رونے کی فضیلت پر مشتمل سات اقوال بزرگانِ دین:

﴿1﴾... امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: جس سے ہو سکے وہ روئے اور جسے رونا نہ آئے تو وہ رونے جیسی صورت ہی بنالے۔

﴿2﴾... حضرت سیِّدُنا محمد بن مُنْکَدِر رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ جب روتے تو اپنے آنسوؤں کو چہرے اور داڑھی پر مل لیتے اور فرماتے: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ جہنم کی آگ ان اعضاء کو نہیں کھائے گی جن سے (خوفِ خدا سے بہنے والے) آنسو مس ہوئے ہوں۔

﴿3﴾... حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عَمْرو بن عاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: خوب رووَ اور اگر رونا نہ آئے تو رونے جیسی صورت ہی بنالو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر تم میں سے کسی شخص کو حقیقتِ حال کا علم ہو جائے تو وہ (خوفِ خدا کے سبب) اس قدر چیخیں مارے کہ اس کی آواز ختم ہو جائے اور نماز کی اتنی کثرت کرے کہ اس کی کمر جواب دے جائے۔

﴿4﴾... حضرت سیِّدُنا ابو سلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی فرماتے ہیں: جس شخص کی آنکھ خوفِ خدا میں آنسو بہاتی ہے روزِ قیامت اس شخص کا چہرہ سیاہ ہو گا نہ اسے ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا، جب اس کی آنکھ سے آنسو بہتے ہیں تو اللہ عَزَّوَجَلَّ ان کے پہلے قطرے سے دوزخ کے شعلوں کو بجھا دیتا ہے اور اگر کسی اُمّت میں ایک بھی شخص خوفِ خدا سے روتا ہے تو اس کی برکت سے اس اُمّت پر عذاب نہیں کیا جاتا۔ آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ مزید فرماتے ہیں: رونا خوف کے سبب ہوتا ہے جبکہ خوشی سے جھومنے اور شوق کی کیفیت امید سے پیدا ہوتی ہے۔

پہاڑ برابر سونا صدقہ کرنے سے زیادہ پسندیدہ عمل:

﴿5﴾... حضرت سیِّدُنا کَعْبُ الاحبار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْغَفَّار فرماتے ہیں: اس ذاتِ پاک کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے خوف سے روؤں یہاں تک کہ میرے آنسو رخساروں پر بہیں یہ میرے نزدیک پہاڑ کے برابر سونا صدقہ کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

﴿6﴾... حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عُمَر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا فرماتے ہیں: اللہ عَزَّوَجَلَّ کے خوف سے میرا ایک آنسو بہانا میرے نزدیک پہاڑ برابر سونا صدقہ کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔

تو فِرِشتے تم سے مصافحہ کریں!

﴿7﴾... حضرت سیِّدُنا حنظلہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: ہم بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے کہ حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ہمیں ایسا وعظ فرمایا جس کے سبب دل نرم پڑ گئے، آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور ہمیں اپنے آپ سے نفرت ہو گئی۔ اس کے بعد میں اپنے گھر والوں کے پاس واپس آیا، میری بیوی مجھ سے قریب ہوئی اور ہمارے درمیان دنیوی گفتگو ہوئی تو میں ان باتوں کو بھول گیا جو پیارے مصطفٰے صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے سیکھی تھیں اور دنیا میں لگ گیا، اس کے بعد جب مجھے وہ باتیں یاد آئیں تو میں نے اپنے دل میں کہا: میں تو منافق ہو گیا ہوں کیونکہ مجھ سے خوف اور رقت کی وہ کیفیت دور ہو گئی ہے۔ میں اپنے گھر سے باہر آ گیا اور یہ ندا کرنے لگا: حنظلہ منافق ہو گیا۔ راستے میں مجھے حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ ملے اور میں نے انہیں اپنے معاملے کی خبر دی تو انہوں نے فرمایا: حنظلہ ہرگز منافق نہیں ہوا۔ اس کے بعد میں بارگاہِ رسالت میں یہ کہتے ہوئے حاضر ہوا کہ حنظلہ منافق ہو گیا۔ تو حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: حنظلہ منافق نہیں ہوا۔ میں نے عرض کی: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! ہم آپ کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ نے ہمیں ایسا وعظ فرمایا جس سے دل خوف زدہ ہو گئے، آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور ہمیں اپنے آپ سے نفرت ہو گئی، پھر جب میں اپنے گھر گیا تو دنیا کی گفتگو میں مشغول ہو گیا اور اس کیفیت کو بھول گیا جو آپ کی بارگاہ میں حاضری کے وقت تھی۔ یہ سن کر آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اگر تم ہمیشہ اسی کیفیت پر قائم رہو تو راستوں میں اور تمہارے بستروں پر فِرِشتے تم سے مصافحہ کریں لیکن اے حنظلہ! یہ وقت وقت کی بات ہوتی ہے (انسان کی کیفیت ہر وقت ایک جیسی نہیں رہتی)۔[1]

بہر حال امید اور رونے کی فضیلت، تقوٰی اور ورع کی فضیلت، علم کی فضیلت اور بے خوفی کی مَذَمَّت کے بارے میں جس قدر روایات وغیرہ وارد ہیں وہ سب کی سب خوف کی فضیلت پر بھی دلالت کرتی ہیں کیونکہ ان سب چیزوں کا کسی نہ کسی اعتبار سے خوف سے تعلق ضرور ہے۔

---

1 ...مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب فضل دوام الذکر والفکر فی امور الآخرۃ، ص۱۴۷۰، حدیث: ۲۷۵۰، بتغیر قلیل

پانچویں فصل:
خوف افضل ہے یا امید

خوف اور اُمید دونوں کی فضیلت کے بارے میں اس قدر کثرت سے روایات موجود ہیں کہ انہیں جاننے والا شک میں پڑ جاتا ہے کہ ان دونوں میں سے افضل کیا ہے۔ دراصل یہ سوال ہی غَلَط ہے کہ خوف افضل ہے یا امید؟ یہ سوال ایسے ہی ہے جیسے کوئی پوچھے کہ روٹی افضل ہے یا پانی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بھوکے شخص کے لئے روٹی جبکہ پیاسے کے لئے پانی افضل ہے اور اگر بھوک وپیاس دونوں جمع ہو جائیں تو دیکھا جائے گا کہ دونوں میں سے غالب کون ہے، بھوک غالب ہو تو روٹی جبکہ پیاس غالب ہونے کی صورت میں پانی افضل ہے اور اگر بھوک وپیاس برابر ہوں تو پھر روٹی وپانی بھی برابر ہوں گے، اس کا سبب یہ ہے کہ جو چیز کسی مقصد کو پانے کے لئے استعمال کی جاتی ہے تو اس کی فضیلت اس مقصد کے اعتبار سے ہوتی ہے نہ کہ اپنی ذات کے لحاظ سے۔ خوف اور امید دو دوائیں ہیں جن کے ذریعے دل کا علاج کیا جاتا ہے اور ان کی فضیلت انسان کو لاحق مرض کے اعتبار سے ہوتی ہے، اگر کسی کے دل پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خفیہ تدبیر سے بے خوفی غالب ہو اور وہ اس مُعاملے میں دھوکے کا شکار ہو تو اس کے حق میں خوف افضل ہے اور اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت سے مایوسی اور ناامیدی کا غَلَبہ ہو تو امید افضل ہے، یونہی اگر کسی شخص پر گناہوں کا غَلَبہ ہو تو اس کے حق میں خوف افضل ہے۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ عمومی طور پر خوف افضل ہے جس طرح یہ کہا جاتا ہے کہ روٹی سِکَنْجبِیْن سے افضل ہے کیونکہ روٹی بھوک کو دور کرنے کے کام آتی ہے جبکہ سِکَنْجبِیْن کو صفرا کی بیماری کے علاج کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور چونکہ مَرَضِ صفرا کی بنسبت بھوک کا معاملہ زیادہ درپیش آتا ہے اور روٹی کی ضرورت زیادہ پڑتی ہے اس لئے روٹی افضل ہے۔ اس اعتبار سے خوف افضل ہے کیونکہ اکثر لوگوں کا معاملہ یہ ہے کہ وہ گناہوں میں مبتلا اور دھوکے کا شکار ہوتے ہیں۔

اگر خوف وامید کی جائے پیدائش کی طرف نظر کی جائے تو پھر امید افضل ہے کیونکہ یہ دریائے رحمت سے جنم لیتی ہے جبکہ خوف دریائے غَضَب سے پیدا ہوتا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ جو شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ایسی صفات میں غور کرتا ہے جو لُطف ورحمت کا تقاضا کرتی ہیں تو اس پر محبت کا غَلَبہ ہوتا ہے اور کوئی مقام محبت سے بلند نہیں جبکہ خوف کی کیفیت ایسی صفات میں غور کرنے سے جنم لیتی ہے جو سختی کا تقاضا کرتی ہیں، لہٰذا ایسے

شخص کو محبت کی وہ کیفیت حاصل نہیں ہوتی جو امید سے حاصل ہوتی ہے۔

بہر حال جو چیز بذاتِ خود مقصود نہ ہو بلکہ اسے کسی مقصد تک پہنچنے کے لئے استعمال کیا جائے اس کے لئے افضل کے بجائے ''اَصلح'' کا لفظ استعمال کرنا مناسب ہوتا ہے اس لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ گناہوں اور نافرمانیوں کے غَلَبے کے باعث اکثر لوگوں کے حق میں امید کے بجائے خوف ''اصلح'' ہے جبکہ ایسا متقی شخص جس نے ظاہِری، باطِنی، خُفْیہ اور عَلانیہ ہر قسم کے گناہوں کو ترک کر دیا ہو اس کے حق میں خوف وامید کا اِعتدال ''اصلح'' ہے اسی لئے منقول ہے: لَوْ وُزِنَ خَوْفُ الْمُؤْمِنِ وَرَجَاؤُهُ لَاعْتَدَلَا یعنی اگر مومن کے خوف اور امید کا وزن کیا جائے تو وہ برابر ہوں گے۔

بیٹے کو نصیحت:

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْهَهُ الْکَرِیْم نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: میرے بیٹے! اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ایسا خوف رکھو جس کے سبب تمہیں یہ گمان ہو کہ اگر میں تمام اہْلِ زمین کی نیکیاں لے کر بھی اس کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو وہ قبول نہ فرمائے گا اور اس سے امید ایسی رکھو کہ اگر میں تمام زمین والوں کے گناہوں سمیت بھی اس کی خدمت میں پیش ہوا تو وہ میری مغفرت فرما دے گا۔

غَلَبہ اور اِعتدال:

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عُمَر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: اگر یہ ندا کی جائے کہ ایک شخص کے سوا تمام لوگ جہنم میں جائیں گے تو مجھے امید ہے کہ وہ شخص میں ہوں اور اگر یہ صدا لگائی جائے کہ ایک آدمی کے سوا سب داخِلِ جنت ہوں گے تو میں اس بات کا خوف کرتا ہوں کہ وہ شخص میں ہوں۔

امیر المؤمنین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے اس قول میں خوف وامید کے غَلَبے کے ساتھ ساتھ اِعتدال بھی موجود ہے اور ان جیسی شخصیت کے لئے یہی بات مناسب ہے کہ ان کا خوف اور امید برابر ہوں لیکن اگر کوئی گناہ گار شخص یہ گمان کرے کہ ایک شخص دوزخ میں جانے سے محفوظ رہے گا وہ میں ہوں تو اس کا یہ گمان اس بات کی دلیل ہے کہ وہ دھوکے کا شکار ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عُمَر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ جیسی شخصیت کے خوف اور امید کو برابر نہیں ہونا چاہئے بلکہ ان پر تو امید کا غلبہ ہونا چاہئے جیسا کہ ”امید کے بیان“ کی ابتدا میں بیان کیا گیا ہے کہ امید کی قُوت اس کے اسباب کی قوت کے اعتبار سے ہوتی ہے اور اس کے لئے وہاں بیج اور کھیتی کی مثال بیان کی گئی ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ جو شخص عُمدہ زمین میں اچھا بیج بوتا، اس کی نگہداشت کرتا اور کھیتی باڑی کی تمام شرائط پوری کرتا ہے تو اس کے دل پر فصل کاٹنے اور نفع حاصل کرنے کی امید غالب ہوتی ہے اور اس کا خوف، امید کے برابر نہیں ہوتا، لہٰذا متّقین کا حال بھی یہی ہونا چاہئے ؟

جواب: اس بات کو ذِہن نشین کرلیجئے کہ مَحض الفاظ اور مثالوں سے نتیجہ نکالنے والا شخص اکثر غَلَطی کا شکار ہوجاتا ہے، ہم نے ”امید کے بیان“ کی ابتدا میں بیج اور کھیتی کی جو مثال بیان کی تھی وہ مکمل طور پر اس مسئلے کے مطابق نہیں جس میں ہم گفتگو کررہے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ امید کے غَلَبے کا سبب وہ علم بنتا ہے جو تجْرِبے سے حاصل ہو یعنی جب کوئی شخص تجربہ کرکے اس بات کا علم حاصل کرچکا ہو کہ جس زمین میں اس نے بیج بویا ہے وہ زمین عمدہ ہے، بیج اچھا ہے، آب و ہوا مناسب ہے اور اس علاقے میں کھیتی باڑی کو ہلاک کرنے والی بیماریاں کم پائی جاتی ہیں تو پھر اس کی امید خوف پر غالب ہوگی جبکہ ہم جس مسئلے میں گفتگو کررہے ہیں اس کی مثال ایسی ہے کہ کسان نے جو بیج بویا ہے اس کا اسے کوئی تجربہ نہیں، بیج ایسی اجنبی زمین میں بویا ہے جس کے بارے میں اسے کچھ معلوم نہیں اور یہ زمین ایسے علاقے میں واقع ہے جس کے بارے میں وہ نہیں جانتا کہ اس میں آسمانی بجلیاں وغیرہ تو نہیں گرتیں۔ اس قسم کی صورت حال میں کھیتی باڑی کرنے والا کسان اگرچہ اپنی پوری توانائی صرف کردے اور ہر قسم کی احتیاطیں ملحوظ رکھے لیکن پھر بھی اس کی امید خوف پر غالب نہیں ہوگی۔

جس مسئلے میں ہم گفتگو کررہے ہیں اس میں بیج کی مثال ایمان سے ہے اور ایمان کی صحت کی شرائط انتہائی باریک اور پوشیدہ ہیں نیز زمین کی مثال دل ہے جس کی خفیہ خباثتیں، اس کا شرکِ خفی، نِفاق، ریاکاری اور بُرے اَخلاق سے مُتَّصِف ہونا انتہائی پوشیدہ معاملہ ہے، دل کی زمین کو پیش آنے والی آفات میں نفسانی خواہشات اور دنیا کی رنگینیاں شامل ہیں اور اگر دل فی الحال ان سے محفوظ بھی ہو تو مستقبل میں ان کی طرف

مائل ہونے کا اندیشہ باقی رہتا ہے۔ دل کو پیش آنے والی یہ آفات اس قسم کی ہیں جن کی تحقیق نہیں کی جاسکتی اور نہ تجربے کے ذریعے ان کی معرفت حاصل ہو سکتی ہے کیونکہ بعض اوقات دل پر اچانک ایسی آفات حملہ آور ہو جاتی ہیں جن کا نہ تو بندے کو تجربہ ہوتا ہے اور نہ ہی اس میں ان کی مُخالَفت کی طاقت ہوتی ہے۔ ہماری اس مثال میں آسمانی بجلیاں موت کے وقت پیش آنے والی سختیاں اور اس وقت عقیدے کا کمزور ہو جانا ہے اور یہ بھی ایسی چیز ہے جس کا بندے کو پہلے سے کوئی تجربہ نہیں ہوتا، پھر کھیتی کاٹنے اور فصل کا نتیجہ پانے کا وقت قیامت سے جنت کی طرف جانے کے وقت آئے گا اور اس کا تجربہ بھی بندے کو پہلے سے نہیں ہوتا۔

جو شخص ان تمام باتوں کی معرفت حاصل کرلیتا ہے اگر وہ کمزور دل کا مالک اور فطری طور پر بزدل ہو تو لازمی طور پر اس کا خوف امید پر غالب آجاتا ہے جیسا کہ عنقریب صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان اور تابعین عِظام رَحِمَہُمُ اللّٰہُ السَّلَام میں سے خائفین کے احوال بیان کئے جائیں گے اور اگر وہ مضبوط دل والا اور کامل معرفت کا حامل ہو تو اس کا خوف اور امید برابر ہوتے ہیں، اس پر صرف امید کا غلبہ نہیں ہوتا۔

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عُمَر فارُوقِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ اپنے دل کی تفتیش کے معاملے میں مبالغہ فرماتے تھے یہاں تک کہ آپ حضرت سیِّدُنا حُذَیْفَہ بن یَمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے دریافت فرماتے تھے کہ کیا آپ مجھ میں نفاق کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی پاتے ہیں؟ اس سوال کا سبب یہ تھا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غُیُوب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت سیِّدُنا حُذَیْفَہ بن یَمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کو خاص طور پر منافقین کا علم عطا فرمایا تھا۔[1]

بھلا کون سا شخص ایسا ہے جو اپنے دل کو مکمل طور پر پوشیدہ نفاق اور شرکِ خفی سے صاف کرنے پر قادر ہو اگرچہ اس بات کا یقین ہی کیوں نہ کرلے کہ میرا دل ان آفات سے پاک ہے تو پھر وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خفیہ تدبیر سے کیسے بے خوف ہو سکتا ہے کہ اس کا حالِ دل مُتَغَیِّر ہو جائے گا اور اس کے عیب اس سے مخفی ہیں اگرچہ اس کا بھی یقین کرلے تو پھر یہ یقین کہاں سے لائے گا کہ میں اسی حالت پر قائم رہوں گا یہاں تک کہ میرا خاتِمہ اچھا ہو جائے۔

---

[1] ...مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب صفات المنافقین واحکامھم، ص۱۴۹۶، حدیث: ۲۷۷۹، ملخصًا ومفہومًا

نیک شخص کا بُرا خاتِمہ:

حضور نبیِّ اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عبرت نشان ہے: ایک شخص 50سال تک جنتیوں جیسے اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک بالشت کا (ایک روایت کے مطابق) اونٹنی کے دودھ دوھنے کے درمیانی وقفے جتنا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر اس پر تقدیر غالب آتی ہے اور اس کا خاتمہ جہنمیوں والے اعمال پر ہوتا ہے۔[1]

اونٹنی کے دودھ دوھنے کے درمیانی وقفے میں انسان کوئی ایسا عمل نہیں کر سکتا جو بد بختی کا سبب بنے البتہ یہ ممکن ہے کہ مرتے وقت اس مختصر سے وقت میں انسان کے دل میں ایسا فساد پیدا ہو جائے جس کے سبب اس کا خاتمہ ایمان پر نہ ہو۔ ان سب خطرات کے ہوتے ہوئے بے خوف کیسے ہوا جاسکتا ہے؟ اَلْغَرَض! ایک مومن کے لئے سب سے بڑی سعادت یہی ہے کہ اس کا خوف اور امید دونوں برابر ہوں۔

غلبۂ امید کے اسباب:

اکثر لوگوں کی حالت یہ ہے کہ ان پر امید کا غلبہ ہوتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ عام لوگوں کو معرفت حاصل نہیں ہوتی اور وہ دھوکے کا شکار ہوتے ہیں، اسی لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جن بندوں کی تعریف فرمائی ہے ان کا وصف بیان کرتے ہوئے خوف اور امید دونوں کو جمع فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ﳟ (پ۲۱، السجدۃ: ۱۶)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اپنے رب کو پکارتے ہیں ڈرتے اور امید کرتے۔

ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

وَ يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا ؕ (پ۱۷، الانبیاء: ۹۰)

ترجمۂ کنزالایمان: اور ہمیں پکارتے تھے امید اور خوف سے۔

آج کے دور میں امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عُمَر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ جیسی شخصیت کہاں پائی جاسکتی ہے؟ لہٰذا اس دور میں سب کے لئے خوف کا غَلَبہ ہی بہتر ہے لیکن اس کے لئے یہ بات شرط ہے کہ غَلَبۂ

1 ...بخاری، کتاب التوحید، باب ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین، ۴/ ۵۶۰، حدیث: ۷۴۵۴

الابانۃ لابن بطۃ، باب ماروی فی الایمان بالقدر الخ، ۴/ ۲۰۸، حدیث: ۱۷۵۷، نوٹ: دار الرایۃ ۱۴۱۸ھ ریاض

خوف انہیں رحمتِ الٰہی سے مایوسی، عمل ترک کر دینے اور مغفرت کی امید ختم ہونے تک نہ لے جائے۔ خوف کا غلبہ اگر ان چیزوں تک لے جائے تو پھر وہ عمل کے معاملے میں سستی کا سبب اور گناہوں میں مشغولیت کا داعی بن جاتا ہے اور یہ در حقیقت خوف نہیں بلکہ رحمتِ خداوندی سے ناامیدی ومایوسی ہے جو کہ کفر ہے۔خوف تو ایک ایسی کیفیت ہے جو انسان کو عمل پر ابھارتی، تمام نفسانی خواہشات کو بے مزہ بنادیتی، دل کو دنیا کی جانب مائل ہونے سے روکتی اور اسے دھوکے والے گھر (یعنی دنیا) سے کنارہ کشی کی دعوت دیتی ہے اور ایسا ہی خوف شرعاً قابلِ تعریف ہے۔اس کے برعکس محض دل میں پیدا ہونے والا خیال جو نہ تو ممنوعہ کاموں سے باز رکھنے کا فائدہ دے اور نہ ہی عبادات کی بجاآوری میں مُعاوِن ثابت ہو نیز ایسی مایوسی جو رحمتِ خداوندی سے ناامیدی کا سبب بنے، ان دونوں کی کوئی فضیلت نہیں۔

حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن مُعاذ رازی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْھَادِی فرماتے ہیں: جو شخص امید کے بغیر محض خوف کے ساتھ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کرے وہ فکروں کے سمندر میں غوطے کھاتا رہے گا، بغیر خوف صرف امید کے ساتھ عبادت کرنے والا دھوکے کے صحرا میں بھٹکتا پھرے گا جبکہ خوف وامید دونوں کے ساتھ عبادت بجا لانے والا ذکر کے راستے میں سیدھا کھڑا ہونے والا ہے۔

حَرُوْرِی، مُرجی، زِنْدِیق اور مُوَحِّد:

حضرت سیِّدُنا مَکْحُول دِمَشْقی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی فرماتے ہیں: خوف کے سبب اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کرنے والا حروری (خارجی)، امید کے باعث عبادت بجالانے والا مُرْجِی، (خلاف شرع) محبت کی وجہ سے عبادت کرنے والا زندیق جبکہ خوف وامید اور محبت تینوں کے سبب عبادت کرنے والا مُوَحِّد ہے۔

موت کے وقت غلبۂ امید بہتر ہے:

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ان تینوں امور یعنی خوف، امید اور محبت کو جمع کرنا ضروری ہے اور موت کا وقت آنے سے پہلے تک خوف کا غلبہ بہتر ہے، البتہ جب کوئی شخص مرض الموت میں مبتلا ہو اور اس کی موت کا وقت آجائے تو اس کے حق میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بارے میں حُسنِ ظن اور امید کا غَلَبہ بہتر ہے۔اس کی وجہ یہ

ہے کہ خوف ایک کوڑے کی طرح ہے جو عمل پر اُبھارتا ہے اور اب عمل کا وقت ختم ہو چکا ہے، قریبُ المرگ شخص عمل پر قدرت نہیں رکھتا اور نہ ہی اس وقت وہ خوف کے اسباب کو برداشت کر سکتا ہے اس لئے کہ ان کے سبب اس کے دل کی رگ پھٹ کر اسے جلد موت کا شکار بنا سکتی ہے جبکہ امید اس کے دل کی ڈھارس بندھاتی اور اس کے دل میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت میں اضافہ کرتی ہے۔ دنیا سے کوچ کرتے وقت ہر شخص کو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے محبت کرنے والا ہونا چاہئے تاکہ وہ اس سے ملاقات کو بھی پسند کرتا ہو کیونکہ جو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ملنے کو پسند کرتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ بھی اس سے ملاقات کو پسند فرماتا ہے۔

امید اور محبت کے درمیان چولی دامن کا ساتھ ہے، انسان کو جس کے فضل و کرم کی امید ہوتی ہے وہ انسان کا محبوب بن جاتا ہے۔ تمام عُلُوم اور اَعمال کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ بندے کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت حاصل ہو جائے تاکہ اس معرفت کی بدولت دل میں اس کی محبت گھر کر لے کیونکہ مرنے کے بعد بندے کو اسی کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے اور جو اپنے محبوب کے پاس جاتا ہے اسے اپنی محبت کی مقدار کے مطابق ملاقات کی خوشی ہوتی ہے جبکہ اپنے محبوب سے جدا ہونے والے کو بھی اپنی محبت کے اعتبار سے تکلیف اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

دنیا قید خانہ ہے مگر کس کے لئے؟

موت کے وقت جس شخص کے دل پر بال بچوں، مال و دولت، مکانات، زمینوں اور دوست واحباب کی محبت غالب ہو تو یہ ایک ایسا شخص ہے جس کی تمام تر محبت دنیا سے وابستہ ہے اور گویا کہ دنیا ہی اس کی جنت ہے کیونکہ جنت اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں تمام محبوب و پسندیدہ چیزیں موجود ہوں۔ اس شخص کے حق میں موت جنت سے نکلنے نیز اس کے اور اس کی محبوب چیزوں کے درمیان جدائی کا باعث ہے اور ایسے شخص کی کیفیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس کے برعکس جس خوش نصیب کی محبت صرف اللہ عَزَّوَجَلَّ، اس کے ذکر اور معرفت اور اس بارے میں غور و فکر سے وابستہ ہو تو دنیا اور اس کے مُتَعَلِّقات ایسے شخص کے حق میں محبوب سے رکاوٹ کا باعث ہیں اور گویا کہ دنیا اس کے حق میں قید خانے کی طرح ہے کیونکہ قید خانہ ایسے مقام کو کہا جاتا ہے جو اپنے اندر قید شخص کو اس کی محبوب چیزوں تک جانے سے روک دیتا ہے۔ ایسے شخص

کے حق میں موت قید خانے سے رہائی اور اپنے محبوب یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں حاضری کا پیغام لاتی ہے اور جس شخص کو قید خانے سے رہا کر کے اس کے اور اس کے محبوب کے درمیان سے تمام رکاوٹیں ختم کر دی جائیں اس کی خوشی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

موت کے وقت ملنے والی پہلی نعمت اور پہلا عذاب:

جو بھی شخص دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو موت کے بعد اسے ملنے والی پہلی نعمت یا پہلا عذاب مذکورہ خوشی یا غم کی صورت میں ہوتا ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے نیک بندوں کے لئے جو نعمتیں تیار رکھی ہیں جنہیں کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی انسان کے دل پر ان کا خیال گزرا وہ اس نعمت کے علاوہ ہیں نیز وہ بدنصیب لوگ جنہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی اور اسی پر راضی و مطمئن رہے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان کے لئے جو بیڑیاں، زنجیریں، طَوق، طرح طرح کے عذابات اور رُسوائی تیار فرمائی ہے وہ بھی مذکورہ غم کے عذاب کے علاوہ ہیں۔

ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں ایمان پر موت عطا فرمائے اور ہمارا حَشر اپنے نیک بندوں کے ساتھ فرمائے۔ اس دعا کی قبولیت کی امید اسی صورت میں ہوسکتی ہے کہ بندہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت کو حاصل کرنے کی کوشش کرے اور محبَّتِ خداوندی پانے کا راستہ صرف ایک ہے کہ دل سے غیر خدا کی محبت کا خاتمہ کر کے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا ہر چیز سے قطع تعلق کر لیا جائے چاہے وہ عزت و مال ہو یا وطن، دوست اور اہل و عیال۔

دعائے محبوبِ خدا:

بہتر یہ ہے کہ ہم وہ دعا مانگیں جو محبوبِ خدا صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے مانگی: اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ اَحَبَّكَ وَحُبَّ مَا یُقَرِّبُنِیْ اِلٰی حُبِّكَ وَاجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ یعنی اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! مجھے تیری، تجھ سے محبت کرنے والے بندوں کی اور تیری محبت کے قریب کرنے والے اعمال کی محبت عطا فرما اور اپنی محبت کو میرے نزدیک ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب بنادے۔[1]

اللہ عَزَّوَجَلَّ سے حسنِ ظن:

بہر حال موت سے پہلے پہلے خوف کا غلبہ بہتر ہے کیونکہ یہ نفسانی خواہشات کی آگ کو جلا کر راکھ کر دیتا

1 ...سنن الترمذی، کتاب الدعوات عن رسول اللہ، باب ۷۲، ۵/ ۲۹۲، حدیث: ۳۵۰۱

اور دل سے دنیا کی محبت کا خاتمہ کرتا ہے جبکہ موت کے وقت امید کا غلبہ بہتر ہے کیونکہ یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت کا باعث بنتا ہے۔اسی لئے مُعَلِّمِ کائنات،شاہِ موجودات صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:لَا یَمُوْتَنَّ اَحَدُکُمْ اِلَّا وَھُوَ یُحْسِنُ الظَّنَّ بِرَبِّہٖ یعنی تم میں سے ہر شخص اس حال میں مرے کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بارے میں اچھا گمان رکھتا ہو۔[1]

حدیثِ قدسی میں ہے:اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ فَلْیَظُنَّ بِیْ مَا شَآءَ یعنی میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوتا ہوں اب وہ میرے بارے میں جو چاہے گمان رکھے۔[2]

وقتِ نزع امید پر مشتمل باتوں کا ذکر کیا جائے:

جب حضرت سیِّدُنا سلیمان تیمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْوَلِی کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے بیٹے سے فرمایا:اے میرے بیٹے!میرے سامنے امید اور آسانیوں کا تذکرہ کرو تاکہ میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بارے میں اچھا گمان رکھتے ہوئے اس سے ملاقات کروں۔

یونہی جب حضرت سیِّدُنا سُفیان ثَوری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی کا وقتِ رخصت آیا اور ان پر گھبراہٹ طاری ہوئی تو ان کے گرد موجود عُلَمائے کرام رَحِمَھُمُ اللّٰہُ السَّلَام نے امید پر مشتمل باتوں کا ذکر کیا۔

حضرت سیِّدُنا امام احمد بن حنبل عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْاَوَّل نے وصال سے قبل اپنے صاحب زادے سے فرمایا: میرے سامنے وہ رِوایات بیان کرو جن میں امید اور حُسنِ ظن کا تذکرہ ہے۔

ان بزرگانِ دین رَحِمَھُمُ اللّٰہُ الْمُبِیْن کا مقصود یہ تھا کہ اپنے دل میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت میں مزید اضافہ فرمائیں۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت سیِّدُنا داود عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی طرف وحی فرمائی کہ مجھے میرے بندوں کے نزدیک محبوب بنائیے۔عرض کی:کیسے؟ارشاد ہوا:ان کے سامنے میری نعمتوں اور احسانات کا تذکرہ کرکے۔

خلاصۂ کلام:

بندے کے لئے سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ مرتے وقت وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے محبت کرنے والا ہو۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت کے حصول کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ اس کی معرفت حاصل کی جائے اور دل سے دنیا کی محبت

1...مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا واھلھا، باب الامر بحسن الظن باللّٰہ...الخ، ص۱۵۳۸، حدیث:۲۸۷۷

2...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند الشامیین، حدیث واثلۃ بن الاسقع، ۶/ ۴۳، حدیث:۱۶۹۷۶

دور کر دی جائے یہاں تک کہ دنیا بندے کے نزدیک اس قید خانے کی طرح ہو جائے جو اسے اس کے محبوب سے ملنے سے روکتی ہے یہی وجہ ہے کہ ایک نیک شخص نے حضرت سیِّدُنا ابو سلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی کو خواب میں دیکھا کہ وہ ہوا میں اڑ رہے ہیں۔ ان کا حال پوچھا تو انہوں نے فرمایا: ابھی ابھی قید سے آزاد ہوا ہوں۔ صبح ہونے پر ان کے بارے میں معلومات کیں تو بتایا گیا کہ گزشتہ رات ان کا اِنتقال ہو چکا ہے۔

چھٹی فصل: خوف پیدا کرنے کی دوا کا بیان

"صبر و شکر کے بیان" میں ہم نے صبر کی دولت کو پانے کے لئے جس دوا کو بیان کیا ہے وہ خوف کو حاصل کرنے کے لئے بھی کافی ہے کیونکہ خوف اور امید کو حاصل کئے بغیر صبر کا حُصول ممکن نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دینی مقامات میں سے پہلا مقام یقین ہے، اللہ عَزَّوَجَلَّ اور قیامت پر ایمان کی قوت کو یقین کہا جاتا ہے اور یہ یقین لازمی طور پر دوزخ کا خوف اور جنت کی امید پیدا کرتا ہے۔ خوف اور امید صبر سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں کیونکہ جنت کو مشکلات اور پریشانیوں سے ڈھانپ دیا گیا ہے جنہیں صرف امید کی قوت سے برداشت کیا جا سکتا ہے جبکہ دوزخ کو شہوات اور نفسانی خواہشات سے ڈھانپا گیا ہے جن سے بچنا صرف خوف کی قوت کے ذریعے ممکن ہے۔ اسی لئے امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْھَہُ الْکَرِیْم فرماتے ہیں: جنت کا مشتاق شخص نفسانی خواہشات سے الگ ہو جاتا ہے جبکہ دوزخ سے ڈرنے والا حرام کاموں کو ترک کر دیتا ہے۔

خوف اور امید سے حاصل ہونے والا صبر کا مقام بندے کو مقامِ مُجاہَدہ، اِستقامت کے ساتھ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر اور اس کی نعمتوں کے بارے میں غور و فکر کی خاطر گوشہ نشینی تک لے جاتا ہے پھر پابندی کے ساتھ ذکر اللہ بندے کو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اُنس تک جبکہ پابندی کے ساتھ غور و فکر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی کامل معرفت تک لے جاتا ہے پھر کمالِ معرفت اور انس بندے کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت تک لے جاتے ہیں جبکہ مقامِ محبت کے بعد رِضا، توکُّل اور دیگر مقامات کے حصول کی باری آتی ہے۔ دین کے راستے پر چلنے میں مَنازِل کی یہ ترتیب ہوتی ہے۔ یقین کے بعد خوف و امید کے علاوہ کوئی اور مقام نہیں ہے، ان دونوں کے بعد صبر کے سوا کوئی مقام نہیں، صبر کے بعد مجاہدہ اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ظاہری و باطنی طور پر گوشہ نشینی کا مرتبہ ہے، جس شخص کے لئے راستے کھول دیئے جائیں اس کے لئے مجاہدے کے بعد ہدایت و معرفت کے سوا کوئی مقام نہیں، معرفت

کے بعد محبت وانس کے سوا کوئی مرتبہ نہیں اور محبت کی ضروریات میں سے ایک یہ ہے کہ محبوب کے فعل پر راضی رہا جائے اور اس کی عنایتوں پر بھروسا کیا جائے، اسی کا دوسرا نام ''توکُّل'' ہے۔

بہر حال صبر کے علاج کے سلسلے میں ہم نے جو کچھ ذکر کیا تھا اگرچہ وہ خوف وامید کے لئے بھی کافی ہے لیکن پھر بھی ہم اجمالی طور پر الگ سے خوف کا ذکر کرتے ہیں۔

حصولِ خوف کے دو طریقے:

خوف کو حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں جن میں سے ایک طریقہ دوسرے سے بہتر ہے:

مثال: ایک بچہ گھر میں موجود ہو اور اچانک کوئی درندہ یا سانپ گھر میں داخل ہو جائے تو بچہ اس سے خوف زدہ نہیں ہوتا بلکہ سانپ کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا دیتا ہے تا کہ اسے پکڑ کر اس سے کھیل سکے لیکن اگر اس کا باپ وہاں موجود ہو اور وہ عاقل ہو تو وہ سانپ سے ڈر کر بھاگ جائے۔ بچہ جب اپنے باپ کو دیکھتا ہے کہ سانپ کے خوف سے اس کے بدن پر لرزہ طاری ہے اور وہ بھاگنے کی کوشش کر رہا ہے تو وہ بھی کھڑا ہو جاتا ہے، اس پر خوف غالب آتا ہے اور باپ کے ساتھ ساتھ وہ بھی بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ اس مثال میں باپ کا خوف سانپ کی صِفات، اس کے زہر اور ہلاک کرنے والی خُصُوصیت کے سبب ہے یا پھر درندے کی پکڑ، اس کے غَلَبے اور کسی کی پروانہ کرنے کے باعث ہے جبکہ بچے کا خوف محض اپنے باپ کی تقلید کے طور پر ہے کیونکہ وہ اپنے باپ کے بارے میں اچھا گمان رکھتا ہے اور جانتا ہے کہ میرا باپ کسی ایسی چیز سے خوف زدہ ہے جو واقعی ڈرنے کے قابل ہے، باپ کی تقلید کرتے ہوئے بیٹا اس بات کو جان لیتا ہے کہ درندہ اور سانپ ایسی چیزیں ہیں جن سے خوف زدہ ہونا چاہئے اگرچہ اسے اس کا سبب معلوم نہیں ہوتا۔

اس مثال کو سمجھ لینے کے بعد جاننا چاہئے کہ خوفِ خدا کی دو اقسام ہیں: (۱)...عذابِ الٰہی سے خوف (۲)...ذاتِ باری تعالیٰ سے خوف۔

ذاتِ باری تعالیٰ سے خوف ان نُفُوسِ قُدسِیہ کے حصے میں آتا ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بارے میں علم رکھنے والے، قلْبِ سلیم کی دولت سے مالامال اور ان صِفاتِ باری تعالیٰ کی معرفت رکھنے والے ہیں جو ہیبت وخوف اور احتیاط کا تقاضا کرتی ہیں نیز یہ حضرات ان فرامینِ باری تعالیٰ کے اسرار و رُموز پر بھی واقف ہوتے ہیں:

وَ یُحَذِّرُکُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ (پ۳، اٰل عمرٰن:۲۸) ترجمۂ کنزالایمان: اور اللہ تمہیں اپنے غضب سے ڈراتا ہے۔

ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (پ۴، اٰل عمرٰن:۱۰۲) ترجمۂ کنزالایمان: اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

پہلی قسم: یعنی عذابِ الٰہی سے خوف عام مخلوق کا حصہ ہے اور یہ خوف جنت و دوزخ پر نیز ان کے اِطاعت و نافرمانی کا بدلہ ہونے پر ایمان سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ خوف کبھی کمزور ہوتا ہے اور کبھی مضبوط۔ اس کی کمزوری کا سبب غفلت اور ایمان کی کمزوری ہوتی ہے، اس غفلت کا علاج وعظ و نصیحت سے نیز قیامت کی ہولناکیوں اور آخرت میں دیئے جانے والے مختلف قسم کے عذابات میں مسلسل غور و فکر سے کیا جاسکتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ خائفین کے حالات میں نظر کرنے اور ان کی صحبت اختیار کرکے ان کی زندگی کا مُشاہدہ کرنے سے بھی غفلت کو دور کیا جاسکتا ہے، اگر کسی کو خائفین کی صحبت دستیاب نہ ہو تو ان کے اَحوال کو سننا بھی فائدے اور اثر سے خالی نہیں ہے۔

دوسری قسم: یعنی ذات باری تعالیٰ سے خوف کرنا اَرفع و اعلیٰ مقام کا حامل ہے۔ اس خوف سے مراد یہ ہے کہ بندہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دوری اور اس کے دیدار سے محرومی سے خوف زدہ ہو اور اس کے قُرب کی امید رکھے۔ حضرت سیِّدُنا ذُوالنُّون مصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْوَلِی فرماتے ہیں: دوزخ کا خوف اللہ عَزَّوَجَلَّ سے جدائی کے خوف کے مقابلے میں ایسا ہے جیسے گہرے دریا کے مقابلے میں چند قطرے۔

یہ خوف علمائے کرام رَحِمَہُمُ اللّٰہُ السَّلَام کو حاصل ہوتا ہے کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمانِ عالی شان ہے:

اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ (پ۲۲، فاطر:۲۸) ترجمۂ کنزالایمان: اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔

عام مؤمنین کو بھی اس خوف کا کچھ حصہ حاصل ہوتا ہے لیکن وہ مَحْض تقلید کے طور پر ہوتا ہے جیسا کہ باپ کی پیروی کرتے ہوئے بچہ سانپ سے خوف کرتا ہے چونکہ اس قسم کے خوف میں بصیرت اور معرفت کا کوئی دخل نہیں ہوتا اس لئے یہ کمزور ہوتا ہے اور بہت جلد زائل ہوجاتا ہے یہاں تک کہ بعض اوقات بچہ کسی سپیرے کو دیکھتا ہے کہ وہ سانپ کو پکڑتا ہے تو اسے دیکھ کر بچہ دھوکا کھاجاتا ہے اور جس طرح باپ کی تقلید کرتے ہوئے

سانپ سے بھاگتا تھا اسی طرح اب اس سپیرے کی دیکھا دیکھی سانپ کو پکڑنے کی کوشش کرتا ہے۔

جن عقائد کو بندہ کسی کی تقلید کرتے ہوئے اپناتا ہے ان کا اکثر یہی حال ہوتا ہے کہ وہ کمزور ہوتے ہیں لیکن اگر بندہ مستقل طور پر ان عقائد کی تاکید کرنے والے اَسباب کا مُشاہدہ کرتا رہے اور طویل مدت تک اِستقامت کے ساتھ ان کے تقاضوں پر عمل کرتے ہوئے نیکیوں کی بجا آوری اور گناہوں سے اِجتناب کرتا رہے تو یہ عقائد پختہ اور راسخ ہو جاتے ہیں۔

جو بندہ معرفت کے بلند مقام پر فائز ہو جائے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پہچان حاصل کرلے وہ بہر صورت اللہ عَزَّوَجَلَّ سے خوف زدہ رہتا ہے اور اسے حصولِ خوف کے لئے کسی علاج کی ضرورت نہیں پڑتی جیسے کوئی شخص درندے کو پہچانتا ہو اور اپنے آپ کو اس کے پنجوں میں دیکھے تو اسے اپنے دل میں خوف پیدا کرنے کے لئے کسی تکلف کی ضرورت نہیں پڑے گی بلکہ چاروناچار وہ اس سے خوف زدہ ہو جائے گا اسی لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت سیِّدُنا داوٗد عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی طرف وحی فرمائی: مجھ سے اس طرح خوف کرو جس طرح تم نقصان پہنچانے والے درندے سے خوف کرتے ہو۔

نقصان پہنچانے والے درندے کا خوف پانے کا طریقہ یہ ہے کہ اس درندے اور اس کے پنجوں میں پھنسنے کی معرفت حاصل کی جائے، اس کے علاوہ کچھ اور کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح جو شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت حاصل کرلیتا ہے وہ اس بات کو جانتا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے، اسے کسی کی پروا نہیں اور وہ جو چاہے حکم فرماتا ہے اسے کسی کا کوئی خوف نہیں۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے فرشتوں کو کسی سابقہ وسیلے کے بغیر اپنا قرب عطا فرمایا جبکہ ابلیس کو اس کے کسی گزشتہ جرم کے بغیر دور فرمادیا، اللہ عَزَّوَجَلَّ کی شان تو وہ ہے جو اس نے حدیثِ قدسی میں ارشاد فرمائی ہے: هٰؤُلَاءِ فِي الْجَنَّةِ وَلَا أُبَالِي وَهٰؤُلَاءِ فِي النَّارِ وَلَا أُبَالِي یعنی یہ لوگ جنت میں جائیں مجھے پروا نہیں، یہ لوگ دوزخ میں جائیں مجھے پروا نہیں۔

اگر تمہارے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ وہ صرف گناہ پر عذاب دیتا اور اطاعت پر ہی ثواب عطا فرماتا ہے تو غور کرو اس نے اطاعت کرنے والے کو اسبابِ اطاعت کی طرف نہیں کھینچا کہ وہ چاہے تو اطاعت کرے یا نہ کرے اور نہ ہی نافرمان کو اسبابِ گناہ کی طرف کھینچا کہ وہ چاہے تو گناہ کرے یا نہ کرے۔ جب اس

نے غفلت، شہوت اور قضائے شہوت پر قدرت کو پیدا کیا تو ان اُمور کے ذریعے فعل ضرور واقع ہوگا اگر اس نے اسے اس لئے دور کیا کہ اس نے نافرمانی کی ہے تو اس نے اسے گناہ کی طرف کیوں متوجّہ کیا کیا یہ کسی سابقہ گناہ کی سزا ہے کہ یہ ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہو یا پہلے گناہ پر ہی ٹھہر جائے جس کے لئے بندے کی طرف سے کوئی عِلَّت نہیں ہے بلکہ اس نے تو اَزَل میں ہی فیصلہ فرمادیا تھا۔ اسی مفہوم کو حضور نبی پاک صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے یوں بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ

سیِّدُنا آدم و سیِّدُنا موسٰی عَلَیْہِمَا السَّلَام کا مُباحثہ:

حضرت آدم صَفِیُّ اللّٰہ اور حضرت موسٰی کَلِیْمُ اللّٰہ عَلَیْہِمَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے درمیان اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں مُباحَثہ ہوا جس میں حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام حضرت موسٰی عَلَیْہِ السَّلَام پر غالب آگئے۔ حضرت موسٰی عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا: آپ وہ آدم ہیں جنہیں اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا، آپ میں اپنی طرف کی پسندیدہ روح پھونکی، اپنے فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا، آپ کو جنت میں ٹھہرایا اور پھر آپ نے اپنی لغزش کی وجہ سے لوگوں کو زمین پر اتار دیا۔ حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا: آپ ہی وہ موسٰی ہیں جنہیں اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنی پیغمبری اور ہم کلامی کے لئے مُنْتَخَب فرمایا، آپ کو (تورات کی) تختیاں عطا فرمائیں جن میں ہر چیز کا کھلا بیان تھا اور آپ کو اپنی خُصُوصی ہم کلامی سے قرب بخشا، یہ تو بتایئے کہ آپ کی معلومات کے مطابق اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ نے میری پیدائش سے کتنا عرصہ قبل تورات کو تحریر فرمادیا تھا؟ حضرت موسٰی عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا: (آپ کی پیدائش سے) 40 سال پہلے۔ حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا: کیا آپ نے تورات میں یہ فرمانِ باری تعالٰی پایا تھا:

وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ (پ۱۶، طٰہٰ: ۱۲۱)

ترجمۂ کنز الایمان: اورآدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی۔

حضرت موسٰی عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا: جی ہاں! حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا: ”تو کیا آپ مجھے اس لغزش پر ملامت کرتے ہیں جس کا کرنا میرے مقدر میں میری پیدائش سے 40 سال پہلے لکھا جاچکا تھا۔“ اس طرح حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام حضرت موسٰی عَلَیْہِ السَّلَام پر غالب آگئے۔[1]

---

[1]...مسلم، کتاب القدر، باب حجاج آدم و موسٰی علیہما السلام، ص ۱۴۲۶، حدیث: ۲۶۵۲

جو شخص نورِ ہدایت کے ذریعے اس معاملے کے سبب کو جانتا ہے وہ ان خصوصی عارفین کے گروہ میں شامل ہے جو تقدیر کے راز پر مطلع ہیں جبکہ جو بندہ محض سن کر ایمان لاتا اور تصدیق کرتا ہے وہ عام مؤمنین میں سے ہے اور ان دونوں قسم کے لوگوں کو خوف کی دولت حاصل ہوتی ہے اگرچہ دونوں کے خوف میں فرق ہوتا ہے۔ ہر انسان اسی طرح قدرت کے قبضے میں ہے جیسے کوئی کمزور بچہ درندے کے پنجوں میں ہو، کبھی یہ درندہ اِتّفاق سے اس سے غافل ہو جاتا اور اسے چھوڑ دیتا ہے اور کبھی اسے چیر پھاڑ کر کھالیتا ہے۔ یہ دونوں صورتیں حسبِ اِتّفاق ہوتی ہیں لیکن اس اتفاق کے بھی کثیر اسباب ہیں جو کہ ایک معلوم مقدار میں مرتب ہیں، جب ان اسباب کی نسبت ایسے شخص کی طرف کی جائے جو انہیں نہیں جانتا تو اسے اتفاق کہتے ہیں لیکن جب ان کی نسبت اللہ عَزَّوَجَلَّ کے علم کی طرف کی جائے تو پھر انہیں اتفاق کہنا جائز نہیں۔

درندے کے پنجوں میں پھنسنے والے شخص کو اگر کامل معرفت حاصل ہو تو وہ درندے سے خوف زدہ نہیں ہوگا کیونکہ درندہ بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حکم کا پابند ہے، اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ اس پر بھوک مُسَلَّط فرمادے تو وہ اس شخص کو چیر پھاڑ کر کھالے گا اور اگر اس پر غفلت طاری فرمادے تو اس کا راستہ چھوڑ کر اسے جانے دے گا، پس ایسا شخص درندے سے خوف زدہ ہونے کے بجائے اس درندے اور اس کی صفات کے خالق اللہ عَزَّوَجَلَّ سے خوف زدہ ہوگا۔

درندے کا خوف در حقیقت خوف خدا ہی ہے:

میں یہ نہیں کہتا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے خوف کی مثال درندے سے خوف کی طرح ہے بلکہ اگر غور کیا جائے تو درندے کا خوف در حقیقت اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ہی خوف ہے کیونکہ درندے کے واسطے سے ہلاک کرنے والا اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی ہے۔

یہ جان لیجئے کہ آخرت کے درندے دنیوی درندوں کی طرح ہیں، اللہ عَزَّوَجَلَّ نے عذاب اور ثواب کے اسباب کو تخلیق فرمایا ہے اور ایسے لوگوں کو بھی پیدا کیا ہے جو عذاب یا ثواب کے حق دار ہیں اور جو جس کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اَزَلی تقدیر اسے اس کی جانب ہانک کر لے جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جنت کی تخلیق فرما کر جنتیوں کو پیدا فرمایا اور انہیں اسبابِ جنت کے لئے پابند فرمادیا ہے خواہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں، اسی طرح دوزخ کو پیدا فرما کر دوزخیوں کو پیدا کیا اور انہیں اسبابِ جہنم کے لئے پابند فرمادیا ہے خواہ وہ اس پر راضی ہوں یا نہ ہوں۔

جب کوئی شخص اپنے آپ کو تقدیر کی موجوں میں غوطہ زن پاتا ہے تو لازمی طور پر اس پر خوف غالب آجاتا ہے اور یہ خوف ان لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو تقدیر کے راز کی معرفت رکھتے ہیں، جس شخص کو یہ معرفت حاصل نہ ہو اس کے لئے حصولِ خوف کا راستہ یہ ہے کہ اس بارے میں وارد شدہ احادیث وآثار سنے، خائفین کے احوال واقوال کا مُطالَعَہ کرے اور پھر ان کے مقام ومرتبے اور عقلوں کا مُوازَنہ ان لوگوں کے مرتبے اور عقلوں سے کرے جو بے جا امیدوں کے سبب دھوکے کا شکار ہیں، اس موازنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے گا کہ بلاشک وشبہ خائفین کی پیروی کرنا ہی بہتر ہے کیونکہ خائفین کا یہ گروہ انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام، اولیائے کِرام اور عُلَمائے عِظام رَحِمَہُمُ اللّٰہُ السَّلَام پر مشتمل ہے جبکہ بے خوفی کا شکار ہونے والا ٹولہ فرعونوں، جاہلوں اور بے وقوفوں پر مشتمل ہے۔

پیارے آقا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا خوفِ خدا:

اولین و آخرین کے سردار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم مخلوق میں سب سے زیادہ خوفِ خدا رکھتے تھے[1] مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ایک بچے کی نمازِ جنازہ ادا فرما رہے تھے، ایک روایت کے مطابق آپ نے کسی کو یہ دعا کرتے سنا: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! اسے قبر ودوزخ کے عذاب سے بچا[2] جبکہ دوسری روایت کے مطابق آپ نے کسی خاتون کو یہ کہتے سنا: اے بچے! تمہیں مبارک ہو کہ تم جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا ہو۔ یہ سن کر آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ناراضی کا اظہار کیا اور ارشاد فرمایا: تمہیں کیسے خبر ہوئی کہ وہ جنتی ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میں رَسُوْلُ اللہ ہوں لیکن اس کے بتائے بغیر خود سے نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جنت کو پیدا فرمایا ہے اور جنت میں جانے والوں کو بھی پیدا فرمایا ہے جن میں کمی یا اضافہ نہیں ہو سکتا۔[3]

ایک روایت میں ہے کہ حضرت سَیِّدُنا عثمان بن مظعون رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ جو کہ اَوَّلِین مُہاجِرِین میں سے ہیں، ان کے جنازے کے موقع پر جب اُمُّ المؤمنین حضرت سَیِّدَتُنا اُمِّ سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے کہا: آپ کو

---

1 ...بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب ما یکرہ من التعمق والتنازع...الخ، ۴/ ۵۰۶، حدیث: ۷۳۰۱، بتغیر قلیل

2 ...قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون، شرح مقامات الیقین، ۱/ ۳۸۲

3 ...مسلم، کتاب القدر، باب معنی کل مولود یولد علی الفطرة، ص۱۴۳۱، حدیث: ۲۶۶۱، بتغیر

جنت مبارک ہو تو اس موقع پر بھی سیِّدُ الخائفین صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے یہی کلمات ارشاد فرمائے۔ اس کے بعد اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا اُمِّ سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرمایا کرتی تھیں: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! عثمان کے بعد میں کسی کی پاکیزگی بیان نہیں کروں گی۔

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم کے شہزادے حضرت سیِّدُنا محمد بن خَولہ حنفیہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میں مصطفٰے جانِ رحمت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے علاوہ کسی کی پاکیزگی بیان نہیں کروں گا یہاں تک کہ اپنے والد کی بھی نہیں۔ جب رافضیوں کو اس بات کا علم ہوا اور انہوں نے آپ پر دباؤ ڈالا تو پھر آپ نے امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم کے فضائل ومَناقِب بیان کرنا شروع کئے۔

کسی کو جنتی کہنا کیسا؟

مروی ہے کہ اصحابِ صُفَّہ میں سے ایک صحابی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ شہید ہوگئے تو ان کی والدہ نے کہا: تمہیں مبارک ہو کہ تم جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا ہو، تم نے رحمتِ عالَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی طرف ہجرت کی اور راہِ خدا میں شہید کئے گئے۔ اس پر سرکارِ مدینہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: وَمَا یُدْرِیْكِ لَعَلَّهٗ كَانَ یَتَكَلَّمُ بِمَا لَا یَنْفَعُهٗ وَیَمْنَعُ مَا لَا یَضُرُّهٗ یعنی تمہیں کیا خبر؟ ہوسکتا ہے کہ یہ بے فائدہ گفتگو کیا کرتا ہو اور ایسی چیز کو روک کر رکھتا ہو جس کے خرچ کرنے میں اس کا کوئی نقصان نہ ہو۔[1]

ایک روایت میں ہے کہ میٹھے میٹھے آقا، مکی مدنی مصطفٰے صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اپنے ایک بیمار صحابی کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے تو ایک عورت کو یہ کہتے سنا: تمہیں جنت کی مبارک باد ہو۔ یہ سن کر آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: یہ عورت کون ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ پر حکم چلارہی ہے؟ مریض نے عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! یہ میری والدہ ہیں۔ ارشاد فرمایا: وَمَا یُدْرِیْكِ لَعَلَّ فُلَانًا كَانَ یَتَكَلَّمُ بِمَا لَا یَعْنِیْهِ وَیَبْخَلُ بِمَا لَا یُغْنِیْهِ یعنی تمہیں کیا معلوم؟ ہوسکتا ہے کہ فلاں شخص بے فائدہ گفتگو کرتا ہو اور ایسی چیز کو

---

1 ...مسند ابی یعلی موصلی، مسند انس بن مالک، ۳/ ۳۷۶، الحدیث: ۴۰۰۴، باختلاف بعض الالفاظ

خرچ کرنے میں بخل کرتا ہو جو اسے مال دار نہیں بنا سکتی۔[1]

مجھے ان سورتوں نے بوڑھا کر دیا:

تمام مسلمانوں کو خوف زدہ کیوں نہیں ہونا چاہیے جبکہ خود حضور نبیّ اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ارشاد فرماتے ہیں: شَیَّبَتْنِیْ ھُوْدٌ وَّاَخَوَاتُھَا یعنی سورۂ ھود اور اس جیسی دیگر سورتوں نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔[2]

علمائے کرام رَحِمَهُمُ اللّٰهُ السَّلَام فرماتے ہیں: شاید اس کا سبب یہ ہو کہ سورۂ ھود میں بکثرت رحمت سے دور کرنے کا تذکرہ ہے مثلاً: درج ذیل آیات:

﴿1﴾...

اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿٦٠﴾ (پ۱۲، ھود: ۶۰) ترجمۂ کنزالایمان: ارے دور ہوں عاد ہود کی قوم۔

﴿2﴾...

اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿٦٨﴾ (پ۱۲، ھود: ۶۸) ترجمۂ کنزالایمان: ارے لعنت ہو ثمود پر۔

﴿3﴾...

اَلَا بُعْدًا لِّمَدْیَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿٩٥﴾ (پ۱۲، ھود: ۹۵) ترجمۂ کنزالایمان: ارے دور ہوں مدین جیسے دور ہوئے ثمود۔

رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس طرح کی آیات سے بہت زیادہ اثر قبول فرمایا حالانکہ آپ جانتے تھے کہ اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ چاہتا تو یہ قومیں شرک نہ کرتیں کیونکہ اگر اس کی مَشِیَّت ہوتی تو وہ انہیں ہدایت عطا فرما دیتا۔

سورۂ واقعہ میں ہے:

لَیْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿٢﴾ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴿٣﴾ (پ۲۷، الواقعۃ: ۲، ۳) ترجمۂ کنزالایمان: اس وقت اس کے ہونے میں کسی کو انکار کی گنجائش نہ ہوگی کسی کو پست کرنے والی کسی کو بلندی دینے والی۔

---

[1]...قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون، شرح مقامات الیقین، ۱/ ۳۸۱

[2]...سنن الترمذی، کتاب التفاسیر عن رسول اللّٰہ، باب ومن سورۃ الواقعۃ، ۵/ ۱۹۳، حدیث: ۳۳۰۸، بتغیر قلیل

یعنی جو کچھ ہونے والا ہے قَلَمِ قدرت اسے لکھ کر فارغ ہو چکا اور قیامت تک کے تمام مُعامَلات کا فیصلہ ہو گیا ہے، جب قیامت قائم ہو گی تو وہ یا تو دنیا میں بلندی پانے والوں کو پست کر دے گی، یا پھر پستی کا شکار رہنے والوں کو بلندی عطا کرے گی۔

سورۂ تکویر میں قیامت کی ہولناکیوں کا نیز اس بات کا بیان ہے کہ روزِ قیامت ہر شخص کو اس بات کا علم ہو جائے گا کہ اس کا ٹھکانا جنت ہے یا جہنم۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذَا الْجَحِیْمُ سُعِّرَتْ ﴿۱۲﴾ وَ اِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ﴿۱۳﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّاۤ اَحْضَرَتْ ﴿۱۴﴾ (پ۳۰، التکویر: ۱۲تا۱۴)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جب جہنم کو بھڑکایا جائے اور جب جنت پاس لائی جائے ہر جان کو معلوم ہو جائے گا جو حاضر لائی۔

سورۂ عم یتسائلون میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یَوْمَ یَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ یَدٰهُ (پ۳۰، النبا: ۴۰)

ترجمۂ کنزالایمان: جس دن آدمی دیکھے گا جو کچھ اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا۔

ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

لَا یَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾ (پ۳۰، النبا: ۳۸)

ترجمۂ کنزالایمان: کوئی نہ بول سکے گا مگر جسے رحمٰن نے اذن دیا اور اس نے ٹھیک بات کہی۔

خوفِ خدا پیدا کرنے والی چند آیات:

جو شخص غور وتَدَبُّر کے ساتھ قرآنِ پاک کی تلاوت کرے اس کے لئے قرآنِ مجید میں شروع سے لے کر آخر تک حُصُولِ خوف کا سامان موجود ہے۔ اگر قرآنِ پاک میں صرف یہی ایک آیت ہوتی:

﴿1﴾...

وَ اِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿۸۲﴾ (پ۱۶، طٰہٰ: ۸۲)

ترجمۂ کنزالایمان: اور بے شک میں بہت بخشنے والا ہوں اسے جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھا کام کیا پھر ہدایت پر رہا۔

تو بھی کافی تھا کیونکہ اس آیتِ مُقَدَّسہ میں مغفرت کو ایسی چار شرطوں کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے جن میں سے ایک کو پورا کرنے سے بھی بندہ عاجز ہے۔ اس سے بھی زیادہ سخت یہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿2﴾...

فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ﴿۶۷﴾ (پ۲۰، القصص: ۶۷)

ترجمۂ کنزالایمان: تو وہ جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھا کام کیا قریب ہے کہ وہ راہ یاب ہو۔[1]

مذکورہ آیات کے علاوہ بھی قرآنِ پاک میں مُتَعَدَّد ایسی آیات ہیں جن میں غور وفکر کرنا خوفِ خدا میں اضافے کا سبب بنتا ہے، ایسی ہی چند آیاتِ مقدسہ درج ذیل ہیں:

﴿3﴾...

لِيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ (پ۲۱، الاحزاب: ۸)

ترجمۂ کنزالایمان: تاکہ سچوں سے ان کے سچ کا سوال کرے۔

﴿4﴾...

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ۚ﴿۳۱﴾ (پ۲۷، الرحمٰن: ۳۱)

ترجمۂ کنزالایمان: جلد سب کام نبٹا کر ہم تمہارے حساب کا قصد فرماتے ہیں اے دونوں بھاری گروہ۔

﴿5﴾...

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ (پ۹، الاعراف: ۹۹)

ترجمۂ کنزالایمان: کیا اللہ کی خُفی تدبیر سے نڈر ہیں۔

﴿6﴾...

وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الْقُرٰى وَ هِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾ (پ۱۲، هود: ۱۰۲)

ترجمۂ کنزالایمان: اور ایسی ہی پکڑ ہے تیرے رب کی جب بستیوں کو پکڑتا ہے ان کے ظلم پر بے شک اس کی پکڑ دردناک کرّی (سخت) ہے۔

﴿7﴾...

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾ وَّ نَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾ (پ۱۶، مریم: ۸۵، ۸۶)

ترجمۂ کنزالایمان: جس دن ہم پرہیزگاروں کو رحمٰن کی طرف لے جائیں گے مہمان بنا کر اور مجرموں کو جہنم کی طرف ہانکیں گے پیاسے۔

---

[1]... یعنی جس شخص میں مذکورہ تینوں شرائط پائی جائیں تو بھی اس کا کامیاب ہونا یقینی نہیں، ہاں امید کی جاسکتی ہے۔ (اتحاف السادة المتقين، ۱۱/ ۴۴۳)

﴿8﴾...

وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ (پ۱۶، مریم: ۷۱)

ترجمۂ کنز الایمان: اور تم میں کوئی ایسا نہیں جس کا گذر دوزخ پر نہ ہو۔

﴿9﴾...

اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ (پ۲۴، حم السجدۃ: ۴۰)

ترجمۂ کنز الایمان: جو جی میں آئے کرو۔

﴿10﴾...

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ (پ۲۵، الشوریٰ: ۲۰)

ترجمۂ کنز الایمان: جو آخرت کی کھیتی چاہے ہم اس کے لئے اس کی کھیتی بڑھائیں۔

﴿11﴾...

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ؕ ﴿۷﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۠ ﴿۸﴾ (پ۳۰، الزلزال: ۷، ۸)

ترجمۂ کنز الایمان: توجو ایک ذرّہ بھر بھلائی کرے اسے دیکھے گا اور جو ایک ذرّہ بھر برائی کرے اسے دیکھے گا۔

﴿12﴾...

وَقَدِمْنَاۤ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ (پ۱۹، الفرقان: ۲۳)

ترجمۂ کنز الایمان: اور جو کچھ انہوں نے کام کئے تھے ہم نے قصد فرما کر انہیں باریک باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرّے کر دیا کہ روزن کی دھوپ میں نظر آتے ہیں۔

﴿13﴾...

وَالْعَصْرِ ۙ ﴿۱﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۙ ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۠ ﴿۳﴾ (پ۳۰، العصر: ۱تا۳)

ترجمۂ کنز الایمان: اس زمانۂ محبوب کی قسم بے شک آدمی ضرور نقصان میں ہے مگر جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور ایک دوسرے کو حق کی تاکید کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی۔

اس سورتِ مُبارَکہ میں نقصان سے بچنے کے لئے چار شرائط بیان کی گئی ہیں۔

انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کے خوف کا سبب:

انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے بے شمار عطاؤں اور نعمتوں کا سلسلہ ہوتا ہے اس کے باوجود وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے خوف سے لرزاں وترساں رہتے تھے، اس کا سبب یہ تھا کہ یہ نُفُوسِ قُدسیہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف نہیں ہوتے تھے۔ (ارشادِ باری تعالیٰ ہے:)

فَلَا یَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾ ترجمۂ کنزالایمان: تو اللہ کی خُفی تدبیر سے نڈر نہیں ہوتے مگر تباہی والے۔

(پ۹، الاعراف: ۹۹)

منقول ہے کہ سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اور حضرت سیِّدُنا جبریل امین عَلَیْہِ السَّلَام اللہ عَزَّوَجَلَّ کے خوف سے رو رہے تھے، اللہ عَزَّوَجَلَّ نے وحی فرمائی: لِمَ تَبْكِيَانِ وَقَدْ اٰمَنْتُكُمَا یعنی تم دونوں کیوں رو رہے ہو حالانکہ میں تمہیں امان دے چکا ہوں؟ عرض کی: وَمَنْ يَّاْمَنُ مَكْرَكَ یعنی اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! تیری خفیہ تدبیر سے کون بے خوف ہو سکتا ہے؟[1]

گویا یہ دونوں حضرات اس بات کو جانتے تھے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ عَلَّامُ الْغُیُوب (غیبوں کا جاننے والا) ہے جبکہ ہمیں (بغیر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بتائے) معاملے کے انجام کی قطعی خبر نہیں ہے۔ یہ حضرات اس بات سے بے خوف نہیں ہوئے کہ کہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمان: قَدْ اٰمَنْتُكُمَا یعنی میں تم دونوں کو امان دے چکا ہوں، ہمارے حق میں آزمائش، امتحان اور خفیہ تدبیر ہو یہاں تک کہ ہمارا خوف دور ہو جائے اور یہ بات ظاہر ہو جائے کہ ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہو چکے ہیں اور ہم نے اپنے وعدے کو وفا نہیں کیا۔

یہ معاملہ ایسے ہی ہے جیسے حضرت سیِّدُنا ابراہیم خَلِیْلُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو جب منجنیق میں رکھ کر پھینکا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: حَسْبِیَ اللّٰہُ یعنی میرے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ کافی ہے۔ چونکہ یہ ایک بہت بڑا دعویٰ تھا اس لئے آپ عَلَیْہِ السَّلَام کا اِمتحان لیا گیا، جب آپ ہوا میں تھے تو حضرت سیِّدُنا جبریل امین عَلَیْہِ السَّلَام نے خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: کیا آپ کو کوئی حاجت ہے؟ ارشاد فرمایا: ہاں! لیکن تم سے نہیں۔ اس طرح آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے اپنے قول کے تقاضے کو پورا کیا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس بات کی خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

---

1 ...قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون، شرح مقامات الیقین، ۱/ ۳۸۲

وَ اِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤىۙ(۳۷) (پ۲۷، النجم:۳۷) ترجمۂ کنزالایمان: اور ابراہیم کے جو احکام پورے بجالایا۔

یعنی اپنے قول ''حَسْبِیَ اللہُ'' کے تقاضے پر عمل کیا۔

اسی قسم کا معاملہ حضرت سیِّدُنا موسیٰ کَلِیْمُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُوَالسَّلَام کے ساتھ پیش آیا اور انہوں نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کی:

اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیْنَاۤ اَوْ اَنْ یَّطْغٰى(۴۵) قَالَ لَا تَخَافَاۤ اِنَّنِیْ مَعَكُمَاۤ اَسْمَعُ وَ اَرٰى(۴۶) (پ۱۶، طٰہٰ: ۴۵، ۴۶)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک ہم ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر زیادتی کرے یا شرارت سے پیش آئے فرمایا ڈرو نہیں میں تمہارے ساتھ ہوں سنتا اور دیکھتا۔

اس کے باوجود جب جادوگروں نے اپنے جادو کا مُظاہرہ کیا تو حضرت سیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا کیونکہ آپ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خفیہ تدبیر اور معاملے کے مُشْتَبَہ ہونے سے بے خوف نہیں تھے۔ چنانچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ کو دوبارہ اطمینان دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى(۶۸) (پ۱۶، طٰہٰ:۶۸) ترجمۂ کنزالایمان: ڈر نہیں بے شک تو ہی غالب ہے۔

سب سے کامل و اکمل مقام:

غزوۂ بدر کے دن جب مسلمانوں کی طاقت کمزور پڑ گئی تو مکی مدنی مصطفٰے صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے یوں دعا مانگی: اَللّٰھُمَّ اِنْ تُھْلِكْ ھٰذِہِ الْعِصَابَۃَ لَمْ یَبْقَ عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ اَحَدٌ یَّعْبُدُكَ یعنی اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! اگر تو نے اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہیں رہے گا۔[1] حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! اب دعا کا سلسلہ موقوف فرمادیجئے! اللہ عَزَّوَجَلَّ آپ سے کیا ہوا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا۔

حضرت سیِّدُنا ابو بکر صِدِّیْق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے وعدے پر یقین کے مقام پر فائز تھے جبکہ رحمتِ عالَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خفیہ تدبیر سے خوف کے مقام پر سرفراز تھے جو کہ سب سے کامل و اکمل مقام ہے کیونکہ اس مقام پر صرف وہ حضرات مُتَمَکِّن ہوتے ہیں جنہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پوشیدہ

[1]...بخاری، کتاب التفسیر، باب ''بل الساعۃ موعدھم...الخ''، ۳/ ۳۴۲، حدیث: ۴۸۷۷، مفھومًا

رازوں، اس کے خفیہ افعال اور ان صِفات کی کامل معرفت حاصل ہوتی ہے جن سے واقع ہونے والے بعض افعال کو خفیہ تدبیر کہا جاتا ہے۔ کسی انسان کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ صِفاتِ باری تعالیٰ کی حقیقت پر مُطَّلَع ہو سکے، جو شخص معرفت کی حقیقت کو جان لیتا اور اس بات کا ادراک کر لیتا ہے کہ اس کی معرفت ان معاملات کی حقیقت کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے تو لازمی طور پر اس کے دل میں بہت زیادہ خوف پیدا ہو جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب روزِ قیامت اللہ عَزَّوَجَلَّ حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے ارشاد فرمائے گا:

ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ (پ۷، المآئدۃ:۱۱۶)

ترجمۂ کنزالایمان: کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو خدا بنالو اللہ کے سوا۔

تو آپ عَلَیْہِ السَّلَام بارگاہِ خداوندی میں عرض گزار ہوں گے:

سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَ لَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ؕ (پ۷، المآئدۃ:۱۱۶)

ترجمۂ کنزالایمان: پاکی ہے تجھے مجھے روا نہیں کہ وہ بات کہوں جو مجھے نہیں پہنچتی اگر میں نے ایسا کہا ہو تو ضرور تجھے معلوم ہو گا تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے۔

نیز عرض گزار ہوں گے:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۱۸﴾ (پ۷، المآئدۃ:۱۱۸)

ترجمۂ کنزالایمان: اگر تو انھیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انھیں بخش دے تو بے شک تو ہی غالب حکمت والا۔

اس طرح سے آپ عَلَیْہِ السَّلَام معاملے کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی مشیت کے سپرد فرما کر خود کو مکمل طور پر درمیان سے نکال لیں گے کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ بخشش یا عذاب کا معاملہ آپ کے ہاتھ نہیں ہے۔ بے شک اُمور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی مشیت سے اس طرح مربوط (ملے ہوئے) ہیں کہ عقل والفت سے ان کا کوئی تعلق نہیں، لہٰذا ان پر قیاس اور وہم وگمان سے بھی کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا تحقیق ویقین تو ایک طرف ہے۔ اسی بات نے عارِفین

کے دل توڑ دیئے کیونکہ قیامت کبریٰ یہ ہے کہ تمہارا معاملہ ایسی ذات کی مشیت سے ملا ہوا ہے جو تمہیں ہلاک بھی کر دے تو اسے کوئی پروا نہیں اس نے تم جیسے بے شمار لوگ ہلاک کر دیئے اور وہ ان کو دنیا میں طرح طرح کی تکلیفوں اور بیماریوں کے ذریعے عذاب دے رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کے دلوں میں کفر اور مُنافقت کی بیماری بھی ہے پھر وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔ ان کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

وَ لَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَ لٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَـٴَـنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۳﴾ (پ۲۱، السجدۃ: ۱۳)

ترجمۂ کنز الایمان: اور اگر ہم چاہتے ہر جان کو اس کی ہدایت عطا فرماتے مگر میری بات قرار پاچکی کہ ضرور جہنّم کو بھر دوں گا ان جنّوں اور آدمیوں سب سے۔

نیز ارشاد فرمایا:

وَ تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَـٴَـنَّ جَهَنَّمَ (پ۱۲، ھود: ۱۱۹)

ترجمۂ کنز الایمان: اور تمہارے رب کی بات پوری ہو چکی کہ بے شک ضرور جہنم بھر دوں گا۔

توجو قول ازل میں ثابت ہو چکا اس کا خوف کیسے نہ کیا جائے حالانکہ اس کے تدارُک کی طمع نہیں ہو سکتی اگر معاملہ ابھی کا ہوتا تو طمع اس میں حیلہ کی طرف بڑھتی لیکن اب تو صرف تسلیم ہے اور سابِقہ مخفی بات کو دل اور اعضاء پر ظاہر ہونے والے واضح اسباب سے تلاش کرنا ہے تو جس شخص کے لئے برائی کے اسباب مہیا کر دیئے گئے، اس کے اور اسبابِ خیر کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی گئی اور دنیا کے ساتھ اس کے تعلق کو مضبوط کر دیا گیا تو گویا اس کے لئے اس بات کو ظاہر کر دیا گیا کہ اس کے حق میں بدبخت ہونے کا فیصلہ کر دیا گیا ہے کیونکہ جو شخص جنت و دوزخ میں سے جس کے لئے پیدا کیا جاتا ہے اس کے لئے ویسے ہی اسباب مہیا کئے جاتے ہیں۔ اگر کسی شخص کو تمام نیکیوں کی توفیق حاصل ہو، اس کا دل مکمل طور پر دنیا سے کنارہ کش ہو اور ظاہری و باطنی طور پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف متوجہ ہو تو یہ باتیں خوف میں کمی کا تقاضا کرتی ہیں اگر اس بات کا یقین ہو کہ اس حالت پر استقامت حاصل رہے گی لیکن بُرے خاتمے کا خوف اور نیکیوں پر استقامت کا مشکل ہونا خوف کی آگ کو مزید بھڑکاتے ہیں اور اسے بجھنے نہیں دیتے۔ کوئی مومن اپنی قلبی حالت کے بدل جانے سے کیسے بے خوف ہو سکتا ہے جبکہ اس کا دل اللہ عَزَّوَجَلَّ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے نیز انسان کا دل جوش

مارنے والی ہنڈیا سے بھی زیادہ الٹ پلٹ ہوتا ہے۔ دلوں کو پھیرنے والے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمانِ عالیشان ہے:

اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿۲۸﴾ (پ۲۹، المعارج:۲۸)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک ان کے رب کا عذاب نڈر ہونے کی چیز نہیں۔

سب سے بڑا جاہل:

لوگوں میں سب سے بڑا جاہل وہ شخص ہے جو ان باتوں سے بے خوف رہے حالانکہ اسے بے خوفی سے پرہیز کی ہدایت کی گئی ہے، اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ عارفین پر لُطف و کرم فرماتے ہوئے رَجا (امید) کے اسباب کے ذریعے ان کے دلوں کو راحت نہ پہنچاتا تو خوف کی آگ سے ان کے دل جل جاتے۔ رجا کے اسباب اللہ عَزَّوَجَلَّ کے خاص بندوں کے لئے رحمت ہیں جبکہ غفلت کے اسباب عام مخلوق کے لئے ایک اعتبار سے رحمت ہیں کیونکہ اگر عام لوگوں پر حقیقتِ حال ظاہر ہو جائے تو ان کی روح پرواز کر جائے اور دلوں کے پھیرنے والے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے خوف سے ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔

ایمان پر خاتمے کے متعلق آٹھ اَقوالِ بزرگانِ دین:

﴿1﴾... ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: جو شخص میرے علم کے مطابق 50 سال سے توحید پر قائم ہے اگر میرے اور اس کے درمیان ایک سُتُون حائل ہو جائے اور اسی دوران اس کی وفات ہو جائے تو میں قطعی طور پر اس کے ایمان پر خاتمے کی گواہی نہیں دے سکتا کیونکہ میں نہیں جانتا کہ اس وقت اس کے دل کی کیا کیفیت تھی۔

﴿2﴾... ایک اور بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: اگر شہادت گھر کے دروازے پر جبکہ اسلام پر موت کمرے کے دروازے پر مل رہی ہو تو میں اسلام پر موت کو اختیار کروں گا کیونکہ میں نہیں جانتا کہ کمرے کے دروازے سے لے کر گھر کے دروازے تک پہنچنے میں میرے دل کی کیا کیفیت ہو گی۔

﴿3﴾... حضرت سیِّدُنا ابو درداء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے کہ جو بھی شخص موت کے وقت اپنا ایمان سَلْب ہونے سے بے خوف ہوتا ہے تو اس کا ایمان سلب کر لیا جاتا ہے۔

﴿4﴾... حضرت سیِّدُنا ابو محمد سَہْل تُستَری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرمایا کرتے تھے: صِدِّیقِیْن کو ہر وقت برے

خاتمے کا خوف لاحق رہتا ہے، یہ فرمانِ باری تعالیٰ انہی کے بارے میں ہے:

وَ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ (پ۱۸، المؤمنون: ۶۰) ترجمۂ کنزالایمان: اور ان کے دل ڈر رہے ہیں۔

﴿5﴾... حضرت سیِّدُنا سُفیان ثَوری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی کا جب وقتِ وصال آیا تو آپ نے رونا اور گھبرانا شروع کر دیا۔ عرض کی گئی: اے ابو عبد اللہ! امید رکھئے کیونکہ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کا فضل و کرم آپ کے گناہوں سے بڑا ہے۔ ارشاد فرمایا: کیا تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں اپنے گناہوں پر رو رہا ہوں؟ اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ میری موت ایمان پر ہو گی تو پھر مجھے کوئی پروا نہیں اگرچہ میں پہاڑوں کے برابر گناہ لے کر **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں حاضری دوں۔

﴿6﴾... خوفِ خدا رکھنے والے ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک مسلمان بھائی کو وصِیَّت کرتے ہوئے فرمایا: جب میری وفات کا وقت قریب آئے تو میرے سرہانے بیٹھ جانا، اگر تم دیکھو کہ میرا خاتمہ ایمان پر ہوا ہے تو میری ملکیت میں موجود تمام سامان جمع کر کے اس کے عوض بادام اور شکّر خرید کر شہر کے بچوں میں تقسیم کر دینا اور کہنا کہ یہ قید سے چھوٹنے والے ایک شخص کی آزادی کی خوشی میں ہے، اگر میری موت ایمان پر نہ ہو تو لوگوں کو اس بات کی خبر کر دینا تاکہ وہ دھوکے کا شکار ہو کر میرے جنازے میں شریک نہ ہوں اور جسے آنا ہو وہ سوچ سمجھ کر آئے تاکہ میں مرنے کے بعد ریاکاری کا شکار نہ ہو جاؤں۔ اس شخص نے عرض کی: مجھے اس بات کا علم کیسے ہو گا کہ آپ کا خاتمہ ایمان پر ہوا یا نہیں؟ انہوں نے ایک علامت بیان فرمائی[1]۔ اس شخص نے بیان کردہ علامت کے مطابق آپ کی موت کو ایمان پر پایا تو حسبِ وصیت شکّر اور بادام خرید کر تقسیم کئے۔

﴿7﴾... حضرت سیِّدُنا ابو محمد سَہل تُستَری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرمایا کرتے تھے: مرید کو گناہوں میں مُلَوَّث ہونے کا جبکہ عارف کو کفر میں مبتلا ہونے کا خوف ہوتا ہے۔

---

[1]... وہ علامت یہ تھی کہ اپنی انگلی میری ہتھیلی میں رکھ دو، اگر موت کے وقت میں اسے مضبوطی سے دبا لوں تو سمجھ لینا کہ میری موت ایمان پر واقع ہوئی ہے اور اگر میں تمہاری انگلی کو چھوڑ دوں تو جان لینا کہ میری موت ایمان پر نہیں ہوئی۔ اس شخص نے ایسا ہی کیا۔ (اتحاف السادۃ المتقین، ۱۱/ ۴۴۹)

﴿8﴾... حضرت سَیِّدُنا بایزید بسطامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی فرمایا کرتے تھے: جب میں مسجد کی طرف جاتا ہوں تو میری کیفیت ایسی ہوتی ہے کہ گویا میرے سینے پر زُنّار[1] بندھا ہوا ہے اور مجھے یہ خوف لاحق ہوتا ہے کہ یہ مجھے گرجا گھر یا آتش کدے میں لے جائے گا یہاں تک کہ جب میں مسجد میں پہنچ جاتا ہوں تو یہ زُنار ٹوٹ جاتا ہے، روزانہ پانچوں نمازوں کے وقت میری یہی کیفیت ہوتی ہے۔

سَیِّدُنا عیسٰی عَلَیْہِ السَّلَام کی نصیحت:

منقول ہے کہ حضرت سَیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے حواریوں سے ارشاد فرمایا: اے حواریوں کے گروہ! تم لوگ گناہوں سے ڈرتے ہو جبکہ ہم گروہِ انبیا کفر سے خوف زدہ ہوتے ہیں۔

مروی ہے کہ ایک نبی عَلَیْہِ السَّلَام نے بارگاہِ الٰہی میں کئی سال تک بھوک، جوؤں اور لباس کی کمی کی شکایت کی، ان کا لباس اون کا تھا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان کی طرف وحی فرمائی: اے میرے بندے! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ میں نے تمہارے دل کی کفر سے حفاظت فرمائی ہے جو مجھ سے دنیا کا سوال کر رہے ہو؟ اس پر انہوں نے مٹی لے کر اپنے سر پر ڈالی اور عرض گزار ہوئے: کیوں نہیں! اے میرے رب! میں اس بات پر راضی ہوں پس تو کفر سے میری حفاظت فرما۔

جب عارِفین اپنے بلند و بالا مقام اور ایمان کی قوت کے باوجود بُرے خاتمے سے خوف زدہ ہوتے ہیں تو پھر کمزور لوگوں کو تو اس سے زیادہ ڈرتے رہنا چاہئے۔

بُرے خاتمے اور نفاق کے چند اسباب ہیں جو موت سے پہلے ظاہر ہوتے ہیں۔ مثلاً: بدعت، تکبُّر اور دیگر بُری صفات۔ صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نفاق سے بہت زیادہ خوف زدہ رہا کرتے تھے۔ چنانچہ

حضرت سَیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: اگر مجھے اس بات کا علم ہو جائے کہ میں نفاق سے آزاد ہوں تو یہ مجھے ان تمام چیزوں کے ملنے سے زیادہ پسند ہے جن پر سورج طُلُوع ہوتا ہے۔

یہاں نِفاق سے مراد وہ نہیں جو کہ اَصْلِ ایمان کی ضد ہے (جسے نفاقِ اعتقادی بھی کہا جاتا ہے) بلکہ وہ نفاق

1... وہ دھاگہ یا ڈوری جو ہندو گلے سے بغل کے نیچے تک ڈالتے ہیں اور عیسائی، مجوسی اور یہودی کمر میں باندھتے ہیں۔ (اردو لغت تاریخی اصول پر، ۱۱/ ۱۶۲)

مراد ہے جو اصلِ ایمان کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے (جسے نفاقِ عملی کہتے ہیں) اور جس شخص میں یہ پایا جائے وہ مسلمان منافق ہوتا ہے۔ اس نفاق کی بہت سی علامات ہیں۔ چنانچہ

منافق کی علامات:

سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: چار باتیں ایسی ہیں کہ یہ جس میں پائی جائیں وہ خالص منافق ہے اگرچہ نماز پڑھے، روزہ رکھے اور خود کو مسلمان سمجھے اور جس میں ان میں سے ایک خصلت پائی جائے تو اس میں نفاق کا ایک شعبہ موجود ہے یہاں تک کہ اسے چھوڑ دے: (۱)...مَنْ اِذَا حَدَّثَ کَذِبَ، جب بات کرے تو جھوٹ بولے (۲)...وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ، وعدہ کرے تو پورا نہ کرے (۳)...وَاِذَا ائْتُمِنَ خَانَ، امانت دی جائے تو خیانت کرے اور (۴)...وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ، جھگڑا کرے تو گالی دے۔[1]

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ یعنی جب مُعاہدہ کرے تو اسے توڑ دے۔[2]

نفاق کے بارے میں نو اقوالِ صحابہ و تابعین:

صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان اور تابعین عظام رَحِمَہُمُ اللہُ السَّلَام نے نفاق کی متعدد تعریفیں بیان فرمائیں ہیں اور یہ ایسی تعریفیں ہیں جن سے محض مرتبۂ صِدّیقیت پر فائز شخص ہی محفوظ ہو گا:

﴿1﴾... حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: ظاہر و باطن، دل و زبان اور اندر و باہر کا مختلف ہونا بھی نفاق ہے۔

اس دور میں کون سا شخص ایسا ہے جو ان باتوں سے محفوظ ہو گا بلکہ اب تو لوگ ان باتوں کے اس قدر عادی اور ان سے مانوس ہو چکے ہیں کہ انہیں بُرا تک نہیں سمجھتے۔ یہ باتیں تو ایسی ہیں جو زمانۂ نبوت کے قریبی دور میں ہی شروع ہو چکی تھیں تو اس دور کے بارے میں کیا گمان کیا جا سکتا ہے؟

﴿2﴾... حضرت سیِّدُنا حُذَیْفَہ بن یمان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: بے شک حضور سیِّدِ عالَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

---

[1] ...بخاری، کتاب الایمان، باب علامۃ المنافق، ۱/ ۲۴، حدیث: ۳۴

مسلم، کتاب الایمان، باب بیان خصال المنافق، ص۵۱، حدیث: ۱۱۰

[2] ...شعب الایمان، باب فی الایفاء بالعقود، ۴/ ۷۷، حدیث: ۴۳۵۲

وَسَلَّم کی حیاتِ ظاہری میں ایک شخص کوئی بات کرتا تھا، اس کے سبب اسے منافق سمجھا جاتا تھا جبکہ آج میں تم میں سے بعض لوگوں سے وہی بات ایک دن میں 10 مرتبہ سنتا ہوں۔[1]

﴿3﴾... بعض صحابۂ کرام عَلَیْهِمُ الرِّضْوَان فرمایا کرتے تھے: تم لوگ کچھ ایسے کام کرتے ہو جو تمہاری نگاہوں میں بال سے بھی باریک ہیں جبکہ ہم سرکارِ نامدار، مدینے کے تاجدار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم کے مبارک دور میں انہیں کبیرہ گناہوں میں شمار کرتے تھے۔[2]

﴿4﴾... ایک صحابی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: نِفاق کی علامت یہ ہے کہ بندہ جو کام خود کرتا ہے وہی کام لوگوں کی طرف سے ہو تو اسے ناپسند کرے۔

﴿5﴾... ایک قول کے مطابق ظُلم میں سے کسی چیز کو پسند کرنا اور حق میں سے کسی بات کو ناپسند کرنا نفاق ہے۔

﴿6﴾... ایک قول ہے کہ جب کسی شخص کی ایسی بات پر تعریف کی جائے جو اس میں نہیں پھر بھی وہ تعریف کو پسند کرے تو یہ نفاق ہے۔

﴿7﴾... ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا ابن عُمَر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی خدمت میں عرض کی: ہم بادشاہوں کے پاس جاتے ہیں اور ان کی باتوں کی تصدیق کرتے ہیں پھر جب ان کے پاس سے نکلتے ہیں تو ان کے خلاف باتیں کرتے ہیں۔ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم کے مبارک زمانے میں ہم اس بات کو نفاق شمار کرتے تھے۔[3]

﴿8﴾... ایک روایت میں ہے کہ حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عُمَر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے ایک شخص کو حَجّاج بن یُوسُف کی مَذمَّت کرتے سنا تو اس سے دریافت فرمایا: اگر حَجّاج اس وقت یہاں موجود ہوتا تو کیا پھر بھی تم اس کے خلاف باتیں کرتے؟ اس نے عرض کی: نہیں۔ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم کے مبارک دور میں ہم اس بات کو نفاق سمجھتے تھے۔[4]

---

1 ...المسند للامام احمد بن حنبل، حدیث حذیفۃ بن یمان عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ۹/ ۸۰، حدیث: ۲۳۳۳۸

2 ...صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب ما یتقی من محقرات الذنوب، ۴/ ۲۴۴، حدیث: ۶۴۹۲، ''الکبائر'' بدلہ ''الموبقات''

3 ...قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون، شرح مقامات الیقین، ۱/ ۳۹۰

4 ...قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون، شرح مقامات الیقین، ۱/ ۳۹۰

﴿9﴾... اس سے بھی زیادہ سخت روایت یہ ہے کہ کچھ لوگ حضرت سیِّدُنا حُذَیْفَہ بن یَمان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے دروازے پر بیٹھے ہوئے آپ کا انتظار کر رہے تھے، اس دوران وہ آپ کے بارے میں کچھ گفتگو کرنے لگے۔ جب آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ باہر تشریف لائے تو وہ آپ سے شرم کرتے ہوئے خاموش ہو گئے۔ فرمایا: تم لوگ جو بات کر رہے تھے اسے جاری رکھو، لیکن وہ خاموش رہے۔ اس پر آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی حیاتِ مُبارَکہ میں ہم اس بات کو نِفاق شمار کرتے تھے۔

پل میں تولہ پل میں ماشہ:

یہ حضرت سیِّدُنا حُذَیْفَہ بن یَمان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ ہیں جنہیں منافقین اور اسبابِ نفاق کے علم سے خاص کیا گیا ہے۔ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرمایا کرتے تھے: بعض اوقات دل پر ایسا وقت آتا ہے کہ وہ ایمان سے لبریز ہو جاتا ہے اور اس میں نفاق کے لئے سوئی کے ناکے جتنی جگہ بھی نہیں بچتی اور کبھی دل پر ایسی گھڑی بھی آتی ہے جس میں وہ نفاق سے بھر جاتا ہے یہاں تک کہ اس میں ایمان کے لئے سوئی کے سوراخ برابر جگہ بھی نہیں رہتی۔

نِفاق سے بے خوف شخص منافق ہے:

اس تمام گفتگو سے آپ نے جان لیا ہو گا کہ عارفین کا خوف بُرے خاتمے سے ہوتا ہے اور بُرے خاتمے کا سبب کچھ ایسے امور ہیں جو موت سے پہلے پیش آتے ہیں جن میں بدعت، گناہ و مَعْصِیَت اور نفاق بھی شامل ہیں۔ یہ چیزیں ایسی ہیں جن سے بندے کا بچنا انتہائی دشوار ہے اور اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ میں ان چیزوں سے محفوظ ہوں تو اس کا یہ گمان بھی نفاق ہے کیونکہ منقول ہے: جو نفاق سے بے خوف ہو جائے وہ منافق ہے۔

ایک بُزُرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے کسی عارف بِاللہ سے کہا: میں اپنے بارے میں نفاق سے خوف زدہ ہوں۔ عارف نے جواب دیا: اگر تم منافق ہوتے تو نفاق سے خوف نہ کھاتے۔

دو خوف:

بہر حال مَعْرِفَت رکھنے والے شخص کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ تقدیر اور بُرے خاتمے کی طرف متوجہ ہو کر ان سے خوف زدہ رہتا ہے، اسی لئے سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب و سینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے

ارشاد فرمایا: بندۂ مومن دو خوفوں کے درمیان ہوتا ہے، گُزشتہ زندگی کے اعمال کا خوف کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ان کے بارے میں کیا فیصلہ فرمائے گا؟ اور آئندہ زندگی کے بارے میں خوف کیونکہ اسے نہیں پتا کہ اس کے بارے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خفیہ تدبیر کیا ہے؟ اس ذاتِ پاک کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! موت کے بعد کوئی مَشَقَّت نہیں اور دنیا کے بعد جنت یا دوزخ کے علاوہ کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔[1]

ساتویں فصل:

بُرے خاتمے کا مفہوم

سوال: آپ نے جن صالحین کے خوف کا تذکرہ کیا ہے ان میں سے اکثر کا خوف برے خاتمے سے متعلق ہے اس لئے برے خاتمے کا معنٰی بھی بیان فرما دیجئے؟

جواب: برے خاتمے کے دو دَرَجے ہیں جن میں سے ایک دوسرے سے زیادہ سخت ہے۔

...**پہلا دَرَجہ:** یہ برے خاتمے کا انتہائی شدید اور ہولناک درجہ ہے کہ موت کی سختیوں اور اس کی تکلیفوں کے ظہور کے وقت انسان کے دل پر اللہ عَزَّوَجَلَّ اور ایمانیات کے بارے میں شک یا انکار غالب آجائے پھر اسی شک یا انکار کے غَلَبے کی حالت میں اس کی روح قبض کرلی جائے اور اس کے دل پر غالب آنے والی یہ کیفیت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بندے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے درمیان پردہ بن جائے۔ بُرے خاتمے کے اس درجے کا شکار ہونے والا شخص ہمیشہ کے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت سے دوری اور دائمی عذاب کا مستحق ہے۔

...**دوسرا درجہ:** یہ درجہ پہلے درجے سے ہلکا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ موت کے وقت بندے کے دل پر کسی دنیوی مُعاملے یا شَہوت کی محبت غالب آجائے اور یہ محبت اس کے دل کو اس طرح سے گھیر لے کہ دل میں اس حالت میں کسی اور کی گنجائش نہ رہے، پھر اس کی روح اسی حالت میں قبض ہو جائے کہ اس کا دل دنیا کی محبت میں ڈوبا ہوا ہو اور وہ ہمہ تن اپنے ظاہر و باطن کے ساتھ دنیا کی طرف متوجہ ہو۔ جب بھی کسی کی توجہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ہٹتی ہے تو اس کے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے درمیان حجاب ہو جاتا ہے اور جو بندہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے حجاب میں ہوتا ہے اس پر عذاب نازل ہوتا ہے کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بھڑکتی ہوئی آگ صرف ان لوگوں کو پکڑے گی جو اس سے حجاب میں ہیں جبکہ وہ بندۂ مومن جس کا دل دنیا کی محبت سے محفوظ اور یادِ خداوندی

---

[1]...شعب الایمان، باب فی الزھد وقصر الامل، ۷/ ۳۶۰، حدیث: ۱۰۵۸۱

میں مصروف ہے دوزخ کی آگ اس سے کہے گی: ”جُزْ یَا مُؤْمِنُ فَاِنَّ نُوْرَكَ قَدْ اَطْفَاَ لَهَبِیْ یعنی اے بندۂ مومن! جلد گزر جا کہ تیرے نور نے میرے شعلوں کو بجھا دیا ہے۔“

جس شخص کی موت اس حالت میں واقع ہو کہ اس کے دل پر دنیا کی محبت غالب ہو تو اس کا مُعاملہ انتہائی خطرناک ہے کیونکہ انسان اسی حال پر مرتا ہے جس حال میں اس نے زندگی گزاری ہوتی ہے۔ دل پر اثر انداز ہونا صرف اعضائے بدن کے اعمال کے ذریعے ممکن ہوتا ہے اور موت کے سبب اس شخص کے اعضاء اب کوئی عمل نہیں کرسکتے لہٰذا موت کے وقت اس کے دل پر جو کیفیت غالب تھی اس کے علاوہ کسی اور کیفیت کا حصول اب اس کے لئے ممکن نہیں رہا۔ اب یہ شخص ہر قسم کے عمل سے نیز دنیا میں واپس لوٹ کر اپنی غَلَطِیوں کا ازالہ کرنے سے مایوس ہو جاتا ہے اور اس پر حسرت وندامت طاری ہوتی ہے۔ اگر اس شخص کے دل میں طویل مدت تک اَصْلِ ایمان اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت راسخ رہے ہوں اور اس نے نیک اعمال کے ذریعے انہیں مضبوط بھی کیا ہو تو پھر ممکن ہے کہ یہ چیزیں موت کے وقت اس کے دل پر طاری ہونے والی اس کیفیت کو ختم کر دیں۔ پھر اگر اس کے ایمان کی قوت ایک مثقال جتنی ہوئی تو اللہ عَزَّوَجَلَّ جلد اسے دوزخ سے رہائی عطا فرمائے گا اور اگر اس سے کم ہوئی تو اس کا دوزخ میں قیام طویل ہو گا اور اگر کسی کا ایمان رائی کے دانے کے برابر ہوا تو بھی وہ دوزخ سے ضرور نکلے گا اگرچہ ہزاروں سال کے بعد نکلے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

آپ کی بیان کردہ باتوں کا تقاضا تو یہ ہے کہ مذکورہ شخص پر مرتے ہی عذابِ قبر کا سلسلہ شروع ہو جائے تو پھر کیا سبب ہے کہ اس کے عذاب کو قیامت تک مؤخر کرکے اس طویل مدت کے دوران اسے مہلت دے دی جاتی ہے؟

جواب: عذابِ قبر کا انکار کرنے والا شخص بدعتی ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نور اور نورِ قرآن ونورِ ایمان سے حجاب میں ہے۔ اصحابِ بصیرت کے نزدیک دُرُست بات وہی ہے جو صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ قبر یا تو دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے یا جنت کے باغات میں سے ایک باغ۔ [1] نیز یہ کہ عذابِ قبْر میں مبتلا

[1] ...سنن الترمذی، کتاب صفة القیامة، باب ۲۸، ۴/ ۲۰۸، حدیث: ۲۴۶۸، بتقدم وتاخر

شخص کی قبر میں دوزخ کے 70 دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔[1] جس بدنصیب شخص کا خاتمہ بُرا ہوتا ہے اس کے جسم سے روح نکلنے سے پہلے ہی اس پر مختلف قسم کے عذابات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور پھر وہ مختلف اوقات میں مختلف عذابات کا شکار رہتا ہے چنانچہ تدفین کے بعد پہلے منکر نکیر کے سوالات کا سلسلہ ہوتا ہے،[2] اس کے بعد عذابِ قبر[3] پھر سختی کے ساتھ حساب کتاب[4] اور اس کے بعد روزِ قیامت ساری مخلوق کے سامنے رُسوائی کا سامنا ہوگا۔[5] اس کے بعد پُل صراط سے گزرنے[6]، اور دوزخ پر مُقرَّر فِرشتوں کا سامنا کرنے[7] سمیت دیگر خطرات درپیش ہوں گے جن کی احادیثِ مُبارَکہ میں خبر دی گئی ہے۔ یہ بدنصیب شخص مسلسل مختلف قسم کے عذابات کا شکار رہے گا اور اس پر عذاب کا سلسلہ جاری رہے گا یہاں تک کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت اسے ڈھانپ لے۔ یہاں اس غَلَط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہئے کہ مٹی مَحَلِّ ایمان (ایمان کے مقام یعنی روح) کو بھی کھا لیتی ہے البتہ روح کے علاوہ مٹی باقی تمام جسم کو کھا لیتی اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے یہاں تک کہ جب حشر کا دن آئے گا تو جسمِ انسانی کے تمام مُنْتَشِر اعضاء جمع ہو جائیں گے اور روح جو کہ ایمان کا مقام ہے جسم میں واپس لوٹ آئے گی۔ موت کے وقت سے لے کر جسم میں واپسی کے دوران انسان کی روح دو میں سے کسی ایک مقام میں ہوتی ہے۔ خوش نصیبوں کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہوتی ہیں جو کہ عرش کے نیچے لٹکے ہوتے ہیں جبکہ بدنصیبوں کی روحوں کا حال اس کے بَرعکس ہوتا ہے۔

بُرے خاتمے کے اسباب:

سوال: وہ کون سے اسباب ہیں جو بُرے خاتمے تک لے جاتے ہیں؟ **جواب:** برے خاتمے کے اسباب

---

1 ...ابوداود، کتاب السنة، باب فی مسئلة فی القبر وعذاب القبر، ۴/ ۳۱۶، حدیث: ۴۷۵۳، دون "السبعون"

2 ...ابوداود، کتاب السنة، باب فی مسئلة فی القبر وعذاب القبر، ۴/ ۳۱۶، حدیث: ۴۷۵۳

3 ...ابوداود، کتاب السنة، باب فی مسئلة فی القبر وعذاب القبر، ۴/ ۳۱۶، حدیث: ۴۷۵۳

4 ...ابوداود، کتاب السنة، باب فی مسئلة فی القبر وعذاب القبر، ۴/ ۳۱۶، حدیث: ۴۷۵۳

5 ...مسلم، کتاب الزھد والرقائق، ص۱۵۸۷، حدیث: ۲۹۶۸، مفھومًا

6 ...مسلم، کتاب الایمان، باب معرفة طریقة الرؤیة، ص۱۱۲، حدیث: ۱۸۳، مفھومًا

7 ...سنن نسائی، کتاب الجنائز، باب البعث، ص۳۵۰، حدیث: ۲۰۸۳، مفھومًا

اس قدر زیادہ ہیں جن کی تفصیل بیان کرنا ممکن نہیں۔ البتہ! ہم ان میں سے چند جامع اسباب کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔ شک اور انکار کی حالت میں خاتمے کے اسباب دو قسموں میں منحصر ہیں۔

پہلا سبب:

یہ سبب زُہد و تقویٰ اور انتہائی نیک اعمال کے ساتھ بھی جمع ہو سکتا ہے جیسے بدعتی عبادت گزار کیونکہ ایسے شخص کے نیک اعمال کے باوُجود اس کی آخرت خطرے میں ہوتی ہے۔ میری مراد کوئی خاص بات (یا مسلک) نہیں ہے جسے میں بدعت قرار دوں نیز اس بات کا بیان کلام کی طوالت کا باعث ہے بلکہ بدعت سے میری مراد یہ ہے کہ انسان اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات و صِفات اور افعال کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھے جو حق کے خلاف ہو چاہے یہ خلافِ حقیقت عقیدہ رکھنا اپنی رائے، عقل اور قیاس کے سبب ہو جس کے ذریعے یہ شخص مخالف سے جھگڑتا اور اس پر اعتماد کرتا ہے یا پھر کسی کی پیروی کرتے ہوئے اس عقیدے کو اختیار کیا ہو۔ جس شخص کی یہ حالت ہو جب اس کی موت کا وقت قریب آتا ہے، مَلَکُ الْمَوْت عَلَیْہِ السَّلَام روح قبض کرنے کے لئے تشریف لاتے ہیں اور دل پر گھبراہٹ طاری ہوتی ہے تو بعض اوقات اس شخص پر یہ اِنکشاف ہوتا ہے کہ وہ اپنی جہالت کے باعث جس عقیدے پر قائم تھا وہ عقیدہ باطل تھا کیونکہ موت کی حالت میں پردے اٹھ جاتے ہیں اور سَکَراتِ موت کی ابتدائی کیفیت بھی موت کا ہی حصہ ہے، لہٰذا اس میں بھی کئی باتیں مُنْکَشِف ہو جاتی ہیں۔ ایسی حالت میں جب اس شخص پر اپنے کسی ایسے عقیدے کا غلط ہونا ظاہر ہوتا ہے جسے اس نے زندگی بھر اپنائے رکھا اور اسے حق سمجھتا رہا تو چونکہ اس شخص کے نزدیک اللہ عَزَّوَجَلَّ اور رسول صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر ایمان نیز دیگر درست عقائد اور اپنے غلط عقیدے کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوتا لہٰذا وہ سمجھتا ہے کہ میرے تمام عقائد کی کوئی اصل نہیں ہے۔ بعض عقائد سے جہالت پر مبنی ہونے کا انکشاف اس شخص کے لئے بقیہ عقائد کو باطل سمجھنے یا ان میں شک کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔ اگر اَصْلِ ایمان کی طرف لوٹنے اور اس پر قائم ہونے سے پہلے اسی حالت میں کسی شخص کی روح نکل جائے تو بے شک اس کا خاتمہ بُرا ہوا اور اس کی روح شرک کی حالت میں بدن سے جدا ہوئی۔ ایسی موت سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ان فرامین سے یہی لوگ مراد ہیں:

﴿1﴾...

وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ یَكُوْنُوْا یَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾

(پ۲۴، الزمر: ۴۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اور انہیں اللہ کی طرف سے وہ بات ظاہر ہوئی جو ان کے خیال میں نہ تھی۔

﴿2﴾...

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا ﴿۱۰۳﴾ اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾

(پ۱۶، الکھف: ۱۰۳، ۱۰۴)

ترجمۂ کنزالایمان: تم فرماؤ کیا ہم تمہیں بتادیں کہ سب سے بڑھ کر ناقص عمل کن کے ہیں ان کے جن کی ساری کوشش دنیا کی زندگی میں گُم گئی اور وہ اس خیال میں ہیں کہ ہم اچھا کام کررہے ہیں۔

جس طرح نیند کے عالَم میں بعض اوقات ایسے مُعاملات مُنکَشِف ہوتے ہیں جو مستقبل میں ہونے والے ہوں اور اس کا سبب یہ ہے کہ اس حالت میں دل پر دنیوی مصروفیات کا بوجھ نہیں ہوتا یونہی موت کی سختیوں کے دوران بھی بعض پوشیدہ باتیں ظاہر ہوتی ہیں، دنیوی مشغولیات اور بدَنی شَہوات دل کے لئے رُکاوٹ بنتی ہیں اور وہ نہ تو اُمورِ غَیْبِیَّہ کا مُشاہَدہ کرسکتا ہے اور نہ ہی لوحِ محفوظ کا مطالعہ کرپاتا ہے کہ اس پر حقیقتِ حال کا انکشاف ہو، چونکہ سَکَراتِ موت کے وقت یہ رکاوٹیں دور ہوجاتی ہیں اس لئے انسان پر کشف کا دروازہ کھل جاتا ہے اور یہ کشف اس کے بقیہ دُرُست عقائد کے بارے میں شک وشبہے کا باعث بنتا ہے۔

ہر وہ شخص جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات وصفات یا افعال کے بارے میں کسی کی تقلید کرتے ہوئے یا پھر اپنی عقل اور رائے پر اعتماد کے سبب غلط عقیدہ رکھتا ہے وہ اس خطرے سے دوچار ہے اور اس خطرے سے حفاظت کے لئے دنیا سے بے رغبتی اور اعمالِ صالحہ کافی نہیں ہیں بلکہ صرف درست عقائد ہی اس سے نجات دلاسکتے ہیں۔ بھولے بھالے افراد اس خطرے سے محفوظ ہیں، بھولے بھالے افراد سے ہماری مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کے رسولوں اور آخرت کے دن پر اجمالی اور مضبوط ایمان رکھتے ہیں جیسے دیہات اور جنگلات میں رہنے والے نیز دیگر عام افراد جو عقائد کے مُعاملات میں بحث مُباحثہ کرتے ہیں نہ علمِ کلام کے بارے میں زیادہ معلومات رکھتے ہیں اور نہ ہی عُلَمائے مُتَکَلِّمِین کے مختلف اقوال کی تقلید کرتے ہوئے ان کی

طرف کان دھرتے ہیں۔اسی لئے رحمتِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ''اَکْثَرُاَھْلِ الْجَنَّۃِ الْبُلْہ یعنی جنت میں جانے والے اکثر لوگ بھولے بھالے ہوں گے۔''[1]

دوسرا سبب:

بُرے خاتِمے کی پہلی قسم کا دوسرا سبب اَصْلِ ایمان کا کمزور ہونا اور دنیا کی محبت کا دل پر غالب آجانا ہے۔جب بھی کسی بندے کا ایمان کمزور ہوتا ہے تو اس کے دل میں موجود اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت بھی کمزور پڑجاتی اور دنیا کی محبت مضبوط ہوجاتی ہے۔اگر یہ سلسلہ جاری رہے تو پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ بندے کے دل میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت صرف برائے نام رہ جاتی ہے اور اس میں اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ نفس کی مُخالَفت کرسکے یا پھر بندے کو شیطان کے راستے پر چلنے سے روک سکے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بندہ نفسانی خواہشات کی پیروی میں منہمک رہتا ہے یہاں تک کہ اس کا دل تاریک، سخت اور سیاہ ہوجاتا ہے اور اس کے دل پر گناہوں کے اندھیروں کی تہہ چڑھتی اور دل میں موجود نورِ ایمان کو مسلسل کمزور کرتی رہتی ہے یہاں تک کہ اس کا دل زنگ آلود ہوجاتا اور اس پر مہر لگ جاتی ہے۔پھر جب موت کی سختیوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور بندے کو اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ وہ عنقریب اپنی سب سے محبوب چیز یعنی دنیا سے جدا ہونے والا ہے تو دنیا سے فراق کا یہ احساس اس کے دل کو شدید تکلیف پہنچاتا ہے اور جب اس کی توجہ اس طرف جاتی ہے کہ اس کی دنیا سے یہ جدائی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے ہے تو دل میں موجود اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت نہ صرف مزید کمزور ہوجاتی ہے بلکہ موت کو ناپسند کرنے اور اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے جاننے کے باعث اس بات کا خوف ہوتا ہے کہ اس کے دل میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے محبت کے بجائے نفرت پیدا ہوجائے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص جو اپنے بیٹے سے بہت کم محبت کرتا ہو اور اسے بیٹے سے زیادہ اپنے مال ودولت سے پیار ہو، بیٹا اگر اس کے محبوب مال کو ضائع کردے تو اس کے دل میں موجود بیٹے کی کمزور محبت نفرت میں تبدیل ہوجائے گی۔

اگر اس شخص کی روح ایسے وقت میں جدا ہوئی جس لمحے اس کے دل میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے نفرت

---

[1]...شعب الایمان، باب التوکل باللہ عزوجل والتسلیم، ۲/ ۵۹، تحت الحدیث: ۱۱۶۳

کے جذبات پیدا ہوئے تھے تو بلاشبہ اس کا خاتِمہ بُرا ہوا اور یہ ہمیشہ کے لئے ہلاکت کا شکار ہو گیا۔

اس قسم کے بُرے خاتمے تک لے جانے کا سبب دنیا کی محبت کا غلبہ، اس کی طرف مائل ہونا اور اس کے اسباب پر خوش ہونا نیز ایمان کے کمزور ہونے کی وجہ سے دل میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت کا کم ہونا ہے۔ ایسا شخص جو کہ اگرچہ دنیا سے بھی محبت کرتا ہو لیکن اس کے دل میں موجود اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت محبتِ دنیا پر غالب ہو تو وہ اس خطرے سے محفوظ ہوتا ہے۔

دنیا کی محبت تمام برائیوں کی بنیاد اور انتہائی مُہلِک بیماری ہے اور تمام مخلوق اس میں مبتلا ہے۔ اس کا بنیادی سبب اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بارے میں کامل مَعْرِفَت کا نہ ہونا ہے کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے وہی محبت کرتا ہے جو اسے پہچانتا ہے، اسی لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِیْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖؕ

(پ۱۰، التوبۃ: ۲۴)

ترجمۂ کنزالایمان: تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسند کے مکان یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو (انتظار کرو) یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے۔

بہرحال جس شخص کی روح ایسی حالت میں قبض ہو کہ موت کے ذریعے اسے اس کے اہل وعیال، مال ودولت اور دیگر محبوب اشیاء سے جدا کرنے والے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فعل پر اس کے دل میں انکار اور ناپسندیدگی موجود ہو تو ایسے شخص کی موت محبوب اشیاء سے جدائی اور ناپسندیدہ چیزوں سے ملاقات کا باعث بنتی ہے۔ ایسے شخص کی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں حاضری اس بھاگے ہوئے غلام کی طرح ہوگی جو اپنے آقا کو ناپسند کرتا ہو اور اسے زبردستی آقا کی خدمت میں پیش کیا جائے، ایسا غلام کس قدر رُسوائی اور سزا کا مستحق ہوگا اس کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس کے برعکس جس خوش نصیب کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت کے عالَم میں موت آتی ہے اس کی بارگاہِ خداوندی میں حاضری اس غلام کی مثل ہوتی ہے جو اپنے آقا کا مطیع وفرمانبردار اور اس سے ملاقات کا

مشتاق ہو اور اس سے ملنے کے لئے مَشَقَّت سے بھرپور اعمال اور سفر کی تکلیفوں کو برداشت کرے۔ اس قسم کے شخص کے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جو کچھ انعام واکرام تیار کر رکھے ہیں ان سے قَطعِ نَظَر صرف بارگاہِ خداوندی میں حاضری اور دیدارِ خداوندی سے حاصل ہونے والی خوشی و مُسَرَّت پر غور کرلیا جائے تو کافی ہے۔

بُرے خاتمے کا دوسرا سبب پہلے سبب سے ہلکا ہے اور دوزخ میں ہمیشہ رہنے کا باعث نہیں اور اس کے بھی دو اسباب ہیں: (۱)...گناہوں کی کثرت اگرچہ ایمان مضبوط ہو اور (۲)...ایمان کی کمزوری اگرچہ گناہ قلیل ہوں۔

پہلے سبب کی وضاحت:

انسان سے گناہوں کا صدور اس لئے ہوتا ہے کہ نفسانی خواہشات کی عادت اور ان سے اُنسیت اس کے دل میں جڑ پکڑ لیتی اور غالب آجاتی ہے اور انسان اپنی زندگی میں جن چیزوں سے مانوس ہوتا ہے موت کے وقت انہیں ضرور یاد کرتا ہے۔ جس شخص کی زندگی کا اکثر حصہ اطاعت وعبادت میں گزرا ہو موت کے وقت اس کے دل میں انہیں چیزوں کی یاد غالب ہوتی ہے اور اگر زندگی کا بیشتر حصہ گناہ ونافرمانی کی نذر ہوا ہو تو مرنے سے پہلے اس کے دل پر گناہوں کی یاد غالب ہوگی۔ اگر کسی کی روح ایسی حالت میں قبض ہو کہ اس کے دل پر کسی دنیوی شہوت یا گناہ کی یاد کا غلبہ ہو تو اس کا دل اسی گناہ یا شہوت کے ساتھ قید رہے گا اور وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے حجاب میں رہے گا۔ جس شخص سے کبھی کبھار گناہوں کا صدور ہوتا ہے وہ اس خطرے سے دور ہے اور جو گناہوں سے مکمل طور پر باز رہتا ہو وہ اس سے کامل طور پر محفوظ ومامون ہے۔ جس شخص کے گناہ اس کی نیکیوں سے زائد ہوں، گناہ و مَعاصی اس کے دل ودماغ پر غالب ہوں اور اسے نیکیوں سے زیادہ گناہوں سے خوشی ہوتی ہو تو ایسا شخص بُرے خاتمے کے عظیم خطرے سے دوچار ہے۔ اس شخص کے مُعاملے کو ایک مثال کے ذریعے اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے مثلاً: انسان اپنی زندگی میں بیداری کے عالَم میں اکثر وبیشتر جن معاملات میں مشغول رہتا ہے اسے خواب میں بھی اسی قسم کے مُعاملات نظر آتے ہیں چنانچہ اگر کسی قَرِیْبُ الْبُلُوغ لڑکے کو احتلام ہو تو اسے خواب میں ہم بستری کی کیفیت نظر نہیں آتی کیونکہ اس نے بیداری میں ہم بستری نہیں کی اور اگر وہ ایک عرصے تک ایسے ہی رہے تو بھی اسے احتلام کے وقت ہم بستری کی کیفیت نظر نہیں آئے گی۔ یونہی جس شخص نے اپنی زندگی علمِ فقہ کی خدمت میں گزاری ہو اسے خواب

میں علم اور علما سے متعلقہ مُعاملات، تجارت کے معاملات سے زیادہ نظر آتے ہیں۔تاجر خواب میں تجارت کے مُعاملات طبیب اور فقیہ کے معاملات سے زیادہ دیکھتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ نیند کے عالَم میں انسان وہی کچھ دیکھتا ہے جسے طویل عرصے تک کرتے رہنے یا کسی اور وجہ سے دل سے اُنسیت حاصل ہو۔

(اس معاملے میں) موت نیند کے مشابہ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہے جبکہ موت کی سختیاں اور اس سے پہلے طاری ہونے والی بے ہوشی نیند سے قریب ہے جو اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ انسان جس چیز سے مانوس ہے اسے یاد کیا جائے۔طویل عرصے تک گناہوں یا نیکیوں سے مانوس رہنا ایک ایسا سبب ہے جس کے باعث مرتے وقت انسان نیک یا بداعمال کو یاد کرتا ہے۔اسی لئے نیک لوگوں اور گناہ گاروں کے خواب مختلف ہوتے ہیں۔گناہوں سے اُنسیت کے غلبے کے سبب موت کے وقت دل میں بُرے خیالات آتے ہیں اور دل ان کی طرف مانوس ہوتا ہے اور بعض اوقات اسی حالت میں بندے کی روح قبض ہو جاتی ہے اور یوں وہ برے خاتمے کا شکار ہو جاتا ہے اگرچہ اس صورت میں اَصْلِ ایمان باقی رہتا ہے جس کے سبب نجات کی امید ہوتی ہے۔

جس طرح بیداری کے عالَم میں دل میں آنے والے خیالات کا خاص سبب ہوتا ہے جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ جانتا ہے یونہی بعض خواب بھی ایسے ہوتے ہیں جن کے خاص اسباب ہوتے ہیں، ان میں سے بعض اسباب کو ہم جانتے ہیں اور بعض کو نہیں جانتے مثلاً: ہم یہ بات جانتے ہیں کہ انسانی خیال کا ایک چیز سے کسی دوسری چیز کی طرف منتقل ہونا کسی مُشابَہَت کی وجہ سے ہوتا ہے یا ضد ہونے کی وجہ سے یا پھر قُرب کی وجہ سے کہ وہ دونوں ایک ساتھ انسانی حِس پر وارد ہوئے ہوں۔انسانی خیال کے مشابہت کی وجہ سے ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف منتقل ہونے کی مثال جیسے کسی خوبصورت چیز کو دیکھ کر کسی اور خوبصورت چیز کو یاد کرنا۔ضد ہونے کی وجہ سے یاد کرنے کی مثال مثلاً: خوبصورت چیز کو دیکھ کر بدصورت چیز کو یاد کرنا اور دونوں کے درمیان فرق کے بارے میں غور کرنا۔قُرب کی وجہ سے یاد کرنا مثلاً: کسی گھوڑے کو دیکھ کر اس انسان کو یاد کرنا جسے اس سے پہلے گھوڑے کے ساتھ دیکھا تھا۔

بعض اوقات ذہن ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف منتقل ہوتا ہے لیکن دونوں کے درمیان کوئی مناسبت سمجھ نہیں آتی، اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ دونوں کے درمیان ایک یا دو واسطے موجود ہوتے ہیں مثلاً:

ذہن ایک چیز سے دوسری اور پھر اس سے تیسری چیز کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور پھر دوسری چیز کو بھول جاتا ہے اور اب تیسری اور پہلی چیز کے درمیان کوئی مناسبت نہیں ہوتی لیکن تیسری اور دوسری جبکہ دوسری اور پہلی چیز کے درمیان مناسبت ہوتی ہے۔خواب کی حالت میں اور سَکَراتِ موت کے وقت دل کے ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف منتقل ہونے کے اسباب بھی اسی قسم کے ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جو شخص سارا دن سلائی کا کام کرتا ہو تم اسے دیکھو گے کہ وہ نیند میں بھی اپنے سر کی طرف اشارہ کرتا ہے گویا سلائی کے لئے سوئی پکڑ رہا ہے، اپنی عادت کے مطابق مرتبان سے انگلی تر کرتا ہے، کپڑے کو اوپر سے پکڑ کر بالشت سے ناپتا ہے اور پھر قینچی کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے۔

گناہوں بھرے خیالات سے بچنے کا طریقہ:

جو شخص اپنے ذہن کو گناہوں اور شہوتوں کی طرف منتقل ہونے سے بچانے کا خواہش مند ہو تو اس کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ عُمر بھر گناہوں سے بچنے اور دل سے نفسانی خواہشات کی مَحبت کو ختم کرنے کی کوشش کرتا رہے کیونکہ بندے کے اختیار میں یہی بات ہے۔استقامت کے ساتھ نیک اعمال کی بجا آوری اور بُرے خیالات سے دل کی حفاظت موت کے وقت کے لئے بہترین ذخیرہ اور تیاری ہے کیونکہ انسان کو اسی حالت پر موت آتی ہے جس پر وہ اپنی زندگی گزارتا ہے اور جس حالت پر انسان کو موت آتی ہے وہ اسی حالت پر اٹھایا جائے گا۔

ایک سبزی فروش کی موت:

ایک سبزی فروش کے بارے میں منقول ہے کہ موت کے وقت اسے کلمۂ شہادت کی تلقین کی گئی تو وہ کہنے لگا: پانچ، چھ، چار۔ موت کے وقت بھی وہ اس حساب کتاب میں مشغول تھا جس میں اس کی ساری زندگی گزری تھی۔

اَسلاف میں سے ایک عارف بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: عرش نور سے جگمگاتا ایک جوہر ہے، بندہ جس حال میں بھی ہو اس کی وہ حالت اسی صورت میں عرش پر نقش ہو جاتی ہے۔ جب انسان پر موت کی سختیاں طاری ہوتی ہیں تو عرش پر اس کی وہ صورت ظاہر ہوتی ہے اور بعض اوقات وہ اپنے آپ کو گناہ کی صورت میں دیکھتا ہے۔ یونہی قیامت کے دن بھی اس کے سامنے اس کی مختلف صورتیں ظاہر ہوں گی اور یہ اپنی مختلف

حالتوں کو دیکھے گا جس کے سبب اس پر اس قدر خوف اور حیا طاری ہو گی جس کو بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔

ان بُزرگ نے جو کچھ بیان فرمایا وہ بالکل صحیح ہے اور سچے خواب کا سبب بھی تقریباً یہی ہے کیونکہ سونے والا لوحِ محفوظ کو پڑھ کر مستقبل میں ہونے والے معاملے کو جان لیتا ہے اور یہ نبوت کے ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا ہے۔ بہر حال بُرے خاتمے کے اسباب کا تعلّق دل کے احوال اور ذہنی خیالات سے ہے، دلوں کو پھیرنے والی ذات اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ہے اور وہ اتفاقات جو بُرے خاتمے کا تقاضہ کرتے ہیں اگرچہ طویل اُنس والفت کو ان میں تاثیر حاصل ہے لیکن یہ مکمل طور پر انسان کے اختیار میں نہیں ہیں یہی وجہ ہے کہ عارفین بُرے خاتمے سے بہت زیادہ خوف زدہ رہا کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ وہ خواب میں صرف نیک لوگوں کے احوال، نیکیوں اور عبادات کے معاملات کو دیکھے تو ایسا ہونا مشکل ہے اگرچہ کثرت کے ساتھ نیک اعمال کی بجاآوری اور ان پر استقامت کو اس میں دخل حاصل ہے لیکن خیالات کی حرکت مکمل طور پر انسان کے قابو میں نہیں ہوتی اگرچہ اکثر وبیشتر یہی ہوتا ہے کہ بیداری کی حالت میں انسان پر جو کیفیت غالب ہوتی ہے اسے خواب میں بھی اسی قسم کے مناظر نظر آتے ہیں۔

حکایت: پیر کا ادب

میں نے حضرت سیِّدُنا شیخ ابو علی فارمذی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی سے سنا جو مجھ سے بیان کر رہے تھے کہ مرید پر اچھے انداز میں شیخ طریقت کا ادب کرنا لازم ہے اور ان آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شیخ کی کسی بات پر نہ تو دل میں انکار ہو اور نہ زبان سے بحث کرے۔ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں نے اپنے شیخ حضرت سیِّدُنا ابو القاسم کُرکانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی سے اپنا خواب بیان کرتے ہوئے عرض کی: میں نے خواب دیکھا کہ آپ نے مجھ سے ایک بات ارشاد فرمائی تو میں نے پوچھا: ایسا کیوں؟ حضرت سیِّدُنا شیخ ابو علی فارمذی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی فرماتے ہیں: یہ سن کر حضرت سیِّدُنا ابو القاسم کُرکانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی نے ارشاد فرمایا: اگر تمہارے دل میں کیوں کہنے کی جرأت اور میری بات کا انکار نہ ہوتا تو پھر خواب کے عالَم میں بھی یہ بات تمہاری زبان پر جاری نہ ہوتی۔ اس کے بعد آپ نے ایک مہینے کے لئے مجھے چھوڑ دیا اور مجھ سے کلام نہ فرمایا۔

واقعی ایسا ہی ہے کیونکہ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ انسان بیداری کے عالَم میں دل پر غالب رہنے والے

خیالات کے علاوہ خواب میں کچھ اور دیکھے۔ بُرے خاتمے کے اسباب میں سے ہم اسی قدر بیان کر سکتے ہیں جبکہ اس کے علاوہ دیگر باتیں عِلْمِ مُکاشَفہ میں داخل ہیں اور ان کا یہاں بیان کرنا مناسب نہیں ہے۔

ہم نے جو کچھ بیان کیا اس سے آپ پر یہ بات ظاہر ہو چکی ہو گی کہ بُرے خاتمے سے بے خوف رہنے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ آپ تمام اشیاء کی حقیقت سے واقف ہو کر انہیں اسی طرح دیکھیں اور کسی بھی گناہ کا ارتکاب کئے بغیر ساری زندگی **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی عبادت میں گزار دیں۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ایسا کرنا ناممکن یا بہت مشکل ہے تو پھر لازم ہے کہ آپ پر خوف کی کیفیت غالب رہے جیسا کہ عارفین پر غالب رہتی اور اس کے سبب ہمیشہ اشکبار اور غم زدہ وافسردہ رہتے اور یہ کیفیت ایسی ہوتی جیسی انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام، اولیائے عِظام اور سلف صالحین رَحِمَہُمُ اللہُ الْمُبِیْن کی ہوتی تھی جس کا بیان ہم عنقریب کریں گے تاکہ ان کا مطالعہ کر کے تمہارے دل میں خوف کی آگ شعلہ زن ہو جائے۔

ہم نے یہاں تک جس قدر گفتگو کی ہے اس سے آپ نے جان لیا ہو گا کہ انسان کی آخری سانس جس میں روح نکلتی ہے اگر اس وقت انسان ایمان پر قائم نہ ہو تو اس کے عمر بھر کے اعمال برباد ہو جاتے ہیں اور قلبی خیالات کی موجوں کے اضطراب کی موجودگی میں اسے سلامتی کا حُصول انتہائی مشکل ہے۔ اسی لئے حضرت سَیِّدُنا مُطَرِّف بن عبد **اللہ** رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرمایا کرتے: مجھے ہلاک ہونے والے پر تعجب نہیں ہوتا کہ وہ کیسے ہلاک ہو گیا بلکہ مجھے نجات پانے والے پر تعجب ہوتا ہے کہ اس نے کس طرح نجات پالی؟

حضرت سَیِّدُنا حامد لَفّاف عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَفَّار فرماتے ہیں: جب فرشتے کسی ایسے مومن بندے کی روح کو لے کر جاتے ہیں جس کی موت خیر وعافیت کے ساتھ اسلام پر ہوئی ہو تو دیگر فرشتے اس پر تعجب کرتے ہوئے کہتے ہیں: جس دنیا میں ہمارے بہترین افراد ہلاک و آزمائش میں مبتلا ہو گئے اس نے اس میں سے کیسے نجات حاصل کر لی؟

حضرت سَیِّدُنا سُفیان ثَوری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی ایک دن رو رہے تھے۔ جب رونے کا سبب دریافت کیا گیا تو ارشاد فرمایا: پہلے ہم ایک مدت تک گناہوں پر روتے رہے لیکن اب ہم اسلام پر خاتمے کے لئے روتے ہیں۔

بہر حال جس شخص کی کشتی دریا کے بیچ بھنور میں پھنس جائے، طوفانی ہوائیں اس پر ہجوم کر لیں اور ہر

طرف سے دریا کی موجیں حملہ آور ہو جائیں تو اس کی ہلاکت کے امکانات بچنے کے امکانات سے زیادہ ہوتے ہیں۔ مومن کا دل کشتی سے زیادہ مضطرب ہوتا ہے جبکہ قلبی خیالات کی موجیں سمندری موجوں سے زیادہ ٹکرانے والی ہیں اور موت کے وقت اصل خطرہ اور خوف صرف دل میں آنے والے بُرے خیالات سے ہے۔ یہی وہ دلی خیال ہے جس کے متعلق سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ارشاد فرماتے ہیں: "ایک شخص 50 سال تک جنتیوں جیسے اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف اونٹنی کے دودھ دوہنے کے درمیانی وقفے جتنا فاصلہ رہ جاتا ہے لیکن پھر اس کا انجام تقدیر کے لکھے کے مطابق ہوتا ہے۔"[1]

اونٹنی کے دودھ دوہنے کے درمیانی وقفے میں انسان کوئی ایسا عمل نہیں کر سکتا جو بدبختی کا سبب بنے بلکہ یہ قلبی خیالات ہیں جو چمکنے والی بجلی کی طرح انسان کے دل میں ظاہر ہوتے ہیں۔

300 انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کا بُرے خاتمے سے خوف:

حضرت سَیِّدُنا سَہل بن عبد اللہ تُسْتَرِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی فرماتے ہیں: خواب میں خود کو میں نے جنت میں پایا جہاں میں نے 300 انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے ملاقات کی اور ان سب سے یہ سوال کیا کہ آپ حضرات دنیا میں سب سے زیادہ کس چیز سے خوف زدہ تھے؟ انہوں نے جواب دیا: بُرے خاتمے سے۔

شہادت کے قابلِ رشک ہونے کا سبب:

بُرے خاتمے کے عظیم خطرے کے سبب ہی شہادت کی موت قابلِ رشک ہے جبکہ اچانک آنے والی موت ناپسندیدہ ہے۔ اچانک آنے والی موت کے ناپسند ہونے کا سبب یہ ہے کہ انسان کے دل میں مختلف قسم کے بُرے خیالات آتے رہتے ہیں اور انہیں کوشش کر کے یا پھر مَعرفت کے نور کے ذریعے ہی دور کیا جا سکتا ہے، اچانک آنے والی موت میں اس بات کا اندیشہ ہے کہ اس وقت دل میں بُرے خیالات موجود ہوں، دل پر ان کا غلبہ ہو اور اسی حالت میں موت آجائے۔ شہادت کی موت اس لئے قابلِ رشک ہے کہ اس میں بندے کی روح ایسی حالت میں نکلتی ہے کہ اس کے دل میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے علاوہ کسی کی محبت نہیں ہوتی اور

---

[1] ...بخاری، کتاب التوحید، باب ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین، ۴/ ۵۶۰، حدیث: ۷۴۵۴
الابانۃ لابن بطۃ، باب ما روی فی الایمان بالقدر... الخ، ۴/ ۲۰۸، حدیث: ۱۷۵۷

اس کا دل دنیا، اہل و عیال، مال و دولت اور تمام شہوات کی محبت سے خالی ہوتا ہے جس کا سبب یہ ہے کہ کوئی شخص میدانِ جہاد میں جا کر اپنے آپ کو موت پر اسی لئے پیش کرتا ہے کیونکہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے محبت کرتا ہے، اس کی رضا چاہتا ہے، اپنی دنیا کو آخرت کے بدلے بیچتا ہے اور اس سودے پر راضی ہوتا ہے جو اس نے اللہ عَزَّوَجَلَّ سے کیا ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (پ۱۱، التوبة: ۱۱۱)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کے مال اور جان خرید لئے ہیں اس بدلے پر کہ ان کے لئے جنت ہے۔

جان و مال کو جنت کے عوض بیچنے والا لازمی طور پر اس سے بے رغبت ہوتا ہے، اس کی محبت کو اپنے دل سے نکالتا ہے اور اپنے دل کو اس کے بدلے میں ملنے والی جنت کی محبت کے لئے خالی کرتا ہے۔ اس قسم کی کیفیت بعض اوقات انسان کے دل پر غالب آجاتی ہے لیکن اسی حالت میں موت آنے کا اتفاق بہت کم ہوتا ہے۔ جہاد میں شرکت کرنا اسی حالت میں موت آنے کا سبب بنتا ہے اسی لئے شہادت کی موت قابلِ رشک ہے۔

مذکورہ کلام اس شخص کے بارے میں ہے جس کا جہاد میں شرکت سے مقصود اقتدار یا مالِ غنیمت کا حصول اور اپنی بہادری کی تعریف کروانا نہ ہو کیونکہ جو شخص ان مذموم مقاصد کے لئے جہاد میں شریک ہو وہ اگرچہ جہاد کے دوران اپنی جان دے دے لیکن بیان کردہ فضائل کا حقدار نہیں ہو سکتا[1] جیسا کہ احادیثِ مبارکہ میں اس بات کی خبر دی گئی ہے۔

اب جبکہ آپ کے سامنے بُرے خاتمے کا مفہوم واضح ہو چکا ہے اور آپ نے اس بات کو بھی جان لیا ہے کہ اس میں کس بات کا خوف ہے تو اس سے بچنے کی تیاری میں مشغول ہو جانا چاہئے۔ اس کے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر کی پابندی کیجئے، اپنے دل سے دنیا کی محبت کو نکال دیجئے، گناہوں کے ارتکاب سے اپنے اعضاء کی جبکہ ان کے بارے میں سوچنے سے اپنے دل کی حفاظت کیجئے جہاں تک ممکن ہو گناہوں اور گناہ کرنے والوں کو دیکھنے سے بھی بچئے کیونکہ انہیں دیکھنا بھی دل پر اثر کرتا ہے اور انسان کے دل کو ان کی طرف پھیر کر اللہ عَزَّوَجَلَّ سے غافل کر دیتا ہے۔ آخرت کی تیاری کے مُعاملے میں ٹال مٹول سے بچئے اور یہ نہ کہئے کہ جب موت

---

1 ...سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی الریا، ۴/ ۱۶۹، حدیث: ۲۳۸۹

قریب آئے گی تو میں اس کی تیاری کرلوں گا کیونکہ انسان کا ہر سانس ایک طرح سے اس کا آخری سانس ہے کہ اس میں اس کی روح قبض ہو سکتی ہے۔

مذکورہ اُمور تو بیداری سے متعلق تھے، جب سونے کا وقت آئے تو ظاہری اور باطنی طہارت حاصل کر کے سوئیے تاکہ آپ کو ایسی حالت میں نیند آئے کہ دل پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر غالب ہو، اس ذکر سے صرف زبانی ذکر مراد نہیں ہے کیونکہ محض زبان کی حرکت کا اثر کمزور ہوتا ہے۔

اس بات کو اچھی طرح جان لیجئے کہ نیند کی حالت میں انسان کے دل پر وہی کیفیت غالب ہوتی ہے جو نیند سے پہلے غالب تھی جبکہ نیند سے بیداری کے وقت وہ کیفیت غالب ہوتی ہے جو نیند کے دوران غالب تھی۔ موت اور قیامت کے دن اٹھایا جانا نیند اور بیداری کے مشابہ ہے۔ جس طرح بندہ اسی حالت پر سوتا ہے جو اس پر بیداری میں غالب ہوتی ہے اور اسی کیفیت پر بیدار ہوتا ہے جو اس پر نیند کے دوران غالب ہوتی ہے یونہی انسان کی موت اسی حالت پر آتی ہے جس پر اس نے زندگی گزاری ہو اور وہ روزِ قیامت اسی حال میں اٹھایا جائے گا جس پر اس کی موت واقع ہوئی ہو۔

اس بات کو یقینی جان لیجئے کہ جس طرح نیند اور بیداری دو حالتیں ہیں یونہی موت اور روزِ قیامت اٹھایا جانا بھی دو حالتیں ہیں۔ اگر آپ یقین کی نظر اور بصیرت کے نور سے اس بات کا مشاہدہ کرنے کے اہل نہیں ہیں تو پھر دل سے اس بات کی تصدیق کرتے ہوئے اس پر ایمان لائیے، اپنے ایک ایک سانس اور لمحے کی نگہداشت کرتے رہئے کہ یہ فارغ نہ گزریں اور پلک جھپکنے کی مقدار بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی یاد سے غافل نہ رہئے۔ ہم نے جس قدر ہدایات کی ہیں اگر آپ ان سب پر عمل کریں تو پھر بھی بہت بڑے خطرے سے دوچار رہیں تو ان پر عمل نہ کرنے کی صورت میں کیا حال ہو گا؟ علمائے کرام رَحِمَهُمُ اللهُ السَّلَام کے علاوہ دیگر تمام لوگ ہلاک ہونے والے ہیں اور علما میں باعمل علمائے کرام رَحِمَهُمُ اللهُ السَّلَام کے سوا سب ہلاک ہوں گے اور باعمل علما میں مخلصین کے سوا سب ہلاکت میں مبتلا ہوں گے جبکہ مخلصین بھی بہت بڑے خطرے سے دوچار ہیں۔

انسان کی تین بنیادی ضروریات:

اس بات کو اچھی طرح جان لیجئے کہ ہماری مذکورہ باتوں پر عمل اور موت کی تیاری کی سعادت اسی

صورت میں حاصل ہو سکتی ہے کہ آپ دنیا میں صرف بقدرِ ضرورت مقدار پر قناعت کریں۔ انسان کی اصل ضرورت صرف غذا، لباس اور رہائش ہے، اس کے علاوہ دیگر سب چیزیں ضرورت سے زائد ہیں۔

غذا:

غذا کی اتنی مقدار ضروری ہے جو پیٹھ کو سیدھا رکھے اور سانس باقی رکھے اس لئے آپ غذا کو اس طرح استعمال کیجئے جیسے کوئی شخص ناپسندیدگی کے باوجود مجبور ہو کر کسی چیز کو لیتا ہے اور کھانے میں آپ کی رغبت قضائے حاجت میں رغبت سے زیادہ نہیں ہونی چاہئے کیونکہ کھانے کو پیٹ میں داخل کرنے اور پیٹ سے نکالنے میں کوئی فرق نہیں ہے کہ یہ دونوں ہی انسان کی فطری ضروریات ہیں۔ جس طرح قضائے حاجت انسان کا مقصد نہیں ہوتا کہ اس کا دل اس میں لگا رہے یونہی کھانے کا حصول بھی اس کا مقصد نہیں ہونا چاہئے۔ یہ یاد رکھئے کہ اگر آپ کی توجہ اس چیز کی طرف ہو جو پیٹ میں داخل ہوتی ہے تو پھر آپ کی قیمت وہ چیز ہوگی جو پیٹ سے خارج ہوتی ہے۔

قضائے حاجت کی طرح اگر کھانے سے بھی بندے کا مقصود اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت پر طاقت کا حصول ہو تو اس کی علامت کھانے کے تین معاملات میں ظاہر ہوتی ہے: (۱)... کھانے کے وقت (۲)... اس کی مقدار اور (۳)... اس کی جنس میں۔

(1)... کھانے کے وقت کے سلسلے میں کم از کم درجہ یہ ہے کہ دن رات میں ایک مرتبہ کھانے پر اکتفا کیا جائے اور مسلسل روزے رکھے جائیں۔

(2)... کھانے کی مقدار یہ ہے کہ پیٹ کے تہائی حصے سے زیادہ نہ کھایا جائے۔

(3)... کھانے کی جنس کے مُعاملے میں علامت یہ ہے کہ لذیذ غذاؤں کی طلب نہ کرے بلکہ جو مل جائے اس پر قناعت کرے۔ اگر کوئی شخص ان تین باتوں پر قادر ہو جائے اور لذیذ شہوتوں کے حُصول کا بوجھ اس سے ساقط ہو جائے تو وہ شبہات سے بچنے پر قادر ہو جائے گا اور اس کے لئے یہ ممکن ہو گا کہ وہ صرف حلال غِذا کھائے کیونکہ حلال غذا کم ملتی ہے اور اگر ملے بھی تو شہوات ولذات کو پورا نہیں کرتی۔

لباس:

لباس کا مقصود صرف سردی گرمی سے حفاظت اور ستر پوشی ہے۔ جو بھی چیز انسان کے سر کو سردی سے محفوظ رکھے اگرچہ معمولی ٹوپی ہی کیوں نہ ہو، اس کے ہوتے ہوئے مزید کی طلب کرنا فضول میں پڑنا ہے جس کے سبب انسان کا وقت ضائع ہو گا اور وہ دائمی مشغولیت اور مشقت کا شکار رہے گا، کبھی مال کما کر اسے حاصل کرنے میں اور کبھی لوگوں کے پاس موجود چیزوں کی لالچ میں چاہے وہ چیزیں حرام یا مشتبہ ہی کیوں نہ ہوں۔ جن چیزوں کے ذریعے بدن سے سردی اور گرمی کو دور کیا جاتا ہے انہیں بھی اس پر قیاس کر لیجئے۔ ہر وہ چیز جس سے لباس کا مقصود حاصل ہو جائے اگر بندہ اس کی معمولی مقدار اور ادنیٰ جنس پر اکتفا نہ کرے تو وہ ان لوگوں میں شمار ہو گا جن کا پیٹ صرف قبر کی مٹی ہی بھر سکتی ہے۔

رہائش:

رہائش کا معاملہ بھی یہی ہے کہ اگر انسان صرف مقصود پر اکتفا کرے تو چھت کے طور پر آسمان اور بچھونے کے طور پر زمین کافی ہے اور اگر سردی یا گرمی کا غلبہ ہو تو مساجد میں گزارہ کیا جا سکتا ہے۔ انسان اگر کسی مخصوص رہائش گاہ کا طالب ہو تو پھر وہ ایک لمبے چکر میں پڑ جاتا ہے اور اسی میں اس کی عمر کا اکثر حصہ صرف ہو جاتا ہے اور انسان کی عمر ہی اس کی اصل پونجی ہے۔ پھر اگر کسی کو مکان بنانے کا موقع مل جائے اور وہ دیوار اور چھت بنانے میں اتنی مقدار پر اکتفا نہ کرے جو لوگوں کی نگاہوں سے چھپائے اور بارش سے بچائے بلکہ دیواروں کو بلند کرنے اور چھت کی تزئین و آرائش میں مشغول ہو جائے تو وہ ایسے گڑھے میں گر چکا ہے جس سے نکلنا بہت مشکل ہے۔

انسان کی تمام ضروریات کا یہی عالَم ہے کہ اگر وہ صرف بقدرِ ضرورت مقدار پر اکتفا کرے تو اسے عبادت کے لئے فراغت حاصل ہو گی، آخرت کے لئے زادِ راہ کے حُصول میں کامیاب ہو گا اور اچھے خاتمے کی تیاری بھی ہو جائے گی لیکن اگر مقدارِ ضرورت سے تجاوز کر کے خواہشات کی وادیوں میں داخل ہو گا تو اس کی فکروں میں اضافہ ہو جائے گا اور اللہ عَزَّوَجَلَّ اس بات کی پروا نہ فرمائے گا کہ اسے کون سی وادی میں ہلاک کیا۔

اے میرے بھائی! اس نصیحت کو اس شخص کی طرف سے قبول کیجئے جو آپ سے زیادہ نصیحت کا حق دار ہے اور اس بات کو اچھی طرح جان لیجئے کہ اسی مختصر سی زندگی میں ہی احتیاط و تدبیر کو اختیار کرنا اور زادِ راہ

جمع کرنا ہے۔ اگر آپ نے ٹال مٹول، بہلاووں اور غفلت میں اپنی زندگی گزار دی تو پھر کسی دن اچانک موت کا شکار ہو جائیں گے اور پھر ہمیشہ کی حسرت و ندامت آپ کا مقدر بن جائے گی۔

گزشتہ صفحات پر ہم نے بُرے خاتمے کے حوالے سے جن اُمور کا بیان کیا ہے اگر یہ آپ کو ڈرانے کے لئے کافی نہیں ہیں اور خوف کی کمزوری کے سبب آپ ہماری بیان کردہ باتوں کو اختیار کرنے پر قادر نہیں ہیں تو ہم عنقریب آپ کے سامنے خائفین کے احوال بیان کریں گے جن کے بارے میں ہمیں امید ہے کہ ان کے سبب دل کی سختی کافی حد تک دور ہو جائے گی۔ یہ بات آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ انبیائے کرام عَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام اور اولیا وعلمائے کرام رَحِمَہُمُ اللّٰہُ السَّلَام کی عقل، ان کا علم اور **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک ان کا مقام ہرگز آپ کی عقل، علم اور مقام سے کم نہیں ہے اس کے باوُجود ان حضرات پر خوف کا غلبہ ہوتا تھا، ان کا غم اور رونا دھونا طویل ہوتا تھا یہاں تک کہ ان میں سے بعض حضرات کی چیخیں نکل جاتیں، بعض کے ہوش اڑ جاتے، بعض بے ہوش ہو کر گر پڑتے اور بعض حضرات کی روح پرواز کر جاتی۔ اگر ان نُفوسِ قُدسیہ کے حالات پڑھنے کے بعد بھی آپ کے دل پر اثر نہ ہو تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کیونکہ غافل لوگوں کے دل پتھر کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہوتے ہیں۔ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا یَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا یَشَّقَّقُ فَیَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا یَهْبِطُ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ (پ۱، البقرۃ: ۷۴)

ترجمۂ کنز الایمان: اور پتھروں میں تو کچھ وہ ہیں جن سے ندیاں بہہ نکلتی ہیں اور کچھ وہ ہیں جو پھٹ جاتے ہیں تو ان سے پانی نکلتا ہے اور کچھ وہ ہیں کہ **اللہ** کے ڈر سے گر پڑتے ہیں اور **اللہ** تمہارے کوتکوں (برے کاموں) سے بے خبر نہیں۔

آٹھویں فصل: انبیائے کِرام اور ملائکہ عِظام عَلَیْہِمُ السَّلَام کا خوفِ خدا

اُمُّ المؤمنین حضرت سَیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کا بیان ہے کہ جب ہوا بدلتی اور تیز آندھی چلتی تو پیارے مصطفٰے صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے چہرۂ انور کا رنگ متغیر ہو جاتا۔ آپ کھڑے ہو جاتے اور حجرۂ مقدسہ میں چکر لگاتے، کبھی اندر تشریف لاتے اور کبھی باہر جاتے اور یہ کیفیت **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے عذاب

کے خوف سے ہوتی تھی۔[1]

میٹھے میٹھے آقا، مکی مدنی مصطفٰے صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ایک مرتبہ سورۂ حاقہ کی ایک آیت تلاوت فرمائی تو بے ہوش ہو گئے۔[2]

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا (پ۹، الاعراف: ۱۴۳) ترجمۂ کنزالایمان: اور موسیٰ گرا بے ہوش۔

سرکارِ نامدار، مدینے کے تاجدار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اَبْطَح کے مقام پر حضرت سیِّدُنا جبرائیل عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی صورت دیکھی تو بے ہوش ہو گئے۔[3]

ایک روایت میں ہے کہ رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم جب نماز شروع فرماتے تو سینۂ انور سے اس طرح کی آواز آتی جیسی ہنڈیا کے ابلنے کی آواز آتی ہے۔[4]

سیِّدُنا جبرائیل عَلَیْہِ السَّلَام کا خوف:

سیِّدِ عالَم، نورِ مُجَسَّم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: مَا جَاءَنِیْ جِبْرِیْلُ قَطُّ اِلَّا وَھُوَ یَرْعَدُ فَرَقًا مِّنَ الْجَبَّارِ یعنی جبریل عَلَیْہِ السَّلَام جب بھی میرے پاس آتے وہ جبار عَزَّوَجَلَّ کے خوف سے کانپ رہے ہوتے۔[5]

منقول ہے کہ جب ابلیس نے حضرت سیِّدُنا آدم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور مردود ہوا تو حضرت سیِّدُنا جبریل اور حضرت سیِّدُنا میکائیل عَلَیْہِمَا السَّلَام رونے لگے۔ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ نے دریافت فرمایا: "تم دونوں کو کیا ہوا کہ روتے ہو؟" عرض کی: اے ہمارے رب! ہم تیری خفیہ تدبیر سے بے خوف

---

1 ...مسلم، کتاب صلوۃ الاستسقاء، باب التعوذ عند رؤیۃ الریح والغیم والفرح بالمطر، ص ۴۴۶، حدیث: ۸۹۹

بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی قولہ: وھو الذی ارسل الرّیاح بشرا بین یدی رحمتہ، ۲/ ۳۷۹، حدیث: ۳۲۰۶

2 ...قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون، شرح مقامات الیقین، ۱/ ۳۹۶

3 ...مسند البزار، مسند ابن عباس، ۱۱/ ۳۶، حدیث: ۴۷۱۸

4 ...سنن ابی داود، کتاب الصلوۃ، باب البکاء فی الصلوۃ، ۱/ ۳۴۲، حدیث: ۹۰۴

سنن النسائی، کتاب السھو، باب البکاء فی الصلوۃ، ۱/ ۲۰۸، حدیث: ۱۲۱۱

5 ...العظمۃ لابی شیخ، ذکر الملائکۃ الموکلین فی السموات والارضین، ص ۱۳۱، حدیث: ۳۶۵

نہیں ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہوا: ”اسی طرح رہنا، میری خفیہ تدبیر سے بے خوف مت ہونا۔“

حضرت سیِّدُنا محمد بن مُنْکَدِر رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے مروی ہے: جب دوزخ کو بنایا گیا تو فرشتوں کے دل ان کے سینوں سے باہر آ گئے، پھر جب انسان کو پیدا کیا گیا تو وہ اپنی جگہ واپس آ ئے۔

کبھی ہنستے نہیں دیکھا:

حضرت سیِّدُنا انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے کہ رسولِ اَکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت سیِّدُنا جبرائیل عَلَیْہِ السَّلَام سے استفسار فرمایا: کیا بات ہے کہ میں نے میکائیل عَلَیْہِ السَّلَام کو کبھی ہنستے نہیں دیکھا؟ انہوں نے عرض کی: جب سے دوزخ کو پیدا کیا گیا ہے میکائیل عَلَیْہِ السَّلَام کبھی نہیں ہنسے۔[1]

منقول ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے کچھ فِرِشتے ایسے ہیں کہ جب سے دوزخ کو پیدا کیا گیا ہے ان میں سے کوئی بھی اس ڈر سے نہیں ہنسا کہ کہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ ان سے ناراض ہو کر انہیں عذابِ جہنم میں مبتلا نہ فرما دے۔

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عُمَر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں: میں حضور سیِّدِ عالَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ہمراہ باہر نکلا اور ہم انصار کے ایک باغ میں داخل ہوئے۔ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کھجوریں چن کر کھانے لگے اور مجھ سے ارشاد فرمایا: اے ابنِ عُمَر! تم کیوں نہیں کھا رہے؟ میں نے عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! مجھے خواہش نہیں ہے۔ ارشاد فرمایا: لیکن مجھے خواہش ہے اور یہ چوتھی صبح ہے کہ میں نے کوئی کھانا پایا نہ اسے چکھا ہے اور اگر میں اپنے ربّ سے سوال کروں تو وہ ضرور مجھے قیصر و کسریٰ کی حکومت عطا فرما دے۔ اے ابنِ عمر! اس وقت تمہارا کیا حال ہو گا جب تم ایسے لوگوں کے درمیان ہو گے جو ایک سال کا رزق جمع کریں گے اور ان کے دلوں میں یقین کمزور ہو جائے گا؟ حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عُمَر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! ہم اپنی جگہ موجود تھے کہ یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی:

وَ كَاَیِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۗۖ اَللّٰهُ یَرْزُقُهَا وَ اِیَّاكُمْ ۖ٘ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝۶۰

(پ۲۱، العنکبوت: ۶۰)

ترجمۂ کنز الایمان: اور زمین پر کتنے ہی چلنے والے ہیں کہ اپنی روزی ساتھ نہیں رکھتے اللہ روزی دیتا ہے انہیں اور تمہیں اور وہی سنتا جانتا ہے۔

---

1 ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند انس بن مالک، ۴/ ۴۴۷، حدیث: ۱۳۳۴۲

اس پر رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ نے تمہیں نہ تو مال جمع کرنے کا حکم فرمایا ہے اور نہ خواہشات کی پیروی کا تو جو شخص دینار جمع کرے اور ان کے ذریعے ہمیشہ کی زندگی چاہے اسے جان لینا چاہئے کہ زندگی تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے دستِ قدرت میں ہے۔ جان لو کہ میں نہ تو درہم و دینار جمع کرتا ہوں اور نہ ہی اگلے دن کا رزق ذخیرہ کرتا ہوں۔[1]

سینے کی دھڑکن ایک میل تک سنی جاتی:

حضرت سیِّدُنا ابو درداء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: حضرت سیِّدُنا ابراہیم خَلِیْلُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو خوفِ خدا کے سبب آپ کے سینے سے آنے والی آواز ایک میل تک سنی جاتی تھی۔

سیِّدُنا داؤد عَلَیْہِ السَّلَام کی گریہ وزاری:

حضرت سیِّدُنا مجاہد عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَاحِد فرماتے ہیں: حضرت سیِّدُنا داؤد عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام مسلسل 40 دن تک سجدے کی حالت میں روتے رہے اور سر نہ اٹھایا یہاں تک کہ آپ کے آنسوؤں سے گھاس اگ آئی جس نے آپ کے سر کو ڈھانپ لیا۔ غیب سے ندا آئی: اے داؤد! کیا آپ بھوکے ہیں کہ آپ کو کھانا کھلایا جائے، پیاسے ہیں کہ پانی پلایا جائے یا بے لباس ہیں کہ لباس پہنایا جائے؟ یہ سن کر آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے ایسی چیخ ماری کہ آپ کے خوف کی گرمی سے لکڑی خشک ہو کر جل گئی۔ پھر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ کو توبہ کی قبولیت اور مغفرت کا پروانہ عطا فرمایا تو آپ نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کی: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! میری اجتہادی خطا کو میری ہتھیلی میں ظاہر فرما دے۔ چنانچہ آپ کی خطائے اجتہادی آپ کی ہتھیلی میں تحریر کر دی گئی اور آپ جب بھی کھانے یا پینے کے لئے اپنی ہتھیلی کھولتے تو اس میں یہ تحریر دیکھ کر رونے لگتے۔

حضرت سیِّدُنا مجاہد عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَاحِد مزید فرماتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا داؤد عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی خدمت میں برتن حاضر کیا جاتا جس میں دو تہائی پانی ہوتا۔ جب آپ اسے پکڑتے اور ہتھیلی پر لکھی خطا کو ملاحظہ کرتے تو اس قدر گریہ فرماتے کہ برتن کو ہونٹوں تک لے جانے سے پہلے وہ آنسوؤں سے لبریز ہو جاتا۔

---

[1]...اخلاق النبی و ادابہ، ذکر محبتہ للیتامی فی جمیع افعالہ، ص۱۵۹، حدیث: ۸۳۱

آسمان کی طرف سر نہ اٹھایا:

منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا داوٗد عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے (اپنی لغزش کے بعد) وصالِ ظاہری تک اللہ عَزَّوَجَلَّ سے حیا کے سبب کبھی آسمان کی طرف سر نہیں اٹھایا۔

آپ عَلَیْہِ السَّلَام اپنی مناجات میں یہ عرض کیا کرتے: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! جب میں اپنی خطا کو یاد کرتا ہوں تو زمین اپنی وُسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہو جاتی ہے اور جب تیری رحمت کو یاد کرتا ہوں تو میری جان میں جان آتی ہے۔ اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! تو پاک ہے، میں تیرے بندوں میں سے طبیبوں کے پاس گیا تاکہ وہ میری خطا کا علاج کریں تو سب نے تیری ہی طرف میری راہنمائی کی ہے تو تیری رحمت سے مایوس ہونے والوں کے لئے ہلاکت ہے۔

حضرت سیِّدُنا فُضَیل بن عِیاض رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت سیِّدُنا داوٗد عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو ایک دن اپنی لغزش یاد آئی تو آپ اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر چیختے ہوئے اٹھے اور پہاڑوں کی طرف تشریف لے گئے۔ درندے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا: واپس چلے جاؤ مجھے تمہاری ضرورت نہیں، میرے پاس صرف وہ آئے جو اپنی خطاؤں پر رونے والا ہو اور میرے پاس روتا ہوا ہی آئے اور جو خطاکار نہ ہو تو اس کا مجھ خطاکار سے کیا کام ہے۔

جب آپ عَلَیْہِ السَّلَام کی خدمت میں کثرت سے روتے رہنے کے بارے میں عرض کیا جاتا تو آپ ارشاد فرماتے: مجھے رونے دو اس سے پہلے کہ رونے کا دن گزر جائے، ہڈیاں جلنے لگیں اور آنتیں بھڑک اٹھیں، اس سے پہلے کہ میرے بارے میں ان سخت فرشتوں کو حکم دیا جائے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور انہیں جو حکم ہو وہی کرتے ہیں۔

حضرت سیِّدُنا عبد العزیز بن عمر عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْعَزِیْز فرماتے ہیں کہ جب حضرت سیِّدُنا داوٗد عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے خطائے اجتہادی واقع ہوئی تو آپ کی آواز بیٹھ گئی۔ آپ نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کی: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! صِدِّیْقِیْن کی آواز صاف ہے اور میرا گلا بیٹھ گیا ہے۔

اِطاعت کی اُنْسِیَّت اور لغزش کی وحشت:

منقول ہے کہ جب آپ عَلَیْہِ السَّلَام کے طویل عرصے تک رونے کے باوجود اس کا اثر ظاہر نہ ہوا تو آپ کا دل

تنگ ہونے لگا، غم میں مزید اضافہ ہو گیا اور آپ نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں عرض کی: اے میرے رب! کیا تجھے میرے رونے پر رَحم نہیں آتا؟ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ کی طرف وحی فرمائی: اے داوٗد! آپ کو اپنا رونا تو یاد ہے لیکن آپ اپنی لغزش کو بھول گئے۔ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے عرض کیا: اے میرے مالک و مولیٰ! میں اپنی لغزش کو کیسے بھول سکتا ہوں، جب میں زَبور کی تلاوت کیا کرتا تھا تو بہنے والا پانی ٹھہر جاتا تھا، چلنے والی ہوا ساکن ہو جاتی تھی، پرندے میرے سر پر سایہ کرتے تھے اور وحشی جانور میرے محراب میں جمع ہو جایا کرتے تھے۔ اے میرے مالک و مولیٰ! یہ کیسی وحشت ہے جو میرے اور تیرے درمیان حائل ہو گئی ہے؟ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ کی طرف وحی فرمائی: اے داوٗد! وہ اطاعت کی اُنسیت تھی اور یہ لغزش کی وحشت ہے۔ اے داوٗد! آدم میری مخلوق میں سے ہیں، میں نے انہیں اپنے دستِ قدرت سے بنایا، اپنی خاص روح ان میں پھونکی، اپنے فرشتوں سے انہیں سجدہ کرایا، انہیں عزت کا لباس پہنایا اور ان کے سر پر عزت کا تاج سجایا۔ جب انہوں نے مجھ سے تنہائی کی شکایت کی تو میں نے اپنی باندی حوا سے ان کا نکاح کر دیا اور انہیں اپنی جنت میں ٹھہرایا۔ پھر جب ان سے میرے حکم کی تعمیل میں خطا واقع ہوئی اور میں نے انہیں اپنے قُرب سے مَحْرُوم کر دیا اس حال میں کہ ان کے جسم پر لباس تک نہ تھا۔ اے داوٗد! میری بات کو غور سے سنو کہ میں صرف حق بات کہتا ہوں، اگر تم میری اطاعت کرو گے تو میں بھی تمہاری بات مانوں گا اور مجھ سے جو سوال کرو گے اسے پورا کروں گا اور اگر تم میری نافرمانی کرو گے تو میں تمہیں مہلت دوں گا پھر اگر تم میری بارگاہ میں رجوع کرو گے تو میں تمہاری توبہ قبول کر لوں گا۔

سیِّدُنا داوٗد عَلَیْہِ السَّلَام کی کیفیت:

حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن کثیر عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَدِیْر فرماتے ہیں: ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت سیِّدُنا داوٗد عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام جب رونے کا ارادہ فرماتے تو اس سے سات دن پہلے سے کھانے پینے اور ازواج سے قربت کو ترک فرما دیتے، پھر جب ایک دن رہ جاتا تو آپ عَلَیْہِ السَّلَام کے لئے صحرا میں منبر رکھا جاتا اور آپ حضرت سیِّدُنا سُلَیمان عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو حکم فرماتے کہ وہ ایسی آواز سے اعلان کریں جس سے شہر اور اس کے اطراف میں موجود تالاب، ٹیلے، پہاڑ، جنگلات اور یہود کی عبادت گاہیں گونج اٹھیں۔ حضرت سیِّدُنا سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام اس طرح اعلان فرماتے: جو کوئی حضرت سیِّدُنا داوٗد عَلَیْہِ السَّلَام کا رونا سننا چاہے وہ آ جائے۔

یہ اعلان سن کر صحراؤں اور ٹیلوں سے وحشی جانور، جنگلات سے درندے، پہاڑوں سے حَشَراتُ الاَرض، گھونسلوں سے پرندے اور پردہ نشین عورتیں اپنے گھروں سے نکل آتیں اور لوگ اس دن کے لئے جمع ہو جاتے۔ حضرت سیِّدُنا داؤد عَلَیْہِ السَّلَام تشریف لاکر منبر پر جلوہ افروز ہوتے، بنی اسرائیل آپ کے گرد جمع ہو جاتے اور دیگر جانور پرندے وغیرہ بھی آپ کے قریب حاضر ہو جاتے جبکہ حضرت سیِّدُنا سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام آپ کے سر کے پاس کھڑے ہو جاتے۔ حضرت سیِّدُنا داؤد عَلَیْہِ السَّلَام اللہ عَزَّوَجَلَّ کی حمد و ثناء سے آغاز فرماتے تو حاضرین میں رونا دھونا مچ جاتا، پھر جنت و دوزخ کا ذکر شروع کرتے تو حشرات الارض، وحشی جانوروں، درندوں اور انسانوں میں سے متعدد کی موت واقع ہو جاتی۔ اس کے بعد قیامت کی سختیوں اور تکلیفوں کا بیان فرماتے اور روتے تو حاضرین کے ہر گروہ میں سے ایک تعداد کی روحیں پرواز کر جاتیں۔ حضرت سیِّدُنا سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام جب مرنے والوں کی کثرت دیکھتے تو عرض کرتے: ابا جان! آپ نے سننے والوں کے دل ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ہیں، بنی اسرائیل کے لوگ، وحشی جانوروں اور حشرات الارض کی ایک تعداد ہلاک ہو چکی ہے۔ یہ سن کر آپ عَلَیْہِ السَّلَام دعا میں مشغول ہو جاتے تو اسی دوران بنی اسرائیل کا کوئی عابد کہتا: اے داؤد! آپ نے اپنے رب سے جزا مانگنے میں جلدی کی ہے، یہ سن کر آپ عَلَیْہِ السَّلَام بے ہوش ہو کر زمین پر تشریف لے آتے۔ حضرت سیِّدُنا سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام یہ دیکھ کر ایک چارپائی لاتے اور آپ کو اس پر لٹا دیتے، پھر ایک شخص کو حکم دیتے کہ وہ یہ اعلان کرے: اگر کسی شخص کا دوست یا رشتے دار حضرت سیِّدُنا داؤد عَلَیْہِ السَّلَام کے اجتماع میں حاضر تھا تو وہ چارپائی لے کر آئے اور اٹھا کر لے جائے کیونکہ جو لوگ آپ کی مجلس میں شریک تھے انہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ اور جنت و دوزخ کے تذکرے نے ہلاک کر دیا ہے۔ چنانچہ ایک عورت چارپائی لاتی اور اپنے عزیز کو اس پر رکھ کر کہتی: اے وہ شخص جسے دوزخ کے تذکرے نے موت کے گھاٹ اتار دیا! اے وہ شخص جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے خوف نے ہلاک کر دیا۔

حضرت سیِّدُنا داؤد عَلَیْہِ السَّلَام جب ہوش میں آتے تو کھڑے ہو جاتے، سر پر ہاتھ رکھ کر اپنے عبادت کے کمرے میں تشریف لے جا کر دروازہ بند کر دیتے اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے: اے داؤد کے رب! کیا تو داؤد سے ناراض ہے؟ پھر مسلسل مناجات میں مصروف رہتے، حضرت سیِّدُنا سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام آکر

دروازے کے پاس بیٹھ جاتے اور اجازت طلب کرتے، پھر جو کی روٹی لے کر اندر جاتے اور عرض کرتے: ابا جان! اس روٹی کو تناول فرما کر عبادت پر مدد حاصل کیجئے۔ حضرت سیِّدُنا داؤد عَلَیْہِ السَّلَام اس روٹی میں سے جس قدر چاہتے تناول فرماتے اور پھر بنی اسرائیل کے پاس تشریف لا کر ان کے درمیان قیام فرماتے۔

30ہزار سامعین کی وفات:

حضرت سیِّدُنا یَزِید رَقاشی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْکَافِی فرماتے ہیں: حضرت سیِّدُنا داؤد عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام ایک بار چالیس ہزار کے مجمع میں تشریف لائے تاکہ انہیں نصیحت فرمائیں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کا خوف دلائیں۔ آپ عَلَیْہِ السَّلَام کے پُر اثر بیان کو سن کر ان میں سے تیس ہزار افراد کی روحیں پرواز کر گئیں اور صرف دس ہزار لوگ زندہ واپس گئے۔

حضرت سیِّدُنا یزید رقاشی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْکَافِی کا مزید بیان ہے کہ حضرت سیِّدُنا داؤد عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی دو لونڈیاں تھیں جن کی یہ ذمہ داری تھی کہ جب آپ پر خوف کی کیفیت طاری ہو اور آپ زمین پر گر کر کانپنے لگیں تو وہ آپ کے سینے اور ٹانگوں کو پکڑ لیتی تھیں کہ کہیں آپ عَلَیْہِ السَّلَام کے اعضاء اور جوڑ الگ الگ ہونے کی وجہ سے وصال نہ ہو جائے۔

سیِّدُنا یحییٰ عَلَیْہِ السَّلَام کا خوف:

حضرت سیِّدُنا ابن عُمَر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں: حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن زکریا عَلَیْہِمَا السَّلَام آٹھ سال کی عمر میں بیت المقدس تشریف لے گئے تو وہاں موجود عبادت گزاروں کو دیکھا کہ انہوں نے بالوں اور اون کا لباس پہن رکھا ہے جبکہ ان میں سے جو عبادت میں زیادہ کوشش کرنے والے تھے انہوں نے اپنے گلے کی ہڈیوں میں سوراخ کر کے اور ان میں زنجیریں ڈال کر اپنے آپ کو بیت المقدس کے ستونوں سے باندھ رکھا ہے، یہ منظر دیکھ کر آپ خوف زدہ ہو گئے۔ پھر جب وہاں سے اپنے والدین کی طرف واپس آنے لگے تو کچھ بچوں کے پاس سے گزر ہوا جو کھیل رہے تھے، انہوں نے آپ سے کہا: اے یحییٰ! آؤ تم بھی ہمارے ساتھ کھیلو۔ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے جواب دیا: مجھے کھیلنے کے لئے نہیں بنایا گیا۔ آپ اپنے والدین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے عرض کیا کہ مجھے بھی بالوں کا لباس بنا دیں، انہوں نے ایسا ہی کیا تو آپ اس لباس کو پہن کر بیت المقدس تشریف لے

گئے، دن کو بیت المقدس کی خدمت (صفائی ستھرائی) کرتے اور رات میں چراغ روشن فرماتے۔ جب آپ عَلَیْہِ السَّلَام کی عمرِ مبارک پندرہ سال کی ہوئی تو بیت المقدس کے بجائے پہاڑوں اور غاروں میں رہائش اختیار فرمالی۔ آپ کے والدین آپ کی تلاش میں نکلے تو آپ کو بحیرۂ اردن کے کنارے اس حال میں پایا کہ آپ نے اپنے دونوں پاؤں پانی میں ڈال رکھے ہیں، سخت پیاس کا شکار ہیں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں عرض کر رہے ہیں: تیری عزت وجلال کی قسم! میں اس وقت تک ٹھنڈا پانی نہیں پیوں گا جب تک مجھے اس بات کا علم نہ ہو جائے کہ تیری بارگاہ میں میرا کیا مقام ہے؟ والدین نے آپ سے کہا کہ جو کی اس روٹی سے افطار کرلیں جو ہم ساتھ لائے ہیں اور پانی پی لیں۔ آپ نے ایسا ہی کیا اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے والدین کے ساتھ حُسنِ سُلُوک کے حوالے سے آپ کی تعریف فرمائی۔[1] آپ عَلَیْہِ السَّلَام کے والدین آپ کو واپس بیت المقدس لے گئے۔ جب آپ نماز میں قیام فرماتے تو اتنا روتے کہ درخت اور پتھر بھی آپ کے ساتھ رونے لگتے اور آپ کے رونے کے سبب حضرت سیِّدُنا زکریا عَلَیْہِ السَّلَام بھی اس قدر روتے کہ بے ہوش ہو جاتے۔

کثرتِ گریہ کے سبب رخساروں کا گوشت پھٹ گیا:

حضرت سیِّدُنا یحییٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی گریہ وزاری کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ آنسوؤں نے آپ کے مبارک رخساروں کے گوشت کو پھاڑ دیا جس کے سبب دیکھنے والوں کو آپ کی داڑھیں نظر آتی تھیں۔ آپ عَلَیْہِ السَّلَام کی والدہ نے آپ سے فرمایا: اے بیٹے! اگر تم اجازت دو تو میں کوئی ایسی چیز بنادوں جس سے تمہاری داڑھیں نظر نہ آئیں، آپ نے اجازت دے دی۔ والدہ محترمہ نے اونی کپڑے کے دو ٹکڑے لے کر آپ کے مبارک رخساروں پر چپکا دیئے۔ آپ عَلَیْہِ السَّلَام جب نماز میں کھڑے ہو کر روتے اور آپ کے مبارک آنسوؤں سے نمدے کے وہ ٹکڑے بھیگ جاتے تو آپ کی والدہ محترمہ انہیں نچوڑتیں۔ حضرت سیِّدُنا یحییٰ عَلَیْہِ السَّلَام جب اپنے آنسوؤں کو والدہ کی کلائیوں پر بہتا دیکھتے تو بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! یہ میرے آنسو ہیں، یہ میری والدہ ہیں، میں تیرا بندہ ہوں اور تو سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔

---

1 ... چنانچہ قرآن پاک میں اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: وَبَرًّۢا بِوَالِدَیْهِ ترجمۂ کنزالایمان: اور اپنے ماں باپ سے اچھا سلوک کرنے والا تھا۔ (پ۱۶، مریم: ۱۴)

جنت اور دوزخ کے درمیان ایک گھاٹی:

حضرت سیِّدُنا زکریا عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے ایک روز حضرت سیِّدُنا یحییٰ عَلَیْہِ السَّلَام سے ارشاد فرمایا: میں نے اللہ عَزَّوَجَلَّ سے تمہارے ملنے کا سوال اس لئے کیا تھا تاکہ میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ حضرت سیِّدُنا یحییٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے عرض کیا: ابا جان! حضرت سیِّدُنا جبریل عَلَیْہِ السَّلَام نے مجھے بتایا ہے کہ جنت اور دوزخ کے درمیان ایک گھاٹی ہے جسے صرف رونے والے ہی عُبُور کر سکیں گے۔ حضرت سیِّدُنا زکریا عَلَیْہِ السَّلَام نے ارشاد فرمایا: اے بیٹے! رویا کرو۔

حضرت سیِّدُنا عیسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے ارشاد فرمایا: اے حواریوں کے گروہ! اللہ عَزَّوَجَلَّ کا خوف اور جنت الفردوس کی محبت، مَشَقَّت پر صبر اور دنیا سے دوری کا جذبہ پیدا کرتے ہیں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جنت الفردوس کی طلب میں جو کی روٹی کھانا اور کچرے کے ڈھیر پر کتوں کے ساتھ سونا بھی کم ہے۔

میں اپنے خلیل ہونے کو بھول جاتا ہوں:

حضرت سیِّدُنا ابراہیم خَلِیْلُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو جب اپنی خطا یاد آتی تو آپ پر غشی طاری ہو جاتی اور آپ کے دل کی دھڑکن کی آواز ایک میل کے فاصلے سے سنائی دیتی۔ حضرت سیِّدُنا جبرئیلِ امین عَلَیْہِ السَّلَام آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے: اللہ عَزَّوَجَلَّ آپ کو سلام ارشاد فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ کیا آپ نے کوئی ایسا دوست دیکھا ہے جو اپنے دوست سے ڈرتا ہو؟ آپ عَلَیْہِ السَّلَام فرماتے: اے جبریل! جب مجھے اپنی اجتہادی خطا یاد آتی ہے تو میں اپنے خلیل ہونے کو بھول جاتا ہوں۔

انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام جو کہ تمام مخلوق سے زیادہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کی صفات کی معرفت رکھنے والے ہیں خوفِ خُدا کے مُعاملے میں ان کا یہ حال ہے، آپ بھی ان کے احوال میں غور و فکر کیجئے۔

ان تمام حضرات پر اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے دیگر تمام مقرب بندوں پر اس کی رحمت ہو۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ہمارے لئے کافی ہے اور وہ کیا ہی اچھا کارساز ہے۔

﴿ صَلُّوْا عَلَی الْحَبِیْب صَلَّی اللہُ عَلٰی مُحَمَّد ﴾

نویں فصل: **صحابۂ کرام، تابعینِ عظام اور سلف صالحین کا خوفِ خدا**

سیِّدُنا صِدِّیقِ اَکبر رَضِیَ اللہُ عَنْہ کا خوف:

منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ایک دن پرندے کو دیکھ کر ارشاد فرمایا: اے پرندے! کاش میں تیری طرح ہوتا اور مجھے انسان نہ بنایا جاتا۔(1)

سیِّدُنا ابوذر رَضِیَ اللہُ عَنْہ کا خوف:

حضرت سیِّدُنا ابو ذر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کا فرمان ہے: میری یہ خواہش ہے کہ میں ایک درخت ہوتا جسے کاٹ دیا جاتا۔ حضرت سیِّدُنا طلحہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے بھی یہی ارشاد فرمایا۔

سیِّدُنا عثمانِ غنی رَضِیَ اللہُ عَنْہ کا خوف:

حضرت سیِّدُنا عثمانِ غنی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ (خوفِ خدا کے باعث) فرمایا کرتے تھے: میں یہ چاہتا ہوں کہ مرنے کے بعد مجھے دوبارہ نہ اٹھایا جائے۔

سیِّدَتُنا عائشہ رَضِیَ اللہُ عَنْہَا کا خوف:

اُمُّ المؤمنین حضرت سَیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کا فرمان ہے: میں یہ چاہتی ہوں کہ بُھولی بسری ہو جاؤں۔

سیِّدُنا فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ عَنْہ کا خوف:

منقول ہے کہ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ جب قرآنِ پاک کی کوئی آیت سنتے تو خوفِ خدا کے سبب بے ہوش ہو کر زمین پر تشریف لے آتے اور پھر کئی دن تک آپ کی حالت ایسی ہوتی کہ لوگ آپ کی عیادت کے لئے آیا کرتے۔

ایک روز آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر فرمایا: کاش! میں یہ تنکا ہوتا، کوئی قابلِ ذکر

---

(1)... قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون، شرح مقامات الیقین، ۱/ ۳۸۱

چیز نہ ہوتا، اے کاش! میں بُھولا بسرا ہو جاتا، کاش! میری ماں مجھے نہ جنتی۔

چہرے پر دو لکیریں:

کثرت سے رونے کے سبب امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا فاروقِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے چہرۂ مبارک پر دو سیاہ لکیریں بن گئی تھیں۔ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: جس کے دل میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کا خوف ہوتا ہے وہ اپنے غصے کو ٹھنڈا نہیں کرتا اور اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرنے والا اپنی مرضی نہیں چلاتا اور اگر قیامت کا دن نہ ہوتا تو جو کچھ تم دیکھ رہے ہو اس کے علاوہ کوئی اور مُعاملہ ہوتا۔

ایک روز آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے سورۂ تکویر کی تلاوت شروع فرمائی، جب اس آیتِ مقدسہ پر پہنچے:

وَ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴿۱۰﴾ (پ۳۰، التکویر: ۱۰) ترجمۂ کنزالایمان: اور جب نامۂ اعمال کھولے جائیں۔

تو بے ہوش ہو کر زمین پر تشریف لے آئے۔

ایک مہینہ بیمار رہے:

ایک دن آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کا گزر ایک شخص کے گھر کے پاس سے ہوا جو نماز پڑھ رہا تھا اور اس میں سورۂ طور کی تلاوت کر رہا تھا۔ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ رُک کر تلاوت سننے لگے۔ جب وہ شخص تلاوت کرتے کرتے اس مقام پر پہنچا:

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ﴿۸﴾ ترجمۂ کنزالایمان: بے شک تیرے رب کا عذاب ضرور ہونا ہے اسے کوئی ٹالنے والا نہیں۔ (پ۲۷، الطور: ۷، ۸)

تو آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ اپنے دراز گوش سے نیچے تشریف لا کر دیوار کے سہارے کھڑے ہو گئے اور کافی دیر تک ان آیات میں غور و فکر فرماتے رہے، اس کے بعد اپنے گھر واپس تشریف لائے اور ایک مہینے تک بیمار رہے۔ لوگ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی عیادت کے لئے آتے تھے لیکن کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ آپ کی بیماری کا سبب کیا ہے۔

صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کی کیفیت:

حضرت سیدنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم نے ایک دن نمازِ فجر کا سلام پھیرا تو آپ پر غم کی کیفیت

طاری تھی اور آپ اپنے ہاتھوں کو الٹ پلٹ کر فرما رہے تھے: میں نے رحمتِ عالَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے صحابہ کو دیکھا ہے لیکن آج میں ان جیسی کوئی بات نہیں پاتا۔ وہ حضرات اس حالت میں صبح کرتے کہ ان کے بال بکھرے ہوئے، چہرے زرد اور غُبار آلود ہوتے اور ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان سجدوں کے نشانات ہوتے۔ ان کی راتیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سجدوں میں اور قیام کی حالت میں تلاوتِ قرآن میں گزرتیں اور وہ باری باری اپنی پیشانی اور پاؤں کو عبادت کے لئے استعمال کرتے (کبھی سجدہ کرتے اور کبھی قیام)۔ جب صبح ہوتی اور یہ لوگ اللہ عَزَّوَجَلَّ کو یاد کرتے تو اس طرح سے کانپتے جیسے سخت ہوا کے دن میں درخت ہلتے ہیں اور ان کی آنکھیں اس قدر آنسو بہاتیں کہ ان کے کپڑے بھیگ جاتے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! اب میں ایسے لوگوں کے ساتھ ہوں جو غفلت کی حالت میں رات گزارتے ہیں۔ اتنا فرمانے کے بعد آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ وہاں سے تشریف لے گئے اور پھر آپ کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا گیا یہاں تک کہ ابن مُلجم نے آپ کو زخمی کر دیا۔

حضرت سیِّدُنا عمران بن حُصَین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: میری یہ خواہش ہے کہ میں راکھ ہوتا جسے آندھی کے دن میں ہوا بکھیر دیتی۔

حضرت سیِّدُنا ابوعُبَیْدَہ بن جَرَّاح رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ارشاد فرمایا: میری یہ تمنا ہے کہ میں مینڈھا ہوتا، میرے گھر والے مجھے ذبح کرکے میرا گوشت کھالیتے اور شوربہ پی لیتے۔

چہرے کا رنگ زرد ہو جاتا:

حضرت سیِّدُنا امام زین العابدین علی بن حسین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ جب وضو فرماتے تو آپ کے چہرۂ مبارک کا رنگ زرد ہو جاتا، گھر والے عرض کرتے کہ آپ کو وضو کے وقت کیا ہو جاتا ہے؟ ارشاد فرماتے: کیا تم جانتے نہیں کہ میں کس کے سامنے کھڑا ہونے والا ہوں؟

حضرت سیِّدُنا موسیٰ بن مسعود عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْوَدُوْد فرماتے ہیں: ہم جب حضرت سیِّدُنا سفیان ثوری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی کی صحبت میں حاضر ہوتے تو ان کا خوف اور گھبراہٹ دیکھ کر ہمیں ایسا محسوس ہوتا جیسے ہمارے اردگرد آگ موجود ہے۔

تلاوت کا اثر:

مُضَرُ الْقَارِی نے ایک دن اس آیتِ مقدسہ کی تلاوت کی:

هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۲۹ (پ۲۵، الجاثیۃ: ۲۹)

ترجمۂ کنزالایمان: ہمارا یہ نوشتہ تم پر حق بولتا ہے ہم لکھتے رہے تھے جو تم نے کیا۔

اسے سن کر حضرت سیِّدُنا عبدُالواحد بن زید رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ اتنا روئے کہ آپ پر بے ہوشی طاری ہوگئی، جب اِفاقہ ہوا تو بارگاہِ خداوندی میں عرض کرنے لگے: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! تیری عزت کی قسم! میں ہمیشہ اپنی طاقت بھر تیری نافرمانی سے بچتا رہوں گا، تو اپنی عبادت کرنے پر میری مدد فرما۔

حکایت: قرآن سن کر جان دے دی

حضرت سیِّدُنا مِسْوَر بن مَخْرَمہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ خوفِ خدا کی شدت کے باعث قرآن سننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے، ان کے پاس قرآنِ پاک کا کوئی حرف یا آیت پڑھی جاتی تو چیخ مارتے اور پھر کئی دن تک ہوش میں نہ آتے۔ ایک دفعہ قبیلہ خثعم کا ایک شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے ان کے سامنے یہ دو آیات پڑھ دیں:

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ۝۸۵ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ۝۸۶ (پ۱۶، مریم: ۸۵، ۸۶)

ترجمۂ کنزالایمان: جس دن ہم پرہیزگاروں کو رحمٰن کی طرف لے جائیں گے مہمان بنا کر اور مجرموں کو جہنّم کی طرف ہانکیں گے پیاسے۔

حضرت سیِّدُنا مِسْوَر بن مَخْرَمہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ ان آیاتِ مقدسہ کو سن کر فرمانے لگے: میں متقین میں سے نہیں بلکہ مجرمین میں سے ہوں۔ اے قاری! مجھے یہ آیات دوبارہ سناؤ۔ اس شخص نے دوبارہ ان آیاتِ مبارکہ کی تلاوت کی تو آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے ایک چیخ ماری اور آپ کی روح قَفَسِ عُنْصُری سے پرواز کر گئی۔

حضرت سیِّدُنا یحییٰ بکاء رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے سامنے اس آیتِ مقدسہ کی تلاوت کی گئی:

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ (پ۷، الانعام: ۳۰)

ترجمۂ کنزالایمان: اور کبھی تم دیکھو جب اپنے رب کے حضور کھڑے کئے جائیں گے۔

تو آپ نے ایک چیخ ماری اور پھر چار مہینے تک بیمار رہے، بصرہ کے اطراف سے لوگ ان کی عیادت کے لئے آیا کرتے۔

حکایت: ایک بچی کا خوفِ خدا

حضرت سیِّدُنا مالک بن دینار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَفَّار فرماتے ہیں: میں خانہ کعبہ کے طواف میں مشغول تھا کہ میں نے ایک عبادت گزار بچی کو دیکھا جو غلافِ کعبہ سے لپٹ کر بارگاہِ خداوندی میں عرض کر رہی تھی: اے میرے رب! کتنی ہی ایسی نفسانی خواہشات ہیں جن کی لذت ختم ہو گئی لیکن ان کا گناہ باقی ہے۔ اے میرے رب! کیا تیرے یہاں ادب سکھانے اور عذاب دینے کے لئے دوزخ کے علاوہ کوئی اور مقام نہیں ہے؟ یہ کہہ کر وہ روتی رہی اور طلوعِ فجر تک وہیں موجود رہی۔ حضرت سیِّدُنا مالک بن دینار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَفَّار فرماتے ہیں: جب میں نے ایک بچی کا یہ معاملہ دیکھا تو اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر چیخ کر کہنے لگا: مالک کی ماں اسے روئے (جب ایک بچی کے خوف کا یہ عالم ہے تو مجھے کس قدر خوف کرنا چاہئے)۔

منقول ہے کہ عَرَفہ (یعنی 9 ذُوالْحِجَّۃِ الْحَرام) کے دن جبکہ لوگ دعا میں مشغول تھے تو حضرت سیِّدُنا فُضَیْل بن عِیاض رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کو دیکھا گیا کہ وہ اس طرح رو رہے ہیں جیسے گمشدہ بچے کی دل جلی ماں روتی ہے۔ آپ پر یہی کیفیت طاری رہی یہاں تک کہ جب غروبِ آفتاب کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنی داڑھی پکڑ کر آسمان کی طرف سر اٹھایا اور عرض کی: اگر تو نے مجھے بخش دیا تب بھی مجھے اپنے آپ پر شرم آئے گی پھر دیگر لوگوں کے ساتھ عرفات سے واپس تشریف لے گئے۔

خائفین کے اوصاف:

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے خوفِ خدا رکھنے والوں کے اوصاف پوچھے گئے تو ارشاد فرمایا: ان کے دل خوف سے زخمی ہوتے ہیں، آنکھیں آنسو بہاتی ہیں اور وہ کہتے ہیں: ہم کیسے خوش ہو سکتے ہیں جبکہ موت ہمارے پیچھے اور قبر ہمارے آگے ہے، قیامت ہمارے وعدے کا دن ہے، ہمیں جہنم کے اوپر سے گزرنا ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ جو ہمارا رب ہے اس کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔

یہ ہنسنا کیسا؟

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی ایک نوجوان کے پاس سے گزرے جو لوگوں کے ساتھ ایک مجلس میں بیٹھا ہوا ہنسنے میں مشغول تھا۔ آپ نے اس سے ارشاد فرمایا: اے نوجوان! کیا تو پُل صراط سے گزر چکا ہے؟ اس نے عرض کی: نہیں۔ آپ نے دریافت فرمایا: کیا تو جانتا ہے کہ تو نے جنت میں جانا ہے یا دوزخ ٹھکانہ ہے؟ نوجوان نے عرض کی: جی نہیں۔ ارشاد فرمایا: تو پھر یہ ہنسنا کیسا ہے؟ اس دن کے بعد کسی نے اس نوجوان کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔

میں پُر امن نہیں ہوں:

حضرت سیِّدُنا حماد بن عبدُ ربِّہٖ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ جب بیٹھتے تو قدموں کے بل بیٹھتے۔ عرض کیا گیا: آپ اطمینان سے کیوں نہیں بیٹھتے؟ ارشاد فرمایا: وہ امن والوں کا بیٹھنا ہے اور میں پُر امن نہیں ہوں کیونکہ میں نے **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی کی ہے۔

حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْعَزِیْز فرماتے ہیں: **اللہ** عَزَّوَجَلَّ نے بندوں پر رحمت فرماتے ہوئے ان کے دلوں میں غفلت کو پیدا فرمایا ہے تاکہ وہ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے خوف سے ہلاک نہ ہو جائیں۔

حضرت سیِّدُنا مالک بن دینار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَفَّار فرماتے ہیں: میں نے لوگوں کو یہ حکم دینے کا ارادہ کیا ہے کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے بیڑیاں اور طوق پہنا کر **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں پیش کریں (یعنی دفن کریں) جس طرح بھاگے ہوئے غلام کو اس کے آقا کے پاس پیش کیا جاتا ہے۔

دھوکا مت کھاؤ:

حضرت سیِّدُنا حاتم اَصم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم کا فرمان ہے: کسی اچھی جگہ موجودگی سے دھوکا مت کھاؤ کیونکہ جنت سے بہتر کوئی مقام نہیں ہو سکتا لیکن وہاں موجودگی کے باوُجود حضرت سیِّدُنا آدم عَلَیْہِ السَّلَام سے اجتہادی خطا واقع ہوئی۔ عبادت کی کثرت سے دھوکا مت کھاؤ کیونکہ ابلیس اپنی طویل عبادت کے باوُجود **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے قہر و غضب کا شکار ہوا۔ علم کی کثرت کے سبب دھوکے کا شکار مت بنو کیونکہ بلعم بن باعورا کے پاس اسم اعظم کا علم تھا اس کے باوُجود وہ ہلاک ہو گیا۔ نیک بندوں کی زیارت سے بھی دھوکا مت کھاؤ کیونکہ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ

کے نزدیک سرکارِ نامدار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے بڑھ کر کسی کا مقام نہیں ہے اس کے باوجود آپ کے کئی قریبی رشتے داروں اور دشمنوں کو آپ کی ملاقات سے فائدہ نہ ہوا اور وہ ایمان نہ لائے۔

سیِّدُنا سَرِی سقطی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کا خوف:

حضرت سیِّدُنا سَرِی سَقَطِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: میں دن میں کئی مرتبہ اپنی ناک کی طرف دیکھتا ہوں اس خوف کے سبب کہ کہیں (گناہوں کے باعث) میرا چہرہ تو سیاہ نہیں ہو گیا۔

سیِّدُنا ابُو حفص عُمَر بن مسلم رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کا خوف:

حضرت سیِّدُنا ابو حفص عمر بن مسلم حَدَّاد عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْجَوَاد نے ارشاد فرمایا: چالیس سال سے میرا اپنے بارے میں یہ گمان ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ میری طرف ناراضی کی نظر سے دیکھتا ہے اور میرے اعمال بھی اس بات کے گواہ ہیں۔

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن مبارک رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ ایک دن اپنے دوستوں کے پاس تشریف لائے تو ارشاد فرمایا: گزشتہ رات میں نے اللہ عَزَّوَجَلَّ پر بڑی جرأت کی کہ اس سے جنت کا سوال کیا۔

سیِّدُنا محمد بن کعب قُرَظِی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کا خوف:

حضرت سیِّدُنا محمد بن کعب قُرَظِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْوَلِی کی والدہ نے ان سے ارشاد فرمایا: میرے بیٹے! میں تمہیں جانتی ہوں کہ تم بچپن میں بھی پاکباز تھے اور بڑے ہو کر بھی نیکوکار رہے، اب شاید تم نے کسی بڑے گناہ کا ارتکاب کر لیا ہے کیونکہ میں دیکھتی ہوں کہ تم رات دن عبادت و ریاضت اور خوفِ خدا سے رونے میں مشغول رہتے ہو۔ حضرت سیِّدُنا محمد بن کعب قرظی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْوَلِی نے عرض کی: امی جان! میں اس بات سے بے خوف نہیں ہوں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ مجھے کسی گناہ میں مشغول پا کر مجھ سے ناراض ہو کر یہ ارشاد فرمادے: میری عزت کی قسم! میں تجھے نہیں بخشوں گا۔

قابِل رشک کون؟

حضرت سیِّدُنا فُضَیل بن عِیاض رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: مجھے نہ تو کسی رسول پر رشک آتا ہے، نہ

کسی مُقرَّب فرشتے پر اور نہ ہی کسی نیک بندے پر کیونکہ یہ سب قیامت کی ہولناکیوں کا مشاہدہ کریں گے، مجھے تو اس شخص پر رشک آتا ہے جو پیدا ہی نہیں ہوا۔

دوزخ کے خوف سے جگر پارہ پارہ ہو گیا:

منقول ہے کہ انصار کے ایک نوجوان پر دوزخ کے خوف کا غلبہ ہو گیا، وہ مسلسل رونے لگا یہاں تک گھر میں قید ہو کر رہ گیا۔ رسولِ اَکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اس کے پاس تشریف لائے، اس سے معانقہ فرمایا[1] ان کی روح قفسِ عُنْصُرِی سے پرواز کر گئی۔ رسولِ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اپنے ساتھی کی تجہیز و تکفین کا انتظام کرو کہ دوزخ کے خوف نے اس کے جگر کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔[2]

سَیِّدُنا ابن ابی مَیْسَرَہ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کا خوف:

حضرت سَیِّدُنا مَیْسَرَہ بن ابی مَیْسَرَہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے بارے میں منقول ہے کہ جب آپ بستر پر تشریف لاتے تو کہتے: کاش کہ میری ماں نے مجھے نہ جنا ہوتا۔ ان کی والدہ محترمہ نے ان سے فرمایا: اے میسرہ! اللہ عَزَّوَجَلَّ نے تو تیرے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے کہ تجھے اسلام کی دولت عطا فرمائی۔ آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے ارشاد فرمایا: یہ تو ٹھیک ہے البتہ (میرے خوف کا سبب یہ ہے کہ) اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ہمیں یہ تو بتایا ہے کہ ہمیں دوزخ سے گزرنا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ ہم اس سے گزرنے میں کامیاب ہو سکیں گے یا نہیں۔

500 کنواری لڑکیاں خوف سے ہلاک ہو گئیں:

حضرت سَیِّدُنا فَرْقَد سَبَخِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی سے عرض کی گئی: بنی اسرائیل کے بارے میں آپ کو جو سب سے عجیب خبر پہنچی ہو وہ ہمیں بتایئے۔ ارشاد فرمایا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ 500 کنواری لڑکیاں جن کا لباس اون اور ٹاٹ کا تھا وہ بیت المقدس میں داخل ہوئیں اور انہوں نے آپس میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ثواب اور عذاب کا تذکرہ کیا تو (خوفِ خدا کے سبب) وہ سب کی سب ایک ہی دن میں ہلاک ہو گئیں۔

---

1 ... اور اس حجاب کو دور فرما دیا جو اس کے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے درمیان تھا، وہ صاحب اس کی تاب نہ لا سکے اور۔ (اتحاف السادۃ المتقین، ۱۱/ ۴۹۷)

2 ... مستدرک للحاکم، کتاب التفسیر، سورۃ التحریم، ۳/ ۳۱۷، حدیث: ۳۸۸۱

سیِّدُنا عطاء سَلِیمی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کا خوف:

حضرت سیِّدُنا عطاء سَلِیمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی خوفِ خدا رکھنے والے حضرات میں سے تھے۔ آپ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے کبھی جنت کا سوال نہیں کرتے تھے بلکہ محض عفو و مغفرت کی دعا کرتے تھے۔ بیماری کی حالت میں آپ سے عرض کی گئی: کیا آپ کو کسی چیز کی خواہش ہے؟ ارشاد فرمایا: جہنم کے خوف نے میرے دل میں کسی خواہش کے لئے جگہ نہیں چھوڑی۔ کہا جاتا ہے کہ آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے چالیس برس تک نہ تو آسمان کی طرف سر اٹھایا اور نہ ہنسے۔ ایک دن آپ نے آسمان کی طرف سر اٹھالیا تو خوف زدہ ہو کر گر پڑے اور آپ کے پیٹ کی ایک آنت پھٹ گئی۔ آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ رات میں اپنے جسم کو ٹٹول کر دیکھتے تھے کہ کہیں وہ مسخ تو نہیں ہو گیا۔ اگر کبھی تیز ہوا چلتی، بجلی چمکتی یا کھانے کی اشیاء مہنگی ہو جاتیں تو آپ ارشاد فرماتے: میری وجہ سے لوگوں پر یہ مصیبت آئی ہے، اگر عطاء مر جائے تو لوگ آرام پائیں۔

حکایت: نافرمانی یاد کر کے بے ہوش ہو گئے

حضرت سیِّدُنا عطاء سَلِیمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی ارشاد فرماتے ہیں: ایک دن ہم حضرت سیِّدُنا عُتْبَۃُ الْغُلَام رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے ساتھ روانہ ہوئے، ہم میں ادھیڑ عمر افراد بھی شامل تھے اور جوان بھی۔ ان لوگوں کی عبادت و ریاضت کا عالم یہ تھا کہ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے تھے، طویل قیام کے سبب ان کے پاؤں سوج گئے تھے، ان کی آنکھیں سر میں دھنسی ہوئی تھیں، کھالیں ہڈیوں سے چپک گئی تھیں اور ان کی رگیں ایسی تھیں جیسے تار ہوں۔ یہ لوگ اس حالت میں صبح کرتے تھے کہ ان کی کھالیں تربوز کے چھلکے کی طرح ہوتی تھیں اور ایسا لگتا تھا کہ ان لوگوں کو قبروں سے اٹھایا گیا ہے اور اب انہیں بتایا جائے گا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کس طرح اطاعت گزاروں کا اکرام فرمائے گا اور گناہ گاروں کو ذلیل کرے گا۔ یہ تمام حضرات چلتے چلتے جب ایک مکان کے پاس سے گزرے تو حضرت سیِّدُنا عُتْبَۃُ الْغُلَام رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ بے ہوش ہو کر گر پڑے، آپ کے ساتھی پاس بیٹھ کر رونے لگے۔ سخت سردی کا دن تھا لیکن اس کے باوجود آپ کی پیشانی پر پسینہ موجود تھا۔ آپ کے چہرے پر پانی ڈالا گیا تو آپ ہوش میں آ گئے، جب بے ہوشی کا سبب پوچھا گیا تو ارشاد فرمایا: اس مقام سے گزرتے ہوئے مجھے یاد آ گیا کہ میں نے یہاں پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی کی تھی۔

حضرت سیِّدُنا صالح مُرِّی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: میں نے ایک عبادت گزار شخص کے سامنے یہ آیت تلاوت کی:

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿۶۶﴾ (پ۲۲، الاحزاب: ۶۶)

ترجمۂ کنزالایمان: جس دن ان کے منہ اُلٹ اُلٹ کر آگ میں تلے جائیں گے کہتے ہوں گے ہائے کسی طرح ہم نے اللہ کا حکم مانا ہوتا اور رسول کا حکم مانا ہوتا۔

تو وہ بے ہوش ہو گیا، جب ہوش میں آیا تو اس نے مجھ سے کہا: اے صالح! مجھے مزید قرآن سناؤ کیونکہ میں غم کی کیفیت پاتا ہوں۔ میں نے یہ آیت تلاوت کی:

كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَ قِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۰﴾ (پ۲۱، السجدۃ: ۲۰)

ترجمۂ کنزالایمان: جب کبھی اس میں سے نکلنا چاہیں گے پھر اسی میں پھیر دیئے جائیں گے اور ان سے فرمایا جائے گا چکھو اس آگ کا عذاب جسے تم جھٹلاتے تھے۔

یہ سن کر اس شخص کی روح قَفَسِ عُنصُری سے پرواز کر گئی۔

منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا زرارہ بن ابی اوفیٰ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے لوگوں کے ساتھ فجر کی نماز ادا فرمائی۔ جب یہ آیتِ مُقَدَّسہ تلاوت کی گئی:

فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ﴿۸﴾ (پ۲۹، المدثر: ۸)

ترجمۂ کنزالایمان: پھر جب صور پھونکا جائے گا۔

تو آپ بے ہوش ہو گئے اور آپ کو مردہ حالت میں اٹھا کر لایا گیا۔

سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کا خوف:

حضرت سیِّدُنا یزید رَقاشی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْھَادِی حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْعَزِیْز کے پاس تشریف لائے تو آپ نے عرض کی: اے یزید! مجھے نصیحت فرمایئے! فرمایا: اے امیر المؤمنین! اس بات کو جان لیجئے کہ آپ پہلے خلیفہ نہیں ہیں جسے موت آئے گی۔ یہ سن کر حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْعَزِیْز رونے لگے اور عرض کی: مزید نصیحت فرمایئے! فرمایا: اے امیر المؤمنین! آپ کے اور حضرت سیِّدُنا آدم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے درمیان جس قدر آباء واجداد ہیں وہ سب کے سب مر چکے ہیں۔ یہ

سن کر حضرت عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْعَزِیْز مزید رونے لگے اور عرض کی: اے یزید! مزید نصیحت کیجئے! فرمایا: اے امیر المؤمنین! آپ کے اور جنت ودوزخ کے درمیان کوئی منزل نہیں ہے، یہ سن کر حضرت عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْعَزِیْز بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

حضرت سیِّدُنا میمون بن مہران عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْمَنَّان کا بیان ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۴۳﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور بے شک جہنم ان سب کا وعدہ ہے۔

(پ۱۴، الحجر: ۴۳)

تو حضرت سیِّدُنا سلمان فارسی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ایک چیخ ماری اور سر پر ہاتھ رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے، اس کے بعد تین دن تک آپ کا کچھ پتا نہیں چلا۔

حضرت سیِّدُنا داوٗد طائی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے ایک خاتون کو دیکھا جو اپنے بیٹے کی قبر پر رو رہی تھی اور کہہ رہی تھی: اے میرے بیٹے! کاش مجھے یہ معلوم چل جائے کہ کیڑوں نے پہلے تیرا کون سا رخسار کھایا ہے؟ یہ سن کر حضرت سیِّدُنا داوٗد طائی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ پر غشی طاری ہوئی اور آپ اسی جگہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

خوف نے کلیجہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیا:

منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا سفیان ثوری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی ایک مرتبہ بیمار ہوئے تو آپ کا قارُورہ (یعنی پیشاب) ایک ذِمی طبیب کو دکھایا گیا، قارورہ دیکھ کر طبیب نے کہا: خوف نے اس شخص کے کلیجے کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ہیں۔ پھر وہ طبیب آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے پاس آیا اور آپ کی نبض دیکھ کر کہنے لگا: میں نہیں جانتا تھا کہ دینِ اسلام میں ایسی ہستیاں بھی موجود ہیں۔

خوفِ خدا کا سوال:

حضرت سیِّدُنا امام احمد بن حنبل عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَوَّل فرماتے ہیں: میں نے اللہ عَزَّوَجَلَّ سے سوال کیا کہ مجھ پر خوف کا دروازہ کھول دے، اس نے کھول دیا تو مجھے اپنی عقل زائل ہونے کا خوف ہوا، میں نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کی: اے میرے رب! مجھے اتنا خوف عطا فرما جسے میں برداشت کر سکوں چنانچہ میرا دل پُرسکون ہو گیا۔

اگر حقیقت کا علم ہو جائے تو!

حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عَمْرو بن عاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کا فرمان ہے: رو اور اگر رونا نہ آئے تو رونے جیسی صورت ہی بنالو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قُدرت میں میری جان ہے! اگر تم میں سے کسی کو حقیقت کا علم ہو جائے تو وہ اس قدر چیخے کہ اس کی آواز منقطع ہو جائے اور اتنی زیادہ نمازیں پڑھے کہ اس کی کمر ٹوٹ جائے۔

غالباً آپ نے اس حدیثِ پاک کی طرف اشارہ فرمایا ہے: لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَّلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا یعنی اگر تم لوگ وہ باتیں جانتے جو میں جانتا ہوں تو تھوڑا ہنستے اور بہت روتے۔[1]

سیِّدُنا فُضَیل بن عِیاض رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کا خوف:

حضرت سیِّدُنا عَنْبَری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْوَلِی فرماتے ہیں: حضرت سیِّدُنا فُضَیل بن عِیاض رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے دروازے پر محدثین جمع ہوئے، آپ نے انہیں کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ اس وقت آپ رو رہے تھے اور آپ کی داڑھی مبارک ہل رہی تھی، آپ نے ارشاد فرمایا: تلاوتِ قرآن اور نماز کو لازم پکڑ لو۔ افسوس ہے تم پر! یہ وقت حدیث کا نہیں بلکہ رونے، گڑگڑانے، آہ وزاری کرنے اور ڈوبنے والے شخص کی طرح دعا کرنے کا وقت ہے۔ یہ ایسا زمانہ ہے کہ اس میں اپنی زبان کی حفاظت کرو، گوشہ نشینی اختیار کرو، اپنے دل کا علاج کرو، جن چیزوں کو جانتے ہو انہیں اختیار کرو اور جنہیں نہیں جانتے انہیں ترک کر دو۔

حضرت سیِّدُنا فُضَیل بن عِیاض رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کو ایک دن کسی نے چلتے ہوئے دیکھا تو پوچھا: کہاں جا رہے ہیں؟ ارشاد فرمایا: میں نہیں جانتا۔ اس وقت آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ خوف کے سبب حواس باختگی کے عالَم میں چل رہے تھے۔

حقیقی گریہ:

حضرت سیِّدُنا ذر بن عمر رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے اپنے والد ماجد حضرت سیِّدُنا عمر بن ذر رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

[1] ...بخاری، کتاب الکسوف، باب الصدقة فی الکسوف، ۱/ ۳۵۸، حدیث: ۱۰۴۴

سے پوچھا: کیا وجہ ہے کہ جب دیگر لوگ گفتگو کرتے ہیں تو کوئی نہیں روتا اور جب آپ بولتے ہیں تو میں ہر طرف سے آہ وبُکا کی آوازیں سنتا ہوں؟ ارشاد فرمایا: اے میرے بیٹے! جس عورت کا بچہ فوت ہو جائے اس کا رونا اور اُجرت کے عوض رونے والی عورت کا رونا برابر نہیں ہوتا۔

بارگاہِ الٰہی میں پیش ہونے کا خوف:

منقول ہے کہ چند لوگوں نے ایک عابد کو دیکھا جو رو رہا تھا تو اس سے سوال کیا: اللہ عَزَّوَجَلَّ آپ پر رحم فرمائے! کس چیز نے آپ کو رلایا ہے؟ عابد نے جواب دیا: مجھے اس خوف نے رلایا ہے جسے خائفین اپنے دلوں میں پاتے ہیں۔ انہوں نے دوبارہ پوچھا: کس چیز کا خوف؟ عابد نے کہا: اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سامنے پیش ہونے کے لئے دی جانے والی آواز کا خوف۔

حضرت سیِّدُنا ابراہیم خواص عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الرَّزَّاق دعا کے دوران روتے ہوئے بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور تیری عبادت کرتے کرتے میرا جسم کمزور ہو چکا ہے، اب مجھے آزاد فرما دے۔

خائفین کی حالت:

حضرت سیِّدُنا صالح مُرِّی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی فرماتے ہیں: حضرت سیِّدُنا ابنِ سَمّاک عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الرَّزَّاق ایک مرتبہ بصرہ تشریف لائے تو مجھ سے ارشاد فرمایا: مجھے اپنے یہاں کے عبادت گزاروں کے کچھ عجیب مُعاملات دکھاؤ۔ میں انہیں ساتھ لے کر ایک محلے میں موجود جھونپڑی کے پاس لے گیا اور اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کی۔ اجازت ملنے پر ہم اندر داخل ہوئے تو ایک شخص چٹائی بنا رہا تھا۔ میں نے اس کے سامنے یہ دو آیات تلاوت کیں:

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ وَ السَّلٰسِلُؕ یُسْحَبُوْنَۙ(۷۱) فِی الْحَمِیْمِ ﳔ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَۚ(۷۲)

ترجمۂ کنزالایمان: جب ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور زنجیریں گھسیٹے جائیں گے کھولتے پانی میں پھر آگ میں دہکائے جائیں گے۔

(پ۲۴، المؤمن: ۷۱، ۷۲)

اس شخص نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ہم اسے اسی حال میں چھوڑ کر باہر نکلے اور ایک

دوسرے شخص کے پاس پہنچے، میں نے اس کے سامنے بھی یہی آیات تلاوت کیں تو وہ بھی چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا۔اس کے بعد ہم ایک تیسرے شخص کے پاس گئے اور داخلے کی اجازت طلب کی۔اس نے جواب دیا:اگر تم ہمیں ہمارے رب سے غافل نہیں کرو گے تو داخل ہو جاؤ۔ہم اندر داخل ہوئے اور میں نے اس کے سامنے یہ آیتِ مقدسہ تلاوت کی:

ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِیْ وَ خَافَ وَعِیْدِ ﴿۱۴﴾
(پ۱۳، ابراھیم: ۱۴)

ترجمۂ کنزالایمان: یہ اس کے لئے ہے جو میرے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے اور میں نے جو عذاب کا حکم سنایا ہے اس سے خوف کرے۔

اسے سن کر اس شخص نے ایک چیخ ماری، اس کے نتھنوں سے خون جاری ہو گیا اور وہ اسی خون میں تڑپنے لگا یہاں تک کہ خون خشک ہو گیا، اسے اسی حالت میں چھوڑ کر ہم وہاں سے باہر نکل آئے۔

اس طرح میں ان کو چھ افراد کے پاس لے کر گیا، ہر کسی کو ہم بے ہوشی کی حالت میں چھوڑ کر وہاں سے نکل آتے۔اس کے بعد ہم ساتویں شخص کے پاس گئے اور داخلے کی اجازت طلب کی، جھونپڑی کے اندر سے ایک عورت نے جواب دیا: آجاؤ، ہم اندر داخل ہو گئے تو ایک انتہائی بوڑھا شخص مصلے پر بیٹھا ہوا تھا، ہم نے اسے سلام کیا لیکن اسے ہمارے سلام کا علم نہ ہوا۔میں نے بلند آواز سے کہا: خبردار! مخلوق کو کل کھڑا ہونا ہے۔بوڑھے شخص نے پوچھا: تیری خرابی ہو! کس کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔اس کے بعد وہ ہَکّا بَکّا منہ کھولے اور آنکھیں آسمان کی طرف اٹھائے کمزور آواز سے آہ آہ کرنے لگا یہاں تک کہ اس کی آواز منقطع ہو گئی۔عورت نے ہم سے کہا: یہاں سے چلے جاؤ کیونکہ اب تمہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔

اگلے دن میں نے ان ساتوں حضرات کے بارے میں معلومات کی تو پتا چلا کہ ان میں سے تین افراد کو ہوش آگیا تھا، تین اسی حالت میں فوت ہو گئے تھے جبکہ بوڑھا شخص تین دن تک اسی طرح ہَکّا بَکّا اور حیران وپریشان رہا یہاں تک کہ اسے فرض نماز کا ہوش بھی نہ رہا تین دن گزرنے کے بعد وہ دوبارہ ہوش میں آیا۔

زندگی بھر نہ ہنسے:

حضرت سیِّدُنا اَسود بن یزید عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْعَزِیْز کے بارے میں مشہور تھا کہ آپ ابدال کے مَنْصَب پر فائز

ہیں۔ آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے اس بات کا حَلف اٹھایا تھا کہ نہ کبھی ہنسیں گے، نہ پہلو کے بل آرام کریں گے اور نہ مرغن غذائیں استعمال کریں گے۔ چنانچہ مرتے دم تک نہ تو آپ کو ہنستے یا پہلو کے بل سوتے دیکھا گیا اور نہ آپ نے کوئی مرغن غذا استعمال فرمائی۔

حجاج بن یوسف نے حضرت سیِّدُنا سعید بن جُبَیْر رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے سوال کیا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ کبھی نہیں ہنستے۔ ارشاد فرمایا: میں کیسے ہنسوں جبکہ جہنم کو بھڑکایا گیا ہے، طوق نصب کر دیئے گئے ہیں اور دوزخ پر مامور فرشتے عذاب دینے کے لئے تیار ہیں۔

ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی سے پوچھا: اے ابو سعید! آپ نے کس حال میں صبح کی؟ فرمایا: خیر کے ساتھ۔ اس نے پھر سوال کیا: آپ کا کیا حال ہے؟ یہ سن کر حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی نے مسکرا کر ارشاد فرمایا: تم میرا حال پوچھتے ہو، تمہارا ان لوگوں کے بارے میں کیا خیال ہے جو ایک کشتی میں سوار ہوئے، جب دریا کے درمیان پہنچے تو کشتی ٹوٹ گئی اور ہر شخص ایک ایک لکڑی کے ساتھ لٹک گیا، بھلا ان لوگوں کا کیا حال ہو گا؟ اس شخص نے کہا: بہت برا حال ہو گا۔ حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی نے ارشاد فرمایا: میرا حال ان سے بھی زیادہ بُرا ہے۔

پُل صِراط کی دہشت:

منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْعَزِیْز کی ایک لونڈی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی، آپ کو سلام کیا اور پھر مسجدِ بیت میں دو رکعتیں ادا کیں جس کے بعد اسے نیند آ گئی۔ نیند ہی کی حالت میں وہ رونے لگی اور پھر بیدار ہو کر حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْعَزِیْز کی خدمت میں عرض گزار ہوئی: اے امیر المؤمنین! اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے۔ آپ نے پوچھا: وہ کیا؟ لونڈی نے عرض کی: میں نے دیکھا کہ دوزخ جہنمیوں پر بھڑک رہی ہے، پھر پل صراط کو لا کر دوزخ کی پشت پر رکھا گیا۔ آپ نے پوچھا: پھر کیا ہوا؟ اس نے عرض کی: عبد الملک بن مروان کو لایا گیا اور وہ پل صراط پر چلنے لگا، ابھی تھوڑا ہی چلا تھا کہ پل صراط الٹ گیا اور وہ جہنم میں جا گرا۔ آپ نے فرمایا: پھر کیا ہوا؟ لونڈی نے کہا: پھر ولید بن عبد الملک کو لا کر پل صراط پر چلایا گیا، اس نے تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ

پل صراط الٹ گیا اور وہ دوزخ میں گر گیا۔ آپ نے پوچھا: پھر اس کے بعد کیا ہوا؟ اس نے عرض کی: پھر سلیمان بن عبد الملک کو لایا گیا اور وہ بھی پل صراط پر چلنے لگا لیکن تھوڑا ہی چلا تھا کہ پل صراط الٹ گیا اور وہ بھی دوزخ میں جا گرا۔ آپ نے پوچھا: پھر کیا ہوا؟ لونڈی نے عرض کی: اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی قسم! اے امیر المؤمنین! اس کے بعد آپ کو لایا گیا۔ یہ سنتے ہی حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْعَزِیْز نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ لونڈی کھڑی ہو کر آپ کے کان میں پکارنے لگی: اے امیر المؤمنین! اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی قسم! میں نے دیکھا کہ آپ نجات پا گئے، اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی قسم! میں نے دیکھا کہ آپ نجات پا گئے۔ لونڈی یہ پکارتی رہی لیکن آپ چیختے اور ایڑیاں رگڑتے رہے۔

حضرت سیِّدُنا اُوَیس قَرَنی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْغَنِی کے بارے میں منقول ہے کہ آپ واعظ کے پاس جا کر اس کا بیان سنتے اور روتے تھے، جب دوزخ کا ذکر ہوتا تو آپ چیخ مارتے اور اٹھ کر وہاں سے چل پڑتے، لوگ پاگل پاگل کہتے ہوئے آپ کے پیچھے لگ جاتے۔

حضرت سیِّدُنا مُعاذ بن جبل رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ارشاد فرمایا: مومن کا خوف اس وقت تک دور نہیں ہو گا جب تک وہ پُل صِراط کو عبور نہ کر لے۔

حضرت سیِّدُنا طاؤس رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے لئے بستر بچھایا جاتا اور آپ لیٹتے تو اس طرح بے چینی سے کروٹیں بدلتے جس طرح گرم کڑاہی میں دانے اچھلتے ہیں، پھر اٹھ کر بستر لپیٹتے اور قبلہ رو ہو کر صبح تک رکوع و سجود اور تلاوت میں مشغول رہتے اور ارشاد فرماتے: دوزخ کی یاد نے خائفین کی نیند اڑا دی ہے۔

کاش! وہ شخص میں ہوتا:

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: ایک شخص ایک ہزار سال کے بعد دوزخ سے نکلے گا۔ کاش! وہ شخص میں ہوتا۔

سیِّدُنا حسن بصری رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کا خوف:

آپ نے یہ بات دوزخ میں ہمیشہ رہنے اور برے خاتمے کے خوف کے سبب فرمائی۔ آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے خوف کا عالَم یہ تھا کہ آپ 40 سال تک نہیں ہنسے۔ راوی کا بیان ہے کہ جب میں انہیں بیٹھے ہوئے

دیکھتا تو ایسا لگتا جیسے کوئی قیدی ہے جسے گردن اُڑانے کے لئے لایا گیا ہے، جب آپ گفتگو فرماتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ آخرت کا مشاہدہ فرما رہے ہیں اور اسے دیکھ کر خبر دے رہے ہیں اور جب خاموش ہوتے تو یہ عالَم ہوتا گویا ان کی آنکھوں کے سامنے آگ بھڑک رہی ہے۔

جب آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے اس قدر خوف زدہ رہنے سے متعلق عرض کی گئی تو آپ نے فرمایا: میں اس بات سے بے خوف نہیں ہوں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ میرے بعض ناپسندیدہ اعمال پر مطلع ہو کر مجھ سے ناراض ہو جائے اور ارشاد فرمادے: "جاؤ میں تمہیں نہیں بخشتا۔" اس صورت میں میرے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

واعظ کا ایک جملہ مغفرت کا سبب بن گیا:

حضرت سیِّدُنا ابن سَمّاک عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الرَّزَّاق فرماتے ہیں: میں نے ایک دن ایک مجلس میں وعظ کیا تو حاضرین میں سے ایک نوجوان نے کھڑے ہو کر کہا: اے ابو العباس! آج آپ نے دورانِ بیان ایک ایسا جملہ کہا ہے کہ اگر ہم اس کے علاوہ کچھ نہ سنیں تو بھی کوئی حرج نہیں۔ میں نے کہا: اللہ عَزَّوَجَلَّ تم پر رحم فرمائے! وہ جملہ کیا ہے؟ نوجوان نے جواب دیا: آپ کا یہ جملہ "جنت یا دوزخ میں سے کسی ایک میں ہمیشہ رہنے کے خیال نے خائفین کے دلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے" پھر وہ نوجوان غائب ہو گیا۔ میں نے مجلس میں اسے تلاش کیا لیکن نہ پایا، جب اس کے بارے میں معلومات کی تو پتا چلا کہ وہ بیمار ہے۔ میں اس کی عیادت کے لئے گیا اور اس سے کہا: اے میرے بھائی! تمہیں کیا ہوا ہے؟ اس نے جواب دیا: اے ابو العباس! میری یہ حالت آپ کے اس جملے کے سبب ہے کہ جنت یا دوزخ میں سے کسی ایک میں ہمیشہ رہنے کے خیال نے خائفین کے دلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ پھر اس نوجوان کا انتقال ہو گیا، اللہ عَزَّوَجَلَّ اس پر رحم فرمائے۔ میں نے اسے خواب میں دیکھ کر استفسار کیا: اے میرے بھائی! اللہ عَزَّوَجَلَّ نے تمہارے ساتھ کیا مُعاملہ فرمایا؟ اس نے جواب دیا: اللہ عَزَّوَجَلَّ نے میری مغفرت فرمادی، مجھ پر رحم کیا اور داخلِ جنت فرمایا۔ میں نے پوچھا: کس عمل کے سبب؟ جواب دیا: اسی جملے کے سبب۔

ہم کیوں خوف زدہ نہیں ہوتے؟

جب انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام، اولیائے کرام اور علمائے عظام رَحِمَہُمُ اللہُ السَّلَام کے خوف کا یہ عالَم

ہے تو پھر ہم جیسے لوگ تو خوف کے زیادہ حقدار ہیں۔ خوف گناہوں کی زیادتی کے سبب نہیں ہوتا (اگر ایسا ہوتا تو ہم لوگوں کا خوف ان حضرات سے زیادہ ہوتا) بلکہ دلوں کی صفائی اور معرفت کے کامل ہونے کے سبب خوف پیدا ہوتا ہے۔ ہم لوگوں کی بے خوفی کا سبب یہ نہیں کہ ہمارے گناہ کم اور نیکیاں زیادہ ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ نفسانی خواہشات ہماری راہنمائی کرتی ہیں، بدنصیبی ہم پر غالب آجاتی ہے اور ہمیں ہماری غفلت کا مشاہدہ کرنے سے روک دیتی ہے پھر نہ تو سفر آخرت کے مرحلے کا قریب ہونا ہمیں بیدار کرتا ہے، نہ گناہوں کی کثرت ہمیں جھنجھوڑتی ہے، نہ خائفین کے احوال سننے سے ہم پر خوف طاری ہوتا ہے اور نہ برے خاتمے کے خطرات ہمیں ڈراتے ہیں۔ اگر عملی تیاری کے بغیر محض زبانی سوال کرنا نفع دے سکتا ہے تو ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے التجا کرتے ہیں کہ وہ اپنے فضل و کرم سے ہماری حالت کو دُرُست فرما دے۔

کس قدر عجیب بات ہے کہ جب ہم دنیوی مال و دولت کمانے کا ارادہ کرتے ہیں تو کھیتی باڑی کرتے ہیں، باغات لگاتے ہیں، تجارت کرتے ہیں، بری اور بحری سفر طے کرتے ہیں اور اس مقصد کے لئے اپنے جان و مال کو خطرے میں ڈالتے ہیں۔ اگر ہم نے علم حاصل کرنا ہو تو اس مقصد کے لئے غور و فکر کرتے ہیں، علم کی تکرار اور یاد کرنے کے لئے مشقتیں اٹھاتے اور شب بیداری کرتے ہیں۔ حُصولِ رزق کے لئے بھی ہم پوری کوشش کرتے ہیں، اس بات پر تکیہ نہیں کرلیتے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے رزق دینے کا ذمہ لیا ہے اور نہ گھر میں بیٹھ کر یہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! ہمیں رزق عطا فرما لیکن کس قدر تعجب کی بات ہے کہ ہمیشہ باقی رہنے والی بادشاہت (یعنی جنت) کے حُصول کے لئے ہم صرف اپنی زبان سے یہ دعا کرنے پر اکتفا کرلیتے ہیں: "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا یعنی اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما۔"

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذاتِ پاک جو کہ ہماری امید اور آرزو کا مرکز ہے وہ ہمیں پکار پکار کر اعلان کر رہی ہے:

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰیۙ﴿۳۹﴾ (پ۲۷، النجم: ۳۹) ترجمۂ کنزالایمان: اور یہ کہ آدمی نہ پائے گا مگر اپنی کوشش۔

ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَلَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ﴿۵﴾ (پ۲۲، فاطر: ۵) ترجمۂ کنزالایمان: اور ہرگز تمہیں اللہ کے حلم پر فریب نہ دے وہ بڑا فریبی۔

ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِۙ(۶) ترجمۂ کنزالایمان: اے آدمی تجھے کس چیز نے فریب دیا اپنے کرم والے رب سے۔ (پ۳۰، الانفطار: ۶)

لیکن اس کے باوُجود ہم خوابِ غفلت سے بیدار نہیں ہوتے اور نہ دھوکے اور جھوٹی آرزوؤں کی دنیا سے باہر نکلتے ہیں، اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ہمیں سچی توبہ کی توفیق عطا نہ فرمائی جو ہماری کوتاہیوں کا ازالہ کر دے تو یہ صورتحال انتہائی خوفناک ہے۔

ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اس بات کا سوال کرتے ہیں کہ وہ ہماری توبہ کو قبول فرمائے اور ہمارے دلوں میں توبہ کا شوق پیدا فرمادے اور صرف زبانی طور پر توبہ کے کلمات کی ادائیگی کو ہمارا حصہ نہ بنائے کہ ہم ان لوگوں میں سے ہوجائیں جو زبان سے جو کچھ کہتے ہیں اس پر نہ تو عمل کرتے ہیں اور نہ اسے دل سے قبول کرتے ہیں۔ خدانخواستہ کہیں ہماری حالت ایسی نہ ہوجائے کہ ہم وعظ سن کر روئیں دھوئیں اور جب عمل کا وقت آئے تو نافرمانی شروع کردیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ناراضی کی اس سے بڑی کوئی نشانی نہیں ہے۔ ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ اپنے فضل وکرم سے ہمیں توفیق وہدایت عطا فرمائے۔

پیاسے کے لئے ایک گھونٹ پانی ہی کافی ہے:

ہم نے خائفین کے جس قدر حالات بیان کئے ہیں انہیں پر اکتفا کرتے ہیں کیونکہ قبول کرنے والے دل کے لئے یہ مقدار بھی کافی ہے جبکہ غفلت کے شکار دل کے لئے اس سے زیادہ مقدار بھی ناکافی ہے۔ اس حوالے سے درج ذیل حکایت میں مذکور راہب کی بات بالکل دُرُست ہے چنانچہ حضرت سیِّدُنا عیسٰی بن مالک خولانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی جو کہ عبادت گزار بزرگوں میں سے ہیں، انہوں نے بیت المقدس کے دروازے پر ایک راہب کو کھڑا دیکھا جو کہ انتہائی غمزدہ اور پریشان نظر آرہا تھا اور اس کے آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ فرماتے ہیں: راہب کی اس حالت کو دیکھ کر میں خوف زدہ ہوگیا اور میں نے اس سے کہا: اے راہب! مجھے کوئی وصیت کیجئے جسے میں یاد کرلوں۔ اس نے کہا: اے میرے بھائی! میں تمہیں کیا وصیت کروں، اگر تم سے ہوسکے تو اس شخص کی طرح زندگی گزارو جسے چاروں طرف سے درندوں اور حشرات الارض

نے گھیر رکھا ہے اور وہ اس بات سے خوف زدہ ہے کہ ان کی طرف سے ذرا بھی غفلت کی تو یہ اسے چیر پھاڑ کر کھا جائیں گے، دن ہو یا رات وہ اسی خوف میں مبتلا رہتا ہے اگر چہ دیگر لوگ غفلت کا شکار ہوں۔ اتنا کہنے کے بعد وہ راہب مجھے چھوڑ کر جانے لگا تو میں نے اس سے کہا: مجھے کچھ اور بھی نصیحت فرمائیے، شاید اس سے مجھے نفع پہنچے۔ راہب نے جواب دیا: پیاسے شخص کے لئے ایک گھونٹ پانی ہی کافی ہوتا ہے۔

نظر نہ آنے والے درندے:

راہب کی یہ بات بالکل دُرُست ہے کیونکہ صاف وشفاف دل کو حرکت دینے کے لئے خوف کی ادنیٰ مقدار بھی کافی ہوتی ہے جبکہ جو دل سخت ہو چکا ہو اس پر کوئی نصیحت اثر نہیں کرتی۔ راہب نے جو درندوں اور حشرات الارض کے انسان کو گھیرنے کی مثال بیان کی ہے یہ محض مثال نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ اگر آپ نورِ بصیرت سے باطن کو دیکھیں تو وہ طرح طرح کے درندوں میں گھرا نظر آئے گا مثلاً غصہ، شہوت، کینہ، حسد، تکبر، خود پسندی اور ریاکاری وغیرہ۔ اگر آپ (گناہوں کے نظر نہ آنے والے) ان درندوں سے لمحہ بھر کے لئے بھی غافل ہو کر گناہ کرتے ہیں تو یہ درندے آپ کو کاٹتے اور نوچتے ہیں اگر چہ فی الحال اس کی تکلیف محسوس نہیں ہوتی اور وہ نظر بھی نہیں آرہے مگر مرنے کے بعد قبر میں پردہ اٹھ جائے گا اور آپ ان درندوں کو دیکھ لیں گے۔ ہاں ہاں آپ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ گناہوں نے بچھوؤں اور سانپوں وغیرہ کی شکلوں میں آپ کو قبر میں گھیر رکھا ہے۔

یقیناً یہ بری خصلتیں در حقیقت خوفناک درندے ہیں جو اس وقت بھی آپ کے پاس موجود ہیں لیکن ان کی بھیانک شکلیں قبر میں نظر آئیں گی۔ آپ موت سے پہلے ان سانپوں اور بچھوؤں کو قتل کرنے پر قادر ہیں، اگر انہیں ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو کر دیجئے ورنہ پھر اپنے ظاہری جسم کے ساتھ ساتھ باطن کو بھی ان کے ڈسنے اور بھنبھوڑنے کے لئے تیار کر لیجئے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰه! اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل وکرم سے ”خوف اور امید کا بیان“ مکمل ہوا

فَقْروزُہْد کا بیان (اس میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں)

مُقَدَّمَہ:

تمام تعریفیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ہیں ریت کے ٹیلے جس کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ سائے اس کے حضور سجدہ ریز ہیں۔ اس کی ہیبت سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انسان کو بجنے اور چپکنے والی مٹی سے پیدا فرمایا، اچھی اور مُعْتَدِل شکل وصورت سے اسے زِینت بخشی، نورِ ہدایت کے ذریعے گمراہی کے اندھیروں سے اس کے دل کی حفاظت فرمائی اور نمازِ پنج گانہ کی پابندی کے ذریعے اپنی بارگاہ میں حاضری کی اجازت مَرحَمَت فرمائی۔ اِخلاص کے ساتھ اپنی عبادت کرنے والوں کی باطنی نظروں کو نورِ ہدایت کے سُرمے سے مُنَوَّر فرمایا جس کی روشنی میں انہوں نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے انوار وتجلیات کا مُشاہَدہ کیا اور ان کے لئے ایسا نور اور روشنی ظاہر ہوئی جس کی ابتدائی تجلیات کے مقابلے میں انہیں دنیا کا ہر حسن وجمال حقیر نظر آتا ہے، البتہ جو شخص ان انوار وتجلیات کے مُشاہَدے سے محروم رہا وہ اس بات کو انتہائی دشوار اور بعید سمجھتا ہے۔

(اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نیک بندوں کے سامنے) دنیا ایک خوبصورت عورت کے رُوپ میں ظاہر ہوتی ہے جو اِترا کر چلتی ہے لیکن اس کی اندرونی حقیقت ان پر مُنکَشِف ہو جاتی ہے کہ یہ ایک بدصورت بُڑھیا ہے جس کی تخلیق ذلت ورسوائی کے خمیر سے کی گئی ہے اور اس نے اپنے عُیُوب ونَقائِص کو چھپانے کے لئے مَکْر وفَریب کی چادر اوڑھ رکھی ہے۔ راہِ سُلوک پر سَفَر کرنے والے مَردوں کے راستے میں دنیا نے مختلف قِسم کے جال بچھا رکھے ہیں اور مختلف قسم کے حیلوں اور دھوکوں سے اُن کا شکار کرتی ہے، پھر صرف اتنی بات پر اِکتفا نہیں کرتی کہ ملاپ کے وعدوں کی خلاف ورزی کرے بلکہ اُنہیں زنجیروں اور طَوقوں میں جکڑ کر طرح طرح کی تکلیفوں اور آزمائشوں میں مُبتلا کرتی ہے۔

عارِفین چونکہ دُنیا کی پوشیدہ بُرائیوں اور ظاہری افعال پر مُطَّلَع ہوتے ہیں اس لئے انہوں نے دنیا سے ایسی بے رغبتی اختیار کی جیسی کسی قابلِ نفرت چیز سے کی جاتی ہے۔ ان حضرات نے دنیا اور اس کے مال واسباب کی کثرت اور اِس پر فخر کرنے کو مکمل طور پر تَرک کر دیا اور ہمہ تن اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قُرب حاصل کرنے کی جُستجو میں مشغول ہو گئے اور اس بات پر کامل یقین کر لیا کہ انہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ایسا وصال حاصل ہو گا جس

کے بعد جُدائی نہ ہوگی اور مرنے کے بعد اللہ عَزَّوَجَلَّ کے دِیدار کی نعمت سے اس طرح سرفراز ہوں گے کہ یہ نعمت کبھی مُنْقَطَع نہ ہوگی۔ ہمارے آقا و مولیٰ، انبیا کے سردار حضرت محمد صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اور ان کے اہلِ بیت پر جو بہترین اہلِ بیت ہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی سلامَتی اور رحمت ہو۔

بے شک دنیا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی دشمن ہے، کثیر لوگ اس کے دھوکے کے سبب گمراہ اور اس کے مَکْر وفریب کے باعث لَغْزِش کا شکار ہوتے ہیں۔ اس کی محبّت خطاؤں اور گناہوں کی جڑ اور اس سے نفرت عبادات کی بنیاد ہے۔ دنیا کی حقیقت اور اس سے محبت کی مَذَمَّت ہم تفصیلی طور پر مُہلِکات کے تحت ''دنیا کی مذمت'' کے بیان میں ذکر کرچکے ہیں۔ اس مَقام پر دُنیا سے نفرت اور اس سے بے رغبتی کی فضیلت بیان کی جائے گی کیونکہ یہ دونوں باتیں نجات دینے والے اَعمال کی بنیاد ہیں۔ اُخْرَوی نجات کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ دنیا سے دوری اختیار کرکے اس سے ناطہ توڑ لیا جائے۔

دنیا سے قطع تعلق کی صورتیں:

دُنیا سے قَطْع تَعَلُّق دو طرح سے ہوتا ہے: (۱)...دنیا بندے سے دور ہو جائے، اسے فَقْر کہا جاتا ہے۔ (۲)...بندہ خود دنیا سے دوری اختیار کرے، اِسے زُہد کہتے ہیں۔

فَقْر اور زُہد دونوں ہی سعادت مندی کے حصول میں اہم کردار ادا کرتے اور آخرت میں نجات کے حصول میں مُعاوِن بنتے ہیں۔ چنانچہ، ہم فقر و زہد کی حقیقت، ان کے دَرَجات، اَقسام، شرائط اور اَحکام ذِکر کریں گے۔ پہلے فقر اور پھر زہد کو بیان کریں گے۔

باب نمبر1: فَقْر کا بیان (اس میں نو فصلیں ہیں)

اس میں دَرْج ذَیل اُمور کا بیان ہے: (۱) فَقْر کی حقیقت (۲) فَقْر کی فضیلت (۳) فُقَرا کی خصوصی فضیلت (۴) فقیر کی غنی (مال دار) پر فضیلت (۵) راہِ فقر میں فقیر کے آداب (۶) عطیہ قبول کرنے کے مُعامَلے میں فقیر کے آداب (۷) بِلا حاجَتِ شرعی سُوال کی حُرمَت (۸) مال کی وہ مقدار جس کے ہوتے ہوئے سوال کرنا حرام ہے (۹) مانگنے والوں کے احوال۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی اپنے فَضْل وکَرَم سے دُرُستی کی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

پہلی فصل:

فَقْر کی حقیقت

فقر کا معنیٰ یہ ہے کہ جس شے کی حاجت ہے وہ موجود نہ ہو، جس چیز کی ضرورت ہی نہیں اگر وہ نہ پائی جائے تو اسے فقر نہیں کہا جاتا نیز جس شخص کے پاس مطلوبہ شے موجود بھی ہو اور اس کے قابو میں بھی ہو تو ایسا شخص فقیر نہیں کہلاتا۔

جب تم نے اس بات کو سمجھ لیا تو پھر تمہیں اس بات میں بھی شک نہیں ہونا چاہئے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے علاوہ ہر کوئی فقیر ہے کیونکہ وہ ہر آنے والے لمحے میں اپنا وُجود باقی رکھنے کا محتاج ہے اور وجود کا باقی رہنا اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فَضْل وکَرَم سے حاصل ہوتا ہے۔ اگر موجود ہونے کے لحاظ سے کوئی ایسی ہستی پائی جائے جس کا وُجود کسی اور سے حاصل شدہ نہ ہو تو وہ ہستی غنیٔ مُطلَق کہلائے گی اور ایسی ہستی ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ پس غنیٔ مطلق ہستی ایک ہی ہے اور وہ ذاتِ باری تعالیٰ ہے بَقِیَّہ تمام مخلوق اپنے وجود کے لئے اس کی محتاج ہے۔ اس فرمانِ باری تعالیٰ میں اسی طرف اشارہ ہے:

وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ (پ۲۶، محمد: ۳۸) ترجمۂ کنزالایمان: اور اللہ بے نیاز ہے اور تم سب محتاج۔

یہ مطلق فقر کا معنیٰ ہے لیکن ہمارا مقصود مطلق فقر کا بیان نہیں بلکہ ہم بالخصوص مال کے اعتبار سے فقر کو بیان کرنا چاہتے ہیں ورنہ اپنی ضروریات کی طرف محتاج ہونے کے اعتبار سے بندے کے فقر کی کوئی حد نہیں کیونکہ انسان کی ضروریات لامَحْدُود ہیں۔ ضروریاتِ انسانی میں سے بعض وہ ہیں جن کی تکمیل مال سے ہوتی ہے اور فی الحال ہم اُنہی کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔

فقیر کی تعریف اور اس کے مختلف اَحوال:

ہر وہ شخص جس کے پاس مال نہ ہو اور اسے مال کی ضرورت ہو اسے فقیر کہا جاتا ہے۔ ممکنہ طور پر فقیر کے پانچ اَحوال ہوسکتے ہیں، ہم اُن اَحوال کو الگ الگ بیان کریں گے اور ہر حالت کا ایک نام بھی رکھیں گے تاکہ جب ان احوال کا حکم بیان کیا جائے تو فرق ہوسکے کہ کون سا حکم کس حالت کے لئے ہے۔

...**پہلی حالت:** یہ ہے کہ فقیر کے پاس مال آئے تو وہ نفرت کی وجہ سے اسے ناپسند کرے، اُس کے آنے

سے اِسے تکلیف ہو، نیز اس کے شر اور اس میں مشغولیت سے بچنے کے لئے اُس سے راہِ فرار اختیار کرے۔ اِس حالت کا نام ''زُہد'' ہے اور جس شخص میں یہ صِفَت پائی جائے اسے ''زاہد (دنیا سے بے رغبتی رکھنے والا)'' کہتے ہیں۔ فقیر کے پانچوں اَحوال میں سے یہ سب سے بہترین حالت ہے۔

...**دوسری حالت:** یہ ہے کہ نہ تو مال میں ایسی رغبت ہو کہ حصولِ مال پر خوشی محسوس ہو اور نہ ہی ایسی نفرت ہو کہ مال کے ملنے پر تکلیف ہو اور اسے لینے سے انکار کردے۔ ایسی حالت والے شخص کو ''راضی'' کہا جاتا ہے۔

...**تیسری حالت:** یہ ہے کہ مال میں رغبت کی وجہ سے اس کے نزدیک مال کا ہونا، نہ ہونے کی نسبت زیادہ پسندیدہ ہو لیکن یہ رغبت اس حد تک نہ پہنچی ہو کہ حصولِ مال کے لئے بھاگ دوڑ کرے بلکہ اگر بآسانی حاصل ہو تو خوشی سے لے لے اور اگر حاصل کرنے کے لئے محنت کرنی پڑے تو چھوڑ دے۔ اس حالت والے شخص کو ''قانِع'' کے نام سے مَوسُوم کیا جاتا ہے کیونکہ اس کے نفس نے موجود مال پر قناعت کی اور معمولی رغبت کے باوجود مزید مال کی طَلَب کو تَرک کر دیا۔

...**چوتھی حالت:** یہ ہے کہ ایک شخص مال کی طلب نہیں کرتا لیکن اس کے طلب نہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ یہ شخص حصولِ مال پر قادر ہی نہیں ہے ورنہ اِسے مال سے ایسی محبَّت ہے کہ اگر حصولِ مال کا کوئی ذریعہ پاتا تو ضرور طلب کرتا اگرچہ حصولِ مال میں محنت ہی کیوں نہ کرنی پڑتی یا پھر وہ فی الحال بھی طلبِ مال میں مشغول ہے۔ اس حالت والے کو ''حریص'' کہا جاتا ہے۔

...**پانچویں حالت:** یہ ہے کہ اس کے پاس جو مال نہیں یہ اس کا محتاج ہے۔ مثلاً بھوکا جس کے پاس روٹی نہ ہو یا بے لباس جس کے پاس کپڑا نہ ہو، ایسی حالت والے شخص کو ''مُضْطَر'' کہا جاتا ہے چاہے مال میں اِس کی رغبت کم ہو یا زیادہ، ایسی حالت میں مال کی طرف رغبت نہ ہونا بہت کم پایا جاتا ہے۔

یہ فقر کے پانچ احوال ہیں جن میں سب سے اعلیٰ زُہد ہے اور اگر اِضطرار و زُہد جمع ہو جائیں تو یہ زُہد کے دَرَجات میں سب سے بلند دَرَجہ ہے جس کا بیان آگے آئے گا۔

زُہد سے اَفضل حالت:

مذکورہ پانچ حالتوں کے علاوہ ایک چھٹی حالت بھی ہے جو کہ زُہد سے بھی افضل ہے، وہ یہ ہے کہ بندے

کے نزدیک مال کا ہونا اور نہ ہونا یکساں ہو۔ مال ملنے پر نہ تو خوش ہو اور نہ ہی تکلیف محسوس کرے جبکہ نہ ملنے پر بھی یہی حالت ہو بلکہ اس کی حالت ایسی ہو جائے جیسی اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صِدِّیقہ طَیِّبَہ طاہِرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی تھی کہ کسی نے آپ کی خدمت میں ایک لاکھ دِرْہم کا عَطِیَّہ نذر کیا تو آپ نے قُبُول فرمالیا اور اُسی دن تقسیم فرمادیا۔ خادِمہ نے عرض کی: آپ نے آج جو مال تقسیم فرمایا اگر اس میں سے ایک درہم کا گوشت خرید لیتیں تو ہم اس سے روزہ افطار کرتے۔ فرمایا: اگر تم یاد دلادیتیں تو میں ایسا ہی کرتی۔[1]

جس شخص کی کیفیت ایسی ہو اگر پوری دنیا بھی اس کے قبضے میں ہو تو اسے کوئی نقصان نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ مال کو اپنے قبضے میں نہیں بلکہ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کے خزانے میں سمجھتا ہے اور اس کے نزدیک اس بات میں کوئی فَرق نہیں ہوتا کہ مال اس کے قبضے میں ہے یا کسی اور کے، ایسی حالت والے شخص کا نام ''مستغنی'' رکھنا چاہیے کیونکہ وہ مال کے ہونے نہ ہونے دونوں سے بے پرواہ ہے۔

خالق اور مخلوق کے غنی ہونے میں فرق:

اس نام ''مُسْتَغْنِی'' سے ایک ایسا معنٰی سمجھ میں آتا ہے جس سے اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کے غنی ہونے اور مال دار بندے کے غنی ہونے میں فَرق ہو جاتا ہے۔ مال دار انسان اگر مال سے خوش ہو تو وہ اپنے پاس مال باقی رہنے کے مُعامَلے میں فقیر ہے، وہ اپنے پاس مال کے آنے سے تو غنی ہے لیکن اپنے مال کی بَقا کے مُعامَلے میں غنی نہیں، لہٰذا وہ ایک اِعتِبار سے فقیر ہے۔ جبکہ یہ شخص (جسے مستغنی کا نام دیا گیا) اپنے پاس مال آنے، مال کے اپنے قبضے میں باقی رہنے اور چلے جانے ان تمام مُعامَلات میں غنی ہے کیونکہ اسے نہ تو مال سے تکلیف ہوتی ہے کہ اُسے اپنے پاس سے نکالنے پر مجبور ہو، نہ مال سے خوش ہوتا ہے کہ اسے اپنے پاس باقی رکھنے کی ضرورت پڑے اور نہ ہی یہ مال سے محروم ہے کہ حصولِ مال کے معاملے میں کسی کا محتاج ہو۔ مستغنی کا غَنا عام ہے اور یہ اُس غَنا کے زیادہ قریب ہے جو اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کی صِفَت ہے، بندے کو اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کا قُرب صِفات کے قرب سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ مکان کے قرب سے، لیکن ہم ایسی حالت سے مُتَّصِف شخص کو غنی نہیں مستغنی کہتے ہیں تاکہ غنی کا لَفْظ اُس ذات کے لئے باقی رہے جو کہ ہر چیز سے مطلقاً بے نیاز ہے۔ یہ بندہ اگر مال کے ہونے نہ

---

[1]...تفسیر کبیر، پ٣٠، الزلزلة، تحت الآیة: ٧، ٨، ١١/ ٢٥٧، بتغیر قلیل

ہونے سے بے نیاز ہو بھی تو دیگر چیزوں سے مستغنی نہیں ہے اور نہ ہی اس بات سے بے نیاز ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جس غَنا سے اس کے دل کو مُزَیَّن فرمایا ہے اس کی بَقا کے معاملے میں توفیقِ باری تعالٰی اس کی مدد کرے، کیونکہ جو دل محبَّتِ مال میں مبتلا ہے وہ درحقیقت قیدی ہے جبکہ مستغنی اس قید سے آزاد ہے اور اُسے اِس قید سے رہائی اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ہی عطا فرمائی ہے۔ اِس آزادی کے باقی رہنے کے معاملے میں یہ محتاج ہے کیونکہ دل کی کیفیت بدلتی رہتی ہے، کبھی یہ مال و دولت کی محبَّت میں گرفتار ہوتا ہے تو کبھی اس قید سے رہائی پالیتا ہے اس لئے کہ انسان کا دل اللہ عَزَّوَجَلَّ کے قبضہ و اختیار میں ہے۔ اسی وجہ سے مذکورہ فضل و کمال کے باوجود ایسے شخص پر لفظِ غنی کا اِطلاق بطورِ حقیقت نہیں بلکہ بطورِ مجاز ہوتا ہے۔

جان لو کہ زُہد ایک ایسا دَرَجہ ہے جو نیک لوگوں کے لئے کمال ہے لیکن مذکورہ شخص (یعنی مستغنی) نہ صرف نیک بلکہ مُقَرَّبِیْن کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے اور بلاشُبہ ایسے لوگوں کا مَقام زُہد سے بھی بلند ہوتا ہے، جیسا کہ منقول ہے: حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْن یعنی نیک لوگوں کی نیکیاں مُقَرَّبِیْن کے لئے خطا کا درجہ رکھتی ہیں۔

نفرتِ دُنیا میں مشغول ہونا کیسا؟

جس طرح دنیا سے محبت کرنے والا دنیا میں مشغول ہے یونہی دنیا سے نفرت کرنے والا بھی اس میں مشغول ہے (کہ بطورِ نفرت ہی سہی لیکن اس کی توجہ دنیا کی طرف ہے)۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ اور بندے کے درمِیان کوئی دوری نہیں کہ دور ہونا اس سے حِجاب بنے، اللہ عَزَّوَجَلَّ تو بندے کی شَہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اور نہ ہی وہ کسی مکان میں ہے کہ آسمان و زمین بندے اور رب کے درمِیان آڑ بنیں، اللہ عَزَّوَجَلَّ اور بندے کے درمِیان صرف یہ چیز حجاب ہے کہ بندہ اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کے علاوہ کسی اور چیز میں مشغول ہو جائے۔ بندے کا اپنی ذات اور نفسانی خواہشات میں مشغول ہونا بھی غیرُاللہ میں مشغول ہونا ہے اور چونکہ انسان انہیں چیزوں میں مشغول رہتا ہے اس لئے وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے حجاب میں رہتا ہے۔ اپنے نفس سے محبت کرنے والا اور اس سے نفرت کرنے والا دونوں ہی اللہ عَزَّوَجَلَّ سے غفلت کا شکار ہیں۔

مثال:

اس کی مثال یہ ہے کہ کسی مجلس میں عاشق و معشوق اور رقیب (یعنی اس معشوق کا دوسرا عاشق) تینوں موجود

ہوں، اگر عاشق کا دل رقیب سے نفرت اور اس کی ناپسندیدگی میں مصروف ہو تو اس وقت میں وہ معشوق کو دیکھنے کی لذّت سے مَحروم رہے گا کہ اگر اس کا دل عِشْق و محبّت میں مُسْتَغْرَق ہوتا تو ہر گز کسی اور کی طرف اِلتفات نہ کرتا۔ جس طرح معشوق کی موجودگی میں کسی اور کی محبت کے باعث اس کی طرف دیکھنا محبّت میں شرکت اور خامی ہے یونہی نفرت کی وجہ سے متوجہ ہونا بھی عشق کے مُعاملے میں شرکت اور عَیب ہے لیکن دوسری صورت کی بُرائی پہلی سے کم ہے۔ عشق و محبت کا کمال دَرَجہ تو یہ ہے کہ عاشق کا دل معشوق کے علاوہ کسی اور کی طرف متوجہ ہی نہ ہو، نہ تو اس کی محبت کی وجہ سے اور نہ ہی نفرت کے سبب کیونکہ جس طرح ایک دل میں ایک ہی حالت میں دو محبتیں جمع نہیں ہوسکتیں اسی طرح محبت و نفرت کا اجتماع بھی نہیں ہوسکتا، لہٰذا محبّتِ دنیا میں مشغول شخص کی طرح اس سے نفرت میں مشغول انسان بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ سے غافل ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ دنیاوی محبت میں مشغول اپنی غفلت میں دوری کے راستے پر گامزن ہے جبکہ عداوتِ دنیا میں مشغول فرد قرب کا راستہ طے کررہا ہے کیونکہ اس کے بارے میں اس بات کی امید ہے کہ انجامِ کار اس کی غفلت کا اِزالہ ہوجائے اور اسے مقامِ شُہُود حاصل ہوجائے کمال ایسے شخص کا منتظر ہوتا ہے کیونکہ عداوتِ دنیا ایک ایسی سُواری ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ تک پہنچاتی ہے۔

دنیا سے محبت کرنے اور عداوت رکھنے والوں کی مثال:

دنیا سے محبت کرنے اور اس سے عداوت رکھنے والے ان دو اشخاص کی طرح ہیں جو حج کے لئے چلے لیکن راستے میں اونٹ کی سُواری، اسے ہانکنے اور چارہ دینے میں مشغول ہوگئے لیکن ان میں سے ایک کا رُخ کَعبَۂ مُشَرَّفہ کی جانب ہے جبکہ دوسرا مخالف سمت میں چلا جارہا ہے۔ یہ دونوں اس اعتبار سے تو برابر ہیں کہ یہ دونوں ہی مَکَّۂ مُعَظَّمَہ سے غافل ہیں لیکن جس کا منہ جانبِ کعبہ ہے وہ اس کی طرف پیٹھ کرنے والے سے بہتر ہے کیونکہ اس کے کعبۂ معظمہ تک پہنچنے کی امید ہے جبکہ وہ شخص جو کعبہ شریف (یعنی مسجد حرام) میں مُعتَکِف ہے اور اس سے باہر ہی نہیں نکلتا کہ دوبارہ اس تک پہنچنے کے لئے جانور میں مشغول ہونے کی ضرورت پڑے وہ اس سے بھی بہتر حال میں ہے، لہٰذا یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ عداوتِ دنیا بذاتِ خود مقصود ہے بلکہ یہ بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ تک پہنچنے سے رُکاوٹ کا باعث ہے اور قُربِ باری تعالیٰ پانے کے لئے ایسی رُکاوٹوں کو عُبور کرنا لازمی ہے۔

حضرت سیِّدُنا ابو سُلَیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی فرماتے ہیں: جس نے دنیا سے بے رغبتی اِختیار کی اور اسی پر اِکتفا کیا تو وہ جلد راحت چاہتا ہے، انسان کو چاہئے کہ زُہد میں مشغول ہونے کے بجائے آخرت کی طرف متوجہ ہو۔

اس قول میں یہ بیان ہے کہ سفر آخرت کی منازل طے کرنا زُہد کے بعد کا دَرَجہ ہے جیسا کہ حج کے سفر کا درجہ حج کو مانع (یعنی رکاوٹ بننے والے) قرض کی ادائیگی کے بعد ہے۔

خلاصۂ کلام:

اس تمام گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ اگر زُہد کا مفہوم یہ لیا جائے کہ دنیا کے ہونے نہ ہونے دونوں میں کوئی دلچسپی نہ ہو تو یہ زُہد کا کمال دَرَجہ ہے اور اگر زُہد سے مراد دنیا کے نہ ہونے میں دلچسپی ہو تو یہ مقام راضی، قانع اور حریص سے اُوپر جبکہ مستغنی سے نیچے ہے۔

زُہد کا کمال دَرَجہ:

مال کے مُعاملے میں زُہد کا کمال دَرَجہ یہ ہے کہ بندے کے نزدیک مال اور پانی برابر ہوں، ظاہر ہے کہ کثیر پانی کا انسان کے قریب ہونا اسے نقصان نہیں دیتا جیسا کہ ساحِلِ سمندر پر رہنے والا شخص اور نہ ہی پانی کا کم ہونا ضرر دیتا ہے جبکہ بقدرِ ضرورت پانی دستیاب ہو۔ پانی ایک ایسی چیز ہے جس کی انسان کو ضرورت ہوتی ہے، انسان کا دل نہ تو کثیر پانی سے نفرت کرتا ہے اور نہ ہی راہِ فرار اختیار کرتا ہے بلکہ وہ کہتا ہے کہ میں اس سے اپنی حاجت کے مطابق پیوں گا، اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بندوں کو پلاؤں گا اور اس میں بخل نہیں کروں گا۔ انسان کے نزدیک مال کی حالت بھی یہی ہونی چاہئے کہ اس کے ہونے نہ ہونے سے اسے کوئی فَرق نہ پڑے۔ جب بندے کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی مَعْرِفَت حاصل ہو جائے اور توکُّل کی دولت نصیب ہو جائے تو پھر اسے اس بات پر کامل یقین ہو جاتا ہے کہ وہ جب تک زندہ ہے اسے بقدرِ ضرورت روزی ملتی رہے گی جیسا کہ پانی ملتا ہے، عنقریب توکُّل کے بیان میں اس بات کا ذکر آئے گا اِنْ شَآءَ اللہ عَزَّوَجَلَّ۔

یہ صوفیا کے دلوں کی کمزوری ہے:

حضرت سیِّدُنا اِمام اَحمد بن ابو الحواری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْبَارِی فرماتے ہیں: میں نے حضرت سیِّدُنا ابو سُلَیمان

دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی کو یہ واقعہ سنایا کہ حضرت سیِّدُنا مالِک بن دِینار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْغَفَّار نے حضرت سیِّدُنا مُغیرہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے فرمایا: ”آپ گھر کے اندر جاکر وہ برتن لے لیں جو آپ نے مجھے تحفے میں دیا تھا کیونکہ شیطان مجھے یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ اُسے چور لے گیا ہے۔“ یہ واقعہ سن کر حضرت سیِّدُنا ابو سُلَیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی نے فرمایا: یہ صوفیا کے دلوں کی کمزوری ہے، اگر انہوں نے دنیا سے بے رغبتی کو اختیار کرلیا تھا تو پھر برتن کے چوری ہونے میں ان کا کوئی نقصان نہیں تھا۔

حضرت سیِّدُنا ابو سلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی نے اِس بات کو بیان فرمایا ہے کہ گھر میں برتن کی موجودگی کو ناپسند کرنے میں بھی اس کی طرف متوجہ ہونا پایا جارہا ہے اور اِس کا سبب تصوُّف کے مُعامَلے میں کمزوری اور کمی ہے۔

ایک سُوال اور اس کا جواب:

اگر یہ کہا جائے کہ آپ ان انبیائے کِرام عَلَیْہِمُ السَّلَام اور اَولیائے عِظام رَحِمَہُمُ اللّٰہُ السَّلَام کے بارے میں کیا فرمائیں گے جنہوں نے مال سے دوری اختیار کی اور اس سے شدید نفرت کرتے رہے؟ تو اس کا **جواب** یہ ہے کہ ان نُفُوسِ قُدسِیہ نے اس معنٰی میں پانی سے دوری اختیار کی کہ ضرورت سے زائد پانی نوش نہیں فرمایا اور نہ ہی اسے مشکیزوں میں جمع فرمایا کہ ساتھ لئے پھریں بلکہ اسے محتاج افراد کے لئے نہروں، کنوں اور صحراؤں میں چھوڑ دیا لیکن ان کے دل اس کی محبت یا نفرت میں مشغول نہیں تھے۔ منقول ہے کہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اور پھر آپ کے بعد امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا ابو بکر صِدِّیق اور امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عُمَر فارُوقِ اَعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی خدمت میں زمین کے خزانے پیش کیے گئے اور انہوں نے اسے لے کر مناسب مَقام پر خرچ فرمایا، لینے سے انکار نہ کیا کیونکہ ان کے نزدیک مال اور پانی، سونا اور پتھر برابر تھے۔[1]

بزرگانِ دین کے قبولِ مال سے انکار کی توجیہات:

بعض اَہْلُ اللّٰہ سے جو مال لینے سے انکار منقول ہے اس کی چند وجوہات ہو سکتی ہیں:

...یہ اِنکار ایسے حضرات کی طرف سے ہے جنہیں اس بات کا خوف تھا کہ حصولِ مال کے بعد یہ مال انہیں

1... کنز العمال، کتاب الجہاد من قسم الافعال، باب الارزاق والعطایا، ۴/ ۲۴۳، حدیث: ۱۱۲٦۸، مفہومًا

دھوکے میں مبتلا کرے گا، ان کے دل کو قید کرلے گا اور نفسانی خواہشات کی طرف بلائے گا۔ یہ کمزور مقام والے حضرات کا حال ہے اور بلاشُبہ مال سے نفرت کرنا اور دور رہنا ہی ایسے لوگوں کے حق میں کمال ہے۔ انبیائے کرام اور اولیائے کاملین عَلَیْہِمُ السَّلَام کے سوا تمام مخلوق کے لئے یہی حکم ہے کیونکہ یہ کمزور ہیں۔

...مال لینے سے انکار ایسے اولیا سے منقول ہے جو مقامِ کمال پر فائز ہیں لیکن اس کے باوجود انہوں نے بظاہر کمزوروں کا مقام اختیار فرماتے ہوئے مال ودولت سے نفرت اور دوری کو ظاہر فرمایا تاکہ دیگر لوگ ترکِ مال کے معاملے میں ان کی پیروی کریں کیونکہ اگر لوگوں نے حصولِ مال کے معاملے میں ان کی پیروی کی تو وہ ہلاکت کا شکار ہوجائیں گے۔ یہ مُعاملہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنے بچوں کے سامنے سانپ سے بھاگتا ہے، اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ سانپ کو پکڑ نہیں سکتا بلکہ وہ جانتا ہے کہ اگر میں نے سانپ کو پکڑا تو مجھے دیکھ کر میرے بچے بھی سانپ کو پکڑنے کی کوشش کریں گے اور نقصان اٹھائیں گے۔ انبیائے کِرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام، اولیائے کاملین اور عُلَمائے عِظام رَحِمَہُمُ اللّٰہُ السَّلَام چونکہ لوگوں کے راہ نُما ہوتے ہیں اس لئے یہ حضرات کمزور اَفراد کے سامنے محتاط صورت پر عمل کرتے ہیں۔

فَقْر کے چھ مَراتب:

اس تمام گفتگو سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ فقر کے چھ مراتب ہیں جن میں سب سے اعلیٰ مرتبہ مستغنی کا، پھر ترتیب وار زاہد، قانع، راضی اور حریص کا ہے۔ باقی رہا مُضطر تو اس کے حق میں بھی زہد، رِضا اور قناعت کا تَصَوُّر کیا جاسکتا ہے اور اس کا رُتبہ مختلف اَحوال کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ فقیر کا لفظ مستغنی کے سوا بَقِیَّہ پانچوں حضرات پر بولا جاسکتا ہے، مستغنی کو اگر فقیر کہا جائے تو اس کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ اسے مال سے اپنی بے نیازی کی بقا کے معاملے میں بالخصوص اور دیگر معاملات میں بالعموم اللہ عَزَّوَجَلَّ کا محتاج ہونے کی مَعْرِفَت حاصل ہے۔ مستغنی کو فقیر کہنا ایسا ہی ہے جیسے لَفْظِ عبد کا اِطْلاق کسی ایسے شخص پر کرنا جسے اپنی بندگی کی مَعْرِفَت بھی ہو اور وہ اس کا اِقْرار بھی کرتا ہو، اگرچہ عبد کا لفظ تمام مخلوق کے لئے عام ہے لیکن وہ غافلوں کی بَنِسْبَت اس لفظ کا زیادہ حق دار ہے۔ یونہی اگرچہ لفظ فقیر عام ہے لیکن جو شخص اس بات کو جانتا ہے کہ وہ ہر معاملے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کا محتاج ہے وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔ لَفْظِ فقیر ان دونوں معنوں میں مُشْتَرَک ہے۔

فقر سے پناہ اور حصولِ فقر کی دعا میں تطبیق:

اس اِشْتِراک کو سمجھنے کے بعد ان فرامینِ مصطفٰے کو سمجھنے میں آسانی رہے گی:

﴿1﴾...(اَللّٰھُمَّ) اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْفَقْرِ یعنی اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! میں فقر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔[1]

﴿2﴾...کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَّکُوْنَ کُفْرًا یعنی قریب ہے کہ فقر کفر تک پہنچادے۔[2]

یہ اَحادیث اِس دُعا سے مُتَصادِم نہیں ہیں: (اَللّٰھُمَّ) اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا یعنی (اے اللہ عَزَّوَجَلَّ!) مجھے مسکین زندہ رکھ اور مسکینی کی حالت میں ہی وفات عطا فرما۔[3]

کیونکہ پہلی دونوں رِوایات میں مُضْطَر کا فقر مُراد ہے کہ اپنی بنیادی ضروریات ہی دستیاب نہ ہوں اور تیسری روایت میں اللہ عَزَّوَجَلَّ سے جس فقر کا سوال کیا گیا ہے اس سے مراد بارگاہِ الٰہی میں اپنی مسکینی، بے سروسامانی اور محتاجی کا اعتراف ہے۔

صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَلٰی کُلِّ عَبْدٍ مُّصْطَفٰی مِنْ اَھْلِ الْاَرْضِ وَالسَّمَآءِ

یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور آسمان وزمین میں ہر پسندیدہ بندے پر درودوسلام نازل فرمائے۔

دوسری فصل: فَقْر کی عُمُومی فضیلت کا بیان

یہاں وہ آیاتِ مُقَدَّسہ، اَحادِیْثِ مُبارَکہ اور اَقوالِ بزرگانِ دین بیان کئے جائیں گے جو فقرِ مطلق کی فضیلت پر دلالت کرتے ہیں۔

فقر کی فضیلت پر مشتمل دو فرامین باری تعالٰی:

﴿1﴾...

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ (پ۲۸، الحشر: ۸)

ترجمۂ کنزالایمان: ان فقیر ہجرت کرنے والوں کے لئے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے۔

1...سنن ابی داود، کتاب الوتر، باب فی الاستعاذۃ، ۲/ ۱۳۰، حدیث: ۱۵۴۴

2...شعب الایمان، باب فی الحدیث علی ترک الغل والحسد، ۵/ ۲۶۷، حدیث: ۶۶۱۲

3...سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء ان فقراء المھاجرین یدخلون قبل اغنیائھم، ۴/ ۱۵۷، حدیث: ۲۳۵۹

﴿2﴾...

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ٘

ترجمۂ کنز الایمان: ان فقیروں کے لئے جو راہِ خدا میں روکے گئے زمین میں چل نہیں سکتے۔

(پ۳، البقرۃ: ۲۷۳)

یہ دونوں آیاتِ مُقَدَّسہ تعریف وتوصیف کے مقام پر ذکر کی گئی ہیں اور ان حضرات کی صِفَتِ فَقر کو ان کی ہجرت اور دین کے لئے وقف ہونے کی صِفات سے پہلے بیان کیا گیا ہے جو کہ فقر کی فضیلت پر کھلی دلیل ہے۔

فقر کی فضیلت پر مشتمل نو فرامین مصطفٰے:

﴿1﴾... حضرت سیِّدُنا عبدُاللہ بن عُمَر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ مصطفٰے جانِ رحمت، شمعِ بزمِ ہدایت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان سے استفسار فرمایا: اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ یعنی لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ انہوں نے عرض کی: وہ مال دار شخص جو اپنی جان اور مال میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لازم کردہ حقوق ادا کرتا رہے (یعنی بدنی اور مالی عبادات بجالائے)۔ ارشاد فرمایا: نِعْمَ الرَّجُلُ ھٰذَا وَلَیْسَ بِہٖ یعنی ایسا شخص اچھا ہے لیکن میرا مقصود یہ نہیں۔ صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! آپ ہی ارشاد فرمایئے کہ سب سے اچھا شخص کون ہے؟ ارشاد فرمایا: فَقِیْرٌ یُّعْطِیْ جُھْدَہٗ یعنی وہ فقیر جو اپنی استطاعت کے مطابق راہِ خدا میں خرچ کرے۔[1]

﴿2﴾... پیارے مصطفٰے صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت سیِّدُنا بلال حبشی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے ارشاد فرمایا: اِلْقَ اللّٰہَ فَقِیْرًا وَّلَا تَلْقَہٗ غَنِیًّا یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ سے فقیر ہونے کی حالت میں ملنا، مال دار ہو کر نہ ملنا۔[2]

﴿3﴾... اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْفَقِیْرَ الْمُتَعَفِّفَ اَبَا الْعِیَالِ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ اس فقیر سے محبت فرماتا ہے جو بال بچوں والا ہونے کے باوُجود سُوال سے بچتا ہے۔[3]

---

❶...مسند ابی داود طیالسی، باب ما روی نافع عن ابن عمر، ص ۲۵۳، حدیث: ۱۸۵۲، بتغیر قلیل

❷...المستدرک للحاکم، کتاب الرقاق، باب الق اللہ فقیرا... الخ، ۵/ ۴۵۰، حدیث: ۷۹۵۷

❸...سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب فضل الفقراء، ۴/ ۴۳۲، حدیث: ۴۱۲۱

﴿4﴾ ... یَدْخُلُ فُقَرَآءُ اُمَّتِی الْجَنَّةَ قَبْلَ اَغْنِیَآئِھَا بِخَمْسِمِائَةِ عَامٍ یعنی میری اُمَّت کے فُقَرا امیروں سے 500 سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔[1]

ایک روایت میں بِاَرْبَعِیْنَ خَرِیْفًا ہے یعنی فُقَرا امیروں سے 40 سال پہلے جنت میں جائیں گے۔[2]

40 سال والی رِوایت سے مُراد یہ ہے کہ لالچی فقیر حریص مال دار سے 40 سال پہلے جنت میں داخل ہو گا جبکہ 500 سال والی روایت میں دنیا سے بے رغبت فقیر کا دنیا میں راغب امیر سے پہلے جنت میں جانا مذکور ہے۔

ماقبل بیان کئے گئے فقر کے درجات سے فُقَرا کے دَرَجات کا فَرق بھی سمجھ آتا ہے۔ زاہد فقیر کے 25 دَرَجات کی بَنِسبَت لالچی فقیر کے دو دَرَجے ہیں کیونکہ 40 اور 500 کے درمیان یہی نِسبَت ہے۔

وہ زباں جس کی ہر بات وحیِ خدا:

یہ بات ذِہن نشین رکھنی چاہئے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پیارے حبیب، حبیبِ لبیب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی زبانِ مبارک سے ادا ہونے والی مقدار یونہی اتفاقاً نہیں نکلتی بلکہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم صرف حق بات کے ساتھ کلام فرماتے ہیں کیونکہ آپ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے بلکہ آپ کا ہر کلام وحیِ خداوندی پر مشتمل ہوتا ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ ایک روایت میں فرمایا گیا: اَلرُّؤْیَا الصَّالِحَةُ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَّاَرْبَعِیْنَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ یعنی اچھا خواب نبوت کے چھیالیسواں حصہ ہے۔[3]

بلاشُبہ یہ ایک حقیقی مقدار ہے لیکن حضور سیِّدِ عالَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے علاوہ کسی اور میں یہ صلاحیت نہیں کہ اس مقدار کی وجہ جان سکے، صرف اندازہ تو لگایا جاسکتا ہے لیکن حقیقت کا ادراک نہیں ہوسکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبوت ایک ایسا وصف ہے جو انبیائے کِرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے ساتھ خاص ہے جس کی وجہ سے یہ دیگر لوگوں سے مُمتاز ہوتے ہیں۔

---

1 ...سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء ان فقراء المھاجرین... الخ، ۴/ ۱۵۸، حدیث: ۲۳۶۰، دون اللفظ "امتی"

2 ...مسلم، کتاب الزھد والرقائق، ص ۱۵۹۱، حدیث: ۲۹۷۹

سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء ان فقراء المھاجرین یدخلون الجنة قبل اغنیائھم، ۴/ ۱۵۷، حدیث: ۲۳۵۹

3 ...بخاری، کتاب التعبیر، باب الرؤیا الصالحة جزء من ستة واربعین جزء من النبوة، ۴/ ۴۰۴، حدیث: ۶۹۸۹

انبیائے کِرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کے چند خصائص:

...انبیائے کِرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات و صِفات، فِرِشتوں اور آخرت سے متعلّق باتوں کی حقیقت جانتے ہیں لیکن ان کا جاننا دیگر لوگوں کے جاننے کی طرح نہیں ہوتا بلکہ معلومات کی کثرت، یقین کی زیادتی اور تحقیق وکَشف کا فرق ہوتا ہے۔

...ان حضرات کو خِلافِ عادت اَفعال (یعنی معجزات) ظاہر کرنے کی صلاحیت حاصل ہوتی ہے جیسے ہمیں یہ قوت حاصل ہوتی ہے کہ ہم اپنے اِرادہ واِختیار سے کوئی حرکت کرسکتے ہیں، اسی قوت کو قدرت بھی کہا جاتا ہے اگرچہ یہ قدرت اور اس سے کیا جانے والا فعل دونوں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جانب سے ہوتے ہیں۔

...انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ فِرِشتوں کا مُشاہَدہ فرماتے اور انہیں ان کی اصل صورت میں دیکھ لیتے ہیں جیسا کہ ایک بینا شخص اپنی بینائی کی بدولت نابینا سے ممتاز ہوتا ہے اور نظر آنے کے قابل چیزوں کو دیکھ لیتا ہے۔

...ان نُفُوسِ قُدسِیَّہ کو مِنْ جَانِبِ اللہ (اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے) ایک ایسی صِفَت عطا ہوتی ہے جس کے ذریعے خواب یا بیداری کے عالَم میں یہ عُلُومِ غیبیہ جان لیتے ہیں، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اس خداداد صِفَت کی بدولت یہ حضرات لوحِ محفوظ کا مطالعہ فرماتے ہیں اور اس میں موجود غیبی علوم ان پر منکشف ہوجاتے ہیں۔

یہ وہ صِفات و کمالات ہیں جن کا انبیائے کِرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے ساتھ خاص ہونا ظاہر ہے اور یہ بات بھی واضح ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی کئی اَقسام بن سکتی ہیں۔ ہم ان صفات کی 40، 50 یا 60 اقسام بھی کرسکتے ہیں اور بتکلُّف انہیں 46 قسموں میں بھی تقسیم کرسکتے ہیں تاکہ اچھا خواب اس مجموعے کا ایک حصہ بن جائے، لیکن ممکنہ تقسیم کے کئی طریقوں میں سے ایک کو متعین کردینا صرف اندازے سے ہوسکتا ہے اور ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ سرکارِ نامدار، مدینے کے تاجدار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اسی تقسیم کے اعتبار سے سچے خواب کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ قرار دیا ہے۔ ہم اتنا تو جانتے ہیں کہ وہ کون سی صِفات ہیں جن کے مجموعے سے نبوت کی تکمیل ہوتی ہے اور ان صِفات کی اقسام کون سی ہیں لیکن اس سے یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ اس مخصوص مقدار میں کیا حکمت پوشیدہ ہے۔ یونہی ہم یہ بات تو جانتے ہیں کہ فُقَرا کے کئی

دَرَجات ہیں جیسا کہ ماقبل مذکور ہوا لیکن یہ سُوال کہ لالچی فقیر زاہد فقیر سے بارہ دَرَجے نیچے کیوں ہے کہ یہ امیروں سے 40 سال پہلے جبکہ زاہد فقیر 500 سال پہلے جنّت میں جائے گا، اس کا قطعی جواب صرف انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام ہی دے سکتے ہیں، ان کے علاوہ دیگر کا جواب ظَن و تخمین پر مشتمل ہو گا۔

اس ساری گفتگو کا مقصود احادیثِ مبارکہ میں وارد مقدار واَعداد کی حقّانیت پر مُتَنَبّہ کرنا ہے کیونکہ بعض اوقات کمزور ایمان والے افراد یہ گمان کرتے ہیں کہ ایسی باتیں زبانِ رسالت پر اتفاقیہ جاری ہو گئیں حالانکہ یہ بات منصبِ نبوت کے شایانِ شان نہیں ہے۔ اب ہم دوبارہ فقر کی فضیلت پر مشتمل فرامینِ مصطفٰے کے ذکر کی طرف رجوع کرتے ہیں:

﴿5﴾... خَیْرُ ھٰذِہِ الْاُمَّةِ فُقَرَآؤُھَا وَاَسْرَعُھَا تَضَجُّعًا فِی الْجَنَّةِ ضُعَفَآؤُھَا یعنی اس اُمَّت کے بہترین لوگ فُقَرا ہیں اور اس امت کے کمزور لوگ سب سے پہلے جنت میں ٹھکانا پائیں گے۔[1]

مدنی آقا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے دو پیشے:

﴿6﴾... اِنَّ لِیْ حِرْفَتَیْنِ اِثْنَتَیْنِ فَمَنْ اَحَبَّھُمَا فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَبْغَضَھُمَا فَقَدْ اَبْغَضَنِیْ اَلْفَقْرُ وَالْجِھَادُ یعنی فقر اور جہاد میرے دو پیشے ہیں، جس شخص نے ان سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔[2]

پیارے آقا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا زُہد اِختیاری تھا:

﴿7﴾... ایک مرتبہ حضرت سیِّدُنا جبرائیلِ اَمین عَلَیْہِ السَّلَام بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض گُزار ہوئے: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ پر سلام بھیجا ہے اور ارشاد فرمایا ہے: اگر آپ چاہیں تو میں آپ کے لئے ان پہاڑوں کو سونے کا بنادوں کہ آپ جہاں بھی جائیں یہ آپ کے ساتھ ہوں۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کچھ دیر سر جھکائے خاموش رہے، پھر ارشاد فرمایا: یَا جِبْرِیْلُ اِنَّ الدُّنْیَا دَارُ مَنْ لَّا دَارَ لَہٗ وَمَالُ مَنْ لَّا مَالَ لَہٗ وَلَھَا یَجْمَعُ مَنْ لَّا عَقْلَ لَہٗ یعنی اے جبریل! بے شک دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو، اس کا مال ہے

1... فردوس الاخبار بماثور الخطاب، باب الخاء، ۱/ ۳۶۹، حدیث: ۲۷۴۴، بتغیر قلیل

2... ذیل تاریخ بغداد لابن النجار، الرقم ۴۳۰: عثمان بن سعید الفیریابی، ۱۷/ ۱۴۳

جس کا کوئی مال نہ ہو اور اسے وہی جمع کرتا ہے جسے عقل نہ ہو۔[1] حضرت سیِّدُنا جبرائیل عَلَیْہِ السَّلَام نے عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! **اللہ** عَزَّوَجَلَّ آپ کو حق بات پر ثابت قدم رکھے۔

مروی ہے کہ حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُوَالسَّلَام ایک مرتبہ دورانِ سفر ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرے جو چادر اوڑھے سو رہا تھا۔ آپ نے اسے جگا کر ارشاد فرمایا: اے سونے والے! اٹھو اور **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کا ذِکر کرو۔ اس نے عرض کی! آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ میں نے دنیا کو دنیا والوں کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے ارشاد فرمایا: اے دوست! اگر ایسا ہے تو پھر سو جاؤ۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نظرِ رحمت کی نشانی:

حضرت سیِّدُنا موسٰی کَلِیْمُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُوَالسَّلَام کا گزر ایک ایسے شخص کے پاس سے ہوا جو سر کے نیچے پتھر رکھے زمین پر سو رہا تھا، اس کا چہرہ اور داڑھی گرد آلود تھے اور وہ چادر اوڑھے ہوئے تھا۔ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کی: یااللہ عَزَّوَجَلَّ! تیرا یہ بندہ دنیا میں ضائع ہو گیا ہے۔ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ نے آپ کی طرف وحی فرمائی: اے موسٰی! کیا آپ نہیں جانتے کہ جب میں اپنے بندے کی طرف کامل طور پر نظرِ رحمت کرتا ہوں تو دنیا کو اس سے مکمل طور پر دور کر دیتا ہوں۔

قرض لے کر مہمان نوازی فرمائی:

حضرت سیِّدُنا ابورافع رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے رِوایت ہے کہ رحمتِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں ایک مہمان حاضر ہوا لیکن گھر میں کوئی ایسی چیز موجود نہ تھی جس سے اس کی مہمان نوازی کی جاتی۔ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے مجھے ایک یہودی کے پاس بھیجا اور فرمایا: اس سے کہو کہ محمد صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم تم سے فرماتے ہیں کہ رجب کے چاند تک مجھے آٹا قرض دیدو یا بیچ دو۔ یہودی نے جواب دیا: بخدا! میں تو صرف کوئی چیز گِروی رکھ کر ہی آٹا دوں گا۔ جب میں نے آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو اس بات کی خبر دی تو آپ نے ارشاد فرمایا: **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میں آسمان والوں کے نزدیک بھی امین

---

[1] ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند السیدۃ عائشۃ، ۹/ ۳۴۳، حدیث: ۲۴۴۷۳، دون ''یا جبرائیل ان''

ہوں اور زمین والوں کے نزدیک بھی، اگر وہ مجھے بیچتا یا قرض دیتا تو میں ضرور ادا کر دیتا۔ میری یہ زِرہ لے جاؤ اور اس کے پاس گروی رکھ دو۔ جب میں باہر نکلا تو یہ آیتِ طیّبہ نازل ہوئی:

وَلَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ﳔ (پ۱۶، طٰہٰ:۱۳۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اے سننے والے اپنی آنکھیں نہ پھیلا اس کی طرف جو ہم نے کافروں کے جوڑوں کو برتنے کے لئے دی ہے جیتی دنیا کی تازگی۔[1]

یہ آیتِ مُبارَکہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو دنیا میں تسلی دینے کے لئے نازل ہوئی۔

مومن کی زینت:

﴿8﴾... اَلْفَقْرُ اَزْیَنُ بِالْمُؤْمِنِ مِنَ الْعِذَارِ الْحَسَنِ عَلٰى خَدِّ الْفَرَسِ یعنی فقر مومن کو گھوڑے کے منہ پر دی گئی خوبصورت لگام سے زیادہ زینت بخشتا ہے۔[2]

اس کے لئے تمام دنیا جمع کر دی گئی:

﴿9﴾... مَنْ اَصْبَحَ مِنْكُمْ مُعَافًى فِیْ جِسْمِهٖ اٰمِنًا فِیْ سِرْبِهٖ عِنْدَهٗ قُوْتُ یَوْمِهٖ فَكَاَنَّمَا حِیْزَتْ لَهُ الدُّنْیَا بِحَذَافِیْرِهَا یعنی جس نے اس حال میں صبح کی کہ اس کا جسم صحیح سلامت ہے، وہ اپنے اَہل و عِیال کے بارے میں مطمئن ہے اور اس کے پاس ایک دن کی غذا موجود ہے تو گویا اس کے لئے تمام دنیا جمع کر دی گئی۔[3]

نیک بندوں کی نشانی:

حضرت سیِّدُنا کَعْبُ الْاَحبار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَفَّار سے منقول ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت سیِّدُنا موسٰی کَلِیْمُ اللہ عَلَیْہِ السَّلَام سے ارشاد فرمایا: اے موسٰی! جب تم فَقر کو آتا دیکھو تو یوں کہو: نیکوں کے شِعار کو خوش آمدید۔

1... المعجم الکبیر، ۱/ ۳۳۱، حدیث: ۹۸۹

2... المعجم الکبیر، ۷/ ۲۹۴، حدیث: ۷۱۸۱

3... ابن ماجة، کتاب الزھد، باب القناعة، ۴/ ۴۴۲، حدیث: ۴۱۴۱

العقد الفرید، کتاب الزمردہ فی المواعظ والزھد، القناعة، ۳/ ۱۵۵

حکایت: دو شکاری

حضرت سیِّدُنا عَطاء خُراسانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی فرماتے ہیں: ایک نبی عَلَیْہِ السَّلَام دریا کے کنارے سے گزرے تو انہوں نے مُلاحظہ فرمایا کہ ایک شخص مچھلی کا شکار کر رہا ہے، اس نے بِسْمِ اللہ کہہ کر دریا میں جال پھینکا لیکن کوئی مچھلی نہ آئی۔ ایک اور شکاری کے پاس سے گزرے، اس نے بِسْمِ الشَّیْطان کہہ کر جال ڈالا تو اتنی زیادہ مچھلیاں نکلیں کہ اُن کا وزن کرنا مشکل ہو گیا۔ نبی عَلَیْہِ السَّلَام نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کی: یا اللہ عَزَّوَجَلَّ! میں یہ تو جانتا ہوں کہ یہ سب کچھ تیری طرف سے ہے لیکن اس کی حکمت جاننا چاہتا ہوں۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے فِرشتوں سے ارشاد فرمایا: میرے بندے کو ان دونوں کا اُخروی مقام دکھاؤ۔ جب انہوں نے بِسْمِ اللہ پڑھ کر جال ڈالنے والے کے لئے تیار شدہ عزت و مرتبہ اور بِسْمِ الشَّیْطان پڑھ کر جال ڈالنے والے کے لئے ذِلَّت و رُسوائی مُلاحظہ فرمائی تو عرض گزار ہوئے: اے رب عَزَّوَجَلَّ! میں راضی ہوں۔

جنّت میں فقرا کی کثرت ہوگی:

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غُیُوب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اِطَّلَعْتُ فِی الْجَنَّةِ فَرَأَیْتُ اَكْثَرَ اَهْلِهَا الْفُقَرَآءَ وَاطَّلَعْتُ فِی النَّارِ فَرَأَیْتُ اَكْثَرَ اَهْلِهَا الْاَغْنِیَآءَ وَالنِّسَآءَ یعنی میں نے جنت میں جھانکا تو وہاں زیادہ تر غریب لوگ دیکھے اور دوزخ مُلاحظہ کی تو وہاں مال داروں اور عورتوں کو زیادہ پایا۔[1]

ایک رِوایت میں ہے، آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم فرماتے ہیں: میں نے پوچھا: اَیْنَ الْاَغْنِیَآءُ یعنی مال دار لوگ کہاں ہیں؟ تو بتایا گیا: حَبَسَهُمُ الْجَدُّ یعنی انہیں ان کی مال داری نے روک رکھا ہے۔[2]

ایک روایت میں ہے کہ میں نے دوزخ میں عورتوں کی کثرت دیکھ کر سبَب پوچھا تو بتایا گیا: شَغَلَهُنَّ

---

1 ...بخاری، کتاب بدء الخلق، باب: ماجاء فی صفة الجنة وانها مخلوقة، ۲/ ۳۹۰، حدیث: ۳۲۴۱، دون ذکر الاغنیاء
المسند للامام احمد بن حنبل، مسند عبد اللہ بن عمرو بن عاص، ۲/ ۵۸۲، حدیث: ۶۶۲۲

2 ...قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون، ۱/ ۴۰۴
المسند للامام احمد بن حنبل، مسند الانصار، حدیث ابی امامة الباهلی، ۸/ ۲۸۹، حدیث: ۲۲۲۹۵، بتغیر

الْاَحْمَرَانِ الذَّهَبُ وَالزَّعْفَرَان یعنی انہیں دو سرخ چیزوں سونے اور زعفران نے روک رکھا ہے۔[1]

دنیا میں مومن کا تحفہ:

حضور نبیِّ پاک، صاحبِ لولاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: تُحْفَةُ الْمُؤْمِنِ فِی الدُّنْیَا اَلْفَقْرُ یعنی فقر وغربت دنیا میں مومن کا تحفہ ہے۔[2]

صحابہ میں سب سے آخر میں جنت میں جانے والے:

مروی ہے کہ حضرت سیِّدُنا سُلَیمان بن داود عَلَیْہِمَا السَّلَام اپنی بادشاہت کے سبب انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام میں سے سب سے آخر میں داخلِ جنَّت ہوں گے اور حضرت سیِّدُنا عبدُ الرحمٰن بن عَوف رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ اپنی مال داری کے باعث صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان میں سے سب سے آخر میں جنَّت میں جائیں گے۔[3]

ایک روایت میں ہے، حضور نبیِّ کریم، رَءُوْفٌ رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: میں نے عبدُ الرحمٰن بن عَوف کو دیکھا کہ وہ آہستہ آہستہ جنَّت میں جارہے ہیں۔[4]

حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللّٰہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام ارشاد فرماتے ہیں: مال دار آدمی جنَّت میں بہت مشکل سے جائے گا۔

اَہلِ بیتِ اَطہار میں سے کسی سے مروی ہے کہ حضور نبیِّ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا اِبْتَلَاهُ فَاِذَا اَحَبَّهُ الْحُبَّ الْبَالِغَ اِقْتَنَاهُ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ جب کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو اسے آزمائش میں مبتلا فرماتا ہے اور جب اس سے زیادہ محبت فرماتا ہے تو اسے چُن لیتا ہے۔ عرض کی گئی: چننے سے کیا

1... قوت القلوب، الفصل الخامس والاربعون، ۲/ ۴۱۶، بتغیر قلیل

المسند للامام احمد بن حنبل، مسند الانصار، حدیث ابی امامة الباهلی، ۸/ ۲۸۹، حدیث: ۲۲۲۹۵، بتغیر

2... مسند الفردوس، ۱/ ۳۰۵، حدیث: ۲۲۱۹

3... معجم الکبیر لطبرانی، ۱۲/ ۹۴، حدیث: ۱۲۶۵۱، دون ذکر اخر اصحابی... الخ

تفسیر نیشاپوری، پ۲، سورۃ البقرة، تحت الایة: ۱۵۵، ۱/ ۴۴۲

4... المسند للامام احمد بن حنبل، مسند عائشة الصدیقة، ۹/ ۴۲۴، حدیث: ۲۴۸۹۶

القول المسدد لابن حجر ملحق مسند احمد، الحدیث السابع، ۱۰/ ۴۹۹

مراد ہے؟ ارشاد فرمایا: لَمْ یَتْرُكْ لَهٗ اَهْلًا وَّلَا مَالًا یعنی اس کے لئے نہ اَہل وعِیال چھوڑتا ہے نہ مال۔[1]

مال داری گناہوں کی سزا ہے:

منقول ہے: جب تم فقر کو آتے دیکھو تو یوں کہو کہ نیک لوگوں کے شِعار کو خوش آمدید اور جب مال داری کو آتے دیکھو تو یہ کہو کہ یہ کسی گناہ کی جلد ملنے والی سزا ہے۔[2]

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پسندیدہ بندے:

حضرت سَیِّدُنا موسیٰ کَلِیْمُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کی: یااللہ عَزَّوَجَلَّ! مخلوق میں سے تیرے پسندیدہ بندے کون ہیں کہ میں تیری خاطر انہیں دوست رکھوں؟ ارشاد فرمایا: ہر فقیر فقیر۔

اس روایت میں لفظ فقیر دوبار آیا ہے اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں: یا تو تاکید کے لئے ہے یا سخت مصیبت زدہ شخص مراد ہے۔

سَیِّدُنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کا پسندیدہ نام:

حضرت سَیِّدُنا عیسیٰ رُوْحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے ارشاد فرمایا: میں مسکینی کو پسند کرتا اور مال و دولت کو بُرا جانتا ہوں۔ آپ عَلَیْہِ السَّلَام کو سب ناموں سے زیادہ یہ پسند تھا کہ آپ کو مسکین کہہ کر پکارا جائے۔

فقرا صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کا اعزاز:

عرب کے سرداروں اور مال دار لوگوں مثلاً: اَقْرَع بن حابِس تَیمِی، عُیَیْنَہ بن حِصْن فَزارِی اور عباس بن مِرداس سُلَمِی وغیرہ نے غمگُسار آقا صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں عرض کی کہ آپ ایک دن ہمارے لئے مقرر فرما دیں اور ایک دن اپنے صحابہ کے لئے تاکہ ہم اپنے مقررہ دن میں حاضر ہوں اور وہ

1... کنز العمال، حرف الفاء، کتاب الفراسة، ۱۱/ ۴۶، حدیث: ۳۰۷۹۰، ''ولدًا'' بیدل ''اہلًا''

النھایة، باب القاف مع النون، ۴/ ۱۰۲

الاحاد والمثانی لابن ابی عاصم، ۴/ ۴۴۵، حدیث: ۲۴۹۹، مطبوعة دار الرایة ریاض ۱۴۱۱ھ

2... تفسیر قرطبی، پ۷، سورة الانعام، تحت الآیة: ۴۴، ۳/ ۲۶۵

اپنے دن میں ۔یہ بات انہوں نے غریب صحابۂ کرام مثلاً: حضرت سیِّدُنا بلال حَبَشی، حضرت سیِّدُنا سَلْمان فارِسی، حضرت سیِّدُنا صُہَیب، حضرت سیِّدُنا ابو ذر غِفاری، حضرت سیِّدُنا خَبّاب بن اَلارَت، حضرت سیِّدُنا عَمّار بن یاسِر، حضرت سیِّدُنا ابو ہُرَیرہ اور اصحابِ صُفّہ عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کی وجہ سے کہی تھی کیونکہ یہ حضرات (غربت کے باعث) شدید گرمی میں بھی اُونی لباس پہنا کرتے تھے۔جب اِنہیں پسینہ آتا تو اس کی بُو ان کے کپڑوں سے نکل کر پھیل جاتی جو ان مال دار لوگوں کو ناگوار گزرتی۔ انہوں نے بارگاہِ رسالت میں اس کی شکایت کی تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے (ان کے اسلام لانے کی امید پر) ان کی درخواست قبول فرمالی کہ اِنہیں اُن کے ساتھ اکٹھا نہ کریں گے۔[1] اس پر یہ آیتِ مُبارَکہ نازل ہوئی:

وَ اصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَ لَا تَعْدُ عَیْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾ وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ ۙ (پ۱۵، الکھف: ۲۸، ۲۹)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی رضا چاہتے اور تمہاری آنکھیں انہیں چھوڑ کر اور پر نہ پڑیں کیا تم دنیا کی زندگی کا سنگار (زینت) چاہو گے اور اس کا کہنا نہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا کام حد سے گزر گیا اور فرمادو کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

مروی ہے کہ سردارانِ قریش میں سے ایک شخص بارگاہِ رسالت میں حاضر تھا،اس دوران حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن اُمِّ مَکْتُوم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے حاضری کی اجازت چاہی۔یہ بات مزاجِ اَقدس پر گراں گزری[2] اس پر یہ آیاتِ مُبارَکہ نازل فرمائیں:

عَبَسَ وَ تَوَلّٰۤى ۙ﴿۱﴾ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ؕ﴿۲﴾ وَ مَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّهٗ یَزَّكّٰۤى ۙ﴿۳﴾ اَوْ یَذَّكَّرُ

ترجمۂ کنزالایمان: تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا اس پر کہ اس کے پاس وہ نابینا حاضر ہوا اور تمہیں کیا معلوم شاید وہ ستھرا ہو

1 ...سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب مجالسۃ الفقراء، ۴/ ۴۳۵، حدیث: ۴۱۲۷، بتغیر

2 ...سنن الترمذی، کتاب التفسیر، باب: ومن سورۃ عبس، ۵/ ۲۱۹، حدیث: ۳۳۴۲، بتغیر قلیل

فَتَنۡفَعَهُ الذِّكۡرٰىؕ﴿۴﴾ اَمَّا مَنِ اسۡتَغۡنٰىۙ﴿۵﴾ فَاَنۡتَ لَهٗ تَصَدّٰىؕ﴿۶﴾ (پ۳۰،عبس: ۱تا۶)

یا نصیحت لے تو اسے نصیحت فائدہ دے، وہ جو بے پرواہ بنتا ہے تم اس کے تو پیچھے پڑتے ہو[1]۔

دنیا سے محروم شخص کا اُخروی مقام و مرتبہ:

حضور رحمتِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: روزِ قیامت ایک بندے کو لایا جائے گا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس سے اس طرح مَعْذِرَت فرمائے گا جیسے دنیا میں ایک شخص دوسرے سے معذرت کرتا ہے، پھر ارشاد فرمائے گا: مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! میں نے تجھ سے دنیا اس لئے دور نہیں کی تھی کہ میرے نزدیک تیری کوئی وُقعت نہ تھی بلکہ اس لئے دور کی تھی کہ میں نے تیرے لئے عزت اور فضیلت تیار کر رکھی ہے۔ اے میرے بندے! ان صفوں کی طرف جاؤ اور جس شخص نے میری رِضا کے لئے تمہیں کھانا

---

[1]... صدرُ الاَفاضِل حضرت علامہ مولانا سیّد محمد نعیمُ الدِّین مُراد آبادی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْہَادِی **تفسیر خزائن العرفان** میں اس کے تحت فرماتے ہیں: نبیِّ کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم عُتْبَہ بن رَبِیْعَہ، ابوجَہْل بن ہِشام اور عَبّاس بن عبدُ الْمُطَّلِب اور اُبَی بن خَلَف اور اُمَیَّہ بن خَلَف اَشرافِ قُریش کو اسلام کی دعوت فرما رہے تھے اس درمیان عبد اللہ ابن اُمِّ مکتوم (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ) نابینا حاضر ہوئے اور انہوں نے نبیِّ کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کو بار بار ندا کر کے عرض کیا کہ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھایا ہے مجھے تعلیم فرمایئے! ابن اُمِّ مکتوم (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ) نے یہ نہ سمجھا کہ حضور دوسروں سے گفتگو فرما رہے ہیں، اس سے قطعِ کلام ہو گا۔ یہ بات حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کو گراں گزری اور آثار ناگواری چہرۂ اقدس پر نمایاں ہوئے اور حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم اپنی دولت سرائے اقدس کی طرف واپس ہوئے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور ''نابینا'' فرمانے میں عبد اللہ بن اُمِّ مکتوم (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ) کی معذوری کی طرف اشارہ کہ قطع کلام ان سے اس وجہ سے واقع ہوا۔ اس آیت کے نُزول کے بعد سیِّدِ عالَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم عبد اللہ بن اُمِّ مکتوم (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ) کا اِکرام فرماتے تھے۔

مفسر شہیر، حکیم الامت مفتی احمد یار خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْحَنَّان **تفسیر نور العرفان** میں اس کے تحت فرماتے ہیں: غائب کا صیغہ فرمانے میں انتہائی محبوبیت کا اِظہار ہے، یعنی ہمارے ایک محبوب ہیں جو اپنے غلام سے ناراض ہوگئے۔ خیال رہے کہ یہاں کوتاہی حضرت عبد اللہ بن اُمِّ مکتوم (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ) کی تھی کہ درمیانِ کلام سُوال عرض کر دیا، یہ آدابِ مجلس کے خِلاف تھا۔ حضور (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کی کبیدگی خاطر بالکل حق تھی، مگر عشاق آداب سے بے خبر ہوتے ہیں، ان کے ایسے قصور مُعافی کے لائق ہیں، اس لئے انہیں نابینا فرمایا، یعنی جو آپ کے عشق میں آداب سے نابینا ہے، رب (عَزَّوَجَلَّ) نے حضور (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کے عاشق کی طرف داری فرمائی اس میں بھی حضور (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) ہی کی شان کا اِظہار ہے کہ ان کے عاشق کی غَلَطِیاں مُعاف ہیں۔

کھلایا ہو یا کپڑا پہنایا ہو تو اس کا ہاتھ تھام لو، وہ تمہارے حوالے ہے۔ اس وقت لوگوں کا حال یہ ہوگا کہ پسینے نے انہیں لگام ڈال رکھی ہوگی (یعنی منہ تک پسینہ ہوگا)۔ وہ شخص صفوں میں جاکر اپنے ساتھ حُسنِ سُلوک کرنے والوں کو تلاش کرے گا اور ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں جنت میں لے جائے گا۔[1]

فقیروں کی دولت:

رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْن، شَفِیْعُ الْمُذْنِبِیْن صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: فقیروں کو اچھی طرح پہچان لو اور ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو کیونکہ ان کے پاس دولت ہے۔[2] عرض کی گئی: ان کی دولت کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: روزِ قیامت ان سے کہا جائے گا کہ اُن لوگوں کو تلاش کرو جنہوں نے تمہیں روٹی کا ایک ٹکڑا کھلایا ہو، پانی کا ایک گھونٹ پلایا ہو یا لباس پہنایا ہو اور ان کا ہاتھ پکڑ کر جنت میں لے جاؤ۔[3]

مال کا طویل حساب:

سرکارِ مدینہ، راحتِ قلب وسینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: میں جنت میں گیا تو میں نے اپنے آگے چلنے کی آواز سنی، دیکھا تو وہ بلال تھے۔ میں نے جنت کے اوپری حصے میں دیکھا تو مجھے اپنی امت کے فقرا اور ان کی اولاد نظر آئی اور نچلے حصے میں دیکھا تو قلیل تعداد میں اُمرا اور عورتوں کو پایا۔ میں نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: یا اللہ عَزَّوَجَلَّ! ان کا کیا مُعاملہ ہے؟ ارشاد فرمایا: عورتوں کو دو سُرخ چیزوں یعنی سونے اور ریشم نے نُقصان میں مبتلا کیا جبکہ اُمرا کو حساب کتاب کی طوالت نے مشغول کر دیا۔[4] میں نے اپنے صحابہ کو تلاش کیا تو مجھے عبدُالرحمٰن بن عَوف نظر نہ آئے، پھر وہ میرے پاس روتے ہوئے آئے۔ میں نے پوچھا: تمہیں کس چیز نے مجھ سے پیچھے کر دیا؟ عرض کی: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! آپ تک پہنچنے

---

1. ...تفسیر روح البیان، پ۷، سورۃ الانعام تحت الآیۃ: ۵۲، ۳/ ۳۸
2. ...حلیۃ الاولیاء، ۴۲۰: ابو الربیع السائح، ۸/ ۳۲۹، حدیث: ۱۲۳۸۱، بدون: اکثروا معرفۃ الفقراء
3. ...تاریخ مدینۃ دمشق، الرقم: ۱۵۵۶، ابو علی الازدی الحسین بن عبد الغفار، ۱۴/ ۹۹، حدیث: ۳۳۹۵، بتغیر
4. ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند الانصار، حدیث ابی امامۃ الباھلی، ۸/ ۲۸۹، حدیث: ۲۲۲۹۵، بتغیر
القول المسدد لابن حجر ملحق مسند احمد، الحدیث السابع، ۱۰/ ۴۹۹

سے پہلے میں ایسے ہولناک مُعاملات سے گزرا ہوں جو بوڑھا کر دینے والے ہیں یہاں تک کہ مجھے لگا کہ میں آپ تک نہ پہنچ پاؤں گا۔ میں نے پوچھا: ایسا کیوں ہوا؟ عرض کی: مجھ سے میرے مال کا حساب لیا جا رہا تھا۔[1]

غور کیجئے کہ یہ حضرت سیِّدُنا عبدُالرحمٰن بن عَوف رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ ہیں جنہیں پیارے مصطفےٰ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ عظیم سبقت حاصل ہے اور یہ ان 10 خوش نصیبوں میں سے ہیں جنہیں زبانِ رسالت سے جنّتی ہونے کی بِشارت حاصل ہوئی اور اُن اُمَرا میں سے بھی ہیں جن کے بارے میں مصطفےٰ جانِ رحمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”اِلَّا مَنْ قَالَ بِالْمَالِ هٰكَذَا وَهٰكَذَا یعنی جو اس اس طرح مال خرچ کرے اس کے لئے مال باعثِ ہلاکت نہیں ہے۔“[2] اس کے باوُجود مال نے انہیں اس قدر نقصان پہنچایا۔

غربت کا نور:

سرکارِ مکہ مکرمہ، سردارِ مدینہ منورہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ایک غریب شخص کے پاس تشریف لائے، اس کے پاس کچھ نہ دیکھا تو ارشاد فرمایا: لَوْ قُسِمَ نُوْرُ هٰذَا عَلٰى اَهْلِ الْاَرْضِ لَوَسِعَهُمْ اگر اس کا نور تمام زمین والوں میں تقسیم کر دیا جائے تو سب کے لئے کافی ہو۔

اہلِ جنت کے بادشاہ:

مدینے کے تاجدار، دوعالَم کے مالک و مختار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِمُلُوْكِ اَهْلِ الْجَنَّةِ یعنی کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ اہلِ جنّت کے بادشاہ کون ہیں؟ صحابۂ کِرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے عرض کی: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! ضرور ارشاد فرمایئے۔ ارشاد فرمایا: كُلُّ ضَعِيْفٍ مُسْتَضْعَفٍ اَغْبَرَ اَشْعَثَ ذِيْ طِمْرَيْنِ لَا يُؤْبَهُ لَهٗ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَاَبَرَّهٗ یعنی کمزور، لوگوں کے نزدیک ناتواں، غبار آلود، بکھرے بالوں اور دو بوسیدہ کپڑوں والا جس کی پروانہ کی جائے لیکن بارگاہِ الٰہی میں اس کا یہ مقام و مرتبہ ہو کہ اگر کسی بات پر وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم کھالے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کی قسم کو ضرور پورا فرمائے۔[3]

---

[1]... المسند للامام احمد بن حنبل، مسند الانصار، حدیث ابی امامۃ الباھلی، ۸/ ۲۸۹، حدیث: ۲۲۲۹۵، بتغیر

[2]... سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب فی المکثرین، ۴/ ۴۳۷، حدیث: ۴۱۳۰

[3]... سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب من لا یؤبہ لہ، ۴/ ۴۲۹، حدیث: ۴۱۱۵، بدون اغبر اشعث

خاتونِ جنت رَضِیَ اللہُ عَنْہَا کا فقر:

حضرت سیِّدُنا عمران بن حُصَین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: مجھے بارگاہِ رسالت میں ایک خاص مقام حاصل تھا۔ ایک مرتبہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اے عمران! تمہیں ہمارے یہاں ایک مرتبہ حاصل ہے، کیا تم میرے ساتھ میری بیٹی فاطمہ کی عِیادت کے لئے چلو گے؟ میں نے عرض کی: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! ضرور۔ چنانچہ میں آپ کی مَعیَّت میں خاتونِ جنت حضرتِ سیِّدَتُنا فاطمۃ الزہرا رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے گھر حاضر ہوا۔ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے دروازہ کھٹکھٹایا اور ارشاد فرمایا: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ! کیا میں داخل ہو جاؤں؟ خاتون جنت رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے عرض کی: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! تشریف لے آیئے۔ ارشاد فرمایا: جو میرے ساتھ ہے وہ بھی آجائے؟ عرض کی: آپ کے ساتھ کون ہے؟ ارشاد فرمایا: عمران بن حُصَین ہے۔ حضرتِ سیِّدَتُنا فاطمۃ الزہرا رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے عرض کی: اس ذاتِ پاک کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! میرے بدن پر صِرف ایک چادر ہے۔ تو مُعَلِّم کائنات صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ہاتھ سے اشارہ کرکے فرمایا کہ اسے اس اس طرح لپیٹ لو۔ انہوں نے عرض کی: میں نے اپنا جِسم تو لپیٹ لیا ہے لیکن سر کیسے چھپاؤں؟ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے جِسمِ اَقدس پر موجود پُرانی چادر اُتار کر ان کی طرف پھینکی اور ارشاد فرمایا: اس سے سر ڈھانپ لو۔ جب انہوں نے اندر آنے کی اجازت دی تو پیارے آقا صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اندر تشریف لے گئے اور سلام کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے بیٹی! تم نے صُبح کس حال میں کی؟ عرض کی: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میں نے اس حال میں صُبح کی کہ درد میں مبتلا ہوں، کھانا نہ ملنے کے سبب درد میں اضافہ ہو گیا ہے اور بھوک نے مجھے پریشان کر رکھا ہے۔ یہ سن کر رحمتِ عالَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی چشمانِ کرم سے آنسو جاری ہو گئے اور ارشاد فرمایا: بیٹی! گھبراؤ مت۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میں نے بھی تین دن سے کھانا نہیں چکھا حالانکہ میں بارگاہِ خداوندی میں تم سے زیادہ مُکَرَّم ہوں۔ اگر میں اللہ عَزَّوَجَلَّ سے سُوال کروں تو وہ مجھے ضرور کھلائے لیکن میں نے آخرت کو دنیا پر ترجیح دی ہے۔ خاتونِ جنّت رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے کاندھے پر ہاتھ مار کر ارشاد فرمایا: تمہیں خوش خبری ہو! اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم تم جنتی عورتوں کی سردار ہو۔ انہوں نے عرض کی: فرعون کی بیوی آسیہ اور مریم

بنتِ عمران کا کیا حال ہے؟ ارشاد فرمایا: آسیہ اور مریم اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہیں جبکہ تم اپنے دور کی عورتوں کی سردار ہو۔ تم تینوں جنت کے ایسے مَحلات میں رہو گی جو موتیوں سے بنے ہیں، ان میں کوئی تکلیف ہوگی نہ شور وغل اور نہ ہی تھکاوٹ۔ پھر ارشاد فرمایا: اپنے شوہر سے مطمئن رہو، اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میں نے تمہاری شادی ایسے شخص سے کی ہے جو دنیا و آخرت میں سردار ہے۔[1]

چار سزائیں:

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم سے روایت ہے کہ سرکارِ نامدار، مدینے کے تاجدار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جب لوگ فقرا کو ناپسند جانیں، بلند عمارتیں تعمیر کریں اور مال و دولت جمع کرنے کی لالچ کریں تو اللہ عَزَّوَجَلَّ انہیں چار باتوں میں مبتلا فرمادے گا: (۱) قحط (۲) بادشاہ کی طرف سے ظُلم و سِتَم (۳) حُکام کی بددیانتی اور (۴) دشمنوں کا غَلَبہ۔[2]

فقر کی فضیلت پر مشتمل آٹھ اَقوالِ بزرگانِ دین:

مال زیادہ تو حساب بھی زیادہ:

﴿1﴾... حضرت سیِّدُنا ابو درداء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: دو درہم والے کی قید یا اس کا حساب ایک درہم والے سے زیادہ سخت ہو گا۔

مال ملنے پر پریشان ہو گئے:

﴿2﴾... امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عُمَر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے حضرت سیِّدُنا سعید بن عامر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی طرف ایک ہزار دینار بھیجے۔ وہ پریشان حالت میں گھر پہنچے تو زوجہ نے پوچھا: کیا اسلام میں کوئی نئی چیز پیدا ہو گئی ہے؟ فرمایا: اس سے بھی بڑی بات ہے۔ پھر فرمایا: مجھے اپنا پرانا دوپٹا دو۔ دوپٹا لے کر آپ نے

---

1 ...فضائل فاطمۃ لابن شاھین، ص ۲۴، حدیث: ۱۳، مختصرا، مطبوعۃ مکتبۃ التربیۃ الاسلامیۃ، قاھرۃ، ۱۴۱۱ھ

الشریعۃ للاجری، کتاب فضائل فاطمۃ، باب ذکر قول النبی: ان فاطمۃ... الخ، ۵/ ۲۱۱۷، حدیث: ۱۶۰۷، دار الوطن ریاض ۱۴۱۸ھ

2 ...المستدرک علی الصحیحین، کتاب الرقاق، باب الحسب المال والکرم التقوی، ۵/ ۴۶۳، حدیث: ۷۹۹۳، فقراء بدلہ العلماء

اسے پھاڑا، اس کی تھیلیاں بنائیں اور ان میں درہم ڈال کر تقسیم فرمادیئے۔ پھر کھڑے ہو کر صبح تک نماز پڑھتے اور روتے رہے۔ پھر فرمایا: میں نے حضور نبیِّ پاک، صاحِبِ لولاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو ارشاد فرماتے سنا کہ میری اُمَّت کے فُقَرا اَغْنِیا (مال داروں) سے 500 سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ ایک مال دار شخص ان (فقرا کے گروہ) میں شامل ہو جائے گا تو ہاتھ پکڑ کر اسے نکال دیا جائے گا۔[1]

بلا حساب و کتاب جنت میں جانے والے:

﴿3﴾... حضرت سَیِّدُنا ابو ہُرَیرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: تین شخص بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے: ایک وہ آدمی جو اپنا کپڑا دھونا چاہتا ہے لیکن اس کے پاس پُرانا لباس نہیں ہے جسے پہن کر اسے دھو سکے۔ دوسرا وہ شخص جس نے ایک وقت میں دو قسم کے کھانے نہ پکائے ہوں۔ تیسرا وہ جو پانی طلب کرے تو اس سے یہ نہ پوچھا جائے کہ کیا پینا چاہتے ہو؟

غُرَبا سے محبت:

﴿4﴾... حضرت سَیِّدُنا سُفیان ثَوری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی کے حلقۂ درس میں ایک غریب شخص آیا تو آپ نے اُس سے فرمایا: قریب آجاؤ، اگر تم امیر ہوتے تو میں تمہیں قریب نہ کرتا۔ آپ غریبوں کو خاص قُرب سے نوازتے اور امیروں سے اتنا اِعراض فرماتے کہ آپ کے اصحاب میں شامل امرا، غریب ہونے کی تمنا کرتے تھے۔

مُؤَمَّل کہتے ہیں: میں نے حضرت سَیِّدُنا سُفیان ثَوری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی کی مجلس سے زیادہ ذلیل اُمَرا کو کہیں نہیں دیکھا اور آپ کی مَحفل سے زیادہ مُعَزَّز غریبوں کو کہیں نہ پایا۔

دونوں کو پالیتا:

﴿5﴾... ایک دانا (عقل مند) کا قول ہے کہ بے چارہ انسان غربت سے جتنا ڈرتا ہے اگر دوزخ سے بھی اتنا ڈرتا تو دونوں سے نجات پالیتا، اگر یہ جنت کا بھی ایسا مشتاق ہوتا جتنا مال داری کا ہے تو دونوں کو پانے میں

[1] ...سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ان فقراء المھاجرین ... الخ، ۴/ ۱۵۸، حدیث: ۲۳۶۱، بدون ذکر القصة مختصرا
کنز العمال، کتاب الزکاة من قسم الاقوال، الباب الثالث، ۶/ ۲۰۳، حدیث: ۱۶۶۲۱، بدون ذکر القصة

کامیاب ہو جاتا اور اگر باطن میں اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اتنا ڈرتا جتنا ظاہر میں مخلوق سے ڈرتا ہے تو دونوں جہاں کی سعادت مندی حاصل کر لیتا۔

غربت کے باعث کسی کی توہین کرنا کیسا؟

﴿6﴾... حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں: جو مال داری کے سبب کسی کی عزت کرے اور غربت کی وجہ سے کسی کی توہین کرے وہ مَلْعُوْن (یعنی رحمتِ الٰہی سے دور) ہے۔

بوسیدہ لباس والے کو حقیر نہ سمجھو:

﴿7﴾... حضرت سیِّدُنا لُقْمان حکیم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا: اے بیٹے! کسی شخص کے بوسیدہ (پھٹے پرانے) لباس کے سبب اسے حقیر نہ سمجھنا کیونکہ تمہارا اور اس کا رب عَزَّوَجَلَّ ایک ہی ہے۔

منافقین کی نشانی:

﴿8﴾... حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن مُعاذ رازی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْہَادِی فرماتے ہیں: غریبوں سے محبت کرنا انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کا طریقہ ہے، ان کی صحبت کو ترجیح دینا نیک بندوں کی علامت ہے جبکہ ان کے قُرب سے دور بھاگنا منافقین کی نشانی ہے۔

آسمانی کتابوں میں منقول ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ایک نبی عَلَیْہِ السَّلَام کی طرف وحی فرمائی: آپ اس بات سے ڈرتے رہیں کہ میں آپ سے ناراض ہو جاؤں، میرے نزدیک آپ کا رتبہ کم ہو جائے اور میں آپ پر دنیا انڈیل دوں۔

سیِّدَتُنا عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا کی شانِ سخاوت:

بعض اوقات حضرت سیِّدُنا امیر مُعاوِیہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ اور حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عامر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ وغیرہ ام المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی خدمت میں ایک لاکھ درہم بطور نذرانہ پیش کرتے تو آپ انہیں ایک ہی دن میں تقسیم فرما دیتیں جبکہ آپ کا حال یہ ہوتا کہ مبارک دوپٹے پر پیوند لگے ہوتے اور آپ روزہ دار ہوتیں۔ آپ کی باندی عرض کرتی کہ اگر آپ اِفطار کے لئے

ایک درہم کا گوشت خرید لیتیں تو اچھا ہوتا۔ اس پر فرماتیں: اگر تم یاد دلا دیتیں تو میں ایسا ہی کرتی۔

وصیّتِ مصطفٰے:

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پیارے حبیب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ام المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صِدِّیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو وصیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اِنْ اَرَدْتِ اللُّحُوْقَ بِیْ فَعَلَیْكِ بِعَیْشِ الْفُقَرَآءِ وَاِیَّاكِ وَمُجَالَسَةَ الْاَغْنِیَآءِ وَلَا تَنْزَعِیْ دِرْعَكِ حَتّٰی تَرْقَعِیْهِ یعنی اگر جنّت میں میرا قرب پانا چاہتی ہو تو تم پر فُقَرا والی زندگی گزارنا لازم ہے، امیروں کی صحبت سے بچتی رہنا اور پرانے دوپٹے کو پہننا اس وقت تک ترک نہ کرنا جب تک اس میں پیوند نہ لگا لو۔[1]

ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن اَدْہَم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْاَکْرَم کی خدمت میں 10 ہزار درہم پیش کئے۔ آپ نے قبول کرنے سے انکار فرمایا تو اس نے اصرار کیا، اس پر آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں 10 ہزار درہم کے بدلے فقرا کے دفتر سے اپنا نام مٹا دوں؟ میں ایسا کبھی نہیں کروں گا۔

تیسری فصل: مخصوص یعنی راضی، قانع اور صادق فُقَرا کی فضیلت کا بیان

فقر اور فقرا کے فضائل پر مشتمل آٹھ فرامین مصطفٰے:

﴿1﴾...طُوْبٰی لِمَنْ هُدِیَ اِلَی الْاِسْلَامِ وَکَانَ عَیْشُهٗ کَفَافًا وَّقَنَعَ بِهٖ یعنی اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جسے اسلام کی طرف ہدایت حاصل ہوئی، اس کی روزی بقدرِ کفایت ہے اور وہ اس پر قناعت کرتا ہے۔[2]

﴿2﴾...یَامَعْشَرَ الْفُقَرَآءِ اَعْطُوا اللّٰهَ الرِّضَا مِنْ قُلُوْبِكُمْ تَظْفَرُوْا بِثَوَابِ فَقْرِكُمْ وَاِلَّا فَلَا یعنی اے فقرا کے گروہ! دل سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی تقسیم پر راضی رہو گے تو اپنے فقر کا ثواب پاؤ گے ورنہ نہیں۔[3]

پہلی حدیث میں قانع فقیر کا ذکر تھا جبکہ دوسری روایت میں راضی کا بیان ہے[4]۔ دوسری حدیثِ پاک

1...سنن الترمذی، کتاب اللباس، باب ماجاء فی ترقیع الثوب، ۳/ ۳۰۲، حدیث: ۱۷۸۷، بتغیر

2...سنن الترمذی، کتاب الزہد، باب ماجاء فی الکفاف و الصبر علیہ، ۴/ ۱۵۶، حدیث: ۲۳۵۶، دون "بہ"

3...فردوس الاخبار، ۲/ ۴۷۵، حدیث: ۸۲۴۲

4... قانع اور راضی کی تعریف صفحہ 563 پر ملاحظہ فرمائیں۔

کے مفہومِ مخالف سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ فقیر جسے ہم نے ”حریص“ کا نام دیا تھا اسے اپنے فقر کا ثواب حاصل نہ ہوگا اگرچہ فقر کی فضیلت میں وارد مطلق روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اسے ثواب ملے گا جیسا کہ آگے چل کر اس کی تحقیق کی جائے گی۔

غالباً دوسری حدیثِ پاک میں عدمِ رِضا سے مراد یہ ہے کہ بندہ اس بات کو ناپسند کرے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اسے فقیر بنایا ہے اور یہی ناپسندیدگی فقر کے ثواب کو ضائع کر دیتی ہے ورنہ مال میں رغبت رکھنے والے کئی افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے دل میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے افعال پر انکار یا انہیں برا جاننے کا خیال تک نہیں آتا۔

جنت کی چابی:

﴿3﴾...اِنَّ لِکُلِّ شَیْءٍ مِفْتَاحًا وَّمِفْتَاحُ الْجَنَّةِ حُبُّ الْمَسَاکِیْنِ وَالْفُقَرَاءِ لِصَبْرِهِمْ، هُمْ جُلَسَاءُ اللّٰہِ تَعَالٰی یَوْمَ الْقِیَامَةِ یعنی بے شک ہر چیز کی ایک چابی ہوتی ہے اور جنت کی چابی مساکین اور فُقَرا سے ان کے صَبْر کی وجہ سے محبت کرنا ہے۔ یہ لوگ قیامت کے دن اللہ عَزَّوَجَلَّ کے قرب میں ہوں گے۔[1]

اللہ عَزَّوَجَلَّ کا پسندیدہ بندہ:

﴿4﴾...اَحَبُّ الْعِبَادِ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی اَلْفَقِیْرُ الْقَانِعُ بِرِزْقِهِ الرَّاضِیْ عَنِ اللّٰہِ تَعَالٰی یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک سب سے پسندیدہ بندہ وہ فقیر ہے جو اپنی روزی پر قناعت اختیار کرتے ہوئے اللہ عَزَّوَجَلَّ سے راضی رہے۔[2]

دعائے مصطفٰے:

﴿5﴾...اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ قُوْتَ اٰلِ مُحَمَّدٍ کَفَافًا یعنی اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! آلِ محمد کو بقدرِ کفایت رِزق عطا فرما۔[3]

﴿6﴾...مَا مِنْ اَحَدٍ غَنِیٍّ وَّلَا فَقِیْرٍ اِلَّا وَدَّ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَنَّهٗ اُوْتِیَ قُوْتًا فِی الدُّنْیَا یعنی قیامت کے دن ہر شخص چاہے امیر ہو یا غریب اس بات کی تمنا کرے گا کہ اسے دنیا میں صرف بقدرِ کفایت روزی دی جاتی۔[4]

---

1 ...فردوس الاخبار، ۲/ ۱۹۱، حدیث: ۵۰۲۹، بتغیر قلیل

2 ...قوت القلوب، الفصل الحادی والاربعون، ۲/ ۳۲۶

3 ...مسلم، کتاب الزھد والرقائق، ص۱۵۸۸، الحدیث: ۲۹۶۹، بتغیر قلیل

4 ...سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب القناعة، ۴/ ۴۴۲، الحدیث: ۴۱۴۰

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت سیِّدُنا اسماعیل ذَبِیْحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُوَالسَّلَام کی طرف وحی فرمائی کہ مجھے شکستہ دل لوگوں کے پاس تلاش کرو۔ عرض کی: وہ کون ہیں؟ ارشاد فرمایا: سچے فقرا۔

﴿7﴾... لَا اَحَدٌ اَفْضَلُ مِنَ الْفَقِیْرِ اِذَا کَانَ رَاضِیًا یعنی فقیر اگر راضی (برضائے الٰہی) ہو تو اس سے افضل کوئی نہیں۔[1]

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے منتخب وچنے وہوئے بندے:

﴿8﴾... بروزِ قیامت اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرمائے گا: مخلوق میں سے میرے مُنْتَخَب اور چنے ہوئے لوگ کہاں ہیں؟ فِرِشتے عرض کریں گے: اے پَرْوَرْدَگار عَزَّوَجَلَّ! وہ کون ہیں؟ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرمائے گا: مسلمان فقرا جو میرے دیئے ہوئے رزق پر قناعت کرتے اور تقدیر پر راضی تھے، انہیں جنّت میں لے جاؤ۔ چنانچہ فقرا اور نادار لوگ جنّت میں داخل ہو کر کھائیں پئیں گے جبکہ مال دار لوگ حساب وکتاب دینے میں مصروف ہوں گے۔[2]

یہ وہ روایات ہیں جو "قانع" اور "راضی" فقرا کے بارے میں وارد ہوئی ہیں جبکہ "زاہد" کے فضائل ہم "فقر وزہد" کے دوسرے حصے میں بیان کریں گے۔ اِنْ شَآءَ اللہ عَزَّوَجَلَّ

رِضا اور قَناعَت کے فضائل

رضا اور قناعت کے بارے میں منقول کثیر روایات مروی ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ قناعت کی ضد لالچ ہے۔

فقر اور مال داری:

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عُمَر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: لالچ فقر ہے اور لوگوں سے مایوس ہو جانا مال داری ہے، جو شخص لوگوں کے پاس موجود چیزوں سے مایوس ہو گیا اور قناعت اختیار کی تو وہ لوگوں سے بے نیاز ہو گیا۔

فِرِشتے کی پُکار:

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: ایک فِرِشتہ روزانہ عرش کے نیچے سے یہ ندا

1... قوت القلوب، الفصل الحادی والاربعون، ۲/ ۳۲۳، دون اللفظ "احد"

2... التذکرۃ للامام القرطبی، باب اوّل الناس یسبق الی الجنۃ الفقراء، ص ۴۵۱، باختلاف بعض الالفاظ، مکتبہ دار الاسلام

کرتا ہے: اے ابن آدم! وہ قلیل مال جو تمہیں کفایت کرے اس کثیر مال سے بہتر ہے جو تمہیں سرکش بنادے۔

مال کی زیادتی نفع مند نہیں:

حضرت سیِّدُنا ابو درداء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: ہر شخص کی عقل ناقص ہے کیونکہ جب اس کے پاس دنیا زیادہ مقدار میں آتی تو یہ خوش ہو جاتا ہے لیکن اسے اس بات کا غم نہیں ہوتا کہ رات اور دن اس کی عُمُر کو ختم کرنے میں مصروف ہیں۔ انسان پر افسوس ہے کہ عُمُر کی کمی کے ساتھ مال کی زیادتی نفع نہیں دیتی۔

حقیقی مال داری:

ایک دانا (عقل مند) سے پوچھا گیا کہ مال داری کس چیز کا نام ہے؟ جواب دیا: خواہشات کی کمی اور بقدرِ کفایت مال پر راضی رہنا۔

حکایت: سیِّدُنا ابراہیم بن اَدْہم رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ اور ایک فقیر

منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن اَدْہم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم خُراسان کے مال دار لوگوں میں سے تھے۔ ایک دن آپ اپنے محل سے باہر دیکھ رہے تھے کہ ایک شخص پر نظر پڑی جس کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا جسے وہ کھا رہا تھا، کھانے کے بعد وہ سو گیا۔ آپ نے ایک غلام سے فرمایا: جب یہ شخص بیدار ہو تو اسے میرے پاس لانا۔ چنانچہ اس کے بیدار ہونے پر غلام اسے آپ کے پاس لے آیا۔ آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے اس سے فرمایا: اے شخص! کیا روٹی کھاتے وقت تم بھوکے تھے؟ اس نے عرض کی: جی ہاں! پوچھا: کیا اس روٹی سے تم سیر ہو گئے؟ عرض کی: جی ہاں! آپ نے پھر سوال کیا: روٹی کھانے کے بعد تمہیں اچھی طرح نیند آئی؟ عرض کی: جی ہاں! اس کی یہ باتیں سن کر حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن اَدْہم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم نے دل میں سوچا: جب ایک روٹی سے بھی گزارہ ہو سکتا ہے تو پھر میں اتنی دنیا لے کر کیا کروں۔

حکایت: نمک اور سبزی پر قناعت

حضرت سیِّدُنا عامر بن عبدُ القَیس رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نمک اور سبزی تناول فرما رہے تھے کہ آپ کے پاس سے ایک شخص گزرا۔ اس نے عرض کی: اے عبد اللہ! کیا آپ اتنی مقدار پر دنیا سے راضی ہیں؟ آپ نے

فرمایا: کیا میں تمہیں ایسے شخص کے بارے میں نہ بتاؤں جو اس سے بھی کم تر چیز پر راضی ہے؟ اس نے عرض کی: ضرور بتائیے! فرمایا: وہ جو آخرت کے بدلے دنیا لینے پر راضی ہو گیا۔

وہ کسی کا محتاج نہیں ہو سکتا:

حضرت سیِّدُنا محمد بن واسع رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ خشک روٹی کو پانی سے تر کرکے نمک کے ساتھ تناوُل فرمالیتے اور فرماتے: جو اتنی مقدار پر دنیا سے راضی ہو جائے وہ کسی کا محتاج نہیں ہو سکتا۔

حضرت سیِّدُنا حسن بَصْری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی نے فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ ان لوگوں پر لعنت فرمائے جن کے لئے اس نے قسم کے ساتھ رِزْق کا وعدہ فرمایا پھر بھی وہ اس کی بات پر بھروسا نہیں کرتے۔ پھر آپ نے یہ آیتِ طَیِّبَہ تلاوت فرمائی:

وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ (پ۲۶، الذّٰریٰت: ۲۲)

ترجمۂ کنز الایمان: اور آسمان میں تمہارا رِزْق ہے اور جو تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے۔

دشوار گزار گھاٹی:

حضرت سیِّدُنا ابو ذر غِفاری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ ایک دن لوگوں کے درمِیان تشریف فرما تھے کہ آپ کی زوجہ نے آکر عرض کی: آپ یہاں لوگوں کے درمِیان بیٹھے ہیں جبکہ بخدا! گھر میں کھانے پینے کو کچھ نہیں ہے۔ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: اے عورت! ہمارے سامنے ایک ایسی دشوار گزار گھاٹی ہے جس سے صرف ہلکے بوجھ والے ہی نجات پائیں گے۔ یہ سن کر آپ کی زوجہ راضی ہو کر واپس چلی گئیں۔

حضرت سیِّدُنا ذُوالنُّون مصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی نے فرماتے ہیں: وہ فاقہ زدہ شخص جسے صَبْر کی دولت حاصل نہ ہو وہ دیگر لوگوں کی بَنِسْبَت کُفر سے زیادہ قریب ہے۔

ایک دانا (عقل مند) سے پوچھا گیا: آپ کا مال کیا ہے؟ جواب دیا: ظاہر میں زینت، باطن میں اعتدال اور لوگوں کے پاس موجود چیزوں سے مایوسی۔

یہ تم پر میرا احسان ہے:

ایک آسمانی کتاب میں ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے فرمایا: اے انسان! اگر پوری دنیا تمہاری مِلْک ہو جائے تو پھر

بھی تم اس میں سے اسی قدر استعمال کر سکتے ہو جتنا تمہارا رِزْق ہے۔ اگر میں تمہیں بقدرِ کفایت دیتا رہوں اور حساب دوسروں سے لوں تو یہ تم پر میرا احسان ہے۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

اِضْرَعْ اِلَى اللّٰهِ لَا تَضْرَعْ اِلَى النَّاس ۔۔۔ وَاقْنَعْ بِيَاسٍ فَاِنَّ الْعِزَّ فِي الْيَاس

وَاسْتَغْنِ عَنْ كُلِّ ذِيْ قُرْبٰى وَذِيْ رَحِمٍ ۔۔۔ اِنَّ الْغَنِيَّ مَنِ اسْتَغْنٰى عَنِ النَّاس

ترجمہ: (۱)...لوگوں کے بجائے بارگاہِ الٰہی میں فریاد کرو اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے مایوس ہو جاؤ کیونکہ اسی میں عزت ہے۔

(۲)...اپنے رشتے داروں اور قرابت داروں سے بھی بے نیاز ہو جاؤ کیونکہ مال دار وہی ہے جو لوگوں سے بے نیاز ہو۔

ایک اور شاعر نے قناعت کو اس انداز میں بیان کیا ہے:

يَا جَامِعًا مَّانِعًا وَّالدَّهْرُ يَرْمُقُهٗ ۔۔۔ مُقَدِّرًا اَيَّ بَابٍ مِّنْهُ يُغْلِقُهٗ

مُفَكِّرًا كَيْفَ تَأْتِيْهِ مَنِيَّتُهٗ ۔۔۔ اَغَادِيًا اَمْ بِهَا يَسْرِيْ فَتَطْرُقُهٗ

جَمَعْتَ مَالًا فَقُلْ لِّيْ هَلْ جَمَعْتَ لَهٗ ۔۔۔ يَا جَامِعَ الْمَالِ اَيَّامًا تُفَرِّقُهٗ

اَلْمَالُ عِنْدَكَ مَخْزُوْنٌ لِّوَارِثِهٖ ۔۔۔ مَا الْمَالُ مَالُكَ اِلَّا يَوْمَ تُنْفِقُهٗ

اِرْفَهْ بِبَالِ فَتًى يَغْدُوْ عَلٰى ثِقَةٍ ۔۔۔ اَنَّ الَّذِيْ قَسَّمَ الْاَرْزَاقَ يَرْزُقُهٗ

فَالْعِرْضُ مِنْهُ مَصُوْنٌ مَايُدَنِّسُهٗ ۔۔۔ وَالْوَجْهُ مِنْهُ جَدِيْدٌ لَّيْسَ يَخْلُقُهٗ

اِنَّ الْقَنَاعَةَ مَنْ يُّحْلِلْ بِسَاحَتِهَا ۔۔۔ لَمْ يَبْقَ فِيْ ظِلِّهَا هَمًّا يُّؤَرِّقُهٗ

ترجمہ: (۱)...اے مال جَمْع کر کے روک رکھنے والے! زمانہ اس تاک میں ہے کہ تجھ سے کون سا دروازہ بند کرے۔

(۲)...اس فکر میں ہے کہ تیری موت کس طرح آئے گی، تو صُبْح کو کُوچ کرے گا یا پھر شام کو۔

(۳)...تم نے مال تو جَمْع کر لیا ہے لیکن یہ تو بتاؤ کہ کیا تم نے اس مال کو خرچ کرنے کے لئے وقت بھی جمع کیا ہے۔

(۴)...مال تمہارے پاس تمہارے وارثوں کے لئے ذخیرہ ہے، تمہارا مال صرف وہ ہے جو تم نے خَرْچ کر دیا۔

(۵)...اس شخص کی طرح زندگی گزارو جسے اس بات کا یقین ہے کہ جس ذاتِ پاک نے ساری مخلوق کو رِزْق دیا ہے وہ

مجھے بھی دے گی۔

(۶)...باری تعالیٰ کی عطا کردہ عزت محفوظ رہتی ہے جسے کوئی شے میلا نہیں کرتی اور اس کی توجہ ہر آن رہتی ہے جس میں کمی نہیں آتی۔

(۷)...بے شک قناعت اِختیار کرنے والا بندہ پے در پے غموں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

چوتھی فصل: فَقْر کی مال داری پر فضیلت

اس مُعاملے میں بزرگانِ دین رَحِمَهُمُ اللهُ الْمُبِیْن کی رائے مختلف ہے۔ حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی، حضرت سیِّدُنا ابراہیم خوَّاص اور اکثر مشائخ رَحِمَهُمُ اللهُ تَعَالٰی کی رائے یہ ہے کہ فقر مال داری سے افضل ہے جبکہ حضرت سیِّدُنا ابن عطاء رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه فرماتے ہیں کہ مال کے حق کو ادا کرنے والا شاکر مال دار صابر فقیر سے افضل ہے۔ منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْهَادِی نے اس مسئلے میں حضرت سیِّدُنا اِبْنِ عَطاء رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه کی مُخالَفت کے سبَب ان کے خِلاف دُعا فرمائی جس کے باعث انہیں تکلیف اُٹھانی پڑی۔

یہ حِکایت اور صَبْر و شکر میں فَرق کی وجہ ہم نے ''کتابُ الصَّبر'' میں بیان کی ہے نیز وہاں یہ بھی بیان کیا ہے کہ اَعمال واَحوال میں فضیلت تفصیل کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتی۔

اگر مطلق فقر اور مطلق مال داری کا تقابل کیا جائے تو فقر کی فضیلت کے بارے میں منقول آثار اور رِوایات پر نَظَر رکھنے والا شخص اس بات میں شک نہیں کر سکتا کہ فقر افضل ہے۔

فقیر اَفضل ہے یا مال دار؟

یہاں کچھ تفصیل کا ذکر کرنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ (چار ممکنہ صورتوں میں سے) دو صورتیں ایسی ہیں جن میں شک ہو سکتا ہے:

(1)...وہ فقیر جو صابر ہو، طلبِ مال کا حریص نہ ہو بلکہ قناعت اختیار کرے اور راضی رہے اور وہ مال دار جو اپنے مال کو بھلائی کے کاموں میں خرچ کرے اور مال کو روکے رکھنے کا حریص نہ ہو۔

(2)...وہ فقیر جو طلَبِ مال کا حریص ہو اور وہ مال دار جو مال کو روکے رکھنے کا حریص ہو۔

(3)... قناعت اختیار کرنے والا فقیر اور مال کو روکے رکھنے کا حریص مال دار۔

(4)... لالچی فقیر اور بھلائی کے کاموں میں مال خرچ کرنے والا مال دار۔

ان چاروں صورتوں میں سے تیسری صورت میں فقیر اور چوتھی صورت میں مال دار کا افضل ہونا ظاہر ہے لیکن پہلی دونوں صورتوں میں تردّد ہے اس لئے اسے بیان کیا جاتا ہے:

قناعت پسند فقیر اور شاکر مال دار میں سے کون افضل ہے؟

پہلی صورت میں بعض اوقات یہ گمان کیا جاتا ہے کہ مال دار، فقیر سے افضل ہے کیونکہ مال کی حرص کمزور ہونے میں یہ دونوں برابر ہیں لیکن مال دار کو فقیر پر یہ برتری حاصل ہے کہ وہ صَدَقات و خیرات کے ذریعے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قُرب حاصل کرتا ہے جبکہ فقیر ایسا نہیں کر سکتا۔ میرے خیال میں حضرت سیِّدُنا ابن عطاء رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه نے ایسے ہی مال دار کو فقیر سے افضل قرار دیا ہے، البتہ ایسا مال دار جو اپنے مال سے فائدہ حاصل کرے اگرچہ جائز طریقے سے، اس کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ وہ قناعت اختیار کرنے والے فقیر سے افضل ہو۔

مال داری کی فقر پر فضیلت کے دلائل اور ان کے جوابات:

...**پہلی دلیل:** حضرت سیِّدُنا ابن عطاء رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه کے مَوقِف کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ فقرا صحابۂ کرام عَلَیْهِمُ الرِّضْوَان نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: مال دار لوگ خیرات، صَدَقات، حج اور جہاد کے ذریعے نیکیوں میں ہم سے سبقت لے گئے۔ تو رحمتِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّى اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے انہیں تسبیح کے کلمات سکھائے اور بتایا کہ تم ان کے ذریعے مال داروں سے زیادہ ثواب حاصل کر سکتے ہو۔ مال دار صحابۂ کِرام عَلَیْهِمُ الرِّضْوَان نے بھی ان کلمات کو سیکھ کر پڑھنا شروع کر دیا۔ اس پر فقرا صحابۂ کرام عَلَیْهِمُ الرِّضْوَان دوبارہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض گزار ہوئے تو آپ صَلَّى اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ یعنی یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فضل ہے جسے چاہے دے۔[1]

1...سنن الکبری للبیھقی، کتاب الصلوۃ، باب الترغیب فی مکث المصلی فی مصلاہ... الخ، ۲/۲۶۵، حدیث: ۳۰۲۴، مفھومًا

...**دوسری دلیل:** حضرت سَیِّدُنا ابن عطاء رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: غنی فقیر سے افضل ہے کیونکہ غنی ہونا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی صِفَت ہے۔

...**پہلی دلیل کا جواب:** حضرت سَیِّدُنا ابن عطاء رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کی پہلی دلیل یعنی مذکورہ روایت سے اِسْتِدلال مَحَلِّ غَور ہے کیونکہ یہ رِوایت تفصیل کے ساتھ بھی وارد ہوئی ہے اور وہ تفصیل اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مذکورہ تسبیح پڑھنے کا ثواب فقیر کو مال دار سے زیادہ ملتا ہے اور فقیر کے لئے یہ زیادتیٔ ثواب اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے یہ فضل عطا فرماتا ہے۔

محبوبِ خدا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے محبوب:

ہمارے اس قول کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جسے حضرت سَیِّدُنا زید بن اسلم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْاَکْرَم نے حضرت سَیِّدُنا انس بن مالک رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے روایت کیا ہے کہ فقرا صحابۂ کِرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے بارگاہِ رسالت میں اپنا قاصد بھیجا جس نے حاضرِ خِدمَت ہو کر عرض کی: میں فقرا کا نمائندہ بن کر حاضر ہوا ہوں۔ مصطفٰے جانِ رحمت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: تمہیں بھی مرحبا اور انہیں بھی جن کے پاس سے تم آئے ہو! تم ایسے لوگوں کے پاس سے آئے ہو جن سے میں محبت کرتا ہوں۔ قاصِد نے عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! فقرا نے یہ گزارش کی ہے کہ مال دار لوگ جنّت کے دَرَجات لے گئے، وہ حج کرتے ہیں اور ہمیں اس کی اِسْتِطاعَت نہیں، وہ عمرہ کرتے ہیں اور ہم اس پر قادِر نہیں، وہ بیمار ہوتے ہیں تو اپنا زائد مال صَدَقہ کر کے آخرت کے لئے جَمْع کرلیتے ہیں۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: میری طرف سے فقرا کو یہ پیغام پہنچادو کہ ان میں سے جو (اپنی غُربَت پر) صَبْر کرے اور ثواب کی اُمید رکھے اسے تین ایسی باتیں حاصل ہوں گی جو مال داروں کو حاصل نہیں:

(۱)...جنّت میں ایک ایسا بالا خانہ ہے جس کی طرف اہْلِ جنَّت ایسے دیکھیں گے جیسے دنیا والے آسمان کے ستاروں کو دیکھتے ہیں، اس بالا خانے میں صرف فقر اختیار کرنے والے نبی، شہید فقیر اور فقیر مومن داخل ہوں گے۔(۲)...فقرا مال داروں سے قیامت کے آدھے دن کی مقدار یعنی 500 سال پہلے جنَّت میں داخل ہوں گے۔(۳)...مال دار شخص سُبْحٰنَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَر کہے اور یہی کلمات فقیر بھی

ادا کرے تو مال دار فقیر کے برابر ثواب نہیں پا سکتا اگرچہ وہ 10 ہزار دِرْہم صَدَقہ کرے۔ دیگر تمام نیک اَعمال میں بھی یہی مُعامَلہ ہے۔

قاصِد نے واپس جا کر فقرا کو یہ فرمانِ مصطفٰے سنایا تو انہیں نے کہا: ہم راضی ہیں، ہم راضی ہیں۔ [1]

یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت سیِّدُنا ابن عطاء رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے جس رِوایت سے اِسْتِدلال کیا ہے اس میں "ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ" سے مراد یہ ہے کہ کلماتِ تسبیح پڑھنے پر فقرا کو مال داروں سے زیادہ ثواب حاصل ہوتا ہے۔

...دوسری دلیل کا جواب: حضرت سیِّدُنا ابن عطاء رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کی دوسری دلیل کہ "غنی ہونا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی صِفَت ہے" اس کا جواب دیتے ہوئے ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے ان سے فرمایا: کیا آپ یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اسباب واَعراض کے ذریعے غنی ہے؟ یہ سن کر آپ خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہ دیا۔

بعض بزرگوں نے اس دلیل کا یہ جواب دیا ہے کہ تکبُّر بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ایک صِفَت ہے (اگر یہی بات ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی صِفَت ہونے کے باعث غَنا فقر سے اَفضل ہے) تو پھر تکبُّر کو تواضع سے افضل ہونا چاہئے بلکہ غَنا کا صِفَتِ باری تعالیٰ ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ فقر غَنا سے افضل ہے کیونکہ بندے کے لئے بندوں والی صِفات افضل ہیں جیسے خوف وامید وغیرہ اور صفاتِ باری تعالیٰ میں جھگڑنا مناسب نہیں، اسی لئے حدیثِ قدسی میں ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: اَلْكِبْرِيَآءُ رِدَآئِيْ وَالْعَظَمَةُ اِزَارِيْ فَمَنْ نَازَعَنِيْ وَاحِدًا مِّنْهُمَا قَصَمْتُهٗ یعنی بڑائی میری رِدا ہے اور عظمت میرا تہبند، جو ان میں سے کوئی ایک بھی مجھ سے چھیننا چاہے گا میں اسے ہلاک کر دوں گا۔ [2]

حضرت سیِّدُنا سَہل بن عبد اللہ تُسْتَری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْوَلِی فرماتے ہیں: عزت وبقا کی محبت رَبُوْبِیَّت میں شِرک اور جھگڑا ہے کیونکہ یہ دونوں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی صِفات ہیں۔

فقر وغَنا کے ایک دوسرے سے افضل ہونے کے سلسلے میں جو دلائل مذکور ہیں ان میں سے کئی دلائل

---

1 ...قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون، ۱/ ۴۳۶

2 ...سنن ابی داود، کتاب اللباس، باب ماجاء فی الکبیر، ۴/ ۸۱، حدیث: ۴۰۹۰، "قذفتہ فی النار" بدلہ "قصمتہ" الاسماء والصفات للبیھقی، باب ماجاء فی الجلال والجبروت... الخ، ص۱۳۸، مطبوعۃ المکتبۃ الازھریۃ للتراث

میں تاویل ممکن ہے جبکہ بعض ایسے ہیں جن سے مخالِف مَوقِف کا ثُبوت بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی صِفَت ہونے کی بنا پر غَنا فقر سے افضل ہے، یہ دلیل یوں ٹوٹ سکتی ہے کہ تکبُّر بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی صِفَت ہے، لہٰذا اسے عاجزی سے افضل ہونا چاہئے۔ بندے کی صِفَت ہونے کے باعث فقر کے غَنا سے افضل ہونے کی دلیل اس طرح ٹوٹ سکتی ہے کہ عِلْم و مَعْرِفَت اور قدرت اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جبکہ جَہْل و غفلت اور عجز بندے کی صِفات ہیں لیکن کوئی بھی بندوں کی اِن صِفات کے اُن ربّانی صفات سے افضل ہونے کا قائل نہیں ہے۔

خلاصۂ کلام:

اس اُلجھن کا حل ہم نے "کتابُ الصَّبر" میں بیان کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو چیز بذاتِ خود مقصود نہ ہو بلکہ کسی مقصود تک پہنچنے کا ذریعہ ہو اس کی فضیلت کا تعیُّن مقصود کے اعتبار سے ہو گا۔ دُنیا بذاتِ خود کوئی بُری چیز نہیں ہے بلکہ اس کی مَذمَّت کا سبَب یہ ہے کہ یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ تک پہنچنے کی راہ میں رکاوٹ ہے یونہی فقر بذاتِ خود مطلوب نہیں ہے بلکہ اس کی ترغیب اس لئے دلائی گئی ہے کیونکہ اس میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اللہ عَزَّوَجَلَّ تک پہنچنے سے رکاوٹ بنے یا اس سے غافل کر دے۔ بعض مال دار ایسے ہوتے ہیں جنہیں ان کا مال اللہ عَزَّوَجَلَّ سے غافل نہیں کرتا جیسے حضرت سیِّدُنا سلیمان عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام، امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عثمان غنی اور حضرت سیِّدُنا عبد الرحمٰن بن عوف رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا جبکہ کئی فقرا ایسے ہوتے ہیں جو اپنے فقر کو دور کرنے میں مصروف ہو کر اصل مقصد سے غافل ہو جاتے ہیں۔ دنیا میں سب سے بڑا مقصد اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت کا حصول اور اس سے مانوس ہونا ہے اور یہ مقصد مَعْرِفَتِ الٰہی کے حصول کے بعد ہی پورا ہو سکتا ہے اور مشاغل کے ہوتے ہوئے راہِ معرفت پر چلنا غیر ممکن بات ہے۔ جس طرح مال داری اس راہ پر چلنے کے معاملے میں رکاوٹ بن سکتی ہے اسی طرح فقر بھی آڑ بن سکتا ہے اور اس راستے کی اصل رکاوٹ دنیا کی محبت ہے کیونکہ کسی دل میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت اور حُبِّ دنیا جمع نہیں ہو سکتے۔ کسی چیز سے محبت کرنے والا اسی میں مشغول رہتا ہے، کبھی اس کی جدائی میں اور کبھی وصال میں، کسی کی مشغولیت جدائی میں زیادہ ہوتی ہے اور کسی کی ملاپ میں۔ دنیا غافلوں کی محبوبہ ہے، جو غافل اس سے محروم ہیں وہ اس کی طلب میں لگے ہوئے ہیں اور جنہیں یہ حاصل ہے وہ اس کی حفاظت کرنے اور اس سے لطف اندوز ہونے میں مصروف ہیں۔

اگر دو ایسے افراد کو فرض کیا جائے جن کے دل مال کی محبت سے خالی ہیں اور ان کے نزدیک مال اور پانی برابر ہیں تو اس صورت میں مال دار اور مال سے محروم دونوں برابر ہیں (کوئی دوسرے سے افضل نہیں) کیونکہ مال ملنے کی صورت میں یہ دونوں اس سے صرف بقدرِ حاجت نَفْع اٹھاتے ہیں، البتہ بقدرِ حاجت مال کا موجود ہونا نہ ہونے سے افضل ہے کیونکہ بھوکا شخص مَعْرِفَت کے نہیں بلکہ ہلاکت کے راستے پر چلتا ہے۔

اکثر لوگوں کے لئے فقر میں سلامتی ہے:

اگر اکثر لوگوں کے اعتبار سے دیکھا جائے تو ان کے لئے فقر میں ہی سلامتی ہے کیونکہ خوشحالی کا فتنہ تنگدستی کے فتنے سے زیادہ خطرناک ہے اور گناہوں سے بچنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ان کے اسباب پر قدرت حاصل نہ ہو، اسی لئے صحابۂ کِرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے فرمایا: ”ہمیں مفلسی کی آزمائش میں مبتلا کیا گیا تو ہم نے صَبْر کیا لیکن ہم مال داری کی آزمائش پر صَبْر نہ کر سکے۔“ چند مخصوص افراد جن کی تعداد انتہائی قلیل ہے ان کے سوا تمام لوگوں کا یہی حال ہے اور شریعتِ مطہرہ کا خطاب عام لوگوں سے ہوتا ہے نہ کہ نادر اور کم پائے جانے والے افراد سے، چونکہ عام لوگوں کے لئے فقر و تنگدستی ہی مناسب ہے اس لئے شریعتِ مطہرہ نے مال و دولت کی مَذَمَّت بیان فرما کر اِس سے مَنْع فرمایا ہے اور فقر و تنگدستی کی فضیلت بیان کر کے اِس کی تعریف فرمائی ہے یہاں تک کہ حضرت سَیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے ارشاد فرمایا: دنیا والوں کے مال کی طرف نظر مت کرو ورنہ اس کی چمک دمک تمہارے نورِ ایمان کو سَلْب کر لے گی۔

ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: مال کو اُلٹ پُلٹ کرنا ایمان کی مٹھاس کو خَتْم کر دیتا ہے۔

اس امت کا بچھڑا:

ایک روایت میں ہے: اِنَّ لِکُلِّ اُمَّۃٍ عِجْلًا وَّعِجْلُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ الدِّیْنَارُ وَالدِّرْھَمُ یعنی ہر اُمَّت کا ایک بچھڑا ہوتا ہے اور اس اُمَّت کا بچھڑا درہم و دینار ہیں۔[1]

حضرت سَیِّدُنا موسٰی کَلِیْمُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی اُمَّت کے لئے سامری نے جو بچھڑا بنایا تھا وہ

---

1 ...فردوس الاخبار، ۲/ ۱۹۳، حدیث: ۵۰۵۸

بھی سونے چاندی کے زیورات سے بنا ہوا تھا۔

مال اور پانی، سونے اور پتھر کا برابر ہونا صرف انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام اور اولیائے عِظام رَحِمَہُمُ اللّٰہُ السَّلَام کے لئے ممکن ہے اور ان حضرات کو بھی یہ مرتبہ طویل مُجاہَدات کے بعد اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فَضْل وکَرَم سے حاصل ہوتا ہے، جیسا کہ مروی ہے کہ جب دنیا بن سنور کر حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے سامنے آتی تو آپ اس سے فرماتے: اِلَیْكِ عَنِّیْ یعنی مجھ سے دور ہو جا۔[1]

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم فرمایا کرتے تھے: اے زرد رنگ والے (یعنی سونا)! میرے سوا کسی اور کو فریب دے، اے سفید رنگ والی (یعنی چاندی)! میرے علاوہ کسی اور کو دھوکا دے۔ یہ آپ اُس وقت ارشاد فرماتے جب اپنے نفس میں سونے چاندی کے دھوکے کے آثار مُلاحَظہ فرماتے اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے۔ حقیقی مال داری اسی چیز کا نام ہے (کہ دل میں مال کی محبت نہ ہو) کیونکہ حضور نبیِّ کریم، رَءُوْفٌ رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: لَیْسَ الْغِنٰی عَنْ کَثْرَۃِ الْعَرَضِ اِنَّمَا الْغِنٰی غِنَی النَّفْس یعنی مال داری مال و دولت کی کثرت کا نام نہیں بلکہ اَصْل مال داری تو دل کا غنی (بے نیاز) ہونا ہے۔[2]

چونکہ اس مَقام کا حاصل کرنا عام لوگوں کے لئے بہت مشکل ہے، لہٰذا ان کے لئے سلامتی کا راستہ یہی ہے کہ ان کے پاس ضرورت سے زیادہ مال و دولت جَمْع نہ ہو اگرچہ وہ اپنے مال کو صَدَقہ کرتے اور نیکی کے کاموں میں خَرچ کرتے ہوں کیونکہ مال پر قادر ہونے کی صورت میں وہ دنیا کی محبت، اس سے لُطف اندوز ہونے اور اسے خرچ کرنے میں حاصل ہونے والی فرحت سے نہیں بچ سکتے اور یہ سب باتیں دنیا سے محبت کا باعث بنتی ہیں اور جس قدر انسان کے دل میں محبتِ دنیا گھر کرلے اسی قدر اس کی آخرت سے محبت میں کمی آجاتی ہے، نیز مَعْرِفَتِ باری تعالیٰ کی صِفَت کے علاوہ انسان جس قدر اپنی کسی صِفَت سے مانوس ہوتا ہے اسی قدر وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کی محبت سے دور ہوجاتا ہے۔ نیز جب دنیا سے محبت کے اسباب منقطع ہوجائیں تو دل دنیا اور اس کی رنگینیوں سے کنارہ کش ہوجاتا ہے اور جب کسی مومن کا دل اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا ہر چیز سے خالی

---

1 ...المستدرک للحاکم، کتاب الرقاق، باب اذا مرض المؤمن یکتب عملہ...الخ، ۵/ ۴۴۰، حدیث: ۷۹۲۶

2 ...بخاری، کتاب الرقاق، باب الغنی غنی النفس، ۴/ ۲۳۳، حدیث: ۶۴۴۶

ہو جائے تو وہ لا مُحالہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت سے آباد ہو جاتا ہے کیونکہ دل خالی نہیں رہ سکتا، اس میں یا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت ہوتی ہے یا اس کے غیر کی۔ جو شخص جس قدر غیر کی طرف متوجہ ہوتا ہے وہ اسی قدر اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دور ہو جاتا ہے اور جس قدر اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قُرب پاتا ہے اسی قدر غیر سے دور ہو جاتا ہے۔ ان دونوں کی مثال ایسی ہے جیسے مشرق و مغرب کی سمتیں، جو شخص جس قدر ان میں سے ایک کے نزدیک ہو گا اسی قدر دوسری سمت سے دور ہو جائے گا بلکہ ان میں سے کسی ایک سمت سے نزدیکی ہی دوسری سے دوری ہے، اسی طرح دنیا کی حقیقی محبت ایک طرح سے اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دشمنی ہے، لہٰذا عقل مند شخص کو اپنے دل پر نظر رکھنی چاہئے کہ یہ دنیا سے بے رغبت ہے یا اس سے مانوس ہے۔

خلاصۂ کلام:

اس گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ فقیر اور مال دار میں باہم فضیلت کا دار و مدار صرف اس بات پر ہے کہ ان کے دل میں مال کی محبت کس قدر ہے، اگر اس مُعامَلے میں دونوں برابر ہوں تو پھر دونوں کا دَرَجہ بھی برابر ہے لیکن یہ ایک ایسا مُعامَلہ ہے جس میں لَغزِش اور دھوکے کا سخت اندیشہ ہے۔ بعض اوقات مال دار شخص یہ گمان کرتا ہے کہ اس کا دل مال کی محبت سے پاک ہے لیکن محبتِ مال اس کے دل میں پوشیدہ ہوتی ہے اور اسے اس بات کا پتا تک نہیں چلتا، اس بات کا احساس اس وقت ہوتا ہے جب اس کے پاس مال نہیں رہتا۔

دل میں مال کی محبت کے امتحان کا طریقہ:

اگر انسان اپنے دل کا امتحان کرنا چاہے کہ میرے دل میں مال کی کس قدر محبت ہے تو مال کو تقسیم کرتے وَقت یا مال چوری ہو جانے پر اپنے دل کی کیفیت پر غور کرے، اگر اپنے دل کو مال کی طرف متوجہ پائے تو جان لے کہ میں دھوکے کا شکار تھا۔ اس معاملے کی مثال ایسی ہے جیسے بعض لوگ یہ سمجھ کر اپنی باندی کو بیچ دیتے ہیں کہ مجھے اس سے لگاؤ نہیں لیکن خریدار کے حوالے کرنے کے بعد دل میں پوشیدہ محبت کی آگ شعلہ زن ہو جاتی ہے اور یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ غَلَط فہمی میں مبتلا تھا، باندی کی محبت اس کے دل میں اس طرح چھپی ہوئی تھی جیسے راکھ کے نیچے آگ۔

انبیائے کِرام عَلَیْہِمُ السَّلَام اوراولیائے عِظام رَحِمَہُمُ اللہُ السَّلَام کے سوا دیگر تمام مال داروں کا یہی حال ہے کیونکہ فقرِ مطلق کا حصول یاتو ناممکن ہے یاپھر شدید مشکل اسی لئے ہم مطلقاً یہ بات کہتے ہیں کہ تمام مخلوق کے لئے فقرہی افضل ہے کیونکہ فقیر کا دنیاسے تعلق اوراُنس کمزور ہوتا ہے اور جس قدر یہ تعلق کمزور ہوتا ہے اسی قدر بندے کی تسبیحات اور عبادات کاثواب زیادہ ہوجاتا ہے۔

فقیر کی عبادت کا ثواب زائد ہونے کی وجہ:

فقیر کی تسبیحات اور عبادات کاثواب زائد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اذکار وتسبیحات کا اصل مقصود زبان کو حَرَکت دینا نہیں بلکہ یہ ہے کہ انسان کے دل میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت گھر کرلے اور تسبیحات وعبادات جس طرح محبّتِ دنیا سے خالی دل میں اثر کرتے ہیں دنیوی محبت میں مشغول دل میں اس طرح اثر نہیں کرسکتے۔ اسی لئے ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا:جو شخص عبادت وریاضت کرے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ طلبِ دنیا میں بھی مشغول ہوتو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص گھاس سے آگ بجھانے کی کوشش کرے یااپنے ہاتھ سے گوشت کی چکنائی کو مچھلی سے صاف کرے۔

ہزار سال کی عبادت سے افضل عمل:

حضرت سَیِّدُنا ابوسُلَیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی فرماتے ہیں:جس خواہش پر قدرت حاصل نہ ہو اس کے بغیر فقیر کا ایک سانس لینا مال دار کی ہزار سال کی عبادت سے افضل ہے۔

ایک ہزار دینار صَدَقہ کرنے سے افضل عمل:

حضرت سَیِّدُنا ضحاک رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں:جو شخص بازار جائے اور کسی چیز کو دیکھ کر اس کی خواہش پیدا ہو لیکن وہ صَبْر کرے اور ثواب کی امید رکھے تو یہ عمل اس کے لئے راہِ خدا میں ایک ہزار دینار صَدَقہ کرنے سے افضل ہے۔

ایک شخص نے حضرت سَیِّدُنا بِشْر بن حارِث حافی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْکَافِی کی خدمت میں عرض کی کہ میرے لئے دعا فرمایئے کیونکہ میں اَہْل وعِیال کے اخراجات کی وجہ سے پریشان ہوں۔ آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے

فرمایا: جب گھر والے تم سے کہیں کہ ہمارے پاس نہ تو آٹا ہے اور نہ ہی روٹی تو اس وقت تم میرے لئے دعا کرنا کیونکہ اس وقت تمہاری دعا میری دعا سے افضل ہے۔

مال دار اور فقیر عابد کی مثال:

حضرت سیِّدُنا بِشْر بن حارِث حافی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الکَافِی فرمایا کرتے تھے: مال دار عبادت گزار کی مثال ایسی ہے جیسے کچرے کے ڈھیر پر موجود سبزہ اور فقیر عبادت گزار کا معاملہ ایسا ہے جیسے خوبصورت عورت کے گلے میں موتیوں کا ہار۔

منقول ہے کہ بزرگانِ دین رَحِمَہُمُ اللہُ المُبِین مال داروں سے عِلْمِ مَعْرِفَت کی باتیں سننے کو ناپسند کرتے تھے۔

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! میں نفس کے غَلَبہ کے وقت تجھ سے بے سروسامانی کا اور قدرِ کفایت سے زائد مال سے بے رغبتی کا سوال کرتا ہوں۔

جب آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ جیسی کامل شخصیت بھی مال سے بچتی ہے تو پھر اس بات میں کیسے شک کیا جا سکتا ہے کہ مال کے ہونے سے نہ ہونا بہتر ہے۔

مذکورہ تمام گفتگو اس صورت میں ہے کہ مال دار نے جائز طریقے سے مال حاصل کر کے اسے درست مَقام پر خَرچ کیا ہو، اس کے باوُجود بھی بروزِ قیامت اس کا حساب طویل ہو گا اور اسے جنت میں داخلے کے لئے کافی انتظار کرنا پڑے گا اور جس شخص سے حساب کتاب میں جرح کی گئی تو وہ عذاب میں گرِفتار ہو گا۔ اسی لئے قاسِمِ نعمت، مالِکِ کوثر و جنَّت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت سیِّدُنا عبد الرحمٰن بن عوف رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کو مُلاحَظہ فرمایا کہ حساب کتاب میں مشغول ہونے کے سبب انہیں دخولِ جنت میں تاخیر ہوئی۔

حساب کتاب کے خوف کے سبب مال سے نفرت:

حضرت سیِّدُنا ابو درداء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ مسجد کے دروازے پر میری دکان ہو جو مجھے نماز اور ذِکْرُ اللہ سے غافل نہ کرے اور مجھے اس دکان سے روزانہ 50 دینار کا نفع حاصل ہو جسے میں راہِ خدا میں صَدَقہ کر دوں۔ عرض کی گئی: آپ اس بات کو کیوں ناپسند فرماتے ہیں؟ فرمایا: حساب کتاب کی سختی کی وجہ سے۔

فقرا اور مال داروں کا اِنتخاب:

حضرت سیِّدُنا سفیان ثوری عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْقَوِی فرماتے ہیں: تین چیزوں کو فقرا نے اختیار کیا جبکہ تین اشیاء کو مال داروں نے چنا۔ فقرا نے نفس کی راحت، دل کی فراغت اور حساب کی آسانی کو مُنتخب کیا جبکہ مال داروں نے نفس کی تھکاوٹ، دل کی مشغولیت اور حساب کی سختی کا انتخاب کیا۔

غنی فقیر سے کب افضل ہے؟

حضرت سیِّدُنا ابن عطاء رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه کا یہ قول درست ہے کہ غَنا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی صِفَت ہے اس لئے اس سے مُتَّصِف شخص یعنی غنی افضل ہے لیکن یہ اس وَقْت ہے کہ بندہ مال کے ہونے، نہ ہونے دونوں سے بے نیاز ہو اور اس کے نزدیک دونوں حالتیں برابر ہوں اور مال اس کے نزدیک پانی کی طرح ہو۔ اگر وہ مال کے وجود سے غنی ہو لیکن اس کے باقی رہنے کا محتاج ہو تو اس کا غَنا اللہ عَزَّوَجَلَّ کے غَنا کے مشابہ نہیں ہے کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ذاتی طور پر غنی ہے، اس کا غَنا قابلِ زوال چیز (یعنی مال) سے نہیں ہے جبکہ مال کا زوال ممکن ہے اس طور پر کہ وہ چوری ہو سکتا ہے۔

حضرت سیِّدُنا ابن عطاء رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه کے رد میں ذکر کردہ یہ دلیل صحیح ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ مال واسباب کے ذریعے غنی نہیں ہے لیکن یہ دلیل ایسے غنی کی مذمَّت میں کارآمد ہے جو مال کی بقا چاہتا ہے۔

یہ دلیل کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی صِفات بندوں کے لئے مناسب نہیں ہیں درست نہیں جیسے عِلْم جو کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی صِفَت ہے لیکن بندے کے لئے افضل ترین چیز ہے بلکہ بندگی کا کمال یہ ہے کہ بندہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی صِفات سے مُتَّصِف ہو جائے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے متکبِّر ہونے کا معنٰی:

(حضرتِ سیِّدُنا امام محمد غزالی عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْوَالِی فرماتے ہیں:) میں نے ایک بزرگ کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی راہ کا مسافر اس راستے کی تکمیل سے پہلے ہی ننانوے صِفاتِ باری تعالٰی سے مُتَّصِف ہو جاتا ہے یعنی اسے ہر صِفَت کا فیض حاصل ہوتا ہے البتہ بندے کے لئے تکبُّر مناسب نہیں کیونکہ جس پر تکبُّر نہیں کرنا چاہئے اس پر

تکبُّر کرنا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی صِفَت نہیں البتہ جو تکبُّر حقیقت پر مشتمل ہو جیسے مسلمان کا کافر پر، عالم کا جاہل پر اور اطاعت گزار کا نافرمان پر تکبُّر کرنا، اس قسم کا تکبُّر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے شایانِ شان ہے۔ تکبُّر کے لفظ سے بعض اوقات فخر و غُرور، شیخی بگھارنے اور تکلیف دینے کا معنٰی بھی مراد لیا جاتا ہے اور یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی صِفَت نہیں بلکہ اس کا وصف تو یہ ہے کہ وہ سب سے بڑا ہے اور وہ اس بات کو قطعی طور پر جانتا ہے جبکہ بندے کو اس بات کا حکم ہے کہ اگر اسے قدرت حاصل ہو تو وہ بلند مرتبے کو درست طریقے سے حاصل کرنے کی کوشش کرے نہ کہ ناجائز طریقے اور دھوکا دہی سے۔ بندے پر یہ اعتقاد رکھنا لازم ہے کہ مومن کافر سے، اطاعت گزار نافرمان سے، عالم جاہل سے، انسان حیوانات، جمادات، نباتات سے بہتر اور ان کی بَنِسبَت اللہ عَزَّوَجَلَّ سے قریب ہے۔ اگر کوئی بلاشک و تردد اپنے بارے میں ان باتوں کا یقین رکھے تو اسے جائز تکبُّر کی صفت حاصل ہے جو ایک بندۂ مومن کے لئے مناسب اور اس کے شایانِ شان ہے لیکن اس فضیلت کا حصول اچھے خاتِمے پر موقوف ہے اور کوئی شخص بذاتِ خود اس بات کو نہیں جان سکتا کہ اس کا خاتِمہ کیسا ہوگا۔ خاتِمے کی کیفیت سے ناواقف ہونے کے سبب مومن کو چاہئے کہ اپنے مرتبے کو کافر کے مرتبے سے بڑا نہ سمجھے کہ کبھی کافر کا خاتِمہ ایمان پر ہو جاتا ہے اور اس کا کفر پر، لہٰذا اپنے انجام سے بے خبر ہونے کی وجہ سے بندے کے لئے تکبُّر مناسب نہیں ہے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی صِفَتِ عِلْم سے مراد یہ ہے کہ وہ اشیاء کی حقیقت کو جانتا ہے اور ایسا ہی عِلْم بندے کے حق میں کمال ہے۔ بعض چیزوں کی مَعْرِفَت بندے کو نقصان پہنچاتی ہے، لہٰذا ایسا عِلْم بندے کے حق میں مناسب نہیں کیونکہ صفاتِ باری تعالٰی میں سے کوئی صِفَت ایسی نہیں جو اسے نقصان دے۔ ایسی چیزیں جن میں نقصان نہ ہو ان کی مَعْرِفَت بندے کے لئے مناسب ہے اور اسی پر فضیلت کا دار و مدار ہے۔ انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام، اولیاءُ اللہ اور علمائے عِظام اسی عِلْم کے سبَب افضل ہیں۔

بہر حال اگر بندے کے نزدیک مال کا ہونا نہ ہونا دونوں برابر ہوں تو یہ غَنا کی ایسی قسم ہے جو کسی نہ کسی طرح اس غَنا کے مشابہ ہے جو صِفَتِ باری تعالٰی ہے اور یہ فضیلت کی بات ہے جبکہ مال و دولت کے ذریعے حاصل ہونے والی غَنا میں کوئی فضیلت نہیں۔

یہ قناعت گزار فقیر کی شاکر غنی کے ساتھ نسبت کا بیان تھا۔

حریص فقیر کی حریص غنی سے نسبت کا بیان:

...سُوال: ایک ایسا شخص جو مال سے محروم ہو، وہ مال کا طالب اور اس کے لئے کوشش کرنے والا ہو پھر اسے مال حاصل ہو جائے، یہ شخص پہلے حالَتِ فقر اور اب حالَتِ غَنا سے موصوف ہے، ان دونوں میں سے اس کی کون سی حالت افضل ہے؟

...جواب: افضل حالت کے تعیُّن کے لئے یہ دیکھا جائے گا کہ یہ شخص کس قدر مال کا طالب تھا؟ اگر اس کا مطلوب بقدرِ ضرورت مال تھا اور اس کی نیت یہ تھی کہ اس مال کے ذریعے دین کے راستے پر چلنے میں مدد حاصل کرے تو ایسے شخص کے لئے حصولِ مال کی حالت افضل ہے کیونکہ فقر بندے کو طَلَبِ مال میں مصروف رکھتا ہے اور جو شخص روزی کی تلاش میں مصروف ہو اسے فکرِ آخرت اور ذکر و اذکار کے لئے فرصت نہیں ملتی، اگر وہ ذِکْر و فِکْر میں مشغول بھی ہو تو اس کا دل فکرِ معاش میں مصروف رہتا ہے جبکہ بقدرِ کفایت مال رکھنے والا شخص اس آفت سے محفوظ ہوتا ہے۔ اسی لئے مُعَلِّمِ کائنات، شاہِ موجودات صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم یہ دعا فرمایا کرتے تھے: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ قُوْتَ اٰلِ مُحَمَّدٍ کَفَافًا یعنی اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! آلِ محمد کو بقدر کفایت رزق عطا فرما۔[1]

ایک روایت میں ہے: کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَّکُوْنَ کُفْرًا یعنی قریب ہے کہ فقر کفر تک پہنچا دے۔[2]

اس حدیثِ پاک میں وہ فقر مراد ہے جس میں انسان زندگی کی بنیادی ضروریات کے معاملے میں بھی محتاج ہو۔

اگر بندے کا مطلوب حاجت سے زائد مال ہو یا پھر بقدرِ حاجت مال ہی اس کا مطلوب ہو لیکن اس سے دین کے راستے پر چلنے کے لئے مدد حاصل کرنا مقصود نہ ہو تو ایسے شخص کے لئے حالَتِ فقر افضل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فقیر اور غنی دونوں مال کی لالچ اور محبت میں برابر ہیں اور اس بات میں بھی یکساں ہیں کہ مال سے ان دونوں کا مقصود دین کے راستے پر چلنے کے معاملے میں مدد حاصل کرنا نہیں ہے نیز یہ دونوں اپنے فقر اور مال داری کے سبب مَعْصِیت (گناہ) میں مبتلا نہیں ہوتے، فرق اس میں یہ ہے کہ مال دار مال سے مانوس ہو جاتا

1...مسلم، کتاب الزھد والرقائق، ص ١٥٨٨، حدیث: ٢٩٦٩، بتغیر قلیل

2...شعب الایمان للبیھقی، باب فی الحث علی ترک الغل والحسد، ٥/ ٢٦٧، حدیث: ٦٦١٢

ہے، مال کی محبت اس کے دل میں گھر کر لیتی ہے اور وہ دنیا سے مطمئن ہو جاتا ہے جبکہ فقیر اور لاچار شخص کا دل دنیا سے بیزار ہو جاتا ہے اور دنیا اس کے نزدیک ایک قید خانے کی طرح ہوتی ہے جس سے وہ چھٹکارا پانا چاہتا ہے۔ دو افراد کا انتقال ہو جائے اور دونوں ہر معاملے میں برابر ہوں لیکن ان میں سے ایک دوسرے سے زیادہ دنیا کی طرف مائل ہو تو لازمی طور پر اس کا اُخروی معاملہ مشکل ہو گا کیونکہ اسے دنیا سے جس قدر محبت ہے اسی قدر آخرت سے وحشت ہو گی اور اس کا دل دنیا میں اٹکا رہے گا۔

حضور نبیِّ رحمت، شفیعِ اُمَّت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِیْ رَوْعِیْ اَحْبِبْ مَنْ اَحْبَبْتَ فَاِنَّكَ مُفَارِقُهٗ یعنی رُوْحُ الْقُدُس (حضرت جبرائیل عَلَیْہِ السَّلَام) نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ جس سے چاہیں محبت فرمائیں آخر کار اس سے جُدائی ہے۔[1]

اس روایت میں اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ محبوب کی جدائی نہایت سخت ہوتی ہے، لہٰذا عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ ایسی ہستی سے محبت کی جائے جو ہم سے کبھی جدا نہ ہو گی یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ اور جدا ہونے والی چیز یعنی دنیا سے محبت نہ کی جائے کیونکہ دنیا سے محبت کرنے والا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے لیکن موت کی آمد پر اسے اپنی محبوب دنیا سے جدا ہو کر سفرِ آخرت اختیار کرنا پڑتا ہے۔ محبوب سے جدائی کی تکلیف ہر شخص کو اس کی محبت واُنسیت کی مقدار میں ہوتی ہے اور مال دار شخص جو دنیا پر قادر ہو اس کی دنیا سے محبت اس شخص سے زیادہ ہوتی ہے جس کے پاس دنیاوی مال موجود نہ ہو اگرچہ وہ حصولِ دنیا کا حریص بھی ہو۔

دو قسم کے افراد کے لئے مال داری افضل ہے:

اس ساری گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ دو قسم کے افراد کے علاوہ دیگر تمام لوگوں کے حق میں فقر بہتر، افضل اور سلامتی کا راستہ ہے۔ وہ دو قسم کے افراد یہ ہیں:

(1)... وہ غنی جسے اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صِدِّیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا جیسا غنا حاصل ہو کہ اس کے نزدیک مال و دولت کا ہونا نہ ہونا دونوں برابر ہوں۔ ایسے شخص کے لئے مال و دولت نقصان کا باعث نہیں بلکہ

[1]... المستدرک للحاکم، کتاب الرقاق، باب شرف المؤمن قیام اللیل، ۵/ ۴۶۳، حدیث: ۷۹۹۱، بتغیر
شعب الایمان، باب فی الزھد وقصر الامل، ۷/ ۳۴۸، حدیث: ۱۰۵۴۰، بتغیر قلیل

اس کے دَرَجات میں مزید اضافے کا سبب بنتے ہیں کیونکہ وہ اپنے مال کو فقرا ومساکین پر خَرچ کر کے ان کی دعائیں حاصل کرتا ہے اور انہیں عبادت وریاضت کے لئے دنیا سے مستغنی (بے پروا) کرنے کا سبب بنتا ہے۔

(2)...وہ فقیر جسے بنیادی ضروریاتِ زندگی بھی دستیاب نہ ہوں۔ ایسے فقر میں کوئی بھلائی نہیں بلکہ یہ انسان کو کفر میں مبتلا کرنے کا سبب بھی بن سکتا ہے۔ ایسا فقر صرف ایک صورت میں اچھا ہو سکتا ہے، وہ یہ کہ بنیادی ضروریاتِ زندگی کے حصول سے ایک شخص کی جان سلامت رہے، اس کے ساتھ وہ اپنی زندگی اور قُوت کو کفر وشرک اور گناہ کے کاموں میں خَرچ کرے تو ایسے شخص کے لئے مذکورہ فقر (یعنی بنیادی ضروریاتِ زندگی بھی دستیاب نہ ہوں) خیر کا باعث ہے کیونکہ اس کے لئے بھوک سے مر جانا ہی بہتر ہے کہ اس صورت میں اس کے گناہ کم ہوں گے۔

فقر وغنا میں سے فضیلت کسے حاصل ہے؟ یہاں اس کے بیان کا اختتام ہوا۔ اب صرف ایک صورت باقی ہے کہ ایسا فقیر جو مال کا حریص، ہمہ تن طلَبِ مال میں سرگرداں اور ہر وقت اسی فکر میں مبتلا رہتا ہو اور ایسا مالدار جس میں حفاظَتِ مال کی حرص مذکورہ فقیر سے کم ہو اور مال کے گم ہو جانے پر وہ اتنا غمگین نہ ہوتا ہو جتنا کہ یہ فقیر مال نہ ہونے پر غمگین ہے تو ان دونوں میں سے کون افضل ہے؟ یہ معاملہ مَحَلِّ نَظَر ہے اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ مال کے نہ ہونے اور گم ہو جانے پر ان میں سے جسے جتنا زیادہ غم ہوتا ہے اتنا ہی وہ بارگاہِ الٰہی سے دور ہے اور جس کا یہ غم جتنا کم ہے اتنا ہی اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قرب حاصل ہے اور حقیقتِ حال کا علم اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پاس ہے۔

پانچویں فصل:

فقیر کے آداب

فقیر کے لئے کچھ باطنی اور کچھ ظاہری آداب ہیں نیز لوگوں سے میل جول اور افعال کے معاملے میں بھی فقیر کے لئے کئی آداب ہیں جن کی پاسداری کرنا فقیر پر لازم ہے۔

باطنی ادب:

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اسے فقر میں مبتلا کرنے کے فعل کو اپنے دل میں بھی برا نہ جانے۔ مراد یہ ہے کہ اگرچہ طبعی طور پر فقر کو ناپسند کرتا ہو لیکن اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فعل ہونے کی حیثیت سے اسے برا نہ جانے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ پچھنے لگوانے والا تکلیف کی وجہ سے اس عمل کو ناگوار جانتا ہے لیکن پچھنے لگانے والے کو اور اس کے کام

کو ناپسند نہیں کرتا بلکہ اس کا شکر گزار ہوتا ہے۔

یہ ادب فقر کا سب سے ادنیٰ دَرَجہ ہے اور اس پر عمل کرنا واجب جبکہ اس کا اُلٹ (یعنی فقر کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فعل ہونے کی حیثیت سے برا جاننا) حرام اور فقر کے ثواب کو ضائع کرنے کا باعث ہے۔

اس فرمانِ مصطفٰے کا یہی مفہوم ہے: یَامَعْشَرَ الْفُقَرَآءِ اَعْطُوا اللّٰہَ الرِّضَا مِنْ قُلُوْبِکُمْ تَظْفَرُوْا بِثَوَابِ فَقْرِکُمْ وَاِلَّا فَلَا یعنی اے فقرا کے گروہ! اللہ عَزَّوَجَلَّ کی تقسیم پر دل سے راضی رہو گے تو اپنے فقر کا ثواب پاؤ گے ورنہ نہیں۔[1]

اس سے اعلیٰ دَرَجہ یہ ہے کہ فقر کو ناپسند نہ کرے بلکہ اس پر راضی رہے۔ اس سے بھی اعلیٰ دَرَجہ یہ ہے کہ مال داری کے نقصانات کا عِلْم ہونے کی وجہ سے فقر کا طالِب رہے اور اس سے فرحت محسوس کرے، اللہ عَزَّوَجَلَّ پر کامل بھروسا رکھے کہ وہ اسے ضروریاتِ زندگی کا سامان عطا فرمائے گا اور ضرورت سے زائد مال واسباب کے حصول کو ناپسند کرے۔

فقر کے باعثِ ثواب یا سبَبِ عذاب ہونے کی نشانیاں:

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم فرماتے ہیں: فقر کسی کے حق میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے باعِثِ ثواب ہوتا ہے اور کسی کے لئے سبَبِ عذاب۔ فقر اگر ثواب کا باعِث ہو تو اس کی علامت یہ ہے کہ بندے کے اَخلاق کو اچھا کر دیتا ہے، وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت وفرمانبرداری میں لگ جاتا ہے اور شکوہ وشکایت نہیں کرتا بلکہ دولَتِ فقر کے حصول پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر بجالاتا ہے۔ فقر کے عذاب کا سبب ہونے کی نشانی یہ ہے کہ بندے کو بد اَخلاق بنا دیتا ہے، وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی میں مشغول ہو جاتا ہے، شکوہ وشکایت کی کثرت کرتا ہے اور تقدیر پر راضی نہیں ہوتا۔

آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کا یہ فرمان اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ہر فقیر قابلِ تعریف نہیں ہوتا بلکہ صرف وہ فقیر قابلِ تعریف ہے جو فقر پر ناراض نہ ہو بلکہ راضی رہے یا پھر فقر کے ثواب پر نظر رکھتے ہوئے اس پر خوش رہے۔

منقول ہے کہ جب بندے کو کوئی دُنیوی چیز دی جاتی ہے تو اس سے کہا جاتا ہے: اسے تین چیزوں مصروفیت، غم اور طویل حساب کے بدلے میں لو۔

---

[1] ...فردوس الاخبار، ۲/ ۴۷۵، حدیث: ۸۲۴۲

ظاہری آداب:

فقیر کے لئے ظاہری آداب یہ ہیں کہ مخلوق کے سامنے دستِ سُوال دراز نہ کرے اور لوگوں کے سامنے اپنی حالت کو اچھا کر کے پیش کرے، نہ تو شکوہ وشکایت کرے اور نہ ہی اپنے فقر کو ظاہر کرے بلکہ اپنے فقر کو لوگوں سے چھپائے اور انہیں یہ تک پتا نہ چلنے دے کہ یہ اپنے فقر کو چھپاتا ہے۔ یہی وہ فقیر ہے کہ جس سے اللہ عَزَّوَجَلَّ محبت فرماتا ہے۔ چنانچہ

اللہ عَزَّوَجَلَّ کا پسندیدہ فقر:

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غیوب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْفَقِیْرَ الْمُتَعَفِّفَ اَبَا الْعِیَالِ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ اس فقیر سے محبت فرماتا ہے جو بال بچوں والا ہونے کے باوجود سوال سے بچتا ہے۔[1]

ارشادِ باری تعالیٰ:

یَحْسَبُہُمُ الْجَاہِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ج ترجمۂ کنز الایمان: نادان انہیں تونگر سمجھے بچنے کے سبب۔

(پ۳، البقرۃ: ۲۷۳)

حضرت سیِّدُنا سفیان ثوری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: تنگی کے وقت اپنی حالت کو اچھا ظاہر کرنا افضل ترین عمل ہے۔

ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: فقر کو چھپانا نیکی کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

اعمال میں فقیر کا ادب:

اعمال میں فقیر کا ادب یہ ہے کہ مال کی وجہ سے کسی مال دار کے لئے تواضُع نہ کرے بلکہ ان کی نظروں میں دنیا کو کمتر دکھانے کے لئے ان سے اِعراض کرے۔

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم فرماتے ہیں: حصولِ ثواب کی نیت سے مال دار کا فقیر کے لئے تواضع کرنا بہت اچھا ہے اور اس سے بھی اچھا یہ ہے کہ فقیر اللہ عَزَّوَجَلَّ پر بھروسا

1 ...سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب فضل الفقراء، ۴/ ۴۳۲، حدیث: ۴۱۲۱

کرتے ہوئے خود کو مال دار سے بہتر سمجھے۔

یہ ایک مرتبہ ہے جبکہ اس سے ادنیٰ دَرَجہ یہ ہے کہ مال داروں سے میل جول نہ رکھے اور نہ ہی ان کی ہم نشینی میں رغبت کرے کیونکہ ایسا کرنا لالچ کا نکتۂ آغاز ہے۔

ریاکار اور چور فقیر:

حضرت سیِّدُنا سفیان ثوری عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ القَوِی فرماتے ہیں: جب کوئی فقیر مال داروں سے میل جول رکھے تو جان لو کہ وہ ریاکار ہے اور اگر حکمرانوں سے رابطہ رکھے تو سمجھ لو کہ وہ چور ہے۔

ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: جب فقیر مال داروں کی طرف مائل ہو تو اس کے فقر کی رَونَق زائل ہو جاتی ہے، ان سے لالچ رکھے تو اس کی حفاظت منقطع ہو جاتی ہے اور جب اسے مال داروں کے قرب میں سکون حاصل ہونے لگے تو یہ (اللہ عَزَّوَجَلَّ تک لے جانے والے) راستے سے گمراہ ہو جاتا ہے۔

فقیر پر لازم ہے کہ مال داروں کا لحاظ کرتے ہوئے اور ان سے مال ملنے کی لالچ میں حق بات کو بیان کرنے سے خاموش نہ رہے۔

افعال میں فقیر کے آداب:

افعال میں فقیر کے آداب یہ ہیں کہ فقر کے سبب اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت سے محروم نہ رہے، اگر ضروریات کی تکمیل کے بعد کچھ مال بچ جائے تو اسے صدقہ کرنے میں دریغ نہ کرے کیونکہ یہ ایک غریب کا صدقہ ہے اور اس کی فضیلت اس کثیر مال کے صدقے سے زیادہ ہے جو مال دار کی طرف سے کیا جائے۔

ایک درہم کا ثواب لاکھ درہم سے زیادہ:

حضرت سیِّدُنا زید بن اسلم عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الاَکرَم سے مروی ہے کہ رحمتِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: دِرْهَمٌ مِّنَ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ مِّائَةِ اَلْفِ دِرْهَمٍ یعنی صدقے کا ایک درہم اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک ایک لاکھ درہم سے افضل ہے۔ عرض کی گئی: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! وہ کیسے؟ ارشاد فرمایا: ایک شخص اپنے مال میں سے ایک لاکھ درہم صدقہ کرتا ہے جبکہ دوسرے شخص کے پاس صرف دو

درہم ہیں وہ ان میں سے ایک درہم خوش دلی سے صدقہ کرتا ہے تو ایک درہم صدقہ کرنے والا ایک لاکھ درہم صدقہ کرنے والے سے افضل ہے۔[1]

فقیر کو چاہئے کہ مال جمع نہ کرے بلکہ بقدرِ ضرورت مال لے کر باقی کو راہِ خدا میں خرچ کر دے۔

مال جمع کرنے کے تین دَرَجات:

(۱)...ایک دن رات کے لئے جمع کرنا یہ **صدیقین** کا درجہ ہے۔(۲)...40 دن کے لئے جمع کرنا کیونکہ اس سے زیادہ کے لئے جمع کرنا لمبی امید میں داخل ہے۔40 دن کا اندازہ عُلَما نے اس بات سے لگایا ہے کہ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ نے حضرت سیِّدُنا موسیٰ کَلِیْمُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے اتنی ہی مدت کا وعدہ فرمایا تھا جس سے 40 دن زندگی کی امید کی رخصت سمجھ آتی ہے، یہ **متقین** کا دَرَجہ ہے۔(۳)...ایک سال کے لئے جمع کرنا یہ رخصت کا ادنیٰ ترین درجہ ہے اور یہ **صالحین** (نیک لوگوں) کا درجہ ہے۔

جو شخص اس سے زائد مدت کے لئے مال جمع کرے وہ خواص کے درجے سے خارج ہو کر عام مسلمانوں کے زُمرے میں شامل ہو جائے گا۔ کمزور درجے کے نیک لوگوں کو غِنا اور دلی اطمینان ایک سال کے لئے جمع کرنے سے حاصل ہوتا ہے، خواص کو 40 دن کے لئے جمع کرنے سے جبکہ خاص الخاص کو ایک دن رات کے لئے جمع کرنے سے یہ بات حاصل ہو جاتی ہے۔ سیِّدُ الْمُتَوَکِّلِیْن صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ازواجِ مُطَہَّرات رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُنَّ میں ضروریاتِ زندگی تین طرح تقسیم فرماتے۔ بعض کو مالِ غنیمت وغیرہ میں سے ایک سال کے لئے، بعض کو 40 دن کے لئے اور اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ واُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا حفصہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کو ایک دن رات کے لئے عطا فرماتے تھے۔

چھٹی فصل: بلا سُوال ملنے والا تحفہ قبول کرنے کے آداب

فقیر کو چاہئے کہ بغیر سوال کے ملنے والی چیز کے بارے میں تین باتوں پر غور کرے: (۱)...ملنے والے مال کے بارے میں (۲)...دینے والے کی غرض کیا ہے؟ (۳)...قبول کرنے میں کیا نیت ہے؟

---

[1]...سنن النسائی، کتاب الزکاۃ، باب جھد المقل، ۱/ ۴۱۵، حدیث: ۲۵۲۵، باختلاف بعض الالفاظ

﴿1﴾...**ملنے والے مال کے بارے میں:** اس کے حلال اور تمام شُبہات سے خالی ہونے پر غور کرے، اگر اس میں کسی قسم کا شبہ ہو تو لینے سے احتراز کرے۔ "کتابُ الْحَلَال وَالْحَرَام" میں ہم اس بات کا بیان کرچکے ہیں کہ شُبہے کے کون کون سے درجے ہیں نیز کس سے بچنا واجب اور کس سے بچنا مستحب ہے۔

﴿2﴾...**دینے والے کی غَرَض میں غور کرے:** اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں: (۱)...اگر غرض یہ ہو کہ جسے دے رہا ہے اس کا دل خوش کرے اور اس کی محبت حاصل کرے تو یہ ہدیہ ہے، (۲)...اگر حصولِ ثواب پیشِ نظر ہو تو یہ صدقہ یا زکوٰۃ ہے، (۳)...یا مقصود فقط اپنی واہ واہ کروانا، دکھانا اور سنانا ہوگا اور اس کے ساتھ دیگر فاسد اغراض بھی پیشِ نظر ہوں گی۔

تحفہ قبول کرنے کی مختلف صورتیں اور ان کے احکام:

...**پہلی صورت ہدیہ (تحفہ) ہے:** جس کے قبول کرنے میں کوئی حَرَج نہیں کیونکہ ہدیہ قبول کرنا مکی مدنی مصطفٰے صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی سنّت ہے لیکن ہدیہ ایسا ہونا چاہئے جسے قبول کرنے میں کسی کا احسان مند نہ ہونا پڑے ورنہ قبول نہ کرے۔ اگر ہدیہ کا بعض حصہ ایسا ہو جسے قبول کرنے میں احسان مند ہونا پڑے گا تو اسے واپس کرکے باقی کو قبول کرلے۔

حضور نبیِّ کریم، رَءُوْفٌ رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں گھی، پنیر اور مینڈھا بطورِ ہدیہ پیش کیا گیا تو آپ نے گھی اور پنیر قبول فرمالیا جبکہ مینڈھا واپس فرمادیا۔[1] نیز آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم بعض لوگوں کا ہدیہ قبول فرماتے اور بعض کا نہ فرماتے۔[2]

جیسا کہ فرمانِ مصطفٰے ہے: لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ لَّا اَتَّهِبَ اِلَّا مِنْ قُرَشِيٍّ اَوْ ثَقَفِيٍّ اَوْ اَنْصَارِيٍّ اَوْ دَوْسِيٍّ یعنی میں نے ارادہ کیا ہے کہ قریش، ثقیف، انصار اور دوس سے تعلق رکھنے والے افراد کے علاوہ کسی کا ہدیہ قبول نہیں کروں گا۔[3]

تابعین کے ایک گروہ کا عمل بھی یہی تھا کہ وہ بعض لوگوں کا ہدیہ قبول کرتے اور بعض کا نہ کرتے۔

1...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند الشامیین، حدیث یعلی بن مرۃ الثقفی، ۶/ ۱۷۵، حدیث: ۱۷۵۵۹، بتغیر قلیل

2...سنن ابی داود، کتاب الاجارۃ، باب فی قبول الھدایا، ۳/ ۴۰۵، حدیث: ۳۵۳۷، مفھومًا

3...سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب فی ثقیف وبنی حنیفۃ، ۵/ ۴۹۳، حدیث: ۳۹۷۱، "اتھب" بدلہ "اقبل ھدیۃ"

چنانچہ حضرت سیِّدُنا فتح مَوصِلی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی کی خدمت میں ایک تھیلی میں 50 درہم بطورِ ہدیہ پیش کئے گئے۔ آپ نے فرمایا: حضرت سیِّدُنا عطاء رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ مصطفٰے جانِ رحمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: مَنْ اَتَاہُ رِزْقٌ مِّنْ غَیْرِ مَسْئَلَۃٍ فَرَدَّہٗ فَاِنَّمَا یَرُدُّہٗ عَلَی اللہِ یعنی جس کے پاس بغیر مانگے رزق آئے اور وہ اسے واپس کر دے تو وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عطا کو واپس کرتا ہے۔[1] پھر آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے تھیلی کھول کر اس میں سے ایک درہم لیا اور باقی واپس لوٹا دیئے۔

عالِم اور مبلغ کو تحفہ قبول کرنے میں زیادہ احتیاط کرنی چاہئے:

حضرت سیِّدُنا حسن بَصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی بھی اس حدیثِ پاک کو روایت فرمایا کرتے تھے اس کے باوجود ایک شخص نے آپ کی خدمت میں دراہم سے بھری تھیلی اور خُراسان کے باریک کپڑوں کا تھان پیش کیا تو آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا: جو شخص میری طرح لوگوں کو وعظ ونصیحت کرنے اور علم سکھانے کے لئے بیٹھے اور پھر لوگوں سے اس طرح کے تحفے قبول کرے تو بروزِ قیامت وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے لئے ثواب میں سے کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

اس حکایت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تحفہ قبول کرنے کے معاملے میں عالِمِ دین اور مبلغ کو دیگر لوگوں کی بنسبت زیادہ احتیاط کرنی چاہئے۔ حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی مذکورہ احتیاط کے باوجود اپنے دوستوں سے تحفہ قبول فرمایا کرتے تھے۔

حضرت سیِّدُنا ابراہیم تَیْمِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی اپنے دوستوں سے ایک یا دو درہم مانگتے تھے جبکہ دیگر لوگ آپ کی خدمت میں سینکڑوں درہم بھی پیش کرتے تو آپ قبول نہ فرماتے تھے۔

ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے بارے میں منقول ہے کہ ان کا دوست انہیں کچھ دیتا تو وہ فرماتے کہ اسے اپنے پاس رکھ کر غور کرو، اسے قبول کرنے سے پہلے تمہارے نزدیک میرا جو مرتبہ ہے اگر قبول کرنے کے بعد اس میں اضافہ ہو تو مجھے بتا دینا میں قبول کر لوں گا ورنہ نہیں۔

اس بات کی علامت یہ ہے کہ اگر سامنے والا اس کا ہدیہ قبول نہ کرے تو اسے گراں گزرے جبکہ قبول

---

[1] ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند البصریین، حدیث عائذ بن عمرو، ۷/ ۳۶۲، حدیث: ۲۰۶۷۵، بتغیر

کرنے کی صورت میں خوشی حاصل ہو اور اپنے اوپر اس کا احسان سمجھے کہ اس نے میرا تحفہ قبول کیا۔

تحفہ قبول کرنے والا اگر یہ سمجھے کہ قبول کرنے میں کچھ نہ کچھ احسان مند ہونا پڑے گا تو اگرچہ ایسا ہدیہ قبول کرنا شرعاً جائز ہے لیکن صادقین فُقرا ایسے تحفے کو ناپسند کرتے ہیں۔

حضرت سیِّدُنا بِشْر بن حارِث حافی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْکَافِی فرماتے ہیں: میں نے حضرت سیِّدُنا سَرِی سَقَطی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْوَلِی کے علاوہ کبھی کسی سے کوئی چیز نہیں مانگی کیونکہ میرے نزدیک وہ واقعی دنیا سے بے رغبت ہیں، دنیا کے چلے جانے سے خوش ہوتے اور باقی رہنے سے پریشان ہوتے ہیں، لہٰذا میں زُہد کے معاملے میں ان کی مدد کرتے ہوئے ان سے مانگتا ہوں۔

حکایت: آپ نے مجھ پر احسان کیا

ایک خُراسانی شخص سیِّدُ الطائفہ حضرت سیِّدُنا جُنَید بغدادی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْھَادِی کی خدمت میں کچھ مال لے کر حاضر ہوا اور درخواست کی کہ آپ اس مال کو کھانے پینے کی چیزوں میں صرف کریں۔ آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: کیا میں اسے فقرا میں تقسیم کر دوں؟ اس نے عرض کی: میرا مقصود یہ نہیں ہے۔ فرمایا: میں کتنا عرصہ زندہ رہوں گا کہ اسے کھاتا رہوں؟ اس نے عرض کی: حضور! آپ اسے سرکے اور سبزیوں میں نہیں بلکہ مٹھائی اور دیگر لذیذ کھانوں میں استعمال کریں (تو یہ جلد ختم ہو جائے گا)۔ یہ سن کر آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے وہ مال قبول فرما لیا۔ اس خُراسانی شخص نے کہا: بغداد میں آپ سے زیادہ کسی نے مجھ پر احسان نہیں کیا۔ حضرت سیِّدُنا جُنَید بغدادی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْھَادِی نے فرمایا: تم جیسے شخص کے علاوہ کسی اور سے تحفہ قبول نہیں کرنا چاہئے۔

…**دوسری صورت صدقہ یا زکوٰۃ ہے:** اگر زکوٰۃ ہو تو پھر فقیر کو اپنے بارے میں غور کرنا چاہئے کہ میں زکوٰۃ کا مستحق ہوں یا نہیں۔ اگر یہ بات اس پر مشتبہ ہو جائے کہ میں مستحق زکوٰۃ ہوں یا نہیں تو یہ شبہے کا مقام ہے جس کی تفصیل ہم ''کتاب اسرار الزکوٰۃ'' میں بیان کر چکے ہیں۔

چھپ کر گناہ کرنے والے فقیر کے لئے تحفہ قبول کرنا کیسا؟

اگر پیش کیا گیا مال صدقہ ہو تو بھی فقیر غور کرے کہ دینے والا اسے اپنا صدقہ کیوں دے رہا ہے؟ اگر

نیک سمجھ کر دے رہا ہو جبکہ یہ پوشیدہ طور پر گناہوں کا مرتکب ہوتا ہو اور جانتا ہو کہ اگر دینے والے کو میرے ان گناہوں کے بارے میں علم ہو جائے تو وہ مجھ سے نفرت کرے گا اور قربِ خداوندی پانے کے لئے مجھے صدقہ نہیں دے گا تو اس کے لئے ایسا صدقہ قبول کرنا حرام ہے، جیسے کوئی شخص کسی کو عالِم یا علوی (یعنی امیر المؤمنین حضرت سیِّدنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْهَهُ الْکَرِیْم کی اولاد) سمجھ کر کچھ دے اور در حقیقت وہ ایسا نہ ہو تو بلاشبہ اس کے لئے اس چیز کا قبول کرنا حرام و ناجائز ہے۔

...**تیسری صورت لوگوں کو دکھانا، سنانا اور شہرت کا حصول ہے:** اگر غرض لوگوں کو دکھانا، سنانا اور شہرت کا حصول ہو تو پھر فقیر کو چاہئے کہ اس کا مال قبول نہ کرے کیونکہ قبول کرنے کی صورت میں وہ اس کے فاسد مقصد میں مددگار ثابت ہو گا۔

حضرت سیِّدُنا سُفیان ثوری عَلَیْهِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی کو کچھ دیا جاتا تو واپس کر دیتے اور فرماتے: اگر مجھے پتا ہو تا کہ یہ لوگ میرے قُبول کرنے کو بطورِ فخر دوسروں کے سامنے بیان نہیں کریں گے تو میں قبول کر لیتا۔

ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْه کے پاس ان کے دوست کچھ بھیجتے تو وہ واپس کر دیتے۔ پوچھنے پر فرماتے: میں ان پر شفقت اور ان کی خیر خواہی کرتے ہوئے ان کے تحفے واپس کرتا ہوں کیونکہ یہ اس بات کو لوگوں سے بیان کرتے اور پسند کرتے ہیں کہ دوسروں کو ان کے دینے کا علم ہو جس کی وجہ سے ان کا مال بھی چلا جاتا ہے اور بُری نیت کی وجہ سے ثواب بھی ضائع ہو جاتا ہے۔

﴿3﴾... **تحفہ قبول کرنے میں نیت کیا ہو؟** قبول کرنے میں اپنی نیت پر غور کرے اور دیکھے کہ کیا بنیادی ضروریات کے لئے اسے قبول کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں، اگر ضرورت ہو اور یہ مال شُبہ اور ان آفات سے محفوظ ہو جن کا بیان دینے والے کے ذکر میں ہوا تو پھر فقیر کے لئے لینا افضل ہے۔

دینے والے کا ثواب لینے والے سے زیادہ نہیں:

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غیوب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: مَا الْمُعْطِیْ مِنْ سَعَةٍ بِاَعْظَمَ اَجْرًا مِنَ الْاٰخِذِ اِذَا كَانَ مُحْتَاجًا یعنی وُسعت و کُشادگی کی حالت میں دینے والے کا ثواب لینے والے محتاج سے زیادہ نہیں۔[1]

1... المعجم الاوسط، ۶/ ۱۲۷، حدیث: ۸۲۳۵، بتغیر قلیل

ایک روایت میں ہے:مَنْ اٰتَاہُ شَیْءٌ مِّنْ ھٰذَا الْمَالِ مِنْ غَیْرِ مَسْئَلَۃٍ وَّلَا اسْتِشْرَافٍ فَاِنَّمَا ھُوَ رِزْقٌ سَاقَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ فَلَا یَرُدَّہٗ یعنی جس کے پاس لالچ اور سوال کے بغیر مال آئے تو وہ رزق ہے جو اس کے پاس اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے آیا ہے، لہٰذا اسے رد نہ کرے۔[1]

بعض عُلَما فرماتے ہیں: جسے دیا جائے وہ نہ لے تو پھر اسے مانگنے پر بھی نہ دیا جائے۔

حضرت سیِّدُنا سَری سَقَطی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی حضرت سیِّدُنا امام احمد بن حنبل عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَوَّل کے پاس تحفے بھیجا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے ہدیہ واپس کر دیا تو حضرت سیِّدُنا سَری سَقَطی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی نے فرمایا: اے احمد! قبول نہ کرنے کی آفت سے بچو کیونکہ یہ لینے کی آفت سے زیادہ سخت ہے۔ حضرت سیِّدُنا امام احمد بن حنبل عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَوَّل نے فرمایا: اپنی بات دہرایئے۔ جب انہوں نے اپنی بات دہرائی تو فرمایا: میں نے آپ کا ہدیہ اس لئے واپس کیا تھا کیونکہ میرے پاس ایک مہینے کی غذا موجود ہے، آپ اسے اپنے پاس رکھ لیجئے اور ایک مہینے بعد مجھے بھیج دیجئے گا۔

بعض عُلَما فرماتے ہیں: ضرورت کے باوجود ہدیہ قبول نہ کرنے والے کے بارے میں اس بات کا اندیشہ ہے کہ اسے سزا کے طور پر لالچ میں مبتلا کر دیا جائے یا پھر وہ شبہات میں پڑ جائے۔

ضرورت سے زائد مال قبول کرنے نہ کرنے کی دو صورتیں:

فقیر کے پاس جو مال لایا گیا اگر وہ اس کی ضرورت سے زائد ہو تو اس میں دو صورتیں ہیں:(۱)...وہ صرف اپنا ذمہ دار ہے، کسی اور کی کفالت اس کے ذمے نہیں۔(۲)...اپنی فطری نرمی اور سخاوت کے باعث دوسرے فقرا پر بھی خرچ کرتا اور ان کی کفالت کرتا ہے۔

پہلی صورت کی تفصیل:

اگر یہ فقیر راہِ آخرت کا مسافر ہے تو پھر اسے زائد مال قبول کر کے اپنے پاس جمع نہیں کرنا چاہئے کیونکہ ایسا کرنا صرف خواہشِ نفس کی بنا پر ہو گا اور ہر وہ عمل جو رضائے الٰہی کے لئے نہ ہو وہ شیطان کے راستے میں

[1] ...المعجم الکبیر، ۵/ ۲۴۸، حدیث: ۵۲۴۱، بتغیر قلیل

ہوتا ہے اور جو شخص ممنوعہ علاقے کے قریب جاتا رہے وہ ایک نہ ایک دن ممنوعہ علاقے میں داخل ہو جاتا ہے۔اس صورت میں اگر فقیر زائد مال قبول کرلے تو بھی اسے درج ذیل طریقوں پر عمل کرنا چاہئے:

...**پہلا طریقہ:** علانیہ طور پر لے کر پوشیدہ طور پر لوٹادے یا پھر تقسیم کردے۔یہ صدیقین کا مقام ہے اور نفس کے لئے انتہائی دشوار ہے، صرف وہی شخص اس مقام کو پاسکتا ہے جس نے عبادت وریاضت کے ذریعے نفس کو مغلوب کرلیا ہو۔

...**دوسرا طریقہ:** آنے والے مال کو بالکل قبول نہ کرے تاکہ دینے والا اس سے زیادہ ضرورت مند کو دیدے یا پھر قبول کرکے ایسے شخص تک پہنچادے جو اس سے زیادہ حاجت مند ہو۔یہ دونوں کام یا تو علانیہ طور پر کرے یا پوشیدہ طور پر۔

"کتابُ اَسْرارِ الزَّکوٰۃ" میں ہم نے فقر کے چند دیگر احکام کے ساتھ اس بات کو بھی بیان کیا ہے کہ ہدیہ قبول کرنے کو ظاہر کرنا افضل ہے یا چھپانا،اس بحث کو وہاں دیکھ لیا جائے۔

حضرت سیِّدُنا امام احمد بن حنبل عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَوَّل نے حضرت سیِّدُنا سَری سَقَطی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی کا ہدیہ قبول نہ فرمایا کیونکہ ان کے پاس ایک مہینے کی غذا موجود تھی جس کی وجہ سے انہیں اس کی ضرورت نہ تھی، نیز انہوں نے اس ہدیہ کو قبول کرکے دوسروں کو دینا بھی گوارا نہ فرمایا کیونکہ اس میں بھی کئی خطرات درپیش ہوتے ہیں اور جو شخص شیطان کے واروں سے بے خوف نہ ہو اس کے لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ خطرے والے مقام سے بھی دور رہے۔

حکایت:زمین کے خزانے دکھانے والا فقیر

مکۂ مکرمہ زَادَہَا اللہُ شَرَفًا وَّتَعْظِیْمًا کے رہنے والے ایک شخص کا بیان ہے کہ میرے پاس کچھ درہم تھے جنہیں میں نے راہِ خدا میں خرچ کرنے کے لئے رکھا ہوا تھا۔ایک دن میں نے دیکھا کہ ایک فقیر طوافِ کعبہ سے فارغ ہو کر غلافِ کعبہ سے لپٹ کر آہستہ سے کہہ رہا ہے:اے اللہ عَزَّوَجَلَّ!اے وہ ذات جو سب کو دیکھتی ہے لیکن اسے نہیں دیکھا جاسکتا!تو دیکھ رہا ہے کہ میں بھوکا اور بے لباس ہوں۔اے اللہ عَزَّوَجَلَّ!اب تو کیا فرماتا

ہے؟اس فقیر کا لباس پھٹا پرانا تھا جو پوری طرح اس کے جسم کو بھی نہیں چھپا رہا تھا۔میں نے دل میں سوچا کہ اپنے درہم خرچ کرنے کا اس سے اچھا موقع مجھے نہیں ملے گا۔چنانچہ میں نے وہ دراہم لا کر اس کے سامنے رکھ دیئے۔ فقیر نے ان میں سے پانچ درہم لئے اور کہا:چار درہم میں دو چادریں آجائیں گی اور ایک درہم تین دن کے کھانے کے لئے کافی ہے،اس سے زیادہ کی مجھے ضرورت نہیں۔یہ کہہ کر اس نے باقی دراہم واپس کر دیئے۔اگلی رات میں نے دیکھا کہ وہ فقیر دو نئی چادریں اوڑھ کر طواف کر رہا ہے،یہ دیکھ کر میرے دل میں اس کے بارے میں بدگمانی پیدا ہوئی۔وہ شخص فوراً میرے پاس آیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر طواف کے سات چکر لگائے،ہر پھیرے میں زمین کے خزانوں میں سے کوئی خزانہ ظاہر ہوتا اور ہمارے ٹخنوں تک آجاتا جو سونا، چاندی،یاقوت اور ہیرے جواہرات پر مشتمل ہوتا لیکن وہاں موجود دیگر لوگوں پر ہماری یہ کیفیت ظاہر نہ ہوئی۔ فقیر نے مجھ سے کہا:اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مجھے یہ سب کچھ عطا فرمایا ہے لیکن میں نے اسے چھوڑ دیا کیونکہ یہ بوجھ اور آزمائش ہے اور میں لوگوں سے اس لئے لیتا ہوں کہ اس میں لوگوں کے لئے رَحمت اور نعمت ہے۔

اس حکایت کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ امتحان اور آزمائش کے طور پر بندے کو ضرورت سے زائد مال عطا فرماتا ہے کہ وہ اس مال کا کیسا استعمال کرتا ہے جبکہ بقدرِ ضرورت مال بندے پر شفقت فرماتے ہوئے عنایت فرماتا ہے،لہٰذا انسان کو امتحان اور شفقت کے فرق سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِیْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَیُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴿۷﴾ (پ۱۵،الکہف:۷)

ترجمۂ کنزالایمان:بے شک ہم نے زمین کا سنگار کیا جو کچھ اس پر ہے کہ انہیں آزمائیں ان میں کس کے کام بہتر ہیں۔

ابن آدم کا حق صرف تین چیزوں میں ہے:

دوعالَم کے مالک و مختار باذنِ پَروَردگار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:لَاحَقَّ لِابْنِ اٰدَمَ اِلَّا فِیْ ثَلَاثٍ طَعَامٌ یُّقِیْمُ صُلْبَہٗ وَثَوْبٌ یُّوَارِیْ عَوْرَتَہٗ وَبَیْتٌ یَّکُنُّہٗ فَمَا زَادَ فَھُوَ حِسَابٌ یعنی ابن آدم کا حق صرف تین چیزوں میں ہے:(۱)اتنا کھانا جو اس کی پیٹھ سیدھی رکھے۔(۲)اتنا لباس جو اس کی سَتر پوشی کرے۔(۳)ایک گھر جو اس کو سردی گرمی

سے محفوظ رکھے، اور جو اس سے زائد ہے اس کا حساب ہو گا[1]۔[2]

اس حدیثِ پاک سے یہ درس ملا کہ مذکورہ تین چیزیں بقدرِ حاجت استعمال کرنے پر ثواب حاصل ہو گا جبکہ ضرورت سے زیادہ استعمال کرنا دو حال سے خالی نہیں: گناہ و نافرمانی کے کاموں میں استعمال کیا تو عذابِ نار کا حق دار ہو گا اور گناہوں میں استعمال نہ کیا تو پھر بھی حساب دینا ہو گا۔

آزمائش کی ایک صورت:

بعض اوقات بندہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قرب پانے اور نفس کو مغلوب کرنے کے لئے کسی دنیوی لذت کو ترک کرنے کا ارادہ کرتا ہے لیکن وہی چیز بغیر کسی لالچ اور طَلَب کے بندے کے پاس آجاتی ہے تاکہ اس کا امتحان لیا جائے کہ وہ اسے حاصل کرتا ہے یا ترک کر دیتا ہے۔ ایسی صورت میں بہتر یہ ہے کہ اس چیز کو ترک کر دیا جائے کیونکہ جب ایک مرتبہ نفس کو عہد توڑنے کی اجازت دے دی جائے تو پھر وہ اس بات کا عادی بن جاتا ہے اور اپنی پرانی عادت پر گام زن ہو جاتا ہے، نیز اگر اس چیز کو قبول کر کے خفیہ طور پر کسی محتاج کو دے دیا جائے تو یہ انتہا درجے کا زُہد ہے جس پر صرف صِدِّیقین کو قدرت حاصل ہوتی ہے۔

ضرورت سے زیادہ مال قبول کرنے کی دوسری صورت:

فقیر اگر سخاوت کرنے والا، دوسرے فقرا اور نیک لوگوں کی کفالت کرنے والا ہو تو اسے چاہئے کہ ضرورت سے زائد مال قبول کر لے کیونکہ وہ دیگر فقرا کی ضرورت سے زیادہ نہیں ہے لیکن لینے کے بعد اسے

---

[1] ...مفسر شہیر، حکیم الامت مفتی احمد یار خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْحَنَّان **مراٰۃ المناجیح، جلد 7، صفحہ 23** پر اس کے تحت فرماتے ہیں: ان تین چیزوں کے سوا اور کسی چیز کی ضرورت نہیں قیامت میں ان تین کا حساب نہ ہو گا ان کے سوا اور چیزوں کا حساب دینا ہو گا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ یَوْمَىٕذٍ عَنِ النَّعِیْمِ۠ (پ۳۰، التکاثر:۸، ترجمۂ کنزالایمان: پھر بے شک ضرور اس دن تم سے نعمتوں سے پرسش ہو گی۔) وہاں نعیم سے مراد عیش و عشرت کی چیزیں ہیں خیال رہے کہ شخصی زندگی فانی ہے قومی اور دینی زندگی باقی ہے لہٰذا مسلمان اپنی شخصی زندگی کے لئے معمولی سامان اختیار کرے قومی و دینی زندگی کے لئے قیامت تک کا انتظام کرے حضور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے دین اور قوم کے لئے ممالک فتح کئے مگر اپنی ذات کے لئے آرام دہ مکان بھی نہ بنایا یہاں شخصی زندگی اور شخصی حاجتوں کا ذکر ہے۔

[2] ...سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی الزھادۃ فی الدنیا، ۴/ ۱۵۲، حدیث: ۲۳۴۸، بتغیر

جلد سے جلد فقرا پر خرچ کر دے جمع کر کے نہ رکھے کیونکہ ایسے مال کو ایک رات کے لئے رکھنا بھی فتنے کا سبب بن سکتا ہے، ممکن ہے کہ دل میں مال کی محبت پیدا ہو جائے اور اس کا غلط استعمال کر کے بندہ ہلاکت کا شکار ہو جائے۔ کچھ لوگوں نے فقرا کی خدمت کا سلسلہ شروع کیا لیکن پھر اسے جمعِ مال اور کھانے پینے کا ذریعہ بنالیا، یہ سراسر ہلاکت کا راستہ ہے۔

جس شخص کا مقصود حصولِ ثواب اور فقرا کی خدمت کرنا ہو وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ساتھ حسنِ ظن رکھتے ہوئے قرض بھی لے سکتا ہے لیکن ظالم بادشاہوں پر بھروسا کرتے ہوئے قرض لینے کی اجازت نہیں۔ پھر اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے مالِ حلال عطا فرمائے تو قرض ادا کر دے اور اگر یہ شخص قرض ادا کرنے سے پہلے فوت ہو گیا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کا قرض ادا فرمائے گا اور قرض خواہوں کو اس سے راضی فرمادے گا۔ اس صورت میں قرض لینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ قرض دینے والے کو نہ تو دھوکا دے اور نہ ہی اس سے جھوٹے وعدے کرے بلکہ واضح طور پر اسے اپنی حالت بتادے تاکہ وہ سوچ سمجھ کر قرض دے۔ ایسا شخص اگر قرض ادا کرنے سے پہلے فوت ہو جائے تو پھر لازم ہے کہ اس کا قرض بیت المال یا پھر اموالِ زکوٰۃ سے ادا کیا جائے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ[1] ایک قول کے مطابق اس آیت کا معنٰی یہ ہے کہ اپنے دو کپڑوں میں سے ایک کو بیچ کر خرچ کرے جبکہ ایک قول یہ ہے کہ اپنی وجاہت کو استعمال کر کے خرچ کے لئے قرض حاصل کرے کیونکہ یہ وجاہت بھی اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے عطا فرمائی ہے۔

خرچ کرنے والوں کی اقسام:

ایک بزرگ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَيْه فرماتے ہیں: اللہ عَزَّوَجَلَّ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو اپنے پاس موجود مال کے حساب سے خرچ کرتے ہیں اور کچھ ایسے بندے بھی ہیں جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ساتھ اپنے حسنِ ظن کے مطابق خرچ کرتے ہیں۔

قوی، سخی اور غنی کی تعریف:

ایک بزرگ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَيْه نے انتقال سے قبل وصیت فرمائی کہ میرا مال اَقْوِیا، اَسْخِیا اور اَغْنِیا میں

---

[1]...ترجمۂ کنزالایمان: اور جس پر اس کا رزق تنگ کیا گیا وہ اس میں سے نفقہ دے جو اسے اللہ نے دیا۔ (پ۲۸، الطلاق: ۷)

تقسیم کر دیا جائے۔ جب اس بات کی وضاحت طلب کی گئی تو فرمایا: اقویا سے مراد وہ نُفُوسِ قُدْسِیَّہ ہیں جو **اللہ** عَزَّوَجَلَّ پر کامل توکُّل رکھتے ہیں، اسخیا وہ ہیں جو **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے بارے میں حسنِ ظن کے اعلیٰ درجے پر فائز ہیں اور اغنیا وہ ہیں جو مخلوق سے کنارہ کشی کر کے صرف **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے ہو جائیں۔

خلاصہ: اگر فقیر، مال اور مال دینے والے میں مذکورہ شرائط پائی جائیں تو پھر ہدیہ قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اس صورت میں ملنے والی چیز کو **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی عطا تصور کرے نہ کہ دینے والے کی، دینے والا شخص تو محض ایک واسطہ ہے جس کے دل میں ارادہ پیدا فرما کر اور اسے توفیق عطا فرما کر **اللہ** عَزَّوَجَلَّ نے اس نیک کام کا ذریعہ بنایا ہے۔

توحیدِ کامل کا مظاہرہ:

منقول ہے کہ ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا شقیق بَلْخی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ القَوِی کی ان کے 50 مریدین کے ساتھ دعوت کی اور ان کے سامنے خوبصورت دستر خوان سجایا۔ حضرت سیِّدُنا شقیق بَلْخی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ القَوِی جب تشریف فرما ہوئے تو اپنے مریدین سے فرمایا: ہمارے میزبان کا کہنا ہے کہ جو شخص اس کھانے کو میری طرف سے نہیں سمجھتا اس پر اس کا کھانا حرام ہے۔ یہ سن کر آپ کے تمام مریدین وہاں سے چلے گئے صرف ایک نوجوان بیٹھا رہا جو دیگر لوگوں سے کم مرتبہ تھا۔ میزبان نے حضرت سیدنا شقیق بَلْخی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ القَوِی سے عرض کی: حضور! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا: میں اپنے مریدین کا امتحان لینا چاہتا تھا کہ یہ توحید کے معاملے میں کامل ہو چکے ہیں یا نہیں۔

حضرت سیِّدُنا موسیٰ کَلِیْمُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کی: یا **اللہ** عَزَّوَجَلَّ! تو نے میری روزی بنی اسرائیل کے حوالے کر دی ہے کہ مجھے صبح کا کھانا ایک شخص دیتا ہے اور شام کا دوسرا۔ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا: اپنے محبوب بندوں کے بارے میں میرا یہی طریقہ ہے کہ میں انہیں ان کی روزی بے کار لوگوں کے ذریعے عطا فرماتا ہوں تاکہ میرے محبوب بندوں کے طفیل انہیں بھی ثواب حاصل ہو۔

لہٰذا فقیر کو چاہئے کہ دینے والے کو حقیقتاً دینے والا نہ سمجھے بلکہ یہ گمان رکھے کہ اسے **اللہ** عَزَّوَجَلَّ نے مجھے دینے کے لئے مقرر فرمایا ہے تاکہ اسے ثواب حاصل ہو۔

ساتویں فصل:

بلاضرورت سوال کی حرمت اور مجبور فقیر کے آداب

سوال کرنے کی ممانعت کے بارے میں کئی روایات مروی ہیں جن میں شدید وعیدیں بیان کی گئی ہیں البتہ بعض رِوایات میں سوال کرنے کی اجازت بھی موجود ہے۔ چنانچہ،

سوال کرنے کی اجازت پر مشتمل دو فرامین مصطفےٰ:

﴿1﴾... لِلسَّآئِلِ حَقٌّ وَّلَوْ جَآءَ عَلٰی فَرَسٍ یعنی مانگنے والے کا حق ہے کہ اسے دیا جائے اگرچہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔[1]

﴿2﴾... رُدُّوا السَّآئِلَ وَلَوْ بِظِلْفٍ مُّحَرَّقٍ یعنی مانگنے والے کا سوال پورا کرو اگرچہ جلے ہوئے کُھر کے ذریعے۔[2]

اگر سوال کرنا مطلقاً حرام ہوتا تو پھر اس کا اِرتکاب کرنے والے کی مدد کرنا ہرگز جائز نہ ہوتا جبکہ دینے میں مانگنے والے کی اِعانت (مدد) ہے۔ دونوں قسم کی روایات میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ اصل کے اعتبار سے سوال کرنا حرام ہے صرف کسی شدید حاجت و ضرورت کے وقت اس کی اجازت ہے اور اگر سُوال کے بغیر بھی کام چل سکتا ہو تو پھر کسی صورت میں سوال کی اجازت نہیں۔

سوال میں پائی جانے والی تین آفات:

ہم نے سوال کو اصل کے اعتبار سے اس لئے حرام قرار دیا ہے کیونکہ اس میں یہ تین حرام باتیں ضرور پائی جاتی ہیں:

...**پہلی آفت:** سوال کرنے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی شکایت کرنا پایا جاتا ہے کیونکہ سوال کرنے والا اپنے فقر کا اظہار اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمتوں کی کمی کا تذکرہ کرتا ہے، درحقیقت یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی شکایت ہے کہ جس طرح کسی شخص کے غلام کے سوال کرنے میں اس شخص کی بدنامی ہے اسی طرح بندگانِ خدا کے سوال کرنے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی شکایت ہے۔ اسی بنا پر بلاضرورت سوال کرنا حرام ہے جیسا کہ بلاضرورت مردار کھانا حرام ہے۔

1... سنن ابی داود، کتاب الزکاۃ، باب حق السائل، ۲/ ۱۷۶، حدیث: ۱۶۶۵

2... سنن النسائی، کتاب الزکاۃ، باب رد السائل، ص۴۲۱، حدیث: ۲۵۶۲

…**دوسری آفت:** سوال کرنے والا خود کو غیرُاللہ کے سامنے ذلیل کرتا ہے اور کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ خود کو ذلت پر پیش کرے بلکہ اس پر لازم ہے کہ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں عاجزی اختیار کرے کہ ایسا کرنا عزت کا باعث ہے۔ یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ سوال کرنا سائل کے لئے باعثِ ذِلَّت ہے کیونکہ اس کی طرح تمام لوگ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے بندے ہیں، لہٰذا اسے چاہئے کہ بلاضرورت ان کے سامنے خود کو ذِلَّت پر پیش نہ کرے۔

…**تیسری آفت:** جس شخص سے سوال کیا جاتا ہے سائل اکثر اس کی ایذا کا باعث بنتا ہے کیونکہ بعض اوقات اس کا دل دینے پر آمادہ نہیں ہوتا لیکن وہ سائل سے شرم کرتے ہوئے یا لوگوں کے دکھانے کے لئے دیتا ہے، ایسی صورت میں سائل کے لئے لینا حرام ہے۔ اگر وہ نہ دے تو اسے شرم آتی ہے اور یہ منع کرنا اس کے لئے قلبی تکلیف کا سبَب بنتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ میں نے کنجوسی کی ہے۔ دینے کی صورت میں مال کا جبکہ نہ دینے میں عزت کا نقصان ہوتا ہے، یہ دونوں باتیں تکلیف دہ ہیں اور اس تکلیف کا سبب سوال کرنے والا بنتا ہے جبکہ بلاضرورت کسی مسلمان کو تکلیف دینا حرام ہے۔

مذکورہ تین آفات کو سمجھنے کے بعد ان روایات کو آپ باآسانی سمجھ سکتے ہیں:

سوال کرنے کی مَذمَّت پر مشتمل چھ فرامین مصطفٰے:

﴿1﴾… مَسْاَلَۃُ النَّاسِ مِنَ الْفَوَاحِشِ مَا اُحِلَّ مِنَ الْفَوَاحِشِ غَیْرُھَا یعنی لوگوں سے سوال کرنا سخت بے حیائی کا کام ہے اور برائیوں میں سے صرف یہی مباح رکھی گئی ہے۔[1]

ذرا غور کرو کہ حضور سیّدِ عالَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے سوال کرنے کو سخت بُرا کام قرار دیا ہے اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس طرح کا کام صرف ضرورت کے وقت مباح ہوتا ہے جیسے کسی کے گلے میں لقمہ پھنس جائے اور شراب کے علاوہ کچھ اور نہ ملے تو لقمہ گلے سے اُتارنے کے لئے شراب پینا مباح ہے[2]۔

---

1 …قوت القلوب، شرح مقام التوکل ووصف احوال المتوکلین، ۲/ ۲۶

2 …حالَتِ اکراہ میں بعض صورتوں میں عمل فرض ہوتا ہے جیسے اپنی جان بچانے کے لئے مردار کھانا اور شراب پی لینا۔ (بہار شریعت، حصہ ۱۹، ۳/ ۱۰۷۸)

بھوک یا پیاس سے جان نکلی جاتی ہے اور کھانے یا پینے کو حرام کے سوا کچھ نہیں، اب اگر ترک کرے (یعنی حرام چیز استعمال نہ کرے) تو گناہ گار ہوگا اور حرام موت مرے گا۔ بلکہ فرض ہے کہ جان بچانے کی قدر اِستعمال کرے۔…

بغیر ضرورت سوال کرنے کا وبال:

﴿2﴾...مَنْ سَأَلَ عَنْ غِنًى فَاِنَّمَا يَسْتَكْثِرُ مِنْ جَمْرِ جَهَنَّمَ وَمَنْ سَأَلَ وَلَهُ مَا يُغْنِيْهِ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَوَجْهُهُ عَظْمٌ يَّتَقَعْقَعُ وَلَيْسَ عَلَيْهِ لَحْمٌ یعنی جو شخص مال داری کے باوُجود سوال کرتا ہے وہ اپنے لئے جہنّم کے انگارے جمع کرتا ہے[1] اور جو شخص سوال کرے حالانکہ اس کے پاس اس قدر مال موجود ہو جو اسے سوال کرنے سے بے نیاز کر دے تو ایسا شخص روزِ قیامت اس حال میں آئے گا کہ اس کا چہرہ بغیر گوشت کے آواز کرتی ہوئی ہڈی ہو گا۔

﴿3﴾...ایک روایت میں ہے: كَانَتْ مَسْأَلَتُهُ خُدُوْشًا وَّكُدُوْحًا فِيْ وَجْهِهٖ یعنی اس کا سوال اس کے چہرے پر خراشوں کے نشانات اور داغ (کی صورت میں ظاہر) ہو گا۔[2]

مذکورہ روایات سوال کے شدید ناجائز و حرام ہونے کے بارے میں صریح ہیں۔

﴿4﴾...سرکارِ نامدار، مدینے کے تاجدار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں کچھ لوگ قبولِ اسلام کے لئے حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے امیر کی بات سننے اور اطاعت کرنے کی بیعت لی اور پھر آہستہ سے ارشاد فرمایا: لَا تَسْأَلُوا النَّاسَ شَيْئًا یعنی لوگوں سے کچھ نہ مانگنا۔[3]

محبوبِ خدا کا محبوب:

﴿5﴾...مصطفٰے جانِ رحمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کثرتِ سوال سے بچنے کی ترغیب دلاتے اور ارشاد فرمایا: مَنْ سَأَلَنَا اَعْطَيْنَاهُ وَمَنِ اسْتَغْنٰى اَغْنَاهُ اللّٰهُ وَمَنْ لَّمْ يَسْأَلْنَا فَهُوَ اَحَبُّ اِلَيْنَا یعنی جو ہم سے مانگتا ہے ہم اسے عطا کرتے ہیں اور جو سوال کرنے سے بچتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے بے نیاز فرما دیتا ہے اور جو ہم سے نہیں مانگتا وہ ہمیں زیادہ محبوب ہے۔[4]

...(الدر المختار، معہ رد المحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، ۹/ ۵۵۹) یوں ہی اگر نوالہ اٹکا، دم نکلا جاتا ہے اور اتارنے کو سوائے خمر (یعنی شراب کے علاوہ) کچھ نہیں (تو فرض ہے کہ اسے استعمال کرے اور جان بچائے کہ) شریعت کا کلیہ قاعدہ ہے: اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِيْحُ الْمَحْظُوْرَات (الاشباہ والنظائر، القاعدۃ الخامسۃ، ص ۷۳) یعنی ضرورتوں کی بنا پر ممنوع اشیاء مباح ہو جاتی ہیں۔
(ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت، حصہ اول، ص ۱۰۸)

1...شرح معانی الآثار، کتاب الزکاۃ، باب ذی المرۃ السوی الفقیر...الخ، ۲/ ۶۸، حدیث: ۲۹۵۳

2...سنن ابن ماجہ، کتاب الزکوۃ، باب من سأل عن ظہر غنی، ۲/ ۴۰۲، حدیث: ۱۸۴۰، دون: "کانت مسئلتہ"

3...مسلم، کتاب الزکوۃ، باب کراھۃ المسئلۃ للناس، ۵۱۹، حدیث: ۱۰۴۳، بتغیر قلیل

4...قوت القلوب الفصل الحادی والاربعون فی ذکر فضائل الفقر...الخ، ۲/ ۳۲۵

﴿6﴾... اِسْتَغْنُوْا عَنِ النَّاسِ وَمَا قَلَّ مِنَ السُّؤَالِ فَهُوَ خَيْرٌ قَالُوْا وَمِنْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَمِنِّيْ یعنی لوگوں سے سوال کرنے سے بچو اور سوال جتنا کم ہو اتنا اچھا ہے۔ عرض کی گئی: آپ سے بھی؟ ارشاد فرمایا: مجھ سے بھی[1]۔[2]

تم سائل نہیں تاجر ہو:

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عُمَر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے مغرب کے بعد کسی کے مانگنے کی آواز

1... حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا یہ فرمان کثرتِ سوال کی قباحت بیان کرنے کے لئے بطورِ تنبیہ ہے سوال کرنا اس صورت میں ممنوع ہے کہ ذِلَّت کا سامنا کرنا پڑے۔ جہاں تک قاسِمِ نعمت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے مانگنے کا تعلق ہے تو یہ تو ہر ایک کے لئے باعِثِ فخر ہے۔ نیز احادیث سے بھی ثابت ہے کہ صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے رسولُ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے نہ صرف دنیاوی چیزوں کا سوال کیا بلکہ جنت بھی مانگی۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضرتِ سیِّدُنا ربیعہ بن کعب رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ فرماتے ہیں: میں حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم (کی خدمت گزاری کے لئے) رات بارگاہِ اقدس میں گزارتا، ایک شب میں وضو کے لئے پانی اور ضروریات (مسواک، مصلّٰی وغیرہ) لے کر حاضر خدمت ہوا تو دریائے رحمت جوش میں آیا اور مجھ سے ارشاد فرمایا: "کچھ مانگ لو۔" میں نے عرض کی: "میں آپ سے جنت میں آپ کا ساتھ مانگتا ہوں۔" ارشاد فرمایا: "اس کے سوا کچھ اور بھی۔" عرض کی: "بس یہی۔" ارشاد فرمایا: "اپنی ذات پر زیادہ سجدوں سے میری مدد کرو۔" (مسلم، کتاب الصلاۃ، باب فضل السجود والحث علیہ، ص ۲۵۲، حدیث: ۴۸۹) مفسر شہیر، حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی **مراٰۃ المناجیح، جلد2، صفحہ 84** پر حدیث پاک کے جز "**جنت میں آپ کا ساتھ مانگتا ہوں**" کے تحت فرماتے ہیں: یعنی مجھے آپ جنت میں اپنے ساتھ رکھیں۔ جیسے بادشاہ شاہی قلعہ میں اپنے خاص خادموں کو اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ خیال رہے کہ حضرت ربیعہ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ) نے اس جگہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے حسب ذیل چیزیں مانگیں۔ زندگی میں ایمان پر استقامت، نیکیوں کی توفیق، گناہوں سے کنارہ کشی، مرتے وقت ایمان پر خاتمہ، قبر کے حساب میں کامیابی، حشر میں اعمال کی قبولیت، پل صراط سے بخیریت گزر، جنت میں رب (عَزَّوَجَلَّ) کا فضل وبلندیٔ مراتب۔ یہ سب چیزیں صحابی نے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے مانگیں اور صحابی کو حضور نے بخشیں لہٰذا ہم بھی حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے ایمان، مال، اولاد، عزت، جنت سب کچھ مانگ سکتے ہیں یہ مانگنا سنّتِ صحابہ ہے حضور کے لنگر سے یہ سب کچھ قیامت تک بٹتا رہے گا اور ہم بھکاری لیتے رہیں گے۔

نیز اس حدیثِ پاک سے صریح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے اپنی حاجتوں کو طلب کرنا اور اپنی مرادوں کو حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے مانگنا بلاشبہ جائز ودرست بلکہ سُنَّتِ رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اور طریقۂ صحابہ عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان ہے۔ تو جو لوگ انبیا و اولیا کو مجبور محض مانتے اور غیر اللّٰہ سے کچھ مانگنے کو شرک قرار دیتے ہیں انہیں اس حدیث سے عبرت حاصل کرنی چاہئے۔ (بہشت کی کنجیاں، ص ۷۹، ملخصًا)

2... المعجم الکبیر، ۱۱/ ۳۵۱، حدیث: ۱۲۲۵۷، مختصراً

قوت القلوب، الفصل الحادی والاربعون فی ذکر فضائل الفقر... الخ، ۲/ ۳۲۵

سنی تو ایک شخص سے فرمایا: اسے کھانا دے دو۔ اس نے دے دیا۔ کچھ دیر بعد پھر اس کے مانگنے کی آواز سنی تو مذکورہ شخص سے فرمایا: میں نے تم سے کہا تھا کہ اسے کھانا دے دو۔ اس نے عرض کی: حضور! میں نے اسے کھانا دے دیا تھا۔ امیر المؤمنین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اس سائل کے پاس روٹیوں سے بھرا ایک تھیلا دیکھا تو فرمایا: تم سائل نہیں بلکہ تاجر ہو۔ پھر اس سے تھیلا لے کر روٹیاں صَدَقے کے اونٹوں کے سامنے ڈال دیں اور اسے دُرّے مارتے ہوئے فرمایا: دوبارہ سوال مت کرنا۔

اگر اس شخص کا سوال کرنا حرام نہ ہوتا تو امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عُمَر فارُوقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نہ تو اسے مارتے اور نہ ہی اس سے اس کا تھیلا لیتے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

ہوسکتا ہے کہ کوئی کم عقل اور تنگ نظر فقیہ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عُمَر فارُوقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے اس فعل پر اعتراض کرتے ہوئے کہے کہ آپ کا سائل کو مارنا تادیباً (یعنی ادب سکھانے کے لئے) تھا، اس میں تو کوئی حرج نہیں کیونکہ شریعت نے حاکم کو تعزیر کا اختیار دیا ہے لیکن اس کا مال (یعنی روٹیاں) لے لینا مالی جرمانہ ہے اور شریعت نے مالی جرمانے کی اجازت نہیں دی تو بھلا امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عُمَر فارُوقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ جیسی شخصیت کیسے اس فعل کا اِرتکاب کرسکتی ہے؟

جواب: اس اعتراض کا سبب عِلْمِ فقہ میں مَہارت نہ ہونا ہے۔ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عُمَر فارُوقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کو دِینِ متین کے اسرار ورُموز اور عِلْمِ فقہ پر جو مہارتِ تامّہ حاصل تھی، تمام فقہا مل کر بھی اس تک نہیں پہنچ سکتے۔ کیا آپ کو یہ بات معلوم نہ تھی کہ تعزیر بالمال جائز نہیں یا معلوم ہونے کے باوجود **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی پر غضب ناک ہو کر یہ قدم اٹھایا یا پھر حضور سیِّدِ عالَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے طریقے کے علاوہ کسی اور طریقے سے اس کی اصلاح کرنے کی کوشش کی۔ یقیناً ایسا ہرگز نہیں بلکہ یہ امور تو بذاتِ خود گناہ ونافرمانی ہیں۔ امیر المؤمنین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے اس فعل کا سبَب یہ تھا کہ اس سائل کو دینے والے اسے محتاج سمجھ کر دے رہے تھے حالانکہ اسے سوال کرنے کی حاجت نہ تھی اور وہ جھوٹا تھا، چونکہ وہ دھوکا دے کر مال حاصل کر رہا تھا اس لئے اسے دیا گیا مال اس کی ملک میں داخل نہیں ہوا تھا۔ اس قسم کا مال

اس کے مالک کو واپس کرنا چاہئے لیکن یہاں یہ معلوم کرنا مشکل تھا کہ کون سی روٹی کس شخص کی ہے اس لئے اب یہ ایک ایسا مال تھا جس کا کوئی مالک نہ تھا۔ اس طرح کا مال مسلمانوں کے مصالح میں استعمال کرنا چاہئے اور صدقے کے اونٹوں کا چارہ بھی مسلمانوں کے مصالح میں داخل ہے اس لئے آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے وہ روٹیاں صدقے کے اونٹوں کو کھلا دیں۔

سائل کا خود کو ضرورت مند ظاہر کر کے مال حاصل کرنا جھوٹ ہے جیسے کوئی شخص خود کو عَلَوی (یعنی امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم کی اولاد) ظاہر کر کے مال حاصل کرے در حقیقت وہ عَلَوی نہ ہو تو وہ اس مال کا مالک نہ ہو گا۔ ایسے ہی وہ شخص جو خود کو صوفی اور نیک ظاہر کرے جس کے سبب لوگ اسے مال دیں لیکن وہ پوشیدہ طور پر ایسے گناہوں کا مُرتکب ہو کہ اگر دینے والے کو ان کا علم ہو جائے تو اسے ہر گز نہ دے۔ ہم اس سے پہلے بھی متعدَّد مقامات پر یہ بات بیان کر چکے ہیں کہ مذکورہ افراد اس طرح حاصل کردہ مال کے مالک نہیں بنتے، یہ مال ان کے لئے حرام ہے اور ان پر لازم ہے کہ اسے اس کے مالک تک پہنچا دیں۔

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عُمَر فارُوقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کی نظر مذکورہ نکتے پر تھی جس سے کثیر فقہا بھی غافل ہیں اور ان کی اس غفلت کے سبب امیر المؤمنین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے مذکورہ فعل پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔

سوال کی چار صورتیں اور ان کے احکام:

ہمارے گزشتہ کلام سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو چکی ہے کہ سوال صرف ضرورت کے وقت مباح ہوتا ہے، اب یہ بات بھی ذِہن نشین کر لیجئے کہ جس چیز کا سوال کیا جائے وہ چار حال سے خالی نہیں ہوتی: (۱) وہ چیز انسان کی مجبوری ہو کہ اس کے بغیر گزارہ نہیں ہو سکتا۔ (۲) اس چیز کی شدید حاجت ہو۔ (۳) معمولی ضرورت ہو۔ (۴) اس کی ضرورت نہ ہو۔

پہلی صورت:

…**ایسی چیز جو انسان کی مجبوری ہو:** مثلاً: ایسا بھوکا شخص جسے بھوک سے موت یا شدید مرض کا اندیشہ ہو اس کا کھانا مانگنا یا پھر بے لباس شخص جس کے پاس سَترِ عورت کے لئے کپڑا نہ ہو اس کا کپڑا مانگنا، سوال کی دیگر شرائط پائی جانے کی صورت میں اس قسم کا سوال جائز ہے۔

سوال کی دیگر شرائط کی مثال:

جس چیز کا سوال کیا جائے وہ چیز مباح ہو، دینے والا خوش دلی کے ساتھ دے اور مانگنے والا کمانے پر قادر نہ ہو کیونکہ جو شخص کمانے پر قادر ہونے کے باوجود نہ کمائے اس کے لئے سوال کرنا جائز نہیں۔ مثلاً: جسے لکھنا آتا ہو وہ کتابت کر کے رزقِ حلال کما سکتا ہے البتہ طالبِ عِلْمِ دِین جس کے تمام اوقات حُصُولِ علم کے لئے مختص ہوں وہ کسب پر قادر ہونے کے باوجود سوال کر سکتا ہے۔

چوتھی صورت:

...**ایسی چیز جس کی ضرورت نہ ہو:** مثلاً: کسی چیز کا سوال کرے حالانکہ اس کے پاس اس جیسی ایک یا مُتَعَدَّد اشیاء موجود ہیں تو ایسی چیز کا سوال کرنا حرامِ قطعی ہے۔

یہ دونوں یعنی پہلی اور چوتھی صورت تو بالکل واضح ہیں۔

دوسری صورت:

...**ایسی چیز جس کی شدید ضرورت ہو:** مثلاً: مریض جسے دوا کی حاجت ہو اور دوا استعمال نہ کرنے پر نقصان کا خوف ہو لیکن یہ اندیشہ غالب نہ ہو یا جیسے سردی کے موسم میں ایک شخص نے جُبّہ تو پہن رکھا ہو لیکن اس کے نیچے قمیض نہ ہو اور اسے سردی سے ایسی تکلیف پہنچے جو قابلِ برداشت ہو، یونہی ایک شخص مشقت اٹھا کر پیدل سفر کرنے پر قادر ہو اس کے باوجود اس کا کرائے کے لئے سوال کرنا۔ اس صورت میں اگرچہ صبر کرنا اور سوال نہ کرنا افضل ہے اور سوال کرنے والا ترکِ اَولیٰ کا مرتکب ہو گا لیکن بہرحال مذکورہ صورت میں سوال کرنا مباح ہے کیونکہ یہ حقیقی ضرورت ہے۔ اس صورت میں سوال کرنے والا اگر سچ بول کر مانگے تو اس کے سوال کو مکروہ نہیں کہا جائے گا۔ مثلاً: اس طرح سوال کرے: میں نے جبے کے نیچے قمیض نہیں پہن رکھی اور سردی کی وجہ سے مجھے اتنی تکلیف ہو رہی ہے جسے میں برداشت تو کر سکتا ہوں لیکن اس میں مشقت ہے۔ جب سوال کرنے والا اس طرح سچ بول کر مانگے گا تو اِنْ شَآءَ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کا سچ بولنا سوال کرنے کا کفارہ بن جائے گا۔

تیسری صورت:

...**ایسی چیز کا سوال کرنا جس کی معمولی ضرورت ہو:** مثلاً: کسی کا لباس پھٹا ہوا ہے اور وہ قمیض کا سوال

کرے تاکہ گھر سے نکلتے وقت اسے لباس کے اوپر پہن کر اپنے لباس کی حالت کو لوگوں سے چھپاسکے، یا جس کے پاس روٹی موجود ہے اس کا سالن مانگنا، نیز گدھے کے کرائے پر قادر شخص کا گھوڑے کے کرائے کے لئے یابار برداری والے اونٹ پر قدرت رکھنے والے کا سواری کے لئے مخصوص اونٹ کے کرائے کا سوال کرنا۔ مذکورہ صورتوں میں اگر سائل اپنی اَصل حاجت کے علاوہ کوئی اور ضرورت ظاہر کر کے سامنے والے کو دھوکا دے تو اس کا سوال کرنا حرام ہے اوراگر ایسا نہ کرے لیکن ماقبل مذکور سوال کی تین آفات یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکوہ، غیراللہ کے سامنے ذِلَّت اور جس سے مانگ رہاہے اسے ایذا دینے میں سے کوئی آفت پائی جائے تو بھی سوال حرام ہے کیونکہ اس قسم کی ضروریات کے لئے ممنوعہ چیزوں کی اجازت نہیں دی جاسکتی اور اگر اس کا سوال مذکورہ تمام مَفاسِد سے خالی ہو تو پھر اس قسم کا سوال کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

سوال میں پائی جانے والی تین آفات سے بچنے کا طریقہ:

سوال: کیامذکورہ تینوں آفات سے بچتے ہوئے سوال کرنا ممکن ہے؟ **جواب:** جی ہاں! درج ذیل طریقے پر عمل کرکے مذکورہ آفات سے بچنا ممکن ہے:

(1)... اللہ عَزَّوَجَلَّ کی شکایت سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی زبان سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے شکر اور مخلوق سے بے نیازی کا اظہار کرے اور محتاج لوگوں کے انداز میں سوال نہ کرے بلکہ یوں کہے: جو کچھ میرے پاس موجود ہے اس کی وجہ سے میں سوال سے بے نیاز ہوں لیکن میرا نفس ایک اور کپڑے کا مُطالَبہ کررہاہے تاکہ اسے لباس کے اوپر پہنوں اگرچہ یہ حاجت سے زیادہ اور فضولیات میں سے ہے۔اس انداز میں کیا جانے والا سوال اللہ عَزَّوَجَلَّ کی شکایت سے خالی ہوگا۔

(2)... مخلوق کے سامنے ذِلَّت سے یوں حفاظت ہوسکتی ہے کہ اپنے والد، قریبی رشتے داریا ایسے دوست سے سوال کرے جس کے بارے میں اسے معلوم ہو کہ سوال کرنے کے سبب نہ تواُس کے نزدیک اِس کی عزت میں کمی آئے گی اور نہ ہی وہ اسے حقیر جانے گا، یاپھر کسی ایسے سخی سے سوال کرے جو اپنا مال اس جیسے لوگوں پر خرچ کرتا ہو، انہیں مال دے کر خوش ہوتا ہو اور اپنا مال قبول کرنے پر ان کا احسان مند ہوتا ہو۔ اس قسم کے مال دار سے سوال کرنے میں ذِلَّت نہیں ہوگی، ذلت اس صورت میں ہوتی ہے جب لینے والے

کو دینے والا کا احسان مند ہونا پڑے۔

(3)... دینے والے کی ایذا سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ کسی معین شخص سے نہ مانگے بلکہ اس انداز سے سوال کرے کہ جو شخص اسے دینا چاہتا ہو صرف وہی دے۔ اگر اس مجلس میں کوئی ایسا شخص موجود ہو جس کی طرف سخاوت کے لئے رجوع کیا جاتا ہے اور اگر وہ اس غیر معین طور پر مانگنے والے کو نہ دے تو اسے ملامت کی جائے گی تو پھر غیر معین طور پر سوال کرنا بھی اس کے لئے ایذا کا باعث ہو گا کیونکہ اس قسم کا شخص بعض اوقات لوگوں کی ملامت کے خوف سے خرچ کرتا ہے حالانکہ اس کی دِلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اگر لوگوں کی ملامت سے بچتے ہوئے نہ دینا ممکن ہو تو میں نہ دوں۔

اگر کسی معین شخص سے سوال کرنا پڑے تو بھی مناسب یہ ہے کہ صراحتاً اس کا نام نہ لے بلکہ اس طرح بند لفظوں میں سوال کرے کہ اگر وہ شخص اس کے سوال سے بے توجہی کرنا چاہے تو کر سکے، پھر اگر وہ بے توجہی ممکن ہونے کے باوجود اسے دیتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ دلی رغبت سے دے رہا ہے اور اِس کا سوال اُس کے لئے اَذِیَّت کا باعث نہیں ہے۔ بہتر یہ ہے کہ کسی ایسے شخص سے سوال کرے جسے نہ دینے میں یا بے توجہی کرنے میں سائل سے شرم نہ آتی ہو کیونکہ جس طرح سائل کے علاوہ کسی کا دیکھنا ایذا کا سبب ہے یونہی سائل سے شرمندگی بھی باعثِ ایذا ہے۔

باطنی مار ظاہری ضرب سے شدید ہوتی ہے:

سوال: اگر سائل کو معلوم ہو کہ دینے والا اس سے یا دیگر لوگوں سے شرم وحیا کی وجہ سے دے رہا ہے اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ ہرگز نہ دیتا تو اس صورت میں لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اس میں علما کا کوئی اختلاف نہیں کہ مذکورہ صورت میں لینا حرام ہے اور اس صورت کا حکم وہی ہے جو مار پیٹ کر یا بطورِ جرمانہ کسی کا مال لینے کا ہے کیونکہ کسی شخص کے ظاہری جسم پر لکڑی کی مانند سخت کوڑا مارنے اور اس کے باطن پر شرم وحیا اور خوفِ ملامت کا کوڑا برسانے میں کوئی فرق نہیں بلکہ عقل مندوں کے نزدیک باطنی مار زیادہ سخت ہوتی ہے۔

سوال: شرم وحیا کی وجہ سے دینے والا بظاہر اپنی مرضی سے دیتا ہے اور شرعی احکام میں ظاہر کا اعتبار

ہوتا ہے، جیسا کہ مروی ہے: اِنَّمَا اَحْکُمُ بِالظَّاهِرِ وَاللّٰہُ یَتَوَلَّی السَّرَآئِرَ یعنی میں صرف ظاہر کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں جبکہ باطن کا معاملہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سپرد ہے۔[1]

جواب: اختلافی معاملات میں فیصلہ کرنے کے لئے قاضی کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ ظاہر کے مطابق فیصلہ کرے کیونکہ انہیں باطنی معاملات اور قرائن کا علم نہیں ہوتا اس لئے وہ لوگوں کی زبان پر اعتبار کرتے ہوئے گواہی کے مطابق فیصلہ کرنے کے پابند ہوتے ہیں۔ اگرچہ زبان کئی دَفعہ حقیقت کی ترجُمان نہیں ہوتی لیکن ضرورت کے باعث اس پر اعتبار کیا جاتا ہے جبکہ سوال کا معاملہ بندے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے درمیان ہے اور اس کا فیصلہ اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْن جَلَّ جَلَالُہٗ فرماتا ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں دل اس طرح گواہی دیتے ہیں جس طرح دنیوی بادشاہوں کے سامنے زبانیں، اس لئے اس معاملے میں صرف اپنے دل کی طرف رجوع کرنا چاہئے اگرچہ فتویٰ دینے والے فتویٰ دیں۔ مفتی کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ قاضی اور بادشاہ کو شریعَتِ مطہرہ کے ظاہری احکام بتائے تاکہ وہ دنیا میں ان کے مطابق فیصلے کریں جبکہ علمائے آخرت دلوں کے مفتی ہیں اور جس طرح فقیہ کے فتوے پر عمل کرنے سے دنیوی بادشاہ کی سزا سے چھٹکارہ ملتا ہے اسی طرح علمائے آخرت کے فتوے پر عمل کی بدولت عذابِ الٰہی سے نجات حاصل ہوتی ہے۔

بہر حال دینے والی کی ناپسندیدگی کے باوجود سائل نے جو مال لیا، عنداللہ وہ اس کا مالک نہیں ہوا اور اس پر لازم ہے کہ اسے اس کے مالک کو واپس کر دے۔ اگر وہ شخص شرم کی وجہ سے واپس نہ لے تو پھر اسے اتنی مالیت کا تحفہ وغیرہ دے تاکہ اِس کی ذمہ داری پوری ہو جائے۔ اگر وہ شخص تحفہ بھی قبول نہ کرے تو اس کے مرنے کے بعد اس کے وُرَثاء کو دے۔ اگر اس نے وہ چیز واپس نہ کی اور اس کے پاس ہلاک ہو گئی تو دیانتاً اس پر تاوان لازم ہے نیز ایذا دینے والے سوال اور اس کے ذریعے حاصل کردہ چیز کو استعمال کرنے کی وجہ سے وہ گناہ گار ہے۔

کیسے پتا چلے کہ دینے والا خوشی سے دے رہا ہے یا نہیں؟

سوال: دینے والا خوشی سے دے رہا ہے یا نہیں یہ ایک باطنی معاملہ ہے جس کا علم حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔ بعض اوقات سائل یہ گمان کرتا ہے کہ دینے والا خوشی سے دے رہا ہے حالانکہ وہ خوش نہیں

[1] ...المجموع شرح مھذب، باب اختلاف المتبایعین، ۱۳/ ۶۹

ہوتا۔اس معاملے میں نجات کی کیا صورت ہے ؟

جواب: اسی باطنی معاملہ کی وجہ سے متقین نے سوال کو بالکل ترک کر دیا تھا اور وہ کسی سے کوئی بھی چیز نہیں لیتے تھے۔ حضرت سیِّدُنا بِشر حافی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْکَافِی صرف حضرت سیِّدُنا سَری سَقَطِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی سے لیا کرتے تھے۔جب وجہ پوچھی گئی تو فرمایا: میں جانتا ہوں کہ حضرت سیِّدُنا سَری سَقَطِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی اپنے پاس موجود مال کو خرچ کر کے خوش ہوتے ہیں اس لئے میں ان کے پسندیدہ کام میں ان کی مدد کرتا ہوں۔

شریعتِ مطہرہ میں سوال کرنے کی شدید ممانَعت اور اس سے بچنے کی سخت تاکید کی وجہ یہ ہے کہ جس سے سوال کیا جائے اسے اس سے ایذا پہنچتی ہے اور کسی کو تکلیف دینا صرف بوقتِ ضرورت جائز ہے۔ مثلاً: کوئی بھوک سے مرنے والا ہے، سوال کرنے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں اور نہ ہی کوئی ایسا شخص ہے جو اسے خوش دلی سے دے تو ایسی صورت میں سوال کرنے کی اجازت ہے جیسا کہ مخصوص صورت میں مردار کھانے کی رخصت ہے، بہر حال سوال نہ کرنا متقین کا طریقہ ہے۔

بعض اَہْلُ اللّٰہ رَحِمَہُمُ اللّٰہُ تعالٰی جنہیں اپنی قلبی بصیرت پر اعتماد تھا اور وہ اپنی مومنانہ فِراست سے جان لیا کرتے تھے کہ دینے والا خوش دلی سے دے رہا ہے یا نہیں، وہ بعض لوگوں سے لیتے تھے اور بعض سے نہیں جبکہ بعض حضرات صرف اپنے دوستوں سے لیا کرتے تھے۔کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو دی جانے والی چیزوں میں سے کچھ کو رکھ لیتے تھے اور کچھ واپس کر دیتے تھے جیسا کہ حضور نبیِّ رحمت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے مینڈھا واپس فرما دیا اور گھی و پنیر کو قبول فرمایا۔[1] ان حضرات کا یہ عمل ان چیزوں میں تھا جو انہیں بغیر سوال کے حاصل ہوتی تھیں کیونکہ مانگے بغیر کسی کا کچھ دینا اس بات کی دلیل ہے کہ دینے والا خوشی سے دے رہا ہے البتہ اس میں یہ امکان ہوتا ہے کہ دینے والا حُبِّ جاہ یا پھر لوگوں کو دکھانے اور سنانے کے لئے دے رہا ہو، یہ نُفُوسِ قُدْسِیَہ ایسے لوگوں کے تحفے قبول نہیں فرماتے تھے۔

اللہ والے صرف دو مواقع پر سوال کرتے تھے:

اللہ والے سوال کرنے سے مطلقاً بچتے تھے البتہ دو مواقع پر سوال کرتے تھے:

[1] ...مسند احمد بن حنبل، مسند الشامیین، حدیث یعلی بن مرہ ثقفی، ۶/ ۱۷۵، حدیث: ۱۷۵۵۹، بتغیر قلیل

(1)... **ضرورت کے وقت:** جیسا کہ حضرت سیِّدُنا سلیمان، حضرت سیِّدُنا موسیٰ اور حضرت سیِّدُنا خضر عَلَیْہِمُ السَّلَام نے بوقتِ ضرورت سوال فرمایا اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ ان حضرات نے انہی سے سوال فرمایا جن کے بارے میں یہ جانتے تھے کہ وہ خوش دلی سے دیں گے۔

(2)... **دوستوں اور اسلامی بھائیوں سے سوال:** اَہْلُ اللہ اپنے دوستوں اور اسلامی بھائیوں کا مال ان سے مانگے اور اجازت لیے بغیر استعمال کر لیا کرتے تھے اور وہ جانتے تھے کہ دوسرے کی چیز لینے کا دار ومدار اس کے دل کی رِضامندی پر ہے نہ کہ زبان سے اجازت دینے پر اور ان حضرات کو اپنے اسلامی بھائیوں کے بارے میں اعتماد تھا کہ ہمارے لینے سے وہ خوش ہوں گے۔ یہ حضرات صرف اس صورت میں سوال کرتے جب انہیں شک ہوتا تھا کہ جو چیز ہم لینے والے ہیں وہ ہمارے دوست کی ملکیت ہے یا نہیں ورنہ انہیں سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔

سوال اس وقت جائز ہوتا ہے جب سائل کو معلوم ہو کہ میں جس سے مانگ رہا ہوں اگر اسے میری ضرورت کا علم ہو جائے تو وہ بغیر مانگے اسے پورا کر دے گا اور سوال سے مقصود صرف اسے اپنی ضرورت سے آگاہ کرنا ہو نہ کہ شرم وعار دلانا اور حیلے بہانے سے دینے پر ابھارنا۔

دینے والے کی تین حالتیں اور ان کا حکم:

سائل کو اگر قرائن اور احوال کے ذریعے یہ معلوم ہو کہ دینے والا خوش دلی سے دے رہا ہے تو لینا بالکل جائز ہے اور اگر قرائن سے یہ بات ظاہر ہو کہ وہ ناپسندیدگی کے ساتھ دے رہا ہے تو لینا ناجائز وحرام ہے اور اگر ان دونوں میں سے کسی بات کا یقین نہ ہو تو پھر انسان کو اپنے دل پر غور کرنا چاہئے اور شبہات کو ترک کر کے غیر مشتبہ چیزوں کو اختیار کرنا چاہئے کیونکہ شُبہات انسان کو گناہ تک لے جاتے ہیں۔

سائل کو تقویٰ حاصل ہونا بہت مشکل ہے:

آثار وقرائن کے ذریعے دینے والے کی دلی رضامندی یا ناپسندیدگی کا علم حاصل کرنا اس شخص کے لئے آسان ہوتا ہے جس کی عقل پختہ اور حرص ولالچ کمزور ہو اور اگر حرص ولالچ مضبوط اور عقل کمزور ہو تو

پھر اسے وہی چیز نظر آتی ہے جو اس کی خواہشات کے موافق ہو اور وہ دینے والے کی ناپسندیدگی کو ظاہر کرنے والے قرائن کی طرف متوجہ نہیں ہو پاتا۔ یہ وہ باریک نِکات ہیں جن سے اس فرمانِ مصطفٰے کی حکمت سمجھ آسکتی ہے۔ چنانچہ

سب سے پاکیزہ کھانا:

حضور نبیِّ پاک، صاحِبِ لَولاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اِنَّ اَطْیَبَ مَا اَکَلَ الرَّجُلُ مِنْ کَسْبِہٖ یعنی سب سے پاکیزہ کھانا وہ ہے جو آدمی کی اپنی کمائی سے ہو۔[1]

پیارے مصطفٰے صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جَوَامِعُ الْکَلِم عطا فرمائے تھے یعنی آپ مختصر الفاظ میں کثیر مضامین کو بیان فرمادیا کرتے تھے۔ مذکورہ حدیثِ پاک بھی جَوَامِعُ الْکَلِم میں سے ہے کیونکہ جو شخص نہ تو خود کماتا ہو اور نہ ہی اسے اپنے باپ یا کسی قریبی عزیز کی وراثت میں مال ملا ہو وہ لامُحالہ لوگوں سے لے کر کھائے گا۔ اگر اسے بغیر سوال کے دیا بھی جائے تو یہ دینا اس کی دین داری کی وجہ سے ہوتا ہے، اس صورت میں اگر اس شخص کی باطنی حالت ایسی ہو جو دینے والوں کو معلوم ہو جائے تو وہ اسے ہرگز نہ دیں تو پھر یہ شخص اپنی دین داری کے عوض جو کچھ لیتا ہے وہ اس کے لئے حرام ہے۔ اگر ایسا شخص سوال کرکے اپنی ضروریات پوری کرے تو بھلا آج کے دور میں ایسے لوگ کہاں ہیں جن سے کچھ مانگا جائے تو وہ دلی رضامندی سے دیں اور ایسے سائل کہاں پائے جاتے ہیں جو صرف بقدرِ ضرورت سوال کریں۔ اگر تم لوگوں سے مانگ کر کھانے والوں کے حالات کی تفتیش کرو تو تم پر یہ بات منکشف ہو جائے گی کہ وہ جو کچھ کھاتے ہیں وہ سارے کا سارا یا پھر اس کا اکثر حصہ ناجائز و حرام ہے، پاکیزہ روزی وہی ہے جو آدمی خود کمائے یا پھر باپ دادا نے کما کر اس کے لئے بطورِ وراثت چھوڑی ہو، لوگوں سے لے کر کھانے والے شخص کو تقویٰ حاصل ہونا بہت مشکل ہے۔

ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے سوال کرتے ہیں کہ مخلوق سے ہماری امیدوں کو منقطع فرمادے، مالِ حلال عطا فرما کر ہمیں حرام سے بے نیاز فرمادے اور اپنے فضل و کرم سے ہمیں لوگوں سے مستغنی کر دے، بے شک وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔

---

[1]... سنن نسائی، کتاب البیوع، باب الحث علی الکسب، ۷/۲۴۲، حدیث: ۴۴۵۸

آٹھویں فصل: کس قدر مال کی موجودگی میں سوال کرنا حرام ہے؟

جان لو کہ یہ فرمانِ مصطفےٰ: مَنْ سَاَلَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى فَاِنَّمَا يَسْاَلُ جَمْرًا فَلْيَسْتَقِلَّ مِنْهُ اَوْ لِيَسْتَكْثِرْ یعنی جو شخص حاجت مند نہ ہونے کے باوجود سوال کرے تو وہ انگاروں کا سوال کرتا ہے، اب چاہے کم مانگے یا زیادہ۔[1] سوال کی حرمت کے بارے میں بالکل واضح ہے لیکن غنا کی تعریف اور اس کی مقدار معین کرنا مشکل ہے۔ یہ مقدار ہم اپنی طرف سے معین نہیں کر سکتے بلکہ یہ توقیفی یعنی شریعت کی طرف سے مقرر کردہ ہے۔

حضور سیِّدِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اِسْتَغْنُوْا بِغِنَى اللّٰهِ تَعَالٰى عَنْ غَيْرِهٖ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی غنا کے ذریعے مخلوق سے بے نیاز ہو جاؤ۔[2] عرض کی گئی: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی غنا کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: غَدَاءُ يَوْمٍ وَّعَشَاءُ لَيْلَةٍ یعنی ایک دن اور ایک رات کا کھانا۔

ایک روایت میں ہے: مَنْ سَاَلَ وَلَهٗ خَمْسُوْنَ دِرْهَمًا اَوْ عَدْلُهَا مِنَ الذَّهَبِ فَقَدْ سَاَلَ اِلْحَافًا یعنی جو شخص لوگوں سے سوال کرے حالانکہ اس کے پاس 50 درہم یا اس کے برابر سونا موجود ہو تو وہ ضد کر کے مانگنے والا ہے۔[3]

ایک روایت میں 50 کے بجائے 40 درہم کا ذکر ہے۔[4]

جب کسی معاملے میں چند صحیح روایات میں مختلف مقداریں بیان کی گئی ہوں تو پھر لازم ہوتا ہے کہ انہیں مختلف احوال پر محمول کیا جائے تاکہ روایات میں تضاد لازم نہ آئے کیونکہ در حقیقت حق ایک ہی ہے اور مقدار کا تعین ممکن نہیں، اس صورت میں زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے کہ کوئی قریبی مقدار بیان کر دی جائے اور ایسا صرف اسی وقت ہو سکتا ہے کہ ایسی تقسیم کی جائے جو محتاجوں کے احوال کا اِحاطہ کر لے۔

---

1 ...مسلم، کتاب الزکوۃ، باب کراھة المسئلة للناس، ص ۵۱۸، حدیث: ۱۰۴۱، بتغیر قلیل

2 ...الکامل فی ضعفاء الرجال، ابو داؤد سلیمان بن عمرو النخعی، الرقم ۷۳۳، ۴/ ۲۲۳

3 ...قوت القلوب، الفصل الحادی والاربعون، فی ذکر فضائل الفقر... الخ، ۲/ ۳۲۵

4 ...سنن ابی داود، کتاب الزکوۃ، باب من یعطی من الصدقة وحد الغنی، ۲/ ۱۶۳، حدیث: ۱۶۲۷، ۱۶۲۸

انسان کی بنیادی ضروریات تین ہیں:

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پیارے حبیب، حبیبِ لبیب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: لَاحَقَّ لِابْنِ اٰدَمَ اِلَّا فِیْ ثَلَاثٍ طَعَامٌ یُّقِیْمُ صُلْبَهٗ وَثَوْبٌ یُّوَارِیْ عَوْرَتَهٗ وَبَیْتٌ یَّکُنُّهٗ فَمَا زَادَ فَهُوَ حِسَابٌ یعنی ابن آدم کا حق صرف تین چیزوں میں ہے: (۱) اتنا کھانا جو اس کی پیٹھ سیدھی رکھے (۲) اتنا لباس جو اس کی سَتْر پوشی کرے (۳) ایک گھر جو اس کو سردی گرمی سے محفوظ رکھے اور جو اس سے زائد ہے اس کا حساب ہو گا۔[1]

انسان کی بنیادی ضروریات کے معاملے میں ان تین چیزوں کو بنیاد بنا کر ان جیسی ضروری اشیاء کو ان سے ملا دینا چاہئے مثلاً جو چلنے پر قادر نہ ہو اس کے لئے سُواری کا کرایہ اور ایسی ہی دیگر ضروری اشیاء۔ نیز اہل وعیال، زیرِ کفالت افراد اور جانوروں کی ضروریات کا بھی وہی حکم ہو گا جو اس شخص کی اپنی ضروریات کا ہے۔

مقدار کے اعتبار سے انسانی ضروریات:

جہاں تک مقدار کا سوال ہے تو کپڑے میں اس مقدار کا اعتبار کیا جائے گا جو دین دار بامُرَوَّت لوگ پہنتے ہیں یعنی شلوار قمیص، سر کا رومال اور جوتے، یہ سب ایک ایک کافی ہیں۔ گھر کے سامان کو بھی اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔

سادہ لباس کی موجودگی میں عمدہ لباس کا جبکہ مٹی کے برتن ہوتے ہوئے تانبے اور پیتل کے برتنوں کا سوال کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ چیزیں ایسی ہیں جن کے بغیر بھی گزارہ ہو سکتا ہے، گویا کہ ہر چیز میں ایک عدد اور ادنیٰ نوع پر اکتفا کیا جائے گا جبکہ وہ اتنی گھٹیا نہ ہو جو عادت سے خارج ہو۔

خوراک کے بارے میں شریعت نے یہ بیان فرمایا ہے کہ انسان کے لئے ایک دن میں ایک مُد کافی ہے۔ خوراک اس طرح کی ہونی چاہئے جو اس شہر میں کھائی جاتی ہے چاہے جو کی روٹی ہی کیوں نہ ہو۔ سالن کو ہمیشہ کھانا ضروریات میں شامل نہیں جبکہ اسے بالکل چھوڑ دینا بھی نقصان دہ ہے اس لئے کبھی کبھار سالن کا سوال کرنے کی اجازت ہے۔

---

[1]... سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی الزھادۃ فی الدنیا، ۴/ ۱۵۲، حدیث: ۲۳۴۸، بتغیر

مکان کی کم سے کم مقدار یہ ہے کہ وہ رہنے کے لئے کافی ہو، اس میں زینت وآرائش کا کوئی عمل دخل نہیں بلکہ زینت کے لئے سوال کرنا ضرورت سے زائد اور ناجائز ہے۔

اوقات کے اعتبار سے انسانی ضروریات:

ایک دن اور رات کے کھانے نیز پہننے کے لباس اور رہنے کی جگہ کے لئے فی الحال جس چیز کی ضرورت ہو اس کا سوال کرنا بلاشُبہ جائز ہے جبکہ مستقبل کے لئے سوال کرنے میں تین صورتیں ہیں: (۱) جس چیز کی کل ضرورت ہو گی۔ (۲) آئندہ 40، 50 دنوں میں جس چیز کی ضرورت ہو گی۔ (۳) وہ چیز جس کی ضرورت آئندہ ایک سال میں ہو گی۔

یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ جس شخص کے پاس اتنا مال ہو جو اس کی اور اس کے اہل خانہ کی ایک سال کی ضروریات کے لئے کافی ہو تو ایسے شخص کے لئے سوال کرنا حرام ہے کیونکہ یہ انتہائی دَرَجے کا غنا ہے۔ ماقبل مذکور حدیثِ پاک کو اسی صورت پر محمول کرنا چاہئے کیونکہ اگر کفایت شعاری سے خرچ کیا جائے تو 50 درہم یعنی پانچ دینار اکیلے شخص کے پورے سال کے اخراجات کے لئے کافی ہیں۔

عیال دار شخص کی دو صورتیں اور ان کا حکم:

ممکن ہے کہ عیال دار شخص کے لئے 50 درہم سال بھر کے لئے کافی نہ ہوں، ایسا شخص دو حال سے خالی نہیں ہو سکتا:

(1)... ضرورت پڑنے پر وہ سوال کرنے پر قادر ہو گا اور اُس وقت سوال کرنا ممکن ہو گا، ایسی صورت میں فی الحال یعنی ضرورت سے پہلے سوال کرنا جائز نہیں کیونکہ فی الوقت وہ سوال سے بے نیاز ہے، اس کے پاس ایک دن رات کا کھانا موجود ہے اور اسے نہیں معلوم کہ یہ کل تک زندہ رہے گا یا نہیں۔ جس حدیثِ پاک میں ایک دن رات کا کھانا ہوتے ہوئے سوال کی ممانعت کی گئی اسے اسی صورت پر محمول کرنا چاہئے۔

(2)... اگر اس نے مستقبل کی ضرورت کے لئے فی الحال سوال نہ کیا اور ضرورت کے وقت یہ سوال پر قادر نہ ہو گا اور نہ ہی کوئی دینے والا ملے گا تو پھر فی الوقت سوال کرنے کی بھی اجازت ہے کیونکہ ایک سال تک

زندہ رہنے کی امید بعید نہیں ہے اور سوال کو مؤخر کرنے میں اسے اس بات کا خوف ہے کہ ضرورت پڑنے پر وہ محتاج اور بے یار و مددگار رہ جائے گا۔

اگر مستقبل میں سوال کرنے سے عاجز ہونے کا خوف کمزور ہو اور جس چیز کا سوال کرنا ہے وہ ضروریاتِ زندگی میں شامل نہ ہو تو پھر سوال کرنا مکروہ ہے اور یہ کراہت سوال کے موقع کے فوت ہونے کے خوف اور سوال کی حاجت کے وقت کے اعتبار سے کم یا زیادہ ہو گی۔ اس بات کی تفصیل کو مکمل طور پر بیان کرنا ممکن نہیں بلکہ راہِ آخرت کے مسافر کو چاہئے کہ اس معاملے میں اپنی دلی کیفیت پر غور کر کے اس کے مطابق عمل کرے۔

جس شخص کا اللہ عَزَّوَجَلَّ پر یقین مضبوط ہو، اسے اس بات پر بھروسا ہو کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جب آج کے لئے میرا اور اہل و عیال کا رزق عطا فرمایا ہے تو کل بھی عطا فرمائے گا اور وہ ایک وقت کی روزی پر قناعت کرے تو بارگاہِ الٰہی میں اسے بلند مرتبہ حاصل ہوتا ہے اور اسے مستقبل کا خوف پریشان نہیں کرتا، یہ خدشہ صرف ان لوگوں کو دامن گیر ہوتا ہے جن کا یقین کمزور ہو اور وہ شیطانی وَساوِس کی طرف متوجہ ہوتے ہوں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷۵﴾

(پ۴، اٰل عمرٰن: ۱۷۵)

ترجمۂ کنز الایمان: تو ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو۔

ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ یَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ

(پ۳، البقرۃ: ۲۶۸)

ترجمۂ کنز الایمان: شیطان تمہیں اندیشہ دلاتا ہے محتاجی کا اور حکم دیتا ہے بے حیائی کا اور اللہ تم سے وعدہ فرماتا ہے بخشش اور فضل کا۔

سوال کرنا سخت بُرے کاموں میں سے ہے جسے صرف ضرورت کے وقت مباح کیا گیا ہے، جو شخص ایسی حاجت کے لئے سوال کرے جو اسے آج نہ ہو بلکہ آئندہ ایک سال میں درپیش ہونے والی ہو اس کا حال اس شخص سے بھی بُرا ہے جسے میراث میں مال ملے اور وہ اسے ایک سال کے بعد کی ضرورت کے لئے جمع کر لے۔ اگرچہ فتویٰ یہی ہے کہ یہ دونوں فعل جائز ہیں لیکن یہ دنیا کی محبت، لمبی امید اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل

پر یقین نہ ہونے سے جنم لیتے ہیں اور یہ خصلتیں سب سے بڑھ کر ہلاک کرنے والی ہیں۔ ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ اپنے فضل و کرم سے ہمیں اچھے کاموں کی توفیق عطا فرمائے!(اٰمین)

نویں فصل: مانگنے والوں کے احوال

حضرت سیِّدُنا بِشر حافی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْکَافِی فرماتے ہیں: فقرا کی تین قسمیں ہیں: (۱) وہ فقیر جو سوال نہیں کرتا اور اگر اسے دیا جائے تو لیتا نہیں، یہ رُوحانِیِّیْن فَرِشتوں کے ساتھ اَعلیٰ عِلِیِّیْن میں ہو گا۔ (۲) وہ فقیر جو کسی سے مانگتا نہیں لیکن اگر کوئی دے تو لے لیتا ہے، یہ جَنَّتُ الْفِرْدَوس میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مُقَرَّب بندوں کے ساتھ ہو گا۔ (۳) وہ فقیر جو صرف ضرورت کے وقت سوال کرتا ہے، یہ ان لوگوں کے ساتھ ہو گا جن کے نامۂ اعمال ان کے سیدھے ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔

سوال کی مَذمَّت پر تمام بزرگانِ دین رَحِمَہُمُ اللہُ الْمُبِیْن کا اِتِّفاق ہے اور اس بات پر بھی سب متفق ہیں کہ سوال اگرچہ ضرورت کے سبب کیا جائے لیکن یہ مقام و مرتبے میں کمی کا باعث ہے۔

حکایت: بلخ کے کتے

حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن اَدْہم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم جب خُراسان سے حضرت سیِّدُنا شقیق بلخی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے استفسار فرمایا: آپ نے اپنے فقرا دوستوں کو کس حال میں چھوڑا؟ فرمایا: میں نے انہیں اس حال میں چھوڑا ہے کہ اگر انہیں بغیر سوال کے دیا جائے تو شکر ادا کرتے ہیں اور اگر نہ دیا جائے تو صبر کرتے ہیں۔ حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن ادہم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم کا گمان تھا کہ سوال نہ کرنے کا وصف بیان کر کے انہوں نے خراسان کے فقرا کی تعریف کی ہے لیکن یہ سن کر حضرت سیِّدُنا شقیق بلخی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی نے فرمایا: یہ حال تو بلخ کے کُتّوں کا ہے۔ حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن اَدْہم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم نے استفسار فرمایا: اے ابو اسحاق! بلخ کے فقرا کی کیا کیفیت ہے؟ فرمایا: ہمارے فقرا کی حالت یہ ہے کہ اگر انہیں نہ دیا جائے تو شکر کرتے ہیں اور اگر دیا جائے تو ایثار کر دیتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن ادہم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم نے حضرت سیِّدُنا شقیق بلخی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی کے سر کا بوسہ لیا اور فرمایا: اے استادِ محترم! آپ نے سچ فرمایا۔

بلند دَرَجات پانے کے لئے مَعْرِفَت کا حُصُول ضروری ہے:

رضا، صبر، شکر اور سوال کے معاملے میں اَہْلُ اللہ کے متعدد دَرَجات ہیں، راہِ آخرت کے مسافر کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان درجات، ان کی مختلف اقسام اور ان کے باہمی فرق کی معرفت حاصل کرے کیونکہ اگر اسے یہ معرفت حاصل نہ ہو تو وہ ابتدائی درجے سے آخری درجے تک کا سفر طے نہیں کر سکتا۔ انسان کو اچھی حالت میں پیدا کرنے کے بعد ادنیٰ حالت کی طرف پھیرا گیا اور پھر حکم دیا گیا کہ وہ اَعْلٰی عِلِّیِّیْن کی طرف ترقی کرے۔ جو شخص پستی اور بلندی کے درمیان امتیاز کی صلاحیت ہی نہ رکھتا ہو وہ ہرگز ترقی نہیں کر سکتا البتہ جسے یہ معرفت حاصل ہو اس کا ترقی کرنا ممکن ہے۔

سوال ترقیِٔ درجات کا باعث مگر...!

اللہ والوں پر بعض اوقات ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے جس میں سوال کرنا ان کے درجات میں اضافے کا باعث بنتا ہے کیونکہ ایسے اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔

حکایت: جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے تھا وہ انہوں نے لے لیا

ایک شخص کا بیان ہے کہ میں نے حضرت سیِّدُنا ابو الحسن نوری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی کو ایک مقام پر لوگوں سے سوال کرتے دیکھا تو ان کے اس فعل کو بُرا جانا اور سیِّدُ الطائفہ حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْھَادِی کی خدمت میں حاضر ہو کر انہیں اس بات کی خبر دی۔ انہوں نے فرمایا: اس بات پر تعجب نہ کرو! حضرت سیِّدُنا ابو الحسن نوری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی لوگوں سے لینے کے لئے نہیں بلکہ انہیں دینے کے لئے سوال کرتے ہیں۔ وہ لوگوں سے اس لئے مانگتے ہیں تاکہ اس سوال کو پورا کرنے پر انہیں آخرت میں اجر و ثواب حاصل ہو۔

غالباً حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْھَادِی کا اشارہ اس فرمانِ مصطفٰے کی طرف ہے: یَدُ الْمُعْطِیْ هِیَ الْعُلْیَا یعنی دینے والے کا ہاتھ اوپر والا ہاتھ ہے۔[1] بعض علما نے فرمایا: یَدُ الْمُعْطِیْ سے مراد مال دینے والے کا نہیں بلکہ لینے والے کا ہاتھ ہے کیونکہ وہ مال قبول کر کے دینے والے کے لئے ثواب اور مرتبہ ملنے کا سبب بنتا ہے۔

1...سنن النسائی، کتاب الزکاۃ، باب ایتھما الید العلیاء، ص۴۱۶، حدیث: ۲۵۲۹

حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْھَادِی نے اس شخص سے ترازو منگوایا اور100 درہم تولے، اس کے بعد بغیر تولے ایک مٹھی درہم ان100 دِرْہموں کے اوپر ڈال دیئے اور فرمایا: یہ سب درہم حضرت سیِّدُنا ابو الحسن نوری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی کی خدمت میں پیش کر دو۔ اس شخص کا بیان ہے کہ میں نے دل میں سوچا: وزن اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ کسی چیز کی مقدار معلوم کی جائے، حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْھَادِی عقل مند شخص ہیں پھر انہوں نے100 درہم کا وزن کرنے کے بعد بغیر وزن کئے چند درہم کیوں ملا دیئے، لیکن شرم وحیا کے سبب میں ان سے یہ سوال نہ کر سکا اور حضرت سیِّدُنا ابو الحسن نوری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ انہوں نے بھی ترازو منگایا، 100 درہم تول کر الگ کئے اور100 سے زائد درہم اپنے پاس رکھ لئے اور فرمایا: یہ سب حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْھَادِی کو واپس کر دینا اور کہنا کہ میں آپ سے کچھ نہیں لوں گا۔ اس شخص کا بیان ہے کہ یہ مُعاملہ دیکھ کر میری حیرت میں مزید اضافہ ہو گیا اور میں نے حضرت سیِّدُنا ابو الحسن نوری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی سے اس بارے میں عرض کی تو انہوں نے فرمایا: حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْھَادِی ایک دانا شخص ہیں، وہ یہ چاہتے تھے کہ رسی کے دونوں سرے پکڑ لیں۔ انہوں نے100 درہم اپنے لئے تولے تھے تاکہ انہیں ثوابِ آخرت حاصل ہو جبکہ ایک مٹھی درہم بغیر تولے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ڈالے تھے۔ انہوں نے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے دیئے تھے وہ میں نے لے لئے اور جو اپنے لئے ڈالے تھے وہ واپس کر دیئے۔ وہ شخص100 درہم لے کر حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْھَادِی کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ رو پڑے اور فرمایا: جو ان کے لئے تھا وہ انہوں نے لے لیا اور جو ہمارے لئے تھا وہ واپس کر دیا۔

پیارے اسلامی بھائیو! ذرا غور کرو، ان نُفُوسِ قُدسیہ کے دل کس قدر صاف ستھرے اور ان کے اعمال اخلاص سے کس قدر مُزَیَّن تھے کہ اس کی برکت سے یہ لوگ اپنے اسلامی بھائیوں کی دلی کیفیت کو جان لیا کرتے تھے، اس کے لئے انہیں زبان سے بولنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ یہ سب رزقِ حلال کھانے، دنیا کی محبت سے دل کو پاک کرنے اور ہمہ تن اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف متوجہ ہونے کی برکات ہیں۔

جو شخص اس راستے پر چلنے سے پہلے ہی اس کا انکار کر دے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی دوا کے استعمال

سے قبل ہی اس کے دست آور (یعنی قبض کشا) ہونے کا انکار کرے، نیز جو شخص اس راستے پر چلے اور اسے طے کرنے میں اپنی پوری ہمت صرف کر دے لیکن منزل تک نہ پہنچ پائے اور پھر یہ کہنے لگے کہ اس راستے پر چل کر کوئی بھی منزل نہیں پا سکتا اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی دست آور دوا کا استعمال کرے لیکن کسی باطنی خرابی کے سبب وہ دوا اس پر اثر نہ کرے اور پھر وہ اس دوا کے دست آور ہونے کا ہی انکار کر دے۔ دوسرے شخص کی جہالت اگرچہ پہلے شخص سے کم ہے لیکن بہر حال اسے بھی جہالت کا وافر حصہ حاصل ہے۔

صاحِبِ بصیرت کون ہے؟

صاحبِ بصیرت شخص وہ ہے جو ان دو میں سے ایک مرتبے پر فائز ہو: (۱) بزرگانِ دین رَحِمَہُمُ اللّٰہُ الْمُبِیْن کے طریقے پر چلے اور اس پر بھی وہ چیزیں ظاہر ہوں جو ان حضرات پر ظاہر ہوئی تھیں، ایسا شخص صاحِبِ ذوق و معرفت ہے اور اسے عَیْنُ الْیَقِیْن کا مرتبہ حاصل ہے۔ (۲) وہ شخص جو سرے سے اس راستے پر ہی نہ چلے یا پھر اس پر چلے اور کسی سبب سے منزل نہ پا سکے لیکن اس راستے اور اس کی منزل پر ایمان رکھے اور اس کی تصدیق کرے، ایسا شخص اگرچہ عین الیقین کا مرتبہ نہ پا سکا لیکن اسے عِلْمُ الْیَقِیْن کی دولت حاصل ہے جو اگرچہ عین الیقین سے کم مرتبہ ہے لیکن بہر حال ایک بلند رتبہ ہے۔

جو شخص علم الیقین اور عین الیقین دونوں سے خالی دامن ہو (یعنی نہ تو اس راستے پر چل کر منزل تک پہنچے اور نہ ہی اس پر ایمان لائے) تو وہ مؤمنین کے گروہ سے خارج ہے اور قیامت کے دن اسے متکبر منکرین کے ساتھ اٹھایا جائے گا جو شیطان کی اتباع کرنے والے اور اپنی ناقص عقل کے سبب ہلاک ہونے والے ہیں۔ ہم **اللہ** عَزَّوَجَلَّ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں پختہ علم والوں میں شامل کر دے جو یہ کہتے ہیں:

اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (پ۳، اٰل عمران: ۷)

ترجمۂ کنزالایمان: ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے۔

﴿ تُوْبُوْا اِلَى الله ﴾ ﴿ اَسْتَغْفِرُ الله ﴾

﴿ صَلُّوْا عَلَى الْحَبِيْب ﴾ ﴿ صَلَّى اللهُ عَلٰى مُحَمَّد ﴾

باب نمبر2: **زُہْد کا بیان** (اس میں پانچ فصلیں ہیں)

کتاب کے اس حصے میں زُہد کی حقیقت، فضیلت، دَرَجات اور اَقسام نیز کھانے پینے، لباس، مکان، ساز وسامان اور دیگر معاملات میں زُہد کی تفصیل کے ساتھ ساتھ زُہد کی علامات کا بیان بھی ہو گا۔

پہلی فصل: **زُہد کی حقیقت کا بیان**

زہد سالکین کے مقامات میں سے ایک اہم مقام ہے اور دیگر مقامات کی طرح یہ بھی علم، حال اور عمل کے مجموعے سے مُرَتَّب ہوتا ہے۔ بزرگانِ دین رَحِمَهُمُ اللهُ الْمُبِيْن فرماتے ہیں کہ ایمان کے تمام ابواب کی بنیاد عقیدے، قول اور عمل پر ہے[1]۔

چونکہ قول کے ذریعے باطن کا حال ظاہر ہوتا ہے، اس لئے اسے حال کا قائم مقام کر دیا گیا ہے ورنہ قول بذاتِ خود مقصود نہیں ہے اور قول اگر حال (یعنی دل کی تصدیق) کے ساتھ صادر نہ ہو تو اسے ایمان نہیں بلکہ ظاہری اسلام کہا جائے گا۔ علم حال کا سبب اور حال اس کا پھل ہوتا ہے جبکہ حال کا پھل عمل ہوتا ہے۔ ہم حال کو اس کی دونوں طرفوں یعنی علم و عمل کے ساتھ ذکر کریں گے اور حال سے ہماری مراد زُہد ہے۔

زہد کی تعریف:

اپنی رغبت اور ارادے کو ایک چیز سے ہٹا کر دوسری چیز کی طرف مَبْذول کرنا جو اس پہلی چیز سے بہتر ہو زہد کہلاتا ہے۔ ہر وہ شخص جو ایک چیز کو چھوڑ کر کسی مُعاوَضے یا سودے کے سبب دوسری چیز کو اختیار کرتا ہے وہ پہلی چیز کو بے رغبتی کے سبب چھوڑتا اور دوسری چیز کو اس میں رغبت اور پسندیدگی کے سبب اختیار کرتا ہے۔ جس چیز سے اس نے اعراض کیا اس کی نسبت سے اس کے حال کو زہد جبکہ جس کی طرف یہ مائل ہوا اس کی نسبت سے رغبت و محبت کہا جاتا ہے۔

زاہد کی تعریف:

زہد کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے، ایک وہ چیز جس سے بے رغبتی اختیار کی جائے اور دوسری وہ

1... عقیدے کا تعلق دل سے، قول کا زبان سے جبکہ عمل کا تعلق اعضاء سے ہوتا ہے۔(اتحاف السادة المتقين، ۱۱/ ۲۲۲)

جس میں رغبت کی جائے اور وہ پہلی چیز سے بہتر ہو نیز جس چیز سے بے رغبتی کی جائے اس کا بھی کسی نہ کسی اعتبار سے مرغوب ومطلوب ہونا ضروری ہے۔ جو شخص ایسی چیز کو ترک کرے جو کسی بھی طرح مطلوب نہ ہو اسے زاہد نہیں کہا جائے گا کیونکہ مٹی، پتھر اور اس قسم کی دیگر بے وُقعت اشیاء کو ترک کرنے والا زاہد نہیں کہلاتا بلکہ زاہد اس شخص کو کہتے ہیں جو درہم و دینار وغیرہ کو ٹھکرائے جبکہ مٹی اور پتھر وغیرہ تو اس قابل ہی نہیں کہ ان میں رغبت کی جائے۔ جس چیز میں رغبت کی جائے اس کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ اس شخص کے نزدیک دوسری چیز سے بہتر ہو تاکہ اس چیز کی رغبت دوسری چیز کی رغبت پر غالب ہو جائے۔

کوئی شخص اس وقت تک اپنی چیز کو نہیں بیچتا جب تک اس کے عِوَض ملنے والی شے اسے اپنی چیز سے زیادہ پسند نہ ہو، اس شخص کے حال کو اس کی اپنی چیز جسے یہ بیچ رہا ہے اس کی نسبت سے زہد اور اس کے عوض جو چیز مل رہی ہے اس کی نسبت سے رغبت اور محبت کہا جائے گا۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزَّاهِدِيْنَ ﴿٢٠﴾

ترجمۂ کنزالایمان: اور بھائیوں نے اسے کھوٹے داموں گنتی کے روپوں پر بیچ ڈالا اور انہیں اس میں کچھ رغبت نہ تھی۔

(پ۱۲، یوسف: ۲۰)

اس آیتِ مُبارکہ میں حضرت سیِّدُنا یوسف عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُوَالسَّلَام کے بھائیوں کی یہ صِفَت بیان کی گئی کہ وہ آپ سے بے رغبت تھے کیونکہ ان کی یہ خواہش تھی کہ ان کے والد حضرت سیِّدُنا یعقوب عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُوَالسَّلَام کی محبت صرف انہیں حاصل ہو اور اس خواہش کی تکمیل انہیں حضرت سیِّدُنا یوسف عَلَیْہِ السَّلَام سے زیادہ محبوب تھی، لہٰذا اسے پانے کے لئے انہوں نے آپ کو بیچ دیا۔

لفظ "زاہد" اور "اِلحاد" کا استعمال:

ہر وہ شخص جو آخرت کے بدلے دنیا کو بیچتا ہے وہ دنیا سے بے رغبت ہے جبکہ دنیا کے عوض آخرت کو بیچنے والا آخرت سے بے رغبت ہے لیکن عرف یہ ہے کہ زاہد کا لفظ صرف دنیا سے بے رغبت شخص کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جیسے کہ "الحاد" کا لغوی معنیٰ مائل ہونا ہے چاہے حق کی طرف مائل ہو یا باطل کی طرف

لیکن عرف میں یہ لفظ صرف باطل کی طرف مائل ہونے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ زہد کے معنٰی محبوب چیز سے بے رغبتی کے ہیں اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک محبوب چیز کو نہیں چھوڑتا جب تک اسے محبوب تر چیز کے حصول کی امید نہ ہو۔

زُہد کے دَرَجات:

زہد کے درج ذیل درجات ہیں:

(1)... جو شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا ہر چیز سے حتّٰی کہ جَنَّتُ الْفِرْدَوْس سے بھی بے رغبتی اختیار کرے، صرف اللہ عَزَّوَجَلَّ سے محبت کرے وہ "زاہدِ مطلق" ہے جو کہ زہد کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔

(2)... جو شخص تمام دنیوی لذات سے بے رغبت ہو لیکن اُخروی نعمتوں مثلاً جنتی حوروں، مَحلات وباغات، نہروں اور پھلوں وغیرہ کی لالچ کرے وہ بھی زاہد ہے لیکن اس کا مرتبہ "زاہدِ مطلق" سے کم ہے۔

(3)... جو شخص دنیوی لذات میں سے بعض کو ترک کرے اور بعض کو نہیں مثلاً مال ودولت کو ترک کرے، مرتبے اور شہرت کو نہیں یا کھانے پینے میں وسعت کو ترک کر دے زینت وآرائش کو نہیں اس کو مطلقاً زاہد نہیں کہا جاسکتا۔ زاہدین میں ایسے شخص کا وہی مرتبہ ہے جیسے توبہ کرنے والوں میں اس شخص کا جو بعض گناہوں سے توبہ کرے اور بعض سے نہ کرے، جس طرح ایسے تائب کی توبہ صحیح ہے کیونکہ ممنوعہ چیزوں کو ترک کرنے کا نام توبہ ہے یوں ہی ایسے زاہد کا زہد بھی صحیح ہے کیونکہ مباح لذّتوں کا ترک کرنا زہد کہلاتا ہے اور جس طرح یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص بعض ممنوعات کو ترک کرپاتا ہو اور بعض کو نہیں اسی طرح جائز چیزوں میں بھی یہ ہو سکتا ہے۔

لفظ "زہد" کا استعمال:

جو شخص صرف ممنوع چیزوں کو ترک کرے مباح اشیاء کو نہ چھوڑے اسے زاہد نہیں کہا جائے گا، اگرچہ اس نے ممنوعات سے زہد اختیار کیا ہے لیکن عرف یہ ہے کہ زہد کا لفظ صرف مُباح اشیاء کے ترک کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

زہد کا اعلیٰ ترین درجہ:

بہر حال دنیا کو ترک کر کے آخرت کی طرف مائل ہونے یا غیر اللہ کو چھوڑ کر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف متوجہ ہونے کا نام زہد ہے، دوسری صورت زہد کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔

زہد کے لئے حصولِ دنیا پر قادر ہونا ضروری ہے:

زہد کے لئے جس طرح یہ بات ضروری ہے کہ زاہد جس چیز کی طرف مائل ہوا ہے وہ اس کے نزدیک ترک کردہ شے سے بہتر ہو اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ زاہد ترک کردہ چیز پر قادر ہو کیونکہ جو چیز انسان کی قدرت میں ہی نہ ہو اسے ترک کرنا ناممکن ہے، جب زاہد اس چیز پر قدرت کے باوجود اسے ترک کرتا ہے تو پھر یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اب اسے اس چیز میں رغبت نہیں رہی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن مبارک رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کو کسی نے زاہد کہہ کر پکارا تو آپ نے فرمایا: زاہد تو حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْعَزِیْز ہیں کہ دنیا ذلیل ہو کر ان کے پاس آئی لیکن انہوں نے اسے ترک کر دیا، بھلا میں نے کس چیز میں زہد کیا ہے؟

دنیا اور آخرت کی مثال:

اس حال کے سبب علم سے مراد یہ ہے کہ زاہد یہ بات جانتا ہو کہ وہ جس چیز کو ترک کر رہا ہے وہ حاصل ہونے والی شے کی نسبت حقیر اور معمولی ہے جیسے تاجر کو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ اس کے سامان کے بدلے ملنے والا عِوَض اس سامان سے بہتر ہے، اگر اسے اس بات کا علم نہ ہو تو وہ اپنا سامان بیچنے پر ہرگز تیار نہ ہو۔ یونہی جب کسی بندے کو اس بات کا علم حاصل ہوتا ہے کہ دنیوی لذات فنا ہونے والی ہیں جبکہ اُخروی نعمتیں دنیوی آسائشوں سے بہتر ہونے کے ساتھ ساتھ غیر فانی بھی ہیں تو وہ انہیں دنیوی لذتوں پر ترجیح دیتا ہے۔ دنیا اور آخرت کا باہمی معاملہ ایسا ہے جیسے ہیرے جواہرات اور برف کے ٹکڑے، ہیرے جواہرات برف کے ٹکڑوں سے بہتر بھی ہیں اور باقی رہنے والے بھی، برف کے ٹکڑوں کا مالک انہیں ہیرے جواہرات کے عوض فروخت کرنے میں ذرا بھی پس و پیش نہیں کرے گا۔ دنیا برف کے ان ٹکڑوں کی طرح ہے جو دھوپ میں رکھے ہوئے ہیں اور مسلسل پگھل رہے ہیں جبکہ آخرت ایسے ہیرے جواہرات کی مثل ہے جو کبھی فنا

نہیں ہوں گے، دنیا وآخرت کے اس فرق پر انسان کا جس قدر پختہ یقین ہوتا ہے اسی قدر وہ دنیا کے عوض آخرت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے حتّٰی کہ اپنی جان ومال کو بھی آخرت کے بدلے بیچ دیتا ہے۔

چنانچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ (پ۱۱، التوبۃ:۱۱۱)

ترجمۂ کنزالایمان: بیشک اللہ نے مسلمانوں سے ان کے مال اور جان خرید لئے ہیں اس بدلے پر کہ ان کے لئے جنت ہے۔

پھر یہ بھی بیان کر دیا گیا کہ ان کا یہ سودا نَفْع بخش ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ (پ۱۱، التوبۃ:۱۱۱)

ترجمۂ کنزالایمان: تو خوشیاں مناؤ اپنے سودے کی جو تم نے اس سے کیا ہے۔

زہد کی دولت سے محرومی کا سبب:

زہد کو اختیار کرنے کے لئے صرف اس بات کا علم ہونا ضروری ہے کہ آخرت دنیا سے بہتر بھی ہے اور باقی بھی رہے گی اور یہ بات ہر خاص وعام کو معلوم ہوتی ہے لیکن اپنے علم یا یقین کی کمزوری، نفسانی شَہوات کے غَلَبے، شیطان کے ہاتھوں میں کھلونا بننے اور شیطانی وسوسوں سے دھوکا کھا کر لمبی امیدوں میں مبتلا ہونے کے سبب کثیر لوگ مرتے دم تک زہد کی نعمت سے محروم رہتے ہیں اور مرنے کے بعد صرف کَفِ افسوس مَلتے رہتے ہیں۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے دنیا کی بے وَقْعتی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ (پ۵، النسآء:۷۷)

ترجمۂ کنزالایمان: تم فرما دو کہ دنیا کا برتنا تھوڑا ہے۔

جبکہ آخرت کی عمدگی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ (پ۲۰، القصص:۸۰)

ترجمۂ کنزالایمان: اور بولے وہ جنہیں علم دیا گیا خرابی ہو تمہاری اللہ کا ثواب بہتر ہے۔

اس آیتِ طیبہ میں اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ جوہر کی عمدگی کا علم اس کے عوض سے بے رغبت کر دیتا ہے کیونکہ زہد کا تصور اس وقت تک ممکن نہیں جب تک محبوب تر چیز محبوب چیز کا عوض نہ بنے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایک شخص نے دعا میں کہا: اَللّٰهُمَّ اَرِنِيَ الدُّنْيَا كَمَا تَرَاهَا یعنی اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! مجھے دنیا ایسے دکھا جیسی

وہ تیرے نزدیک ہے۔ تو سرکارِ نامدار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس سے ارشاد فرمایا: لَا تَقُلْ ھٰکَذَا وَلٰکِنْ قُلْ اَرِنِی الدُّنْیَا کَمَا اَرَیْتَھَا الصَّالِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکَ یعنی اس طرح نہ کہو بلکہ یوں کہو: (اے اللہ عَزَّوَجَلَّ!) مجھے دنیا اس طرح دکھا جیسی تو نے اپنے نیک بندوں کو دکھائی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک دنیا ایسی حقیر ہے جیسی کہ اس کی حقیقت ہے بلکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عظمت و جلالت کی بَنِسْبَت ہر مخلوق حقیر ہے جبکہ بندہ دنیا سے بہتر چیز پر نظر رکھتے ہوئے اسے حقیر سمجھتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے اپنا گھوڑا بیچ رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ گھوڑا اس کے نزدیک زمین کے کیڑے مکوڑوں کی طرح بے کار ہے کیونکہ کیڑے مکوڑے اس کے کسی کام نہیں آسکتے جبکہ گھوڑا کئی طرح سے کام آسکتا ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنی ذات کے لحاظ سے تمام مخلوق سے بے نیاز ہے۔ پس اس کی عظمت و جلالت کے اعتبار سے اس کے نزدیک تمام مخلوق برابر ہے اور اس کے غیر کے اعتبار سے اس کے نزدیک مخلوق کے مختلف درجات ہیں اور زاہد کے نزدیک اشیاء کا مختلف ہونا اپنی ذات کے اعتبار سے ہے نہ کہ اپنے غیر کے اعتبار سے۔

زہد سے صادر ہونے والا عمل:

زہد کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بندہ ایک چیز کو ترک کرکے دوسری چیز کو حاصل کرتا ہے کیونکہ زہد ایک طرح کا لین دین اور ادنیٰ چیز کے بدلے اعلیٰ چیز حاصل کرنے کا نام ہے۔ جس طرح خرید و فروخت میں بندہ بیچی گئی چیز کو سپرد کرکے اس کی قیمت حاصل کرتا ہے اسی طرح زہد کے لئے ضروری ہے کہ جس چیز میں زہد کیا گیا ہے یعنی دنیا اسے مکمل طور پر اس کے تمام مُتَعَلِّقات کے ساتھ ترک کر دیا جائے، دل سے اس کی محبت کا خاتمہ ہو جائے اور اس کی جگہ نیکیوں کی محبت دل میں بسیرا کرلے، دنیا کو اپنے دل کے ساتھ ساتھ ہاتھوں اور آنکھوں سے بھی دور کردے اور ہاتھوں، آنکھوں سمیت بدن کے جملہ اعضاء کو نیک اعمال میں مشغول کردے ورنہ اس کی حالت اس شخص جیسی ہوگی جس نے بیچی گئی چیز خریدار کے حوالے کر دی لیکن اس کی قیمت وصول نہ کی۔ جب کوئی شخص لین دین کو مکمل کرکے سودے کو پورا کرلے (یعنی جملہ متعلقات سمیت دنیا کو ترک کرکے اس کے عوض اپنے تمام اعضائے بدن کو نیک اعمال میں مشغول کرلے) تو پھر اسے اپنے اس سودے پر

خوش ہونا چاہئے کیونکہ اس کا یہ سودا اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ساتھ ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے عہد کو پورا فرماتا ہے۔ معلوم ہوا کہ جو شخص موجود شے کو غائب کے عوض فروخت کر کے شے خریدار کے حوالے کر دے اور پھر اس کے عوض کے حصول کی کوشش شروع کر دے تو اس صورت میں اگر خریدار سچا، خود مختار اور وعدے کو پورا کرنے والا، قابل بھروسا آدمی ہے تو بیچنے والے کی کوشش مکمل ہوتے ہی عوض اسے مل جائے گا۔

زہد کی دولت کب حاصل ہوتی ہے؟

بندہ جب تک دنیا کو اپنے پاس روک کر رکھتا ہے تب تک اسے زہد کی دولت حاصل نہیں ہوتی اسی لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت سیِّدُنا یوسف عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُوَالسَّلَام کے بھائیوں کو آپ کے ماں شریک بھائی بِنْیامِیْن کے معاملے میں زاہد نہیں فرمایا اگرچہ انہوں نے کہا تھا:

لَیُوْسُفُ وَ اَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰۤى اَبِیْنَا مِنَّا ترجمۂ کنزالایمان: ضرور یوسف اور اس کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں۔ (پ۱۲، یوسف: ۸)

اور یہ ارادہ کیا تھا کہ حضرت سیِّدُنا یوسف عَلَیْہِ السَّلَام کی طرح بِنْیامِیْن کو بھی اپنے والد حضرت سیِّدُنا یعقوب عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُوَالسَّلَام سے دور کر دیں تاکہ والدِ محترم کی تمام تر توجہ ہمیں حاصل ہو جائے لیکن پھر ایک بھائی کے منع کرنے پر اپنے اس ارادے کو عملی جامہ نہ پہنایا نیز حضرت سیِّدُنا یوسف عَلَیْہِ السَّلَام کے معاملے میں بھی صرف ارادے پر نہیں بلکہ فروخت کر کے خریدار کے حوالے کرنے پر زاہد قرار دیا۔

دنیوی مال واسباب کو سنبھال کر رکھنا دنیا میں رغبت کی جبکہ اسے اپنے سے دور کر دینا زہد کی نشانی ہے۔ اگر کوئی شخص دنیا کی بعض چیزوں کو ترک کر دے اور بعض کو روک رکھے تو وہ صرف ان چیزوں کے معاملے میں زاہد ہے جنہیں اس نے ترک کیا مطلقاً زاہد نہیں، یونہی جس شخص کو مال و دولت اور دنیوی اسباب دستیاب ہی نہ ہوں اسے بھی زاہد نہیں کہا جا سکتا کیونکہ جس چیز پر انسان کو قدرت ہی حاصل نہ ہو اسے ترک کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

شیطان کا خطرناک وار:

بعض اوقات شیطان انسان کو اس وسوسے میں مبتلا کرتا ہے کہ اگرچہ تمہارے پاس مال و دولت نہیں

ہے لیکن تم زاہد ہو، یہ شیطان کا ایک خطرناک وار ہے اور اس سے وہی شخص بچ سکتا ہے جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے فضل و کرم سے محفوظ فرمائے۔ بندہ جب تک اس بات کا تجربہ نہ کرلے کہ دنیا پر قدرت کے باوجود وہ اسے ترک کر سکتا ہے اس وقت تک اسے ہرگز اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔ کئی ایسے لوگ جنہیں گناہ کرنے کی طاقت حاصل نہیں ہوتی وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم گناہوں سے نفرت کرنے والے ہیں لیکن جب بغیر کسی رکاوٹ کے گناہ کے اسباب مُیَسَّر ہوں اور اسے کر گزرنے میں مخلوق کا خوف بھی مانع نہ ہو تو ان سے بڑھ کر گناہ کا ارتکاب کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ جب ناجائز و حرام افعال کے معاملے میں نفس کے دھوکے کا یہ عالَم ہے تو پھر وہ کام جو شرعاً مباح ہیں ان کے معاملے میں نفس پر بھروسا کرنا کہاں کی عقل مندی ہے؟

دنیا پر قدرت حاصل نہ ہونے کے باوجود اپنے زاہد ہونے کو مان لینے کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ انسان کو بارہا اس بات کا تجربہ ہو چکا ہو کہ دنیا پر قدرت ہونے کے باوجود اس کا نفس زہد کو اختیار کرنے میں اس کا ساتھ دیتا ہے اور کسی قسم کی کوئی ظاہری یا باطنی رکاوٹ کھڑی نہیں کرتا۔ اس صورت میں نفس پر تھوڑا بہت اعتماد کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن پھر بھی اس کے دھوکے سے ہوشیار رہنا ضروری ہے کیونکہ انسان کا نفس بہت جلد اپنے عہد کو توڑنے والا اور اپنی اصل کی طرف لوٹ جانے والا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ نفس کی طرف سے زہد کے دعوے پر صرف اس چیز کے معاملے میں اعتماد کیا جا سکتا ہے جسے انسان نے قدرت کے باوجود ترک کر دیا ہو۔

سیِّدُنا امامِ اعظم رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه کا زہد:

حضرت سیِّدُنا ابن ابی لیلیٰ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَيْه نے حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن شُبْرُمَہ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَيْه سے کہا: کیا آپ اس کپڑا بُننے والے کے بیٹے (یعنی حضرت سیِّدُنا امامِ اعظم ابو حنیفہ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَيْه) کو دیکھتے ہیں کہ ہم جو بھی فتویٰ دیتے ہیں یہ اس میں ہم سے اختلاف کرتے ہیں۔ حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن شُبْرُمَہ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَيْه نے فرمایا: مجھے یہ تو نہیں معلوم کہ وہ کپڑا بُننے والا کا بیٹا ہے یا نہیں لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ دنیا (عہدۂ قضا کی صورت میں) ان کی خدمت میں حاضر ہوئی لیکن انہوں نے اسے قبول نہ کیا جبکہ ہمارا مُعاملہ یہ ہے کہ دنیا ہم سے بھاگتی ہے اور ہم اس کا پیچھا کرتے ہیں۔

حضور پُرنور، شافعِ یومُ النُّشُوْر صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی حیاتِ ظاہری میں تمام مسلمانوں نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے محبت کرتے ہیں، اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ کون سا کام کرنے سے اس کی محبت حاصل ہوتی ہے تو ہم وہ کام ضرور کریں گے۔ اس پر یہ آیتِ مُقَدَّسہ نازل ہوئی:

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ (پ۵، النسآء: ٦٦)

ترجمۂ کنز الایمان: اور اگر ہم ان پر فرض کرتے کہ اپنے آپ کو قتل کر دو یا اپنے گھر بار چھوڑ کر نکل جاؤ تو ان میں تھوڑے ہی ایسا کرتے۔

حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں: مکی مَدَنی مصطفٰے صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: ان تھوڑے لوگوں میں تم بھی شامل ہو۔[1]

حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: مجھے اس بات کا علم نہیں تھا کہ ہم میں ایسے لوگ بھی شامل ہیں جو دنیا سے محبت کرتے ہیں یہاں تک کہ یہ آیتِ مُبارَکہ نازل ہوئی:

مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ (پ۴، ال عمرٰن: ١٥٢)

ترجمۂ کنز الایمان: تم میں کوئی دنیا چاہتا تھا اور تم میں کوئی آخرت چاہتا تھا۔

زہد کی بنیادی شرط:

اس بات کو ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ سخاوت کے طور پر، لوگوں کے دلوں کو مائل کرنے کے لئے یا پھر کسی عوض کے لالچ میں مال کو ترک کرنے کا زہد سے کوئی تعلق نہیں، یہ سب اچھی عادات تو ہیں لیکن عبادات نہیں ہیں۔ زہد تو یہ ہے کہ آخرت کی عمدگی کے مقابلے میں دنیا کی حقارت پر نظر رکھتے ہوئے اسے ترک کر دیا۔ زہد کے علاوہ دنیا کو ترک کرنے کی دیگر صورتیں ان لوگوں سے بھی صادر ہو سکتی ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اس قسم کے ترکِ دنیا کو مُرَوَّت، شُجاعت، سخاوت اور حُسنِ اخلاق تو کہا جا سکتا ہے لیکن زہد نہیں کہہ سکتے کیونکہ ان کے عوض لوگوں کی طرف سے تعریف و توصیف اور محبت حاصل ہوتی ہے جو کہ دنیا میں ملنے والا بدلہ ہے اور یہ ایسا عوض ہے جس کی لذت مال کے ملنے سے زیادہ لذیذ اور خوشگوار ہوتی

[1]...تفسیر ابن ابی حاتم، پ۴، ال عمرٰن: ١٥٢، ٣/ ٩٩٦، حدیث: ٥٥٦٧، بتغیر

ہے۔ جس طرح کسی عوض کے لالچ میں مال کو ترک کرنا زہد نہیں کہلاتا اسی طرح مدح وثنا کی لالچ میں، سخاوت اور بہادری کے ساتھ مشہور ہونے کے لئے یا پھر مال کی حفاظت کے معاملے میں درپیش مَشَقَّت اور اُمَرا واَغنیا کے سامنے ذِلَّت سے بچنے کے لئے مال کو ترک کرنے کا بھی زہد سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ سب تو مال ترک کرنے کا دُنْیَوِی بدلہ ہیں۔

حقیقی زاہد کون ہے؟

حقیقی زاہد تو وہ ہے جس کی پاس دنیا ذلت کے ساتھ حاضر ہو، اس کے حصول کے لئے مشقت بھی نہ اٹھانی پڑے اور وہ کسی بھی قسم کا نقصان اٹھائے بغیر دنیا کو استعمال کرنے پر قادر ہو مثلاً عزت میں کمی، بدنامی یا کسی خواہشِ نفس کے فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو لیکن وہ اس خوف سے دنیا کو ترک کر دے کہ اسے اختیار کر کے میں اس سے مانوس ہو جاؤں گا اور یوں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے علاوہ کسی اور سے مانوس ہونے اور محبت کرنے والوں نیز اس کی محبت میں غیر کو شریک کرنے والوں میں شامل ہو جاؤں گا۔ آخرت میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے ملنے والے ثواب کو حاصل کرنے کی نیت سے دنیا کو ترک کرنے والا شخص بھی حقیقی زاہد ہے۔ جو شخص جنتی مشروبات کو پانے کے لئے دنیوی مشروبات سے نفع اٹھانے کو ترک کر دے، حورانِ جنت کے اشتیاق میں دنیوی عورتوں سے لطف اندوز نہ ہو، جنتی باغات اوران کے درختوں پر نظر رکھتے ہوئے دنیا کے باغات سے نفع نہ اٹھائے، جنت میں زیب وزینت کے حصول کے لئے دنیا میں آرائش وزیبائش سے منہ موڑلے، جنتی میوہ جات کو پانے کے لئے اور اس خوف سے کہ کہیں روزِ قیامت یہ نہ کہہ دیا جائے:

اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ (پ۲۶، الاحقاف: ۲۰)

ترجمۂ کنزالایمان: تم اپنے حصہ کی پاک چیزیں اپنی دنیا ہی کی زندگی میں فنا کر چکے اور انہیں برت چکے۔

دنیا کی لذیذ غذاؤں کو ترک کر دے۔ اَلْغَرَض جو شخص اس بات پر نظر رکھتے ہوئے کہ آخرت دنیا سے بہتر اور باقی رہنے والی ہے اور اس کے علاوہ دیگر ہر چیز دنیا ہے جس کا آخرت میں کوئی فائدہ نہیں ہے، جنتی نعمتوں کو ان تمام چیزوں پر ترجیح دے جو اسے دنیا میں بغیر کسی مَشَقَّت کے بآسانی دستیاب ہیں حقیقت میں ایسا شخص زاہد کہلانے کا حق دار ہے۔

دوسری فصل: **زھد کی فضیلت کا بیان**

فضیلتِ زُہد پر مشتمل چھ فرامین باری تعالٰی:

﴿1﴾ ...اللہ عَزَّوَجَلَّ قارون[1] کا واقعہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

---

[1] ...دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 430 صفحات پر مشتمل کتاب "**عجائبُ القُرآن مع غرائب القرآن**" صفحہ 194 تا 196 پر ہے: قارون حضرت موسٰی عَلَیْہِ السَّلَام کے چچا "یَصْہر" کا بیٹا تھا۔ بہت ہی شکیل اور خوبصورت آدمی تھا۔ اسی لئے لوگ اُس کے حسن و جمال سے متاثر ہو کر اُس کو "مُنوَّر" کہا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ اُس میں یہ کمال بھی تھا کہ وہ بنی اسرائیل میں "توراۃ" کا بہت بڑا عالم، اور بہت ہی مِلَنسار و با اخلاق انسان تھا۔ اور لوگ اُس کا بہت ہی ادب و احترام کرتے تھے۔ لیکن بے شمار دولت اُس کے ہاتھ میں آتے ہی اُس کے حالات میں ایک دم تغیُّر پیدا ہو گیا اور سامری کی طرح منافق ہو کر حضرت موسٰی عَلَیْہِ السَّلَام کا بہت بڑا دشمن ہو گیا اور اعلٰی دَرَجے کا مُتَکَبِّر اور مغرور ہو گیا۔ جب زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا تو اُس نے حضرت موسٰی عَلَیْہِ السَّلَام کے روبرو یہ عہد کیا کہ وہ اپنے تمام مالوں میں سے ہزارہواں حصہ زکوٰۃ نکالے گا مگر جب اُس نے مالوں کا حساب لگایا تو ایک بہت بڑی رقم زکوٰۃ کی نکلی۔ یہ دیکھ کر اس پر ایک دم حرص و بخل کا بھوت سوار ہو گیا اور نہ صرف زکوٰۃ کا منکر ہو گیا بلکہ عام طور پر بنی اسرائیل کو بہکانے لگا کہ حضرت موسٰی عَلَیْہِ السَّلَام اس بہانے تمہارے مالوں کو لے لینا چاہتے ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت موسٰی عَلَیْہِ السَّلَام سے لوگوں کو بَرگَشتہ کرنے کے لئے اُس خبیث نے یہ گندی اور گھناؤنی چال چلی کہ ایک عورت کو بہت زیادہ مال و دولت دے کر آمادہ کر لیا کہ وہ آپ پر بدکاری کا الزام لگائے۔ چنانچہ عین اُس وقت جب کہ حضرت موسٰی عَلَیْہِ السَّلَام وعظ فرما رہے تھے۔ قارون نے آپ کو ٹوکا کہ فلانی عورت سے آپ نے بدکاری کی ہے۔ حضرت موسٰی عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا کہ اُس عورت کو میرے سامنے لاؤ۔ چنانچہ وہ عورت بلائی گئی تو حضرت موسٰی عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا کہ اے عورت! اُس اللہ (عَزَّوَجَلَّ) کی قسم! جس نے بنی اسرائیل کے لئے دریا کو پھاڑ دیا۔ اور عافیت و سلامتی کے ساتھ دریا کے پار کرا کر فرعون سے نجات دی۔ سچ سچ کہہ دے کہ واقعہ کیا ہے؟ حضرت موسٰی عَلَیْہِ السَّلَام کے جلال سے عورت سَہَم کر کانپنے لگی اور اس نے مجمَعِ عام میں صاف صاف کہہ دیا کہ اے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نبی! مجھ کو قارون نے کثیر دولت دے کر آپ پر بہتان لگانے کے لئے آمادہ کیا ہے۔ اُس وقت حضرت موسٰی عَلَیْہِ السَّلَام آبدیدہ ہو کر سجدہ شکر میں گر پڑے اور بحالتِ سجدہ آپ نے یہ دعا مانگی کہ یا اللہ! قارون پر اپنا قہر و غضب نازل فرما دے۔ پھر آپ نے مجمع سے فرمایا کہ جو قارون کا ساتھی ہو وہ قارون کے ساتھ ٹھہرا رہے اور جو میرا ساتھی ہو وہ قارون سے جدا ہو جائے۔ چنانچہ دو خبیثوں کے سوا تمام بنی اسرائیل قارون سے الگ ہو گئے۔ پھر حضرت موسٰی عَلَیْہِ السَّلَام نے زمین کو حکم دیا کہ اے زمین! تو اس کو پکڑ لے تو قارون ایک دم گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا پھر آپ نے دوبارہ زمین سے یہی فرمایا تو وہ کمر تک زمین میں دھنس گیا۔ یہ دیکھ کر قارون رونے اور بلبلانے لگا اور قرابت و رشتہ داری کا واسطہ دینے لگا مگر آپ نے...

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖؕ قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ قَارُوْنُۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ (۷۹) وَ قَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًاۚ وَ لَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ (۸۰) (پ۲۰، القصص: ۷۹)

ترجمۂ کنزالایمان: تو اپنی قوم پر نکلا اپنی آرائش میں بولے وہ جو دنیا کی زندگی چاہتے ہیں کسی طرح ہم کو بھی ایسا ملتا جیسا قارون کو ملا بے شک اس کا بڑا نصیب ہے اور بولے وہ جنہیں علم دیا گیا خرابی ہو تمہاری اللہ کا ثواب بہتر ہے اس کے لئے جو ایمان لائے اور اچھے کام کرے اور یہ انہیں کو ملتا ہے جو صبر والے ہیں۔

اس آیتِ مُقَدَّسہ میں زُہد کو عُلَما کی طرف منسوب کی گیا ہے اور زاہدین کا وَصف یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ عِلْم کی دولت سے مالامال ہوتے ہیں اور یہ بات زُہد کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے۔

...﴿2﴾

اُولٰٓىٕكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا (پ۲۰، القصص: ۵۴)

ترجمۂ کنزالایمان: ان کو ان کا اجر دوبالا دیا جائے گا بدلہ ان کے صبر کا۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے فرمایا کہ ان لوگوں کو دنیا سے زہد پر صبر (یعنی بے رغبتی اختیار) کرنے کے سبب دُگنا اَجر دیا جائے گا۔

...﴿3﴾

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِیْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَیُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (۷) (پ۱۵، الکہف: ۷)

ترجمۂ کنزالایمان: بیشک ہم نے زمین کا سنگار کیا جو کچھ اس پر ہے کہ انہیں آزمائیں ان میں کس کے کام بہتر ہیں۔

...کوئی التفات نہ فرمایا۔ یہاں تک کہ وہ بالکل زمین میں دھنس گیا۔ دو منحوس آدمی جو قارون کے ساتھی ہوئے تھے، لوگوں سے کہنے لگے کہ حضرت موسٰی عَلَیْہِ السَّلَام نے قارون کو اس لئے دھنسا دیا ہے تاکہ قارون کے مکان اور اُس کے خزانوں پر خود قبضہ کرلیں۔ تو آپ نے اللہ تعالٰی سے دعا مانگی کہ قارون کا مکان اور خزانہ بھی زمین میں دھنس جائے۔ چنانچہ قارون کا مکان جو سونے کا تھا اور اس کا سارا خزانہ، سبھی زمین میں دھنس گیا۔ (صاوی، ۴/ ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، پ۲۰، القصص: ۸۱)

نوٹ: مزید تفصیل کے لئے **عجائب القرآن مع غرائب القرآن** کے مذکورہ مقام کا مطالعہ کیجئے!

ایک قول کے مطابق اس آیت میں اَیُّھُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا کا معنٰی یہ ہے کہ کون دنیا میں زیادہ زہد اختیار کرنے والا ہے، گویا اس آیتِ مبارکہ میں زہد کو اَحْسَنُ الْاَعْمَال یعنی تمام اعمال سے بہتر قرار دیا گیا ہے۔

﴿4﴾...

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿۲۰﴾ (پ۲۵، الشوریٰ: ۲۰)

ترجمۂ کنزالایمان: جو آخرت کی کھیتی چاہے ہم اس کے لئے اس کی کھیتی بڑھائیں اور جو دنیا کی کھیتی چاہے ہم اسے اس میں سے کچھ دیں گے اور آخرت میں اُس کا کچھ حصّہ نہیں۔

﴿5﴾...

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۱۳۱﴾

(پ۱۶، طٰہٰ: ۱۳۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اے سننے والے اپنی آنکھیں نہ پھیلا اس کی طرف جو ہم نے کافروں کے جوڑوں کو برتنے کے لئے دی ہے جیتی دنیا کی تازگی کہ ہم انہیں اس کے سبب فتنہ میں ڈالیں اور تیرے رب کا رزق سب سے اچھا اور سب سے دیرپا ہے۔

﴿6﴾...

اَلَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ (پ۱۳، ابراھیم: ۳)

ترجمۂ کنزالایمان: جنہیں آخرت سے دنیا کی زندگی پیاری ہے۔

اس آیتِ طیبہ میں کفار کی یہ صِفَت بیان کی گئی ہے کہ وہ دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ مومن کی یہ شان ہونی چاہئے کہ وہ اس کا اُلٹ کرے یعنی آخرت کو دنیا پر ترجیح دے۔

دنیا کی مَذَمَّت میں کثیر احادیث مروی ہیں، چونکہ دنیا کی محبت بھی ہلاکت میں ڈالنے والے امور میں سے ہے اس لئے ہم نے ان میں سے بعض احادیث مُہلکات کے بیان میں "كِتَابُ ذَمِّ الدُّنْيَا" کے تحت ذکر کر دی ہیں۔ یہاں ہم صرف دنیا سے نفرت کی فضیلت پر مبنی احادِیْثِ مُبارَکہ ذکر کریں گے کیونکہ زہد کا معنٰی بھی دنیا سے نفرت کرنا ہے اور یہ فعل نجات دینے والے امور میں سے ہے۔ چنانچہ

فضیلتِ زہد پر مشتمل 27 فرامین مصطفٰے:

﴿1﴾ ... جس شخص نے اس حال میں صبح کی کہ اس کا مقصد صرف دنیا کا حصول ہو تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کے معاملات کو مُنْتَشِر فرما دیتا ہے، اس کے مال واسباب کو دَرہم بَرہم فرما کر اسے فَقر میں مبتلا فرما دیتا ہے اور اسے دنیا میں سے اتنا ہی حصہ ملتا ہے جتنا اس کے نصیب میں ہے اور جس شخص نے اس حال میں صبح کی کہ اس کا مقصد آخرت ہو تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کے ارادوں کو مضبوط فرما دیتا ہے، اس کے مال واسباب کی حفاظت فرماتا ہے، اس کے دل میں دنیا سے بے نیازی پیدا فرما دیتا ہے اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے۔[1]

زاہد کو حکمت عطا کی جاتی ہے:

﴿2﴾ ... اِذَا رَاَیْتُمُ الْعَبْدَ وَقَدْ اُعْطِیَ صَمْتًا وَّزُهْدًا فِی الدُّنْیَا فَاقْتَرِبُوْا مِنْهُ فَاِنَّهٗ یُلَقَّی الْحِكْمَةَ یعنی جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جسے خاموشی اور دنیا سے بے رغبتی کی دولت حاصل ہے تو اس کا قُرب حاصل کرو کیونکہ اسے حکمت عطا کی گئی ہے۔[2]

اللہ عَزَّوَجَلَّ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا كَثِیْرًاؕ ترجمۂ کنزالایمان: اور جسے حکمت ملی اُسے بہت بھلائی ملی۔

(پ۳، البقرۃ: ۲۶۹)

اسی لئے بزرگانِ دین رَحِمَهُمُ اللّٰهُ الْمُبِیْن فرماتے ہیں: مَنْ زَهِدَ فِی الدُّنْیَا اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا اَجْرَی اللّٰهُ یَنَابِیْعَ الْحِكْمَةِ فِیْ قَلْبِهٖ وَاَنْطَقَ بِهَا لِسَانَهٗ یعنی جو شخص 40 دن تک دنیا سے بے رغبتی اختیار کرلے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کے دل میں حکمت کے چشمے جاری فرما دیتا ہے اور پھر وہ اسی حکمت کے ساتھ کلام کرتا ہے۔

سب سے بہتر شخص:

﴿3﴾ ... ایک صحابی رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ فرماتے ہیں: ہم نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم! لوگوں میں سب سے بہتر شخص کون ہے؟ ارشاد فرمایا: كُلُّ مُؤْمِنٍ مَّخْمُوْمِ الْقَلْبِ صَدُوْقِ اللِّسَانِ یعنی وہ مومن جو دل کا صاف اور زبان کا سچا ہو۔ عرض کی گئی: صاف دل والے سے کیا مراد ہے؟ ارشاد

[1] ...تفسیر کبیر، پ۲۵، الشوریٰ، تحت الآیۃ: ۲۰، ۹/ ۵۹۲، بتغیر قلیل

[2] ...سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب الزھد فی الدنیا، ۴/ ۴۲۲، حدیث: ۴۱۰۱، بتغیر قلیل

فرمایا: اَلتَّقِیُّ النَّقِیُّ الَّذِیْ لَاغِلَّ فِیْهِ وَلَاغِشَّ وَلَابَغْیَ وَلَاحَسَدَ یعنی وہ متقی اور مخلص شخص جس کے دل میں خیانت، دھوکا، بغاوت اور حسد نہ ہو۔ پھر عرض کی گئی: ایسے شخص کے بعد کون افضل ہے؟ ارشاد فرمایا: اَلَّذِیْ یَشْنَأُ الدُّنْیَا وَیُحِبُّ الْاٰخِرَةَ یعنی وہ شخص جو دنیا سے نفرت اور آخرت سے محبت کرنے والا ہو۔[1]

اس حدیثِ پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دنیا سے محبت کرنے والا لوگوں میں سب سے بدترین شخص ہے۔

محبّتِ الٰہی پانے کا نسخۂ کیمیا:

﴿4﴾... اِنْ اَرَدْتَّ اَنْ یُّحِبَّكَ اللّٰهُ فَازْهَدْ فِی الدُّنْیَا یعنی اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ تم سے محبت فرمائے تو دنیا سے بے رغبتی اختیار کرو۔[2]

اس حدیثِ پاک میں زہد کو محبّتِ الٰہی کے حصول کا سبَب قرار دیا گیا ہے اور یقیناً اللہ عَزَّوَجَلَّ جس بندے سے محبت فرمائے وہ اعلیٰ ترین درجے پر فائز ہے، لہٰذا دنیا سے بے رغبتی افضل ترین مقام ہے۔ یہ بھی ظاہر ہوا کہ دنیا سے محبت کرنے والے کے بارے میں یہ خدشہ ہے کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ناراضی کا شکار ہو جائے۔

زہد اور تقویٰ کا دلوں پر دورہ:

﴿5﴾... اَلزُّهْدُ وَالْوَرَعُ یَجُوْلَانِ فِی الْقُلُوْبِ كُلَّ لَیْلَةٍ فَاِنْ صَادَفَا قَلْبًا فِیْهِ الْاِیْمَانُ وَالْحَیَاءُ اَقَامَا فِیْهِ وَاِلَّا ارْتَحَلَا یعنی زہد اور تقویٰ ہر رات لوگوں کے دلوں کا دورہ کرتے ہیں، اگر کوئی ایسا دل پائیں جس میں ایمان اور حیا موجود ہوں تو اس میں قیام کرتے ہیں ورنہ روانہ ہو جاتے ہیں[3]۔

ایمان کی حقیقت:

﴿6﴾... حضرت سیِّدُنا حارثہ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْه نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: میں سچا مومن ہوں تو رحمتِ عالَم صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے اِسْتِفْسار فرمایا: وَمَا حَقِیْقَةُ اِیْمَانِكَ یعنی تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ عرض

1... سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب الزهد في الدنيا، ٤/ ٤٧٥، حديث: ٤٢١٦، بتغير
شعب الايمان، للبيهقي، باب في حفظ اللسان، ٤/ ٢٠٥، حديث: ٤٨٠٠

2... سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب الزهد في الدنيا، ٤/ ٤٢٣، حديث: ٤١٠٢، بتغير

3... قوت القلوب، الفصل الثاني والثلاثون: شرح مقامات اليقين... الخ، ١/ ٤١٦

گزار ہوئے: میں نے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرلی ہے اور میرے نزدیک پتھر اور سونا برابر ہیں اور اب میری حالت یہ ہے کہ گویا جنت و دوزخ اور عرشِ الٰہی میرے سامنے ہیں۔ پیارے مصطفٰے صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: عَرَفْتَ فَالْزَمْ عَبْدٌ نَوَّرَ اللّٰہُ قَلْبَہٗ بِالْاِیْمَانِ یعنی تم نے مَعْرِفت حاصل کرلی ہے اب اس پر ثابت قدم رہو، تم ایسے بندے ہو جس کے دل کو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ایمان سے مُنَوَّر فرمادیا ہے۔[1]

اس روایت میں غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت سَیِّدُنا حارثہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ایمان کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے پہلے دنیا سے کنارہ کشی کا ذکر کیا اور پھر اس کے ساتھ یقین کو ملایا جس پر آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان کی یوں تعریف فرمائی: عَبْدٌ نَوَّرَ اللّٰہُ قَلْبَہٗ بِالْاِیْمَانِ یعنی تم ایسے بندے ہو جس کے دل کو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ایمان سے منور فرمادیا ہے۔[2]

شرحِ صدر کی علامت:

﴿7﴾... بارگاہِ رسالت میں عرض کی گئی: اس فرمانِ باری تعالیٰ:

فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ (پ۸، الانعام: ۱۲۵)

ترجمۂ کنز الایمان: اور جسے اللہ راہ دکھانا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔

میں شرحِ صدر سے کیا مراد ہے؟ مصطفٰے جانِ رحمت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اِنَّ النُّوْرَ اِذَا دَخَلَ فِی الْقَلْبِ اِنْشَرَحَ لَہُ الصَّدْرُ وَانْفَسَحَ یعنی جب کسی بندے کے دل میں نور داخل ہوتا ہے تو اس کا سینہ کشادہ ہوجاتا ہے اور اسے اطمینانِ قلب نصیب ہوتا ہے۔[3] عرض کی گئی: کیا اس کی کوئی علامت بھی ہے؟ ارشاد فرمایا: نَعَمْ اَلتَّجَافِیْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْاِنَابَۃُ اِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ وَالْاِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِہٖ یعنی ہاں! دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرنا، آخرت کی طرف متوجہ ہونا اور موت کے آنے سے پہلے اس کی تیاری میں مشغول ہوجانا۔

اس حدیثِ پاک میں دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرنے یعنی زہد کو حقیقتِ اسلام کی شرط قرار دیا گیا ہے۔

1... الزھد الکبیر للبیھقی، ص ۳۵۵، حدیث: ۹۷۳، بتغیر، عن الحارث بن مالک

2... الزھد الکبیر للبیھقی، ص ۳۵۵، حدیث: ۹۷۳

3... تفسیر الطبری، پ۸، سورۃ الانعام، تحت الایۃ: ۱۲۵، ۵/ ۳۳۶، حدیث: ۱۳۸۵۷ تا ۱۳۸۶۱

اللہ عَزَّوَجَلَّ سے حیا کرو:

﴿8﴾... اِسْتَحْیُوْا مِنَ اللّٰہِ حَقَّ الْحَیَآءِ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ سے حیا کرو جیسا حیا کرنے کا حق ہے۔ صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے عرض کی: بے شک ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے حیا کرتے ہیں۔[1] ارشاد فرمایا: لَیْسَ کَذٰلِکَ تَبْنُوْنَ مَالَا تَسْکُنُوْنَ وَتَجْمَعُوْنَ مَالَا تَاْکُلُوْنَ یعنی ایسا نہیں ہے کیونکہ تم ایسے گھر بناتے ہو جن میں رہ نہیں سکتے اور اتنا مال جمع کرتے ہو جسے کھا نہیں سکتے۔

اس حدیثِ پاک میں اس نکتے کو بیان کیا گیا ہے کہ مذکورہ افعال اللہ عَزَّوَجَلَّ سے حیا کرنے کے منافی ہیں۔

تکمیل ایمان کا سبب:

﴿9﴾... مروی ہے کہ عرب کے کچھ لوگ وَفد کی صورت میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوکر عرض گزار ہوئے: ہم مومن ہیں۔ حضور نبیِّ پاک، صاحبِ لَولاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِسْتِفْسار فرمایا: وَمَا عَلَامَۃُ اِیْمَانِکُمْ یعنی تمہارے ایمان کی نشانی کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی: ہم مصیبت پر صبر کرتے، فراخی ووُسعت میں شکر کرتے، تقدیر پر راضی رہتے[2] اور دشمن پر آنے والی مصیبت پر خوش نہیں ہوتے۔ یہ سن کر آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اِنْ کُنْتُمْ کَذٰلِکَ فَلَا تَجْمَعُوْا مَالَا تَاْکُلُوْنَ وَلَا تَبْنُوْا مَالَا تَسْکُنُوْنَ وَلَا تَنَافَسُوْا فِیْمَا عَنْہُ تَرْحَلُوْنَ یعنی اگر تم لوگ واقعی ایسے ہو تو پھر اتنا مال جمع نہ کرو جسے کھا نہ سکو، ایسے مکانات مت تعمیر کرو جن میں رہ نہ سکو اور جس دنیا کو تم نے چھوڑ کر جانا ہے اس کے معاملے میں آپس میں مقابلہ نہ کرو۔[3]

اس حدیثِ پاک میں زہد کو ایمان کی تکمیل کا سبب قرار دیا گیا ہے۔

باتیں انبیا جیسی اور اعمال ظالموں جیسے:

﴿10﴾... حضرت سیِّدُنا جابر بن عبد اللہ انصاری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے کہ سرکارِ نامدار، مدینے کے تاجدار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے دورانِ خطبہ ارشاد فرمایا: جو شخص ایمان لائے اور اس کے ساتھ کسی چیز

1... سنن الترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق و... الخ، باب: ۸۹، ۴/ ۲۰۷، حدیث: ۲۴۶۶

2... بستان الواعظین و ریاض السامعین، باب مجلس فی قولہ اللہ نور السموات والارض، ص ۲۵۳

3... حلیۃ الاولیاء، ابوسلیمان الدارانی: ۴۴۶، ۹/ ۲۹۱، حدیث: ۱۳۹۴۹

کی ملاوٹ نہ کرے اس کے لئے جنت واجب ہو جائے گی۔[1] یہ سن کر امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللهُ تَعَالٰی وَجْهَهُ الْکَرِیْم نے کھڑے ہو کر عرض کی: یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! میرے ماں باپ آپ پر قربان! ہمارے لئے اس بات کی وضاحت فرما دیجئے کہ ایمان کے ساتھ کسی چیز کی ملاوٹ کرنے سے کیا مراد ہے؟ ارشاد فرمایا: دنیا سے محبت کرتے ہوئے اسے طلب کرنا اور اس کی پیروی کرنا، کچھ لوگ ایسے ہیں جو باتیں تو انبیا کی باتوں کی طرح کرتے ہیں لیکن ان کے اعمال ظالموں والے ہوتے ہیں۔ جو شخص ایمان لائے اور اس میں ان چیزوں کی ملاوٹ نہ کرے تو اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔[2]

﴿11﴾... اَلسَّخَآءُ مِنَ الْيَقِيْنِ وَلَا يَدْخُلُ النَّارَ مُوْقِنٌ وَّالْبُخْلُ مِنَ الشَّكِّ وَلَا يَدْخُلُ الْجَـنَّةَ مَنْ شَكَّ یعنی سخاوت یقین میں سے ہے اور کوئی یقین رکھنے والا شخص جہنم میں نہیں جائے گا جبکہ بخل شک میں سے ہے اور کوئی شک کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہو گا۔[3]

﴿12﴾... اَلسَّخِیُّ قَرِيْبٌ مِّنَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ النَّاسِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْجَـنَّةِ وَالْبَخِيْلُ بَعِيْدٌ مِّنَ اللّٰهِ بَعِيْدٌ مِّنَ النَّاسِ قَرِيْبٌ مِّنَ النَّارِ یعنی سخی اللہ عَزَّوَجَلَّ سے، لوگوں سے اور جنت کے قریب ہوتا ہے جبکہ بخیل اللہ عَزَّوَجَلَّ اور لوگوں سے دور جبکہ جہنم کے قریب ہوتا ہے۔[4]

بخل دنیا میں رغبت کا نتیجہ ہے جبکہ سخاوت زُہد کا پھل ہے اور پھل کی تعریف در حقیقت اس کے درخت کی تعریف ہوتی ہے (لہٰذا اس روایت میں سخاوت کے درخت یعنی زہد کی تعریف کی گئی ہے)۔

زہد کے ثمرات:

﴿13﴾... مَنْ زَهَدَ فِی الدُّنْيَا اَدْخَلَ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ قَلْبَهٗ فَاَنْطَقَ بِهَا لِسَانَهٗ وَعَرَّفَهٗ دَآءَ الدُّنْيَا وَدَوَآءَهَا وَاَخْرَجَهٗ مِنْهَا سَالِمًا اِلٰی دَارِ السَّلَامِ یعنی جو شخص دنیا سے بے رغبتی اختیار کرتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کے دل میں حکمت داخل فرما کر اس کی زبان پر

1 ...قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون، شرح مقامات الیقین، ۱/ ۴۱۸

2 ...قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون، شرح مقامات الیقین، ۱/ ۴۱۸

3 ...تفسیر درمنثور، پ: ۲۲، سباء، تحت الآیۃ: ۳۹، ۶/ ۷۰۸، ''موقن'' دون ''من ایقن'' معه بعض الجمل بتقدم وتاخر

4 ...سنن الترمذی، کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی السخاء، ۳/ ۳۸۷، حدیث: ۱۹۶۸، بتقدم وتاخر بعض الالفاظ

جاری فرمادیتا ہے، اسے دنیا کی بیماری اور اس کے علاج کی پہچان عطا فرماتا ہے اور اسے دنیا سے صحیح سلامت نکال کر سلامتی کے گھر (یعنی جنت کی طرف) لے جاتا ہے۔[1]

﴿14﴾... تاجدارِ رِسالت، شہنشاہِ نَبوّت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کے ہمراہ 10 ماہ کی حاملہ کچھ اونٹنیوں کے پاس سے گزرے، ان کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے تھے۔ اس قسم کی اونٹنیاں اہلِ عرب کے نزدیک سب سے قیمتی اور پسندیدہ مال ہوتی ہیں کیونکہ ان سے سواری، گوشت، دودھ، اون اور بچوں جیسے مَنافع حاصل ہوتے ہیں۔ اہلِ عرب کے نزدیک ایسی اونٹنیوں کی اہمیت کے پیشِ نظر اللہ عَزَّوَجَلَّ قیامت کی ہولناکیوں کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

وَ اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۪ۙ﴿۴﴾ (پ۳۰، التکویر: ۴)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جب تھلکی (گابھن) اونٹیاں چھوٹی پھریں۔

آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان اونٹنیوں کے پاس سے گزرتے ہوئے اپنی نظریں جھکالیں اور ان سے منہ پھیر لیا۔ عرض کی گئی: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! یہ تو ہمارا سب سے عمدہ مال ہے، آپ اس کی طرف نظر کیوں نہیں فرماتے؟ ارشاد فرمایا: قَدْ نَهَانِيَ اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مجھے اس سے منع فرمایا ہے۔[2] پھر یہ آیتِ مُقَدَّسہ تلاوت فرمائی:

وَ لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۙ۬ لِنَفْتِنَهُمْ فِیْهِ ؕ وَ رِزْقُ رَبِّكَ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰى ﴿۱۳۱﴾ (پ۱۶، طٰہٰ: ۱۳۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اے سننے والے اپنی آنکھیں نہ پھیلا اس کی طرف جو ہم نے کافروں کے جوڑوں کو برتنے کے لئے دی ہے جیتی دنیا کی تازگی کہ ہم انہیں اس کے سبب فتنہ میں ڈالیں اور تیرے رب کا رزق سب سے اچھا اور سب سے دیرپا ہے۔

مَدَنی مصطفٰے صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا زہد اختیاری تھا:

﴿15﴾... حضرت سیِّدُنا مَسْرُوق رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے روایت ہے کہ اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہا فرماتی ہیں: میں نے مکی مدنی مصطفٰے صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی بھوک دیکھ کر روتے ہوئے عرض

---

1 ...شعب الایمان، باب فی الزھد وقصر الامل، ۷/ ۳۴۶، حدیث: ۱۰۵۳۲

2 ...تفسیر روح البیان، پ۴، آل عمران، تحت الایۃ: ۱۹۸، ۲/ ۱۵۵، بتقدم وتاخر بعض الفاظہ

کی: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! اس بارے میں آپ بارگاہِ الٰہی میں عرض کیوں نہیں کرتے؟ تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ! اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! اگر میں اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اس بات کا سوال کروں کہ دنیا کے پہاڑ سونا بن کر میرے ساتھ چلیں اور میں جہاں بھی جاؤں میرے ساتھ ساتھ رہیں تو اللہ عَزَّوَجَلَّ میری اس عرض کو ضرور پورا فرمائے لیکن میں نے دنیا کی بھوک کو شکم سیری پر، فقر کو مال داری پر اور غم کو خوشی پر ترجیح دی ہے۔ اے عائشہ! دنیا میرے اور میری آل کے لائق نہیں ہے۔ اے عائشہ! اللہ عَزَّوَجَلَّ اُولُوا الْعَزْم (ہمت والے) رسولوں سے صرف اس بات پر راضی ہوا ہے کہ وہ دنیا کی تکلیفوں پر اور اس کی آسائشوں کو ترک کرنے پر صبر کریں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مجھے بھی اسی بات کا حکم دیا ہے جس کا رسولوں کو دیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (پ۲٦، الاحقاف: ۳۵)

ترجمۂ کنزالایمان: تو تم صبر کرو جیسا ہمت والے رسولوں نے صبر کیا۔[1]

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! اس کی اطاعت کے سوا میرے پاس کوئی چارۂ کار نہیں۔ بخدا! ان رسولوں کی طرح میں بھی اپنی طاقت کے مطابق صبر کروں گا اور قوت و توفیق اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کی طرف سے ہے۔[2]

اَحوالِ مصطفٰے کی یاد:

مروی ہے کہ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عُمَر فارُوقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے دورِ خلافت میں جب کثیر فتوحات ہوئیں تو آپ کی صاحب زادی اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا حفصہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے آپ سے عرض کی: جب آپ کے پاس بیرونی وفود آئیں تو آپ عمدہ لباس پہن لیا کریں اور اچھا کھانا پکوایا کریں جس میں سے آپ بھی کھائیں اور ان مہمانوں کو بھی کھلائیں۔ یہ سن کر آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: اے بیٹی! کیا تم نہیں جانتیں کہ مرد کے حال کو سب سے بہتر اس کی بیوی جانتی ہے؟ اُمُّ المؤمنین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے عرض کی: جی ہاں! ایسا ہی ہے۔

فرمایا: میں تمہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم نہیں جانتیں کہ حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی

---

1 ...تفسیر روح البیان، پ ۴، ال عمران، تحت الآیۃ: ۱۷۸، ۲/ ۱۳۰

2 ...اخلاق النبی وادابہ، باب ذکر زھدہ صلی اللہ علیہ وسلم... الخ، ص ۱۵۴، حدیث: ۸۰٦

عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اظہارِ نبوت کے بعد اتنے سال دنیا میں گزارے اور اس دوران حالت یہ تھی کہ آپ اور آپ کے اہلِ بیت اگر صبح کو پیٹ بھر کر کھاتے تو شام کو بھوکے رہتے اور اگر شام کو کھاتے تو صبح بھوکے رہتے؟

میں تمہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم نہیں جانتیں کہ رحمتِ عالَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اظہارِ نبوت کے بعد اتنے سال دنیا میں گزارے لیکن آپ نے اور آپ کے اہلِ بیت نے کبھی پیٹ بھر کر کھجوریں تناوُل نہیں فرمائیں یہاں تک کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے خیبر فتح فرمایا؟

میں تمہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم نہیں جانتیں کہ ایک دن تم لوگوں نے رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں ایک اونچے دستر خَوان پر کھانا پیش کیا تو یہ بات آپ کو نہایت ناگوار گزری یہاں تک کہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے چہرۂ مبارک کا رنگ مُتَغَیِّر ہو گیا، پھر آپ کے حکم سے اس دستر خوان کو اٹھا کر کھانا قدرے نیچے یا پھر زمین پر رکھا گیا؟

میں تمہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم نہیں جانتیں کہ مصطفٰے جانِ رحمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ایک ایسی چادر پر آرام فرماتے تھے جس کی دو تہیں کی جاتی تھیں۔ ایک رات تم نے اس چادر کی چار تہیں کر دیں، آپ نے اس پر آرام فرمایا اور بیدار ہونے پر ارشاد فرمایا: ”اس چادر کے ذریعے تم نے مجھے رات کے قیام سے روک دیا ہے، اس کی پہلے کی طرح دو تہیں ہی کیا کرو؟“[1]

میں تمہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم نہیں جانتیں کہ میٹھے میٹھے آقا صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اپنی مبارک قمیص کو اتار کر دھوتے تھے اور حضرت بلال رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ حاضر ہو کر آپ کو نماز کے لئے بلاتے تھے لیکن آپ کے پاس کوئی دوسرا کپڑا نہ ہوتا تھا جسے زیبِ تن فرما کر نماز کے لئے تشریف لے جاتے یہاں تک کہ وہ قمیص سوکھتی اور آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اسے ہی پہن کر نماز کے لئے جاتے؟

میں تمہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم نہیں جانتیں کہ قبیلہ بنو ظفر کی ایک عورت نے پیارے مصطفٰے صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے لئے دو کپڑے تیار کئے ایک تہبند اور ایک چادر اور ایک کپڑا پہلے بھیج دیا۔ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم وہی ایک کپڑا پہن کر نماز کے لئے تشریف لے گئے، اس کے

[1]...طبقات الکبری لابن سعد، ذکر ضجاع رسول اللّٰہ وافتراشہ، ۱/ ۳٦۰

دونوں کناروں میں گردن کے پاس گرہ لگالی اوراسی حالت میں نماز ادا فرمائی؟

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عُمَر فارُوقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ اسی قسم کی باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا حفصہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا رونے لگیں، خود امیر المؤمنین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے بھی روتے ہوئے ایسی چیخ ماری گمان ہوا کہ اسی حالت میں آپ کی روح قَفَسِ عُنْصُری سے پرواز کر جائے گی۔

بعض رِوایات میں اتنا زائد ہے کہ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عُمَر فارُوقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: میرے دونوں رُفَقا (یعنی حضور نبیّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اور امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ) نے ایک راستے کو اختیار کیا تھا، اگر میں ان کے راستے کو چھوڑ کر دوسرے راستے پر چلا تو مجھے اسی دوسرے راستے پر لے جایا جائے گا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میں ان کی سخت زندگی کو اختیار کرنے پر صبر کروں گا تاکہ آخرت میں ان کے ساتھ عیش وراحت کی زندگی پاسکوں۔

انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کی آزمائشیں:

﴿16﴾... حضرت سیِّدُنا ابو سعید خدری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے کہ حضور نبیّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: مجھ سے پہلے کے انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کو فقر کے ذریعے آزمایا جاتا تھا اور وہ صرف ایک چادر پہنتے تھے، نیز جوؤں کے ذریعے ان کی آزمائش کی جاتی تھی یہاں تک کہ ان کے سبب وہ وصال فرماجاتے اور یہ تکلیفیں انہیں اس سے زیادہ پسند تھیں جس قدر تم میں سے کسی کو تحفے کا ملنا پسند ہوتا ہے۔[1]

سیِّدُنا موسٰی عَلَیْہِ السَّلَام کا زہد:

﴿17﴾... حضرت سیِّدُنا ابنِ عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غیوب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: حضرت موسٰی عَلَیْہِ السَّلَام جب مدین کے کنویں پر تشریف لائے تو کمزوری کے باعث ترکاری کی سبزی آپ کے پیٹ مبارک کے باہر سے نظر آتی تھی۔[2]

ان دونوں روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام جو کہ تمام مخلوق میں سب سے

1... المستدرک علی الصحیحین، کتاب الایمان، باب اشد الناس بلاء، ۱/ ۲۰۳، حدیث: ۱۲۶، اختصاراً

2... تفسیر درمنثور، پ۲۰، القصص، تحت الایۃ: ۲۳، ۶/ ۴۰۵

زیادہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی مَعْرِفَت رکھنے والے اور آخرت میں کامیابی کے راستے کو جاننے والے ہیں انہوں نے دنیا سے زہد کو اختیار فرمایا تھا۔

کون سامال بہتر ہے؟

﴿18﴾... حضرت سیِّدُنا عُمَر فارُوقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیتِ مُقَدَّسہ نازل ہوئی:

وَ الَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِۙ (پ١٠، التوبۃ: ٣٤)

ترجمۂ کنزالایمان: اور وہ کہ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔

تو حضور نبیِّ کریم، رَءُوْفٌ رَّحیم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: دنیا کے لئے ہلاکت ہو، درہم ودینار کے لئے تباہی ہو۔[1] صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ہمیں سونا چاندی جمع کرنے سے منع فرمایا ہے، اب ہم کس چیز کو جمع کریں؟ ارشاد فرمایا: لِیَتَّخِذْ اَحَدُکُمْ لِسَانًا ذَاکِرًا وَّقَلْبًا شَاکِرًا وَّزَوْجَۃً صَالِحَۃً تُعِیْنُہٗ عَلٰی اَمْرِ اٰخِرَتِہٖ یعنی تمہیں چاہئے کہ ذکر کرنے والی زبان، شکر بجالانے والا دل اور نیک بیوی اختیار کرو جو اُخروی معاملات میں تمہاری مددگار ہو۔[2]

تین سزائیں:

﴿19﴾... حضرت سیِّدُنا حذیفہ بن یمان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے کہ دو جہاں کے تاجْوَر، سلطانِ بَحر وبَر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: مَنْ اٰثَرَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَۃِ ابْتَلَاہُ اللہُ بِثَلَاثٍ هَمًّا لَّا یُفَارِقُ قَلْبَہٗ اَبَدًا وَّفَقْرًا لَّا یَسْتَغْنِیْ اَبَدًا وَّحِرْصًا لَّا یَشْبَعُ اَبَدًا یعنی جس نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے تین باتوں میں مبتلا فرمادے گا: (۱) ایسا غم جو کبھی اس کے دل سے جدا نہ ہوگا (۲) ایسا فقر جس سے کبھی نجات نہ ملے گی اور (۳) ایسی لالچ جو کبھی ختم نہ ہوگی۔[3]

ایمان کب کامل ہوتا ہے؟

﴿20﴾... لَایَسْتَکْمِلُ الْعَبْدُ الْاِیْمَانَ حَتّٰی یَکُوْنَ اَنْ لَّا یُعْرَفَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ اَنْ یُّعْرَفَ وَحَتّٰی یَکُوْنَ قِلَّۃُ الشَّیْءِ اَحَبَّ اِلَیْہِ

1... المعجم الصغیر، ۲/ ۴۵، حدیث: ۸۹۱، عن ثوبان

2... سنن الترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ التوبۃ، ۵/ ۶۵، حدیث: ۳۱۰۵، بتغیر قلیل، عن ثوبان رضی اللہ عنہ

3... المعجم الکبیر، ۱۰/ ۱۶۲، حدیث: ۱۰۳۲۸، مفھومًا، عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ

مِنْ کَثْرَتِہٖ یعنی بندے کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک اسے گمنامی شہرت سے زیادہ اور (مال و دولت کی) قلت کثرت سے زیادہ محبوب نہ ہو۔[1]

دنیا ایک پُل ہے:

حضرت سیِّدُنا عیسیٰ رُوْحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے ارشاد فرمایا: دنیا ایک پُل ہے، اسے عبور کرو اس کی آباد کاری میں نہ لگو۔ عرض کی گئی: یانَبِیَّ اللہ عَلَیْہِ السَّلَام! ہمیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کے لئے گھر تعمیر کرنے کی اجازت دیجئے۔ ارشاد فرمایا: جاؤ پانی پر گھر تعمیر کر لو۔ عرض کی گئی: پانی پر گھر کیسے تعمیر ہو سکتا ہے؟ ارشاد فرمایا: دنیا کی محبت کے ساتھ عبادت کیسے ہو سکتی ہے۔

پیارے آقا صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی دنیا سے بے رغبتی:

﴿21﴾... اِنَّ رَبِّیْ عَرَضَ عَلَیَّ اَنْ یَّجْعَلَ لِیْ بَطْحَآءَ مَکَّۃَ ذَہَبًا فَقُلْتُ لَا یَا رَبِّ! وَلٰکِنْ اَجُوْعُ یَوْمًا وَّاَشْبَعُ یَوْمًا فَاَمَّا الْیَوْمُ الَّذِیْ اَجُوْعُ فِیْہِ فَاَتَضَرَّعُ اِلَیْکَ وَاَدْعُوْکَ وَاَمَّا الْیَوْمُ الَّذِیْ اَشْبَعُ فِیْہِ فَاَحْمَدُکَ وَاُثْنِیْ عَلَیْکَ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مجھے اس بات کی پیشکش کی کہ وہ میرے لئے وادیٔ مکہ کو سونے کا بنا دے لیکن میں نے عرض کی: اے میرے رب عَزَّوَجَلَّ! میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میں ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن کھانا کھاؤں، جس دن بھوکا رہوں اس دن تیری بارگاہ میں عاجزی اور دعا کروں اور جس دن کھانا کھاؤں اس دن تیری حمد و ثنا بجالاؤں۔[2]

﴿22﴾... حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ سرکارِ والا تَبار، ہم بے کسوں کے مددگار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ایک دن حضرت سیِّدُنا جبریل امین عَلَیْہِ السَّلَام کے ہمراہ کاشانۂ اقدس سے باہر آئے اور کوہِ صفا پر تشریف لے گئے۔ آپ نے حضرت سیِّدُنا جبرائیل عَلَیْہِ السَّلَام سے ارشاد فرمایا: اے جبرائیل! اس ذاتِ پاک کی قسم جس نے تمہیں حق کے ساتھ بھیجا! محمد صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اہلِ خانہ نے اس حال میں شام کی ہے کہ ان کے پاس نہ تو مٹھی بھر ستو تھے اور نہ ہی آٹا۔ ابھی یہ بات مکمل بھی نہ ہوئی تھی کہ آسمان سے ایک خوفناک آواز سنائی دی جس نے آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو پریشان

1... قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون، شرح مقامات الیقین، ١/ ٤٢٥

2... سنن الترمذی، کتاب الزھد عن رسول اللہ، باب ماجاء فی الکفاف والصبر علیہ، ٤/ ١٥٥، حدیث: ٢٣٥٤، بتغیر قلیل

کر دیا، آپ نے استفسار فرمایا: کیا اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قیامت قائم ہونے کا حکم فرمادیا ہے؟ حضرت سیِّدُنا جبریل امین عَلَیْہِ السَّلَام نے عرض کی: نہیں بلکہ یہ اسرافیل عَلَیْہِ السَّلَام ہیں جو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی بات سن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ چنانچہ حضرت سیِّدُنا اسرافیل عَلَیْہِ السَّلَام نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی: اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ کی بات سن کر مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے کر بھیجا ہے اور حکم ارشاد فرمایا ہے کہ میں آپ کی بارگاہ میں عرض کروں کہ اگر آپ چاہیں تو مکہ کے پہاڑ زمرد، یاقوت، سونا اور چاندی بن کر آپ کے ساتھ چلا کریں۔ آپ چاہیں تو بادشاہ نبی بنیں اور چاہیں تو بندگی والے نبی۔ حضرت سیِّدُنا جبریل امین عَلَیْہِ السَّلَام نے اشارہ کیا کہ آپ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے عاجزی اختیار فرمائیں۔ چنانچہ نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے تین بار ارشاد فرمایا: میں بندگی والا نبی رہوں گا۔[1]

﴿23﴾... اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدٍ خَیْرًا زَھَّدَہٗ فِی الدُّنْیَا وَرَغَّبَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ وَبَصَّرَہٗ بِعُیُوْبِ نَفْسِہٖ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ جب کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے دنیا سے بے رغبت کر کے آخرت کی طرف راغب فرمادیتا ہے اور اسے اس کے عیوب کی پہچان نصیب فرماتا ہے۔[2]

اللہ عَزَّوَجَلَّ کا محبوب بننے کا نسخہ:

﴿24﴾... اِزْھَدْ فِی الدُّنْیَا یُحِبَّکَ اللّٰہُ وَازْھَدْ فِیْمَا فِیْ اَیْدِی النَّاسِ یُحِبَّکَ النَّاسُ یعنی دنیا سے بے رغبتی اختیار کرو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب بن جاؤ گے اور لوگوں کے پاس موجود چیزوں سے بے رغبتی اختیار کرو لوگ بھی تم سے محبت کرنے لگیں گے۔[3]

﴿25﴾... مَنْ اَرَادَ اَنْ یُّؤْتِیَہُ اللّٰہُ عِلْمًا بِغَیْرِ تَعَلُّمٍ وَّھُدًی بِغَیْرِ ھِدَایَۃٍ فَلْیَزْھَدْ فِی الدُّنْیَا یعنی جو شخص اس بات کی خواہش رکھتا ہو کہ اسے بغیر سیکھے علم اور بغیر کوشش کے ہدایت کی دولت حاصل ہو جائے تو اسے چاہئے کہ دنیا سے بے رغبتی اختیار کرے۔[4]

مصائب و آلام سے چھٹکارا:

﴿26﴾... مَنِ اشْتَاقَ اِلَی الْجَنَّۃِ سَارَعَ اِلَی الْخَیْرَاتِ وَمَنْ خَافَ مِنَ النَّارِ لَھَا عَنِ الشَّھَوَاتِ وَمَنْ تَرَقَّبَ الْمَوْتَ تَرَکَ اللَّذَّاتِ

1... المعجم الاوسط، ۵/ ۱۶۵، حدیث: ۶۹۳۷

2... شعب الایمان للبیہقی، باب فی الزھد وقصر الامل، ۷/ ۳۴۷، حدیث: ۱۰۵۳۵، دون قولہ ''ورغبہ فی الاخرۃ''

3... سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب الزھد فی الدنیا، ۴/ ۴۲۲، حدیث: ۴۱۰۲

4... حلیۃ الاولیاء، الفضیل بن عیاض، ۸/ ۱۴۳، حدیث: ۱۱۶۴۷، مفھومًا

وَمَنْ زَهِدَ فِي الدُّنْيَا هَانَتْ عَلَيْهِ الْمُصِيبَاتُ یعنی جنت کا شوقین شخص نیکیوں میں جلدی کرتا ہے، دوزخ سے ڈرنے والا نفسانی خواہشات کو فراموش کر دیتا ہے، موت کو پیشِ نظر رکھنے والا راحت وآرام کو ترک کر دیتا ہے اور دنیا سے بے رغبتی اختیار کرنے والے پر مصیبتیں آسان ہو جاتی ہیں۔ (1)

《27》... رحمتِ عالم صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم اور حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ الله عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا فرمانِ عالیشان ہے: اَرْبَعٌ لَّا يُدْرَكْنَ اِلَّا بِتَعَبٍ: اَلصَّمْتُ وَهُوَ اَوَّلُ الْعِبَادَةِ وَالتَّوَاضُعُ وَكَثْرَةُ الذِّكْرِ وَقِلَّةُ الشَّيْءِ یعنی چار چیزیں ایسی ہیں جنہیں خوب کوشش کے بعد ہی حاصل کیا جا سکتا ہے: (۱) خاموشی اور یہی عبادت کی ابتدا ہے (۲) عاجزی (۳) ذِکْرُ الله کی کثرت اور (۴) دنیوی مال واسباب کی کمی۔ (2)

بِعثَتِ انبیا کا مقصد:

محبّتِ دُنیا کی مذمّت اور اس سے نفرت کی فضیلت میں وارد شدہ تمام روایات کو ذکر کرنا ممکن نہیں۔ انبیائے کرام عَلَیْهِمُ السَّلَام کو دنیا میں بھیجنے کا مقصد ہی یہ تھا کہ مخلوق کے دلوں کو محبّتِ دنیا سے پاک کر کے آخرت کی محبت سے معمور فرمائیں، لہٰذا ان نُفُوسِ قُدسیہ نے مخلوق سے جو کلام فرمایا اس کا اکثر حصہ انہی باتوں پر مشتمل ہے۔ ہم نے جو کچھ ذکر کیا یہ عقل مند کے لئے کافی ہے اور ہم الله عَزَّوَجَلَّ سے مدد طلب کرتے ہیں۔

فضیلَتِ زُہد پر مشتمل 18 اقوالِ بزرگانِ دِین:

《1》... لَا اِلٰهَ اِلَّا الله بندوں سے اس وقت تک عذابِ الٰہی کو دور کرتا رہے گا جب تک وہ اس دنیوی چیز کا سوال نہ کریں جو ان کے پاس کم ہے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جب تک وہ دنیوی معاملات کو دین پر ترجیح نہ دیں۔ جب وہ ایسا کریں اور پھر لَا اِلٰهَ اِلَّا الله کہیں تو الله عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: كَذَبْتُمْ لَسْتُمْ بِهَا صَادِقِيْنَ یعنی تم نے جھوٹ کہا، تم اپنی اس بات میں سچے نہیں ہو۔

《2》... ایک صحابی رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْه فرماتے ہیں: ہم نے تمام اعمال کو کر کے دیکھا لیکن آخرت کے معاملے میں دنیا سے بے رغبتی سے زیادہ کسی عمل کو مؤثّر نہ پایا۔

---

1 ... الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي، الرقم: ٨٠٠ سعد بن سعيد يلقب سَعْدَوَيْه جُرْجَانِيّ يكنى ابا سعيد، ٤/ ٣٩٧

2 ... المستدرك، كتاب الرقاق، باب اعلام النور في الصدور، ٥/ ٤٤٢، حديث: ٧٩٣٤، بتغير قليل

﴿3﴾... ایک صحابی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اولین تابعین کرام رَحِمَہُمُ اللّٰہُ السَّلَام سے فرمایا: تمہارے مجاہدات اوراعمال صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان سے زیادہ ہیں، اس کے باوجود وہ تم سے افضل ہیں۔ عرض کی گئی: اس کا کیا سبب ہے؟ فرمایا: وہ حضرات تمہاری نسبت دنیا سے زیادہ بے رغبت تھے۔

بدن اور دل کی راحت کا سبب:

﴿4﴾... حضرت سیِّدُنا عُمَر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ فرماتے ہیں: دنیا سے بے رغبتی بدن اور دل کی راحت کا سبب ہے۔

﴿5﴾... حضرت سیِّدُنا بلال بن سعد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: گناہ گار ہونے کے لئے اتنی بات ہی کافی ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ہمیں دنیا سے بے رغبتی دلاتا ہے اور ہم اسی میں راغب ہوتے ہیں۔

گم شدہ چیز:

﴿6﴾... ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا سُفیان ثَوری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی کی خدمت میں عرض کی: میں کسی زاہد (یعنی دنیا سے بے رغبت) عالم کی زیارت کرنا چاہتا ہوں؟ آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: تیری خرابی ہو! یہ ایک ایسی گمشدہ چیز ہے جو اب نہیں پائی جاتی۔

﴿7﴾... حضرت سیِّدُنا وَہب بن مُنَبِّہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: جنت کے آٹھ دروازے ہیں، جب اہلِ جنت ان میں سے داخل ہونا چاہیں گے تو دروازوں پر مُقرَّر فِرِشتے کہیں گے: ہمارے رب عَزَّوَجَلَّ کی عزت کی قسم! جنت کے عاشقوں اور دنیا سے بے رغبت رہنے والوں سے پہلے کوئی شخص جنت میں نہیں جائے گا۔

تین نادر خواہشات:

﴿8﴾... حضرت سیِّدُنا یوسُف بن اَسباط رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں تین باتوں کی خواہش کرتا ہوں جب میری موت واقع ہو تو: (۱)... میری مِلکِیَّت میں ایک بھی درہم نہ ہو (۲)... مجھ پر کسی کا قرض نہ ہو اور (۳)... میری ہڈیوں پر گوشت نہ ہو۔ چنانچہ آپ کی یہ تینوں خواہشات پوری ہوئیں۔

اہل وعیال کی تربیت:

﴿9﴾... بنو عباس کے ایک خلیفہ نے فقہا کے لئے تحائف بھیجے جنہیں ان حضرات نے قبول کرلیا جبکہ حضرت

سیِّدُنا فُضَیل بن عِیاض رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کی خدمت میں 10 ہزار درہم کا نذرانہ پیش کیا لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا۔ آپ کے بیٹوں نے عرض کی: فقہا نے خلیفہ کے تحائف قبول کر لئے جبکہ آپ اس قدر تنگ دستی کے باوجود واپس کر رہے ہیں؟ یہ سن کر حضرت سیِّدُنا فُضَیل بن عِیاض رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے روتے ہوئے فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ میری اور تمہاری مثال کیا ہے؟ ہماری مثال ایسی ہے جیسے کسی کے پاس ایک گائے ہو جس سے وہ کھیتی باڑی کرتا ہو۔ جب وہ بوڑھی ہو کر کھیتی کے قابل نہ رہی تو اس کی کھال سے نفع حاصل کرنے کے لئے اسے ذبح کر دیا۔ تمہارا معاملہ بھی یہی ہے کہ تم بڑھاپے میں مجھے ذبح کرنا چاہتے ہو۔ اے میرے اہل وعیال! تمہارا بھوک سے مر جانا اس سے بہتر ہے کہ تم فضیل کو ذبح کر دو۔

سیِّدُنا عیسٰی عَلَیْہِ السَّلَام کا زہد:

﴿10﴾... حضرت سیِّدُنا عبید بن عمیر رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام بالوں کا لباس پہنتے اور درختوں کے پتے تناول فرماتے تھے۔ آپ عَلَیْہِ السَّلَام کی کوئی اولاد نہ تھی کہ جس کی موت واقع ہو، نہ کوئی گھر تھا کہ جس کی ویرانی کا خوف ہو اور نہ ہی آپ اگلے دن کے لئے جمع فرماتے تھے۔ رات کے وقت جہاں جگہ ملتی وہیں آرام فرما ہو جاتے۔

﴿11﴾... حضرت سیِّدُنا ابو حازِم رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کی زوجہ نے آپ سے عرض کی: سردی کا موسم آچکا ہے اور اس موسم کے لئے کھانے، کپڑوں اور لکڑی کی ضرورت ہے؟ آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: ان سب چیزوں کے بغیر تو گزارہ ممکن ہے لیکن موت سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں، موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں پیش ہونے کا مُعاملہ ہے اور آخرِ کار جنّت یا جہنّم ٹھکانا ہے۔

﴿12﴾... حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی سے عرض کی گئی: آپ اپنے کپڑوں کو دھوتے کیوں نہیں؟ فرمایا: موت اس سے بھی جلد آنے والی ہے۔

دلوں پر تین پردے:

﴿13﴾... حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن اَدْہَم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم فرماتے ہیں: ہمارے دلوں پر تین پردے چڑھے ہوئے ہیں اور بندہ یقین کے درجے پر اسی وقت فائز ہو سکتا ہے جب یہ رکاوٹیں ختم ہو جائیں: (۱)... جو چیز

موجود ہے اس پر خوش ہونا(۲)...جو موجود نہیں اس پر غم ناک ہونا اور (۳)...تعریف کئے جانے پر خوش ہونا۔ توجو موجود چیز پر خوش ہو وہ حریص ہے اور حریص محروم رہتا ہے، جو غیر موجود چیز پر غمگین ہو وہ تقدیر سے ناراض ہے اور تقدیر سے ناراض ہونے والا عذاب کا حق دار ہے جبکہ تعریف سن کر خوش ہونے والا خود پسندی کا شکار ہے اور خود پسندی کے سبب اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔

﴾14﴿...حضرت سیِّدُنا عبدُاللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: جس شخص کو زہد کی دولت حاصل ہو اس کا دو رکعت نماز ادا کرنا اللہ عَزَّوَجَلَّ کو (غیرِ زاہد) عبادت گزاروں کی ہمیشہ کی عبادت سے زیادہ پسند ہے۔

بڑی نعمت:

﴾15﴿...ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمتوں میں سے دنیا کو ہم سے دور کرنے کی نعمت دنیا عطا فرمانے کی نعمت سے بڑی ہے۔

غالباً ان کے پیشِ نظر یہ فرمانِ مصطفٰے تھا: بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے محبوب بندے کو دنیا سے اس طرح بچاتا ہے جس طرح تم اپنے مریض کو کھانے اور پینے سے بچاتے ہو جس سے اسے نقصان کا اندیشہ ہو۔[1]

اس حدیثِ پاک کو سمجھنے سے یہ بھی پتا چلا کہ کوئی چیز نہ دے کر صحت تک پہنچانے والی نعمت کوئی چیز دے کر بیماری تک پہنچانے والی نعمت سے بڑی ہے۔

﴾16﴿...حضرت سیِّدُنا سُفیان ثَوری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرمایا کرتے تھے: دنیا باقی رہنے کا نہیں بلکہ ہلاکت کا مقام ہے، خوشی کا نہیں بلکہ رنج و غم کا مقام ہے۔ جس شخص کو اس بات کی معرفت حاصل ہو گئی وہ نہ تو کسی نعمت پر خوش ہو گا اور نہ ہی کسی محرومی پر غم زدہ۔

﴾17﴿...حضرت سیِّدُنا سَہل تُستَری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی فرماتے ہیں: کسی عبادت گزار کا عمل اس وقت تک خالص نہیں ہو سکتا جب تک اسے چار چیزوں کا خوف نہ ہو: (۱)...بھوک (۲)...بے لباسی (۳)...فقر اور (۴)...ذلت۔

نیک لوگوں کے حالات:

﴾18﴿...حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: میں ایسے نیک بندوں کی صحبت میں رہا ہوں

---

[1]...المسند للامام احمد بن حنبل، حدیث محمود بن لبید، ۹/ ۱۵۹، حدیث: ۲۳۶۸۹

جو نہ تو کسی دنیوی چیز کے آنے پر خوش ہوتے تھے اور نہ ہی اس کے جانے پر افسوس کرتے تھے، دنیا ان کی نگاہوں میں مٹی سے بھی کم حَیثِیَّت رکھتی تھی ۔ان میں سے ایک شخص 50 یا 60 سال تک زندہ رہتا تھا لیکن نہ تو اس کے لئے کپڑا تہہ کیا جاتا اور نہ ہی ہانڈی چڑھائی جاتی، نہ تو وہ زمین پر کچھ بچھاتا اور نہ ہی گھر والوں سے کھانا پکانے کی فرمائش کرتا۔ جب رات آتی تو یہ نُفُوسِ قُدْسِیہ بارگاہِ خداوندی میں قیام اور سجدے بجالاتے، خوفِ خدا کے باعث ان کے رخساروں پر آنسوؤں کا دھارا جاری ہو جاتا اور یہ رو رو کر اللہ عَزَّوَجَلَّ سے عذابِ جہنم سے نجات کی دعا کرتے۔ ان حضرات کو جب نیک اعمال کی توفیق ملتی تو اس نعمت کا شکر بجالانے میں مصروف ہو جاتے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ سے قبُولِیَّت کا سوال کرتے اور اگر بتقاضائے بَشَرِیَّت کوئی گناہ سرزد ہو جاتا تو غم زدہ ہو جاتے اور بارگاہِ خداوندی میں معافی کے خواستگار ہوتے۔ یہ اللہ والے اسی حالت پر قائم رہے مگر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! اس کے باوجود یہ لوگ گناہوں سے محفوظ نہ رہے اور ان کی نجات صرف اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل و کرم سے ممکن ہوئی۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ان پر رحمت و رضوان کی بارش برسائے! (اٰمین)

زھد کے مختلف درجات واقسام

زہد کی تقسیم تین طرح سے کی جاسکتی ہے: (۱) نفسِ زہد کی اقسام (۲) مَرْغُوْب عَنْہ (یعنی جس چیز سے بے رغبتی کی جائے اس) کے اعتبار سے زہد کی اقسام (۳) مَرْغُوْب فِیْہ (یعنی جس شے میں رغبت کی جائے اس) کے اعتبار سے زہد کی اقسام[1]۔

نفسِ زھد کے درجات

زہد کی قوت کے مختلف ہونے کے اعتبار سے اس کے تین درجے ہیں:

❀... **پہلا دَرَجہ:** تینوں درجات میں سب سے ادنیٰ ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ بندے کو دنیا کی خواہش ہے اور اس کا دل بھی اس کی طرف مائل ہے لیکن یہ نفس سے مُقابَلہ کرے اور بکوشش خود کو روک کر زہد اختیار کرے۔ تصوُّف کی اِصطِلاح میں ایسے شخص کو ''مُتَزَہِّد'' کہا جاتا ہے۔ جو شخص کوشش اور کسب کے ذریعے زہد کے مرتبے پر فائز ہونا چاہے اس کے لئے مذکورہ صورت (یعنی زاہد بننا) زہد کا نکتۂ آغاز ہے۔

1... کتاب میں ہر جگہ مَرْغُوْب عَنْہ اور مَرْغُوْب فِیْہ سے یہی معنیٰ مراد ہوں گے۔

مُتَزَهِّد پہلے اپنے نفس سے مقابلہ کرکے اسے زہد کے لئے تیار کرتا ہے اور پھر اپنے مال سے مقابلہ کرکے دنیا کو اپنے سے دور کرتا ہے جبکہ زاہد پہلے اپنے مال سے مقابلہ کرتا ہے اور پھر نیکیوں کے معاملے میں اپنے نفس سے مقابلہ کرتا ہے، اسے اس بات کی ضرورت نہیں ہوتی کہ جو دنیا اس نے اپنے آپ سے دور کردی ہے اس پر صبر کرنے کے لئے نفس سے مقابلہ کرے۔ "مُتَزَهِّد" مسلسل خطرے سے دوچار رہتا ہے کیونکہ بعض اوقات نفس اس پر غالب آجاتا اور شہوت اسے اپنی طرف مائل کرلیتی ہے جس کی وجہ سے یہ دوبارہ دنیا اور اس کی نعمتوں میں مشغول ہوجاتا ہے۔

...**دوسرا درجہ:** زہد کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ بندہ دنیا پر قادر ہونے کے باوجود اسے آخرت کے مقابلے میں حقیر جانتے ہوئے ترک کردے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص دو درہم حاصل کرنے کے لئے ایک درہم کو چھوڑ دے۔ ایسے شخص کو اگرچہ تھوڑا انتظار کرنا پڑتا ہے لیکن یہ بات اسے گراں نہیں گزرتی، البتہ یہ زاہد لامحالہ اپنے زہد کو دیکھتا اور اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے جیسے کسی چیز کو بیچنے والا اپنی چیز کو دیکھتا اور اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اس شخص کے بارے میں یہ اندیشہ ہے کہ یہ اپنی ذات اور اپنے زہد کے معاملے میں خود پسندی کا شکار ہوجائے اور یہ گمان کرنے لگے کہ میں نے ایک قابلِ قدر چیز کو اس سے اعلیٰ چیز کے لئے ترک کیا ہے، اس قسم کی سوچ نقصان کا باعث ہے۔

...**تیسرا درجہ:** یہ درجہ پہلے دونوں درجوں سے اعلیٰ ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ بندہ اختیاری طور پر دنیا کو ترک کردے اور پھر اپنے زہد میں بھی زہد اختیار کرے یعنی اپنے آپ کو زاہد نہ سمجھے، چونکہ اس کے نزدیک دنیا کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے اس لئے وہ یہ نہ سمجھے کہ میں نے کسی چیز کو ترک کیا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کو مٹی کے ڈھیلے کے عوض قیمتی موتی حاصل ہوجائے تو وہ اسے کوئی مُعاوَضہ نہیں سمجھتا اور نہ ہی یہ گمان کرتا ہے کہ میں نے اس موتی کو حاصل کرنے کے لئے کسی چیز کو ترک کیا ہے، اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اُخْرَوی نعمتوں کے مقابلے میں دنیا اس سے کہیں زیادہ حقیر ہے جتنا کہ مٹی کا ڈھیلا قیمتی موتی کے سامنے۔ یہ زہد کا کمال درجہ ہے اور یہ اُسے حاصل ہوتا ہے جسے معرفت کا کمال حاصل ہو۔ جس طرح مٹی کے ڈھیلے کے عوض قیمتی موتی پانے والے شخص کے بارے میں اس بات کا اندیشہ نہیں ہوتا کہ وہ اس سودے کو ختم

کرے اسی طرح زہد کے اس درجے پر فائز شخص اس بات سے مامون و محفوظ ہوتا ہے کہ وہ دوبارہ دنیا کی لذتوں میں مشغول ہو جائے۔

دنیا اس قابل ہی نہیں کہ اس میں زہد اختیار کیا جائے:

حضرت سیِّدُنا ابو یزید بسطامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی نے حضرت سیِّدُنا ابو موسیٰ عبد الرحیم عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الکَرِیم سے پوچھا: آپ کس چیز کے بارے میں بات کر رہے ہیں؟ انہوں نے کہا: زہد کے بارے میں۔ پھر پوچھا: کس چیز میں زہد کے بارے؟ فرمایا: دنیا سے زہد کے بارے میں۔ حضرت سیِّدُنا ابو یزید بسطامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی نے اپنے ہاتھ جھاڑتے ہوئے فرمایا: میں سمجھا کہ آپ کسی قابلِ ذکر چیز کے بارے میں بات کر رہے ہیں، دنیا کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں ہے پھر اس میں زہد کیسے اختیار کیا جائے۔

آخرت کے لئے دنیا کو ترک کرنے والے کی مثال:

مَعْرِفَت، مُشاہَدات اور مُکاشَفات سے آباد دلوں والے حضرات کے نزدیک آخرت کے لئے دنیا کو ترک کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کو بادشاہ کے دروازے پر موجود کُتّا اندر جانے سے روک دے، یہ شخص اس کتے کے آگے روٹی کا ایک لقمہ ڈال دے اور جب وہ اسے کھانے میں مشغول ہو تو یہ اندر داخل ہو جائے، پھر اسے بادشاہ کا قرب نصیب ہو جائے یہاں تک کہ پوری سلطنت میں اس کا حکم جاری ہو جائے۔ کیا تمہارے خیال میں وہ شخص بادشاہ پر اپنا احسان سمجھے گا کہ اس کا قرب پانے کے عوض میں نے اس کے کتے کے آگے روٹی کا لقمہ ڈالا تھا۔

شیطان بھی ایک کتے کی طرح ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے دروازے پر موجود ہے اور لوگوں کو اندر داخل ہونے سے روکتا ہے اگرچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت کا دروازہ کھلا ہوا ہے، پردے اٹھا دیئے گئے ہیں اور ہر کسی کو داخلے کی اجازت ہے۔ دنیا اپنی تمام تر نعمتوں سمیت روٹی کے ایک لقمے کی مانند ہے، اگر تم اسے کھالو تو اس کی لذت صرف چبانے کے وقت تک محدود ہے، حلق سے نیچے اترتے ہی اس کی لذت ختم ہو جاتی ہے، معدے میں اس کا بوجھ باقی رہتا ہے اور آخرِ کار یہ گندگی اور نجاست کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور انسان اسے اپنے جسم سے باہر نکالنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ جو شخص ایسی حقیر چیز کو بادشاہ کا قرب پانے کے لئے ترک کر دے

بھلا وہ دوبارہ اس کی طرف کیسے متوجہ ہو سکتا ہے؟

کوئی شخص اگرچہ 100 سال تک زندہ رہے لیکن اسے دی جانے والی دنیا کو آخرت میں ملنے والی نعمتوں سے وہ نسبت بھی نہیں ہے جو روٹی کے ٹکڑے اور بادشاہ کے قرب کی نعمت کے درمیان ہے کیونکہ متناہی چیز (یعنی جس کی کوئی انتہا ہو) کو لامتناہی چیز (یعنی جس کی کوئی انتہا نہ ہو) سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی۔ دنیا عنقریب ختم ہونے والی ہے، اگر بالفرض یہ ایک لاکھ سال تک باقی رہے اور اسکے ساتھ ساتھ یہ بالکل صاف شفّاف بھی ہو اس میں کوئی میل کچیل نہ ہو تو بھی اسے آخرت کی ہمیشہ رہنے والی نعمتوں سے کوئی نسبت نہیں جبکہ حقیقت تو یہ ہے کہ انسان کی عُمُر قلیل اور دُنیوی لذات آلودہ اور میلی ہوتی ہیں، بھلا ایسی چیز کو آخرت سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔

یہ زہد کے مختلف درجات ہیں اور ان میں سے ہر ایک درجے کے کئی ذیلی درجے بھی ہیں کیونکہ مُتَزَہِّد کو زہد کی ابتدا میں جو صبر کرنا پڑتا ہے اور اس راہ میں جو مشقتیں درپیش ہوتی ہیں وہ مختلف قسم کی ہوتی ہیں نیز اپنے زہد کے حوالے سے خود پسندی کے شکار شخص کے اپنے زہد کی طرف متوجہ ہونے کی مقدار کے سبب اس درجے میں بھی تقسیم ہوتی ہے۔

مرغوب فیہ کے اعتبار سے زہد کے درجات

مرغوب فیہ کے اعتبار سے بھی زہد کے تین درجے ہیں:

...**پہلا درجہ:** یہ سب سے ادنیٰ درجہ ہے کہ بندے کا مرغوب و مطلوب عذابِ جہنم اور ان دیگر مَصائب و آلام سے چھٹکارے کا حصول ہو جن کی احادیثِ مبارکہ میں خبر دی گئی ہے مثلاً: عذابِ قبر، حساب کی سختی، پُل صراط سے گزرنا اور دیگر مشکل معاملات۔

مروی ہے کہ ایک شخص کو حساب کتاب کے لئے کھڑا کیا جائے گا تو اسے اس قدر پسینہ آئے گا کہ اگر 100 پیاسے اونٹ بھی اسے پیئیں تو اچھی طرح سیراب ہو جائیں۔[1]

زہد کی یہ قسم خائفین کا حصہ ہے، کیونکہ روزِ قیامت مال دار کو اس کے مال کے سبب روکا جائے گا جبکہ دنیا سے تہی دامن افراد حساب کتاب سے فوراً چھٹکارا پالیں گے، لہٰذا وہ اس بات پر راضی ہوتے ہیں کہ اگر

[1]... المسند للامام احمد بن حنبل، مسند عبد اللہ بن العباس، ١/ ٦٥٢، حدیث: ٢٧٧١، بتغیر، ''مائة'' بدلہ ''الف''

دنیوی مال واسباب نہ ہونے سے چھٹکارا حاصل ہوتا ہے تو پھر یہ ہمارے پاس نہ ہوں۔

...**دوسرا درجہ:** یہ ہے کہ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے ملنے والے ثواب، نعمتوں اور جنت میں جن انعامات کا وعدہ کیا گیا ہے مثلاً: حوریں، محلّات وغیرہ ان پر نظر رکھتے ہوئے زہد اختیار کیا جائے۔

زہد کی یہ قسم امید رکھنے والوں کا حصہ ہے، یہ حضرات صرف اخروی مصائب وآلام سے چھٹکارے کی خاطر دنیا کو ترک نہیں کرتے بلکہ ان کی نظر ہمیشہ رہنے والی نعمتوں اور نہ ختم ہونے والی راحتوں پر بھی ہوتی ہے۔

...**تیسرا درجہ:** تیسرا اور اعلیٰ ترین درجہ یہ ہے کہ بندہ صرف اور صرف **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی محبت کے سبب اور اس کے دیدار کی دولت پانے کے لئے زہد اختیار کرے، نہ تو اس کا دل اخروی عذابوں کی طرف متوجہ ہو کہ ان سے خلاصی کا خیال دل میں آئے اور نہ ہی جنتی نعمتوں کی طرف توجہ ہو کہ انہیں پانے کی تمنا پیدا ہو بلکہ وہ ہمہ تن **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی محبت میں گم ہو۔ ایسا شخص اس مقام پر فائز ہوتا ہے کہ جب یہ صبح کرتا ہے تو اس کی ایک ہی لگن ہوتی ہے (یعنی رضائے الٰہی کا حصول)۔ یہ شخص حقیقی معنٰی میں صاحبِ توحید ہے کہ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے علاوہ کسی کی طلب نہیں کرتا جبکہ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے سوا کسی چیز کو طلب کرنے والا گویا اس چیز کا بندہ ہے۔ ہر مطلوب چیز ایک معنٰی کے اعتبار سے معبود ہے جبکہ ہر طالب اپنے مطلوب کی طرف نسبت کے لحاظ سے اس کا بندہ ہے اور **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے سوا کسی چیز کی طلب شرک خفی ہے۔

زہد کی یہ اعلیٰ ترین قسم اہلِ محبت کا حصہ ہے اور یہی حضرات معرفتِ الٰہی رکھنے والے ہیں کیونکہ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی خاص محبت صرف اسی کو حاصل ہوتی ہے جو عارِف بِاللہ ہو۔

مثال:

ایک شخص کو دینار اور درہم دونوں کی پہچان حاصل ہو اور وہ یہ بات بھی جانتا ہو کہ میں ان دونوں کو جمع نہیں کر سکتا تو وہ لازمی طور پر دینار کو ہی اختیار کرے گا۔ یونہی جسے **اللہ** عَزَّوَجَلَّ اور اس کے وجہِ کریم کی زیارت کی معرفت حاصل ہو اور یہ بات بھی اس کے علم میں ہو کہ اس لذت کو اور حوروں سے لطف اندوز ہونے نیز جنتی محلات وباغات کو دیکھنے کی لذت کو جمع کرنا ناممکن ہے تو وہ لازماً زیارتِ باری تعالیٰ کی لذت کو اختیار کرے گا اور کسی دوسری چیز کو ہرگز اس پر ترجیح نہ دے گا۔

تنبیہ:

ہر گز یہ گمان نہیں کرنا چاہئے کہ اہلِ جنَّت جب زیارتِ باری تعالیٰ کی سعادت سے مشرف ہوں گے تو اس وقت ان کے دلوں میں حوروں اور جنتی محلات کی لذت کو پانے کی خواہش باقی ہو گی۔ اس اعلیٰ ترین نعمت کی لذت کے مقابلے میں دیگر جنتی نعمتوں کی لذت کا معاملہ ایسے ہے جیسے پوری کی پوری دنیا اور اس کی تمام مخلوق کا مالک بننے کی لذت کے مقابلے میں ایک چڑیا کے ہاتھ آنے اور اس سے کھیلنے کی لذت۔ عارف اور صاحبِ دل کے نزدیک جنتی نعمتوں کے طالب ایسے ہی ہیں جیسے پوری دنیا کی ملکیّت کی لذت کو ترک کر کے چڑیا سے کھیلنے کی لذت کو طلب کرنے والا بچہ، بچے کی اس طلب کا سبب یہ ہوتا ہے کہ اسے ملکیتِ دنیا کی لذت کا ادراک حاصل نہیں ہے، نہ یہ کہ حقیقت میں چڑیا سے کھیلنے کی لذت ملکیّتِ دنیا کی لذت سے عمدہ و اعلیٰ ہے۔

مرغوب عنہ کے اعتبار سے زہد کے درجات

جس چیز سے بے رغبتی اختیار کی جائے اس کے اعتبار سے زہد کی تقسیم کے بارے میں بزرگانِ دین رَحِمَهُمُ اللهُ الْمُبِین کے مختلف اقوال ہیں جو کہ شاید 100 سے بھی زیادہ ہیں، لہٰذا ہم انہیں نقل کرنے کے بجائے کچھ ایسی باتوں کی طرف اشارہ کریں گے جو تفصیلات کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہوں تا کہ یہ واضح ہو جائے کہ اس بارے میں منقول اکثر اقوال تمام اقسام کا احاطہ کرنے سے قاصر ہیں۔

ہم کہتے ہیں: جس چیز سے بے رغبتی اختیار کی جائے وہ یا تو اجمالی ہو گی یا تفصیلی، اگر تفصیلی ہو تو اس کے کئی مراتب ہیں جن میں سے بعض بعض اقسام کو زیادہ واضح کرتے ہیں جبکہ بعض میں زیادہ وضاحت نہیں ہوتی۔

۞...**پہلے درجے میں اجمال:** یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا ہر چیز مرغوب عنہ ہے، لہٰذا ہر چیز سے بے رغبتی اختیار کی جائے حتّٰی کہ اپنے آپ سے بھی۔

۞...**دوسرے درجے میں اجمال:** یہ ہے کہ نفس کی ہر وہ صِفَت جس میں نفس کا فائدہ ہو اس سے زہد اختیار کرے۔ یہ درجہ ان تمام چیزوں کو شامل ہے جن کا انسانی طبیعت تقاضا کرتی ہے۔ مثلاً: شہوت، غصہ، تکبُّر، حکومت، مال اور عزت وغیرہ۔

۞...**تیسرے درجے میں اجمال:** یہ ہے کہ عزت و مال اور ان کے اسباب میں زہد اختیار کیا جائے کیونکہ تمام

نفسانی لذات کی بنیاد انہی دونوں پر ہے۔

...چوتھے درجے میں اجمال: یہ ہے کہ علم، قدرت، درہم و دینار اور عزت و مرتبہ کے معاملے میں زہد اختیار کیا جائے۔ اگرچہ مال کی کثیر اقسام ہیں لیکن درہم و دینار ان تمام کو شامل ہے، یونہی عزت و مرتبہ کے اگرچہ کثیر اسباب ہیں لیکن علم، طاقت اور قدرت ان سب کو شامل ہیں۔ علم وقدرت سے ہماری مراد وہ علم وقدرت ہیں جن سے مقصود لوگوں کے دلوں کا مالک بننا ہو کیونکہ جاہ کا معنٰی دلوں کا مالک بننا اور ان پر قدرت حاصل ہونا ہے جیسا کہ مال کا معنٰی نظر آنے والی چیزوں کی ملکیت اور ان پر قدرت کا حصول ہے۔

اگر میں اس بات کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنا شروع کروں تو جن چیزوں میں زہد اختیار کیا جاتا ہے وہ شمار سے بھی زائد ہو جائیں گی۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قرآنِ پاک کی ایک ہی آیت میں ان میں سے سات اشیاء کو بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ

ترجمۂ کنز الایمان: لوگوں کے لئے آراستہ کی گئی ان خواہشوں کی محبت عورتیں اور بیٹے اور تلے اوپر سونے چاندی کے ڈھیر اور نشان کئے ہوئے گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی یہ جیتی دنیا کی پونجی ہے۔

(پ٣، اٰل عمران: ١٤)

پھر ان سات اَوصاف کو پانچ میں منحصر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اِعْلَمُوْۤا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ (پ٢٧، الحدید: ٢٠)

ترجمۂ کنزالایمان: جان لو کہ دنیا کی زندگی تو نہیں مگر کھیل کود اور آرائش اور تمہارا آپس میں بڑائی مارنا اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے پر زیادتی چاہنا۔

پھر ان پانچ کو بھی دو مَعانی میں بیان فرمایا جو گزشتہ سات اوصاف کو شامل ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ (پ٢٦، محمد: ٣٦)

ترجمۂ کنزالایمان: دنیا کی زندگی تو یہی کھیل کود ہے۔

حتّٰی کہ قرآنِ پاک میں ایک مقام پر ان تمام معانی کو ایک ہی معنٰی میں بیان فرمادیا۔ چنانچہ ارشادِ باری

تعالیٰ ہے:

وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾ (پ۳۰، النّٰزعٰت: ۴۰، ۴۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اور نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک جنت ہی ٹھکانا ہے۔

”هَوٰى“ ایک ایسا جامع لفظ ہے جو دنیا میں موجود تمام نفسانی خواہشات کو شامل ہے، لہٰذا اس کی مُخالَفت کرنا زہد ہے۔

اگر تم نے اجمال اور تفصیل کا یہ طریقہ سمجھ لیا تو تم یہ بھی جان لو گے کہ مذکورہ اُمور میں سے کوئی چیز دوسرے کے مقابل نہیں ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ کہیں یہ چیزیں تفصیل کے ساتھ ہیں تو کہیں اجمال کے ساتھ۔

خلاصۂ کلام:

اس تمام گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ زہد تمام نفسانی خواہشات سے اِعراض کا نام ہے۔ جب کوئی شخص نفسانی خواہشات سے اعراض کرتا ہے تو وہ دنیا میں زندہ رہنے کی خواہش سے بھی اعراض کرتا ہے اور لامُحالہ اس کی امیدیں مختصر ہو جاتی ہیں۔ انسان کو زندہ رہنے کی خواہش اسی لئے ہوتی ہے تاکہ دنیا سے اِستفادہ کرے اور وہ لمبے عرصے تک زندہ رہ کر اس استفادے کو جاری رکھنا چاہتا ہے کیونکہ جو شخص کسی چیز کو پسند کرتا ہے تو وہ اس کے ہمیشہ رہنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ زندگی سے محبت کا معنٰی بھی یہی ہے کہ اس زندگی میں جو نعمتیں انسان کے پاس ہیں یا جن کا ہونا ممکن ہے وہ ان کے باقی رہنے کا خواہش مند ہوتا ہے لیکن جب وہ زندہ رہنے کی خواہش سے ہی بے رغبت ہو جائے تو پھر ان نعمتوں کی بقا کا مُتَمَنِّی بھی نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب جہاد فرض ہوا تو بولے:

رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَیْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِیْبٍ ؕ (پ۵، النسآء: ۷۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اے رب ہمارے تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا تھوڑی مدت تک ہمیں اور جینے دیا ہوتا۔

اس کے جواب میں اللہ رَبُّ الْعِزت نے ارشاد فرمایا:

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ ۚ (پ۵، النسآء: ۷۷)

ترجمۂ کنزالایمان: تم فرما دو کہ دنیا کا برتنا تھوڑا ہے۔

یعنی تم لوگ دنیا میں اس لئے رہنا چاہتے ہو تاکہ دنیوی سازوسامان سے لطف اندوز ہو سکو۔ اس آیتِ

مُبارَکہ کے نزول کے بعد دنیا سے بے رغبت حضرات بھی ظاہر ہو گئے اور منافقین کا پردہ بھی چاک ہو گیا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے محبت کرنے والے زاہدین نے راہِ خدا میں اس شان سے جہاد کیا گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں اور دو عمدہ باتوں میں سے ایک کے مُنْتَظِر ہوئے (یعنی انہیں امید تھی کہ یا توفتح وغنیمت ملے گی یا شہادت ومغفرت)۔ ان حضرات کی شان یہ تھی کہ جب انہیں جہاد کے لئے بلایا جاتا تو گویا یہ جنت کی خوشبو کو سونگھتے تھے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے دین کی مدد کرنے اور مرتبۂ شہادت پر فائز ہونے کے لئے اس بے قراری کے ساتھ جہاد کے لئے بڑھتے تھے جیسے ایک پیاسا ٹھنڈے پانی کی طرف بڑھتا ہے۔ ان میں سے جسے اپنے بستر پر موت آتی وہ شہادت سے محرومی پر کفِ افسوس ملتا تھا۔ چنانچہ جب اپنے بستر پر موجودگی کے عالَم میں حضرت سیِّدُنا خالد بن ولید رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کی موت کا وقت قریب آیا تو آپ فرمانے لگے: میں نے شہادت کے حصول کے لئے متعدد مرتبہ اپنی جان لڑائی اور دشمنوں کی صفوں پر حملہ آور ہوا اور آج مجھے بوڑھی عورتوں کی طرح (بستر پر) موت آرہی ہے۔ انتقال کے بعد جب شمار کیا گیا تو آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے جسم پر جنگوں میں آنے والے زخموں کے 800 نشانات تھے۔ سچے ایمان والوں کا یہی حال ہوتا ہے۔ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ اَجْمَعِیْن یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ ان سب سے راضی ہو۔

جبکہ منافقین کا حال یہ ہے کہ انہوں نے موت کے خوف سے جہاد سے راہِ فرار اختیار کی تو ان سے کہا گیا:

اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ (پ۲۸، الجمعۃ: ۸)

ترجمۂ کنز الایمان: وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ تو ضرور تمہیں ملنی ہے۔

منافقین کا دنیا میں رہنے کو شہادت پر ترجیح دینا ایک ایسے سودے کی طرح ہے جس میں بہتر چیز کو ترک کرکے معمولی چیز کو اختیار کیا جائے (ایسوں کے متعلق ارشاد ہوتا ہے):

اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى۪ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِیْنَ ﴿۱۶﴾ (پ۱، البقرۃ: ۱۶)

ترجمۂ کنز الایمان: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی تو ان کا سودا کچھ نفع نہ لایا اور وہ سودے کی راہ جانتے ہی نہ تھے۔

جبکہ مخلصین کا معاملہ یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے عِوَض خرید لئے

ہیں۔جب ان مخلصین نے یہ دیکھا کہ انہوں نے مثلاً: 20 یا 30 سال دنیوی نعمتوں سے لطف اندوزی کو ترک کر کے ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کا سودا کر لیا ہے تو وہ اپنے اس سودے پر بہت خوش ہوئے۔

یہاں تک اس چیز کا بیان ہوا جس میں زہد اختیار کیا جائے۔

اس تمام گفتگو کو سمجھنے سے تمہیں یہ بات بھی سمجھ آجائے گی کہ صوفیائے کرام رَحِمَهُمُ اللّٰهُ السَّلَام نے زہد کی تعریف کرتے ہوئے اس کی بعض اقسام کی طرف اشارہ کیا ہے اور ہر ایک نے وہی ذکر کیا جسے خود پر یا مخاطب پر غالب دیکھا۔

زہد کی مختلف تعریفات:

...حضرت سیِّدُنا بِشر حافی عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ الْکَافِی فرماتے ہیں: دنیا سے زہد اس چیز کا نام ہے کہ لوگوں سے بے رغبتی اختیار کی جائے۔

اس قول میں خاص طور پر عزت و مرتبے کے معاملے میں زہد کی طرف اشارہ ہے۔

...حضرت سیِّدُنا قاسم بن عثمان جُوعی عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ الْوَلِی فرماتے ہیں: دنیا سے زہد تو در حقیقت پیٹ کا زہد ہے، تم جس قدر اپنے پیٹ پر قادر ہو اسی قدر زہد پر قادر ہو۔

اس قول میں ایک شہوت کی طرف اشارہ ہے اور میری عمر کی قسم[1]! اکثر لوگوں پر یہ شہوت سب سے زیادہ غالب ہوتی ہے اور یہی انہیں دیگر شہوتوں پر ابھارتی ہے۔

...حضرت سیِّدُنا فُضیل بن عِیاض رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْه فرماتے ہیں: زہد تو در حقیقت قناعت ہے۔

اس قول میں مال کی طرف اشارہ ہے۔

...حضرت سیِّدُنا سُفیان ثوری عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ الْقَوِی فرماتے ہیں: لمبی امید نہ لگانا زہد ہے۔

اس قول میں تمام شہوتوں کو جمع کر دیا گیا ہے کیونکہ جو شخص شہوتوں کی طرف مائل ہوتا ہے اس کا نفس

1... مفسر شہیر، حکیم الامت مفتی احمد یار خان عَلَیْهِ رَحْمَةُ الْحَنَّان مراٰۃ المناجیح، جلد4، صفحہ 337 پر فرماتے ہیں: لَعَمْرِی (یعنی میری عمر کی قسم) قسم شرعی نہیں، وہ تو صرف خدا کے نام کی ہوتی ہے، بلکہ قسم لغوی ہے جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے: وَالتِّیْنِ وَ الزَّیْتُوْنِ ۙ﴿۱﴾ (پ۳۰، التین: ۱) انجیر اور زیتون کی قسم۔ لہٰذا یہ فرمانِ عالی اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں ارشاد ہوا کہ غیر خدا کی قسم نہ کھاؤ۔

اسے لمبے عرصے تک زندہ رہنے کی امید دلاتا ہے اور اس کی امیدیں طویل ہو جاتی ہیں، لہٰذا جس شخص نے اپنی امیدوں کو مختصر کر لیا گویا اس نے تمام شہوات سے منہ پھیر لیا۔

...حضرت سیِّدُنا اُویس قَرنی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَنِی فرماتے ہیں: زاہد جب رزق کی تلاش میں نکلتا ہے تو اس سے زہد رخصت ہو جاتا ہے۔

اس قول میں زہد کی تعریف نہیں کی گئی بلکہ اس بات کو بیان کیا گیا ہے کہ زہد کے لئے توکُّل شرط ہے۔

...حضرت سیِّدُنا اویس قرنی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَنِی نے ایک موقع پر فرمایا: زہد یہ ہے کہ بندہ اس چیز کی طلب کو ترک کر دے جس کا ذمہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے لیا ہے یعنی رزق۔

...ایک مُحدِّث بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: اپنی رائے اور عقل کے مطابق عمل کرنا دنیا ہے جبکہ علم اور سنت کی پیروی کرنا زہد ہے۔

اگر اس قول میں رائے سے مراد غَلَط رائے اور عقل سے وہ عقل مراد لی جائے جس کے ذریعے دنیا میں عزت طلب کی جاتی ہے تو یہ بات بالکل درست ہے لیکن اس میں طَلَبِ شہرت کے بعض خاص اسباب اور بعض فضول شہوات کی طرف اشارہ ہے کیونکہ بعض علوم بھی ایسے ہیں جن کا آخرت میں کوئی فائدہ نہیں اور ان کو اتنا لمبا کر دیا گیا ہے کہ ایک ایک علم کو سیکھنے میں ہی انسان کی پوری زندگی ختم ہو جائے، لہٰذا زاہد کے لئے شرط ہے کہ وہ سب سے پہلے فُضُولِیّات کو ترک کرے۔

...حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: زاہد وہ شخص ہے جو کسی کو دیکھے تو کہے کہ یہ مجھ سے افضل ہے۔

اس قول میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عاجِزی کا نام زہد ہے، نیز اس میں خود پسندی اور شہرت کی خواہش کی نَفْی کی طرف بھی اشارہ ہے جو کہ زہد کی ایک قسم ہے۔

...ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: رزقِ حلال کی تلاش زہد ہے۔

ایک طرف ان بزرگ کا یہ فرمان ہے جبکہ دوسری طرف حضرت سیِّدُنا اویس قرنی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَنِی کا یہ قول کہ زہد یہ ہے کہ طلب کو ترک کر دیا جائے اور بلاشبہ اس سے ان کی مراد رزقِ حلال کی طلب کو

ترک کرنا ہے۔

...حضرت سیِّدُنا یوسُف بن اَسباط رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: جو شخص تکلیفوں پر صبر کرے، شہوات کو ترک کر دے اور حلال غذا کھائے تو بے شک اس نے حقیقی زہد کو اختیار کر لیا۔

ہم نے جو اقوال نقل کئے ہیں ان کے علاوہ بھی زہد کے بارے میں متعدَّد اَقوال ہیں لیکن مزید اقوال ذکر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ جو شخص اقوال کے ذریعے کسی چیز کی حقیقت کو جاننے کی کوشش کرے اور ان اقوال کو مختلف دیکھے تو وہ صرف حیران ہوتا ہے۔ جس شخص کے لئے حق ظاہر ہو جائے اور وہ سن کر نہیں بلکہ اپنے دل کے ذریعے مُشاہَدہ کر کے اسے پالے اسے حق کا یقین ہو جاتا ہے اور وہ اس شخص کی کوتاہی پر بھی مُطَّلَع ہو جاتا ہے جو اپنی بصیرت کی کمزوری کے سبب زہد کی حقیقت جاننے سے محروم رہا اور اس شخص کے اِختصار کو بھی جان لیتا ہے جس نے حصولِ معرفت کے باوجود کسی ضرورت کے سبب زہد کے بارے میں مختصر کلام کیا۔ مذکورہ تمام بزرگانِ دین رَحِمَہُمُ اللّٰہُ الْمُبِیْن نے زہد کی تفصیلی معرفت کے باوجود اختصار سے کام لیا ہے لیکن انہوں نے جس قدر ذکر کیا اسے ضرورت کے وقت بقدرِ ضرورت ذکر کیا ہے اور مختلف لوگوں کی ضروریات مختلف ہوتی ہیں، لہٰذا لامُحالہ ان کی بیان کردہ تعریفات بھی مختلف ہیں۔

بزرگانِ دین رَحِمَہُمُ اللّٰہُ الْمُبِیْن کے کلام میں اختصار کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ وہ صرف اس حالت کو بیان کرنا چاہتے ہیں جو فی الحال بندے کو درپیش ہوتی ہے اور حالتیں بدلتی رہتی ہیں، لہٰذا اس کے بارے میں اقوال بھی مختلف ہیں جبکہ فی نفسہٖ حق ایک ہی ہوتا ہے اس کا مختلف ہونا ممکن نہیں۔

زہد کی جامع تعریف:

...زہد کی جامع اور مکمل تعریف حضرت سیِّدُنا ابو سلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی کا قول ہے اگرچہ اس میں تفصیل نہیں ہے۔ چنانچہ آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: زہد کے متعلق ہم نے بہت کچھ سنا ہے، ہمارے نزدیک زہد یہ ہے کہ بندہ ہر اس چیز کو ترک کر دے جو اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دور کرے۔

ایک موقع پر آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے اپنی بات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا: جس شخص نے شادی کی، مال کی تلاش میں سفر کیا یا حدیث لکھی تو وہ دنیا کی طرف مائل ہو گیا۔

اس قول میں آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے اِن تمام باتوں کو زہد کے مخالف قرار دیا ہے۔

ایک مرتبہ آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے یہ آیتِ طیبہ تلاوت فرمائی:

اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ﴿۸۹﴾ ترجمۂ کنزالایمان: مگر وہ جو اللہ کے حضور حاضر ہوا اسلامت دل لے کر۔ (پ۱۹، الشعرآء: ۸۹)

اور فرمایا: قَلْبِ سلیم وہ ہے جس میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا کوئی نہ ہو۔

ایک موقع پر فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نیک بندوں نے زہد کو اس لئے اختیار کیا تاکہ ان کے دل دنیوی تفکّرات سے خالی ہو کر آخرت میں مشغول ہو سکیں۔

زہد کے لئے جس چیز کو ترک کیا جائے اس کی اقسام کے اعتبار سے زہد کی اقسام کا بیان یہاں پر ختم ہوا۔

اَحکام کے اعتبار سے زہد کی اقسام

حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن اَدْہَم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم فرماتے ہیں: احکام کے اعتبار سے زہد کی تین اقسام ہیں: (۱) فرض (۲) نفل (۳) احتیاط۔

فرض زہد حرام چیزوں میں، نفل حلال چیزوں میں جبکہ احتیاط شبہات میں ہے۔

ہم نے تقوٰی کے مختلف دَرَجات کی تفصیل "حلال وحرام" کے بیان میں ذکر کی ہے، وہی دَرَجات زہد میں بھی ہیں کیونکہ حضرت سیِّدُنا امام مالک بن انس رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے جب عرض کی گئی کہ زہد کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: تقوٰی۔

وہ پوشیدہ معاملات جنہیں بندہ ترک کر دیتا ہے اگر ان کے اعتبار سے دیکھا جائے تو زہد کی کوئی انتہا نہیں کیونکہ نفس جن خیالوں اور ساعتوں سے لطف اندوز ہوتا رہتا ہے ان کی کوئی انتہا نہیں ہے بالخصوص خفیہ ریا کیونکہ اس پر صرف باریک بین عُلَما ہی مُطَّلَع ہو سکتے ہیں بلکہ ظاہری امور میں بھی زہد کے بے شمار دَرَجات ہیں۔

اعلیٰ درجے کا زہد:

سب سے اعلیٰ درجے کا زہد حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ آپ عَلَیْہِ السَّلَام ایک پتھر کو تکیہ بنائے آرام فرما رہے تھے کہ شیطان نے کہا: آپ نے تو دنیا کو ترک

کر دیا تھا پھر اب کیا ہوا؟ دریافت فرمایا: تم نے کون سی نئی بات دیکھی ہے؟ اس نے کہا: آپ کا پتھر کو تکیہ بنانا یعنی آپ اس پتھر کے ذریعے اپنے سر کو زمین سے اونچا کر کے دنیا کو استعمال کر رہے ہیں۔ یہ سن کر آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے وہ پتھر پھینک دیا اور فرمایا: میں نے اس پتھر کو بھی ترک کر دیا۔

حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن زکریا عَلَیْہِمَا السَّلَام کے بارے میں منقول ہے کہ آپ نرم لباس کو ترک فرما کر ٹاٹ کا لباس پہنا کرتے تھے یہاں تک کہ جسمِ مُبارَک میں نشانات پڑ گئے۔ آپ کی والِدہ ماجِدہ نے فرمایا کہ ٹاٹ کی جگہ اُونی جُبّہ پہن لیں تو آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے پہن لیا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ کی طرف وحی فرمائی: اے یحییٰ! تم نے دنیا کو مجھ پر ترجیح دے دی؟ اس پر آپ رونے لگے، اونی جبہ اتارا اور پھر سے ٹاٹ کا لباس زیبِ تن فرما لیا۔

حضرت سیِّدُنا امام احمد بن حنبل عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللهِ الْاَوَّل فرماتے ہیں: زہد تو حضرت سیِّدُنا اویس قرنی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللهِ الْغَنِی کا تھا کہ لباس نہ ہونے کے سبب آپ کھجوروں کے بڑے تھیلے میں بیٹھے رہتے تھے۔

میں یہ نعمت بھی استعمال نہ کروں:

حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللهِ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام ایک شخص کی دیوار کے سائے میں تشریف فرما تھے کہ اس نے آپ کو اٹھا دیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: مجھے تم نے نہیں بلکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اٹھایا ہے جس نے میرے لئے اس بات کو پسند نہیں فرمایا کہ میں دیوار کے سائے کی نعمت کو استعمال کروں۔

زہد کا کم سے کم درجہ:

بہر حال ظاہری اور باطنی دونوں اِعتبارات سے زہد کے درجات کی کوئی حد نہیں۔ زہد کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ ہر ممنوعہ اور مُشْتَبَہ چیز سے بے رغبتی اختیار کی جائے۔

بعض بزرگانِ دین رَحِمَہُمُ اللهُ الْمُبِیْن فرماتے ہیں: ”زہد صرف حلال میں ہے، حرام اور مشتبہ چیزوں میں نہ تو زہد ہے اور نہ ہی ان سے بے رغبتی اختیار کرنا زہد کا کوئی درجہ ہے۔“ پھر ان کے خیال میں اب دنیوی اموال میں حلال باقی نہیں رہا، لہٰذا اب زہد بھی نہیں ہو سکتا۔

زہد کا حقیقی مفہوم:

سوال: اگر زہد کی تعریف کے حوالے سے یہ قول درست ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے علاوہ ہر چیز کو ترک

کر دینا زہد ہے تو پھر اس حالت کے ہوتے ہوئے کھانا، پینا، لباس پہننا، لوگوں سے ملنا جلنا اور بات چیت کرنا کیسے ممکن ہے جبکہ یہ سب کچھ غیرُ اللہ میں مَشْغُولِیَّت ہے؟

جواب: یہ بات ذہن نشین کرلو کہ دنیا سے منہ موڑ کر **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی طرف متوجہ ہونے کا معنٰی یہ ہے کہ بندہ ہَمَہ تن **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی طرف متوجہ ہو جائے، ایسا صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ انسان زندہ رہے اور زندہ رہنے کے لئے جسمانی ضَرُورِیّات کی تکمیل لازمی ہے، لہٰذا جو شخص دنیا سے صرف اتنی مقدار پر قناعت کرے جس کے ذریعے اپنے جسم کو ہلاکت سے بچا سکے اور اس کی نیت اپنے بدن سے عبادت پر مدد لینے کی ہو تو ایسا شخص ہرگز غیرُ اللہ میں مشغول ہونے والا نہیں، جو چیز کسی مقصد تک پہنچے کا ذریعہ ہو وہ چیز بھی اس مقصد میں شامل ہوتی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ سَفَرِ حج کے دوران کوئی شخص اپنی سواری کی اونٹنی کو چارہ کھلانے اور پانی پلانے میں مشغول ہو تو اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ اپنے سفر کو چھوڑ کر اس کام میں لگ گیا ہے، لیکن یہ بات پیشِ نظر رہے کہ راہِ خدا میں تمہارا بدن ایسے ہی ہو جیسے حج کے راستے میں تمہاری اونٹنی، جس طرح تمہیں اونٹنی کی خواہشات کو پورا کرنے سے کوئی غرض نہیں ہوتی بلکہ تمہارا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ اسے ہلاکت سے بچایا جائے تاکہ یہ مجھے میری منزل تک پہنچا دے، اسی طرح تمہیں چاہئے کہ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے راستے میں اپنے بدن کے ساتھ تمہارا معاملہ یہ ہو کہ کھانے پینے کے ذریعے اسے ہلاکت خیز بھوک پیاس سے بچایا جائے، لباس اور مکان کو استعمال کر کے سردی گرمی کی آفات سے محفوظ رہا جائے اور ان معاملات میں صرف بقدرِ ضرورت مقدار پر گزارہ کیا جائے نیز ان چیزوں کو استعمال کرنے میں حصولِ لذت کی نہیں بلکہ عبادت پر قوت حاصل کرنے کی نیت ہو۔ اس انداز میں دنیا کا استعمال زہد کے مُنافِی نہیں بلکہ یہ تو زہد کے لئے شرط ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

جب کوئی بھوک کے وقت کھانا کھائے گا تو اسے لذت تو حاصل ہو گی (کیا یہ زہد کے منافی ہے؟)۔

جواب: اگر حصولِ لذت کی نیت نہ ہو تو پھر لذت کا حاصل ہونا زہد کے لئے نقصان دہ نہیں، ٹھنڈا پانی پینے والے کو لذت بھی حاصل ہوتی ہے اور پیاس دور کرنے کا مقصد بھی پورا ہو جاتا ہے، یونہی قضائے حاجت

(بول وبراز) کے ذریعے بھی انسان کو راحت ملتی ہے لیکن چونکہ اس کا مقصد اس راحت کا حصول نہیں ہوتا اس لئے اس کا دل اس طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ بعض اوقات رات کے قیام کے دوران نسیمِ سحر (یعنی صبح کی ٹھنڈی ہواؤں) اور پرندوں کی چہچہاہٹ کے ذریعے بھی انسان کو راحت ملتی ہے لیکن چونکہ اس کا مقصود اس راحت کا حصول نہیں ہوتا، لہٰذا یہ راحت اس کے زہد کے لئے نقصان دہ نہیں۔ بعض ایسے خوفِ خدا رکھنے والے زاہدین بھی گزرے ہیں جو رات میں عبادت کے لئے ایسی جگہ تلاش کرتے تھے جہاں انہیں سَحَر کی ٹھنڈی ہوائیں نہ پہنچیں۔ انہیں یہ خوف لاحق تھا کہ ان ہواؤں سے راحت حاصل ہوگی اور دل ان سے مانوس ہوگا جس کے سبب دل دنیا کی طرف مائل ہوگا اور اس کی مقدار برابر اللہ عَزَّوَجَلَّ سے انس میں کمی آجائے گی۔

سیِّدُنا داوٗد طائی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ کا زہد:

حضرت سیِّدُنا داوٗد طائی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے گھر میں پانی رکھنے کے لئے ایک ٹوٹا ہوا گھڑا تھا جو دھوپ میں رکھا ہوا تھا۔ آپ اسے چھاؤں میں نہ رکھتے، گرم پانی پیتے تھے اور فرماتے تھے: جو شخص ٹھنڈے پانی کی لذت کا عادی ہوجائے اس کے لئے دنیا کو چھوڑنا مشکل ہوجاتا ہے۔

یہ ان حضرات کا خوف ہے جو دین کے معاملے میں انتہائی محتاط تھے اور ان معاملات میں احتیاط ہی بہتر ہے کیونکہ اگرچہ یہ احتیاطیں نفس پر گراں ہیں لیکن ان کی مدت قلیل ہے۔ ہمیشہ کی نعمتوں کو پانے کے لئے تھوڑی مدت تک مشقت برداشت کرنا ان لوگوں پر گراں نہیں گزرتا جو اہلِ معرفت ہیں، حکمتِ عملی کے ساتھ اپنے نفس کو دبا کر رکھتے ہیں، دنیا اور آخرت کے فرق کی معرفت کے لئے یقین کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہتے ہیں۔ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ اَجْمَعِیْن یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ ان سب سے راضی ہو۔

ضروریاتِ زندگی میں زھد کی تفصیل

لوگ جن چیزوں میں مشغول ہیں ان کی دو اقسام ہیں: (۱) فضول (۲) ضروری۔

❁... **فضول:** جیسے سواری کے عمدہ گھوڑے، اکثر لوگ انہیں اس لئے رکھتے ہیں تاکہ ان کی سواری سے مزہ حاصل کریں حالانکہ وہ پیدل سفر پر بھی قادر ہوتے ہیں۔

❁... **ضروری:** جیسے کھانا پینا وغیرہ۔

ضروریاتِ زندگی کی چھ قسمیں ہیں:

فضول کی اقسام کی تفصیل بیان کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں کیونکہ اس کی کوئی حد نہیں ہے البتہ ضروری کی حد بندی ہو سکتی ہے۔ضروری چیزوں کی مقدار، جنس اور اوقات میں بھی فضول کا دخل ہو سکتا ہے، لہٰذا اس میں زہد کا بیان ضروری ہے اور ضروری چیزیں چھ طرح کی ہیں: (۱) غذا (۲) لباس (۳) رہائش (۴) گھر کا سازوسامان (۵) نکاح (۶) مال۔

یہ چھ چیزیں اغراض میں سے ہیں اور انسان عزت و مرتبہ اسی لئے چاہتا ہے کہ اَغراض کو حاصل کر سکے۔ہم نے مُہلِکات کے بیان میں "کتاب الریاء" میں جاہ کے معنٰی، مخلوق کی اس سے محبت کا سبب اور اس سے بچنے کا طریقہ بیان کر دیا ہے۔یہاں ہم صرف ان چھ ضروری چیزوں کے بیان پر اکتفا کریں گے۔

پہلی ضرورت غذا

انسان کے لئے اس قدر حلال غذا ضروری ہے جو اس کی پیٹھ سیدھی رکھ سکے لیکن غذا کے معاملے میں کچھ طُول وعَرض بھی ہے جسے قابو میں رکھنا ضروری ہے تاکہ زہد کی تکمیل ہو سکے۔اس کا طول پوری عمر کے اعتبار سے ہے کیونکہ جس کے پاس صرف آج کا کھانا ہو وہ اس پر قناعت نہیں کرتا جبکہ اس کا عرض غذا کی مقدار، جنس اور کھانے کے وقت سے متعلق ہے۔اس کے طول کو کم کرنے کا صرف یہ طریقہ ہے کہ لمبی امیدوں سے جان چھڑائی جائے۔

خوراک جمع کرنے کے تین درجات:

(۱)...شدید بھوک کے وقت اتنے کھانے پر اکتفا کیا جائے جس سے بھوک کی شدت اور بیماری کا خوف دور ہو جائے، جس شخص کو یہ مقام حاصل ہو جائے وہ دن کے کھانے میں سے رات کے لئے نہیں بچائے گا۔تینوں درجات میں سے یہ اعلیٰ ترین درجہ ہے۔(۲)...ایک مہینے یا 40 دن کے لئے جمع کی جائے۔ (۳)...ایک سال کے لئے جمع کی جائے۔

تیسرا درجہ زہد کے معاملے میں کمزور لوگوں کا مرتبہ ہے۔جو اس سے زیادہ مدت کے لئے جمع کرے تو

اسے زاہد کہنا ممکن نہیں کیونکہ جس شخص کو ایک سال سے زیادہ زندہ رہنے کی امید ہو وہ بہت طویل امیدوں والا ہے اور اسے زہد کی دولت حاصل نہیں، البتہ اگر کسی شخص کے پاس روزی کا کوئی ذریعہ نہ ہو اور وہ لوگوں سے لے کر کھانے پر راضی نہ ہو تو پھر ایک سال سے زیادہ کے لئے جمع کرنے میں حرج نہیں، جیسے حضرت سیدنا داوٗد طائی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کہ آپ کو وراثت میں 20 دینار ملے تو آپ نے انہیں جمع کر لیا اور 20 سال میں خرچ کیا۔ ایسا کرنا زہد کی حقیقت کے منافی نہیں ہے البتہ جو حضرات توکُّل کو زہد کی شرط ٹھہراتے ہیں ان کے نزدیک یہ عمل زہد کی حقیقت کے منافی ہے۔

زاہد ایک دن میں کتنا کھائے؟

غذا کے معاملے میں عرض کا تعلُّق مقدار سے ہے۔ مقدار کے بھی تین درجے ہیں: (۱)...کم سے کم درجہ یہ ہے کہ دن رات میں آدھے رطل (یعنی کم وبیش ڈیڑھ پاؤ) پر قناعت کرے۔ (۲)...اوسط درجہ دن رات میں ایک رِطل۔ (۳)...اعلیٰ درجہ دن رات میں ایک مد ہے۔

تیسرا درجہ وہ مقدار ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے کفّارے کے طور پر مَساکین کو کھلانے کے لئے مقرر فرمائی ہے، اس سے زیادہ مقدار بِسیار خوری اور کھانے پینے میں مشغول ہونا ہے۔ جو شخص ایک مد کی مقدار پر بھی گزارہ نہ کر سکے تو پیٹ کے زہد میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔

غذا کی جنس کے تین درجات:

(۱)...کم سے کم درجہ ہر وہ چیز جو غذا بن سکے اگرچہ بھوسے کی روٹی ہو۔ (۲)...جو اور باجرے کی روٹی۔ (۳)...گندم کے اَن چھنے آٹے کی روٹی، چھنے ہوئے آٹے کی روٹی کھانا عیش پسندی میں داخل ہے اور ایسا شخص زہد کے ابتدائی تو کیا سب سے آخری درجے سے بھی خارج ہے۔

سالن کے تین درجات:

(۱)...کم سے کم درجہ نمک، سبزی یا سِرکہ۔ (۲)...اوسط درجہ زیتون یا تھوڑی مقدار میں کوئی سا بھی تیل۔ (۳)...اعلیٰ درجہ ہفتے میں ایک یا دو مرتبہ کوئی سا بھی گوشت، اگر روزانہ یا ہفتے میں دو سے زائد مرتبہ گوشت کھانے کا سلسلہ ہو تو ایسا شخص زہد کے سب سے آخری درجے سے بھی محروم ہے اور پیٹ کے زہد میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔

کھانے کے وقت کے اعتبار سے زہد کے تین درجے:

(۱)...کم سے کم درجہ یہ ہے کہ دن رات میں ایک بار کھائے یعنی روزہ دار ہو اور افطار کرے۔(۲)...اوسط درجہ یہ ہے کہ روزہ رکھے اور اِفطار میں پانی پیے کھانا نہ کھائے، پھر اگلے دن روزہ رکھے اور افطار میں کھانا کھائے پانی نہ پیے۔(۳)...اعلیٰ ترین درجہ یہ ہے کہ مسلسل تین دن، سات دن یا اس سے بھی زیادہ روزے رکھنے پر قادر ہو۔

ہم نے مُہلِکات کے بیان میں اس بات کو ذکر کر دیا ہے کہ کھانے کی مقدار کو کیسے کم کیا جائے اور اس کی حرص کا خاتمہ کیسے کیا جائے، یہاں ہم ان باتوں کو دوبارہ ذکر نہیں کریں گے۔

بزرگانِ دین رَحِمَهُمُ اللهُ الْمُبِیْن کا کھانے میں زھد

ہمیں پیارے مصطفٰے صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اور صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کی سیرتِ طَیِّبَہ پر غور کرنا چاہیے کہ ان نُفُوسِ قُدسیہ نے کس طرح کھانے پینے کے معاملے میں زہد اختیار فرمایا اور سالن کو ترک کر دیا۔ چنانچہ

دو سیاہ چیزیں:

اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہا فرماتی ہیں: ہم پر 40 راتیں اس طرح گزر جاتی تھیں کہ رحمتِ عالَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے کاشانۂ اَقدس میں نہ تو چولہا جلتا اور نہ ہی چراغ روشن ہوتا تھا۔ عرض کی گئی: پھر آپ حضرات کیا کھا کر گزر کرتے تھے؟ فرمایا: دو سیاہ چیزیں یعنی کھجور اور پانی۔[1]

اس روایت میں گوشت، شوربے اور سالن کو ترک کرنے کا ثبوت ہے۔

سردارِ دوجہاں صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی عاجزی:

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: حضور سیِّدِ عالَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم دراز گوش (مبارک گدھے) پر سواری فرماتے، اُونی لباس زیبِ تن فرماتے، پیوند لگی ہوئی نَعْلَین پہنتے، زمین پر بیٹھ کر

1... مسند ابی داود الطیالسی، الجزء السادس، ص۲۰۷، حدیث: ۱۴۷۲
بخاری، کتاب الرقاق، باب کیف کان عیش النبی... الخ، ۴/ ۲۳۶، حدیث: ۶۴۵۹، بتغیر قلیل

کھانا تناوُل فرماتے اوراپنی انگلیاں چاٹ لیتے اور ارشاد فرماتے: اِنَّمَا اَنَا عَبْدٌ اٰکُلُ کَمَا تَاْکُلُ الْعَبِیْدُ وَاَجْلِسُ کَمَا تَجْلِسُ الْعَبِیْدُ یعنی میں تو ایک بندہ ہوں، بندوں کی طرح کھاتا اور بندوں کی طرح بیٹھتا ہوں۔(1)

حضرت سیِّدُنا عیسٰی عَلَیْہِ السَّلَام ارشاد فرماتے ہیں: میں تم سے حق بات کہتا ہوں کہ جو شخص جنَّتُ الْفِرْدَوْس کا طَلَب گار ہو اس کے لئے جَو کی روٹی کھانا اور کوڑے کَرکَٹ کے ڈھیر پر کتوں کے ساتھ سونا بھی بہت ہے۔(2)

حضرت سیِّدُنا فضیل بن عِیاض رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: مصطفٰے جانِ رحمت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے مدینۂ منورہ تشریف لانے کے بعد کبھی تین دن تک گندم کی روٹی شکم سیر ہو کر تناوُل نہیں فرمائی۔(3)

حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللّٰہ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام فرمایا کرتے تھے: اے بنی اسرائیل! خالص پانی، جنگل کی سبزی اور جو کی روٹی کو اختیار کرلو اور گندم کی روٹی سے بچو کیونکہ تم اس کا شکر ادا نہیں کر سکتے۔(4)

کھانے کے معاملے میں انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام اور سَلَف صالحین رَحِمَہُمُ اللّٰہُ الْمُبِیْن کی سیرت ہم نے مہلکات کے بیان میں ذکر کر دی ہے، یہاں ہم اس کا اِعادہ نہیں کریں گے۔

تاجدارِ رِسالت، شہنشاہِ نُبوت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم جب قباء تشریف لائے تو لوگوں نے شہد ملا دودھ پیشِ خدمت کیا۔ آپ نے پیالہ رکھ دیا اور ارشاد فرمایا: میں اسے حرام تو نہیں کہتا لیکن اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے تواضُع کرتے ہوئے ترک کرتا ہوں۔(5)

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عُمَر فارُوقِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی خدمت میں سخت گرمی کے دن شہد ملا ٹھنڈا پانی پیش کیا گیا۔ آپ نے فرمایا: اس کے حساب کو مجھ سے دور کر دو۔(6)

1... الزھد لابن المبارک، باب فضل ذکر اللہ، ص ۳۵۳، حدیث: ۹۹۵
مسند ابی یعلی الموصلی، مسند عائشۃ، ۴/ ۲۷۹، حدیث: ۴۸۹۹

2... المجالسۃ وجواہر العلم، الجزء الرابع، ۱/ ۲۴۸، الرقم: ۵۷۷

3... بخاری، کتاب الرقاق، باب کیف کان عیش النبی ... الخ، ۴/ ۲۳۵، حدیث: ۶۴۵۴

4... موطا امام مالک، کتاب صفۃ النبی، باب جامع ما جاء فی الطعام والشراب، ۲/ ۴۲۲، حدیث: ۱۷۷۹

5... نوادر الاصول للحکیم الترمذی، الاصل الثانی والتسعون والمائتان، ۲/ ۱۲۷۷، حدیث: ۱۵۶۶

6... الزھد للامام احمد بن حنبل، زھد عمر بن الخطاب، ص ۱۴۷، حدیث: ۶۲۸

سچے زاہد کی صفات:

حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن مُعاذ رازی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْہَادِی فرماتے ہیں: سچے زاہد کی غذا وہ ہے جو مل جائے، لباس وہ جو سَتْر پوشی کردے اور مکان وہ ہے جہاں اسے رات ہو جائے۔ دنیا اس کے لئے قید خانہ، قبر اس کا بچھونا، تنہائی اس کی مجلس، حصولِ عبرت اس کی فکر، قرآن اس کی گفتگو، اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کا انیس، ذکر اس کا رفیق، زہد اس کا ساتھی، غم اس کا حال، حیا اس کی نشانی، بھوک اس کا سالن، حکمت اس کا کلام، مٹی اس کا فرش، تقویٰ اس کا زادِ راہ، خاموشی اس کا مال، صبر اس کا تکیہ، توکُّل اس کا نسب، عقل اس کی دلیل، عبادت اس کا پیشہ اور جنت اس کی منزل ہوگی۔ اِنْ شَآءَ اللہ عَزَّوَجَلَّ۔

دوسری ضرورت لباس

مقدار کے اعتبار سے لباس میں زہد کے تین درجات:

(۱)...کم سے کم درجہ ایسا لباس جو سردی گرمی سے بچائے اور ستر پوشی کرے مثلاً: ایک چادر جو جسم پر لپیٹ لی جائے۔ (۲)...اوسط درجہ قمیص، ٹوپی اور جوتوں کا جوڑا۔ (۳)...اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ان تینوں چیزوں کے ساتھ سر پر لپیٹنے کے لئے رومال اور پاجامہ بھی ہو۔ اس سے زیادہ مقدار زہد کی حدود سے خارج ہے۔

زاہد کے لئے یہ شرط ہے کہ اس کے پاس دوسرا جوڑا نہ ہو اور جب وہ اپنا لباس دھوئے تو اس کے سوکھنے تک اسے اپنے گھر میں رہنا پڑے، اگر کسی کے پاس قمیص، پاجامہ اور سر کا رومال دو دو عدد ہوں تو ایسا شخص مقدار کے اعتبار سے زہد کے تمام درجات سے خارج ہے۔

جنس کے اعتبار سے لباس میں زہد کے تین درجات:

(۱)...کم سے کم درجہ بالوں کا بنا ہوا کھردرا کمبل۔ (۲)...اوسط درجہ اون کا کھردرا لباس۔ (۳)...اعلیٰ درجہ روئی کا موٹا لباس۔

وقت کے اعتبار سے لباس میں زہد کے تین درجات:

(۱)...ادنیٰ درجہ ایسا لباس جو ایک دن تک باقی رہے جیسا کہ بعض بزرگوں نے اپنے لباس میں درخت

کے پتوں کا پیوند لگایا حالانکہ پتے بہت جلد سوکھ کر ٹوٹ جاتے ہیں۔(۲)...اَوسط دَرَجہ ایسا لباس جو ایک ماہ کے لگ بھگ جسم پر ٹھہر سکے۔(۳)...اعلیٰ درجہ ایسا لباس جو ایک سال تک ستر پوشی کر سکے۔

ایسے لباس کی طلب کرنا جو ایک سال سے زائد مدت تک باقی رہے لمبی امیدوں تک لے جاتا ہے اور لمبی امیدیں زہد کے مُنافِی ہیں لیکن اگر ایسے لباس کے استعمال سے مقصود اس کا کھردراپن اور سختی ہو اور ضمنی طور پر ایک سال سے زیادہ باقی رہنا حاصل ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ جس شخص کے پاس مذکورہ لباس سے زائد کپڑا موجود ہو تو اسے صدقہ کر دینا چاہیے، اگر اسے روکے رکھے گا تو زاہد نہیں بلکہ دنیا سے محبت کرنے والا ہو گا۔

بزرگانِ دین رَحِمَهُمُ اللهُ الْمُبِيْن کا لباس میں زہد

اس معاملے میں انبیائے کرام عَلَیْهِمُ السَّلَام اور صحابۂ کرام عَلَیْهِمُ الرِّضْوَان کے احوال پر غور کرنا چاہئے کہ ان حضرات نے کس طرح عمدہ لباس کو ترک کر دیا تھا۔

بوقتِ وصال لباسِ مصطفٰے:

حضرت سیِّدُنا ابوبردہ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْه کا بیان ہے: اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهَا نے ہمارے سامنے ایک پیوند دار کمبل اور ایک موٹا تہبند نکالا اور فرمایا: میرے سرتاج، صاحِبِ معراج صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے ان دو کپڑوں میں وصال فرمایا۔[1]

سرکارِ مدینہ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالی شان ہے: اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُبْتَذِلَ الَّذِیْ لَا یُبَالِیْ مَا لَبِسَ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ اس بندے سے محبت فرماتا ہے جسے اس بات کی پروا نہ ہو کہ اس نے کیا پہنا ہے۔[2]

سیرتِ مصطفٰے کی جھلک:

حضرت سیِّدُنا عَمْرو بن اسود عَنْسِی عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْوَلِی فرمایا کرتے تھے کہ میں کبھی لباسِ شہرت نہیں پہنوں گا، رات میں کبھی بچھونے پر نہیں سوؤں گا، کبھی کسی عمدہ سواری پر سوار نہیں ہوں گا اور نہ ہی کبھی پیٹ بھر

---

1 ...بخاری، کتاب اللباس، باب الاکسیة والخمائص، ۴/ ۵۵، حدیث: ۵۸۱۸

2 ...شعب الایمان للبیهقی، باب فی الملابس...الخ، ۵/ ۱۵۶، حدیث: ۶۱۷۶

کر کھانا کھاؤں گا۔ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عُمَر فارُوقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: جو شخص سیرتِ مصطفٰے کا مشاہدہ کرنا چاہے تو وہ عَمْرو بن اسود کو دیکھ لے۔[1]

لباسِ شہرت کی نحوست:

ایک روایت میں ہے: جو بندہ بھی شہرت کا لباس پہنتا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس سے اس وقت تک اِعراض فرماتا ہے جب تک وہ اسے اتار نہ دے اگرچہ وہ بندہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا محبوب ہی کیوں نہ ہو۔[2]

لباسِ مصطفٰے:

حضور نبیِّ پاک، صاحبِ لولاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے چار درہم کے عِوَض ایک کپڑا خرید فرمایا اور جو دو کپڑے آپ زیبِ تن فرمایا کرتے تھے ان کی قیمت 10 درہم تھی۔[3] آپ کے مبارک تہبند کی لمبائی ساڑھے چار گز تھی۔[4] آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے تین درہم کے عوض پاجامہ خرید فرمایا تھا۔[5] آپ دو سفید اُونی شملے پہنتے تھے[6] جنہیں حُلّہ کہا جاتا تھا کیونکہ یہ ایک ہی جنس کے دو کپڑے تھے۔ بعض اوقات دو موٹی یمنی یا سحولی چادریں زیبِ تن فرمایا کرتے تھے۔[7]

ایک روایت میں ہے کہ حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی مبارک قمیص یوں محسوس ہوتی گویا تیل والی ہو (کیونکہ آپ سر اقدس اور داڑھی مبارک میں تیل بکثرت استعمال فرماتے تھے)۔[8]

---

1. ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند عمر بن الخطاب، ۱/ ۵۰، حدیث: ۱۱۵
2. ...سنن ابن ماجہ، کتاب اللباس، باب من لبس شہرۃ من الثیاب، ۴/ ۱۶۳، حدیث: ۳۶۰۸، دون ''وان کان عندہ حبیبًا''
   المصنف لابن ابی شیبۃ، کتاب اللباس، باب من کرہ ان یلبس المشہور من الثیاب، ۶/ ۸۱، حدیث: ۳، ''کریمًا'' بدلہ ''حبیبًا''
3. ...المعجم الکبیر، ۱۲/ ۳۳۷، حدیث: ۱۳۶۰۷ ...... قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون، شرح مقامات الیقین، ۱/ ۴۳۱
4. ...قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون، شرح مقامات الیقین، ۱/ ۴۳۱
5. ...السنن الکبرٰی للنسائی، کتاب الزینۃ، باب السراویل، ۵/ ۴۸۲، حدیث: ۹۶۷۱
6. ...قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون، شرح مقامات الیقین، ۱/ ۴۳۱
7. ...قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون، شرح مقامات الیقین، ۱/ ۴۳۱
8. ...الشمائل المحمدیۃ للترمذی، باب ما جاء فی ترجل رسول اللہ، ص۳۹، حدیث: ۳۲

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پیارے حبیب، حبیبِ لبیب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ایک دن سُنْدُس کی بنی ہوئی ریشمی چادر پہنی جس پر زرد دھاریاں تھیں، اس کی قیمت 200 درہم تھی۔(1) صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان حیرت سے اس چادر کو ہاتھ لگاتے اور بارگاہِ رسالت میں عرض کرتے: یارسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! کیا یہ آپ پر جنت سے نازل ہوئی ہے؟

حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ریشم پہننے کی حکمت:

یہ چادر اسکندریہ کے بادشاہ مُقَوْقِس نے پیارے مصطفٰے صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں تحفۃً بھیجی تھی، آپ نے اس کے اِعزاز کے لئے اس چادر کو پہنا اور پھر اتار کر ازروئے بھلائی ایک مشرک کو بھیج دی، اس کے بعد آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ریشم اور دیباج کا پہننا حرام قرار دے دیا، گویا کہ آپ نے اس کی حرمت کی تاکید کے لئے اسے اولاً پہنا، جیسا کہ آپ نے ایک دن سونے کی انگوٹھی پہنی، پھر اس کے بعد اس کا پہننا مردوں کے لئے حرام فرما دیا،(2) اور جیسا کہ آپ نے حضرت سیِّدَتُنا بَرِیْرَہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے متعلّق ام المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے ارشاد فرمایا: اِشْتَرِطِیْ لِاَھْلِھَا الْوَلَاءَ یعنی اس کے گھر والوں کے لئے وِلا کی شرط کرلو۔(3) جب انہوں نے یہ شرط کرلی تو آپ منبر پر تشریف لائے اور اسے حرام فرما دیا اور جیسے کہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے (غزوہ اَوطاس میں) تین دن کے لئے مُتعہ یعنی عارِضی نکاح کو مباح فرمایا اور پھر نکاح کی تاکید کے لئے اسے حرام فرما دیا۔(4)

آقا صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی عاجزی وانکساری:

مکی مدنی مصطفٰے صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ایک دفعہ سیاہ دھاری دار چادر میں نماز ادا فرمائی، سلام پھیرنے کے بعد ارشاد فرمایا: شَغَلَنِیَ النَّظَرُ اِلٰی ھٰذِہٖ اِذْھَبُوْا بِھَا اِلٰی اَبِیْ جَھْمٍ وَّائْتُوْنِیْ بِاَنْبِجَانِیَّتِہٖ یعنی اس کی طرف دیکھنے نے

1 ...سنن ابی داود، کتاب اللباس، باب من کرہ(لبس الحریر)، ۴/ ۶۷، حدیث: ۴۰۴۷، بتغیر
قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون، شرح مقامات الیقین، ۱/ ۴۳۱

2 ...السنن الکبری للنسائی، کتاب الزینۃ، باب ذکر اختلاف الفاظ...الخ، ۵/ ۴۵۶، حدیث: ۹۵۴۵

3 ...بخاری، کتاب الشروط، باب مایجوز من شروط المکاتب...الخ، ۲/ ۲۲۱، حدیث: ۲۷۲۶، مفہوماً

4 ...مسلم، کتاب النکاح، باب نکاح المتعۃ...الخ، ص۷۲۸، حدیث: ۱۴۰۵

مجھے مشغول کر دیا، اسے ابوجَہم کے پاس لے جاؤ اور ان کی چادر مجھے لا دو[1]۔[2] گویا آپ نے عمدہ کپڑے کے بجائے معمولی چادر کو اختیار فرمایا۔

نعلینِ مبارکین کے تَسمے پرانے ہوگئے تو ان کی جگہ نئے تسمے ڈال دیئے گئے، آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان میں نماز ادا فرمائی، سلام پھیرنے کے بعد ارشاد فرمایا: ان نئے تسموں کی جگہ وہی پرانے تسمے ڈال دو کیونکہ نماز کے دوران میری توجہ ان کی طرف ہوگئی تھی۔[3]

ایک مرتبہ سونے کی انگوٹھی پہنی، جب منبر پر تشریف فرما ہوئے تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی نظر انگوٹھی پر پڑی۔ آپ نے اسے اتار کر پھینک دیا اور ارشاد فرمایا: اس نے مجھے تم سے مشغول کر دیا، میں ایک نظر اس کو دیکھتا اور ایک نظر تم کو۔[4]

ایک مرتبہ نئے جوتے بنوائے جو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو پسند آئے۔ آپ فوراً سجدے میں تشریف لے گئے اور ارشاد فرمایا: مجھے یہ جوتے پسند آئے، لہٰذا میں اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے لئے تواضُع کرتا ہوں اس خوف سے کہ کہیں وہ مجھ سے ناراض نہ ہو جائے۔ پھر وہ جوتے لیئے باہر تشریف لائے اور جو پہلا مسکین ملا اسے عنایت فرما دیئے۔[5]

نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا:

حضرت سیِّدُنا سِنان بن سعد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے کہ میٹھے میٹھے آقا، مکی مدنی مصطفٰے صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی

1... مفسر شہیر، حکیم الامت مفتی احمد یار خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْحَنَّان **مراٰۃ المناجیح، جلد1، صفحہ 466** پر اس کے تحت فرماتے ہیں: خیال رہے کہ یہ سب اپنی امت کی تعلیم کے لئے ہے قلب پاک مصطفٰی کی واردات مختلف ہیں، کبھی کپڑے کے بیل بوٹے سے خضوع خشوع کم ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اور کبھی میدان جہاد میں تلواروں کے سایہ میں نماز پڑھتے ہیں اور خشوع میں کوئی فرق نہیں آتا کبھی بشریت کا ظہور ہے اور کبھی نورانیت کی جلوہ گری۔

2... بخاری، کتاب الاذان، باب التفات فی الصلاۃ، ۱/ ۲۶۵، حدیث: ۷۵۲، ''النظر'' بدلہ ''اعلام''

3... الزھد لابن المبارک، باب فی التواضع، ص ۱۳۵، حدیث: ۴۰۲، بتغیر

4... السنن الکبری للنسائی، کتاب الزینۃ، باب طرح الخاتم وترک لبسہ، ۵/ ۴۵۶، حدیث: ۹۵۴۳

5... قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون، شرح مقامات الیقین، ۱/ ۴۳۲

عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے لئے اَنماری اُون سے ایک جبہ تیار کیا گیا جس کے کنارے سیاہ رنگ کے تھے۔ جب آپ نے اسے زیبِ تن کیا تو ارشاد فرمایا: دیکھو! یہ کس قدر خوبصورت اور نرم ہے![1] ایک اَعرابی نے کھڑے ہو کر عرض کی: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! یہ مجھے عطا فرما دیجئے۔ آپ سے جب بھی کوئی چیز مانگی جاتی تو آپ بخل نہ فرماتے۔ چنانچہ آپ نے وہ جبہ اس اعرابی کو عنایت فرما دیا اور اپنے لئے ایک اور جبہ تیار کرنے کا حکم فرمایا، ابھی وہ جبہ تیاری کے مراحل میں تھا کہ آپ رفیقِ اعلیٰ کے پاس تشریف لے گئے۔

خدا چاہتا ہے رضائے محمد:

حضرت سیِّدُنا جابر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے کہ حضور نبیِّ اَکرم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اپنی لختِ جگر خاتونِ جنت حضرت سیِّدَتُنا فاطمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے پاس تشریف لائے تو ملاحظہ فرمایا کہ خاتونِ جنت اونٹ کے بالوں کی بنی چادر اوڑھے چکی چلا رہی ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی چشمانِ کرم سے آنسو جاری ہو گئے اور ارشاد فرمایا: اے بیٹی! جنت کی ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کو پانے کے لئے دنیا کی تکالیف پر صبر کرو۔ اس موقع پر یہ آیتِ مقدسہ نازل ہوئی:

وَ لَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰىؕ(۵)

(پ٣٠، الضحیٰ: ٥)

ترجمۂ کنز الایمان: اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔[2]

اُمّت کے بہترین افراد:

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غُیوب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ملائے اعلیٰ نے مجھے خبر دی ہے کہ میری امت کے بہترین افراد وہ ہیں جو جلوت میں رحمتِ الٰہی کی وسعت پر خوش ہوتے اور خلوت میں اس کے عذاب کے خوف سے روتے ہیں۔ ان کا بوجھ لوگوں پر ہلکا اور اپنے اوپر بھاری ہے یہ لوگ پرانے کپڑے پہنتے اور راہبوں کا طریقہ اپناتے ہیں۔ ان کے اَجسام زمین پر جبکہ دل عرش کے قریب ہوتے ہیں۔[3]

---

1 ...اخلاق النبی و ادابہ، باب ذکر صوفہ، ص ٧١، حدیث: ٣٠٩، بتغیر، عن سھل بن سعد رضی اللّٰہ عنہ

2 ...الدر المنثور، الضحی، تحت الآیۃ: ٥، ٨/ ٥٤٣

3 ...حلیۃ الاولیاء، مقدمۃ المصنف، ١/ ٤٨، حدیث: ٢٨، ''رھبان'' بدلہ ''برھان''

سنّت کی اہمیت:

مذکورہ گفتگو لباس کے معاملے میں سیرتِ مصطفٰے سے متعلق تھی اور آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اُمّت کو اپنی اِتّباع کی وصیت فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: مَنْ اَحَبَّنِیْ فَلْیَسْتَنَّ بِسُنَّتِیْ یعنی جو مجھ سے محبت کرتا ہے وہ میری سنّت کو اختیار کرے۔[1]

ایک روایت میں ہے: عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِیْنَ مِنْ بَعْدِیْ عَضُّوْا عَلَیْھَا بِالنَّوَاجِذِ یعنی میری سنت کو اور میرے بعد خلفائے راشدین کی سنت کو اختیار کرو اور اسے مضبوطی سے تھامے رکھو۔[2]

جبکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمانِ عالی شان ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (پ۳، اٰل عمران: ۳۱)

ترجمۂ کنز الایمان: اے محبوب تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔

سیّدہ عائشہ رَضِیَ اللہُ عَنْہَا کو وصیت:

رحمتِ عالم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صِدّیقہ طَیِّبہ طاہِرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو خاص طور پر وصیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اِنْ اَرَدْتِّ اللُّحُوْقَ بِیْ فَاِیَّاكِ وَمُجَالَسَۃَ الْاَغْنِیَآءِ وَلَا تَنْزَعِیْ ثَوْبًا حَتّٰی تُرَقِّعِیْہِ یعنی اگر تم جنت میں میرا قرب پانا چاہتی ہو تو امیروں کی صحبت سے بچنا اور کسی کپڑے کو اس وقت تک پرانا نہ سمجھنا جب تک اسے پیوند نہ لگالو۔[3]

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عُمَر فارُوقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی مبارک قمیص پر بارہ پیوند شمار کئے گئے جن میں سے بعض چمڑے کے تھے۔[4]

---

1 ...المصنف لعبد الرزاق، کتاب النکاح، باب وجوب النکاح وفضله، ۶/ ۱۳۵، حدیث: ۱۰۴۱۸، بتغیر قلیل

2 ...سنن ابی داود، کتاب السنة، باب لزوم السنة، ۴/ ۲۶۷، حدیث: ۴۶۰۷

3 ...سنن الترمذی، کتاب اللباس، باب ما جاء فی ترقیع الثوب، ۳/ ۳۰۲، حدیث: ۱۷۸۷

4 ...الطبقات الکبری لابن سعد، الرقم: ۵۶ عمر بن الخطاب، ۳/ ۲۵۰

لباس پہننے کے بعد کی دعا:

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللهُ تَعَالٰی وَجْهَهُ الْکَرِیْم نے اپنے دورِ خلافت میں تین درہم کے عوض کپڑا خرید کر پہنا، اس کی آستین کا وہ حصہ جو پہنچوں سے زائد تھا اسے کاٹ دیا اور یہ دعا پڑھی: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ کَسَانِیْ هٰذَا مِنْ رِیَاشِهٖ یعنی تمام تعریفیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ہیں جس نے اپنے عمدہ لباسوں میں سے مجھے یہ لباس پہنایا۔[1]

لباس کیسا ہو؟

حضرت سیِّدُنا سُفیان ثَوری اور دیگر بزرگانِ دین رَحِمَهُمُ اللهُ الْمُبِیْن فرماتے ہیں: ایسا لباس پہنو جو تمہیں عُلَما کے یہاں مشہور نہ کرے اور نہ ہی اس کے سبب جاہل لوگ تمہیں حقیر جانیں۔

پسندیدہ اور ناپسندیدہ شخص:

حضرت سیِّدُنا سفیان ثوری عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْقَوِی فرمایا کرتے تھے: اگر نماز کے دوران کوئی فقیر میرے پاس سے گزرے تو میں اسے گزرنے دوں گا اور اگر کوئی عمدہ لباس میں ملبوس مال دار میرے پاس سے گزرے تو اسے ناپسند کرتے ہوئے نہیں گزرنے دوں گا۔

ایک بزرگ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه فرماتے ہیں: میں نے حضرت سیِّدُنا سفیان ثوری عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْقَوِی کے دونوں کپڑوں اور چپلوں کی قیمت کا اندازہ لگایا تو وہ ایک درہم اور چار دانق کے قریب تھی۔

حضرت سیِّدُنا عبدالله بن شُبْرُمہ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه فرماتے ہیں: میرا بہترین لباس وہ ہے جو میری خدمت کرے اور میرا بدترین لباس وہ ہے جس کی میں خدمت کروں۔

ایک بزرگ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه فرماتے ہیں: ایسا لباس پہنو کہ تم بازار میں موجود عام لوگوں کی طرح نظر آؤ، ایسا لباس مت پہنو جو تمہیں مشہور کر دے اور لوگوں کی نظریں تمہاری طرف اٹھیں۔

لباس تین قسم کے ہیں:

حضرت سیِّدُنا ابو سلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّهُ النُّوْرَانِی فرماتے ہیں: لباس تین طرح کے ہوتے ہیں: (۱)...جو اللہ

[1] ...المجالسة وجواہر العلم، الجزء الثانی، ۱/ ۱۴۵، حدیث: ۲۶۸، دون "کسانی"

عَزَّوَجَلَّ کے لئے ہو، یہ وہ لباس ہے جو سَتْر پوشی کر دے۔ (۲)...جو نفس کے لئے ہو، یہ وہ لباس ہے جس میں نرمی کو طلب کیا جائے۔ (۳)...جو لوگوں کے لئے ہو، یہ وہ لباس ہے جس میں خوبصورتی اور حسن کو طلب کیا جائے۔

ایک بزرگ رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: جس کا لباس باریک ہو اس کا دین بھی پتلا ہو گا۔

تابعین میں سے اکثر علما رَحِمَهُمُ اللہُ تعالٰی کے لباس کی قیمت 20 سے 30 درہم کے درمیان ہوتی تھی۔

حضرت سَیِّدُنا سلیمان خواص رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ دو کپڑوں یعنی قمیص اور تہہ بند سے زیادہ نہیں پہنتے تھے اور بعض اوقات قمیص کے دامن کو موڑ کر سر پر ڈال لیتے تھے۔

ایک بزرگ رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: زہد کی ابتدا لباس سے ہوتی ہے۔

سادہ لباس ایمان میں سے ہے:

جانِ ایمان، رحمتِ عالمیان صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالی شان ہے: اَلْبَذَاذَةُ مِنَ الْاِیْمَانِ یعنی سادہ لباس پہننا ایمان میں سے ہے۔[1]

رضائے الٰہی کے لئے عمدہ لباس ترک کرنے کی فضیلت:

مروی ہے کہ ”جو شخص قُدرت واِستطاعت کے باوجود اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے تواضع کرتے ہوئے اور اس کی رضا کے حصول کی نیت سے عمدہ لباس پہننا ترک کر دے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ پر حق ہے کہ اس کے لئے جنت کے یاقوت سے بنے ہوئے صندوقوں میں ریشمی لباس جمع فرما دے۔[2]

منقول ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ایک نبی عَلَیْہِ السَّلَام کی طرف وحی فرمائی: میرے اولیا سے فرما دیجئے کہ میرے دشمنوں کا لباس نہ پہنا کریں اور نہ ہی ایسی جگہوں پر جائیں جہاں میرے دشمن جاتے ہیں ورنہ یہ بھی ان کی طرح میرے دشمنوں میں سے ہو جائیں گے۔[3]

---

1 ...سنن ابی داود، کتاب الترجل، باب النھی عن کثیر من الارفاہ، ۴/ ۱۰۲، حدیث: ۴۱۶۱

2 ...سنن ابی داود، کتاب الادب، باب من کظم غیظاً، ۴/ ۳۲۶، حدیث: ۴۷۷۸، بتغیر

موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب التواضع والخمول، باب التواضع فی اللباس، ۳/ ۵۲۶، حدیث: ۱۵۶

3 ...حلیة الاولیاء، مالک بن دینار، ۲/ ۴۲۱، حدیث: ۲۸۱۷

حضرت سیِّدُنا رافع بن خُدَیج رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے بِشر بن مروان کو دیکھا کہ وہ کوفہ میں منبر پر بیٹھا خطبہ دے رہا ہے اور اس نے باریک لباس پہن رکھا ہے۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا: اپنے امیر کو دیکھو کہ وہ لوگوں کو وعظ ونصیحت کر رہا ہے لیکن اس نے خود فاسِقوں کا لباس پہن رکھا ہے۔

عُمدہ لباس اور زُہد:

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عامر بن ربیعہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ عمدہ لباس میں ملبوس حضرت سیِّدُنا ابو ذر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زہد کے بارے میں گفتگو کرنے لگے۔ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ اپنی ہتھیلی منہ پر رکھ کر بطورِ مذاق آوازیں نکالنے لگے۔ حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عامر بن ربیعہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ اس بات پر ناراض ہو کر امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عُمَر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شکایت کی۔ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: غَلَطی تمہاری اپنی ہے کہ تم ایسا لباس پہن کر ان کے سامنے زہد کے بارے میں بات کر رہے تھے۔

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم فرماتے ہیں: **اللہ** عَزَّوَجَلَّ نے ہدایت دینے والے اَئِمَّہ سے اس بات کا عہد لیا ہے کہ وہ لوگوں کے احوال میں سے سب سے ادنیٰ حالت کو اختیار فرمائیں تاکہ مال دار لوگ ان کی اقتدا کریں اور فقر کی وجہ سے فقرا کو حقیر نہ سمجھا جائے۔

مولیٰ مشکل کشا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ کی عاجزی:

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم کھردرا لباس زیبِ تن فرمایا کرتے تھے۔ کسی نے اس بارے میں عرض کی تو آپ نے فرمایا: ایسا لباس تواضُع کے زیادہ قریب ہے اور اس لائق ہے کہ مسلمان اس کی پیروی کریں۔

سرکارِ مدینہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے عیش پسندی اور آرام طَلَبی سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اِنَّ لِلّٰہِ تَعَالٰی عِبَادًا لَیْسُوْا بِالْمُتَنَعِّمِیْنَ یعنی بے شک **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو عیش پسند نہیں ہیں۔[1]

---

[1] ...المسند للامام احمد بن حنبل، حدیث معاذ بن جبل، ۸/ ۲۶۱، حدیث: ۲۲۱۷۹

حاکمِ مصر کی عاجزی:

حضرت سَیِّدُنا فُضالہ بن عُبَید رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْه جن دنوں مِصر کے حاکم تھے ان دنوں کسی نے آپ کو ننگے پاؤں اور غبار آلود دیکھ کر عرض کی: مصر کے حاکم ہونے کے باوجود آپ اس حالت میں ہیں؟ آپ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْه نے فرمایا: مصطفٰے جانِ رحمت صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے ہمیں عیش پسندی سے منع فرمایا تھا اور حکم دیا تھا کہ ہم کبھی کبھی ننگے پاؤں رہا کریں۔[1]

حضرت سَیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللهُ تَعَالٰی وَجْهَهُ الْکَرِیْم نے امیر المؤمنین حضرت سَیِّدُنا عُمَر فارُوقِ اعظم رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْه سے کہا: اگر آپ اپنے دونوں ساتھیوں (یعنی سرکارِ مدینہ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم اور امیر المؤمنین حضرت سَیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْه) سے ملنا چاہتے ہیں تو اپنی قمیص میں پیوند لگائیں، تہہ بند کو اونچا رکھیں، پیوند لگے ہوئے جوتے استعمال کریں اور بھوک سے کم کھائیں۔[2]

امیر المؤمنین حضرت سَیِّدُنا عُمَر فارُوقِ اعظم رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْه فرماتے ہیں: کُھردرا اور موٹا لباس پہنو اور عجمیوں یعنی قیصر و کسریٰ کے لباس سے بچو۔[3]

امیر المؤمنین حضرت سَیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللهُ تَعَالٰی وَجْهَهُ الْکَرِیْم فرماتے ہیں: جو شخص کسی قوم کی سی وضع قطع اختیار کرے تو وہ انہیں میں سے ہے۔[4]

اُمّت کے بدترین افراد:

حضور نبیِّ اکرم صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالی شان ہے: اِنَّ مِنْ شِرَارِ اُمَّتِیَ الَّذِیْنَ غُذُّوْا بِالنَّعِیْمِ یَطْلُبُوْنَ اَلْوَانَ الطَّعَامِ وَاَلْوَانَ الثِّیَابِ وَیَتَشَدَّقُوْنَ فِی الْکَلَامِ یعنی میری اُمّت کے بدترین افراد وہ بھی ہیں جنہوں نے نعمتوں میں پرورش پائی۔ یہ وہ لوگ ہیں جو قسم قسم کے کھانے اور طرح طرح کے لباس کی تلاش میں رہتے اور باچھیں کھول کر باتیں کرتے ہیں۔[5]

---

1 ...سنن ابی داود، کتاب الترجل، باب النهی عن کثیر من الارفاه، ۴/ ۱۰۲، حدیث: ۴۱۶۰

2 ...موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الجوع، ۴/ ۸۳، حدیث: ۲۴، بتقدم وتاخر

3 ...قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون، شرح مقامات الیقین، ۱/ ۴۲۸

4 ...سنن ابی داود، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة، ۴/ ۶۲، حدیث: ۴۰۳۱، عن ابن عمر رضی الله عنهما

5 ...الزهد للامام احمد بن حنبل، حکمة عیسی علیه السلام، ص ۱۱۲، حدیث: ۴۰۲

بروزِ قیامت نظرِ رحمت سے محروم شخص:

ایک روایت میں ہے: مومن کا تہبند آدھی پنڈلی تک ہونا چاہئے، آدھی پنڈلی سے لے کر ٹخنوں تک کوئی حرج نہیں اور جو اس سے نیچے ہو وہ آگ میں ہو گا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ بروزِ قیامت اس شخص کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرمائے گا جو تکبُّر کے طور پر اپنا تہبند گھسیٹتا ہے۔[1]

حضرت سیِّدُنا ابو سلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی سے مروی ہے کہ حبیبِ پَروَرْدگار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: لَا یَلْبَسُ الشَّعْرَ مِنْ اُمَّتِیْ اِلَّا مُرَآءٍ اَوْ اَحْمَقُ یعنی میری امت میں بالوں کا لباس دکھاوا کرنے والے اور کم عقل لوگ ہی پہنیں گے۔

حضرت سیِّدُنا ابو عَمرو اَوزاعی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: اُون کا لباس پہننا سفر میں سنت اور سفر کے علاوہ بدعت ہے۔[2]

حضرت سیِّدُنا محمد بن واسع رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ اُونی جبہ پہنے ہوئے حضرت سیِّدُنا قتیبہ بن مسلم باہلی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے کہا: اے ابو یحییٰ! آپ کو اُونی جبہ پہننے کی کیا ضرورت ہے؟ حضرت سیِّدُنا محمد بن واسع رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ خاموش رہے تو انہوں نے کہا: میں آپ سے بات کر رہا ہوں، آپ ہیں کہ جواب نہیں دے رہے۔ اس پر حضرت سیِّدُنا محمد بن واسع رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: اگر میں یہ کہوں کہ میں نے دنیا سے بے رغبتی کے طور پر یہ اُونی جبہ پہنا ہے تو اس میں تزکیۂ نفس ہے اور اگر کہوں کہ غربت کے باعث پہنا ہے تو اس میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی شکایت ہے۔

حضرت سیِّدُنا ابو سلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی فرماتے ہیں: اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جب حضرت سیِّدُنا ابراہیم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو اپنا خلیل بنایا تو ان کی طرف وحی فرمائی کہ آپ زمین سے بھی اپنا سَتر چھپائیں۔ چنانچہ آپ عَلَیْہِ السَّلَام پاجامے کے علاوہ باقی ہر چیز ایک ایک رکھتے تھے جبکہ آپ کے پاس پاجامے دو تھے، جب ایک کو دھوتے تو دوسرا زیبِ تن فرماتے اور یوں آپ کا سترِ مُبارَک ہمیشہ پوشیدہ رہتا۔

---

1 ...الموطا للامام مالک بن انس، کتاب اللباس، باب ما جاء فی اسبال الرجل ثوبہ، ۲/ ۴۱۱، حدیث: ۱۷۴۵

2 ...تذکرۃ الحفاظ للذہبی، الرقم ۱۷۷ الاوزاعی شیخ الاسلام ابو عمرو عبد الرحمن بن عمرو بن محمد، ۱/ ۱۳۶

غلام اور عمدہ لباس:

حضرت سیِّدُنا سلمان فارسی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کی خدمت میں عرض کی گئی: آپ عمدہ لباس کیوں نہیں پہنتے؟ فرمایا: بھلا غلام کو عمدہ لباس پہننے کی کیا ضرورت ہے البتہ جب یہ دوزخ کی آگ سے آزادی پالے تو **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی قسم! پھر اسے ایسا لباس حاصل ہو گا جو کبھی بوسیدہ نہ ہو گا۔

حضرت سیِّدُنا عُمَر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْعَزِیْز کے بارے میں منقول ہے کہ آپ کے پاس بالوں سے بنا ایک جبہ اور ایک چادر تھی جنہیں پہن کر آپ رات کو عبادت فرماتے تھے۔

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی نے حضرت سیِّدُنا فَرقَد بن یعقوب سَبَخِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی سے فرمایا: یہ گمان نہ کیجئے گا کہ آپ کو اپنے اُونی کمبل کے سبب لوگوں پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اکثر جہنمی نفاق کے طور پر کمبل اوڑھنے والے ہوں گے۔

حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن معین عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْمُبِیْن فرماتے ہیں: میں نے حضرت سیِّدُنا ابو مُعاوِیہ یمان الاسود عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الصَّمَد کو دیکھا کہ آپ کچرے کے ڈھیر سے کپڑوں کے پرانے ٹکڑے اٹھاتے اور انہیں دھو کر سینے کے بعد پہنتے لیتے۔ میں نے ان سے عرض کی: آپ اس سے بہتر لباس بھی پہن سکتے ہیں۔ فرمایا: دنیا میں پہنچے والی تکلیفوں میں ہمارا کیا نقصان ہے جبکہ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ جنت میں اس کی تلافی فرمادے گا؟ اس بات کو بیان کرتے ہوئے حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن معین عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْمُبِیْن پر رقت طاری ہوگئی اور آپ رونے لگے۔

تیسری ضرورت مکان

مکان کے معاملے میں بھی زہد کے تین دَرَجات ہیں: (۱)... اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنے لئے کوئی مخصوص جگہ طلب نہ کی جائے بلکہ مساجد کے گوشوں پر قناعت کرلی جائے جیسا کہ اصحاب صُفّہ عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کا معاملہ تھا۔ (۲)... اوسط درجہ یہ ہے کہ کھجور کی شاخوں یا پھر بانس وغیرہ سے بنی ہوئی جھونپڑی پر گزارہ کرلیا جائے۔ (۳)... سب سے ادنیٰ دَرَجہ یہ ہے کہ خرید کر یا کرائے پر اینٹ اور مٹی سے بنا ہوا کوئی کمرہ حاصل کیا جائے۔ اگر یہ کمرہ ضرورت سے زیادہ نہ ہو اور نہ ہی اس میں زینت وآرائش کو اختیار کیا گیا ہو تو پھر کمرے کا اختیار کرنا اسے زہد کے آخری درجے سے خارج نہ کرے گا لیکن اگر کسی کا مکان پختہ، چونا کیا ہوا اور وسیع ہو نیز اس کی چھت چھ گز سے

اونچی ہو تو ایسا شخص مکان کے معاملے میں زہد کے کم سے کم درجے سے بھی خارج ہے۔

مکان کی تعمیر جس چیز سے ہوئی مثلاً: چونا، بانس، گارا یا اینٹیں اس کے اعتبار سے، تنگی یا وسعت کے لحاظ سے نیز مکان اپنی ملک ہے، کرائے پر ہے یا عاریۃً لیا ہوا ہے ان تمام اعتبارات سے مکان کی مختلف اقسام ہوسکتی ہیں اور ان تمام صورتوں میں زہد کے مختلف اعتبارات ہیں۔

خلاصۂ کلام:

جس چیز کو ضرورت کی وجہ سے طلب کیا جائے اس میں ضرورت کی حد سے تجاوُز نہیں کرنا چاہئے۔ بقدرِ ضرورت دنیا کا حصول دینی معاملات کے لئے آلہ اور وسیلہ ہے جبکہ مقدارِ ضرورت سے تجاوز دین کے مُنافِی ہے۔ مکان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بارش، سردی گرمی، لوگوں کی نظروں اور اذیت سے حفاظت ہوسکے اور اس کا کم سے کم درجہ بیان ہوچکا، جو اس سے زیادہ ہو وہ فضول ہے اور تمام فضولیات دنیا میں داخل ہیں، فضول کو طلَب کرنے والا اور اس کے لئے کوشش کرنے والا زہد سے انتہائی دور ہے۔

''تَدْرِیْز''اور''تَشْیِیْد'' کی وضاحت:

منقول ہے کہ سرکارِ نامدار، مدینے کے تاجدار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے وصالِ ظاہری کے بعد لمبی امیدوں کے معاملے میں جو چیز سب سے پہلے ظاہر ہوئی وہ ''تَدْرِیْز'' اور ''تَشْیِیْد'' ہے۔[1]

''تَدْرِیْز'' سے مراد کپڑوں کی عمدہ اور باریک سلائی ہے، پہلے لمبے لمبے ٹانکوں سے کپڑے سیئے جاتے تھے۔ ''تَشْیِیْد'' سے مراد چونے اور اینٹوں سے مکان بنانا ہے جبکہ پہلے کھجور کی شاخوں سے مکان بنائے جاتے تھے۔

ایک روایت میں ہے: یَاْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ یُّوْشُوْنَ ثِیَابَھُمْ کَمَا تُوْشَی الْبُرُوْدُ الْیَمَانِیَۃُ یعنی لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ وہ اپنے کپڑوں کو اس طرح مزین کریں گے جیسے یمنی چادروں کو مزین کیا جاتا ہے۔[2]

حضور نبیِّ پاک، صاحِبِ لولاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اپنے چچا حضرت سیِّدُنا عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی

---

1 ...قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون، شرح مقامات الیقین، ۱/ ۴۳۳

2 ...قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون، شرح مقامات الیقین، ۱/ ۴۳۳، ''ثیابھم'' بدلہ ''بنیانھم''

عَنْہ کو اس کمرے کے گرانے کا حکم دیا جسے انہوں نے بلند کیا تھا۔[1]

رضائے مصطفٰے کے طلب گار:

نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا گزر ایک بلند قُبّے کے پاس سے ہوا۔ اِستفسار فرمایا: یہ کس کا ہے؟ لوگوں نے ایک شخص کا نام بتایا۔ جب وہ صاحِب بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان سے اِعراض فرمایا اور اس طرح متوجہ نہ ہوئے جیسے پہلے ہوتے تھے۔ ان صاحِب نے صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان سے اس بے توجہی کا سبب پوچھا، جب خبر دی گئی تو انہوں نے جاکر اس قُبّے کو گرادیا۔ اس کے بعد جب رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم دوبارہ اس مقام سے گزرے اور قبہ نہ دیکھا تو اس کے بارے میں دریافت فرمایا، جب خبر دی گئی تو آپ نے ان صاحب کے لئے دعا فرمائی۔[2]

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: محبوب ربِّ داور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے وصالِ ظاہری فرمانے تک نہ تو اینٹ پر اینٹ رکھی اور نہ ہی بانس پر بانس رکھا (یعنی کوئی عمارت تعمیر نہ فرمائی)۔[3]

ناراضیِ الٰہی کی علامت:

حضور نبیِّ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدٍ شَرًّا اَھْلَكَ مَالَہٗ فِی الْمَآءِ وَالطِّیْنِ یعنی جب اللہ عَزَّوَجَلَّ کسی بندے سے ناپسندیدگی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے مال کو پانی اور مٹی (یعنی تعمیرات) میں ہلاک فرمادیتا ہے۔[4]

موت آنے ہی والی ہے:

حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عَمْرو بن عاص رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں: ہم اپنی بانس سے بنی ہوئی جھونپڑی کی مرمت کررہے تھے کہ پیارے مصطفٰے صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا وہاں سے گزر ہوا۔ آپ نے استفسار فرمایا: یہ کیا ہے؟ ہم نے عرض کی: ہماری جھونپڑی ہے جو کمزور ہوگئی ہے۔ ارشاد فرمایا: موت اس

1 ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب قصر الامل، ۳/ ۳۶۳، حدیث: ۲۸۱

2 ...سنن ابی داود، کتاب الادب، باب ما جاء فی البناء، ۴/ ۴۶۰، حدیث: ۵۲۳۷، بتغیر

3 ...حلیۃ الاولیاء، الحسن البصری، ۲/ ۱۷۹، حدیث: ۱۸۳۴

4 ...المعجم الاوسط، ۶/ ۴۵۱، حدیث: ۹۳۶۹، "الماء" بدلہ "لبن"

سے بھی جلد آنے والی ہے۔[1]

منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا نوح نَجِیُّ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے ایک سادہ سی بانس کی جھونپڑی میں رہائش اختیار فرمائی۔ عرض کی گئی: بہتر تھا کہ آپ کوئی عمدہ مکان تعمیر فرمالیتے۔ ارشاد فرمایا: جو مر جائے گا (یعنی جسے موت کا یقین ہے) اس کے لئے یہ بھی بہت ہے۔[2]

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: ہم حضرت سیِّدُنا صفوان بن مُحْرِز رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کی خدمت میں ان کی بانس کی جھونپڑی میں حاضر ہوئے جو جھکی ہوئی تھی۔ ان کی خدمت میں عرض کی گئی: کتنا اچھا ہوتا اگر آپ اس کی مرمت فرمالیتے۔ انہوں نے فرمایا: کتنے ہی لوگ مر گئے لیکن یہ اپنی جگہ پر قائم ہے۔

ضرورت سے زائد تعمیرات کی سزا:

مکی مدنی مصطفٰے صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: مَنْ بَنٰی فَوْقَ مَا یَکْفِیْہِ کُلِّفَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَنْ یَّحْمِلَہٗ یعنی جو شخص ضرورت سے زیادہ عمارت تعمیر کرے گا روزِ قیامت اسے اس عمارت کو اٹھانے پر مجبور کیا جائے گا۔[3]

ایک روایت ہے: کُلُّ نَفَقَۃٍ لِلْعَبْدِ یُؤْجَرُ عَلَیْھَا اِلَّا مَا اَنْفَقَہٗ فِی الْمَآءِ وَالطِّیْنِ یعنی بندے کو اس کے ہر خرچ پر اجر دیا جائے گا سوائے اس کے جو پانی اور مٹی (یعنی غیر ضروری تعمیرات) میں خرچ کرے۔[4]

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا ؕ

ترجمۂ کنزالایمان: یہ آخرت کا گھر ہم ان کے لئے کرتے ہیں جو زمین میں تکبر نہیں چاہتے اور نہ فساد۔

(پ۲۰، القصص: ۸۳)

ایک قول کے مطابق اس آیتِ مقدسہ میں زمین میں بلندی سے مراد حکومت وریاست کی طلب اور تعمیرات میں باہم مقابلہ بازی کرنا ہے۔

---

1 ...سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب فی البناء والخراب، ۴/ ۴۵۰، حدیث: ۴۱۶۰

2 ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب قصر الامل، ۳/ ۳۵۷، حدیث: ۲۵۳

3 ...المعجم الکبیر، ۱۰/ ۱۵۱، حدیث: ۱۰۲۸۷

4 ...بخاری، کتاب المرضی، باب تمنی المریض الموت، ۴/ ۱۳، حدیث: ۵۶۷۲، دون ''الماء''

ہر تعمیر وبال ہے:

حضور پُرنُور، شافعِ یومُ النُّشور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: کُلُّ بِنَآءٍ وَّبَالٌ عَلٰی صَاحِبِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِلَّا مَا اَکَنَّ مِنْ حَرٍّ وَّبَرْدٍ یعنی ہر تعمیر روزِ قیامت اپنے بنانے والے کے لئے وبال ہے سوائے اس کے جو سردی گرمی سے بچنے کے لئے ہو۔[1]

ایک شخص نے بارگاہِ رسالت میں اپنے گھر کے چھوٹا ہونے کی شکایت کی تو حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اِتَّسِعْ فِی السَّمَآءِ یعنی آسمان میں وسعت کو اختیار کرو۔[2]

مراد یہ ہے کہ جنت میں وسیع وعریض مکان کے لئے کوشش کرو۔

چونے اور اینٹوں سے بنائی گئی پہلی عمارت:

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عُمَر فارُوقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے مُلکِ شام کی طرف جاتے ہوئے راستے میں ایک عالی شان اور بلند وبالا عمارت دیکھی جسے چونے اور اینٹوں سے تعمیر کیا گیا تھا۔ اسے دیکھ کر آپ نے تکبیر کہی اور فرمایا: میرا یہ گمان نہیں تھا کہ اس امت میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو ایسی عمارت تعمیر کریں گے جیسی ہامان نے فرعون کے لئے کی تھی۔ امیر المؤمنین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کی مراد فرعون کا یہ قول ہے:

فَاَوْقِدْ لِیْ یٰهَامٰنُ عَلَى الطِّیْنِ فَاجْعَلْ لِّیْ صَرْحًا (پ۲۰، القصص: ۳۸)

ترجمۂ کنزالایمان: تو اے ہامان میرے لئے گارا پکا کر ایک محل بنا۔

منقول ہے کہ فرعون وہ پہلا شخص ہے جس کے لئے چونے اور اینٹوں سے عمارت تعمیر کی گئی اور سب سے پہلے یہ کام کروانے والا (فرعون کا وزیر) ہامان ہے، پھر دیگر سرکش لوگوں نے ان دونوں کی پیروی کی اور یہی وہ زینت وآرائش ہے جس کی ممانعت کی گئی ہے۔

ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے کسی شہر کی جامع مسجد کو دیکھ کر ارشاد فرمایا: میں نے اس مسجد کو پہلے کھجور کی شاخوں سے بنا ہوا دیکھا تھا، پھر چند سال بعد دیکھا تو یہ گارے مٹی سے تعمیر شدہ تھی اور اب اسے پکی

---

1 ...سنن ابی داود، کتاب الادب، باب ما جاء فی البناء، ۴/ ۴۶۰، حدیث: ۵۲۳۷، بتغیر قلیل

2 ...مراسیل ابی داود ملحق سنن ابی داود، باب ما جاء فی البناء، ص۱۹

اینٹوں سے بنا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ اسے کھجور کی شاخوں سے بنانے والے گارے مٹی سے بنانے والوں سے جبکہ گارے مٹی سے بنانے والے اینٹوں سے بنانے والوں سے بہتر ہیں۔

مضبوط مکان تعمیر نہ کرنے کا سبب:

بعض بزرگانِ دین رَحِمَہُمُ اللّٰہُ الْمُبِیْن چونکہ مضبوط مکان تعمیر نہیں کرتے تھے اس لئے انہیں زندگی میں کئی مرتبہ اس کی مرمت کرنی پڑتی تھی۔ مضبوط مکان تعمیر نہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ یہ حضرات نہ تو تعمیرات کے معاملے میں دلچسپی رکھتے تھے اور نہ ہی طویل امیدوں کا شکار تھے۔

اَسلاف کے گھروں کی چھت کی اُونچائی:

بعض اَسلاف کرام رَحِمَہُمُ اللّٰہُ السَّلَام جب سفر حج یا جہاد کے لئے روانہ ہونے لگتے تو اپنے مکان کو اکھاڑ دیتے یا پھر اپنے پڑوسیوں کو اس کا مالک بنادیتے، پھر جب سفر سے واپسی ہوتی تو دوبارہ مکان بناتے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے گھر گھانس پھونس اور کھالوں سے بنے ہوتے تھے۔ آج بھی (اس سے حضرت سیِّدُنا امام غزالی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْوَالِی کا زمانہ مراد ہے) یمن میں اہلِ عرب اسی طرح کے گھر بناتے ہیں۔ بزرگانِ دین رَحِمَہُمُ اللّٰہُ الْمُبِیْن کے گھروں میں چھت کی اونچائی انسانی قد سے کچھ زیادہ ہوتی تھی۔

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: میں جب صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کے گھروں میں داخل ہوتا تو اپنے ہاتھ سے چھت کو چھولیتا تھا۔

اے سب سے بڑے فاسق!

حضرت سیِّدُنا عَمرو بن دِینار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْغَفَّار فرماتے ہیں: جب کوئی شخص چھ گز سے زیادہ اونچی عمارت تعمیر کرتا ہے تو ایک فرِشتہ اس سے کہتا ہے: اے سب سے بڑے فاسق! اور کتنا اونچا کرے گا؟

بلند و بالا اور مضبوط عمارات تعمیر کرنے کا ایک سبب:

حضرت سیِّدُنا سُفیان ثَوری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی نے بلند و بالا اور مضبوط عمارات کی طرف دیکھنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا: اگر لوگ ایسی عمارتوں کو دیکھنا ترک کردیں تو پھر یہ لوگ ایسی عمارات نہ بنائیں، لوگوں کا

انہیں دیکھنا ان کی تعمیر کے لئے مدد گار ثابت ہوتا ہے۔

اس پر تعجب ہے جو...!

حضرت سیِّدُنا فضیل بن عِیاض رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: مجھے اس شخص پر تعجب نہیں جو عمارت بنا کر چھوڑ گیا بلکہ اس پر تعجب ہے جو ایسی عمارتوں کو دیکھ کر عبرت حاصل نہیں کرتا۔

حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: کچھ ایسے لوگ آئیں گے جو عمارتوں کو بلند اور دین کو پست کریں گے اور عمدہ گھوڑوں پر سواری کریں گے، یہ لوگ تمہارے قبلے کی طرف نماز پڑھیں گے لیکن ان کی موت اسلام پر نہیں ہوگی۔

چوتھی ضرورت گھریلو سازوسامان

اس معاملے میں بھی زہد کے تین درجات ہیں:

(۱)...سب سے اعلیٰ مرتبہ اس شخص کا ہے جو حضرت سیِّدُنا عیسیٰ رُوْحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی حالت کو اختیار کرے۔ آپ اپنے ساتھ صرف ایک کنگھی اور پیالہ رکھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے ایک شخص کو ملاحظہ فرمایا کہ وہ اپنی انگلیوں سے داڑھی میں کنگھی کر رہا ہے تو آپ نے کنگھی بھی پھینک دی۔ ایک شخص کو دیکھا کہ اپنی ہتھیلیوں کے ذریعے نہر سے پانی پی رہا ہے تو پیالہ بھی پھینک دیا۔

ہر قسم کے سامان کا یہی حکم ہے کیونکہ اَصْلِ مقصود اس کے نفع کا حصول ہوتا ہے نہ کہ بذاتِ خود وہ چیز، اگر اس چیز کے بغیر بھی کام چل سکتا ہو تو وہ اپنے مالک کے لئے دنیا و آخرت میں وبال ہے۔ ایسا سامان جس کے بغیر چارۂ کار نہ ہو اس میں بھی کم سے کم درجے پر اِکتفا کرنا چاہئے مثلاً: جن کاموں کے لئے مٹی کے برتن سے کام چل سکتا ہو ان میں اسی پر اکتفا کیا جائے اور اس بات کی پروا نہ کی جائے کہ برتن کا کوئی کنارہ ٹوٹا ہوا ہے کیونکہ اس سے بھی مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔

(۲)...درمیانہ درجہ یہ ہے کہ گھریلو ضروریات کے مطابق صحیح سلامت سامان موجود ہو لیکن اس بات کا خیال رکھا جائے کہ اگر ایک چیز کئی مَقاصِد کے لئے استعمال ہو سکتی ہو تو ان کے لئے الگ الگ سامان نہ ہو مثلاً: ایک پیالے سے کھانا کھانے، پانی پینے اور چھوٹی موٹی چیزیں رکھنے کا کام لیا جا سکتا ہے۔ بزرگانِ دین رَحِمَہُمُ

اللہُ الْمُبِیْن سازوسامان میں کمی کی غرض سے ایک چیز کو کئی کاموں کے لئے استعمال کرنا پسند فرماتے تھے۔

(۳)...ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ہر کام کے لئے الگ الگ سامان موجود ہو لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ سامان سب سے ہلکی اور معمولی جنس کا ہو، ایک کام کے لئے ایک سے زائد چیزیں رکھنے والا یا پھر عمدہ جنس کی اشیاء استعمال کرنے والا شخص گھریلو سازوسامان کے معاملے میں زہد کے تمام درجات سے محروم اور فضولیات کی طلب میں مشغول ہونے والا ہے۔

اس معاملے میں رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اور صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کی زندگی ہمارے لئے مشعلِ راہ ہے۔ چنانچہ

حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا گھریلو سازوسامان میں زہد:

حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں: پیارے مصطفٰے صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم جس بستر پر آرام فرماتے تھے وہ چمڑے کا بنا ہوا تھا اور اس میں کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی۔[1]

حضرت سیِّدُنا فضیل بن عِیاض رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: تاجدارِ رسالت، شہنشاہِ نبوت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا بستر ایک دو تہہ کئے ہوئے کمبل اور کھجور کی چھال بھرے ہوئے چمڑے کے تکیے پر مشتمل تھا۔[2]

بسترِ نبوی دیکھ کر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ عَنْہ رو پڑے:

حضرت سیِّدُنا عُمَر فارُوقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ دوجہاں کے سلطان صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کھجور کی چھال سے بُنی ہوئی چارپائی پر آرام فرما تھے جس کے سبب مبارک پہلوؤں پر نشانات پڑ گئے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ اشک بار ہو گئے۔ حضور نبیِّ کریم، رَءُوْفٌ رَّحیم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے استفسار فرمایا: اے عمر! کیوں روتے ہو؟ عرض کی: مجھے اس بات نے رلا دیا کہ قیصر و کسریٰ جیسے بادشاہ تو دنیوی آسائشوں میں زندگی گزار رہے ہیں اور آپ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب و چنے ہوئے بندے اور رسول ہونے کے باوجود کھجور کی چھال سے بُنی ہوئی ایک چارپائی پر آرام فرما ہیں۔ آپ صَلَّی

---

1 ...مسلم، کتاب اللباس، باب التواضع فی اللباس...الخ، ص۱۱۵۳، حدیث: ۲۰۸۲

2 ...الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ذکر ضجاع رسول اللّٰہ و افتراشہ، ۱/ ۳۶۰، عن عائشۃ رضی اللّٰہ عنہا

اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اے عمر! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ ان کے لئے دنیا اور ہمارے لئے آخرت ہو؟ عرض کی: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! میں اس بات پر راضی ہوں۔ ارشاد فرمایا: تو پھر ایسا ہی ہے (یعنی ان کے لئے دنیا اور ہمارے لئے آخرت ہے)۔[1]

ہمارا ایک اور گھر بھی ہے:

ایک شخص حضرت سیِّدُنا ابوذر غفاری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے گھر میں کسی قسم کا سازو سامان نہ پایا تو عرض کی: اے ابوذر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ! آپ کے گھر میں ضرورت کا سازو سامان نظر نہیں آرہا؟ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: ہمارا ایک گھر اور بھی ہے، ہم اپنا عمدہ سازو سامان وہاں کے لئے بھیج دیتے ہیں۔ اس نے پھر عرض کی: جب تک آپ اس گھر میں موجود ہیں کچھ نہ کچھ سامان کا ہونا تو ضروری ہے۔ فرمایا: اس گھر کا مالک ہمیں اس میں نہیں رہنے دے گا۔[2]

حمص کے گورنر کا سازو سامان:

حِمْص کے گورنر حضرت سیِّدُنا عمیر بن سعید رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ جب امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عُمَر فارُوقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا: تمہارے پاس دنیوی سازو سامان میں سے کیا کیا ہے؟ عرض کی: میرے پاس میری لاٹھی ہے جس پر میں ٹیک لگاتا ہوں اور اگر سانپ کا سامنا ہو جائے تو اِسی سے اُسے مارتا ہوں، چمڑے کا ایک تھیلا ہے جس میں اپنا کھانے کا سامان رکھتا ہوں، ایک عدد پیالہ ہے جس میں کھانا کھاتا ہوں، سر اور کپڑے دھونے کے لئے اسی سے مدد لیتا ہوں، ایک برتن ہے جس میں پینے اور وضو کے لئے پانی ساتھ رکھتا ہوں، اس کے علاوہ دنیا کا جو کچھ سازو سامان ہے وہ میرے پاس موجود اس سامان کے تابع ہے۔ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عُمَر فارُوقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے یہ سن کر فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ تم پر رحم فرمائے، تم نے سچ کہا۔[3]

1 ...الادب المفرد للبخاری، باب الجلوس علی السریر، ص۳۱۱، حدیث: ۱۱۹۷

2 ...شعب الایمان للبیہقی، باب فی الزھد وقصر الامل، ۷/ ۳۷۸، حدیث: ۱۰۶۵۱

3 ...المعجم الکبیر، ۱۵، ۱۷/ ۵۱، حدیث: ۱۰۹، عن عمیر بن سعد،

رضائے مصطفٰے پر ہر چیز قربان:

حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ایک سفر سے واپسی پر خاتونِ جنت حضرت سیِّدَتُنا فاطمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے گھر تشریف لائے لیکن گھر کے دروازے پر ایک پردہ اور اپنی لختِ جگر کے ہاتھوں میں چاندی کے دو کنگن ملاحظہ فرما کر واپس تشریف لے گئے۔ حضرت سیِّدُنا ابو رافع رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ خاتونِ جنت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ رو رہی تھیں، انہوں نے مصطفٰے جانِ رحمت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے لوٹ جانے کی خبر دی تو حضرت سیِّدُنا ابو رافع رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر واپسی کا سبب پوچھا آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: دروازے پر موجود پردے اور چاندی کے کنگنوں کے سبب میں واپس آگیا۔[1] حضرت سیِّدُنا ابو رافع رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے خاتونِ جنت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو اس بات کی خبر دی تو انہوں نے پردہ پھاڑ دیا اور کنگن حضرت سیِّدُنا بلال رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے ہاتھوں بارگاہِ رسالت میں بھیج دیئے اور عرض کی: میں یہ کنگن صدقہ کرتی ہوں، آپ انہیں جہاں مناسب سمجھیں خرچ فرمادیں۔ غریبوں کے والی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت سیِّدُنا بلال رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے ارشاد فرمایا: انہیں بیچ کر اہلِ صفہ پر خرچ کر دو۔ چنانچہ انہوں نے وہ دونوں کنگن ڈھائی درہم میں بیچ کر اصحابِ صفہ پر صدقہ کر دیئے۔ اس کے بعد پیارے مصطفٰے صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اپنی لختِ جگر کے گھر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: تم پر میرے ماں باپ فدا[2]! تم نے بہت اچھا کیا۔[3]

ایک روایت میں ہے کہ سرکارِ مکۂ مکرمہ، سردارِ مدینۂ منورہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ام المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے حجرے کے دروازے پر ایک پردہ ملاحظہ فرمایا تو اسے پھاڑ دیا اور ارشاد فرمایا: کُلَّمَا رَاَیْتُہٗ ذَکَرْتُ الدُّنْیَا اَرْسِلِیْ بِہٖ اِلٰی اٰلِ فُلَان یعنی میں اسے جب بھی دیکھتا ہوں مجھے دنیا یاد آتی ہے، اسے فلاں کے گھر بھیج دو۔[4]

---

1. ...سنن ابی داود، کتاب الترجل، باب ما جاء فی الانتفاع بالعاج، ۴/ ۱۱۸، حدیث: ۴۲۱۳، بتغیر
2. ...خیال رہے کہ میں فدا میرے ماں باپ فدا انتہائی محبت و عظمت ظاہر کرنے کے لئے کہے جاتے ہیں۔ (مراۃ المناجیح، ۸/ ۴۳۲)
3. ...سنن النسائی، کتاب الزینۃ، باب الکراھیۃ للنساء فی اظہار الحلی والذھب، ص۸۲۰، حدیث: ۵۱۵۰، بتغیر
4. ...سنن النسائی، کتاب الزینۃ، باب التصاویر، ص۸۴۷، حدیث: ۵۳۶۳، بتغیر قلیل

دو جہاں کے تاجْوَر، سلطانِ بَحر و بَر صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ایک دو تہہ کئے ہوئے کمبل پر آرام فرمایا کرتے تھے۔ ایک رات اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے نیا بستر بچھا دیا تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پوری رات کروٹیں بدلتے رہے، جب صبح ہوئی تو ارشاد فرمایا: میرے لئے وہی پرانا کمبل بچھایا کرو اور اس نئے بستر کو مجھ سے دور کر دو، اس نے مجھے ساری رات سونے نہیں دیا۔[1]

گھر میں موجود دیناروں نے سونے نہ دیا:

ایک مرتبہ سرکارِ والا تَبار، ہم بے کسوں کے مددگار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں کہیں سے پانچ یا چھ دینار آئے جو رات تک گھر میں موجود رہے، ان دیناروں کی گھر میں موجودگی کے سبب آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم رات کو سو نہ پائے یہاں تک کہ رات کے آخری حصے میں انہیں گھر سے نکال دیا (یعنی صدقہ کر دیا)۔ ام المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صِدّیقہ طَیِّبہ طاہِرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں: اس کے بعد آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے آرام فرمایا یہاں تک کہ میں نے آپ کے سانسوں کی آواز سنی۔ اس موقع پر ارشاد فرمایا: اگر ان دیناروں کے ہوتے ہوئے مجھے موت آجائے تو بارگاہِ الٰہی میں کیا جواب دوں گا؟[2]

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: میں نے 70 کے قریب نیک بندوں کو دیکھا جن کے پاس صرف ایک کپڑا ہوتا تھا، ان میں سے کوئی بھی زمین پر کپڑا نہیں بچھاتا تھا بلکہ جب سونے کا ارادہ ہوتا تو یہ حضرات زمین پر لیٹ کر اوپر کپڑا اوڑھ لیتے تھے۔

پانچویں ضرورت نکاح

بعض بزرگانِ دین فرماتے ہیں: نکاح کرنے میں یا اس کی کثرت میں زہد کا کوئی عمل دَخْل نہیں ہے۔

حضرت سیِّدُنا سَہْل بن عبد اللہ تُستَری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْوَلِی کی رائے بھی یہی ہے، آپ فرماتے ہیں: تمام زاہدوں کے سردار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو نکاح کرنا پسند تھا تو پھر اس معاملے میں زہد کا کیا کام؟

حضرت سیِّدُنا سُفیان بن عُیَیْنَہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کا بھی یہی مَوْقِف ہے، آپ فرماتے ہیں: صحابۂ کرام

---

1 ...الطبقات الکبری لابن سعد، ذکر ضجاع رسول اللّٰہ وافتراشہ، ۱/ ۳۶۰، بتغیر قلیل

2 ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند الصدیقۃ عائشۃ، ۹/ ۳۰۴، حدیث: ۲۴۲۷۷، بتغیر

عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان میں سب سے بڑے زاہد امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم تھے اور آپ کی چار ازواج اور 10 سے زائد لونڈیاں تھیں۔

کون سی چیز بُری ہے؟

اس مُعاملے میں دُرُست بات وہ ہے جو حضرت سیِّدُنا ابو سلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی نے فرمائی کہ جو بھی چیز تمہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ سے غافل کر دے وہ بری ہے چاہے وہ بیوی ہو یا مال واولاد۔

نکاح کے حوالے سے زہد کی مختلف صورتیں:

بعض اَوقات بیوی بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ سے غفلت کا سبب بنتی ہے، ایسی صورت میں نکاح کو ترک کرنا اور کنوارہ رہنا زہد میں داخل اور افضل ہے جس کا بیان "کتابُ النِّکاح" میں گزر چکا ہے۔ اگر کسی پر شہوت غالب ہو تو اسے دور کرنے کے لئے نکاح کرنا نہ صرف افضل بلکہ واجب ہے اور ایسی صورت میں نکاح کو ترک کرنے کا زہد سے کوئی تعلُّق نہیں۔ اگر کسی شخص کے لئے نکاح کرنا نہ کرنا دونوں برابر ہوں (یوں کہ شہوت کا غلبہ نہ ہو) تو اس صورت میں نکاح کو ترک کرنا کہ دل بیوی کی طرف مائل ہو گا اور اس سے محبت ہو گی جس کے باعث وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی یاد سے غافل ہو جائے گا تو پھر نکاح کو ترک کرنا زہد میں داخل ہے۔ اگر کوئی یہ جانتا ہے کہ بیوی اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی یاد سے غافل تو نہ کرے گی لیکن اسے دیکھنے، اس کے ساتھ سونے اور صحبت کرنے کی لذت سے بچنے کے لئے نکاح کو ترک کرتا ہے تو اس صورت کا زہد سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ اس کی نسل کی بقا کے لئے اولاد کا ہونا ضروری ہے اور سرکارِ نامدار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی امت کی کثرت کا باعث بننا ایک نیک عمل ہے۔ جو کام انسانی وُجُود کی بقا کے لئے ضروری ہیں انہیں کرنے کے دوران حاصل ہونے والی لذت نقصان دہ نہیں کیونکہ اَصْلِ مقصود اس لذت کا حصول نہیں ہوتا۔ حصولِ لذت کے خوف سے نکاح کو ترک کرنے والا ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص کھانے پینے کی لذت سے بچنے کے لئے کھانا کھانے اور پانی پینے کو ترک کر دے۔ ایسا کرنے والے شخص کا زہد سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ کھانے پینے کو ترک کرنا انسانی بدن کی ہلاکت کا باعث ہے، یونہی نکاح کو ترک کرنا نسلِ انسانی کے منقطع ہونے کا سبب ہے، لہٰذا بغیر کسی اور آفت کے صرف نکاح کی لذت سے بچنے کے لئے اسے ترک کرنا جائز نہیں۔ یقینی طور پر

حضرت سیِّدُنا سَہْل بن عبداللہ تُسْتَرِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی کا بھی یہی مقصود ہو گا اور اسی لئے محبوب ربِّ داور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے بھی نکاح فرمائے۔ چنانچہ جس شخص کا حال پیارے مصطفٰے صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے حال کے مشابہ ہو کہ عورتوں کی کثرت، ان کے معاملات کی اصلاح اور ان کے اخراجات کے سبب وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی یاد سے غفلت کا شکار نہ ہو تو صرف انہیں دیکھنے اور صحبت کی لذت سے بچنے کے لئے نکاح کو ترک کرنے کا زہد سے کوئی تعلق نہیں، لیکن انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام اور اکابر اولیائے عظام رَحِمَہُمُ اللہُ السَّلَام کے علاوہ دیگر لوگوں کے لئے اس مقام کا حُصُول بہت مشکل ہے، اکثر لوگوں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ عورتوں کی کثرت انہیں یادِ خداوندی سے غافل کر دیتی ہے۔ اس لئے ہر شخص کو اپنی حالت پر غور کرنا چاہئے، اگر اَصْلِ نکاح اسے یادِ الٰہی سے غافل کرتا ہے تو نکاح نہ کرے اور اگر اَصْلِ نکاح اس معاملے میں رکاوٹ نہیں بنتا بلکہ عورتوں کی کثرت یا خوبصورتی غفلت کا باعث بنتی ہے تو پھر ایک نکاح پر اِکتفا کرے یا پھر ایسی عورت سے نکاح کرے جو زیادہ خوبصورت نہ ہو اور اس معاملے میں اپنے دل کی نگرانی کرتا رہے۔

حضرت سیِّدُنا ابو سلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی فرماتے ہیں: عورتوں کے معاملے میں زہد یہ ہے کہ معمولی خاندان کی یا یتیم عورت کو خوبصورت اور خاندانی عورت پر ترجیح دی جائے۔

مُرید اپنے دل کو تین چیزوں میں مشغول نہ کرے:

حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْہَادِی فرماتے ہیں: میں ابتدائی مرحلے میں مُرید کے لئے اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ وہ اپنے دل کو تین چیزوں میں مشغول نہ کرے ورنہ اس کا حال بدل جائے گا: (۱)...رزق کی طَلَب (۲)...طَلَبِ حدیث (۳)...نکاح۔

صوفی لکھنے پڑھنے میں مشغول نہ ہو:

آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے صوفی کے بارے میں فرمایا: میں صوفی کے لئے اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ وہ لکھنے پڑھنے میں مشغول نہ ہو تاکہ اسے یکسوئی حاصل رہے۔

اس تمام تفصیل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ نکاح کی لذت کھانے کی لذت کی طرح ہے، لہٰذا جو چیز اللہ عَزَّوَجَلَّ کی یاد سے غفلت کا باعث بنے وہ ان دونوں میں ممنوع ہے۔

چھٹی ضرورت مال وجاہ

...جاہ: کے معنیٰ ہیں دلوں کا مالک ہونا یعنی لوگوں کے دلوں میں اپنے لئے جگہ بنانا تاکہ اس کے ذریعے ان سے اپنے کام نکلوائے جاسکیں۔ جو شخص اپنے تمام کام خود کرنے پر قادر نہ ہو اور اسے کسی خادم کی ضرورت ہو تو اسے اپنے خادم کے دل میں جگہ بنانے کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ اگر خادم کے دل میں اس کے لئے عزت ومقام نہ ہو تو وہ اس کی خدمت نہیں کرے گا۔ دلوں میں موجود اس عزت ومقام کا نام ''جاہ'' ہے۔ طَلَبِ جاہ کا آغاز اسی طرح ہوتا ہے لیکن انجامِ کار یہ ایک ایسی گھاٹی میں گرادیتی ہے جس کی گہرائی کی کوئی انتہا نہیں، اسے یوں سمجھیں کہ جو شخص ممنوعہ علاقے کے ارد گرد جاتا ہے وہ ایک نہ ایک دن اس کے اندر بھی داخل ہو جاتا ہے۔

حصولِ جاہ کے تین مقاصد:

انسان کو لوگوں کے دلوں میں عزت ومنزلت کی ضرورت تین میں سے کسی ایک مقصد کے تحت پیش آتی ہے:(۱)...کسی نفع کے حصول کے لئے (۲)...نقصان سے بچنے کے لئے (۳)...ظلم سے چھٹکارے کے لئے۔

اگر کسی شخص کے پاس مال موجود ہو تو اسے نفع حاصل کرنے کے لئے جاہ کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ اُجرت کے عِوَض خدمت کرنے والے کے دل میں اگر اجرت دینے والے کی عزت نہ ہو تو بھی وہ اس کی خدمت کرتا رہتا ہے، جاہ کی ضرورت اس صورت میں پڑتی ہے کہ خادم بغیر اجرت کے خدمت کرتا ہو۔ **نقصان** سے بچنے کے لئے جاہ کی ضرورت ایسے شہر میں ہوتی ہے جہاں عدل وانصاف نہ ہو یا پھر یہ شخص ایسے پڑوسیوں کے درمیان رہتا ہو جو اس پر ظلم کرتے ہوں اور یہ شخص ان کے شر سے بچنے پر قادر نہ ہو، بچنے کی صورت صرف یہ ہو کہ اس کے پڑوسیوں کے دل میں یا پھر شہر کے حاکم کے دل میں اس کے لئے عزت موجود ہو۔ مذکورہ مقاصد کے حصول کے لئے کس قدر جاہ کی ضرورت ہوتی ہے اس کا تعین کرنا انتہائی دشوار ہے بِالْخُصُوص جبکہ ان کے ساتھ ساتھ مستقبل کے حوالے سے خوف اور اندیشے بھی موجود ہوں۔

جاہ کی طلب میں مشغول ہونے والا شخص درحقیقت ہلاکت کے راستے پر گامزن ہو جاتا ہے اس لئے زاہد کو چاہئے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں جگہ بنانے کے لئے بالکل کوشش نہ کرے۔ جب کوئی شخص دین کے

راستے پر چلتا ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت میں مشغول ہو جاتا ہے تو اگرچہ وہ کُفّار کے درمیان رہتا ہو خود بخود لوگوں کے دلوں میں اس کی عزت پیدا ہو جاتی ہے جس کے سبب وہ ان کی طرف سے آنے والی تکالیف سے محفوظ ہو جاتا ہے۔جب کفار کے درمیان رہ کر عبادتِ خداوندی کرنے والے کا یہ معاملہ ہے تو مسلمانوں کے ساتھ رہنے والے کا کیا حال ہو گا۔

جہاں تک ان تَوَہُّمات اور اندازوں کا تعلُّق ہے جو انسان کو اس بات پر اُبھارتے ہیں کہ بغیر کسی کوشش کے حاصل شدہ موجودہ عزت و منزلت میں اضافہ ہونا چاہئے تو یہ سب توہمات جھوٹے ہیں، نیز طَلَبِ جاہ میں مشغول شخص بعض صورتوں میں دوسروں کے لئے تکلیف کا باعث بھی بنتا ہے، لہٰذا ایسے اندیشوں کا علاج طَلَبِ جاہ سے کرنے کے بجائے صبر و تحمل سے کرنا بہتر ہے۔

خلاصۂ کلام:

لوگوں کے دلوں میں اپنے لئے عزت و منزلت کی طلب کرنے کی کسی صورت میں اجازت نہیں، اس کی قلیل مقدار کثیر کی طرف لے جانے والی ہے اور اس کا نشہ شراب کے نشے سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے جسے ترک کرنا انتہائی دشوار ہوتا ہے، لہٰذا اس سے مطلقاً پرہیز کرنا چاہئے۔

...**مال:** مال کی قلیل مقدار زندگی گزارنے کے لئے ضروری ہے۔اگر کوئی شخص مزدور پیشہ ہو تو اسے چاہئے کہ ایک دن کی ضرورت کی مقدار کمائی کرنے کے بعد کام کا سلسلہ روک دے۔زہد کی دولت سے مالا مال بعض بزرگانِ دین رَحِمَهُمُ اللهُ الْمُبِیْن کے بارے میں منقول ہے کہ جب وہ بقدرِ ضرورت کما لیتے تو اپنے اوزاروں کا تھیلا اٹھاتے اور کام بند کر دیتے۔

یہ بات زاہد کے لئے شرط ہے کہ وہ ایک دن کی ضروریات سے زائد کمائی نہ کرے، اگر وہ اس سے تجاوز کر کے ایک سال کی ضروریات سے بھی زائد مقدار میں مال جمع کرتا ہے تو وہ کمزور اور مضبوط ہر قسم کے زاہدین کے زُمرے سے خارج ہے۔اگر کسی کے پاس زمین موجود ہو اور اسے کامل توکُّل کی دولت حاصل نہ ہو تو اس کی پیداوار میں سے ایک سال کی ضروریات کی مقدار جمع کر کے زائد مقدار کو صدقہ کر دینے سے وہ زہد سے خارج نہ ہو گا بلکہ کمزور درجے کے زاہدین میں شامل رہے گا، اگر حضرت سیِّدُنا اُوَیس قَرنی عَلَیْهِ رَحْمَةُ الله

الْغِنٰی کی ماقبل میں بیان کردہ تعریف کے مطابق زہد کے لئے توکُّل کو شرط ٹھہرایا جائے تو پھر مذکورہ شخص زاہدین کے کسی بھی طبقے میں شامل نہیں ہوگا۔

جب ہم کسی شخص کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ وہ زاہدین کے زمرے سے خارج ہے تو اس سے ہماری مراد یہ ہوتی ہے کہ آخرت میں زاہدین کے لئے جن اعلیٰ مقامات کا وعدہ کیا گیا ہے وہ اسے حاصل نہیں ہوں گے ورنہ اس شخص نے جن فضول چیزوں کو یا جن اشیاء کی کثرت کو ترک کیا ہے ان کے اعتبار سے اسے زاہد کہنے میں کوئی حرج نہیں۔

زہد کے ان تمام بیان کردہ معاملات میں اکیلے شخص کا معاملہ عِیال دار شخص کی نسبت آسان ہوتا ہے اور وہ سہولت کے ساتھ زہد کے تقاضوں پر عمل پیرا ہو سکتا ہے۔

اہلِ خانہ کو زہد پر مجبور نہ کرے:

حضرت سیدنا ابو سلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی فرماتے ہیں: آدمی کو چاہئے کہ اپنے گھر والوں کو زہد اختیار کرنے پر مجبور نہ کرے بلکہ انہیں سمجھا بجھا کر زہد اختیار کرنے کی ترغیب دلائے، اگر وہ ایسا کرلیں تو ٹھیک ورنہ انہیں چھوڑ دے اور اپنی ذات کے معاملے میں جو چاہے کرے۔

اس قول کا معنیٰ یہ ہے کہ زہد کے معاملے میں جو شرائط لازم ہیں وہ صرف زاہد کی ذات کے لئے ہیں، ان شرائط کو اہلِ خانہ پر لازم کرنا زاہد کے لئے ضروری نہیں، لیکن اس بات کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ان کی ہر خواہش کو پورا کرے اور اِعتدال کی حد سے بھی باہر ہو جائے۔ اس مُعاملے میں سیرتِ مصطفٰے سے راہ نمائی حاصل کرنی چاہئے کہ آپ دروازے پر موجود پردے اور اپنی لختِ جگر خاتونِ جنت حضرت سیِّدَتُنا فاطمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے ہاتھوں میں موجود کنگنوں کے سبب گھر میں داخل نہ ہوئے کیونکہ یہ چیزیں ضَرُوریّات سے نہیں بلکہ زیب وزینت سے تعلق رکھتی ہیں۔

خلاصۂ کلام:

اس تمام گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ جس قدر عزت و جاہ اور مال کی انسان کو ضرورت ہوتی ہے اس کا حصول ممنوع نہیں، مال و جاہ ضرورت سے زیادہ ہو تو زہرِ قاتل ہے جبکہ ضرورت کی مقدار ہو تو نفع بخش دوا

ہے اور ان دونوں کے درمیان مختلف دَرَجات ہیں جن کے بارے میں شُبہات ہیں۔ مال وجاہ کی وہ مقدار جو ضرورت سے زائد کے قریب ہو وہ اگرچہ زہرِ قاتل نہ ہو لیکن نقصان دہ ہے اور جو مقدار ضرورت کے قریب ہو وہ اگر دوائے نافع نہ بھی ہو تو کم نقصان دہ ہے۔ زہر کا پینا حرام اور دوا کا استعمال ضروری ہے[1] جبکہ ان دونوں کے درمیان موجود معاملات مشتبہ ہیں۔ جو شخص ان معاملات میں احتیاط سے کام لے تو اس احتیاط کا فائدہ اسی کی ذات کو ہوگا اور اگر بے احتیاطی برتے تو نقصان بھی وہ خود ہی اٹھائے گا۔ جو شخص اپنے دین کو شبہات سے پاک کرنے کی کوشش کرے، شک میں ڈالنے والی چیزوں کو ترک کرکے غیر مشکوک چیزوں کو اختیار کرے اور اپنے نفس کو بقدرِ ضرورت دنیا پر گزارہ کرنے کا عادی بنالے تو یہی وہ شخص ہے جو احتیاط کا دامن تھامنے والا ہے اور (رحمتِ الٰہی سے امید ہے کہ) وہ ضرور نجات پانے والوں میں شامل ہوگا۔

بقدرِ ضرورت دنیا حاصل کرنے والا دنیادار نہیں:

جو شخص دنیا میں سے صرف بقدرِ ضرورت مقدار حاصل کرتا ہے اسے دنیادار کہنا ہرگز درست نہیں بلکہ دنیا کی اس قدر مقدار تو خود دین ہے کیونکہ اس قدر دنیا کا حصول دین کے لئے شرط ہے اور شرط مشروط میں داخل ہوتی ہے۔

اس بات کی دلیل یہ ہے کہ حضرت سیِّدُنا ابراہیم خَلِیْلُ اللّٰہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو ایک مرتبہ کوئی حاجت درپیش ہوئی تو آپ ایک دوست کے پاس قرض لینے کے لئے تشریف لے گئے لیکن اس نے قرض نہ دیا، آپ عَلَیْہِ السَّلَام غمزدہ واپَس تشریف لے آئے۔ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ کی طرف وحی فرمائی: اگر آپ اپنے خلیل (یعنی اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ) سے مانگتے تو وہ آپ کو ضرور دیتا۔ حضرت سیِّدُنا ابراہیم خَلِیْلُ اللّٰہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے عرض کی: اے اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ! میں جانتا تھا کہ تو دنیا کو ناپسند فرماتا ہے، لہٰذا مجھے خوف ہوا

---

1 ...دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 1197 صفحات پر مشتمل کتاب بہارِ شریعت، حصہ 16، جلد 3، صفحہ 506 پر صَدْرُ الشَّرِیْعَہ، بَدْرُ الطَّرِیْقَہ حضرتِ علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی نقل فرماتے ہیں: علاج کرانا ضروری نہیں کہ اگر دوا نہ کرے اور مر جائے تو گنہگار ہو۔ اور بھوک پیاس میں کھانے پینے کی چیز دستیاب ہو اور نہ کھائے پیے یہاں تک کہ مر جائے تو گنہگار ہے، کہ یہاں یقیناً معلوم ہے کہ کھانے پینے سے وہ بات جاتی رہے گی۔

کہ کسی دنیوی چیز کا سوال کرنے پر کہیں تو مجھ سے ناراض نہ ہو جائے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا: کیا آپ نہیں جانتے کہ جو چیز ضرورت کی مقدار ہو وہ دنیا میں سے نہیں ہے۔[1]

بہر حال ضرورت وحاجت کی مقدار دنیا کا حصول دنیا نہیں بلکہ دین میں شامل ہے جبکہ بقدرِ حاجت سے زیادہ دنیا حاصل کرنا نہ صرف آخرت بلکہ دنیا میں بھی مصیبت و پریشانی کا باعث ہے۔ جو شخص مال داروں کے حالات کی خبر رکھتا ہے وہ اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ مال کمانے، اسے جمع کرنے اور اس کی حفاظت کے لئے انہیں کیسی کیسی پریشانیوں اور ذِلّتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایسے شخص کا انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنا سارا مال مرنے کے بعد وُرثاء کے کھانے کے لئے چھوڑ جاتا ہے جو کہ درحقیقت اس کے دشمن ہوتے ہیں (کہ مالِ وراثت پانے کے لئے اس کی موت کا انتظار کرتے ہیں)۔ ورثاء بعض اوقات اس کے مال کو گناہوں میں استعمال کرتے ہیں اور یوں یہ گناہوں کے معاملے میں ان کی مدد کا باعث بنتا ہے۔

دنیا جمع کرنے والے شخص کی مثال:

دنیا جمع کرنے اور نفسانی خواہشات کے پیچھے چلنے والے شخص کی مثال ریشم کے کیڑے جیسی ہے کہ وہ اپنے اردگرد ریشم بُنتا رہتا ہے اور جب نکلنا چاہتا ہے تو نکلنے کا راستہ نہیں پاتا اور اپنے ہی بُنے ہوئے ریشمی جال میں پھنس کر ہلاک ہو جاتا ہے۔ ہر وہ شخص جو دنیوی شہوات کی اِتّباع کرتا ہے اس کا معاملہ بھی یہی ہے کہ وہ اپنے دل کو دنیوی خواہشات کی زنجیروں میں قید کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ یہ زنجیریں اسے گھیر لیتی ہیں۔ مال وجاہ اور اہل وعیال کی محبت نیز دشمنوں کے نقصان پر خوش ہونے اور دوستوں کے لئے جھوٹی مُرَوَّت اور دیگر دنیوی معاملات کی زنجیریں اسے چاروں طرف سے جکڑ لیتی ہیں۔ اگر اسے اس بات کا احساس ہو بھی جائے کہ اپنے آپ کو ان زنجیروں میں قید کرکے اس نے غلطی کی ہے اور دنیا کو ترک کرنے کا ارادہ کرے تو وہ اس بات پر قادر نہیں ہوتا اور اپنے دل کو ایسی بیڑیوں اور زنجیروں میں مُقَیَّد پاتا ہے جن کو کاٹنا اس کے بس سے باہر ہوتا ہے۔ ایسا شخص اگر اپنی محبوب اشیاء میں سے کسی چیز کو اختیاری طور پر ترک کرے تو اس کے فِراق میں اس کی حالت ایسی ہو جاتی ہے کہ گویا یہ موت کے قریب ہے یہاں تک کہ مَلَکُ الْمَوْت عَلَیْہِ السَّلَام اچانک تشریف لاکر

---

1 ...قوت القلوب، الفصل الثانی والثلاثون، شرح مقامات الیقین، ۱/ ۴۰۹

اس کے اور اس کی محبوب دنیا کے درمیان جدائی فرمادیں گے، اب اس شخص کی حالت یہ ہوگی کہ دنیا جو اس سے چھوٹ چکی ہے دل میں موجود اس کی محبت کی زنجیریں اسے دنیا کی طرف کھینچیں گی اور موت کے پنجے اس کی رگوں میں پیوست ہو کر اسے آخرت کی طرف گھسیٹیں گے۔ موت کے وقت ایسے شخص کی حالت کم سے کم اس شخص جیسی ہوگی جس کے جسم کو آری سے کاٹا جائے اور دونوں طرف سے کھینچ کر جسم کے ایک حصے کو دوسرے سے الگ کیا جائے۔ جس شخص کے جسم کو آری سے کاٹا جائے پہلے اس کے بدن کو تکلیف ہوتی ہے، پھر بدن سے سرائیت کر کے دل تک پہنچتی ہے (اس کے باوجود دل کو پہنچنے والی یہ تکلیف انتہائی شدید ہوتی ہے) تو پھر اس تکلیف کی شدت کے بارے میں تمہارا کیا گمان ہے جو بغیر کسی واسطے کے اولاً دل کو ہی پہنچتی ہے۔

اَعلیٰ عِلِّیِّیْن میں قیام اور قُربِ الٰہی سے محرومی کی حسرت سے قبل یہ پہلا عذاب ہوگا جو مرنے والے کو درپیش ہوگا۔ دنیا کی محبت کی وجہ سے ایسا شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کی زیارت سے محروم رہے گا اور اس پر جہنم کی آگ مُسَلَّط کردی جائے گی کیونکہ دوزخ کی آگ ایسے لوگوں کے لئے خاص ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كَلَّاۤ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ یَوْمَىٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِیْمِ ﴿۱۶﴾ (پ۳۰، المطففین: ۱۵، ۱۶)

ترجمۂ کنزالایمان: ہاں ہاں بے شک وہ اس دن اپنے رب کے دیدار سے محروم ہیں پھر بے شک انہیں جہنم میں داخل ہونا۔

یہاں دیدارِ باری تعالیٰ سے محرومی کی تکلیف کے بعد جہنم کے عذاب کو بھی بیان کیا گیا ہے حالانکہ اگر جہنم کا عذاب نہ ہوتا، صرف اللہ عَزَّوَجَلَّ کے دیدار سے محرومی کی تکلیف ہوتی تو یہ بھی بہت بڑی سزا تھی چہ جائیکہ جب اس کے ساتھ ساتھ عذابِ جہنم میں بھی مبتلا کیا جائے گا۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا ہر محبوب سے جدائی ہے:

ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اس بات کا سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمارے دلوں میں اس بات کو راسخ فرمادے جو حضور سیِّدِ عالَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے قلبِ اطہر میں ڈال دی گئی تھی کہ: اَحْبِبْ مَنْ اَحْبَبْتَ فَاِنَّكَ مُفَارِقُهٗ یعنی چاہے جس سے بھی محبت فرمائیں آخر کار اس سے جدا ہونا ہے۔[1]

ماقبل ہم نے ریشم کے کیڑے کی جو مثال بیان کی ہے اسی معنیٰ کو بیان کرتے ہوئے ایک شاعر کہتا ہے:

---

1 ...شعب الایمان للبیہقی، باب فی الزھد وقصر الامل، ۷/ ۳۴۸، حدیث: ۱۰۵۴۰

كَدُوْدٌ كَدُوْدِ الْقَزِّ يَنْسِجُ دَائِمًا وَيَهْلِكُ غَمًّا وَّسْطَ مَا هُوَ نَاسِجُهٗ

ترجمہ: دنیادار انسان ریشم کے کیڑے کی طرح ہوتا ہے جو ہمیشہ ریشم بُنتا رہتا ہے اور آخرِ کار اپنے ہی بُنے ہوئے ریشم کے درمیان غمگین حالت میں ہلاک ہو جاتا ہے۔

اولیائے کرام رَحِمَهُمُ اللهُ السَّلَام پر چونکہ یہ بات مُنْکَشِف ہو گئی تھی کہ بندہ خود اپنے اعمال کے ذریعے اور نفسانی خواہشات کی پیروی کے سبب ریشم کے کیڑے کی طرح ہلاکت میں مبتلا ہوتا ہے اس لئے ان نُفُوسِ قُدسیہ نے مکمل طور پر دنیا کو ترک کر دیا تھا۔

حرام تو حرام حلال سے بھی اجتناب کرتے:

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَيْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْقَوِی فرماتے ہیں: میں نے 70 کے قریب بدری صحابۂ کرام عَلَيْهِمُ الرِّضْوَان کی زیارت کی ہے کہ تم لوگ حرام چیزوں سے جتنا بچتے ہو اس سے کہیں زیادہ وہ حلال چیزوں سے اِجتناب کرتے تھے۔

مصیبتوں اور پریشانیوں پر خوش ہونے والے:

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: وہ حضرات مصیبتوں اور پریشانیوں پر اس سے زیادہ خوش ہوتے تھے جتنا تم لوگ خوش حالی اور فراخی پر خوش ہوتے ہو۔ اگر تم انہیں دیکھ لو تو پاگل اور مجنون قرار دو جبکہ اگر وہ تمہارے نیک لوگوں کو دیکھ لیں تو کہیں کہ دین میں ان کا کوئی حصہ نہیں اور اگر تمہارے برے لوگوں کو دیکھ لیں تو کہہ اٹھیں کہ یہ لوگ آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے۔ اگر ان میں سے کسی کو مالِ حلال دیا جاتا تو بھی وہ نہ قبول کرتا اور فرماتا: مجھے اس بات کا خوف ہے کہ (اس مال کو قبول کرنے سے) میرے دل میں فساد پیدا ہو جائے گا۔

جس کا دل زندہ ہوتا ہے وہ اس کے فساد سے خوف زدہ رہتا ہے جبکہ جن لوگوں کے دل دنیا کی محبت نے مردہ کر دیئے ہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ ان کے بارے میں خبر دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

وَرَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا ترجمۂ کنزالایمان: اور دنیا کی زندگی پسند کر بیٹھے اور اس پر

وَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۙ﴿۷﴾ مطمئن ہو گئے اور وہ جو ہماری آیتوں سے غفلت کرتے ہیں۔

(پ۱۱، یونس: ۷)

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾

(پ۱۵، الکھف: ۲۸)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اس کا کہانہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا کام حد سے گزر گیا۔

ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ۬ عَنْ ذِكْرِنَا وَ لَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ

(پ۲۷، النجم: ۲۹، ۳۰)

ترجمۂ کنزالایمان: تو تم اس سے منہ پھیر لو جو ہماری یاد سے پھرا اور اس نے نہ چاہی مگر دنیا کی زندگی یہاں تک ان کے علم کی پہنچ ہے۔

ان آیاتِ مُقَدَّسہ میں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان لوگوں کے دنیا میں اِنہماک اور اس کی محبت میں گم ہونے کو ان کی غفلت اور لاعلمی کا نتیجہ قرار دیا ہے۔

تعجب انگیز بات:

ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا عیسیٰ رُوْحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے عرض کی: مجھے بھی اپنے ساتھ سفر کرنے کی اجازت عنایت فرمادیں۔ ارشاد فرمایا: اپنا مال خیرات کر دو اور میرے ساتھ آجاؤ۔ اس نے عرض کی: میں ایسا نہیں کر سکتا۔ اس پر ارشاد فرمایا: مال دار کا جنَّت میں داخل ہونا تعجب انگیز بات ہے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ مال دار جنَّت میں مشکل سے داخل ہو گا۔

فرشتوں کی چار ندائیں:

ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: روزانہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو چار فرشتے دنیا میں چار ندائیں کرتے ہیں: ان میں سے دو فرشتے مشرق میں ندا کرتے ہیں اور دو مغرب میں: مشرق میں موجود دو

فرشتوں میں سے ایک کہتا ہے: اے خیر کے طالب! آگے بڑھ اور اے شر کے طالب! باز آ۔ دوسرا کہتا ہے: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! خرچ کرنے والے کو اس کا بدلہ عطا فرما اور بخل کرنے والے کے مال کو ہلاک فرما۔ مغرب میں موجود دو فرشتوں میں سے ایک کہتا ہے: مرنے کے لئے پیدا کرو اور ویران ہونے کے لئے تعمیر کرو۔ دوسرا کہتا ہے: طویل حساب کے لئے کھاؤ اور دنیوی نعمتوں سے فائدہ اٹھاؤ۔

غَلَط فہمی کا اِزالہ:

بعض اوقات یہ گمان کیا جاتا ہے کہ زاہد وہ شخص ہے جو مال کو ترک کر دے حالانکہ ایسا نہیں ہے، جو شخص زہد کے حوالے سے لوگوں کی طرف سے کی جانے والی تعریف و توصیف کو پسند کرتا ہے اس کے لئے مال و دولت کو ترک کرنا اور سادہ زندگی گزارنا آسان ہو جاتا ہے۔ دنیا ترک کرنے والے کئی ایسے ہیں جنہوں نے اپنے نفس کو دن بھر میں قلیل غذا پر گزارہ کرنے کا عادی بنالیا اور اپنے آپ کو ایسے عبادت خانوں میں قید کر لیا جن کا کوئی دروازہ نہیں، ان تمام مشقتوں کے عوض وہ صرف اتنی بات سے خوش ہو جاتے ہیں کہ لوگوں کو ان کی یہ حالت معلوم ہو جائے، وہ انہیں دیکھیں اور زہد اختیار کرنے پر ان کی تعریف کریں، لہٰذا صرف مال کو ترک کر دینا حصولِ زہد کی قطعی دلیل نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کے دلوں میں عزت و منزلت کی خواہش کا ترک کرنا بھی ضروری ہے تاکہ تمام دنیوی خواہشات میں زہد کی تکمیل ہو جائے۔

بعض لوگ تو ایسے بھی ہیں جو عمدہ اونی جبے اور مہنگے ملبوسات پہننے کے باوجود زہد کا دعویٰ کرتے ہیں، جیسا کہ حضرت سیِّدُنا ابراہیم خواص رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: "بعض لوگوں نے زہد کا دعویٰ کیا اور عمدہ لباس پہنے جن کے ذریعے وہ لوگوں کو یہ باور کروانا چاہتے ہیں کہ انہیں اسی قسم کے عمدہ لباس دیئے جائیں تاکہ لوگ انہیں اس طرح حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں جیسے فقرا کو دیکھتے ہیں اور نہ ہی انہیں مسکینوں کی طرح صَدَقہ و خیرات دیں۔ جب ایسوں کو مجبور کر کے حقیقتِ حال دریافت کی جاتی ہے تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ **ہم علم اور سنت کی اتباع کرنے والے ہیں، دنیا ہمارے پاس حاضر ہوتی ہے ہم اس کے پاس نہیں جاتے اور ہم یہ تحائف لوگوں کی وجہ سے قبول کرتے ہیں۔** یہ سب لوگ اپنے دین کے بدلے دنیا کھانے والے ہیں، نہ تو انہیں اپنے باطن کی صفائی کی کوئی فکر ہے اور نہ ہی اَخلاقیات کی اصلاح کی کوئی پرواہ، ان کی باطنی صفات ظاہر ہو کر ان پر غالب آجاتی ہیں اور یہ لوگ

دنیا کی طرف مائل ہونے اور خواہشات کی پیروی کرنے کے باوجود اپنے لئے بلند مقام کا دعوٰی کرتے ہیں۔“

زہد کی تین علامات

بہر حال زہد کی پہچان ایک مشکل معاملہ ہے بلکہ خود زاہد کے لئے بھی اپنے زہد کو پہچاننا دشوار ہوتا ہے البتہ تین علامات ایسی ہیں جن پر اعتماد کر کے زہد کی پہچان کی جا سکتی ہے:

پہلی علامت:

جو چیز موجود ہے اس پر خوش نہ ہو اور جو موجود نہیں اس پر غمگین نہ ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لِّکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَ لَا تَفْرَحُوْا بِمَاۤ اٰتٰىكُمْؕ (پ۲۷، الحدید: ۲۳)

ترجمۂ کنزالایمان: اس لئے کہ غم نہ کھاؤ اس پر جو ہاتھ سے جائے اور خوش نہ ہو اس پر جو تم کو دیا۔

بلکہ زاہد کا معاملہ اس کے برعکس ہونا چاہئے کہ مال کی موجودگی پر غمزدہ اور غیر موجودگی پر مسرور ہو۔ یہ مال میں زہد کی علامت ہے۔

دوسری علامت:

زاہد کے نزدیک مذمّت اور تعریف کرنے والا برابر ہو۔ یہ ”جاہ“ میں زہد کی علامت ہے۔

تیسری علامت:

زاہد کو صرف اللہ عَزَّوَجَلَّ سے محبت ہو، اس کے دل پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت واطاعت کی حلاوت ومٹھاس غالب ہو کیونکہ کوئی بھی دل محبت کی حلاوت سے خالی نہیں ہوتا یا تو اس میں محبّتِ دنیا کی حلاوت ہوتی ہے یا پھر محبّتِ الٰہی کی حلاوت۔ پانی اور ہوا ایک ہی برتن میں جمع نہیں ہوسکتے، جب کسی برتن میں پانی داخل ہوتا ہے تو ہوا نکل جاتی ہے، محبّتِ الٰہی اور محبّتِ دنیا کا بھی یہی معاملہ ہے کہ یہ دونوں ایک ہی دل میں جمع نہیں ہوسکتے۔ جو شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ سے مانوس ہوجاتا ہے وہ اسی کی محبت میں مگن رہتا ہے کسی دوسرے کی طرف مائل نہیں ہوتا، اسی لئے جب حضرت سیِّدُنا ابو محمد سِباع موصلی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی سے پوچھا گیا کہ زہد زاہدین کو کہاں لے جاتا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: ”اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت تک۔“ بہر حال اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت اور دنیا کی محبت ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتے۔

اہلِ معرفت فرماتے ہیں: جب ایمان کا تعلق دل کے ظاہری حصے سے ہوتا ہے تو بندہ دنیا و آخرت دونوں سے محبت کرتا اور دونوں کے لئے عمل کرتا ہے لیکن جب ایمان دل کی گہرائی میں جڑ پکڑ لیتا اور خوب مضبوط ہو جاتا ہے تو پھر بندہ دنیا سے نفرت کرنے لگتا ہے، اب وہ نہ تو دنیا کی طرف دیکھتا ہے اور نہ ہی اس کے لئے کوئی عمل کرتا ہے۔

سیِّدُنا آدم عَلَیْہِ السَّلَام کی دعا:

اسی لئے حضرت سیِّدُنا آدم صَفِیُّ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام یہ دعا کیا کرتے تھے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ اِیْمَانًا یُّبَاشِرُ قَلْبِیْ یعنی اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! میں تجھ سے ایسے ایمان کا سوال کرتا ہوں جو میرے دل کے ساتھ رہے۔[1]

زہد کے دو مقامات:

حضرت سیِّدُنا ابو سلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی فرماتے ہیں: جو اپنے نفس میں مشغول ہوتا ہے وہ لوگوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے جو کہ عاملین کا مقام ہے اور جو شخص اپنے رب کے ساتھ مشغول ہوتا ہے وہ اپنے نفس سے بھی بے نیاز ہو جاتا ہے[2] اور یہ عارفین کا مقام ہے۔

زاہد کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان دونوں میں سے کسی ایک مقام میں ہو، پہلا مقام یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو اپنے نفس میں مشغول رکھے، اگر ایسا کرے گا تو اس کے نزدیک تعریف و مذمّت اور کسی چیز کا ہونا نہ ہونا برابر ہو جائے گا۔ اگر کسی شخص کے پاس قلیل مقدار میں مال موجود ہو تو اس بنا پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ مکمل طور پر زہد کی دولت سے محروم ہے۔

وہ کیسے زاہد تھے؟

حضرت سیِّدُنا ابو الحسن احمد بن ابی الحواری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْبَارِی بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت سیِّدُنا ابو سلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی سے اِستفسار کیا: کیا حضرت سیِّدُنا داوٗد بن نصیر طائی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ زاہد تھے؟ فرمایا: ہاں! میں نے عرض کی: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ انہیں اپنے والد کی میراث سے 20 دینار ملے تھے جنہیں انہوں نے 20 سالوں میں خرچ کیا، بھلا وہ کیسے زاہد تھے کہ ان دیناروں کو اپنے پاس روکے رکھا؟ حضرت

---

[1] ...المعجم الاوسط، ۴/ ۲۷۵، حدیث: ۵۹۷۴

[2] ...شعب الایمان للبیھقی، باب فی تحریم اعراض الناس، ۵/ ۳۱۲، حدیث: ۶۷۶۵

سیِّدُنا ابو سلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی نے فرمایا: ”میری مراد یہ تھی کہ وہ زہد کی حقیقت تک پہنچے ہوئے تھے۔“ حقیقت سے آپ نے انتہائی درجہ مراد لیا ہے۔ اس لئے کہ بظاہر زہد کی کوئی انتہا نہیں ہے کیونکہ نفس کی صِفات کثیر ہیں اور ان تمام صِفات میں زہد اختیار کرکے ہی زہد کی انتہا تک پہنچا جاسکتا ہے (گویا حضرت سیِّدُنا داود طائی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نفس کی تمام ہی صِفات میں زہد اختیار کرچکے تھے)۔

ہر وہ شخص جو قدرت واستطاعت کے باوجود اپنے دل کے فساد اور دینی نقصان کے خوف سے دنیا کی کسی چیز کو ترک کردے تو اس نے جتنی مقدار میں دنیا کو ترک کیا اتنی مقدار میں اسے زہد کی دولت حاصل ہے جبکہ زہد کی انتہا یہ ہے کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا ہر چیز کو ترک کردے یہاں تک کہ پتھر کو تکیہ بھی نہ بنائے جیسا کہ حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللّٰہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے کیا تھا۔

ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اس بات کا سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں زہد کے ابتدائی درجات میں سے کوئی حصہ عطا فرمادے اگرچہ وہ قلیل ہی کیوں نہ ہو کیونکہ ہم جیسے لوگ اس بات کی جرأت نہیں کرسکتے کہ زہد کے انتہائی درجات کو پانے کا لالچ کریں اگرچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل وکرم سے مایوسی ممنوع ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ظاہر وباطن میں ہم پر جو انعامات فرمائے ہیں جب ہم ان میں غور وفکر کرتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے کوئی بات مشکل نہیں ہے، اس لئے اگر ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بے پایاں فضل وکرم پر اعتماد کرتے ہوئے زہد کے انتہائی درجات کو پانے کا سوال کریں تو یہ بھی بعید نہیں ہے۔

خلاصۂ کلام:

زہد کی علامت یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت کے غَلَبے کے باعث بندے کے نزدیک فقر ومال داری، عزت وذلت اور تعریف ومَذمَّت برابر ہوں۔ ان علامات سے لازمی طور پر کچھ دیگر علامات ظاہر ہوتی ہیں جو انہیں کی شاخیں ہیں۔ مثلاً: یہ کہ دنیا کو ترک کردے اور اس بات کی پروا نہ کرے کہ اسے کون حاصل کرتا ہے۔

زہد کی علامات سے متعلق مختلف اقوال:

...زہد کی علامت یہ ہے کہ دنیا جیسی بھی ہو اسے چھوڑ دے اور یہ نہ کہے کہ میں اس کے ذریعے مسافر خانہ بناؤں گا یا مسجد تعمیر کروں گا۔

...حضرت سیِّدُنا ابوزکریا یحییٰ بن معاذ رازی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْہَادِی فرماتے ہیں: زہد کی علامت یہ ہے کہ جو کچھ موجود ہو اس میں سخاوت سے کام لیا جائے۔

...حضرت سیِّدُنا محمد بن خُفَیف شیرازی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْہَادِی فرماتے ہیں: زہد کی علامت یہ ہے کہ اپنی ملکیت میں موجود چیزوں کو خرچ کرنے سے راحت وسکون حاصل ہو۔ آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ ہی سے منقول ہے کہ زہد اس چیز کا نام ہے کہ بندے کا دل بغیر کسی تکلف کے دنیا سے الگ ہو جائے۔

...حضرت سیِّدُنا ابو سلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی فرماتے ہیں: اونی لباس پہننا زہد کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، لہٰذا زاہد کے لئے یہ بات مناسب نہیں کہ وہ پہنے تو تین درہم کا اُونی لباس لیکن دل میں پانچ درہم کے لباس کی رغبت ہو۔

...حضرت سیِّدُنا امام احمد بن حنبل اور حضرت سیِّدُنا سُفیان ثوری رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِمَا فرماتے ہیں: زہد کی علامت صرف یہ ہے کہ بندے کی امیدیں مختصر ہوں۔

...حضرت سیِّدُنا سَری سَقَطی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: زاہد اگر اپنے نفس سے غافل ہو جائے تو اس کی زندگی پاکیزہ نہیں ہو سکتی اور عارف اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ سے غافل ہو کر اپنے نفس میں مشغول ہو جائے تو اس کی زندگی بھی پاکیزہ نہیں ہو سکتی۔

...حضرت سیِّدُنا ابو القاسم ابراہیم بن محمد نصر آبادی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْہَادِی فرماتے ہیں: زاہد دنیا کے اعتبار اور عارف آخرت کے اعتبار سے اجنبی و مسافر ہوتا ہے۔

...حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن معاذ رازی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْہَادِی فرماتے ہیں: زہد کی تین علامات ہیں: (۱)...صرف اور صرف اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے عمل کرنا (۲)...کسی قسم کی لالچ کے بغیر گفتگو کرنا اور (۳)...بغیر حکومت کے عزت وآبرو قائم ہونا۔ آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: زاہد تمہیں سرکہ اور رائی سنگھاتا ہے جبکہ عارف مشک اور عنبر۔[1]

---

[1]... کیونکہ زاہد کی گفتگو دنیا کی مذمّت پر مشتمل ہوتی ہے اور اس قسم کی باتیں نفس پر گراں گزرتی ہیں جبکہ عارف کا کلام اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت، اس کے جمال و جلال اور مخلوق پر انعام واکرام پر مشتمل ہوتا ہے۔ (اتحاف السادۃ المتقین، ۱۱/ ۷۳۸)

زاہدین کی صحبت میں بیٹھنے کا شرف کب حاصل ہو گا؟

ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن معاذ رازی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْہَادِی سے عرض کی: مجھے توکُّل کی دکان میں داخل ہو کر زہد کی چادر اوڑھنے اور زاہدین کی صحبت میں بیٹھنے کا شرف کب حاصل ہو گا؟ فرمایا: یہ اس وقت ہو گا جب تم پوشیدہ طور پر نفسانی مجاہدات کر کے اس مقام تک پہنچ جاؤ کہ اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ تین دن تک تمہیں رزق عطا نہ فرمائے تو بھی تمہارا یقین کمزور نہ ہو۔ اس مقام تک پہنچنے سے پہلے تمہارا زاہدین کی مَسْنَد پر بیٹھنا جہالت ہے بلکہ مجھے اس صورت میں تمہاری رسوائی کا اندیشہ ہے۔

زاہد و عارف میں فرق:

حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن معاذ رازی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْہَادِی فرماتے ہیں: دنیا ایک دلہن کی مانند ہے، جو اسے طلب کرتا ہے وہ گویا اس کی کنگھی کرتا اور سجاتا سنوارتا ہے، زاہد اس دلہن کا چہرہ سیاہ کرتا، بال اکھاڑتا اور کپڑے پھاڑتا ہے جبکہ معرفتِ الٰہی رکھنے والا شخص نہ تو اس دلہن کو سنوارتا ہے اور نہ ہی بگاڑتا بلکہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ساتھ مشغول رہتا ہے۔

حضرت سیِّدُنا سری سقطی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: میں نے ہر معاملے میں زہد کو تلاش کیا اور اسے پالیا البتہ لوگوں (سے میل جول وغیرہ) کے معاملے میں زہد کو حاصل نہ کر سکا۔

محبَّتِ دنیا ہر برائی کی جبکہ زہد ہر بھلائی کی کنجی ہے:

حضرت سیِّدُنا فضیل بن عِیاض رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: اللہ عَزَّوَجَلَّ نے تمام کی تمام برائیوں کو ایک گھر میں رکھ کر دنیا کی محبت کو اس گھر کی چابی بنا دیا ہے اور تمام کی تمام بھلائیوں کو دوسرے گھر میں رکھ کر دنیا سے بے رغبتی کو اس کی چابی بنا دیا ہے۔

زہد کی حقیقت اور احکام سے متعلق جس قدر باتوں کو ذکر کرنے کا ہم نے ارادہ کیا تھا یہاں وہ کلام مکمل ہوا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل و کرم سے "فقر و زہد کا بیان" مکمل ہوا

توحید اور تَوَکُّل کا بیان

اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کے لئے تمام تعریفیں ہیں جو اپنی بادشاہت اور عظیم الشان سلطنت کے نظام کو بہترین انداز میں چلانے والا، عزت و عظمت میں منفرد و یکتا ہے۔ آسمان کو بغیر سُتُون کے بلند کرنے والا اور اس میں لوگوں کے رزق مقرر فرمانے والا ہے۔ جس نے عقل اور سمجھ بوجھ رکھنے والوں کی آنکھوں کو وسائل و اسباب کی طرف نظر کرنے سے روک کر اپنی ذات برحق کی طرف پھیر دیا اور ان کی ہمتوں اور ارادوں کو دوسری جانب متوجّہ ہونے اور دوسرے پر اعتماد کرنے سے ہٹا دیا۔ عقل اور سمجھ رکھنے والے اسی کی عبادت کرتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ایک ہے، بے نیاز ہے اور وہی معبود ہے اور انہیں یقین ہے کہ ساری مخلوق انہیں کی مثل بندے ہیں جن سے رزق نہیں مانگا جاسکتا کیونکہ ہر ایک ذرّہ اسی کا پیدا کیا ہوا ہے اور زمین پر چلنے والی ہر چیز کا رزق اسی کے ذِمّۂ کرم پر ہے اور جب انہیں دَرَجۂ یقین حاصل ہو گیا کہ وہی اپنے بندوں کے رزق کا ضامن اور کفیل ہے تو انہوں نے اسی پر توکل کیا اور کہا: ”اللہ عَزَّوَجَلَّ ہمیں کافی ہے اور کیا ہی اچھا کارساز ہے۔“

بے شمار درود و سلام ہو ہمارے پیارے آقا محمد عَرَبی صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر جو باطل کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دینے والے اور سیدھے راستے کی طرف راہ نمائی کرنے والے ہیں اور آپ کی مبارک آل پر بھی خوب درود و سلام ہو۔

توکل کی اہمیت:

توکُّل دین کی منزلوں میں سے ایک منزل اور یقین رکھنے والوں کے مقامات میں سے ایک مقام ہے بلکہ یہ قُربِ الٰہی رکھنے والوں کے بلند درجات میں سے ایک درجہ ہے، توکل در حقیقت علم کے اعتبار سے پیچیدہ اور عمل کے اعتبار سے نہایت مشکل ہے۔ پیچیدہ اس لئے ہے کہ اسباب پر نگاہ رکھنا اور ان پر بھروسا کرنا توحید میں شراکت ہے جبکہ اسباب کو بالکل ہی چھوڑ دینا سنّت سے منہ موڑنا اور شریعت کے خلاف ہے نیز اسباب پر اس طرح اعتماد کرنا کہ انہیں اسباب ہی خیال نہ کیا جائے عقل کے خلاف اور جہالت کے دریا میں غوطہ زن ہونا ہے۔

توکل کی تعریف اس طرح کرنا کہ وہ توحید اور شریعت کے تقاضوں کے عین مطابق رہے انتہائی مشکل اور مخفی ہے، لہٰذا اس راز سے پردہ اٹھانے پر ایسے جیّد عُلَما ہی قادر ہو سکتے ہیں جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل و کرم سے

اشیاء کی حقیقتیں دیکھ لیتے ہیں۔ چنانچہ ایسے علمائے کرام رَحِمَهُمُ اللهُ السَّلَام نے اس میں غور و فکر کرتے ہوئے خوب تحقیق کی اور جو کچھ انہوں نے حق دیکھا اسے اسی طرح بیان کر دیا جیسا اسے بیان کرنے کا حق تھا۔ اب ہم ابتدا میں توکل کی فضیلت بیان کریں گے پھر اس باب کے پہلے حصہ میں توحید اور توکل کا آپس میں تعلق اور دوسرے حصہ میں توکل کی وضاحت اور اس پر عمل کرنے کے طریقے بیان کریں گے۔

باب نمبر1: **توکل کی فضیلت** (اس میں دو فصلیں ہیں)

پہلی فصل: **توکل کی فضیلت کے متعلق آیات واحادیث**

توکل کے متعلق 11 فرامین باری تعالیٰ:

﴿1﴾...

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾
(پ۶، المائدة: ۲۳)

ترجمۂ کنز الایمان: اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو اگر تمہیں ایمان ہے۔

﴿2﴾...

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۱۲﴾
(پ۱۳، ابراھیم: ۱۲)

ترجمۂ کنز الایمان: اور بھروسہ کرنے والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ چاہیے۔

﴿3﴾...

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ
(پ۲۸، الطلاق: ۳)

ترجمۂ کنز الایمان: اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اُسے کافی ہے۔

﴿4﴾...

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾ (پ۴، آل عمران: ۱۵۹) ترجمۂ کنز الایمان: بے شک توکل والے اللہ کو پیارے ہیں۔

کتنا بڑا مقام ہے اس بندے کا جس کا شمار اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب بندوں میں ہو اور جس کے مُعامَلات اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذِمّۂ کرم پر ہوں۔ جس کے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ کافی ہو اور وہی اس کا محب اور نگہبان ہو تو اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی کیونکہ محبوب کو نہ سزا دی جاتی ہے نہ اپنے قُرب سے دور کیا جاتا ہے اور نہ ہی اس کے

لئے کسی قسم کی رُکاوٹ ہوتی ہے۔

…《5》

اَلَیْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ (پ۲۴، الزمر: ۳۶) ترجمۂ کنزالایمان: کیا اللہ اپنے بندوں کو کافی نہیں۔

اب کوئی شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کے غیر سے فائدہ طلب کرے گا تو وہ توکل کو چھوڑنے اور اس آیت مبارکہ کو جھٹلانے والا ہو گا کیونکہ آیت مبارکہ میں سوال کا یہ انداز حق بات کو قبول کروانے والا ہے جیسے اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

…《6》

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْـًٔا مَّذْكُوْرًا ① (پ۲۹، الدھر: ۱) ترجمۂ کنزالایمان: بے شک آدمی پر ایک وقت وہ گزرا کہ کہیں اس کا نام بھی نہ تھا۔

…《7》

وَ مَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۴۹ (پ۱۰، الانفال: ۴۹) ترجمۂ کنزالایمان: اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔

یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ ایسا غالب و عزت والا ہے کہ جو شخص اس کی پناہ میں آجائے وہ ذلیل نہیں ہوتا، جو اس سے وابستہ ہو جائے اور اس کے سایۂ رحمت میں آجائے وہ ہلاک نہیں ہوتا اور وہ ایسا حکمت والا ہے جو اس کی تدبیر پر بھروسا کرتا ہے وہ اسے عاجز اور بے بس نہیں چھوڑتا۔

…《8》

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ (پ۹، الاعراف: ۱۹۴) ترجمۂ کنزالایمان: بے شک وہ جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو تمہاری طرح بندے ہیں۔

یعنی یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے علاوہ سب بندے اور تابع ہیں اور تمہاری ہی طرح حاجت مند ہیں لہٰذا تم ان پر کس طرح توکل کر سکتے ہو۔

…《9》

اِنَّ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَمْلِكُوْنَ ترجمۂ کنزالایمان: بے شک وہ جنھیں تم اللہ کے سوا پوجتے

لَکُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَ اعْبُدُوْهُ (پ۲۰، العنکبوت:۱۷) ہو تمہاری روزی کے کچھ مالک نہیں تو اللہ کے پاس رزق ڈھونڈو اور اس کی بندگی کرو۔

﴿10﴾...

وَ لِلّٰهِ خَزَآىٕنُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَفْقَهُوْنَ ﴿۷﴾ (پ۲۸، المنٰفقون:۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اللہ ہی کے لیے ہیں آسمانوں اور زمین کے خزانے مگر منافقوں کو سمجھ نہیں۔

﴿11﴾...

یُدَبِّرُ الْاَمْرَؕ مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖؕ (پ۱۱، یونس:۳)

ترجمۂ کنزالایمان: کام کی تدبیر فرماتا ہے کوئی سفارشی نہیں مگر اس کی اجازت کے بعد۔

جو کچھ قرآن پاک میں توحید کے متعلق ذکر ہے وہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دوسروں سے توقعات ختم کرکے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات پر ہی بھروسا کیا جائے۔

توکل کے متعلق چھ فرامین مصطفےٰ:

﴿1﴾... رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "مجھے حج کے زمانے میں تمام اُمتیں دکھائی گئیں میں نے اپنی اُمت کو دیکھا کہ کثرت کی وجہ سے میدان اور پہاڑ بھرے ہوئے ہیں، ان کی کثرت نے مجھے خوش کر دیا۔" مجھ سے پوچھا گیا: کیا آپ اس پر راضی ہیں؟ میں نے کہا: "ہاں!" پھر کہا گیا: ان کے علاوہ مزید 70ہزار ہیں جو جنّت میں بغیر حساب داخل ہوں گے۔ بارگاہِ رسالت میں عرض کی گئی: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! وہ کون لوگ ہیں؟ ارشاد فرمایا: "وہ لوگ جو اپنے بدن نہیں داغتے، کسی چیز سے بدشگونی نہیں لیتے اور نہ جھاڑ پھونک (اور تعویذ گنڈا) کرواتے ہیں[1] اور اپنے رب عَزَّوَجَلَّ پر توکل کرتے ہیں۔" حضرت

1... صحیح بخاری شریف کتاب الطب، باب رُقْیَةِ الحَیَّةِ وَالْعَقْرَب، **جلد4، صفحہ32** پر ہے کہ حضرت سیِّدُنا اسود بن یزید رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: میں نے ام المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے زہریلے جانوروں کے کاٹنے پر دم کرنے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ رسولُ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس کی اجازت دی ہے۔ مفتی شریف الحق امجدی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی اس کی شرح میں فرماتے ہیں: (حدیث کے عربی متن میں موجود) رَخَّصَ کا لفظ بتارہا ہے کہ پہلے ممانعت تھی پھر بعد میں اجازت عطا فرمائی وجہ یہ ہے کہ عہد جاہلیت میں مختلف قسموں کے منتر تھے جن میں ایسے کلمات...

سیِّدُنا عُکاشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کھڑے ہوئے اور عرض کی: ”یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! میرے لئے دعا فرمادیجئے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ مجھے ان میں سے کردے۔“ نبیِّ رحمت، شفیعِ اُمَّت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے دعا فرمائی: ”اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! عکاشہ کو ان میں سے کردے۔“ یہ دیکھ کر دوسرے صحابی بھی کھڑے ہوئے اور عرض کی: ”یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! میرے لئے بھی دعا فرمادیجئے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ مجھے ان میں

......ہوتے تھے جو کفر و شرک تک ہوتے تھے اس لئے ابتداءً جھاڑ پھونک سے منع فرمایا، جب لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ زمانہ جاہلیت میں رائج منتر پڑھنا منع ہے اور قرآن کریم کی آیت اور احادیث میں وارد دعاؤں سے دَم کرنا جائز ہے تو اجازت دے دی، ابن وہب (رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) نے ابن شہاب زہری (رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) سے روایت کی کہ بہت سے اہل علم سے یہ بات مجھ تک پہنچی کہ نبی صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے جھاڑ پھونک سے منع فرمایا یہاں تک کہ مدینہ تشریف لائے اس زمانہ میں بہت سے منتر ایسے تھے جس میں شرک تھا جب مدینہ تشریف لائے تو ایک صحابی کو کسی جانور نے ڈس لیا لوگوں نے کہا: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! آلِ حزم زہریلے جانوروں کے کاٹے سے جھاڑ پھونک کرتے جب آپ نے منع کردیا تو انہوں نے چھوڑ دیا۔ فرمایا: حزم کو بلاؤ اور یہ بدر میں شریک ہوئے تھے، فرمایا: اپنی دعا مجھے سناؤ، انہوں نے سنایا حضور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس میں کوئی حرج نہ جانا اور اجازت دے دی۔ (نزھۃ القاری، ۵/ ۵۱۰)

ایسے تعویذات استعمال کرنا جائز ہے جو آیاتِ قرآنیہ، اسماءِ الٰہیہ یا دعاؤں پر مشتمل ہوں۔ چنانچہ حضرت سیِّدُنا امام احمد بن حنبل رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ یہ روایت نقل فرماتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عمرو رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اپنے بالغ بچوں کو سوتے وقت یہ کلمات پڑھنے کی تلقین فرماتے ”بِسْمِ اللّٰہِ اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّۃِ مِنْ غَضَبِہٖ وَعِقَابِہٖ وَشَرِّ عِبَادِہٖ وَمِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنِ وَاَنْ یَّحْضُرُوْنَ“ اور ان میں سے جو نابالغ ہوتے اور یاد نہ کرسکتے تو آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ مذکورہ کلمات لکھ کر ان کا تعویذ بچوں کے گلے میں ڈال دیتے۔ (مسند امام احمد بن حنبل، مسند عبداللہ بن عمرو، ۲/ ۶۰۰، حدیث: ۶۷۰۸)

دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 1197 صفحات پر مشتمل کتاب بہارِ شریعت، جلد 3، حصہ 14، صفحہ 147 پر صَدْرُ الشَّرِیْعَہ، بَدْرُ الطَّرِیْقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی نقل فرماتے ہیں: تعویذ ایسا ہو کہ اُس میں شرعی قباحت نہ ہو جیسے اَدعیہ اور آیات یا ان کے اعداد یا کسی اسم کا نقش مظہر یا مضمر لکھا جائے اور اگر اُس تعویذ میں ناجائز الفاظ لکھے ہوں یا شرک و کفر کے الفاظ پر مشتمل ہو تو ایسا تعویذ لکھنا بھی ناجائز ہے۔

اسی جلد کے حصہ 16، صفحہ 419 تا 420 پر نقل فرماتے ہیں: گلے میں تعویذ لٹکانا جائز ہے، جبکہ وہ تعویذ جائز ہو یعنی آیاتِ قرآنیہ یا اسماءِ الٰہیہ یا اَدعیہ سے تعویذ کیا جائے اور بعض حدیثوں میں جو ممانعت آئی ہے اس سے مراد وہ تعویذات ہیں جو ناجائز الفاظ پر مشتمل ہوں، جو زمانۂ جاہلیت میں کئے جاتے تھے، اسی طرح تعویذات اور آیات و احادیث و اَدعیہ کو رکابی میں لکھ کر مریض کو بہ نیتِ شفا پلانا بھی جائز ہے۔

سے کر دے۔" ارشاد فرمایا: "عُکاشہ اس معاملہ میں تم پر سبقت لے گئے۔"[1]

﴿2﴾...اگر تم اللہ عَزَّوَجَلَّ پر اس طرح توکل کرو جیسا توکل کرنا چاہئے تو وہ تمہیں ضرور رزق عطا فرمائے گا جیسا کہ پرندے کو عطا فرماتا ہے کہ پرندہ صبح خالی پیٹ نکلتا ہے اور شام کو سیر ہو کر لوٹتا ہے۔[2]

﴿3﴾...جو شخص سب سے تعلق توڑ کر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جانب متوجّہ ہو جاتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ ہر مشکل گھڑی میں اسے کافی ہو جاتا ہے اور اُسے ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا اور جو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے تعلق توڑ کر دنیا کی جانب توجہ کرتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے دنیا کے سپُرد فرما دیتا ہے۔[3]

﴿4﴾...جسے پسند ہو کہ وہ لوگوں سے زیادہ مال دار ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے مال سے زیادہ اس پر بھروسا کرے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پاس موجود ہے۔[4]

﴿5﴾...جب اہل بیت کو بھوک کی شدت پہنچتی تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ارشاد فرماتے: نماز کے لئے کھڑے ہو جاؤ کہ میرے رب عَزَّوَجَلَّ نے مجھے اس کا حکم دیا ہے:

وَ اْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَیْهَا ؕ (پ۱۶، طٰہٰ: ۱۳۲)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دے اور خود اس پر ثابت رہ۔[5]

﴿6﴾...اس شخص نے توکل نہیں کیا جس نے اپنے بدن کو داغا[6] اور جھاڑ پھونک کروائی۔[7]

1...مسند ابی داود الطیالسی، الجزء الثانی، ص۴۷، حدیث: ۳۵۲
مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی دخول...الخ، ص۱۳۶، حدیث: ۲۱۸

2...سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب فی التوکل علی اللہ، ۴/ ۱۵۴، حدیث: ۲۳۵۱

3...المعجم الاوسط، ۲/ ۳۰۲، حدیث: ۳۳۵۹

4...المستدرک، کتاب الادب، باب لاتتکلموا بالحکمۃ عند الجاھل، ۵/ ۳۸۴، حدیث: ۷۷۷۹

5...المعجم الاوسط، ۱/ ۲۵۸، حدیث: ۸۸۶

6...حضرت سیّدُنا ابن قتیبہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ بدن کو داغنے کی دو صورتیں ہیں: (۱) اس نیت سے داغنا تاکہ آئندہ بیماری نہ ہو (۲) زخم خراب ہو گیا ہو یا عضو کٹ گیا ہو تو علاج کی غرض سے داغنا۔ یہاں پہلی صورت مراد ہے۔ (فیض القدیر، ۶/ ۱۰۷)

7...مسند ابی داود الطیالسی، الجزء الثالث، ص۹۵، حدیث: ۶۹۷

سیِّدُنا ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کا توکل:

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت سیِّدُنا ابراہیم خلیلُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو مِنْجَنِیق کے ذریعے آگ میں ڈالا جانے لگا تو حضرت سیِّدُنا جبریل عَلَیْہِ السَّلَام نے عرض کی: "آپ کو کوئی حاجت ہے؟" آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے ارشاد فرمایا: "حاجت ہے لیکن تم سے نہیں۔"(1)

آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے یہ اس وقت فرمایا جب آگ میں ڈالنے کے لئے آپ کو پکڑا گیا۔ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے اس قول "حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل یعنی مجھے اللہ عَزَّوَجَلَّ کافی ہے اور کیا ہی اچھا کارساز ہے" پر عمل فرمایا۔ اسی لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا:

وَ اِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤی ﴿۳۷﴾ (پ۲۷، النجم: ۳۷) ترجمۂ کنزالایمان: اور ابراہیم کے جو احکام پورے بجالایا۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت سیِّدُنا داود عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی طرف وحی فرمائی: "اے داود! میرا جو بندہ مخلوق کو چھوڑ کر مجھ سے وابستہ ہو جائے اور پھر اہلِ زمین و آسمان میں سے کوئی اسے فریب دے تو میں اس کے لئے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہوں۔"(2)

توکل سے متعلق سات اقوال بزرگانِ دین:

﴿1﴾... حضرت سیِّدُنا سعید بن جبیر رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: مجھے بچھو نے ڈس لیا۔ میری ماں نے مجھے قسم دی کہ تم ضرور اپنے ہاتھ پر دم کرواؤ تو میں نے دم کرنے والے کو (جس ہاتھ پر بچھو نے کاٹا تھا اس کے بجائے) دوسرا ہاتھ پکڑوا دیا۔(3)

﴿2﴾... حضرت سیِّدُنا ابراہیم خوّاص عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْجَوَاد نے قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی:

وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ وَ سَبِّحْ ترجمۂ کنزالایمان: اور بھروسہ کرو اس زندہ پر جو کبھی نہ

---

1 ...حلیة الاولیاء، مقدمة المصنف، ۱/ ۵۲، حدیث: ۳۹

نوادر الاصول للحکیم الترمذی، الاصل الاول، ۱/ ۲۴، حدیث: ۷

2 ...نوادر الاصول للحکیم الترمذی، الاصل التاسع الثمانون والمائة، ۲/ ۷۱۳، حدیث: ۹۸۳

3 ...حلیة الاولیاء، الرقم: ۲۷۶، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ، ۴/ ۳۰۵، حدیث: ۵۶۴۵

بِحَمْدِهٖ ؕ وَ كَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِیْرًا ﳐ (پ۱۹، الفرقان:۵۸) مرے گا اور اُسے سراہتے ہوئے اس کی پاکی بولو اور وہی کافی ہے اپنے بندوں کے گناہوں پر خبر دار۔

پھر فرمایا اس آیت کے بعد کسی بندے کے لئے جائز نہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا کسی کی پناہ لے۔[1]

﴿3﴾... ایک بزرگ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه کو خواب میں فرمایا گیا: جس نے اللہ عَزَّوَجَلَّ پر بھروسا کیا اس نے اپنی روزی کی حفاظت کر لی۔[2]

﴿4﴾... ایک بزرگ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه نے فرمایا: تمہارا رزق تمہیں فرائض و واجبات سے غافل نہ کر دے، اس طرح تم اپنی آخرت برباد کر دو گے حالانکہ رزق اتنا ہی ملے گا جتنا اللہ عَزَّوَجَلَّ نے لکھ دیا ہے۔

﴿5﴾... حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن مُعاذ رازی عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْهَادِی فرماتے ہیں: بندے کو بعض اوقات بغیر طلب کے بھی رزق ملتا ہے اور یہ اس بات پر دلالت ہے کہ رزق کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ بندے کو تلاش کرے۔

کہاں سے کھاتے ہو؟

حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن ادہم عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْاَکْرَم فرماتے ہیں کہ میں نے ایک راہب سے سوال کیا: "تم کہاں سے کھاتے ہو؟" اس نے کہا: "اس کا مجھے علم نہیں البتہ تم میرے رب عَزَّوَجَلَّ سے پوچھ لو کہ وہ مجھے کہاں سے کھلاتا ہے۔"

﴿6﴾... حضرت سیِّدُنا ہَرِم بن حَیان عَلَیْهِ رَحْمَةُ الْمَنَّان نے حضرت سیِّدُنا اُوَیس قَرنی عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْغَنِی سے عرض کی: "آپ مجھے مشورہ دیجئے کہ میں کہاں رہائش اختیار کروں؟" انہوں نے ملک شام کی طرف اشارہ فرمایا۔ میں نے پھر پوچھا: "وہاں کام کاج کیا کروں گا؟" ارشاد فرمایا: "جس دل میں (اللہ عَزَّوَجَلَّ پر توکل کے معاملہ میں) شک ہو اس دل پر افسوس ہے اور ایسے دل کو نصیحت کوئی فائدہ نہیں دیتی۔"[3]

﴿7﴾... ایک بزرگ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه فرماتے ہیں: "جب تم نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کو اپنا کارساز مان لیا تو تم نے ہر بھلائی تک پہنچنے کا راستہ پا لیا۔" ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے حُسنِ ادب کا سوال کرتے ہیں۔

---

1 ...موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب التوکل علی الله، ۱/ ۱۵۳، حدیث: ۳۶

2 ...حلیة الاولیاء، الرقم: ۴۴۹، سعید بن یزید، ۹/ ۳۲۳، حدیث: ۱۴۰۱۷

3 ...حلیة الاولیاء، الرقم: ۴۵۵، احمد بن ابی الحواری، ۱۰/ ۱۸، حدیث: ۱۴۳۴۱

دوسری فصل: **تَوَکُّل پر مبنی توحید کی حقیقت**

توکُّل کے تین لوازِمات:

جان لیجئے! توکل ایمان کا ایک حصہ ہے اور ایمان کے تمام حصے علم، کیفیت اور عمل کے بغیر مکمل نہیں ہوتے لہٰذا توکل میں بھی یہ تینوں چیزیں پائی جاتی ہیں۔ علم توکل کی بنیاد ہے، عمل اس کا نتیجہ ہے اور کیفیت سے مراد توکل ہے۔

علم سے کیا مراد ہے؟

علم جو کہ توکل کی بنیاد ہے لُغوی طور پر اسے ایمان سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ ایمان تصدیق ہے اور جس چیز کی تصدیق دل سے کی جائے وہ علم ہوتا ہے اور جب اس علم کو تقوِیَّت مل جائے تو اسے یقین کہا جاتا ہے، اگرچہ یقین کے بہت سے درجات ہیں لیکن ہم یہاں یقین کے صرف اسی درجہ کے متعلق گفتگو کریں گے جس پر توکل کی بنیاد ہے کیونکہ جب تم کہتے ہو: ”لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔“ تو یہ تمہاری توحید کی ترجمانی کرتا ہے اور جب یہ کہتے ہو: ”لَہُ الْمُلْکُ یعنی اسی کے لئے بادشاہی ہے۔“ تو تم اس کی قدرتِ کامِلہ پر ایمان لے آئے اور تمہارا کہنا: ”لَہُ الْحَمْدُ یعنی اسی کے لئے تمام تعریفیں ہیں۔“ اس بات کی طرف راہ نمائی کرتا ہے کہ تم اس کی جود و سخا اور حکمت پر بھی ایمان لے آئے لہٰذا جس نے کہا: ”لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کے لئے بادشاہی اور تمام تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے“ تو اس کے لئے ایمان کامل ہو گیا جو کہ توکل کی بنیادی ضرورت ہے یعنی اس کلمہ کا مفہوم دل میں راسخ اور غالب ہو گیا۔

توحید کو توکل کی بنیاد قرار دینے میں بڑی طویل بحث ہے کیونکہ اس کا تعلق عِلْمِ مُکاشَفہ سے ہے لیکن چونکہ علم مکاشفہ کا تعلق کیفیت کے واسطہ سے اعمال کے ساتھ ہوتا ہے اور اعمال اس کے بغیر مکمل نہیں ہوتے لہٰذا ہم اتنی ہی مقدار میں توحید کے متعلق گفتگو کریں گے جتنا اعمال کے ساتھ اس کا تعلق ہے ورنہ توحید تو ایک ایسا وسیع و عریض سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں۔

توحید کے درجات:

توحید کے چار درجات ہیں: اوپری چھلکا پھر اندرونی چھلکا یونہی مغز اور پھر مغز کا مغز۔ کمزور ذہن والے اس کو اس مثال سے سمجھیں مثلاً اخروٹ کے اوپر دو چھلکے ہوتے ہیں اور اس کے اندر ایک مغز ہوتا ہے اور اس میں تیل ہوتا ہے جو مغز کا مغز ہے۔

پہلا درجہ:

انسان زبان سے "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ" کہے اور اس کا دل اس سے غافل ہو یا دل سے اس بات کا منکر ہو تو یہ منافقین کی توحید ہے۔

دوسرا درجہ:

زبان سے "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ" کہے اور دل اس کی تصدیق کرے جیسا کہ عام مسلمان اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ یہ عوام کا اعتقاد ہے۔

تیسرا درجہ:

انسان کَشْف کے ذریعہ نورِ حق کی مدد سے چیزوں کا مشاہدہ کرے۔ یہ مقربین کا درجہ ہے جو جس طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے ہیں انہیں ہر چیز کا تعلق اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کی ذات سے نظر آتا ہے۔

چوتھا درجہ:

انسان صرف ایک ہی ذات برحق کی جانب دیکھے۔ یہ صدیقین کا درجہ ہے۔ اصطلاحِ صوفیہ میں اسے "فَنَافِی التَّوْحِیْد" کہتے ہیں کیونکہ صدیق صرف ایک ہی ذات کو دیکھتا ہے یہاں تک کہ اپنی ذات کو بھی نہیں دیکھتا اور توحید میں غوطہ زن ہونے کی وجہ سے جب اپنی ذات کو نہیں دیکھتا تو وہ اپنے نفس سے بیگانہ ہو جاتا ہے یعنی وہ مخلوق اور اپنے نفس کو دیکھنے سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔

پہلے درجے والا صرف زبان سے توحید کا اقرار کرتا ہے اور دنیا میں تیر اور تلوار کے وار (یعنی قتل ہونے) سے بچ جاتا ہے جبکہ **دوسرے درجے** والا جو دل سے "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ" کے مفہوم کا اِعتقاد رکھتا ہے اور اس کا دل

اعتقاد کو نہیں جھٹلاتا تو اس کے دل پر ایک گرہ لگ جاتی ہے جو کھل سکتی ہے نہ ہی ڈھیلی ہوتی ہے لہٰذا ایسا شخص اگر اسی عقیدہ پر مر جائے اور گناہوں کے سبب اس کا عقیدہ کمزور نہ ہو تو آخرت کے عذاب سے بچ جاتا ہے۔ کئی دھوکے اس قسم کے ہیں جن کے ذریعہ اس گرہ کو کھولنے یا کمزور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے انہیں بدعت کہا جاتا ہے جبکہ کئی ذرائع ایسے ہیں جن کے ذریعہ ان دھوکوں کو دور کیا جاتا ہے اور دل پر اس گرہ کو مزید مضبوط کیا جاتا ہے اسے عِلْمِ کلام کہتے ہیں اور اس کے جاننے والے کو مُتَکَلِّم کہتے ہیں۔ یہ بدعتی سے ٹکراتا ہے اس کا مقصد عوام کے دلوں پر موجود گرہ کو کھولنے والے بدعتی کو دور بھگانا ہے۔ کبھی متکلم کو مُوَحِّد (توحید کا اقرار کرنے والا) بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ اپنے کلام کے ذریعہ کلمہ توحید کے مفہوم کی حفاظت کرتا ہے تاکہ عوام کے دلوں سے یہ گرہ کھل نہ سکے۔

تیسرے درجے والا جو کہ ایک فاعلِ حقیقی ہی کا مُشاہَدہ کرتا ہے جب اس پر حق مکمل واضح ہو جاتا ہے تو اسے ہر چیز کا تعلق ایک ہی ذات کے ساتھ نظر آتا ہے، اشیاء کی مکمل حقیقت اس پر ظاہر ہو جاتی ہے نیز وہ اس بات کا پابند نہیں ہوتا کہ لفظ حقیقت کے مفہوم کا اعتقاد رکھے کیونکہ یہ مرتبہ عوام اور متکلمین کا ہے اور اعتقاد کے معاملہ میں متکلم عوام سے الگ نہیں ہوتا۔ البتہ متکلم اس گرہ کو کھولنے والے بدعتی کی چالبازیوں کو دور کرنے والے کلام پر قادر ہوتا ہے۔ **چوتھے درجے** والے شخص کے مشاہدہ میں ایک ذات کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوتا، وہ تمام چیزوں کو کثرت کے بجائے ایک ہونے کے اعتبار سے دیکھتا ہے۔ یہ توحید کا انتہائی بلند درجہ ہے۔

پہلے درجے والا اخروٹ کے اوپری چھلکے کی مانند ہے، **دوسرے درجے** والا نچلے چھلکے کی مانند جبکہ تیسرے درجے والا مغز اور چوتھے درجے والا مغز سے نکالے ہوئے تیل کی طرح ہے۔ جس طرح اخروٹ کا اوپری چھلکا کوئی فائدہ نہیں دیتا کہ اسے کھایا جائے تو ذائقہ کڑوا، اندرونی حصہ کو دیکھا جائے تو بد نما، اگر بطور ایندھن لیا جائے تو آگ بجھائے اور دھواں زیادہ دے، اگر گھر میں رکھا جائے تو جگہ گھیرے لہٰذا اس کا کام صرف یہی ہے کہ اسے کچھ عرصہ کے لئے اخروٹ کے اوپر رہنے دیا جائے پھر پھینک دیا جائے۔ اسی طرح تصدیق قلبی کے بغیر صرف زبانی توحید کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ اس کا نقصان زیادہ ہے کہ اس کا ظاہر و باطن قابل مذمت ہے مگر یہ توحید موت کے وقت تک نچلے چھلکے کی حفاظت کا کام دیتی ہے کیونکہ نچلا چھلکا انسانی

بدن اور دل ہے۔ منافق کی توحید غازی کی تلوار سے اس کے بدن کو بچا لیتی ہے کیونکہ تلوار صرف ظاہری جسم تک پہنچتی ہے اور غازی کو دل چیر کر دیکھنے کا حکم نہیں ہے اور مرتے ہی یہ توحید اس سے الگ ہو جاتی ہے کہ بعد موت اس کا کوئی فائدہ نہیں اور جس طرح اوپری چھلکے کے مقابلہ میں نچلا چھلکا زیادہ فائدہ مند ہے کہ یہ مغز کی حفاظت کرتا ہے اور ذخیرہ کے وقت مغز کو خراب ہونے سے بچاتا ہے اور جب اسے الگ کر دیا جائے تو بطور ایندھن اس سے نفع حاصل کرنا ممکن ہوتا ہے لیکن مغز کے مقابلہ میں اس کی کوئی حیثیت نہیں اسی طرح بغیر کَشْف کے صرف اعتقاد رکھنا اگرچہ فقط زبانی اقرار کے مقابلہ میں نفع بخش ہے لیکن کشف اور مُشاہَدۂ حق کے مقابلے میں ناقص ہے کہ یہ مشاہدہ اور کشف شرحِ صدر کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے کہ جس میں نورِ حق کی تجلی چمکتی ہے اور درج ذیل آیات مبارکہ میں شرحِ صدر سے مراد یہی ہے:

...﴿1﴾

فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ (پ۸، الانعام: ۱۲۵)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جسے اللہ راہ دکھانا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔

...﴿2﴾

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ (پ۲۳، الزمر: ۲۲)

ترجمۂ کنزالایمان: تو کیا وہ جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔

جس طرح مغز فی نفسہٖ چھلکے کے مقابلہ میں بہتر اور مقصود ہوتا ہے لیکن خالص تیل کے مقابلہ میں مغز میں ملاوٹ والے اجزاء موجود ہوتے ہیں اسی طرح فاعل کو ایک جاننا سالِکین کے لئے ایک بلند درجہ ہے لیکن ذات واحد کا مشاہدہ کرنے والے (چوتھے درجے والے) سالِک کے مقابلہ میں غیر کو دیکھنے اور کثرت کی جانب توجّہ کرنے والے (تیسرے درجے والے) سالک میں ملاوٹ ضرور پائی جاتی ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ سالک ایک ہی ذات کا مشاہدہ کرے جبکہ وہ زمین و آسمان اور تمام اَجسام کو دیکھتا ہے اور یہ سب بہت زیادہ ہیں۔ کثیر چیزیں کس طرح ایک نظر آسکتی ہیں؟

جواب: یہ علم مکاشفہ کی غایت ہے، اس کے اَسرار و رُموز کسی کتاب میں بیان کرنا درست نہیں، عارفین اس کے متعلق فرماتے ہیں: ”ربوبیت کے راز ظاہر کرنا کفر ہے۔“[1] پھر یہ کہ اس کا تعلق علم معاملہ سے نہیں ہے لیکن اسے ناممکن سمجھنا درست نہیں کیونکہ چیز کبھی ایک انداز واعتبار سے کثیر نظر آتی ہے اور دوسرے انداز و اعتبار سے ایک نظر آتی ہے جیسا کہ جب انسان کی روح، جسم، ہاتھ پیر، نسوں اور آنتوں کی جانب نظر کی جائے تو انسان کے اجزاء کثیر نظر آتے ہیں اور جب اسی انسان کو دوسرے اعتبار اور انداز سے دیکھا جائے تو وہ ایک فرد نظر آتا ہے کیونکہ انسانیت کی طرف نسبت کرنے کے اعتبار سے انسان ایک فرد ہے اور کتنے لوگ ایسے ہیں جو انسان کو دیکھتے ہیں لیکن ان کے دل میں روح، جسم، ہاتھ پیر، نسوں اور آنتوں کا خیال نہیں آتا لہٰذا دونوں سالکین میں فرق یہ ہے کہ چوتھے درجے والا سالک ایک ذات میں مُستَغرَق ہوتا ہے جس میں تفریق نہیں جبکہ تیسرے درجے والا سالک جمع کو دیکھتا ہے اور الگ الگ کثرت کی جانب متوجّہ ہوتا ہے۔ اسی طرح وجود چاہے خالق کا ہو یا مخلوق کا، اعتبارات اور مُشاہدات کے اعتبار سے مختلف ہے ایک اعتبار سے یکتا اور دوسرے اعتبار سے کثیر ہوتا ہے اور بعض میں بعض سے زیادہ کثرت ہوتی ہے۔ اس کی مثال انسان ہے اگرچہ یہ مثال مُطابَقت نہیں رکھتی لیکن اس سے مُشاہدے کے اعتبار سے کثیر چیزوں کے ایک نظر آنے پر آگاہی ضرور ہو جاتی ہے۔

مذکورہ گفتگو سے یہ ظاہر ہو گیا کہ جس درجہ تک تم نہ پہنچ سکو اس سے انکار نہ کرنا ہی ایمان و تصدیق ہے لہٰذا اس اعتبار سے تمہیں کچھ نہ کچھ حصہ مل جائے گا اگرچہ تم مذکورہ درجہ تک پہنچ نہ سکو۔ جس طرح تم نبوت پر ایمان رکھتے ہو اگرچہ نبی نہیں ہو لیکن تمہاری ایمانی طاقت کی مقدار فیضانِ نبوت سے کچھ حصہ ضرور ملتا ہے۔ اس مشاہدہ میں ایک ہی ذات برحق کا جلوہ نظر آتا ہے، یہ جلوہ کبھی کبھار رہتا ہے اور اکثر مرتبہ بجلی کی چمک کی مانند ہوتا ہے۔ حضرت سیِّدُنا حسین بن منصور حَلّاج رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے جب حضرت سیِّدُنا ابراہیم

---

[1]... علامہ سیِّد محمد مرتضٰی زَبیدی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی **اتحاف السادۃ المتقین، جلد 12، صفحہ 20** پر فرماتے ہیں: جب کوئی شخص ان باتوں کو سنے گا تو لاعلمی کی وجہ سے ان کا انکار کر بیٹھے گا۔ روایت میں ہے: جو بات لوگوں کی عقل کے مطابق نہ ہو اسے بیان مت کرو، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ لوگ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول کو جھٹلا دیں۔

(صحیح البخاری، کتاب العلم، باب من خص بالعلم قوما... الخ، ۱/ ۶۷، حدیث: ۱۲۷)

خوّاص عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الرَّزَّاق کو پے در پے سفر کرتے دیکھا تو اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے پوچھا: ”آپ کیا کرتے ہیں؟“ فرمایا: ”میں سفر میں رہتا ہوں تاکہ توکل کے معاملہ میں اپنی حالت درست کر سکوں۔“ حضرت سیِّدُنا حسین بن منصور حلاج رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: ”آپ نے اپنی عمر اپنے باطن کو آباد کرنے میں گزار دی، فنافی التوحید (کا درجہ) کہاں ہے؟“

حضرت سیِّدُنا ابراہیم خوّاص عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الرَّزَّاق توحید کے تیسرے درجہ کی درستی میں مصروف تھے جبکہ حضرت سیِّدُنا حسین بن منصور حلاج رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے ان سے چوتھے درجہ کا مطالبہ کیا، یہ مُوَحِّدِین کے درجات کی مختصر وضاحت ہے۔

توکل کس درجہ سے حاصل ہوتا ہے؟

اگر آپ کہیں کہ اتنی وضاحت تو ضروری ہے جس سے توکل کی بنیادی کیفیت سمجھ میں آسکے۔ تو میں کہتا ہوں کہ چوتھے درجہ میں غور و فکر کرنے کی اجازت نہیں اور نہ توکل کی بنیاد اس پر ہے بلکہ توکل توحید کے تیسرے درجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ پہلا درجہ منافقت ہے جو کہ صاف ظاہر ہے جبکہ دوسرا درجہ اعتقاد ہے جو کہ عام مسلمانوں میں پایا جاتا ہے۔ اس اعتقاد کو گفتگو کے ذریعہ پختہ کرنے اور گمراہوں کی جعل سازیوں سے اسے بچانے کا طریقہ کتب عقائد میں موجود ہے۔ ہم نے اپنی کتاب ”اَلْاِقْتِصَادُ فِی الْاِعْتِقَاد“ میں بقدر ضرورت اہم باتیں (عقائد کے متعلق) ذکر کی ہیں۔ تیسرے درجے ہی پر توحید کی بنیاد ہے کیونکہ صرف توحید کا عقیدہ رکھنے سے توکل پیدا نہیں ہوتا لہٰذا ہم اس درجہ کی صرف اتنی وضاحت کریں گے جس کا توکل کے ساتھ تعلق ہے کہ مزید تفصیل کی اس کتاب میں گنجائش نہیں۔

خلاصۂ کلام:

خلاصہ یہ ہے کہ تم پر واضح ہو جائے کہ فاعل حقیقی صرف **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی ذات ہے، تمام مخلوق، رزق، موت و زندگی، تنگدستی و مالداری بلکہ ہر وہ شے جس کا کوئی نام ہے **اللہ** عَزَّوَجَلَّ اکیلا ہی اسے پیدا فرمانے والا ہے اور جب تم پر یہ بات واضح ہو جائے گی تو تم غیر کی جانب نہیں دیکھو گے بلکہ تمہارا خوف، تمہاری امید،

تمہارا اعتماد اور بھروسا سب اسی ایک ذات کی جانب ہو جائے گا کہ وہی اکیلا فاعلِ حقیقی ہے باقی سب اس کے تابع ہیں کہ اس کی زمین وآسمان کی عظیم الشان سلطنت کے ایک ذرّہ کو بغیر اس کی اجازت کے حرکت نہیں دے سکتے۔ جب تم پر عِلْمِ مُکاشَفہ کے دروازے کھلیں گے تو یہ بات تم پر خوب روشن ہو جائے گی اور آنکھ کے مشاہدہ سے زیادہ کامل ہو گی۔

تیسرے درجے پر شیطانی وساوس:

شیطان اس مقام پر رکاوٹ بنتے ہوئے دو اعتبار سے تمہارے دل میں شرک کا وسوسہ پیدا کرے گا: **ایک** جاندار چیزوں کی طرف متوجہ کر کے اور **دوسرا** بے جان چیزوں کی جانب توجہ کروا کر۔ جہاں تک بے جان چیزوں کی جانب متوجّہ کروانے کی بات ہے تو اس کی مثال یہ ہے کہ (شیطان کہے گا) سبزہ اور نباتات کے نکلنے اور بڑھنے کے معاملہ میں تم بارش پر بھروسا کرتے ہو، بارش برسنے میں بادلوں پر اور بادلوں کے اکٹھا ہونے میں ٹھنڈک پر نیز سفینہ کے چلنے اور ٹھہرنے کے معاملہ میں ہوا پر اعتماد کرتے ہو یوں تم توحید میں غیر کو شریک کرتے ہو اور اشیاء کے حقائق سے ناواقف رہتے ہو۔ جیسا کہ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

فَاِذَا رَكِبُوْا فِی الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ۬ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ یُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾ (پ۲۱، العنکبوت: ۶۵)

ترجمۂ کنزالایمان: پھر جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں **اللہ** کو پکارتے ہیں ایک اسی پر عقیدہ لا کر پھر جب وہ انھیں خشکی کی طرف بچالاتا ہے جبھی شرک کرنے لگتے ہیں۔

یعنی وہ یہ کہتے ہیں اگر ہوا میں ٹھہراؤ نہ آتا تو ہم نجات نہ پاتے۔

وساوس کا علاج:

جس پر عالَم کا معاملہ حقیقۃً واضح ہو جائے وہ جان لیتا ہے کہ ہوا خود حرکت نہیں کرتی جب تک کوئی مُحرِّک (حرکت دینے والا) نہ ہو۔ ایسے ہی اس مُحرِّک کا بھی کوئی اور مُحرِّک ہوتا ہے یہاں تک کہ سب سے پہلا مُحرِّک جس کا کوئی مُحرِّک نہیں وہ ذاتِ باری تعالیٰ ہے جو خود حرکت سے پاک ہے لہٰذا بندے کا مذکورہ معاملہ میں ہوا کی جانب متوجّہ ہونا اس شخص کی طرح ہے جس کی گردن اڑانے کے لئے اسے گرفتار کیا گیا ہو مگر بادشاہ اسے معافی نامہ لکھ دے۔ تو اگر وہ شخص کاغذ، قلم و دوات کی جانب متوجّہ ہو کر کہے: "اگر قلم نہ ہوتا تو میں چھٹکارا نہ

پاتا۔"تو ایسا شخص مُعافی نامہ میں نجات دہندہ قلم کو سمجھنے والا ہے، قلم کو حرکت دینے والے بادشاہ کو نہیں اور یہ بات انتہائی درجہ کی جہالت ہے جبکہ جو شخص یہ بات جانتا ہے کہ قلم خود نہیں چلتا بلکہ کاتب یعنی لکھنے والے کے ہاتھ کے تابع ہے، وہ کاتب کا شکریہ ادا کرتا ہے بلکہ کبھی تو آزادی کی خوشی اسے اس قدر بے خود کر دیتی ہے کہ بادشاہ اور کاتب دونوں کا شکریہ ادا کرتا ہے اور قلم، دوات وسیاہی کی جانب ذرا بھی توجّہ نہیں کرتا۔

زمین، سورج، چاند ستارے، بارش، بادل ہر جاندار و بے جان چیز دست قدرت کے تابع ہے جس طرح کاتب کے ہاتھ میں قلم۔ یہ مثال تمہارے لئے ہے کیونکہ تم یہ سمجھتے ہو کہ بادشاہ ہی معافی نامہ کو لکھنے والا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی اسے لکھنے والا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ۚ (پ۹، الانفال: ۱۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی۔

لہٰذا جب تم پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ زمین و آسمان کی ہر چیز اس طرح مسخر و تابع ہے تو شیطان تم سے نامراد لوٹ جائے گا اور تمہاری توحید میں شرک کی آمیزش سے مایوس ہو جائے گا پھر وہ تمہارے پاس دوسرے مہلک راستے سے آئے گا جو کہ اختیاری افعال میں انسان کے بااختیار ہونے کی جانب توجُّہ دلانا ہے۔ شیطان کہتا ہے: "ہر کام اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جانب سے کس طرح ہوتا ہے حالانکہ یہی انسان ہے جو تمہیں تمہارا رزق اپنے اختیار سے دیتا ہے، اگر چاہے تو دے، اگر چاہے تو روک دے اور یہی انسان ہے جو تمہارا سر قلم کرتا ہے اور اس بات پر قادر ہے کہ چاہے تو سر قلم کر دے، چاہے معاف کرے۔ تم انسان سے خوف اور امید کیونکر نہیں رکھتے حالانکہ تمہارا معاملہ انسان کے ہاتھ میں ہے اور تم اس بات کو جانتے بھی ہو اور تمہیں اس میں کوئی شک نہیں۔" شیطان یہ بھی کہتا ہے: "اگر تم قلم کو تابع ہونے کی وجہ سے اہمیت نہیں دیتے تو کاتب کو کیونکر اہمیت دیتے ہو کہ وہ بھی تو کسی کا تابع ہے؟" ایسے وسوسے کی صورت میں اکثر کے قدم پھسل جاتے ہیں۔

کاتب بھی تابع ہے:

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مخلص بندے جن پر شیطان ملعون کا زور نہیں چلتا وہ کاتب کو نورِ بصیرت سے اس طرح تابع و مجبور دیکھتے ہیں جیسے تمام کمزور لوگ قلم کو تابع دیکھتے ہیں اور وہ یہ جانتے ہیں کہ اس معاملہ میں کمزور

لوگوں کی غلطی چیونٹی کی غلطی کی طرح ہے کہ اگر کسی کاغذ پر چلے تو دیکھے گی کہ قلم کی نوک کاغذ کو سیاہ کر رہی ہے چونکہ اس کی نظر کا دائرہ ہاتھ اور انگلیوں تک نہیں پہنچتا چہ جائیکہ لکھنے والے تک پہنچے لہٰذا اسے غلط فہمی ہوتی ہے جس کے باعث وہ یہ گمان کرتی ہے کہ قلم ہی سفید کاغذ کو سیاہ کر رہا ہے اور یہ معاملہ بصارت کی کمی کی وجہ سے ہے کیونکہ اس کی آنکھ چھوٹی ہے لہٰذا وہ قلم کی نوک سے آگے نہ دیکھ سکی۔ اسی طرح جس شخص کا سینہ نورِ الٰہی سے اسلام کے لئے نہ کھل سکا تو اس کی بصیرت زمین وآسمان کے مالک کی طرف دیکھنے سے قاصر رہی اور تمام چیزوں پر اس کے غلبے کو نہ دیکھ پائی گویا وہ کاتب کو ہی سب کچھ سمجھنے لگا اور یہ بات محض جہالت ہے۔ حالانکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنی قدرتِ کاملہ سے اہلِ کَشْف کے لئے زمین وآسمان کے ہر ذرّہ کو قوت گویائی عطا فرماتا ہے جس کے ذریعہ ہر چیز گفتگو کرتی ہے یہاں تک کہ اہلِ کشف ذرّوں سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی تسبیح وتقدیس اور ان کے عاجز ہونے کی گواہی سنتے ہیں۔ یہ گفتگو فصیح زبان میں ہوتی ہے کہ جس میں حروف ہوتے ہیں نہ ہی آوازیں نیز جن لوگوں میں سننے کی صلاحیت نہیں ہوتی وہ اسے نہیں سُن پاتے۔ یہاں سننے سے مراد ظاہری سننا نہیں ہے کہ جس میں صرف آواز سنی جاتی ہے کیونکہ گدھا بھی (ظاہری آواز) سنتا ہے اور جس کام میں جانور شریک ہوں وہ کوئی اہم کام نہیں ہوتا، سننے سے ہماری مراد وہ کلام ہے جس میں حروف وآوازیں نہ ہوں اور نہ ہی وہ کلام عَرَبی یا عجمی ہو۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر آپ ایسا کہتے ہیں تو یہ ایک عجیب بات ہے جسے عقل قبول نہیں کرتی، آپ ان کے بولنے کی کیفیت بیان کیجئے کہ یہ کس طرح اور کس چیز کے ساتھ بولتے ہیں، کیسے تسبیح وتقدیس کرتے ہیں اور اپنے عاجز ہونے کی گواہی کیسے دیتے ہیں؟

جواب: جان لیجئے! زمین وآسمان کا ہر ذرّہ اہل کشف کے ساتھ سرگوشی کرتا ہے جسے شمار کیا جاسکتا ہے نہ اس کی انتہا معلوم کی جاسکتی ہے کیونکہ یہ سرگوشی ایسے کلمات پر مشتمل ہوتی ہے جو کَلِماتِ الٰہی کے دریا سے مُستَفاد ہوتے ہیں اور اس دریا کی کوئی انتہا نہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ   ترجمۂ کنزالایمان: تم فرمادو اگر سمندر میرے رب کی باتوں

الْبَحْرُ (پ۱۶، الکھف:۱۰۹) کے لیے سیاہی ہو تو ضرور سمندر ختم ہو جائے گا۔

پھر یہ سرگوشی سلطنت و بادشاہت کے رازوں کے بارے میں ہوتی ہے اور راز کو ظاہر کرنا برا ہے۔ شیطانی مکر و فریب سے آزاد سینے رازوں کا قبرستان ہوتے ہیں۔ کیا تم نے کبھی کسی بادشاہ کے رازدار کو دیکھا ہے کہ اس کے سامنے رازدارانہ گفتگو کی جائے تو وہ لوگوں کے سامنے بادشاہ کے راز بیان کر دے۔ اگر ہمارے لئے راز ظاہر کرنا جائز ہوتا تو نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم یوں ارشاد نہ فرماتے: ”جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو کم ہنستے اور زیادہ روتے۔“[1] بلکہ صحابہ کرام کے سامنے اسے بیان فرماتے کہ وہ روئیں اور نہ ہنسیں نیز تقدیر کے راز کو ظاہر کرنے سے منع فرماتے[2] اور یوں بھی ارشاد نہ فرماتے: ”جب تاروں (کی تاثیر) کا ذکر ہو تو اس سے خاموشی اختیار کرو، جب تقدیر کے متعلق گفتگو ہو تو زبان کو اس سے روکو، جب میرے صحابہ کا ذکر ہو تو (انہیں برا بھلا کہنے سے) زبان کو روکو۔“[3] البتہ حضرت سیِّدُنا حذیفہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کو بعض رازوں پر خصوصیت کے ساتھ مطلع فرمایا تھا۔[4]

ان ذرّات کی اہل کشف کے ساتھ سرگوشی کی وضاحت میں دو طرح کی رکاوٹ ہے: **ایک یہ** کہ راز کو ظاہر کرنا مُحال ہے **دوسرا یہ** کہ ان کلمات کو شمار نہیں کیا جاسکتا لیکن جو مثال ہم نے پیش کی ہے وہ قلم کی حرکت سے بیان ہو سکتی ہے۔ لہٰذا ہم ان کی سرگوشی کو بقدرِ ضرورت بیان کریں گے جس سے توکل کی بنیادی کیفیت بآسانی سمجھ میں آجائے۔ ان کلمات میں اگرچہ حروف و آواز نہیں لیکن سمجھانے کی غرض سے ہم ان کلمات کو حروف اور آواز کی جانب لوٹائیں گے۔

حکایت: عالَم ظاہر سے عالَم بالا کا سفر

کسی نے نورِ الٰہی کے چراغ سے ایک کاغذ کو دیکھا کہ اس کا چہرہ سیاہی سے کالا ہو چکا ہے۔ اس نے پوچھا: تیرے چہرے کو کیا ہوا یہ تو سفید روشن تھا اور اب اس پر سیاہی ظاہر ہے، کیوں تو نے اپنا چہرہ سیاہ کر دیا آخر

1 ...بخاری، کتاب الکسوف، باب الصدقۃ فی الکسوف، ۱/ ۳۵۷، حدیث: ۱۰۴۴
2 ...الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی، ۸/ ۳۹۷، الرقم ۲۰۱۸ الھیثم بن جماز بصری
3 ...مساویٔ الاخلاق للخرائطی، باب فی ما جاء فی علم النجوم... الخ، ص ۳۱۰، حدیث: ۷۷۵
4 ...مسلم، کتاب صفات المنافقین واحکامھم، ص ۱۴۹۶، حدیث: ۲۷۷۹

اس کی وجہ کیا ہے ؟کاغذ نے کہا: یہ بات کہہ کر تم نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا کیونکہ میں نے خود اپنے چہرہ کو سیاہ نہیں کیا بلکہ تم سیاہی سے پوچھو کہ وہ اپنے وطن اور ٹھہرنے کی جگہ میں اکٹھی تھی، وہ کیوں اپنے وطن سے علیحدہ ہوئی؟ کیوں مجھ پر ظلم کرتے ہوئے میرے آنگن میں اُتر آئی؟اس شخص نے کہا: تو نے سچ کہا۔ اس نے سیاہی سے پوچھا تو اس نے کہا: تو نے میرے ساتھ انصاف سے کام نہیں لیا، میں تو دوات میں خاموش تھی اور یہ ارادہ تھا کہ اس سے باہر نہ نکلوں گی۔ قلم نے مجھ پر اپنی فاسد لالچ کے ذریعہ زیادتی کی، مجھے بے وطن کیا، مجھے بکھیر کر کاغذ پر پھیلا دیا جیسا کہ تو نے دیکھا، یہ سوال تم قلم سے کرو، مجھ سے نہیں۔ اس نے کہا: تو نے سچ کہا۔ پھر اس نے قلم سے اس ظلم وزیادتی اور سیاہی کو بے گھر کرنے کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا: ہاتھ اور انگلیوں سے پوچھو کہ میں دریا کے کنارے سرکنڈہ تھا، سرسبز درختوں کے درمیان خوش تھا، ہاتھ چھری لے کر آیا، مجھے چھیل دیا، میرے کپڑے پھاڑ دیئے، پھر جڑ سے اکھاڑ کر میرے ٹکڑے کر دیئے، مجھے تراش کر قابل استعمال بنایا، پھر مجھے سیاہ اور کڑوی سیاہی میں ڈبویا، یہ (ہاتھ) مجھ سے کام لیتا ہے اور سر کے بل چلاتا ہے، تمہارے سوال و سختی نے میرے زخم پر نمک چھڑک دیا ہے، تم مجھے چھوڑو اور مجھ پر ظلم کرنے والے سے سوال کرو۔ اس شخص نے کہا: تو نے سچ کہا۔

پھر اس نے ہاتھ سے قلم پر ظلم وزیادتی اور خدمت لینے کے بارے میں سوال کیا۔ ہاتھ نے کہا: میں تو ہڈی، گوشت اور خون کا مجموعہ ہوں، کیا تم نے کبھی گوشت پوست کو ظلم کرتے یا جسم کو خود بخود حرکت کرتے دیکھا ہے؟ میں تو ایک فرمانبردار سواری ہوں جس پر ایک شہسوار ہے جسے قدرت وطاقت کہتے ہیں۔ یہی مجھے مختلف زمینی علاقوں میں گھماتا پھراتا ہے، کیا تم نے پتھروں، کنکروں اور درختوں کو نہیں دیکھا کہ اپنی جگہ سے حرکت کرتے ہیں نہ آگے بڑھتے ہیں کیونکہ ان پر اس جیسا طاقتور اور غلبہ والا شہسوار نہیں؟ کیا تم نے کسی مردہ کے ہاتھ نہیں دیکھے کہ ہڈی، گوشت اور خون میرے جیسا ہے لیکن قلم اور اس کے درمیان کسی طرح کا معاملہ نہیں؟ میں بھی ایسا ہی ہوں کہ میرے اور قلم کے درمیان کسی قسم کا معاملہ نہیں؟ تم قدرت سے سوال کرو کیونکہ میں ایسی سواری ہوں جو مجھ پر سوار ہو گا وہ مجھے عاجز کرے گا۔ اس شخص نے کہا: تو نے سچ کہا۔ پھر اس نے ہاتھ کو استعمال کرنے اور زیادہ خدمت لینے کے بارے میں قدرت

سے پوچھا۔ قدرت نے کہا: تم مجھے ملامت نہ کرو، میری پکڑ نہ کرو، کئی ملامت کرنے والے قابل ملامت ہوتے ہیں، کئی قابل ملامت ایسے ہیں جن کا کوئی قُصور نہیں، میرا معاملہ تم پر ڈھکا چُھپا نہیں، تم نے کیوں گمان کرلیا کہ اس پر سوار ہو کر میں نے ظلم کیا ہے حالانکہ میں اس کی حرکت سے پہلے بھی اس پر سوار تھی، نہ میں نے اسے حرکت دی، نہ میں نے اسے تابع کیا، میں تو ساکن اور سوئی ہوئی تھی گمان والے مجھے مردہ یا معدوم خیال کرتے تھے کیونکہ میں نہ تو خود حرکت کرتی، نہ دوسرے کو حرکت دیتی یہاں تک کہ ایک مُوَکِّل آیا جس نے مجھے بے چین کر دیا اور طاقت کے بل بوتے پر وہ کام کروایا جو تم نے دیکھا، مجھ میں موافقت کی طاقت تھی، مُخالَفَت کی نہیں، اس مُوَکِّل کا نام ''ارادہ'' ہے۔ میں فقط اس کا نام اور اس کا جھپٹنا جانتی ہوں کہ اچانک مجھے گہری نیند سے بیدار کیا، مجھ سے زبردستی وہ کام کروایا کہ اگر میری رائے ہوتی تو میں اس سے چھٹکارا پاتی۔ اس نے کہا: تو نے سچ کہا۔

پھر اس نے ''ارادہ'' سے سوال کیا: کیا سبب ہے جس نے تجھے دلیر بنایا ہے کہ تو نے پرسکون قدرت کو متحرک کیا، زبردستی کام کروایا، جس سے وہ بچ سکی نہ چھٹکارا پا سکی؟ ارادہ نے کہا: تم مجھ پر جلدی نہ کرو، تم مجھے ملامت کرتے ہو شاید میں معذور ہوں کیونکہ میں خود نہیں اٹھا، مجھے اٹھایا گیا، میں خود تیار نہیں ہوا، مجھے زبردست اور سخت حکم کے ذریعہ بھیجا گیا، میں آنے سے قبل خاموش تھا لیکن دل کے دربار سے علم کا قاصد، عقل کی زبان لے کر قدرت کو اٹھانے کا پروانہ لایا، میں نے اسے مجبوراً اٹھایا ہے، میں تو مسکین ہوں، عقل اور علم کے غَلَبَہ کی وجہ سے تابعدار ہوں، میں نہیں جانتا کون سا جرم مجھ پر نافذ ہوگا؟ مجھے کس کی تابِعداری کرنی ہے؟ کس کی اطاعت لازم ہوگی؟ لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ جب تک غلبہ والا نہیں آیا تھا، میں پُرسکون تھا، میں راحت میں تھا، اب حکم کرنے والا عادل ہو یا ظالم میں اس کے سامنے کھڑا ہوں، اس کی اطاعت مجھ پر ضروری ہوگئی بلکہ جب اس کا یقینی حکم آتا ہے مجھ میں مُخالَفَت کی تاب نہیں ہوتی، میری جان کی قسم! جب تک وہ خود حکم دینے میں شک وشبہ میں رہتا ہے میں ساکن رہتا ہوں لیکن اس کے حکم کی جانب دھیان اور انتظار رہتا ہے اور جب اس کا یقینی حکم آجائے طبعی طور پر اور زبردست غلبہ کی وجہ سے میں پریشان ہو جاتا ہوں، قدرت کو اٹھاتا ہوں کہ اس کے حکم کے مطابق عمل کرے لہٰذا تم علم سے پوچھو، مجھ پر

سختی کرنا چھوڑ دو، میں اس کہنے والے کی طرح ہوں:

مَتٰی تَرَحَّلْتَ عَنْ قَوْمٍ وَقَدْ قَدَرُوْا اَنْ لَّاتُفَارِقَهُمْ فَالرَّاحِلُوْنَ هُمْ

ترجمہ: لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تم انہیں کبھی چھوڑ کر نہ جاؤ گے جبکہ تم وہاں سے رخصت ہوتے ہو تو جدا وہی لوگ ہوتے ہیں تم نہیں۔

اس شخص نے ارادہ سے کہا: تو نے سچ کہا۔ پھر وہ شخص علم، عقل اور دل کی جانب متوجّہ ہوا، قدرت کو اٹھانے کے لئے ارادہ کو مسخر کرنے اور ابھارنے پر ان کی سرزنش کی۔ عقل نے جواب دیا: میں چراغ ہوں جو خود نہیں بھڑکتا، بھڑکایا جاتا ہوں۔ دل نے کہا: میں تختی ہوں خود نہیں پھیلتی، پھیلائی جاتی ہوں۔ علم نے کہا: میں نقش ہوں جو دل کی سفید تختی پر نقش ہوتا ہے، جب عقل کا چراغ روشن ہوتا ہے تو میں دل کی سفید تختی پر نقش ہوتا ہوں، میں خود نہیں لکھا جاتا، کتنا عرصہ یہ تختی مجھ سے خالی رہی، تم قلم سے میرے بارے میں سوال کرو کیونکہ لکھائی قلم کے ذریعہ ہی ہوتی ہے۔ اس وقت پوچھنے والا جھنجلا گیا کہ علم کا جواب اسے مطمئن نہ کر سکا تو اس نے کہا: اس راستہ میں میری تھکاوٹ زیادہ ہوگئی، بہت سی منزلیں طے ہوئیں، جس سے اس معاملہ کو جاننے کی امید باندھی، ایک نے دوسرے کے سپرد کیا لیکن کثرت تکرار کے باوجود دل خوش ہوا کہ میں ایسے کلام کو سنتا تھا جو دل میں جاگزیں ہوتا، ایسے عذر کو سنتا تھا جو سوال دور کرنے میں معقول ہوتا جبکہ تمہارا جواب: ”میں لکھائی و نقش ہوں اور مجھے قلم نے لکھا ہے۔“ میری سمجھ میں نہیں آیا کیونکہ میں تو صرف اس قلم کو جانتا ہوں جو سرکنڈہ سے بنتا ہے، اس تختی کو جانتا ہوں جو لوہے سے یا لکڑی سے بنتی ہے، اس لکھائی کو جانتا ہوں جو سیاہی سے لکھی جاتی ہے، اس چراغ کو جانتا ہوں جو آگ سے روشن ہوتا ہے۔ میں نے اس راستہ میں چراغ، تختی، لکھائی اور قلم کی گفتگو سنی لیکن ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا، میں نے چکی کی گھڑ گھڑاہٹ سنی مگر چکی نظر نہ آئی۔ علم نے اس سے کہا: جو تم نے کہا اگر وہ سچ ہے تو تمہارا سامان کم ہے، زادِ راہ تھوڑا ہے اور سواری کمزور ہے، چوکنّے ہو جاؤ! جس راستہ کی جانب بڑھ رہے ہو اس میں ہلاکتیں بہت زیادہ ہیں، مناسب یہی ہے تم لوٹ جاؤ اور اپنے خیال کو ترک کر دو، یہ تمہاری ذمہ داری نہیں، تم اپنی راہ لو کیونکہ جو جس مقصد کے لئے پیدا کیا جاتا ہے وہ اس کے لئے آسان کر دیا جاتا ہے۔ اگر تم

مقصد تک پہنچانے والے راستہ کو مکمل طے کرنے کا ارادہ رکھتے ہو تو کان لگا کر متوجّہ ہو جاؤ اور جان لو! تمہارے راستہ میں تین عالَم ہیں، پہلا عالَم ''عَالَمُ الشَّهَادَة'' ہے کاغذ، روشنائی، قلم اور ہاتھ کا تعلق اسی عالَم سے ہے۔ تم ان منزلوں کو بآسانی طے کر چکے ہو۔ دوسرا عالَم ''عَالَمُ الْمَلَكُوْت'' ہے۔ یہ میرے بعد ہے جب تم مجھ سے آگے بڑھو گے تو اس کی منزل تک پہنچو گے، اس میں وسیع و عریض جنگل بیابان، بلند و بالا پہاڑ اور گہرے سمندر ہیں، میں نہیں جانتا کہ تم ان سے کیسے سلامت رہو گے۔ تیسرا عالَم ''عَالَمُ الْجَبَرُوْت'' ہے۔ یہ عالَم پہلے دونوں کے درمیان میں ہے، تم اس کی تین منزلیں طے کر چکے ہو یعنی قدرت، ارادہ اور علم کی منزل، یہ عالَم پہلے دونوں کے درمیان واسطہ ہے کہ پہلے عالَم کا راستہ اس سے آسان ہے جبکہ دوسرے کا راستہ اس سے مشکل ہے، تیسرا عالَم پہلے دونوں کے درمیان کشتی کی مانند ہے جو زمین اور پانی کے درمیان حرکت کرتی ہے، یہ پانی کی طرح اِضْطِرابی حالت میں ہے نہ زمین کی طرح سکون و ٹھہراؤ کی حالت میں، جو زمین پر چلتا ہے وہ ''عَالَمُ الشَّهَادَة'' میں چلتا ہے، جس میں کشتی پر سوار ہونے کی مزید طاقت ہو وہ ''عَالَمُ الْجَبَرُوْت'' میں چلنے والے کی مانند ہے اور اگر کشتی کے بغیر پانی پر چلنے کی قوت ہو جائے تو وہ بغیر جھنجلاہٹ کے ''عَالَمُ الْمَلَكُوْت'' میں چلنے والا ہے۔ اگر تم پانی پر چلنے کی طاقت نہیں رکھتے تو لوٹ جاؤ کیونکہ تم زمین سے آگے بڑھ چکے ہو، تم کشتی سے پیچھے رہ چکے ہو، تمہارے سامنے صاف پانی کے علاوہ کچھ نہیں۔

''عَالَمُ الْمَلَكُوْت'' میں سب سے پہلے ''قلم'' کا مُشاہَدہ ہوتا ہے، جس کے ذریعہ دل کی تختی پر ''علم'' لکھا جاتا ہے اور ''یقین'' کا مشاہدہ ہوتا ہے، جس کے ذریعہ انسان پانی پر چلا جاتا ہے۔ کیا تم نے حضرت سیِّدُنا عیسٰی روحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے متعلق نبیِّ کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا قولِ مبارک نہیں سنا جب بارگاہِ مصطفٰے میں عرض کی گئی: حضرت سیِّدُنا عیسٰی عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام پانی پر چلتے تھے۔ فرمایا: اگر یقین زیادہ ہوتا تو ہوا پر ضرور چلتے۔[1]

سوال کرنے والے سالک نے کہا: میں اپنے مُعامَلے میں حیران ہو گیا ہوں، تو نے جو راستہ کے خَطرات بیان کئے ہیں ان سے میرا دل خوف زدہ ہو گیا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ میں اس وسیع و عریض جنگل بیابان کو

1 ...الزهد الكبير للبيهقي، باب الورع والتقوى، ص۳۵۷، حديث: ۹۷۶

طے کرنے کی طاقت رکھتاہوں یا نہیں ؟ کیا اس کی کوئی نشانی ہے ؟ علم نے کہا: جی ہاں۔ تم اپنی آنکھیں کھولو، اپنی دونوں آنکھوں کی روشنی جمع کرو اور میری جانب دیکھو، اگر وہ قلم نظر آجائے جس کے ذریعے دل کی تختی پر لکھا جاتا ہے تو تم اس راستہ پر چل سکتے ہو کیونکہ جو "عَالَمُ الْجَبَرُوْت" سے بڑھ کر "عَالَمُ الْمَلَكُوْت" کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اسے قلم دکھا دیا جاتا ہے، کیا تم نہیں جانتے جب یہ فرمانِ الٰہی نازل ہوا:

اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ﴿۳﴾ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ؕ﴿۵﴾ (پ۳۰، العلق: ۳تا۵)

ترجمۂ کنزالایمان: پڑھو اور تمہارا رب ہی سب سے بڑا کریم جس نے قلم سے لکھنا سکھایا آدمی کو سکھایا جو نہ جانتا تھا۔

تو حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر ابتدا ہی میں قلم واضح کر دیا گیا تھا۔

سالِک نے کہا: میں نے اپنی آنکھیں کھولیں اور غور سے دیکھا۔ خدا کی قسم! میں نے نہ کسی سرکنڈہ کو دیکھا، نہ کسی لکڑی کو دیکھا، نہ کسی اور قلم کو جانا سوائے اس قلم کے جو موجود ہے۔ عِلم نے کہا: تم مرکز سے دور نکل گئے، کیا تم نے نہیں سنا کہ گھریلو سامان مالک مکان کی خواہش کے مطابق ہوتا ہے ؟ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ذاتِ باری تعالیٰ کی کسی ذات سے مُشابہَت نہیں ؟ نہ اس کا دستِ قدرت کسی کے ہاتھ کی طرح ہے، نہ اس کا قلم کسی کے قلم کی طرح ہے، نہ اس کا کلام کسی کے کلام کی طرح ہے، نہ اس کی تحریر کسی کی تحریر کی طرح ہے۔ یہ "عَالَمُ الْمَلَكُوْت" کے اُمورِ الٰہیہ ہیں، دوسروں کی طرح اس کے لئے جسم اور مکان نہیں، دوسروں کے برخلاف اس کا دستِ قدرت ہڈی، خون، گوشت سے پاک ہے، نہ اس کا قلم سرکنڈہ کا ہے، نہ اس کی تختی لکڑی کی ہے، نہ اس کا کلام آواز اور حروف پر مشتمل ہے، نہ اس کی تحریر عدد اور نشانات والی ہے، نہ اس کی سیاہی پھٹکری اور مازو[1] جیسی ہے، اگر تم ان چیزوں کو اس طرح نہیں دیکھ سکتے تو میں تمہیں مخنّث سمجھتا ہوں کیونکہ تشبیہ سے پاک سمجھنے والی جنس مرد ہے اور تشبیہ دینے والی جنس عورت ہے۔ تم ان کے درمیان میں ہو، میں تمہیں ان دونوں کے درمیان پریشان دیکھتا ہوں، تم نہ اِس طرف ہو، نہ اُس طرف، تم کس طرح اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات وصفات کو جسم اور جسمانی صفات سے پاک سمجھو گے ؟ تم کس طرح کلامِ الٰہی کو حروف اور آواز سے پاک سمجھو گے ؟ تم کس طرح اس کے دستِ قدرت، قلم، تختی اور تحریر کو

[1]... ایک قسم کی دوا۔

سمجھوگے؟ اگر تم حدیث پاک: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا''(1) میں صورت سے مراد ظاہری صورت سمجھوگے جو کہ آنکھ سے دیکھی جاتی ہے تو مطلقاً تشبیہ دینے والے ہو جاؤ گے جس طرح کہا جاتا ہے کہ ''خالص یہودی بن اگر ایسا نہیں کر سکتا تو پھر تورات سے مت کھیل'' اگر صورت سے مراد باطنی صورت سمجھوگے جسے بصیرت سے دیکھا جاتا ہے نہ کہ آنکھ سے تو خالصتاً تشبیہ سے پاک و منزّہ ماننے والے مرد ہو جاؤ گے اور اس راستہ کو طے کر لوگے اور وادی مقدّس ''طُوٰی'' میں پہنچ جاؤ گے۔ جب دل پر الہام کیا جائے تو اسے بغور سننا کہ شاید تمہاری راہ نمائی کی جائے جس طرح حضرتِ سیّدُنا موسٰی عَلَیْہِ السَّلَام کو عرش کے پردوں کے پیچھے سے ندا کی گئی: ''اِنِّیۡۤ اَنَا رَبُّكَ (پ۱۶، طٰہٰ: ۱۲، ترجمۂ کنز الایمان: بے شک میں تیرا رب ہوں۔)'' شاید تمہیں بھی آواز دی جائے۔

جب سالک نے ''عِلم'' کی یہ گفتگو سُنی تو اس نے جان لیا کہ اس کے نفس میں کوتاہی ہے، وہ تشبیہ دینے والے اور تشبیہ سے پاک ماننے والوں کے درمیان مخنّث ہے، اس نے اپنے نفس کو نقصان کی آنکھ سے دیکھا تو اسے اپنے نفس پر غصہ آیا جس کی شدت سے اس کے دل میں آگ بھڑک اُٹھی، قریب تھا کہ قلبی چراغ کا تیل آگ پہنچنے سے پہلے ہی بھڑک جاتا کہ علم نے اس میں پھونک ماردی اور دل کی گرمائش کی وجہ سے تیل بھڑک اُٹھا اور روشنی مزید بڑھ گئی۔ علم نے سالک سے کہا: تم اس موقع کو غنیمت جانو اور اپنی آنکھیں کھولو کہ شاید آگ کے ذریعہ راہ نمائی مل جائے۔ سالک نے اپنی آنکھیں کھولیں تو قلم الٰہی اس پر ظاہر ہو گیا، وہ تشبیہ کے بغیر ویسا ہی تھا جیسے علم نے اس کی وضاحت کی تھی، نہ لکڑی کا تھا نہ سرکنڈہ کا، نہ نوک تھی نہ سرا۔ انسانی دلوں پر مسلسل مختلف علوم لکھتا ہے، ہر دل میں اس کی نوک ہے حالانکہ اس کی کوئی نوک نہیں۔ اس سے سالک کی حیرانی ختم ہوئی اور کہنے لگا: علم کتنا اچھا دوست ہے، اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے میری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے، علم نے قلم کی جو وضاحت کی تھی اس کی سچائی مجھ پر واضح ہو چکی ہے، میں ایسے قلم کو دیکھ رہا ہوں جو دوسرے قلموں کی طرح نہیں ہے۔ پھر سالک نے علم کا شکریہ ادا کیا اور اسے رخصت کرتے ہوئے کہا: میں بہت دیر تک تمہارے پاس ٹھہرا، تم سے لمبی گفتگو ہوئی، اب چاہتا ہوں کہ قلم کے پاس جاؤں اور اس سے پوچھوں۔ سالک سفر کر کے قلم

1 ...مسلم، کتاب البر والصلة، باب النهي عن ضرب الوجه، ص۱۴۰۸، حدیث: ۲۶۱۲

کے پاس پہنچا اور کہا: اے قلم! تجھے کیا ہوا کہ تو دل پر کوئی نہ کوئی بات لکھتا رہتا ہے جس سے ارادہ طاقت کو اُبھارتا ہے پھر طاقت اپنے اختیار کی جانب متوجّہ ہوتی ہے۔ قلم نے کہا: تم نے ''عَالَمُ الشَّهَادَة'' میں جو کچھ دیکھا کیا تم اسے بھول گئے ہو؟ تم نے قلم سے سُوال کیا تو اس نے تمہیں ہاتھ کی جانب پھیر دیا کیا تم اس کے جواب کو بھول گئے؟ سالک نے کہا: میں کچھ نہیں بھولا۔ قلم نے کہا: میرا بھی وہی جواب ہے۔ سالک نے کہا: یہ کس طرح ہے حالانکہ تم اس قلم سے مشابہت نہیں رکھتے؟ قلم نے کہا: کیا تم نے نہیں سنا کہ ''اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت آدم عَلَیْهِ السَّلَام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔'' سالک نے کہا: ہاں۔ قلم نے کہا: تم میرے بارے میں اس سے پوچھو جسے ''یَمِیْنُ الْمَلِكِ'' کہا جاتا ہے، میں اسی کے قبضہ میں ہوں، وہی مجھے کام میں مصروف رکھتا ہے، میں مجبور ہوں، میں تابع ہوں، تابع ہونے کے اعتبار سے قلم انسانی اور قلم الٰہی میں کوئی فرق نہیں صرف ظاہری صورت کا فرق ہے۔ سالک نے پوچھا: ''یَمِیْنُ الْمَلِكِ'' کون ہے؟ قلم نے جواب دیا: کیا تم نے یہ فرمانِ الٰہی نہیں سُنا:

وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِهٖ ؕ (پ۲۴، الزمر: ۶۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اس کی قدرت سے سب آسمان لپیٹ دیئے جائیں گے۔

سالک نے کہا: ہاں۔ قلم نے کہا: قلم بھی اسی کے قبضہ قدرت میں ہے جو اسے مصروف رکھتا ہے۔

سالک نے وہاں سے قبضۂ قدرت کی جانب سفر کیا یہاں تک کہ اسے دیکھ لیا، قلم کے عجائبات سے بھی زیادہ اس کے عجائبات دیکھے، اس کی کسی خوبی کو بیان کرنا ممکن نہیں، نہ اس کی وضاحت ہو سکتی ہے بلکہ اس کی کسی ایک خوبی کا سوواں حصہ بھی کئی جلدوں میں سمانہیں سکتا، خلاصہ یہ کہ نہ اس کا قبضہ دیگر قبضوں کی طرح ہے، نہ دیگر ہاتھوں کی طرح انگلیاں رکھتا ہے۔ سالک نے قبضہ قدرت میں قلم کو حرکت کرتے دیکھا تو قلم کا مجبور ہونا سمجھ میں آگیا۔ پھر سالک نے قبضۂ قدرت سے قلم کو حرکت دینے کے بارے میں سوال کیا۔ اس نے جواب دیا: میرا جواب وہی ہے جو تم نے ''عَالَمُ الشَّهَادَة'' میں موجود ہاتھ سے سنا تھا، جواب یہی تھا کہ قدرت سے پوچھو کیونکہ ہاتھ خود بخود حرکت نہیں کرتا یقیناً اسے قدرت ہی حرکت دیتی ہے، سالک نے قدرت کی جانب سفر کیا اور وہ عجائبات دیکھے کہ پہلے کے تمام عجائبات معمولی نظر آئے، اس نے ہاتھ کو حرکت دینے کے بارے میں قدرت سے سوال کیا تو قدرت نے جواب دیا: میں تو صفت ہوں، تم قادر سے پوچھو

کیونکہ پوچھ کچھ موصوف سے ہوتی ہے صِفَت سے نہیں۔ قریب تھا کہ سالک لڑکھڑا جاتا اور بے باک ہو کر زبان پر سوال آجاتا لیکن وہ ثابت قدم رہا، اسے بارگاہِ الٰہی کے پردوں کے پیچھے سے آواز دی گئی:

لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَ هُمْ یُسْـَٔلُوْنَ ﴿۲۳﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اُس سے نہیں پوچھا جاتا جو وہ کرے اور اُن سب سے سوال ہوگا۔ (پ۱۷، الانبیآء: ۲۳)

سالک پر بارگاہِ الٰہی کی ہیبت طاری ہو گئی وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا، بے ہوشی میں تڑپتا رہا، جب کچھ اِفاقہ ہوا تو اس نے کہا: تو پاک ہے، تیری شان کتنی عظمت والی ہے، میں توبہ کرتا ہوں، تجھ پر توکُّل کرتا ہوں اور اس بات پر ایمان لاتا ہوں کہ تو ہی بادشاہ جبار ہے، تو ہی واحد قہار ہے، مجھے تیرے علاوہ کسی کا ڈر نہیں، مجھے تیرے علاوہ کسی سے امید نہیں، میں تیری گرفت سے تیرے عفو و درگزر ہی کی پناہ چاہتا ہوں، میں تیری ناراضی سے تیری رضا ہی کی پناہ چاہتا ہوں، میں تجھ ہی سے سوال کرتا ہوں، تیری ہی بارگاہ میں گریہ وزاری کرتا ہوں، تیرے ہی سامنے گڑگڑاتا ہوں، تیری ہی بارگاہ میں عرض کرتا ہوں کہ تو میرا سینہ کھول دے تاکہ تیری معرفت حاصل کروں، تو میری زبان کی رکاوٹ دور کر دے تاکہ تیری حمد و ثنا (کا حق ادا) کروں۔ پردے کے پیچھے سے آواز آئی: (انتہا درجہ والی) حمد و ثنا کی تمنا کرنے سے احتیاط کر۔ سیِّدُ الاَنبیا صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کر بلکہ ان کی طرف لوٹ جا۔ جو تجھے دیں وہ لے لے، جس سے روکیں رُک جا، جو کچھ انہوں نے کہا وہی کہہ، انہوں نے اس بارگاہ میں یہی کہا ہے: ”سُبْحَانَکَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ یعنی تو پاک ہے، میں تیری ثنا شمار نہیں کر سکتا تو ویسا ہے جیسے تو نے خود اپنی ثنا بیان فرمائی ہے۔“[1]

سالک نے عرض کی: اے میرے ربّ عَزَّوَجَلَّ! زبان کو تیری ثنا کرنے کی اجازت نہ ملی، کیا دل (انتہائی) معرفت کی تمنا کر سکتا ہے؟ فرمایا گیا: صِدِّیْقِیْن کے مقام سے آگے مت بڑھ، تو صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کی جانب لوٹ جا، ان کی پیروی کر کیونکہ سیِّدُ الاَنبیا محمد رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، تم ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے، کیا تم نے صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کا قول نہیں سنا: ”ذات باری تعالیٰ کو سمجھنے سے عاجز ہو جانا ہی اسے سمجھنا ہے۔“ ہماری بارگاہ سے تیرا حصہ

1 ...مسلم، کتاب الصلاۃ، باب مایقال فی الرکوع والسجود، ص۲۵۲، حدیث: ۴۸۶

صرف اتنا ہے کہ تجھے معلوم ہو گیا تو محروم ہے، تجھ میں ہمارے جلال و جمال کو دیکھنے کی طاقت نہیں۔ یہ سن کر سالک لوٹ گیا اور جن چیزوں سے ملاقات کی تھی ان سے سوالات اور ناراض ہونے پر معذرت کرتے ہوئے کہنے لگا: میرا عذر قبول کرو، میں اجنبی تھا، ان شہروں میں ابھی داخل ہوا اور ہر نئے آنے والے کو پریشانی ہوتی ہے، میرا تم پر اعتراض کرنا بھی کم علمی اور غلطی کی وجہ سے تھا۔ میں تمہارے عذر کو سمجھ چکا ہوں اور یہ بات مجھ پر ظاہر ہو چکی ہے کہ تمام عالَم میں ایک اللہ عَزَّوَجَلَّ کی منفرد ذات ہے، سب کچھ اسی کے غلبہ اور قبضۂ قدرت میں ہے، وہی اوّل ہے، وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے، وہی باطن ہے۔

جب سالک نے یہی باتیں "عَالَمُ الشَّهَادَة" میں بیان کیں تو کسی نے سالک سے پوچھا: کس طرح وہ ذات ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی حالانکہ یہ دونوں صفتیں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتی، وہ کس طرح ظاہر بھی ہے اور باطن بھی جبکہ ابتدا نہ تو انتہا ہوتی ہے، نہ ہی ظاہر باطن ہوتا ہے؟ سالک نے جواب دیا: موجودات کی جانب نسبت کرنے کے اعتبار سے وہ "اوّل" ہے کیونکہ ہر چیز بالترتیب یکے بعد دیگرے اسی کی جانب سے وجود میں آتی ہے، ہر چیز اسی کی جانب رواں دواں ہے اس اعتبار سے وہ "آخر" ہے کیونکہ لوگ منزل بہ منزل اسی کی جانب بڑھتے ہیں یہاں تک کہ اس کی بارگاہ میں منزل ختم ہو جاتی ہے، وہی سفر کا آخِر ہے، وہ دیکھنے کے اعتبار سے "آخر" ہے، وہ وجود کے اعتبار سے "اوّل" ہے۔

"عَالَمُ الشَّهَادَة" میں ٹھہرنے والوں کے اعتبار سے وہ "باطن" ہے کیونکہ وہ حواسِ خمسہ کے ذریعہ اس کی معرفت چاہتے ہیں۔ "عَالَمُ الْمَلَكُوْت" میں پائی جانے والی باطنی بصیرت کے ذریعہ قلبی چراغ کی روشنی میں ڈھونڈنے والوں کے اعتبار سے وہ "ظاہر" ہے۔ توحید کے راستہ پر چلنے والوں کی توحید بھی اسی طرح ہے یعنی ان پر واضح کر دیا جاتا ہے کہ فاعل صرف ایک ہی ہے۔

چند سوالات و جوابات:

…**سوال:** معلوم ہوا کہ توحید مذکور کی انتہا اس وقت ہو گی جب "عَالَمُ الْمَلَكُوْت" پر ایمان لایا جائے، تو جو شخص اسے سمجھ نہ سکے یا اس کا انکار کر دے اس کا کیا علاج ہے؟

…**جواب:** انکار کرنے والے کا کوئی علاج نہیں، البتہ اتنا ضرور کہا جائے کہ تمہارا "عَالَمُ الْمَلَكُوْت" کا انکار

کرنا ایسا ہی ہے جیسے گروہ سُمَنِیَّه[1] "عَالَمُ الْجَبَرُوْت" کا انکار کرتا ہے، اس گروہ کا عقیدہ ہے کہ معلومات صرف حواس خمسہ سے حاصل ہوتی ہیں، لہٰذا اس گروہ نے علم، قدرت، ارادہ کا انکار کر دیا کہ ان چیزوں کو حواس خمسہ سے معلوم نہیں کر سکتے، یہ گروہ حواس خمسہ کی رَٹ لگا کر "عَالَمُ الشَّهَادَة" کی پستی سے چمٹا رہا۔

اگر اسی گروہ کا کوئی فرد یہ کہے: مجھے حواس خمسہ کے ذریعہ صرف "عَالَمُ الشَّهَادَة" تک رسائی ہوئی ہے اس کے علاوہ میں کسی چیز کو نہیں جانتا، تو اسے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ ہم نے جن چیزوں کو حواس خمسہ کے بغیر دیکھا تم اس کے مُنکِر ہو اور تمہارا انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسے فرقہ سُوفَسْطَائِیَه حواس خمسہ کا انکار کرتے ہوئے کہتا ہے: جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں اس پر یقین نہیں کر سکتے، ہو سکتا ہے کہ ہم خواب دیکھ رہے ہوں۔

اگر کوئی یہ کہے: میرا تعلق ان سب سے ہے، میں محسوسات میں بھی شک کرتا ہوں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے شخص کی طبیعت خراب ہے، اس کا علاج نہیں ہو سکتا، لہٰذا ایسے شخص کو کچھ دن چھوڑ دیا جائے کیونکہ طبیب ہر مریض کا علاج نہیں کر سکتا، یہ انکار کرنے والے کا حکم ہے۔

جو "عَالَمُ الْمَلَكُوْت" کا انکار نہ کرے لیکن اسے سمجھ نہ پائے تو سالکین اس طریقہ سے ایسے شخص کا علاج کریں کہ پہلے اس آنکھ کی جانب توجّہ کریں جس کے ذریعہ "عَالَمُ الْمَلَكُوْت" دیکھا جاتا ہے، اگر وہ آنکھ درست ہے لیکن اس میں کالا پانی اُتر آیا ہے اور اس کی صفائی وستھرائی ہو سکتی ہے تو اس کی صفائی کریں جیسے سرمہ کے ذریعہ ظاہری آنکھ کی صفائی کی جاتی ہے، جب بینائی درست ہو جائے تو راہِ سلوک کی جانب اس کی راہ نمائی کریں تاکہ وہ اس راستہ پر چل سکے جیسے نبیِّ کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے مخصوص صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کی راہ نمائی کی، اگر آنکھ علاج کے قابل نہیں تو توحید کا وہ راستہ جسے ہم نے بیان کیا ہے اس پر چلنا ناممکن ہے۔ عالَم کے ذرّات کی گفتگو جو کہ توحید کی گواہی ہے اسے سننا ناممکن ہے، (سالکین) ایسے شخص سے حُرُوف اور آواز کے ساتھ گفتگو کریں، توحید کی بلند گفتگو اس کی کم عقلی کے مطابق کریں۔ "عَالَمُ الشَّهَادَة" میں بھی توحید موجود ہے کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ جس گھر کے دو مالک ہوں تو گھر کا نظام خراب ہو جاتا ہے، شہر کے دو حاکم ہوں تو

---

(1)... یہ ایک کافر گروہ ہے جو بتوں کی عبادت کرتا ہے، ہند کے شہر سومنات سے تعلق ہونے کی وجہ سے سمنیہ کہلایا۔ (اتحاف السادۃ المتقین، ۱۲/ ۶۳)

شہر کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے، اس کی عقل کے مطابق اس سے یوں بات کی جائے: عالَم کا خدا ایک ہے، نظام چلانے والا ایک ہے، اگر زمین وآسمان میں کئی خدا ہوتے تو زمین وآسمان میں ضرور فساد ہو جاتا۔ ”عَالَمُ الشَّھَادَۃ“ کو دیکھنے والے کے لئے یہ مثال عقل کے مطابق ہے، ایسی مثالیں دینے سے اس کے دل میں عقیدۂ توحید کا پودا لگ جائے گا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انبیائے کرام عَلَیۡہِمُ السَّلَام کو اس بات کا حکم فرمایا ہے کہ لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق کلام کریں، اسی وجہ سے قرآن پاک کو اہل عرب کی عام گفتگو کے انداز پر نازل کیا گیا۔

...**سوال:** کیا بیان کردہ عقیدۂ توحید میں بھی یہ صلاحیت ہے کہ اس پر توکل کی بنیاد رکھی جا سکے؟

...**جواب:** جی ہاں! عقیدہ جب مضبوط ہو جائے تو کسی بھی حالت کی علامتوں کو ظاہر کرنے کا کام دیتا ہے مگر عام طور پر یہ کمزور ہوتا ہے، یہ جلدی لڑکھڑا جاتا ہے، جلدی ڈگمگا جاتا ہے، اسی وجہ سے ایسے شخص کو کسی ”عِلْمُ الْکَلَام“ جاننے والے کی ضرورت ہوتی ہے جو اپنی گفتگو کے ذریعہ اس کے عقیدہ کی حفاظت کرے یا ایسا شخص خود ”عِلْمُ الْکَلَام“ سیکھے اور اپنے اس عقیدہ کی حفاظت کرے جو استاد، والدین یا علاقہ والوں سے سیکھا۔

وہ شخص جو راہِ سلوک کو دیکھے اور خود اس پر چلے، اسے کسی بات کا خطرہ نہیں بلکہ اگر پردے اُٹھ بھی جائیں تو اس کا یقین مزید پختہ نہ ہوگا، اگر کچھ ہوا بھی تو راہِ سلوک مزید واضح ہو گی جیسے ایک شخص صبح کی (کم) روشنی میں کسی انسان کو دیکھے اور اس کے انسان ہونے کا یقین کرلے، اب طلوعِ آفتاب کے وقت دیکھے تو اس کا یقین مزید پختہ نہیں ہوگا لیکن اس کے جسمانی اَعضاء کی ساخت مزید واضح ہو جائے گی۔

اَہلِ کَشف اور عام آدمی کے عقیدہ کی مثال فرعون کے جادوگروں اور سامری کے پیروکاروں کی سی ہے۔ فرعون کے جادوگر اپنے طویل مُشاہَدے اور تَجْرِبہ کی وجہ سے جادوئی اثرات کی انتہا کو پہچانتے تھے۔ انہوں نے حضرت سَیِّدُنا موسیٰ کلیمُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی جانب سے وہ چیز دیکھی جو جادو کی حد سے بڑھ کر تھی لہٰذا ان پر حقیقت واضح ہو گئی اور انہوں نے فرعون کے اس قول:

فَلَاُقَطِّعَنَّ اَیۡدِیَکُمۡ وَ اَرۡجُلَکُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ (پ۱۶، طٰہٰ:۷۱)

ترجمۂ کنزالایمان: تو مجھے قسم ہے ضرور میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا۔

کی بھی پروانہ کی بلکہ اس کے جواب میں کہا:

لَنۡ نُّؤۡثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الۡبَيِّنٰتِ وَالَّذِىۡ فَطَرَنَا فَاقۡضِ مَاۤ اَنۡتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقۡضِىۡ هٰذِهِ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا ؕ﴿۷۲﴾ (پ۱۶، طٰہٰ: ۷۲)

ترجمۂ کنزالایمان: ہم ہر گز تجھے ترجیح نہ دیں گے ان روشن دلیلوں پر جو ہمارے پاس آئیں ہمیں اپنے پیدا کرنے والے کی قسم تو تو کر چک جو تجھے کرنا ہے تو اس دنیا ہی کی زندگی میں تو کرے گا۔

خلاصہ یہ کہ جب کوئی بات مکمل واضح اور روشن ہو جائے تو اس میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ سامری کے پیروکاروں نے جب (حضرت سیِّدُنا موسٰی عَلَیْہِ السَّلَام کے) اژدھا کی جانب دیکھا تو ایمان لے آئے، جب سامری کے بچھڑے کی جانب دیکھا اور اس کی آواز سنی تو بدل گئے، سامری کی بات سنی:

هٰذَاۤ اِلٰهُكُمۡ وَاِلٰهُ مُوۡسٰى ۬ (پ۱۶، طٰہٰ: ۸۸)

ترجمۂ کنزالایمان: یہ ہے تمہارا معبود اور موسٰی کا معبود۔

تو یہ بات بھول گئے کہ یہ بچھڑا نہ ان کی بات کا جواب دے سکتا ہے، نہ انہیں نفع و نقصان پہنچانے کا مالک ہے۔ لہٰذا جو شخص اژدھا دیکھ کر ایمان لایا وہ بچھڑا دیکھ کر کفر میں ضرور مبتلا ہوا کیونکہ یہ دونوں "عَالَمُ الشَّهَادَة" سے ہیں اور "عَالَمُ الشَّهَادَة" میں اختلاف اور تبدیلی بہت زیادہ پائی جاتی ہے جبکہ "عَالَمُ الْمَلَكُوْت" اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جانب سے ہے لہٰذا اس میں اختلاف ہے نہ تبدیلی کی کوئی گنجائش۔

...**سوال:** توحید کے بارے میں مذکورہ گفتگو سے صاف ظاہر ہے کہ ذرائع اور اَسباب تابع و فرمانبردار ہیں اور یہ معاملہ ہر ایک کے ساتھ ہے لیکن انسان جب چاہے حرکت کرتا ہے، جب چاہے حرکت نہیں کرتا تو کس طرح تابع و فرمانبردار ہوا؟

...**جواب:** اگر انسان کے خود مختار ہونے سے یہ مراد لیا جائے کہ اگر انسان کسی کام کو کرنے کا ارادہ کرے تو کر لے اور ارادہ نہ کرے تو نہ کرے، یہ قدم کے پھسلنے اور غلطی کی جگہ ہے کیونکہ عام سی بات ہے کہ انسان وہی عمل کرے گا جس کا اس نے ارادہ کیا ہے، جب کسی عمل کو کرنے یا نہ کرنے کے درمیان میں ہے تو ارادہ نہ پایا گیا کیونکہ اگر یہاں ارادہ مانا جائے تو اس ارادہ کو ایک دوسرے ارادہ کی ضرورت پڑے گی (جو پہلے ارادہ کو عمل کرنے یا نہ کرنے پر ابھارے، ایسے ہی تیسرے ارادہ کی ضرورت ہو گی اور پھر چوتھے کی) اس طرح نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جائے گا، یہ اس وقت ہے جب ارادہ پایا ہی نہیں گیا۔

جب وہ ارادہ پایا جائے جو قدرت کو کسی چیز کی جانب متوجّہ ہونے پر مجبور کرتا ہے تو قدرت لازمی طور پر اس چیز کی جانب متوجّہ ہوتی ہے، اسے مخالفت کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ ارادہ دل میں ایک قسم کی ضرورت پیدا کرتا ہے، پختہ ارادے کے وقت قدرت لازمی حرکت کرتی ہے پھر قدرت کی وجہ سے انسان بھی ضرور حرکت کرتا ہے، یہ تمام باتیں ایک دوسرے کے ساتھ ترتیب وار ہیں۔ کوئی انسان ارادہ کو دور کرنے کا اختیار نہیں رکھتا، قدرت کسی چیز کی جانب متوجّہ ہو جائے تو اسے لوٹانے کا اختیار نہیں رکھتا، ارادہ قدرت کو عمل کرنے پر ابھارے تو قدرت کو حرکت کرنے سے روکنے کا اختیار نہیں رکھتا، انسان ان تمام معاملات میں مجبور ہے۔

...**سوال:** مذکورہ گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان محض مجبور ہے جبکہ مجبوری اور خود مختاری ایک دوسرے کی ضدیں ہیں اور آپ نے خود مختار ہونے کا انکار نہیں کیا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان مجبور ہو اور خود مختار بھی؟

...**جواب:** اگر پردہ اُٹھ جاتا تو تمہیں ضرور معلوم ہو جاتا کہ انسان مکمل بااختیار ہونے میں مجبور ہے، جسے اختیار کا مفہوم ہی سمجھ نہ آیا ہو وہ کیسے سمجھ سکتا ہے کہ انسان مکمل بااختیار ہونے میں مجبور ہے؟ لہٰذا اب ہم عُلَمائے متکلمین کے انداز پر اختیار کی مختصر وضاحت کرتے ہیں جو کہ فرمانبرداروں کے لئے مناسب ہو گا اگرچہ ہمارا ارادہ تھا کہ اس کتاب میں صرف علم معاملہ کی وضاحت کریں گے۔

خود مختاری اور مجبوری میں فرق:

انسان کے حق میں لفظ ''فِعْل'' کا استعمال تین طرح ہوتا ہے: (۱) انسان اپنی انگلیوں کے ذریعہ لکھتا ہے (۲) پھیپھڑے اور گلے کے ذریعہ سانس لیتا ہے اور (۳) پانی پر کھڑا ہو تو اپنے جسم کے ذریعہ پانی کو پھاڑ دیتا ہے۔ یہ تینوں باتیں خود مختاری اور مجبوری دونوں حالتوں میں حقیقت کے اعتبار سے ایک اور ظاہر کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ پانی کی سطح پر انسان کے کھڑے ہونے کے سبب پانی کے پھٹ جانے کو ہم ''فعل طبعی یعنی طبیعت کے تقاضے کی وجہ سے کام ہونا'' کہیں گے۔ انسان نے سانس لیا اسے ہم ''فعل ارادی یعنی ارادہ کے ساتھ کام ہونا'' کہیں گے۔ انسان نے لکھا اسے ہم ''فعل اختیاری یعنی خود مختار ہو کر کام کرنا'' کہیں گے۔

''فعل طبعی'' میں مجبوری ظاہر ہے کہ انسان جب پانی کی سطح پر کھڑا ہو گا یا چھت سے ہَوا میں چھلانگ

لگائے گا تو یقینی طور پر ہَوا پھٹے گی، گرنے کے بعد پھٹنے کا عمل لازمی ہوگیا۔ سانس لینا بھی اسی معنی میں ہے کیونکہ سانس لینے کے ارادے اور گلے کے حرکت کرنے میں وہی مُناسَبَت ہے جو بھاری بدن اور پانی کے پھٹنے کے درمیان ہے کہ جب بھی بھاری بدن پانی میں پڑے گا تو پانی ضرور پھٹے گا۔ انسان کے اختیار میں جس طرح بھاری پن نہیں ہے اسی طرح ارادہ بھی نہیں ہے، اسی وجہ سے اگر انسان کی آنکھ کے قریب سوئی لائی جائے تو بے اختیار دونوں پلکیں جھپک جائیں گی ایسے وقت آنکھیں کھلی رکھنے کا ارادہ بھی کرے تو بھی نہ کرسکے گا کہ پلکوں کو بند کرنا ایسا "فعل ارادی" ہے جس پر اختیار نہیں کیونکہ جب سوئی کی صورت ذہن میں آئی تو اس سے ارادہ پیدا ہوا کہ لازمی پلک جھپکانی ہے اور پھر پلکوں میں حرکت پیدا ہوگئی، اگر نہ جھپکانے کا ارادہ کرتا تو بھی رُک نہیں سکتا تھا حالانکہ رُک جانا قدرت اور ارادے والا فعل ہے لہٰذا یہ بھی ضروری و لازمی ہونے میں "فعل طبعی" کے ساتھ ملا ہوا ہے۔

تیسری صورت "فعل اختیاری" یہی شک وشبہ کی جگہ ہے جیسے لکھنا، بولنا کہ انسان چاہے تو لکھے چاہے تو نہ لکھے، چاہے تو بولے چاہے تو نہ بولے۔ اسی سے گمان پیدا ہوتا ہے کہ انسان خود مختار ہے اور یہ گمان "اختیار" کا مفہوم نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے، لہٰذا ہم اس کی وضاحت کرتے ہیں۔

اختیار کی وضاحت:

علم جو فیصلہ کرتا ہے کہ فلاں چیز تمہارے لئے بہتر ہے، ارادہ اسی علم کے تابع ہوتا ہے اور شے دو طرح کی ہوتی ہے: **ایک** وہ جس کے بارے میں تمہارا ظاہری یا باطنی مُشاہَدہ بغیر کسی حیرانی اور غور و فکر کے فیصلہ کرتا ہے کہ یہ چیز تمہارے لئے بہتر ہے۔ **دوسری** وہ چیز جس میں تمہاری عقل غور و فکر کرے۔

پہلی قسم مثلاً کوئی تمہاری آنکھ میں سوئی مارنے کا ارادہ کرے یا تمہارے بدن پر تلوار مارنے کا ارادہ کرے۔ ان چیزوں کا تم سے دور ہونا ہی تمہارے حق میں بہتر اور مناسب ہے اور تمہیں اس بات میں کسی قسم کا شک بھی نہیں۔ علم کے ذریعہ ارادہ پیدا ہوتا ہے، ارادہ کے ذریعہ قدرت حرکت کرتی ہے پھر پلکوں کی حرکت سوئی دور کرنے کے لئے اور ہاتھ کی حرکت تلوار دور کرنے کے لئے ظاہر ہوتی ہے، البتہ اس میں سوچ بچار نہیں ہوتی صرف ارادہ پایا جاتا ہے۔

وہ چیزیں جن میں عقل غورو فکر کرے اور فوراً نہ جانے کہ بہتر ہے یا نہیں ان میں غورو فکر کی ضرورت پڑتی ہے حتّٰی کہ واضح ہو جائے یہ کام کرنا بہتر ہے یا چھوڑ دینا، جب غورو فکر سے معلوم ہو جائے کہ یہ کام بہتر ہے تو یہ پہلی قسم کے ساتھ شامل ہو جائے گا جس میں غورو فکر نہیں ہوتا، اس قسم میں ارادہ اسی طرح پیدا ہوتا ہے جس طرح تیر و تلوار کو دور کرنے میں پیدا ہوتا ہے۔ جس کام کا عقلی اعتبار سے بہتر ہونا ظاہر ہو جائے اسے کرنے کے لئے جو ارادہ پیدا ہوگا اسے "اختیار" کہیں گے اور اختیار "خیر" سے بنا ہے تو معنی یہ ہوئے کہ عقل جسے "خیر" کہے اسے کرنے کے لئے تیار ہونا۔ یہ پہلی قسم کے ارادہ کی طرح ہے فرق یہ ہے کہ دوسری قسم کا ارادہ اس بات کا انتظار کرتا ہے کہ بندہ کے حق میں کام کی بہتری ظاہر ہو جائے جبکہ پہلی قسم کا ارادہ انتظار نہیں کرتا اور دوسرا فرق غورو فکر کا ہے کہ تلوار کو دور کرنے میں بہتری ہے یہ بغیر غورو فکر بلکہ بغیر شک وشبہ کے ظاہر ہے جبکہ دوسری قسم میں غورو فکر کی ضرورت ہوتی ہے۔

اختیار ایک خاص ارادے کو کہتے ہیں جس کے سبب انسان عقل کے اشارے پر وہ کام کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے جس میں عقل نے شک کیا تھا۔ عقل کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ دو اچھی باتوں میں زیادہ اچھی اور دو بری باتوں میں زیادہ بری بات کو واضح کرنے کے لئے عقل کی ضرورت پڑتی ہے۔ خیال اور شعور کے حکم کے بغیر ارادے کا تصور نہیں کیا جاسکتا یا عقل کے حتمی فیصلے کے بغیر ارادے کا تصوُّر نہیں کیا جاسکتا۔ اسی وجہ سے کوئی انسان اپنی گردن کاٹنا چاہے تو کاٹ نہیں سکتا، وجہ یہ نہیں کہ ہاتھ میں طاقت اور چھری نہیں ہے بلکہ وجہ یہ ہے کہ وہ ارادہ جو قدرت کو ابھارتا ہے وہ پایا نہیں جاتا اور نہ پائے جانے کی وجہ یہ ہے کہ عقل یا شعور کے نزدیک جب کوئی کام بہتر ہوتا ہے تو ان کے حکم سے ارادہ پیدا ہوتا ہے اور خودکشی کرنے میں چونکہ کوئی بہتری نہیں ہے لہٰذا طاقت ہونے کے باوجود خودکشی ممکن نہیں۔ البتہ جب انسان انتہا درجہ کی تکلیف میں مبتلا ہو تو عقل اس معاملہ میں غورو فکر کرے گی کیونکہ غورو فکر دو نقصان دہ چیزوں کے درمیان ہوتا ہے، اگر غورو فکر کے بعد ترجیح حاصل ہو جائے کہ خودکشی کرنے میں نقصان زیادہ ہے تو خودکشی کرنا ممکن نہ ہوگا اور اگر عقل یہ فیصلہ کرے کہ خودکشی کرنے میں نقصان کم ہے اور فیصلہ بھی ایسا پختہ ہو کہ اب اس میں تبدیلی نہ ہوگی تو ارادہ اور قدرت حرکت میں آتے ہیں اور انسان خودکشی کرلیتا ہے۔ اسے آپ مثال سے یوں سمجھیں

جیسے کوئی کسی کو تلوار سے قتل کرنا چاہے اور وہ بھاگ کر چھت سے نیچے چھلانگ لگادے تو اگرچہ یہ کام بھی ہلاکت میں ڈالنے والا ہے لیکن وہ اس کی پروا نہیں کرتا اور چھلانگ لگانے سے رُک نہیں پاتا اور اگر کوئی شخص اسے معمولی زخم لگانا چاہے اور وہ دوڑ کر چھت کے کنارہ پر پہنچ جائے تو اس وقت عقل فیصلہ کرے گی کہ معمولی زخم کی تکلیف نیچے گرنے کی تکلیف سے ہلکی ہے لہٰذا اس کا جسم رک جائے گا اور چھلانگ لگانا اس کے لئے ممکن نہ رہے گا کیونکہ ارادہ خود عقل وشعور کے فیصلے کا پابند ہوتا ہے اور قدرت ارادے کی پابند ہوتی ہے اور (جسمانی) حرکت قدرت کی پابند ہوتی ہے۔ ان تمام باتوں کا تعلق انسان کے ساتھ ایسا لازم ہوتا ہے کہ اسے خبر بھی نہیں ہوتی بلکہ یہ باتیں انسان میں موجود ہوتی ہیں، ایسا نہیں ہے کہ انسان سے پیدا ہوتی ہوں۔

مذکورہ گفتگو سے معلوم ہوا کہ مجبور وہ شخص ہے جس میں یہ تمام باتیں کسی دوسرے سے حاصل ہوں جبکہ مختار وہ شخص ہے جس میں ارادہ پایا جائے لیکن پہلے عقل فیصلہ کرے کہ یہ کام بہتر اور مناسب ہے اور یہ فیصلہ مجبوراً پیدا ہو پھر اس شخص میں مجبوراً ارادہ پیدا ہو، اب یہ شخص مکمل بااختیار ہونے میں مجبور ہے جیسے آگ کا کام "جلانا" ہے جو کہ فقط مجبوری ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے افعال فقط اختیاری ہیں اور بندے کا فعل ان دونوں کے درمیان ہے جسے اپنے اختیار میں مجبور ہونے سے تعبیر کرتے ہیں، اہل حق نے اس کے لئے نیا نام تلاش کیا ہے اور قرآن پاک کی پیروی کرتے ہوئے اسے "کَسب" کہا جاتا ہے، یہ نہ (مکمل) مجبوری کا نام ہے اور نہ (مکمل) اختیار کا بلکہ جو انہیں سمجھ جائے اس کے نزدیک دونوں کا مجموعہ ہے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے افعال کو "اختیاری" کہتے ہیں۔ اس میں یہ شرط ضروری ہے کہ اختیار سے وہ ارادہ مراد نہ لیا جائے جو حیرانی اور شک کے بعد پایا جاتا ہے کیونکہ یہ ذات باری تعالیٰ کے حق میں محال ہے (ایسے ہی) لُغَت کے تمام الفاظ شان باری تعالیٰ کے حق میں استعمال کرنا ممکن نہیں، البتہ بطورِ اِستِعارہ اور مَجاز کے استعمال کئے جاسکتے ہیں۔ اس کی وضاحت یہاں اس کتاب میں مناسب نہیں اور یہ کافی طویل بحث ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

مذکورہ گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے کہ علم نے ارادہ کو پیدا کیا اور ارادہ نے قدرت کو پیدا کیا پھر قدرت نے جسمانی حرکت پیدا کی اور یہ کہنا کہ ہر بعد والی چیز پہلی سے پیدا ہوئی اس کا اگر آپ اقرار کرتے ہیں تو مطلب

یہ ہوا کہ چیزیں ایک دوسرے سے پیدا ہوتی ہیں نہ کہ قدرتِ الٰہی سے اور اگر انکار کرتے ہیں تو اس کا کیا مطلب ہے کہ بعض چیزیں بعض پر موقوف ہیں؟

جواب: یوں سمجھنا کہ ایک چیز دوسری چیز کو پیدا کرتی ہے یہ جہالت ہے خواہ اسے پیدا کرنا کہا جائے یا نہ کہا جائے کیونکہ ہر چیز کی پیدائش کا معاملہ قدرت اَزلیہ کے سپرد ہے۔ یہ وہ بات ہے جسے پختہ علم والوں کے سوا کوئی نہیں جانتا کیونکہ وہ اس کی حقیقت پہچانتے ہیں جبکہ عام لوگ صرف الفاظ جانتے ہیں اور اپنی قدرت کے ساتھ اسے تشبیہ دیتے ہیں حالانکہ ایسا کچھ نہیں۔ اس کی وضاحت بہت زیادہ ہے لیکن (اتنا سمجھ لیں کہ) بعض چیزیں بعض پر موقوف ہوتی ہیں جیسے مشروط شرط پر موقوف ہوتا ہے۔ علم آنے کے بعد ارادہ قدرتِ اَزلیہ کی جانب سے آتا ہے جبکہ علم حیات کے بعد آتا ہے اور حیات اپنی جگہ میں آنے کے بعد ظاہر ہوتی ہے۔ ایسے ہی یوں کہنا درست نہیں کہ حیات اس جسم سے پیدا ہوتی ہے جس جسم میں موجود ہے۔ یہی معاملہ مذکورہ تمام درجات کا ہے کہ بعض چیزیں عام لوگوں پر ظاہر ہو جاتی ہیں جبکہ بعض چیزیں نور حق کا مُشاہَدہ کرنے والوں پر ہی ظاہر ہوتی ہیں اگر ترتیب موقوف نہ ہوتی تو آگے والا آگے نہ رہتا اور پیچھے والا پیچھے نہ رہتا سوائے ان چیزوں کے جن پر آگے یا پیچھے رہنا لازم و ضروری ہوتا ہے۔ یہی معاملہ اَفعالِ باری تعالیٰ کا ہے کہ اگر ترتیب نہ ہوتی تو تقدیم و تاخیر بے کار ہوتی اور مجانین کے فعل کے مشابہ ہوتی۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی شان جاہلوں کی بے ہودہ بات سے بلند و بالا ہے اور درج ذیل فرامین الٰہیہ سے اسی جانب اشارہ ہوتا ہے:

﴿1﴾...

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾

(پ۲۷، الذّٰریٰت: ۵۶)

ترجمۂ کنزالایمان: اور میں نے جن اور آدمی اتنے ہی (اسی) لئے بنائے کہ میری بندگی کریں۔

﴿2﴾...

وَ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ ﴿۳۸﴾ مَا خَلَقْنٰهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ

(پ۲۵، الدخان: ۳۸، ۳۹)

ترجمۂ کنزالایمان: اور ہم نے نہ بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے کھیل کے طور پر ہم نے اُنھیں نہ بنایا مگر حق کے ساتھ۔

زمین وآسمان کے درمیان ہر پیدا ہونے والی چیز کی ترتیب لازمی، واجب اور ضروری ہے کہ جس طرح وہ پیدا کی گئی ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ ہر چیز اسی ترتیب پر وُجود میں آئی ہے اور ہر پیچھے والی چیز اپنی شرط کا انتظار کرنے کی وجہ سے پیچھے رہتی ہے کیونکہ مشروط کا شرط سے پہلے پایا جانا محال ہے اور مُحال کا وجود نہیں پایا جاتا لہٰذا نُطفَہ کا علم مشروط ہے کہ حیات کی شرط کے بعد ہی پایا جائے گا یونہی ارادے کا حیات کی جانب متوجّہ ہونا مشروط ہے کہ علم کی شرط کے بعد ہی پایا جائے گا۔ ہر ایک کی ترتیب واجب وضروری ہے، ایسا نہیں کہ بلاوجہ یا اتفاقاً ہے بلکہ ہر ایک میں ہزارہا حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ اس بات کو سمجھنا بظاہر مشکل ہے کہ قدرت پائے جانے کے باوجود مقدور شرط پائے جانے پر موقوف ہے لیکن ہم ایسی مثال پیش کرتے ہیں جس سے کم عقل لوگ بھی حق کی ابتدائی باتیں سمجھ سکتے ہیں: مثلاً ایک بے وضو شخص گردن تک گہرے پانی میں کھڑا ہو، پانی اگرچہ حدث دور کرتا ہے، جسم سے مس بھی ہے لیکن پھر بھی وہ باوضو نہیں کہلائے گا، ایسے ہی قدرتِ اَزَلِیَّہ تمام مقدورات کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور تمام مقدورات کے ساتھ اس کا تعلق قائم ہے لیکن پھر بھی مقدور کا وجود نہیں ہوگا جس طرح چہرہ دھوئے بغیر حَدَث دور نہیں ہوگا اور جب وہ شخص اپنا چہرہ پانی سے دھوئے گا تو پانی کا اثر تمام اعضاء پر ہوگا اور حدث دور ہو جائے گا۔

بعض جاہل یہ سمجھتے ہیں کہ چہرے سے حدث دور ہونے کی وجہ سے ہاتھوں سے حدث دور ہوا ہے اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ پانی جسم سے ملا مگر حدث دور ہوا نہ پانی میں کوئی تبدیلی ہوئی اور ہاتھ پہلے پاک نہ تھے تو اب کیوں پاک ہو جاتے ہیں؟ چہرہ دھلتے ہی حدث دور کیوں ہو جاتا ہے؟ معلوم ہوا کہ چہرے کا دھلنا ہی ہاتھوں سے حدث دور کرتا ہے۔

یہ واضح جہالت ہے اور اس شخص کے گمان کی طرح ہے جو کہتا ہے: حرکت قدرت کی وجہ سے، قدرت ارادہ کی وجہ سے اور ارادہ علم کی وجہ سے حاصل ہوا ہے، یہ سب وجوہات غلط ہیں کیونکہ ہاتھوں سے حدث دور ہونے کی وجہ چہرے کا دھلنا نہیں بلکہ وہ پانی ہے جو ہاتھوں سے مَس ہوا ہے کیونکہ تبدیلی پانی میں ہوئی نہ ہاتھوں میں اور نہ ان دونوں میں کوئی نئی چیز پائی گئی البتہ شرط کا وجود پایا گیا پھر اس کا اثر ظاہر ہو گیا۔ اسی طرح یہ سمجھا جائے کہ تمام مقدورات قدرت اَزلیہ کی جانب سے ہیں حالانکہ قدرت قدیم ہے اور تمام مقدورات

حادث ہیں۔ یہ بات "عِلْمِ مُکَاشَفَہ" کے ایک اور "عِلْم" کے دروازے کو دستک دینا ہے اس لئے ہم اس گفتگو کو یہیں چھوڑ دیتے ہیں کہ ہمارا مقصود توحید کے اس راستے کی وضاحت کرنا ہے جس میں فاعل حقیقی ایک ہی ہے، اسی سے خوف کیا جاتا ہے، اسی سے امید باندھی جاتی ہے اور اسی پر توکل و بھروسا کیا جاتا ہے۔ ہم توحید کے دریاؤں میں سے صرف ایک قطرہ بیان کرنے کی طاقت رکھتے ہیں وہ بھی صرف توحید کے تیسرے مقام کا اور اسے بیان کرنے کے لئے ایک لمبی عمر بھی ناکافی ہے۔ یہ بات اس شخص کی طرح ہے جو سمندر کے تمام پانی کو حاصل کرنے کے لئے قطرہ قطرہ لے۔ یہ گفتگو کلمہ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کے بارے میں ہے جو زبان پر نہایت آسان ہے اور دل پر اس کے الفاظ کا مفہومی عقیدہ نہایت پختہ ہے۔ اس کلمہ کی حقیقت و اَصْلِیَّت کے مقام و مرتبہ کو پختہ علم والے ہی جانتے ہیں دوسرے کیا جانیں۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

توحید اور شریعت کس طرح جمع ہوسکتے ہیں کیونکہ توحید کے یہ معنٰی بیان ہوئے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا کوئی فاعل نہیں جبکہ شریعت سے ثابت ہے کہ بندہ فاعل ہوتا ہے۔ اگر بندہ فاعل ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کیسے فاعل ہے؟ اور اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ فاعل ہے تو بندہ کس طرح فاعل ہوسکتا ہے؟ ایک ہی فعل کے دو فاعل ہوں، یہ سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے۔

جواب: یہ سمجھ میں اس وقت نہیں آتا جب فاعل کا ایک ہی معنٰی ہو، اگر اس کے دو معنٰی ہوں اور دونوں معنٰی لئے جاسکتے ہوں تو یہ سمجھ میں آتا ہے جس طرح کہا جاتا ہے کہ حاکم نے فلاں کو قتل کر دیا، جَلَّاد نے فلاں کو قتل کر دیا، حاکم ایک اعتبار سے قتل کرنے والا ہے اور جَلَّاد دوسرے اعتبار سے قتل کرنے والا ہے، ایسے ہی ایک معنٰی کے اعتبار سے اللہ عَزَّوَجَلَّ فاعل ہے اور دوسرے اعتبار سے بندہ۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس اعتبار سے فاعل ہے کہ چیزوں کو ایجاد کرنے والا اور بنانے والا وہی ہے جبکہ بندہ اس معنٰی کے اعتبار سے فاعل ہے کہ وہ ایسا محل ہے جس میں علم پیدا کیا گیا پھر ارادہ پیدا کیا گیا اور پھر قدرت پیدا کی گئی، اس کے بعد قدرت کا ارادہ سے اور حرکت کا قدرت سے تعلق ہوا کہ ان کا آپس میں تعلق شرط و مشروط کی طرح اور قدرتِ الٰہی کے ساتھ ان کا تعلُّق عِلَّت و مَعْلُوْل کی طرح ہے۔ یہ وہ تعلق ہے جو بنانے والے اور بنی ہوئی

چیز کے درمیان پایا جاتا ہے اور جس چیز کا تعلق قدرت کے ساتھ ہو وہاں قدرت پائی جاتی ہے لہٰذا ایسے محل کو فاعل کہہ دیا جاتا ہے جس طرح جَلّاد اور حاکم دونوں کو قاتل کہا جاتا ہے کیونکہ قتل کا تعلق دونوں کی قدرت کے ساتھ ہے لیکن الگ الگ اعتبار سے ہے اسی وجہ سے قتل کو دونوں کا فعل کہا جاتا ہے۔یونہی مقدورات کا تعلق دونوں قدرتوں کے ساتھ ہے اور اسی تعلق اور مُناسَبَت کی وجہ سے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قرآن پاک میں افعال کو کبھی فرشتوں کی جانب تو کبھی بندوں کی جانب اور کبھی اپنی جانب منسوب فرمایا۔

افعال کی نسبت خالق یا مخلوق کی طرف ہونے کی 14 مثالیں

اللہ عَزَّوَجَلَّ موت کے متعلق ارشاد فرماتا ہے:

﴿1﴾...

قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ (پ۲۱، السجدۃ:۱۱)

ترجمۂ کنز الایمان: تم فرماؤ تمہیں وفات دیتا ہے موت کا فرشتہ۔

﴿2﴾...

اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا (پ۲۴، الزمر:۴۲)

ترجمۂ کنز الایمان: اللہ جانوں کو وفات دیتا ہے ان کی موت کے وقت۔

﴿3﴾...

اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۳﴾ (پ۲۷، الواقعۃ:۶۳)

ترجمۂ کنز الایمان: تو بھلا بتاؤ تو جو بوتے ہو۔

اس آیت مبارکہ میں ہماری (یعنی بندوں کی) طرف نسبت کی گئی ہے۔

﴿4﴾...

اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾ فَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾ وَّ عِنَبًا وَّ قَضْبًا ﴿۲۸﴾ (پ۳۰، عبس:۲۵تا۲۸)

ترجمۂ کنز الایمان: کہ ہم نے اچھی طرح پانی ڈالا پھر زمین کو خوب چیرا تو اس میں اُگایا اناج اور انگور اور چارہ۔

﴿5﴾...

فَاَرْسَلْنَاۤ اِلَیْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا ﴿۱۷﴾ (پ۱۶، مریم: ۱۷)

ترجمۂ کنزالایمان: تو اس کی طرف ہم نے اپنا روحانی بھیجا وہ اس کے سامنے ایک تندرست آدمی کے روپ میں ظاہر ہوا۔

﴿6﴾...

فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا (پ۲۸، التحریم: ۱۲)

ترجمۂ کنزالایمان: تو ہم نے اس میں اپنی طرف کی روح پھونکی۔

حالانکہ پھونکنے والے حضرت سیِّدُنا جبریل امین عَلَیْهِ السَّلَام ہیں۔ اسی طرح مزید ارشاد فرماتا ہے:

﴿7﴾...

فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ (پ۲۹، القیامة: ۱۸)

ترجمۂ کنزالایمان: تو جب ہم اسے پڑھ چکیں اس وقت اُس پڑھے ہوئے کی اتباع کرو۔

حالانکہ وحی لانے والے حضرت سیِّدُنا جبریل امین عَلَیْهِ السَّلَام ہیں۔

﴿8﴾...

قَاتِلُوْهُمْ یُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَیْدِیْكُمْ (پ۱۰، التوبة: ۱۴)

ترجمۂ کنزالایمان: تو ان سے لڑو اللہ انھیں عذاب دے گا تمہارے ہاتھوں۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قتل کرنے کی نسبت مؤمنین کی طرف اور عذاب دینے کی نسبت اپنی جانب فرمائی ہے اور قتل کرنا عذاب دینا ہی ہے۔ اسی طرح قتل کرنے کی نسبت اپنی جانب بھی فرمائی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿9﴾...

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ۪ (پ۹، الانفال: ۱۷)

ترجمۂ کنزالایمان: تو تم نے انھیں قتل نہ کیا بلکہ اللہ نے اُنھیں قتل کیا۔

﴿10﴾...

وَ مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی ۚ (پ۹، الانفال: ۱۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی۔

اس آیت مبارکہ میں بظاہر نَفِی اوراِثبات دونوں جمع ہیں لیکن اس کے معنٰی یہ ہیں کہ اے محبوب کریم آپ کا خاک پھینکنا اس طرح نہیں ہے جس طرح رب کا پھینکنا ہے کیونکہ آپ کا پھینکنا مخلوق کے پھینکنے کی طرح ہے اور مخلوق اور خالق کے پھینکنے کے معنٰی میں فرق ہے۔

...﴿11﴾

اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِۙ(۴) عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْؕ(۵) (پ۳۰، العلق: ۴، ۵)

ترجمۂ کنز الایمان: جس نے قلم سے لکھنا سکھایا آدمی کو سکھایا جو نہ جانتا تھا۔

...﴿12﴾

اَلرَّحْمٰنُۙ(۱) عَلَّمَ الْقُرْاٰنَؕ(۲) خَلَقَ الْاِنْسَانَۙ(۳) عَلَّمَهُ الْبَیَانَ(۴) (پ۲۷، الرحمٰن: ۱تا۴)

ترجمۂ کنزالایمان: رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا مَاکَانَ وَمَایَکُوْن کا بیان اُنھیں سکھایا۔

...﴿13﴾

اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗؕ(۱۹) (پ۲۹، القیامۃ: ۱۹)

ترجمۂ کنز الایمان: بیشک اس کی باریکیوں کا تم پر ظاہر فرمانا ہمارے ذمہ ہے۔

...﴿14﴾

اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَؕ(۵۸) ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ(۵۹) (پ۲۷، الواقعۃ: ۵۸، ۵۹)

ترجمۂ کنز الایمان: تو بھلا دیکھو تو وہ منی جو گراتے ہو کیا تم اس کا آدمی بناتے ہو یا ہم بنانے والے ہیں۔

فرشتہ صورت بناتا ہے:

رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے عورت کے رِحْم پر مُقرَّر فِرِشتے کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ فرشتہ رحم میں داخل ہو کر اپنے ہاتھ میں نُطفَہ لیتا ہے پھر جسمانی صورت بناتا ہے اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتا ہے: اے میرے رب عَزَّوَجَلَّ! یہ مُذکَّر ہے یا مُؤنَّث، اسے سیدھا بناؤں یا عیب دار۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ جو چاہتا ہے وہ فرماتا ہے اور فرشتہ ویسے ہی بنا دیتا ہے۔[1]

1 ...مسلم، کتاب القدر، باب کیفیۃ الخلق الادمی...الخ، ص۱۴۲۱، حدیث: ۲۶۴۳، ۲۶۴۵، بتغیر

ایک روایت میں ہے کہ فرشتہ صورت بناتا ہے پھر اس میں سعادت یاشَقاوت کی روح پھونک دیتا ہے۔[1]

ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: ایک فرشتہ کو روح کہا جاتا ہے اور یہی فرشتہ جسم میں روح ڈالتا ہے۔ یہ اپنے مخصوص انداز پر سانس لیتا ہے اور ہر سانس روح بن کر جسم میں داخل ہو جاتی ہے، اسی وجہ سے اس کا نام روح ہو گیا۔

ان بزرگ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے جو کچھ اس فرشتہ کے متعلق فرمایا بالکل درست ہے کہ اہلِ کَشْف نورِ بصیرت سے اسے دیکھ لیتے ہیں۔ بہر حال اس فرشتہ کو ''روح'' کہنے کا ثبوت قرآن و حدیث سے ہی ممکن ہے ورنہ یہ محض تخمینہ ہے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنی ربوبیت کی گواہی خود دی:

اسی طرح اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قرآن پاک میں زمین و آسمان کی کئی نشانیاں اور دلائل ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

اَوَلَمْ یَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۵۳﴾ (پ۲۵، حٰمٓ السجدۃ: ۵۳)

ترجمۂ کنزالایمان: کیا تمہارے رب کا ہر چیز پر گواہ ہونا کافی نہیں۔

اور فرمایا:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۙ (۳، آل عمران: ۱۸)

ترجمۂ کنزالایمان: اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے یہاں خود اپنے معبود ہونے کی گواہی ارشاد فرمائی، یہ آیت پچھلی آیت کے خلاف نہیں کیونکہ دلائل دینے کے انداز مختلف ہوتے ہیں لہٰذا کئی طَلَب گار مَوجُودات دیکھ کر مَعْرِفَتِ الٰہی حاصل کرتے ہیں اور کئی طَلَب گار مَعْرِفَتِ الٰہی حاصل کر کے مَوجُودات کی پہچان حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے ربّ کو ربّ کے ذریعہ پہچانا، اگر میرا ربّ نہ ہوتا تو میں اپنے ربّ کو پہچان نہ پاتا۔ یہی مفہوم اس آیت مبارکہ سے ثابت ہے:

---

[1]... مسلم، کتاب القدر، باب کیفیۃ الخلق الادمی... الخ، ص۱۴۲۱، حدیث: ۲۶۴۳

اَوَلَمْ یَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۵۳﴾ ترجمۂ کنزالایمان: کیا تمہارے رب کا ہر چیز پر گواہ ہونا کافی نہیں۔

(پ۲۵، حمٓ السجدۃ: ۵۳)

"مُحْیِی" اور "مُمِیت":

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے دو وصف "اَلْمُحْیِی یعنی زندہ کرنے والا" اور "اَلْمُمِیْتُ یعنی موت دینے والا" بیان فرمائے پھر انہیں دو فرشتوں کے سپرد فرمادیا جیسا کہ حدیث پاک میں ہے: زندگی اور موت کے فرشتے میں مناظرہ ہوا، موت کے فرشتے نے کہا: میں زندہ کو موت دیتا ہوں۔ زندگی کے فرشتے نے کہا: میں مردہ کو زندہ کرتا ہوں۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان دونوں سے فرمایا: تم دونوں اپنا کام کرتے رہو میں نے تم دونوں کو اس کام کا پابند کر دیا ہے اور میں ہی زندگی اور موت دینے والا ہوں اور میرے علاوہ نہ کوئی زندہ کرنے والا ہے نہ کوئی موت دینے والا۔[1]

جب تم اس بات کو سمجھ جاؤ گے کہ فعل مختلف اعتبار سے استعمال ہوتا ہے تو اس طرح کے معنٰی میں کوئی ٹکراؤ نہ رہے گا۔ اسی وجہ سے نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے ایک شخص کو کھجور دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: "اسے لے لو! اگر تم اس کے پاس نہ آتے تو یہ تمہارے پاس آجاتی۔"[2]

یہ یقینی بات ہے کہ کھجور اس طرح نہیں آتی جس طرح انسان کھجور کی طرف آتا ہے لیکن پھر بھی حضور نبیِّ کریم، رَءُوْفٌ رَّحیم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے "آنے" کی نسبت انسان اور کھجور دونوں کی طرف فرمائی۔ اسی طرح جب ایک شخص نے توبہ اس انداز پر کی کہ میں بارگاہِ الٰہی میں توبہ کرتا ہوں نہ کہ حضرت محمد صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں[3]۔ تو رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "اس نے حقدار کا

---

1 ...قوت القلوب، شرح مقامات التوکل ووصف احوال المتوکلین، ذکر اثبات الاسباب... الخ، ۲/ ۲۰

2 ...الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الزکاۃ، باب ما جاء فی الحرص... الخ، ۵/ ۹۸، حدیث: ۳۲۲۹

3 ... خیال رہے کہ ہمارے ہر گناہ میں حَقُّ اللہ بھی مارا جاتا ہے اور حَقُّ الرَّسُوْل بھی لہٰذا ہر گناہ کی معافی حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَسَلَّم سے مانگنا جائز ہے کیونکہ ہمارے گناہ سے حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَسَلَّم کو تکلیف ہوتی ہے۔ نیز اللہ و رسول عَزَّوَجَلَّ وصَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَسَلَّم کی بارگاہ میں توبہ کرنا احادیث سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ اُمُّ المؤمنین حضرتِ سیّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ عَنْھَا نے ایک پردہ خریدا جس میں تصویریں تھیں پھر جب اسے رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَسَلَّم نے دیکھا تو دروازے پر کھڑے ہو گئے اندر نہ آئے۔ میں نے چہرۂ انور پر ناپسندیدگی کے آثار محسوس کئے تو عرض کی: یَا رَسُوْلَ اللہِ اَتُوْبُ اِلَی اللہِ وَاِلَی ...

حق پہچان لیا۔“[1]

حقیقی اور مجازی معنیٰ:

جو شخص تمام کاموں کی نسبت اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جانب کرتا ہے وہ حق اور حقیقت کو پہچاننے والا ہے اور جو

......رَسُوْلِهٖ یعنی میں اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں توبہ کرتی ہوں۔(بخاری، کتاب البیوع، باب التجارة فیمایکرہ لبسه للرجال والنساء، ۲/ ۲۱، حدیث: ۲۱۰۵) مفسر شہیر، حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ القَوِی مراٰۃ المناجیح، جلد6، ص197 پر حدیث پاک کے جز ”اَتُوْبُ اِلَی اللّٰهِ وَاِلٰی رَسُوْلِهٖ“ کے تحت فرماتے ہیں: سُبْحٰنَ اللہ! کیسا ایمان افروز کلمہ ہے اس عرض معروض سے دو مسئلہ معلوم ہوئے: ایک یہ کہ اللہ(عَزَّوَجَلَّ) کے ساتھ حضور(صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم) کا نام لینا بغیر فاصلہ کے بالکل جائز ہے۔ ربّ تعالیٰ فرماتا ہے: اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ (پ۱۰، التوبة: ۷۴، ترجمۂ کنزالایمان: اللہ و رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔) لہٰذا یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ رسول بھلا کرے، اللہ رسول کی بڑی مہربانی ہے۔ دوسرے یہ کہ توبہ اور دوسری عبادات میں اللہ(عَزَّوَجَلَّ) کے ساتھ حضور(صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کو راضی کرنے کی نیت کرنا بالکل جائز ہے۔ ربّ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ (پ۱۰، التوبة: ۶۲، ترجمۂ کنزالایمان: اور اللہ ورسول کا حق زائد تھا کہ اسے راضی کرتے۔) اور فرماتا ہے: وَ مَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ (پ۵، النساء: ۱۰۰، ترجمۂ کنزالایمان: اور جو اپنے گھر سے نکلا اللہ و رسول کی طرف ہجرت کرتا۔) صوفیا فرماتے ہیں کہ ہر گناہ میں اللہ تعالیٰ کی بھی ناراضی ہوتی ہے اور رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بھی: عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ (پ۱۱، التوبة: ۱۲۸، ترجمۂ کنزالایمان: جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔) ہر گناہ سے دو حق تلفیاں ہوتی ہیں لہٰذا ہر گناہ کی توبہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں بھی کرے اور حضور (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کی بارگاہ میں بھی دونوں ذاتوں سے معافی چاہیے۔ یہاں (صاحب) مرقات نے فرمایا کہ دوبارہ ”اِلٰی“ فرمانے سے معلوم ہوا کہ دونوں ذاتوں کی طرف رجوع کرنا مستقل ہے کوئی کسی کے تابع نہیں۔

سیِّدِی اعلیٰ حضرت امام اَہلِ سُنَّت مولانا شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں توبہ کرنے کے متعلق دو احادیث مبارکہ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ان احادیث سے ثابت ہوا کہ صدیقہ وصدیق وفاروق وغیرہم اکتالیس صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُم نے توبہ کرنے میں اللہ قَابِلُ التَّوْب جَلَّ جَلَالُہٗ کے نام پاک کے ساتھ اس کے نائبِ اکبر نبیُّ التَّوبہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کا نام پاک بھی ملایا اور حضور پُرنور خَلِیْفَۃُ اللہِ الْاَعْظَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے قبول فرمایا حالانکہ توبہ بھی اصل حق حضرت عزت عَزَّجَلَالُہٗ کا ہے۔ ولہٰذا حدیث میں ہے ایک قیدی گرفتار کر کے خدمت اقدس حضور سیِّدِ عالم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم میں لایا گیا وہ بولا: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَتُوْبُ اِلَیْکَ وَلَا اَتُوْبُ اِلٰی مُحَمَّدٍ الٰہی! میری توبہ تیری طرف ہے، نہ محمد صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کی طرف۔ حضور اقدس صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: عَرَفَ الْحَقَّ لِاَھْلِہٖ حق کو حق والے کے لئے پہچان لیا۔ (فتاویٰ رضویہ مخرجہ، ۳۰/ ۴۵۹)

[1]...المسند للامام احمد بن حنبل، حدیث الاسود بن سریع، ۵/ ۳۰۳، حدیث: ۱۵۵۸۷

تمام کاموں کی نسبت اللہ عَزَّوَجَلَّ کے غیر کی طرف کرے وہ مَجازی معنٰی مراد لینے والا ہے، جس طرح حقیقی معنٰی لینے کی کوئی وجہ ہوتی ہے ایسے ہی مَجازی معنٰی لینے کی بھی کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے۔ اہلِ زبان نے ”فاعل“ کا لفظ مُوجِد (ایجاد کرنے والے) کے لئے بنایا لیکن انہیں یہ گمان ہوا کہ انسان چونکہ اپنی طاقت سے ایجاد کرتا ہے لہٰذا اسے فاعل کہا جائے، انہوں نے انسان کو فاعل حقیقی گمان کیا اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کو فاعل مجازی گمان کیا جس طرح قتل کی نسبت حاکم کی طرف کرنا مجازی ہے اور جلّاد کی طرف کرنا حقیقی ہے لیکن جب یہ مفہوم اہلِ حق پر واضح ہوا تو انہوں نے جان لیا کہ معاملہ اس کے برعکس ہے، لہٰذا انہوں نے اہلِ زبان سے کہا: ”تم نے فاعل کا لفظ مُوجِد کے لئے بنایا ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا کوئی فاعل نہیں ہے، لہٰذا اللہ عَزَّوَجَلَّ کو فاعل کہنا حقیقت ہے اور دوسرے کو فاعل کہنا مَجاز ہے۔“ یعنی اہلِ زبان نے جس معنٰی کے لئے لفظ بنایا اسے چھوڑ کر دوسرے معنٰی میں استعمال کرنا۔ اسی وجہ سے جب بعض اہل عرب کی زبان سے قصداً یا اتفاقاً حقیقی معنٰی ظاہر ہوئے تو حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس کی تصدیق کی اور ارشاد فرمایا: شاعروں میں سب سے سچا مصرعہ لَبِیْد کا ہے:

اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلُ

ترجمہ: جان لو! اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔[1]

یعنی جس کا وجود خود بخود نہ ہو وہ دوسرے کی محتاج ہوتی ہے لہٰذا ایسی چیز ذاتی اعتبار سے فانی ہے کیونکہ اس کی حقیقت وماہیّت دوسرے کے سہارے قائم ہے خود نہیں۔

حقیقت کی حقدار صرف ایک ہی ذات ہوئی جس کی مثل کوئی چیز نہیں، وہ خود قائم ہے، اس کے علاوہ ہر چیز اس کی قدرت سے قائم ہے، وہی برحق ذات ہے اس کے سوا سب کچھ فانی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت سیِّدُنا سہل بن عبد اللہ تُستری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: ”اے پریشان حال شخص! وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ موجود تھا اور تم نہ تھے، وہ آئندہ بھی ہوگا مگر تم نہ ہوگے، آج تمہارا وجود ہے تو مَیں مَیں کرتے ہو، تم اس طرح ہو جاؤ جیسے تمہارا وجود ہی نہ ہو کیونکہ وہ آج بھی موجود ہے جیسے کل موجود تھا۔“

---

1 ...مسلم، کتاب الشعر، ص۱۲۳۸، حدیث: ۲۲۵۶

ایک سوال اور اس کا جواب:

مذکورہ گفتگو سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ سارے معاملات میں بندہ (اپنے اختیار میں) مجبور ہے نیز ایسی صورت میں سزا و جزا کا کیا مطلب ہے؟ ناراض و خوش ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اپنے ہی کام پر کوئی کس طرح ناراض ہو سکتا ہے؟

جواب: ہم نے شکر کے بیان میں اس کا جواب اشارۃً ذکر کر دیا ہے جسے دوبارہ بیان کی ضرورت نہیں۔ ہم نے توحید کے بارے میں جتنی گفتگو کی ہے یہ وہ مقدار ہے جس سے توکل حاصل ہوتا ہے نیز توکل رحمت و حکمت پر ایمان لائے بغیر مکمل نہیں ہوتا کیونکہ توحید مُسَبِّبُ الاَسباب کی جانب متوجّہ کرتی ہے جبکہ رحمت پر ایمان لانا اس کی رحمت کو وسیع جاننا ہے جو کہ مُسَبِّبُ الاَسباب پر اعتماد پیدا کرتا ہے۔ عنقریب اس کی وضاحت آئے گی کہ توکل اُس وقت کامل ہوگا جب وکیل پر اعتماد ہو اور کفیل کی مہربانی پر دل مطمئن ہو۔

رحمت و حکمت پر ایمان لانا ایمان کا ایک بہت بڑا درجہ ہے جسے اہل کشف کے مطابق بیان کرنے میں طویل بحث کا آغاز ہو جائے گا لہٰذا ہم یہاں خلاصہ ذکر کرتے ہیں تاکہ توکل کے طلبگار کا یقین کامل ہو جائے۔

رحمت و حکمت پر ایمان لانا:

رحمت و حکمت کی تصدیق اتنی یقینی ہو کہ اس میں لچک ہو نہ ہی شک یہاں تک کہ اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ تمام مخلوق کو سب سے بڑے عقل مند کی عقل عطا فرمائے، سب سے بڑے عالم کا علم عطا فرمائے اور اتنا علم عطا فرمائے جتنا وہ برداشت کر سکیں پھر بے انتہا حکمت عطا فرمائے اور پھر ان کی تعداد کے برابر علم و حکمت اور عقل میں مزید اضافہ فرمائے اس کے بعد ہر چیز کا نتیجہ اور عالَم کے راز ان پر ظاہر فرما دے، ہلکی سے ہلکی سزا اور باریک سے باریک لطف و کرم کی پہچان کروا دے حتّٰی کہ وہ ہر قسم کی اچھائی و برائی، نفع و نقصان جان لیں پھر حکم ارشاد فرمائے کہ جو علم و حکمت میں نے تمہیں دیا ہے اس سے دو جہاں کا نظام چلاؤ، ایسی صورت میں مخلوق کے باہمی تعاون سے چلایا ہوا دنیا و آخرت کا نظام اللہ عَزَّوَجَلَّ کے تخلیق کردہ نظام میں مچھر کے پَر برابر زیادتی کر سکتا ہے نہ کمی اور ایک ذرّہ اوپر کر سکتا ہے نہ نیچے۔ جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ بیماری یا عیب یا کمی یا محتاجی یا نقصان میں مبتلا فرمائے اسے دور نہیں کر سکتا، ایسے ہی اللہ عَزَّوَجَلَّ جس پر صحت یا مالداری یا فائدہ کا انعام

فرمائے اسے روک نہیں سکتا بلکہ اگر وہ لوگ زمین و آسمان کی کسی چیز کی جانب دیکھیں اور غور وفکر کریں تو پھر بھی اس میں خرابی پائیں گے نہ کمی بلکہ دیکھیں گے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے بندوں میں موت ورزق، خوشی وغم، کمزوری وطاقت، کفر وایمان، اطاعت ونافرمانی کی جو تقسیم کاری فرمائی ہے وہ خالص انصاف ہے جس میں کسی قسم کا ظلم نہیں، تقسیم کاری بالکل درست ہے جس میں کسی قسم کی کمی نہیں بلکہ جس طرح ہونا چاہئے تھا اسی لازمی وضروری ترتیب پر ہے نیز جس مقدار میں ہونا چاہئے تھا اسی مقدار پر ہے، اس سے اچھا، بہتر اور کامل ہونا ممکن ہی نہیں تھا۔ اگر (فرض کریں کہ) اس سے بہتر ممکن تھا اور اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قدرت کے باوجود عطانہ فرمایا تو یہ بخل ہوا جو کہ سخاوت کی ضد ہے نیز ظلم ہوا جو کہ انصاف کی ضد ہے اور اگر اسے قادر نہ مانا تو یہ عجز ہوا جو کہ مقامِ الٰہی کے خلاف ہے بلکہ جو کام دنیوی اعتبار سے نقصان دہ ہے وہ اُخروی اعتبار سے فائدہ مند ہے، یونہی ایک شخص کا اُخروی نقصان دوسرے کے حق میں نعمت ہے کیونکہ اگر رات نہ ہوتی تو دن کی اہمیت نہ ہوتی، اگر بیماری نہ ہوتی تو تندرست کو صحت کی اہمیت نہ ہوتی، اگر جہنم نہ ہوتا تو جنتیوں کو جنتی نعمتوں کی اہمیت نہ ہوتی۔ جس طرح جانوروں کو قربان کرکے انسانی زندگی کو بچانا اور انسان کو جانور ذبح کرنے پر غَلَبَہ دینا انصاف ہے اسی طرح جہنمیوں کو سخت سزائیں دے کر جنتیوں کی نعمتوں میں اضافہ کرنا اور کافروں کے بدلے مؤمنوں کو بچانا انصاف ہے کیونکہ جب تک ناقص نہ ہوگا کامل کی پہچان نہ ہوگی، یونہی اگر جانور نہ ہوتے تو انسان کا افضل ہونا ظاہر نہ ہوتا کیونکہ نَقْص اور کمال کسی چیز کی طرف نسبت کرنے سے ہی ظاہر ہوتے ہیں لہٰذا سخاوت وحکمت کا تقاضا یہی تھا کہ ناقص اور کامل دونوں کو پیدا کیا جائے جس طرح ہاتھ پر کینسر ہو جائے تو اسے کاٹ دینا انصاف ہے کہ یہاں ناقص کے بدلے میں کامل کو بچانا ہے یہی معاملہ اس فرق کا ہے جو دنیا وآخرت کی تقسیم کاری میں مخلوق کے درمیان ہے کہ ہر چیز انصاف کے ساتھ ہے، کسی قسم کا ظلم نہیں اور ہر چیز بَرحَق ہے بلاوجہ نہیں۔ اس کی وضاحت ایک گہرا سمندر ہے جس کے کنارے بہت دور ہیں اور موجوں میں طغیانی ہے جبکہ گہرائی توحید کے سمندر کے قریب ہے جس میں کم عقل لوگ گہرائی کا اندازہ نہیں کرپاتے اور ڈوب جاتے ہیں، صرف عُلَما اس کا اندازہ کرپاتے ہیں نیز اس سمندر کے پیچھے تقدیر کا راز ہے جس سے اکثر لوگ ناواقف ہیں اور اہلِ کشف کو اس کا راز ظاہر کرنے سے روک دیا گیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اچھائی و برائی سب اسی کا فیصلہ ہے اور جس چیز کا فیصلہ ہو جائے اِرادۂ الٰہی کے بعد اس کا وجود لازمی ہو جاتا ہے اس کے فیصلہ اور حکم کا کوئی انکار کر سکتا ہے نہ ٹال سکتا ہے بلکہ ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی ہوئی ہے اور ایک مُعَیَّن اندازے کے ساتھ وہ آئے گی جس کا انتظار ہے۔ جس چیز کا تم تک پہنچنا لکھا ہے ایسا نہیں کہ وہ تم تک نہ پہنچے اور جس چیز کا تم تک نہ پہنچنا لکھا ہے ایسا نہیں کہ وہ تم تک پہنچ جائے۔

توکل کی بنیاد عِلْمِ مُکاشَفہ کے بارے میں اتنے ہی اشارے کافی ہیں اور اب ہم دوبارہ علم معاملہ کی گفتگو شروع کرتے ہیں۔ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ ہمیں کافی ہے اور وہ کیا ہی اچھا کارساز ہے۔

باب نمبر2: تَوَکُّل کی وضاحت اور اس پر عَمَل کا طریقہ

ہم اس باب میں (چھ فصلوں کے تحت) درج ذیل اُمور بیان کریں گے:

(۱)...توکل کی وضاحت (۲)...اکابِرین کے نزدیک توکل کی تعریف (۳)...شادی شدہ اور غیر شادی شدہ فرد کا مال کمانے میں توکل کرنا (۴)...ذخیرہ اندازی کو چھوڑ کر توکل کرنا (۵)...نقصان دہ چیزوں کو دور کر کے توکل کرنا (۶)...علاج کے ذریعہ بیماری دور کر کے توکل کرنا۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنی رحمت کے صدقے ان اُمور کو بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

پہلی فصل: توکل کی وضاحت

ہم پیچھے ذکر کر چکے ہیں کہ توکل تین چیزوں پر مشتمل ہوتا ہے علم، کیفیت اور عمل۔ علم کی گفتگو مکمل ہو چکی ہے اب کیفیت کی وضاحت ہو گی۔ توکل اس کیفیت کو کہتے ہیں جس کی بنیاد "علم" اور پھل "عمل" ہے۔ اہل علم نے اس کی کثیر اور مختلف تعریفات بیان کی ہیں۔ ہر ایک نے اپنے مقام و مرتبہ کے اعتبار سے اس کی وضاحت کی ہے جیسا کہ اہلِ تصوُّف کا طریقہ ہے لہٰذا انہیں لکھنے کا کوئی فائدہ نہیں، البتہ ہم اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں: توکل "وَکَالَۃٌ" سے بنا ہے جیسے کہا جاتا ہے: "وَکَلَ اَمْرَہٗ اِلٰی فُلَانٍ یعنی ایک شخص نے اپنا معاملہ فلاں کے سپرد کر دیا اور اس پر بھروسا کر لیا۔"

مُعاملہ جس کے سپرد کیا جائے اسے "وَکیل" کہتے ہیں اور معاملہ سپرد کرنے والے کو "مُتَوَکِّل" کہتے ہیں۔ جب "متوکل" کا "وَکیل" پر اطمینان اور بھروسا ہو، کام میں کوتاہی کی تہمت لگائے نہ ہی اسے عاجز اور

قصوروار جانے یعنی وکیل پر دلی اعتماد ہو تو اسے توکل کہتے ہیں۔

وکالت کی شرائط:

عدالتی معاملے میں وکیل کی مثال لیجئے: ایک شخص دوسرے پر جھوٹا الزام لگائے تو دوسرا شخص اس اِلزام کو دور کرنے کے لئے کسی کو اپنا وکیل بناتا ہے لیکن اپنا معاملہ وکیل کے سپُرد کرنے، اس پر بھروسا کرنے اور اس کی وکالت پر دل مطمئن کرنے کے لئے وکیل میں چار باتوں کا ہونا ضروری ہے: (۱)...انتہائی درجہ کا سمجھدار ہو (۲)...طاقتور ہو (۳)...عمدہ گفتگو کرنے والا ہو اور (۴)...مہربان ہو۔ سمجھدار ہونے کی وجہ سے جھوٹا الزام پہچان لے گا یہاں تک کہ الزام کے ہر باریک پہلو کو جان لے گا۔ طاقتور ہونے کی وجہ سے حق بات خود اعتمادی سے کرے گا کسی کی چاپلوسی کرے گا نہ شرمائے گا، کسی سے ڈرے گا نہ بزدلی دکھائے گا کیونکہ وکیل بعض اوقات دشمن کی کوئی بات جان لیتا ہے اور پھر خوف و بزدلی اور شرم یا پھر دل کو کمزور کر دینے والی کوئی چیز اسے حق بات کہنے سے روک دیتی ہے۔ عمدہ گفتگو کرنا بھی ایک طرح کی طاقت ہے کیونکہ دل جو بات کہنا چاہے اور اس کی طرف اشارہ کرے تو زبان اسے روانی کے ساتھ ادا کرنے پر قادر ہوتی ہے اور جھوٹے الزامات کو پہچان لینے والا ہر شخص اس کی دھجیاں بکھیرنے پر قادر نہیں ہوتا۔ انتہائی درجہ کا مہربان ہونے کی وجہ سے مُؤَکِّل کے حق میں جتنی کوشش کر سکتا ہے کرے گا کیونکہ جب تک وہ اس کے مُعاملہ کو اہمیت نہ دے اور اس بات کی پرواہ نہ کرے کہ مُؤَکِّل جیتے یا ہارے نیز اس کا حق اسے ملتا ہے یا ضائع ہوتا ہے تو اس مہربانی کے بغیر اس کی طاقت کا کوئی فائدہ نہیں۔ اگر (وکیل میں) یہ چاروں باتیں نہ ہوں یا کوئی ایک بات نہ ہو یا یہ چاروں باتیں مُدِّمقابل میں کامل طور پر پائی جائیں تو وکیل بنانے پر دل مطمئن نہیں ہوتا بلکہ بے قرار رہتا ہے اور بندہ وکیل کی کمزوری و مدمقابل کے خوف کو دور کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے چونکہ اطمینان و بھروسے کے معاملے میں لوگوں کی حالتیں مختلف ہوتی ہیں اور انہیں کے مطابق لوگوں کے اطمینان و بھروسے میں زیادتی پائی جاتی ہے۔ جب اِعتقاد اور گمان کے درمیان کمزور اور مضبوط ہونے میں اتنا فرق ہے جسے شمار نہیں کیا جا سکتا تو لازمی طور پر توکل کرنے والوں کے اطمینان و بھروسے میں بھی اتنا فرق ہو گا جسے شمار نہیں کیا جا سکتا یہاں تک کہ وہ یقین حاصل ہو جائے جس میں کسی قسم کی کمزوری نہ ہو، جس طرح اگر بیٹا مُؤَکِّل اور باپ وکیل ہو اور وہ بیٹے کے لئے

مال کمانے میں حلال و حرام کا خیال نہ رکھے تو یوں بیٹے کو انتہائی درجہ کی شفقت و مہربانی کا یقین ہو جائے گا جو کہ چار باتوں میں سے ایک بات ہے، یونہی تینوں باتوں پر بھی یقین آسکتا ہے کہ باپ تجربہ کار ہو اور لوگوں میں مشہور ہو کہ وہ عمدہ گفتگو اور بہترین وضاحت کرنے پر قادر ہے نیز سچی بات پر مدد کرنے کی طاقت رکھتا ہے بلکہ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ کہہ سکتا ہے۔

جب مذکورہ مثال میں تم نے توکُّل کو پہچان لیا ہے تو اب اللہ عَزَّوَجَلَّ پر توکل کرنے کو اسی پر قیاس کرو، جب تمہارے دل میں کشف یا یقین کے ذریعہ یہ بات پختہ ہو جائے کہ فاعل حقیقی صرف اللہ عَزَّوَجَلَّ ہے جیسا کہ پیچھے گزرا ہے اور یہ عقیدہ بھی ہو کہ بندوں کے کام سنوارنے پر اسے مکمل علم و قدرت ہے نیز اس کا لطف و کرم اور رحم تمام بندوں پر اِجتماعی اعتبار سے اور ہر ایک بندہ پر انفرادی اعتبار سے ہے، اس کی قدرت سے بڑھ کر کوئی قدرت نہیں اور اس کے علم سے زیادہ کسی کا علم نہیں، تمہارے ساتھ اس کا لطف و کرم اور مہربانی بے حساب ہے، اس اعتقاد کے بعد یقیناً تمہارا دل ایک اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی پر بھروسا کرے گا، نہ تو دوسرے کی جانب توجّہ کرے گا اور نہ ہی اپنی طاقت و قوت اور ذات کی جانب توجّہ کرے گا کیونکہ گناہ سے بچنے کی طاقت اور نیکی کرنے کی قوت اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے ہے جیسا کہ توحید کی حقیقت بیان کرتے ہوئے حرکت اور قدرت کی بحث میں گزرا۔ ”لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّابِاللّٰہِ“ میں ”حَوْل“ سے مراد حرکت ہے اور ”قُوَّۃ“ سے مراد حرکت پر قادر ہونا ہے۔

اگر تمہارے دل میں یہ کیفیت پیدا نہ ہو تو ایسا دو سببوں میں سے ایک سبب کی وجہ سے ہوتا ہے۔

توکل نہ ہونے کے دو اسباب:

...**پہلا سبب:** چاروں باتوں میں سے کسی ایک پر یقین کامل نہیں یا دل کمزور ہے اور اس پر بزدلی کے مرض کا غَلَبہ ہے اور وہم کے غلبہ کی وجہ سے بے چینی رہتی ہے کیونکہ بعض اوقات دل کی بے چینی وہم کی وجہ سے ہوتی ہے اگرچہ یقین میں کچھ کمی نہ ہو جیسے شہد کھانے والے کے سامنے شہد کو گندگی سے تشبیہ دی جائے تو بعض اوقات اسے شہد سے گِھن آتی ہے اور اسے شہد کھانا دشوار ہو جاتا ہے، ایسے ہی کسی سمجھدار کو مُردہ کے ساتھ قبر یا کمرہ یا ایک بستر پر رات گزارنے کا پابند کیا جائے تو وہ راضی نہ ہو گا اگرچہ اسے یقین ہے کہ یہ مردہ ہے اور اس وقت بے جان ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ قادر ہونے کے باوجود اپنے جاری کردہ قانون کے مطابق اسے

حشر سے پہلے نہیں اٹھائے گا جس طرح قدرت کے باوجود قلم کو سانپ نہیں بناتا اور بلی کو شیر نہیں بناتا۔ اس یقین کے باوجود طبیعت ناپسند کرے گی کہ میّت کے پہلو میں ایک بستر پر ہو یا کسی کمرے میں ہو کیونکہ بے جان چیزوں کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں کیا جاتا۔ یہ دل کی بزدلی ہے جو کہ کمزوری کی ایک قسم ہے اور انسان میں کچھ نہ کچھ ضرور پائی جاتی ہے، کبھی یہ خوف بڑھ کر بیماری کی صورت اختیار کرلیتا ہے کہ دروازے کھڑکیاں بند ہونے کے باوجود اکیلے گھر میں رات گزارنے میں ڈر تا لگتا ہے۔ ایسے ہی توکل مضبوط دل اور مضبوط یقین کے بغیر مکمل نہیں ہوگا کیونکہ انہیں دونوں کی وجہ سے دل میں اطمینان وسکون پیدا ہوتا ہے۔

اطمینان اور یقین میں فرق:

اطمینان اور یقین دو الگ الگ کیفیات ہیں، کئی جگہ یقین پایا جاتا ہے لیکن اطمینان نہیں جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت سیِّدُنا ابراہیم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے ارشاد فرمایا:

اَوَ لَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَ لٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ ؕ (پ۳، البقرۃ: ۲۶۰)

ترجمۂ کنزالایمان: کیا تجھے یقین نہیں عرض کی یقین کیوں نہیں مگر یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آجائے۔

حضرت سیِّدُنا ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام نے اپنی آنکھوں سے مُردے زندہ ہوتے ہوئے دیکھنے کی دعا کی تاکہ خیال پختہ ہو جائے کیونکہ دل خیال کی پیروی کرتا ہے اور اسی سے مطمئن ہوتا ہے۔ معاملہ کی ابتدا میں فقط یقین سے دل مطمئن نہیں ہوتا حتّٰی کہ اطمینان کے آخری درجہ تک پہنچ جائے اور یہ اطمینان کبھی بھی ابتدا میں حاصل نہیں ہوتا۔ یونہی کئی جگہ اطمینان پایا جاتا ہے لیکن یقین نہیں جیسے کسی یہودی یا نصرانی کا دل یہودیت یا نَصرانِیَّت پر مطمئن ہوتا ہے لیکن اسے یقین حاصل نہیں ہوتا کیونکہ یہ لوگ اپنے گمان اور نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں، ربّ عَزَّوَجَلَّ کی جانب سے ان کے پاس ہدایت آئی لیکن انہوں نے اس سے منہ پھیر لیا حالانکہ یہی ہدایت یقین کا سبب ہے۔

...**دوسرا سبب:** بہادری اور بزدلی دونوں کا تعلق فطرت سے ہے اور بزدلی کے ہوتے ہوئے یقین کوئی فائدہ نہیں دیتا لہٰذا توکل میں رکاوٹ کا ایک سبب بُزدلی ہے جس طرح مذکورہ چار باتوں پر یقین کی کمی توکل میں رکاوٹ کا ایک سبب ہے۔

جب یقین و اطمینان کے اسباب پائے جائیں تو اللہ عَزَّوَجَلَّ پر اعتماد حاصل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ توریت شریف میں ہے: ”ملعون ہے وہ شخص جو اپنے جیسے انسان پر بھروسا کرے۔“

سیّدِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمان ہے: جو بندوں سے عزت کا طلب گار ہو اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے ذلیل کر دے گا۔[1]

جب تم پر توکل کے معنٰی کی وضاحت ہو گئی اور تم نے اس کیفیت کو جان لیا جسے توکل کہا جاتا ہے تو اب یہ بھی جان لو کہ مضبوطی و کمزوری کے اعتبار سے اس کیفیت کے تین درجات ہیں۔

توکل کے تین درجات:

...**پہلا درجہ:** وہی ہے جسے ہم نے بیان کیا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل و کرم پر بندے کا بھروسا اور اعتماد ایسا ہی ہو جیسے کسی وکیل پر ہوتا ہے۔

...**دوسرا درجہ:** یہ پہلے سے زیادہ مضبوط ہے۔ اس میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل و کرم پر بندے کا حال اس طرح ہو جیسے بچے کا حال اپنی ماں کے ساتھ ہوتا ہے کہ کسی دوسرے کو پہچانتا ہے نہ کسی دوسرے کی گود میں آتا ہے اور نہ کسی دوسرے پر بھروسا کرتا ہے اور جب ماں کو دیکھتا ہے تو فوراً اس کے دامن سے لپٹ جاتا ہے اور جدا نہیں ہوتا۔ اگر ماں کی غیر موجودگی میں کوئی پریشانی آجائے تو سب سے پہلے ماں کو پکارتا ہے اور دل میں سب سے پہلا خیال ماں کا ہوتا ہے کہ وہی اس کی فریاد سننے والی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بچے کو ماں کی ذمہ داری اور شفقت پر ایسا اعتماد ہوتا ہے جسے وہ اپنی سمجھ سے خود جان لیتا ہے بلکہ یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ اعتماد اس کی طبیعت بن جاتا ہے۔ اگر اس سے ان باتوں کی وضاحت پوچھی جائے تو انہیں الفاظ کی صورت میں نہ تو بیان کر سکتا ہے نہ ہی اس کی تفصیل اپنے ذہن میں لا سکتا ہے کیونکہ یہ سب باتیں اس کی سمجھ سے بالاتر ہیں، لہٰذا جو شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جانب توجّہ کرے، اسی کی طرف دیکھے اور اسی پر اعتماد کرے تو اس کی رغبت اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جانب اس طرح ہو جائے گی جس طرح بچے کی رغبت اپنی ماں کی جانب ہوتی ہے، اب یہ شخص حقیقی ”مُتَوَکِّل“ ہو جائے گا کیونکہ بچّہ اپنی ماں پر ہی توکل کرتا ہے۔

---

[1] ...نوادر الاصول للحکیم الترمذی، الاصل التاسع الثمانون والمائۃ، ۲/ ۷۱۳، حدیث: ۹۸۲

توکل کے ان دونوں درجات میں فرق یہ ہے کہ دوسرے درجہ کا "مُتَوَکِّل" اپنے توکل میں فنا ہوجاتا ہے کیونکہ اس کا دل توکل اوراس کی حقیقت کی جانب بالکل متوجّہ نہیں ہوتا بلکہ فقط اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جانب متوجّہ رہتا ہے، غیر کی جانب توجّہ کرنے کی گنجائش باقی ہی نہیں رہتی جبکہ پہلے درجے والا "مُتَوَکِّل" کوشش اور زبردستی کرتا ہے، یہ اپنے توکل میں فانی نہیں ہوتا کیونکہ اس کی توجّہ اور احساس کا مرکز توکل ہوتا ہے اور یہی چیز اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جانب توجّہ سے رُوکتی ہے۔ یہی بات حضرت سیِّدُنا سہل بن عبداللہ تُستری عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی کے فرمان سے معلوم ہوتی ہے کہ آپ سے کسی نے پوچھا: "توکل کاہلکادرجہ کیا ہے؟" فرمایا: "خواہشات کو چھوڑنا۔" پوچھا: درمیانہ درجہ کیاہے؟" فرمایا: "اختیارات چھوڑ دینا۔" یعنی دوسرے درجہ کی جانب اشارہ فرمایا۔ سائل نے پھرپوچھا: "توکل کابلند درجہ کیاہے؟" فرمایا: "اس کی پہچان درمیانی درجہ والا ہی رکھتاہے۔"

...**تیسرا درجہ:** یہ سب سے بلند درجہ ہے یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سامنے بندہ کی حالت ایسی ہو جیسے غسل دینے والے کے سامنے مردہ ہوتا ہے۔ ان دونوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ "مُتَوَکِّل" اپنے آپ کو مردہ دیکھتاہے کہ قدرتِ اَزَلِیَّہ اسے حرکت دیتی ہے جس طرح غسل دینے والا مردے کو حرکت دیتاہے نیز اس بات پر اس کا یقین پختہ ہوتاہے کہ حرکت، علم، ارادہ، قدرت اور سارے معاملات اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جانب سے ہیں اور یہ سب معاملات زبردستی ہیں لہٰذا وہ اپنے اوپر نافذ ہونے والے احکامات کا انتظار نہیں کرتا۔

اس درجہ کے "مُتَوَکِّل" کا معاملہ اس بچے کا سا نہیں جو اپنی ماں کی گود میں آتاہے، اسی کو پکارتاہے، اسی کے دامن سے لپٹتاہے اوراسی کے پیچھے دوڑتاہے بلکہ اس کا معاملہ اس بچہ کی طرح ہے جو جانتاہے کہ وہ نہ روئے تو بھی ماں اسے ڈھونڈلے گی، دامن سے نہ لپٹے تو بھی ماں اسے اُٹھالے گی، دودھ نہ مانگے تو بھی ماں خود پہل کرے گی اور اسے دودھ پلادے گی۔ توکل کا یہ مقام تقاضا کرتاہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل وکرم اور عنایت پر بھروسا کرتے ہوئے اللہ عَزَّوَجَلَّ سے کچھ مانگا جائے نہ دعا کی جائے کیونکہ جو چیز اللہ عَزَّوَجَلَّ عطا فرمائے گا وہ مانگی ہوئی چیز سے بہتر ہوگی اور وہ کئی نعمتیں دعا کرنے، سوال کرنے اور ضرورت پڑنے سے پہلے ہی عطا فرمادیتاہے جبکہ دوسرا مقام دعا چھوڑنے اور سوال سے بچنے کا تقاضا نہیں کرتا بلکہ صرف یہ تقاضا کرتاہے کہ دوسرے سے سوال نہ کیا جائے۔

﴿ صَلُّوْا عَلَی الْحَبِیْب صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّد ﴾

چند سوالات و جوابات:

...**سوال:** ان درجات کا وجود کہیں پایا بھی جاتا ہے؟

...**جواب:** ان کا وجود ناممکن نہیں ہے البتہ پایا کم جاتا ہے، دوسرا اور تیسرا درجہ تو بہت ہی کم پایا جاتا ہے جبکہ پہلا درجہ قدرِ آسان ہے، اگر دوسرا اور تیسرا درجہ پایا بھی جائے تو ان کا باقی رہنا بڑا مشکل ہے بلکہ تیسرا درجہ تو شاید اتنی دیر تک رہے جتنی دیر خوف سے پیدا ہونے والا پیلاپَن رہتا ہے کیونکہ دل کا طاقت اور اسباب پائے جانے پر خوش ہونا طبعی معاملہ ہے جبکہ طاقت اور اسباب کا کم ہونا عارضی معاملہ ہے جس طرح خون کا پورے بدن میں گردش کرنا طبعی معاملہ اور رُک جانا عارضی معاملہ ہے اور خوف میں چہرے کی ظاہری کھال سے خون اندرونی کھال کی طرف سمٹتا ہے یہاں تک کہ ظاہری کھال کی باریک جھلی کے پیچھے نظر آنے والی سرخی ختم ہو جاتی ہے کیونکہ کھال ایک باریک جھلی ہے جس کے پیچھے خون کی سرخی نظر آتی ہے، یہ سمٹتی ہے تو پیلا پن آجاتا ہے جو کہ کچھ ہی دیر رہتا ہے، ایسے ہی دل کا طاقت اور دیگر ظاہری اسباب کو نہ دیکھنا بھی عارضی معاملہ ہے۔ دوسرا درجہ بخار کے پیلے پن کی طرح ہے جو کہ ایک دو دن تک رہتا ہے جبکہ پہلا درجہ اس بیمار کے پیلے پن کی طرح ہے جس کا مرض جڑ پکڑ چکا ہو، جس کا پیلا پن دور ہونا مشکل ہو۔

...**سوال:** ان درجات پر فائز ہونے والوں کے ساتھ بھی کیا اسباب کا تعلق اور رابطہ باقی رہتا ہے؟

...**جواب:** جان لیجئے! تیسرے درجہ کی حالت جب تک باقی رہتی ہے اسباب کے ساتھ رابطہ بالکل نہیں پایا جاتا بلکہ "مُتَوَکِّل" حیرت زدہ رہتا ہے۔ دوسرے درجہ کی حالت میں سوائے بارگاہِ الٰہی میں فریاد کرنے اور سوال کرنے کے اسباب کے ساتھ کسی قسم کا رابطہ نہیں پایا جاتا جیسے بچے کا رابطہ صرف اپنی ماں کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ پہلے درجہ کی حالت میں رابطہ اور اختیار باقی رہتا ہے لیکن بعض چیزوں کے ساتھ تعلق نہیں بھی پایا جاتا جیسے کوئی شخص وکیل سے اپنے مقدمہ کی حد تک تعلق رکھتا ہے اس کے علاوہ تعلق نہیں رکھتا، البتہ وکیل کسی بات کا اشارہ کر دے تو اس سے بھی تعلق رکھتا ہے یا پھر واضح اشارہ نہ ہو تو وکیل کی عادت اور طریقہ کار کو پہچان کر اس بات سے تعلق رکھے گا جیسے وکیل اس بات کا اشارہ کرے کہ میں تمہاری غیر حاضری میں مقدمہ نہیں لڑوں گا تو اب یقیناً اسے آنا پڑے گا اور یہ بات وکیل پر اعتماد کے خلاف بھی نہیں کیونکہ وکیل اس سے

دورانِ مقدمہ دلائل ذکر کرنے میں کسی قسم کی مدد نہیں مانگتا بلکہ اپنے اوپر اس کا اعتماد کامل کرنا چاہتا ہے کہ وکیل وہی کچھ کرے گا جس کا اسے حکم دیا گیا ہے کیونکہ اگر وکیل پر اس کا اعتماد اور بھروسا نہ ہوتا تو وکیل اسے عدالت میں آنے کا نہ کہتا۔ واضح اشارہ نہ ہو تو وکیل کی عادت اور طریقہ کار کو پہچان کر تعلق رکھتا ہے مثلاً وکیل کی یہ عادت معلوم ہو جائے کہ وہ کاغذات کے بغیر مقدمہ نہیں لڑتا تو اس کا توکل اس وقت کامل ہو گا جب وہ اس کے طریقہ کار پر اعتماد کرے اور اس کا تقاضا پورا کرے کہ مقدمہ کے وقت اس کے پاس تمام کاغذات موجود ہوں لہٰذا یہ شخص عدالت آنے اور کاغذات مکمل کر کے لانے سے لاتعلقی اختیار نہیں کر سکتا کیونکہ کسی چیز سے لاتعلق رہنا اعتماد کو ٹھیس پہنچاتا ہے لیکن تعلق اختیار کرنا کسی طرح بھی اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچاتا بلکہ عدالت آنے اور طریقہ کار کے مطابق کاغذات حاضر کرنے کے بعد بیٹھ کر وکیل کے بحث و مباحثہ کو دیکھے تو کبھی دوسرے اور کبھی تیسرے درجہ پر پہنچ کر حیرت زدہ شخص کی طرح ہو جاتا ہے جسے حرکت کرنے کا خیال رہتا ہے نہ طاقت کا احساس کیونکہ اب وہ حرکت و طاقت موجود ہی نہ رہی کہ اس کی حرکت اور طاقت وکیل کے اشارہ پر عدالت آنے اور اس کے طریقہ کار کے مطابق کاغذات لانے پر تھی جو اب ختم ہو چکی ہے، اب صرف دل کا اطمینان اور وکیل پر اعتماد باقی رہ گیا ہے اور اس فیصلہ کا انتظار جو ہونے والا ہے۔

جب تم اس مثال میں غور و فکر کرو گے تو توکل کے بارے میں ہر قسم کا شک و شبہ تم سے دور ہو جائے گا اور تم سمجھ جاؤ گے کہ ہر قسم کا تعلق اور رابطہ چھوڑ دینا توکل کی شرط نہیں ہے اور یہ بھی سمجھ جاؤ گے کہ ہر قسم کا تعلق اور رابطہ رکھنا بھی درست نہیں بلکہ اس کی کئی قسمیں ہیں جن کی تفصیل اعمال کے بیان میں آئے گی۔ ''مُتَوَکِّل'' کا عدالت آنے اور کاغذات لانے میں حرکت و طاقت پر بھروسا کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اگر وکیل نہ ہوتا تو اس کا آنا اور کاغذات لانا بے کار اور خواہ مخواہ کی تھکاوٹ ہے۔ ''مُتَوَکِّل'' کو فائدہ اپنی حرکت اور طاقت کی وجہ سے نہیں پہنچتا بلکہ وکیل کی وجہ سے پہنچتا ہے جو اس کے مقدمہ میں حاضر ہونے کو لازمی قرار دیتا ہے اور وہ وکیل کے اشارے اور طریقہ کار کو جان لیتا ہے۔

معلوم ہوا کہ حرکت و طاقت کا سبب وکیل بنتا ہے، البتہ وکیل پر اس کا اطلاق حقیقی نہیں ہے کیونکہ وکیل نہ حرکت کو پیدا کرتا ہے نہ طاقت کو بلکہ ان دونوں کا صحیح استعمال کرتے ہوئے انہیں فائدہ مند بناتا ہے

لہٰذا اگر وکیل ان کا صحیح استعمال نہ کرتا تو یہ فائدہ مند بھی نہ ہوتیں۔ یہ کلمات تو ایک ہی وکیلِ برحق کے لئے کہے جاسکتے ہیں اور وہ باری تعالیٰ کی ذات ہے جو حرکت وطاقت کو پیدا کرنے والی ہے جیسا کہ توحید کی حقیقت بیان کرتے ہوئے گزرا۔ وہی ان دونوں کو فائدہ مند بنانے والا ہے کہ اسی نے ان دونوں کو شرط قرار دیا ان فوائد ومقاصد کے لئے جو ان دونوں کے بعد پیدا فرمائے گا۔ یہی کہنا حق اور سچ ہے کہ کوئی حرکت اور طاقت نہیں لیکن اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جانب سے، لہٰذا جو شخص اس پورے معاملے کا مشاہدہ کرلے گا اسی کے لئے وہ عظیم الشان ثواب ہوگا جو "لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّابِاللّٰه" کہنے والے کے لئے حدیث پاک میں آیا ہے۔[1]

سوال: یہ کلمہ زبان پر بڑا آسان ہے نیز دل میں اس کے مفہوم کو بٹھانا بھی بڑا آسان ہے پھر کیوں اس ایک کلمہ پر اتنا زیادہ ثواب عطا کیا جائے گا، یہ بات سمجھ میں نہیں آئی؟

جواب: یہ ثواب کی بشارت اس شخص کے لئے ہے جو اس پورے معاملے کا مشاہدہ کرے جسے ہم نے توحید کے تحت ذکر کیا ہے اور "لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّابِاللّٰه" اور "لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰه" کے مفہوم کے درمیان ویسا ہی فرق ہے جیسا ان کے الفاظ اور ثواب میں فرق ہے کیونکہ "لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّابِاللّٰه" میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جانب صرف دو چیزوں کی نسبت ہے یعنی "حَوْلٌ" اور "قُوَّةٌ" کی جبکہ "لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰه" میں تمام چیزوں کی نسبت اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جانب ہے۔ اب خود غور کرلو کہ دو چیزوں اور تمام چیزوں کے درمیان کیا فرق ہوتا ہے پھر تم سمجھ لوگے "لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّابِاللّٰه" کے ثواب کے مقابلے میں "لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰه" کا ثواب کیا ہوگا۔

یہ بھی ذکر ہوچکا ہے کہ توحید کے چار درجات ہیں یعنی دو چھلکے اور دو مغز ہیں۔ یہی چاروں درجات "لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّابِاللّٰه" کے اور دیگر سارے کلمات کے لئے ہیں، زیادہ تر لوگ دونوں چھلکوں تک محدود رہتے ہیں اور دونوں مغزوں تک نہیں پہنچ پاتے جس کی جانب سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اپنے اس قول سے اشارہ فرمایا: جو شخص اخلاص اور صدقِ دل سے "لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰه" کہے اس کے لئے جنّت واجب ہوجاتی ہے۔[2]

---

1 ...بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة خیبر، ۳/ ۸۳، حدیث: ۴۲۰۵

2 ...نوادر الاصول للحکیم الترمذی، الاصل الخامس عشر والمائتان، ۲/ ۷۸۳، حدیث: ۱۰۸۸، ۱۰۸۹

جو روایات اخلاص اور صدق دل کی قید کے بغیر مُطلَق ذکر ہیں وہاں بھی اخلاص اور صِدقِ دل کی قید سمجھی جائے گی جس طرح بعض روایات میں ایمان اور نیک اعمال کرنے پر مغفرت کی بشارت ہے جبکہ بعض روایات میں فقط ایمان لانے پر مغفرت کی بشارت ہے تو وہاں بھی نیک اعمال کی قید سمجھی جاتی ہے کیونکہ اُخروی مقام صرف گفتگو سے نہیں ملتا کہ زبان کی حرکت گفتگو ہے۔ اسی طرح دل میں کسی بات کا پختہ ہونا بھی گفتگو ہے لیکن یہ فقط گفتگو ہے اور اخلاص و صدقِ دل کا معاملہ اس سے الگ ہے۔ جنّتی تختوں پر صرف مقرّبین جلوہ فرما ہوں گے جو کہ مخلص ہیں، البتہ (بطور اخلاص) ان کے قریب ترین مرتبہ والے اصحابِ یمین کے لئے بھی بارگاہِ الٰہی میں بلند درجات ہوں گے اگرچہ یہ لوگ مقرّبین کے درجات کو نہ پہنچ سکیں گے۔ کیا تمہیں نہیں معلوم اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جب مقرّبین کا ذکر فرمایا تو ان کے لئے تخت کا ذکر بھی فرمایا:

عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴿۱۵﴾ مُّتَّكِـٕیْنَ عَلَیْهَا مُتَقٰبِلِیْنَ ﴿۱۶﴾ (پ۲۷، الواقعۃ: ۱۵، ۱۶)

ترجمۂ کنز الایمان: جڑاؤ تختوں پر ہوں گے ان پر تکیہ لگائے ہوئے آمنے سامنے۔

اور جب اصحاب یمین کا ذکر فرمایا تو ان کے لئے جنّتی پھل، پانی، درخت، سایہ اور حوروں کا ذکر فرمایا لیکن تخت کا ذکر نہ فرمایا۔ کھانا، پینا، دیکھنا اور نکاح کرنا ان سب چیزوں میں لذّتیں ہیں جو جانوروں کو بھی حاصل ہوتی ہیں لیکن اُخروی مقام کی لذتوں کے مقابلے میں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے قرب میں اعلیٰ مقام میں جلوہ گر ہونے کی لذّتوں کے مقابلے میں جانوروں کی لذتوں کی کوئی اہمیت نہیں۔ اگر کھانے، پینے اور دیکھنے کی لذّتوں کی کوئی اہمیت ہوتی تو یہ جانوروں کو نہ دی جاتیں نیز ان چیزوں کی اہمیت ہوتی تو فرشتوں کا درجہ جانوروں سے بلند نہ ہوتا۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ چونکہ جانور باغات میں سیر سَپاٹا کرتے ہیں، درختوں کے سائے اور پانی سے فائدہ اٹھاتے ہیں، جُفْتی سے لطف اندوز ہوتے ہیں تو جانوروں کی یہ حالتیں زیادہ اچھی، عمدہ اور بہترین ہیں؟ کیا عقلمند لوگ ایسا ہی خیال کرتے ہیں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمتوں کے سائے میں رہنے والے فرشتوں کو کم اہمیت دیتے ہیں؟ ہرگز ایسی بات نہیں کیونکہ جسے گدھا بننے یا حضرت جبرائیل عَلَیْهِ السَّلَام کے درجہ پر فائز ہونے کا اختیار دیا جائے تو ممکن نہیں کہ وہ گدھا بننا پسند کرے۔

﴿ صَلُّوْا عَلَی الْحَبِیْب صَلَّی اللہُ عَلٰی مُحَمَّد ﴾

جانوروں سے بڑھ کر گمراہ:

یہ بات مخفی نہیں کہ ہر چیز اپنی مشابہت والی چیز کی جانب مائل ہوتی ہے لہٰذا جس کا نفس کتابت سیکھنے کے مقابلے میں موچی کا کام سیکھنے کی جانب مائل ہو وہ نفس اپنی حقیقت کے اعتبار سے موچی کے مشابہ ہے۔اسی طرح جو فرشتوں کی لذّتوں کو پانے سے زیادہ جانوروں کی لذّتوں کو پانے کا خواہشمند ہو وہ یقیناً جانوروں کے مشابہ ہے۔انہی لوگوں کے بارے میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

اُولٰٓىٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ ترجمۂ کنزالایمان:وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ۔

(پ۹، الاعراف:۱۷۹)

ان لوگوں کا جانوروں سے بڑھ کر گمراہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ جانوروں میں صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ فرشتوں کے مقام کو پاسکیں لہٰذا ان کا فرشتوں کے مقام کو نہ پانا ان کے عاجز ہونے کی وجہ سے ہے جبکہ انسان میں یہ صلاحیت ہوتی ہے اور جو شخص درجۂ کمال کو حاصل کرنے پر قادر ہو اور حاصل نہ کرے تو زیادہ مناسب یہی ہے کہ اس کی مذمت کی جائے اور زیادہ بہتر یہی ہے کہ اس کی طرف گمراہی کی نسبت کی جائے۔

یہ گفتگو موضوع سے ہٹ کر تھی۔اب ہم موضوع کی جانب لوٹتے ہیں۔ چنانچہ ”لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه“ اور ”لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰه“ کے معنی بیان ہو چکے ہیں، جو شخص ان کے معانی کا مشاہدہ کرکے ان کلمات کو نہ کہے اس وقت تک اسے توکل حاصل نہیں ہو سکتا۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

آپ نے کہا کہ ”لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه“ میں دو چیزوں کی نسبت **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی جانب ہے، اگر کوئی یہ کہے ”اَلسَّمَآءَ وَالْاَرْضَ خَلَقَ اللّٰهُ یعنی زمین و آسمان کو **اللہ** عَزَّوَجَلَّ نے پیدا فرمایا ہے“ تو کیا اس کا ثواب بھی ”لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه“ کے برابر ہو گا؟

جواب: ہرگز نہیں کیونکہ ہر چیز کا ثواب اس کے درجہ کے مطابق ملتا ہے اور ان دونوں کے درجوں میں کوئی برابری نہیں، بظاہر زمین و آسمان بڑے ہیں اور ”حَوْلْ“ اور ”قُوَّةْ“ چھوٹے ہیں اگرچہ انہیں مجازاً چھوٹا کہہ سکتے ہیں لیکن کسی چیز کا بڑا ہونا ظاہری جسم سے نہیں ہوتا کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ زمین و آسمان انسان

نے نہیں بنائے بلکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے بنائے ہیں جبکہ ”حَوْل“ اور ”قُوَّۃ“ کا معاملہ ہلاکت میں ڈالنے والا اور خطرناک ہے اسی لئے اسے معتزلہ، فلاسفہ اور وہ لوگ بھی نہیں سمجھ سکے جو ایسے تیز تھے کہ نظر کی تیزی سے بال کی کھال اُتار لیا کرتے اور انہوں نے بڑے باریک بین ہونے کا دعویٰ کیا۔ غافل لوگ اسے سمجھنے میں ہلاک ہوگئے کہ انہوں نے اس اَمر کی نسبت اپنی جانب کی جو کہ توحید میں غیر کو شریک کرنے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے علاوہ دوسرے کو خالق بنانے کے زُمرے میں آتا ہے۔

جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی توفیق سے اس گھاٹی کو عبور کرے گا اس کا رتبہ بلند اور درجہ بڑا ہو گا اور ایسا وہی کرے گا جو ”لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ“ کی تصدیق کرے۔ ہم نے ماقبل توحید کے بیان میں دو گھاٹیوں کا ذکر کیا ہے: **ایک** زمین وآسمان، چاند وسورج، ستارے، بادل وبارش اور بے جان چیزوں کی جانب توجّہ کرنا۔ **دوسرا** جاندار کے اختیار کی جانب توجّہ کرنا۔ یہ گھاٹی دونوں سے زیادہ بڑی اور خطرناک ہے، ان دونوں کو طے کر کے ہی بندہ توحید کے بلند درجہ پر پہنچ سکتا ہے، اسی وجہ سے ”لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ“ کا ثواب بہت زیادہ ہے یعنی اس کلمہ کے مفہوم کے مشاہدے کا ثواب بہت زیادہ ہے۔

اب توکل کی کیفیت کا مطلب یہ ہوا کہ حرکت اور طاقت سے دستبردار ہو کر اللہ عَزَّوَجَلَّ پر بھروسا کرنا۔ اِنْ شَآءَ اللہ اس کی وضاحت اس وقت ہوگی جب ہم توکل کے اعمال کا ذکر کریں گے۔

دوسری فصل: توکل کی کیفیت کے متعلق اقوالِ بزرگانِ دین

درج ذیل اقوال سے مذکورہ تفصیل واضح ہو جائے گی نیز ہر قول کسی نہ کسی بات کی جانب اشارہ ضرور کرے گا۔

﴿1﴾... حضرت سیِّدُنا ابو موسیٰ دَیبُلی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سیِّدُنا ابو یزید بسطامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی سے پوچھا: ”توکُّل کیا ہے؟“ فرمایا: ”تم کیا کہتے ہو؟“ میں نے کہا: ”بزرگوں نے یہ فرمایا ہے کہ اگر تمہارے دائیں بائیں درندے اور سانپ ہوں تو بھی تمہارے باطن میں کوئی تبدیلی نہ آئے۔“ حضرت سیِّدُنا ابو یزید بسطامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی نے فرمایا: ”یہ بات ٹھیک ہے لیکن اگر تم نے جنّت میں جنّتیوں کو نعمتیں ملنے اور جہنّم میں جہنمیوں کو عذاب ملنے میں سے کسی ایک بات کو پسند کیا تو تم توکل کرنے والے نہ رہو گے۔“

حضرت سیِّدُنا ابو موسیٰ دَیبُلی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی نے جو کچھ فرمایا وہ توکل کا بلند ترین درجہ ہے یعنی تیسرا

درجہ ہے جبکہ حضرت سیِّدُنا ابو یزید بسطامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی نے جو کچھ فرمایا وہ توکل کی جڑ یعنی علم کی بلند ترین قسم ہے کہ حکمتِ الٰہیہ کو جانا جائے یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جو فیصلہ فرمادیا وہ ضرور ہو گا۔ پس عَدْل اور فَضْل کی جانب دیکھتے ہوئے جہنمیوں اور جنّتیوں میں سے کسی ایک کو پسند نہ کیا جائے۔ یہ علم کی پیچیدہ قسم ہے اور اس کے بعد تقدیر کے پوشیدہ راز ہیں۔ حضرت سیِّدُنا ابو یزید بسطامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی جب بھی گفتگو فرمایا کرتے تو اعلیٰ پائے اور بلند درجہ کی گفتگو فرماتے۔

موذی جانوروں سے بچنا بھی بھروسا کرنا ہے:

سانپوں سے احتیاط نہ کرنا توکل کے پہلے درجہ کے لئے شرط نہیں ہے اور جہاں تک امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کا غار ثور میں سانپوں کے آنے کے تمام راستے بند کرنے کی بات ہے[1] تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے پاؤں سے سوراخ بند کئے لیکن آپ کے دل میں ذرا بھی تبدیلی نہ آئی یا اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی محبت میں ایسا کیا نہ کہ اپنی ذات کی وجہ سے اور توکل تو اس وقت جاتا جب ان کے دل میں ایسی بات کی وجہ سے تبدیلی آتی جس کا تعلق خود ان کی ذات سے ہوتا۔ اس کے اور بھی جواب ہو سکتے ہیں۔

اس طرح کی کئی مثالیں اور بھی آئیں گی جو کہ توکل کے خلاف نہیں کیونکہ سانپ سے دل میں حرکت یعنی خوف پیدا ہوتا ہے اور "مُتَوَکِّل" کو حق حاصل ہے کہ وہ سانپوں سے ڈرے کیونکہ سانپوں کو بھی حرکت اور طاقت اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جانب سے ہے، اگر وہ بچتا ہے تو اپنی حرکت وطاقت اور کوشش پر بھروسا کرنے والا نہیں بلکہ حرکت وطاقت اور کوشش کے پیدا کرنے والے اللہ عَزَّوَجَلَّ پر بھروسا کرنے والا ہے۔

﴿2﴾... حضرت سیِّدُنا ذوالنُّون مصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی سے کسی نے توکل کے متعلق پوچھا تو فرمایا: لوگوں کو چھوڑ دینا اور اسباب ختم کر دینا۔

لوگوں کو چھوڑنے سے مراد ایک اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جانب اشارہ ہے جبکہ اسباب ختم کرنے سے مراد عمل پر بھروسا نہ کرنا ہے، اس میں کیفیت کی وضاحت نہیں ہے اگرچہ الفاظ میں ضمناً اس کی وضاحت ہے۔

---

[1]...شرح اصول اعتقاد اهل السنة والجماعة للالکائی، باب جماع فضائل الصحابة، ۲/ ۱۰۹۶، حدیث: ۲۴۲۷

پھر پوچھا گیا: ”کچھ اور بھی بتایئے۔“ فرمایا: ”بندگی میں نفس کو مشغول رکھنا اور رَبُوبِیَّت کے دعویٰ سے نفس کو بچانا۔“

یہ قول اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ کسی بھی قسم کی حرکت اور طاقت پر بھروسا نہ کرنا توکل ہے۔

حکایت: دانق اور 10 ہزار درہم

﴿3﴾... حضرت سیِّدُنا حمدون قصَّار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَفَّار سے کسی نے توکل کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: اگر تمہارے پاس دس ہزار درہم ہوں اور تم پر ایک دانق (یعنی درہم کا چھٹا حصہ) قرض ہو تو بے فکر نہ ہونا کہ موت آجائے گی اور تمہارے ذمہ قرض باقی رہ جائے گا اور اگر تم پر دس ہزار درہم قرضہ ہو اور مرتے وقت ادائیگی کے لئے کچھ نہ چھوڑا ہو تو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے مایوس نہ ہونا کیونکہ وہ تمہارے قرض کی ادائیگی کا بندوبست فرما دے گا۔

یہ قول اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قدرت کاملہ پر ایمان لانا اور ظاہری اسباب کے علاوہ پوشیدہ اسباب پر بھی ایمان لانا توکل ہے۔

رب تعالیٰ پر ایسا توکل کہ انسان خود کو بھلا دے:

﴿4﴾... حضرت سیِّدُنا عبد اللہ قرشی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی سے کسی نے توکل کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: ہر حالت میں اللہ عَزَّوَجَلَّ سے تعلق قائم رکھو۔ عرض کی گئی: کچھ اور بتایئے! فرمایا: جو سبب کسی دوسرے سبب تک لے جائے اسے چھوڑ دو یہاں تک کہ بھروسا ہو جائے کہ تمام کاموں کو سنبھالنے والا اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی ہے۔

پہلا قول توکل کے تینوں درجوں کی جانب اشارہ کرتا ہے جبکہ دوسرا قول صرف تیسرے درجہ کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ یہ حضرت سیِّدُنا ابراہیم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے توکل کی طرح ہے جب حضرت سیِّدُنا جبریل امین عَلَیْہِ السَّلَام نے آپ عَلَیْہِ السَّلَام سے (آگ میں ڈالے جاتے وقت) عرض کی: ”کیا آپ کو کوئی حاجت ہے؟“ ارشاد فرمایا: ”ہے لیکن تم سے نہیں۔“[1]

کیونکہ اگر حضرت سیِّدُنا ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام حاجت ظاہر فرماتے تو یہ ایسا سبب تھا جو دوسرے سبب تک

1... حلیۃ الاولیاء، مقدمۃ المصنف، ۱/ ۵۲، حدیث: ۳۹

لے جاتا یعنی حضرت سیِّدُنا جبریل امین عَلَیْہِ السَّلَام انہیں آگ میں ڈالے جانے سے بچا لیتے لہٰذا آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے حضرت جبریل عَلَیْہِ السَّلَام پر بھروسانہ کیا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کاموں کو سنوارنے والا ہے اگر وہ چاہے گا تو حضرت جبریل عَلَیْہِ السَّلَام کو اس کام کے لئے مامور کر دے گا۔ یہ وہی کیفیت ہے جو حیران ہو جانے والے شخص کی ہوتی ہے کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ پر توکل کے معاملہ میں اپنے آپ کو بھی بھول جاتا ہے اور دوسری جانب توجّہ بالکل نہیں کرتا۔ یہ کیفیت بہت کم پائی جاتی ہے اگر پائی بھی جائے تو زیادہ دیر اس کا رہنا بہت مشکل ہے۔

﴿5﴾... حضرت سیِّدُنا ابو سعید خرّاز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الرَّزَّاق فرماتے ہیں: بغیر سکون کے بے چینی اور بغیر بے چینی کے سکون کا نام توکل ہے۔

یہ قول دوسرے درجہ کی جانب اشارہ کرتا ہے کہ بغیر بے چینی کے سکون سے مراد وکیل پر اعتماد اور دلی اطمینان ہے اور بغیر سکون کے بے چینی سے مراد وکیل سے فریاد کرنا ہے اور اس کے سامنے گڑگڑانا ہے جیسے بچّہ اپنی ماں کے سامنے گڑگڑاتا ہے کیونکہ اسے دلی سکون کامل شفقت ملنے پر ہی حاصل ہوتا ہے۔

﴿6﴾... حضرت سیِّدُنا ابو علی دقّاق عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الرَّزَّاق فرماتے ہیں کہ توکل کے تین درجے ہیں: (۱)... بھروسا کرنا پھر (۲)... تسلیم کرنا اور اس کے بعد (۳)... سپرد کرنا۔ پہلے درجے والا رزق دیئے جانے کے وعدہ پر خاموش ہو جاتا ہے، دوسرے درجے والا وعدہ کو تسلیم کرتا ہے جبکہ تیسرے درجے والا اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فیصلہ پر راضی رہتا ہے۔

اس قول سے اس طرف اشارہ ہے کہ جس پر توکل کیا جاتا ہے اس کے مختلف درجے ہیں، علم سب درجوں کی بنیاد ہے اس کے بعد وعدہ اور پھر فیصلہ نافذ ہوتا ہے۔ ”مُتَوَکِّل“ کے دل پر کسی نہ کسی حالت کا موجود رہنا مشکل بھی نہیں ہے۔ توکل کے بارے میں بزرگانِ دین رَحِمَہُمُ اللّٰہُ الْمُبِیْن کے اور بھی کئی اقوال ہیں لیکن ہم انہیں ذکر نہیں کریں گے کیونکہ اقوال کے مقابلہ میں کشف زیادہ فائدہ مند ہے۔ یہ سب وضاحت توکل کی کیفیت کے بارے میں ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے لطف و کرم سے توکل کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿ صَلُّوْا عَلَی الْحَبِیْب صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّد ﴾

تیسری فصل:

مُتَوَکِّلِیْن کے اعمال

علم سے کیفیت پیدا ہوتی ہے جس سے عمل کا فائدہ حاصل ہوتا ہے جبکہ یہ گمان کرنا کہ توکل جسمانی کوشش کو چھوڑ دینے اوراس کا حل تلاش نہ کرنے، زمین پر کپڑے کی کترنوں کی طرح گرے رہنے اور گوشت کے لوتھڑے کی طرح پڑے رہنے کا نام ہے تو یہ جاہلوں کا گمان ہے جو کہ شرعاً حرام ہے کیونکہ شریعت نے متوکلین کی تعریف فرمائی ہے اور ناجائز کام اختیار کرکے کوئی کس طرح بلند دینی مقام پر فائز ہو سکتا ہے اسی لئے اب ہم اس کی وضاحت کریں گے۔

انسان کے عمومی چار مقاصد

توکل کا اثر اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب بندہ اپنے علم کے مطابق مقصد کو پانے کے لئے کوشش اور حرکت کرے کیونکہ بندہ اپنی کوشش پر اختیار رکھتا ہے اور یہ کوشش کبھی فائدہ حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے جو ابھی حاصل نہیں جیسے مال کمانا اور کبھی موجودہ فائدے کو محفوظ کرنے کے لئے ہوتی ہے جیسے ذخیرہ اندوزی اور کبھی آئندہ آنے والے نقصان کو دور کرنے کے لئے ہوتی ہے جیسے حملہ آور، چور یا کسی درندے کو بھگانا اور کبھی موجودہ نقصان دہ چیز کو دور کرنے کے لئے ہوتی ہے جیسے دوائی کے ذریعہ مرض دور کرنا۔ بندے کی حرکت کا مقصد (عموماً) یہی چار باتیں ہوتی ہیں یعنی فائدہ حاصل کرنا یا فائدہ کی حفاظت کرنا یا نقصان دہ چیز کا خوف دور کرنا یا نقصان دہ چیز دور کرنا۔ اب ہم دلائلِ شَرْعِیَّہ سے یہ ثابت کریں گے کہ ان میں سے ہر بات کا تعلق توکل کے درجات اور شرائط کے ساتھ ہے۔

پہلا مقصد:

فائدہ حاصل کرنا

جن اسباب سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے ان کے تین درجات ہیں۔

اسباب کے تین درجات:

(۱)...یقینی (۲)...ظَنّی جن پر اعتماد ہو اور (۳)...خیالی جو نہ پختہ ہوں نہ ان پر دل مطمئن ہو۔

...**یقینی اسباب:** یہ ان اسباب کی طرح ہیں جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حکم سے چیزوں کے ساتھ قائم ہو چکے ہیں اور

ان سے جدا نہیں ہوں گے۔ مثلاً تمہارے سامنے کھانا رکھا ہو، تم بھوکے ہو اور تمہیں اس کی ضرورت ہو لیکن تم اپنا ہاتھ اس کی طرف نہ بڑھاؤ اور یوں کہو: ”میں توکل کرتا ہوں۔“ (اور وجہ یہ بتاؤ کہ) توکل کی شرط کوشش نہ کرنا ہے جبکہ کھانے کی جانب ہاتھ بڑھانا، اسے دانتوں سے چبانا اور اوپر نیچے کے جبڑوں کے ذریعہ نگل لینا کوشش اور حرکت کرنا ہے جو کہ توکل کی شرط کے خلاف ہے، یہ سراسر پاگل پَن ہے جس کا توکل سے کوئی تعلق نہیں۔

وسوسہ اور اس کا علاج:

اگر تم اس بات کا انتظار کرتے ہو اور تمہارا خیال ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ بغیر روٹی کے تمہاری بھوک مٹادے گا یا روٹی میں حرکت پیدا کردے گا اور وہ خود تمہاری طرف آئے گی یا کسی فرشتہ کو پابند کردے گا اور وہ روٹی چبا کر تمہارے پیٹ میں پہنچادے گا تو تم اللہ عَزَّوَجَلَّ کے طریقہ کار کو نہ سمجھ سکے۔ یہ اسی طرح ہے کہ تم زمین کاشت نہ کرو اور یہ امید باندھو کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ بغیر بیج کے فصل تیار کردے گا یا یہ امید باندھو کہ بیوی سے ہم بستری کے بغیر اولاد پیدا کردے گا جیسے (کنواری) حضرت سیِّدَتُنا بی بی مریم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے حضرت سیِّدُنا عیسٰی عَلَیْہِ السَّلَام کی ولادت ہوئی۔ ایسی امیدیں باندھنا پاگل پَن ہے، اس طرح کی مثالیں بے شمار ہیں، اس وسوسے کا علاج عمل کے بجائے علم اور کیفیت کے ذریعہ ہوسکتا ہے۔

علم کے ذریعہ اس طرح کہ تم یہ جان لو کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے کھانے کو پیدا کیا، ہاتھوں کو پیدا کیا، دانتوں کو پیدا کیا اور حرکت کرنے کی طاقت کو پیدا کیا اور وہی ہے جو تمہیں کھلاتا اور پلاتا ہے۔

کیفیت کے ذریعہ اس طرح کہ تمہارے دل کا سکون اور اعتماد اللہ عَزَّوَجَلَّ کے افعال پر ہو نہ کہ ہاتھوں اور کھانے پر۔ تم اپنے ہاتھوں پر اعتماد کر بھی کیسے سکتے ہو کہ ہاتھ کبھی کبھار فالج زدہ ہوجاتے ہیں اور سوکھ جاتے ہیں، یونہی تم اپنی طاقت پر بھی کیسے اعتماد کرسکتے ہو کہ کبھی تمہاری ایسی حالت ہوجاتی ہے جس سے تمہاری عقل چلی جاتی ہے اور تمہاری حرکت کرنے کی طاقت ختم ہوجاتی ہے، اسی طرح تم کھانا سامنے موجود ہونے پر بھی کیسے بھروسا کرسکتے ہو کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کبھی تم پر تمہارے طاقتور دشمن کو مُسَلَّط کردیتا ہے یا سانپ بھیج دیتا ہے اور تم گھبرا کر وہاں سے بھاگ جاتے ہو اور کھانا نہیں کھاپاتے، اسی طرح کی اور بھی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں جن کا صرف ایک ہی علاج ہے اور وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فضل ہے، تمہیں اسی پر خوش ہونا چاہئے اور اسی

پر بھروسا کرنا چاہئے۔ جب بندے کا علم اور حال اس طرح ہو جائے تو اسے چاہئے کہ کھانے کی طرف ہاتھ بڑھالے کہ اب وہ توکل کرنے والا ہے۔

... **ظنی اسباب:** (اسباب کا دوسرا درجہ) وہ اسباب ہیں جو یقینی نہ ہوں لیکن غالب گمان یہی ہو کہ چیزیں ان کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتیں اور چیزوں کا ان کے بغیر پایا جانا بہت مشکل ہے۔ مثلاً کوئی شخص شہروں اور قافلوں سے جُدا ہو کر سُنسان راہوں پر سفر کرے جن پر کبھی کبھار ہی کوئی آتا ہے تو اگر اس کا سفر بغیر زادِ راہ کے ہو تو یہ توکل نہیں ہے کیونکہ بزرگانِ دین رَحِمَهُمُ اللّٰهُ الْمُبِیْن کا طریقہ یہ رہا ہے کہ ایسے راستوں پر زادِ راہ لے کر سفر کرتے اور توکل بھی باقی رہتا کیونکہ ان کا اعتماد زادِ راہ پر نہیں بلکہ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے فضل پر ہوتا۔ اگرچہ زادِ راہ کے بغیر سفر کرنا بھی جائز ہے لیکن یہ توکل کا بلند ترین درجہ ہے اور اسی مرتبہ پر فائز ہونے کی وجہ سے حضرت سیِّدُنا ابراہیم خوّاص رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْه کا سفر بغیر زادِ راہ کے ہوتا تھا۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

سُنسان راہوں میں بغیر زادِ راہ کے سفر کرنا تو ہلاکت کی کوشش کرنا ہے (اور خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے)؟

جواب: اس کے حرام نہ ہونے کی دو شرطیں ہیں: **ایک شرط** یہ کہ آدمی مجاہدہ کرکے اپنے نفس کو ہفتہ یا کچھ دن بغیر کھائے رہنے کا عادی بنالے کہ نہ دل میں پریشانی ہو نہ کوئی خیال آئے اور نہ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے ذکر میں کوئی مشکل ہو۔ **دوسری شرط** یہ ہے کہ گھاس یا کوئی معمولی چیز کھا کر بدن کو طاقت پہنچانے کا عادی بنالے۔ ان دونوں شرطوں کے بعد اسے بآسانی ہر ہفتہ راستہ میں کوئی نہ کوئی آدمی مل جائے گا یا کسی گاؤں یا بستی تک پہنچ جائے گا یا کوئی ایسی گھاس مل جائے گی جس پر گزارا ہو جائے اور نفس کے ساتھ مجاہدہ کی بدولت زندہ رہے۔

سوئی، قینچی، ڈول اور رسی:

مجاہدہ توکل کا ستون ہے اور اسی پر حضرت سیِّدُنا ابراہیم خوّاص رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْه جیسے متوکلین بھروسا کرتے تھے، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت سیِّدُنا ابراہیم خوّاص رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْه اپنے ساتھ سفر میں ہمیشہ سوئی، قینچی، ڈول اور رسی رکھا کرتے تھے اور فرماتے: "یہ چیزیں توکل کو برباد نہیں کرتیں۔" کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ پانی جنگلوں میں زمین کی سطح پر نہیں ہوتا اور ڈول اور رسی کے بغیر کنویں کا پانی خود ہی اوپر نہیں

آتا نیز جنگلوں میں بآسانی ڈول اور رسی نہیں ملتے جس طرح بآسانی گھاس مل جاتی ہے اور پانی کی ضرورت وضو کے لئے دن میں کئی مرتبہ پڑتی ہے جبکہ پینے کے لئے ایک یا دو دن میں ایک مرتبہ ضرور پڑتی ہے کیونکہ مسافر چلنے کی حرارت کی وجہ سے پیاس برداشت نہیں کر سکتا اگرچہ بھوک برداشت کر سکتا ہے، ایسے ہی ایک کپڑا پہنا ہوتا ہے جو کبھی پھٹ جاتا ہے اور سَتْر ظاہر ہو جاتا ہے اور ہر نماز کے وقت قینچی اور سوئی بآسانی نہیں ملتی اور نہ ہی کوئی اور چیز سینے اور کاٹنے کے لئے ملتی ہے۔

ہر وہ چیز جو ان چاروں کی طرح ہو اس کا تعلق دوسرے درجہ سے ہو گا کیونکہ یہ سب چیزیں یقینی نہیں ظنی ہیں کہ ممکن ہے کپڑا نہ پھٹے یا کوئی انسان دوسرا کپڑا دے دے یا کنویں کے قریب کوئی پانی پلانے والا مل جائے لیکن یہ ممکن نہیں کہ کھانا خود حرکت کر کے اس کے منہ میں پہنچ جائے۔ دونوں درجات میں فرق ظاہر ہو گیا ہے لیکن توکل کے معاملہ میں دوسرا درجہ پہلے درجے کی طرح ہے۔ اسی وجہ سے ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی گھاٹی میں چلا جائے اور "مُتَوَکِّل" بن کر بیٹھ جائے جہاں نہ پانی ہو نہ گھاس ہو اور نہ کسی کا گزر ہوتا ہو تو ایسا شخص گناہ گار ہو گا کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے والا ہے۔

حکایت: لوگوں کے ذریعے رزق پہنچانا اللہ عَزَّوَجَلَّ کو پسند ہے

مروی ہے کہ ایک زاہد آبادی سے کنارہ کشی کر کے پہاڑ کے دامن میں بیٹھ گیا اور کہنے لگا: "جب تک اللہ عَزَّوَجَلَّ مجھے میرا رزق نہ دے گا میں کسی سے کچھ نہیں مانگوں گا۔" ایک ہفتہ گزر گیا اور رزق نہ آیا، جب مرنے کے قریب ہو گیا تو بارگاہِ الٰہی میں عرض گزار ہوا: "اے میرے رب عَزَّوَجَلَّ! تو نے مجھے پیدا کیا ہے لہٰذا میری تقدیر میں لکھا ہوا رزق مجھے عطا کر دے ورنہ میری روح قبض کر لے۔" غیب سے آواز آئی: "میرے عزت و جلال کی قسم! میں تجھے رزق نہیں دوں گا یہاں تک کہ تو آبادی میں جائے اور لوگوں کے درمیان بیٹھے۔" زاہد آبادی میں گیا اور بیٹھ گیا، کوئی کھانا لے کر آیا تو کوئی پانی لایا، زاہد نے خوب کھایا اور پیا لیکن دل میں شک پیدا ہو گیا تو غیب سے آواز آئی: "کیا تو اپنے دنیاوی زُہد سے میرا طریقہ بدل دینا چاہتا ہے، کیا تو نہیں جانتا کہ اپنے دست قدرت سے لوگوں کو رزق دینے کے بجائے مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ لوگوں کے ہاتھوں سے لوگوں تک رزق پہنچاؤں۔"

اسباب سے دور رہنا اللہ عَزَّوَجَلَّ کے طریقے کو نہ جاننا اور اس کی حکمت کی خلاف ورزی ہے، بھروسا اسباب کے بجائے اس کی ذات پر ہو اور پھر اس کے طریقے کے مطابق عمل کیا جائے تو یہ توکل کے خلاف نہیں ہے جیسے مقدمہ کے وکیل کی مثال پیچھے گزری ہے۔ اسباب کی دو قسمیں ہیں: (۱) ظاہری اور (۲) مخفی۔ توکل کے معنی یہ ہوئے کہ انسان ظاہری اسباب سے جدا ہو کر مخفی اسباب اختیار کرے لیکن دلی اطمینان اسباب پیدا کرنے والے پر ہو نہ کہ اسباب پر۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

کسی شخص کا محنت مزدوری کے بغیر کسی شہر میں سکونت اختیار کرنا کیسا ہے حرام، مستحب یا مباح؟

جواب: یہ حرام نہیں ہے کیونکہ جب جنگلوں میں سفر کرنے والا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے والا نہیں ہوا تو یہ شخص کس طرح ہلاکت میں ڈالنے والا ہوگا کہ اس فعل کو حرام کہا جائے؟ یہ ناممکن بھی نہیں کہ رزق اس کے پاس وہاں سے آئے جہاں سے اس کا وہم و گمان بھی نہ ہو البتہ کچھ دیر لگ سکتی ہے جس پر صبر کرنا آسان ہے۔ لیکن اگر اس نے گھر کا دروازہ بند رکھا تا کہ کوئی اس تک نہ پہنچ سکے تو ایسا کرنا حرام ہے اور اگر گھر کا دروازہ کھلا ہے اور فارغ بیٹھا ہے کہ عبادت میں مشغول بھی نہیں تو اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ باہر نکلے اور مال کمائے اگر ایسا نہ کیا تو بھی حرام نہیں ہے لیکن مرنے کے قریب ہو جائے تو اس پر لازم ہے کہ باہر نکلے اور کسی سے کچھ مانگے یا مال کمائے اور اگر اس کا دل عبادت میں یوں مشغول ہو کہ نہ تو لوگوں کی جانب توجّہ کرے نہ ہی اس بات کی جانب توجّہ کرے کہ کوئی دروازے سے آئے اور اس کا رزق دے جائے بلکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے لو لگا کر رکھے اور عبادت میں مشغول رہے تو یہ عمل افضل ہے کیونکہ یہ توکل کا ایک درجہ ہے کہ بندہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت میں مشغول ہو جائے اور رزق کا انتظام نہ کرے۔ ایسی صورت میں رزق یقیناً اس کے پاس آئے گا اور اسی وجہ سے اہلِ علم فرماتے ہیں: اگر بندہ اپنے رزق سے بھاگے تو رزق اس کو ڈھونڈ لیتا ہے جس طرح موت سے بھاگے تو موت اسے پا لیتی ہے اور اگر بندہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دعا کرے کہ اسے رزق نہ دیا جائے تو اس کی دعا قبول نہیں کی جاتی اور وہ گناہ گار ہوا اسے فرمایا جاتا ہے: ”اے جاہل! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں تجھے پیدا کروں اور رزق نہ دوں؟“

دو چیزوں پر سب کا اِتّفاق ہے:

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں: لوگوں نے رزق اور موت کے علاوہ ہر چیز میں اختلاف کیا ہے لیکن اس پر سب متفق ہیں کہ رزق اور موت دینے والا اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا کوئی نہیں۔

دعا کا اثر:

حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اگر تم اللہ عَزَّوَجَلَّ پر اس طرح توکل کرو جیسا توکل کا حق ہے تو وہ تمہیں ضرور رزق عطا کرے گا جیسا کہ پرندے کو عطا کرتا ہے کہ وہ صبح خالی پیٹ نکلتا ہے اور شام کو سیر ہو کر لوٹتا ہے۔[1] اور تمہاری دعا سے پہاڑ ہل جائیں۔[2]

ہر جاندار کو رزق ملتا ہے:

حضرت سیِّدُنا عیسٰی عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے فرمایا: پرندے کی طرف دیکھو، کاشت کاری کرتا ہے نہ فصل کاٹتا ہے اور نہ ذخیرہ کرتا ہے لیکن اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے ہر دن رزق عطا کرتا ہے۔ اگر تم یہ کہو کہ ہمارے پیٹ بڑے ہیں تو جانوروں کو دیکھو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے کس طرح اس مخلوق کے بڑے پیٹ کے لئے رزق مقرّر کر دیا ہے۔[3]

مُتَوَکِّل مشقت نہیں اٹھاتا:

حضرت سیِّدُنا ابو یعقوب سوسی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: توکل کرنے والوں کے رزق لوگوں کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں اور انہیں محنت نہیں کرنی پڑتی جبکہ عام لوگ مصروف رہتے ہیں اور مَشَقَّت اُٹھاتے ہیں۔

رزق ملنے کے مختلف انداز:

ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے رزق سب کو ملتا ہے لیکن کسی کو

---

1. ...سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب التوکل والیقین، ۴/ ۴۵۲، حدیث: ۴۱۶۴
2. ...نوادر الاصول للحکیم الترمذی، الاصل السادس والثلاثون والمائتان، ۲/ ۸۹۱، حدیث: ۱۱۸۴
3. ...المصنف لابن ابی شیبۃ، کتاب الزھد، کلام عیسی ابن مریم، ۸/ ۱۱۲، حدیث: ۷

ذلّت کے ساتھ ملتا ہے مثلاً کسی سے مانگ کر، کسی کو انتظار اور مشقت کے بعد ملتا ہے مثلاً تاجر، کسی کو محنت کے بعد ملتا ہے مثلاً کاریگر، کسی کو عزت کے ساتھ ملتا ہے مثلاً صوفیا کرام رَحِمَهُمُ اللهُ السَّلَام کو کہ یہ کسی صاحِبِ اقتدار کے پاس جاتے ہیں اور اس سے رزق حاصل کرتے ہیں اور واسطے کی جانب توجّہ نہیں کرتے۔

دنیا کی حرص میں انتہائی درجہ کو پہنچنے والے:

...**خیالی اسباب:** (اسباب کا تیسرا درجہ) وہ اسباب ہیں جو خیالی طور پر پیدا ہوں اور ان کا تعلق ایسی چیزوں کے ساتھ ہو جن پر اعتماد نہیں ہوتا جیسے مال کمانے کے نئے طریقے ڈھونڈنا۔ خیالی اسباب کئی طرح کے ہیں اور ہر ایک سبب بندے کو توکل کے تمام درجات سے نکال دیتا ہے۔ ہر شخص اس میں مبتلا نظر آتا ہے یعنی وہ شخص جو جائز اور نئے طریقہ کے ذریعہ مباح مال کماتا ہے اور وہ شخص بھی جو مُشْتَبَہ مال لے یا مشتبہ طریقہ اختیار کرکے مال کمائے۔ یہ لوگ دنیا کی حرص میں انتہائی درجہ کو پہنچ چکے ہیں اور اسباب پر تکیہ کئے بیٹھے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ درجہ توکل کو بالکل ختم کر دیتا ہے، لہٰذا اس درجہ کو پہلے دونوں فائدہ مند درجوں کی مثل قرار دینا ایسا ہی ہے جیسے نقصان دہ چیزوں کو دور کرنے کے لئے جھاڑ پھونک کروانا، فال لینا اور جسم داغنا کیونکہ رسولِ اکرم صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے متوکلین کے یہ اوصاف بیان فرمائے ہیں کہ وہ ان سے بچتے ہیں اور یہ نہیں فرمایا کہ وہ کوشش نہیں کرتے یا آبادی میں نہیں رہتے یا کسی سے کوئی چیز نہیں لیتے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ متوکلین ان اسباب کو اختیار کرتے ہیں۔ جن اسباب پر بھروسا کیا جاتا ہے ان کی مثالیں بے شمار ہیں جنہیں گننا ممکن نہیں۔

حضرت سیِّدُنا سہل بن عبداللہ تُستری عَلَيْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْقَوِی فرماتے ہیں: "توکل (اللہ عَزَّوَجَلَّ پر یقین کرکے) کوشش کو چھوڑ دینے کا نام ہے۔" اور آپ فرماتے ہیں: "اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مخلوق کو پیدا فرمایا لیکن اپنے اور ان کے درمیان کوئی پردہ نہیں رکھا البتہ پردہ مخلوق کی جانب سے ہے جو کہ کوشش میں پڑے رہنا ہے۔"

شاید مذکورہ قول سے مراد غور و فکر کرکے دور والے اسباب کو چھوڑنا ہے کیونکہ انہی اسباب میں کوشش کی ضرورت ہوتی ہے، واضح اسباب میں اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ظاہر ہو گیا ہے کہ اسباب دو طرح کے

ہوتے ہیں:(۱)... وہ جنہیں اختیار کرنا توکل سے نکال دیتا ہے۔(۲)...وہ جو توکل سے نہیں نکالتے۔ان کی مزید دو قسمیں ہیں: **ایک** وہ جو یقینی ہوتے ہیں **دوسرے** وہ جو غالب گمان ہوتے ہیں۔یقینی اسباب اختیار کرکے بندہ توکل سے نہیں نکلتا بشرطیکہ توکل کی کیفیت اور علم پایا جائے۔علم سے مراد **اللہ** عَزَّوَجَلَّ پر بھروسا کرنا ہے نیز یقینی اسباب میں کیفیت اور علم کے ذریعہ توکل ہوتا ہے عمل کے ذریعہ نہیں جبکہ غالب گمان میں کیفیت، علم اور عمل تینوں کے ذریعہ توکل ہوتا ہے۔

متوکلین کے تین درجات:

اسباب کے مذکورہ تینوں درجات کے اعتبار سے متوکلین کے بھی تین درجات ہیں۔

پہلا درجہ:

اس درجہ پر حضرت سیِّدُنا ابراہیم خوّاص رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه اور ان جیسے بزرگ حضرات رَحِمَهُمُ اللهُ تَعَالٰی فائز ہیں۔یہ لوگ بغیر زادِراہ کے جنگلوں میں سفر کرتے ہیں اور **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے فضل پر بھروسا کرتے ہیں کہ وہ ہفتہ یا اس سے کچھ زائد دن صبر کرنے کی طاقت دے گا یا کچھ خوراک عطا کردے گا یا گھاس پر گزارہ کرنا آسان کردے گا اور اگر کوئی چیز نہ مل سکی تو اپنی رضا پر ثابت قدم رکھتے ہوئے موت دے دے گا کیونکہ جو زادِراہ لے کر جائے تو ممکن ہے اس کا زادِراہ گم ہو جائے یا جانور بھاگ جائے اور وہ بھوک سے مر جائے کیونکہ بھوک سے مرنا زادِراہ کی موجودگی میں اسی طرح ممکن ہے جس طرح نہ ہونے کی صورت میں ممکن تھا۔

دوسرا درجہ:

شہر یا گاؤں میں رہتے ہوئے گھر یا مسجد میں بیٹھا رہے، ایسے شخص کا درجہ اگرچہ پہلے سے کم ہے لیکن پھر بھی "مُتَوَکِّلْ" ہے کیونکہ یہ کوشش اور ظاہری اسباب چھوڑ دیتا ہے اور مخفی اسباب کے اعتبار سے اپنے معاملات میں **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے فضل پر بھروسا کرتا ہے، البتہ شہر میں رہنا رزق ملنے کا سبب ہے اور یہ فائدہ مند اسباب میں سے ہے لیکن یہ ایسا سبب ہے جو اس کے توکل کو ختم نہیں کرتا جبکہ اس کا بھروسا **اللہ** عَزَّوَجَلَّ پر ہو نہ کہ شہر والوں پر کہ اسی نے شہر والوں کو کھانا پہنچانے کا پابند کیا ہے، اگر **اللہ** عَزَّوَجَلَّ اپنے فضل سے لوگوں کو اس کی

پہچان نہ کرواتا اور انہیں خبر گیری کی توفیق نہ دیتا تو ممکن تھا کہ سب لوگ اسے بھول جاتے اور وہ مر جاتا۔

تیسرا درجہ:

گھر سے نکلے اور اس طریقے سے کام کاج کرے جو ہم نے "کسب و معاش کے آداب کے بیان" کے تیسرے اور چوتھے باب میں ذکر کیا ہے۔ اس قسم کی کوشش کرنا توکل کے خلاف نہیں جبکہ دل کے اطمینان کی وجہ اس کی شان و شوکت ہو نہ اس کا سازوسامان ہو کیونکہ بعض اوقات اللہ عَزَّوَجَلَّ انہیں ایک لمحہ میں ہلاک کر دیتا ہے بلکہ اس ذات برحق عَزَّوَجَلَّ پر بھروسا ہو جس نے ان تمام چیزوں کی حفاظت کی اور اسباب اس پر آسان کر دیئے بلکہ اپنے مال و دولت اور سامان کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قدرت کے مقابلہ میں اسی طرح دیکھے جس طرح فیصلہ کے وقت بادشاہ کے ہاتھ میں قلم کو دیکھتا ہے کہ اس کی توجہ قلم کی طرف نہیں ہوتی بلکہ بادشاہ کے دل کی جانب ہوتی ہے کہ وہ کیا حرکت کرتا ہے، کس جانب مائل ہوتا ہے اور کیا فیصلہ کرتا ہے؟

اگر وہ اپنے گھر والوں کے لئے مال کماتا ہے یا مساکین پر خرچ کرنے کے لئے مال کماتا ہے تو جسمانی طور پر کمانے والا اور دلی طور پر بے خبر ہے لیکن اس کا معاملہ گھر میں بیٹھے رہنے والے "مُتَوَکِّل" سے بہتر ہے کیونکہ مال کمانا توکل کے خلاف نہیں ہے جبکہ اس کی شرائط، توکل کی کیفیت اور علم کا لحاظ رکھا جائے۔

سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ عَنْہ کا توکل:

یہ بیان ہو چکا ہے کہ جب حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ مَسْنَدِ خلافت پر فائز ہوئے تو اگلی صبح بغل مبارک کے نیچے کپڑے کی گٹھڑی رکھی، ہاتھ میں گز پکڑا اور بازار میں داخل ہو کر مال بیچنے لگے۔ مسلمانوں نے اس بات کو ناپسند کیا اور کہا: "خلافت کی ذمہ داری کے ساتھ آپ یہ کام کس طرح کر سکتے ہیں؟" تو آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: "مجھے میرے گھر والوں سے دور نہ کرو کہ میں ان کی ذمہ داری پوری نہیں کر سکتا تو دوسروں کی بھی نہیں کر سکتا۔" چنانچہ صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے آپ کے لئے بقدرِ ضرورت خرچہ مقرر کر دیا۔ جب تمام صحابہ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان اس پر متفق ہو گئے تو آپ نے ان کی کوشش اور خوشی کو دیکھتے ہوئے اُمت مسلمہ کی بھلائی کے لئے اپنا مکمل وقت صَرف کرنا زیادہ بہتر جانا۔ یہ کہنا ناممکن ہے کہ حضرت سیِّدُنا صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ مقامِ توکل پر فائز نہ تھے حالانکہ اس مقام کا ان سے زیادہ حق دار اور کون ہو گا؟

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کا توکل کمائی اور کوشش سے کنارہ کشی والا توکل نہ تھا بلکہ اپنی طاقت اور خوشحالی پر بھروسا نہ کرنے والا توکل تھا اور جانتے تھے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کوشش کو آسان کرنے والا اور اسباب کا انتظام فرمانے والا ہے، اسی وجہ سے کمانے کی شرائط کالحاظ رکھتے یعنی بَقَدرِ حاجت پر گزارہ کرتے، زیادہ مال کی طلب رکھتے نہ اس پر فخر کرتے اور نہ مال جمع کرتے، نہ ہی اپنے پیسے کو دوسرے کے پیسے سے اچھا جانتے لہٰذا جو شخص بازار جائے اور اپنے پیسے کو دوسرے کے پیسے سے اچھا جانے تو وہ دنیا کا حریص ہے اور اس کی محبت میں ڈوبا ہوا ہے اور اس کا توکل اسی وقت ہو سکتا ہے جب زہد اختیار کرے، البتہ توکل کے بغیر زہد درست ہو سکتا ہے کیونکہ توکل کا مقام زہد کے بعد ہی آتا ہے۔

حکایت: 20 سال تک توکل چھپائے رکھا

حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْہَادِی کے شیخ حضرت سیِّدُنا ابو جعفر حدّاد عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْجَوَاد جو کہ متوکلین میں سے تھے، فرماتے ہیں: "میں نے بازار میں رہتے ہوئے 20 سال تک توکل چھپائے رکھا، میں ہر روز ایک دینار کماتا لیکن رات تک معمولی رقم بھی باقی نہ رہتی اور اپنے لئے اتنا بھی نہ بچاتا کہ حمّام جا کر غسل کر سکوں بلکہ رات ہونے سے پہلے ہی سب خرچ کر دیتا۔" آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْہَادِی کی موجودگی میں توکل کے متعلق گفتگو نہ کرتے اور فرماتے: "ان کی موجودگی میں توکل کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے مجھے حیا آتی ہے۔"

خانقاہ اور توکل:

جو شخص مال کی معلوم مقدار رکھتا ہو اس کا صوفیا کی خانقاہوں میں رہنا توکل کے خلاف ہے۔ اگر مقدار معلوم نہ ہو اور (خانقاہ پر کوئی چیز) وقف بھی نہ ہو اور پھر خادم کو باہر جا کر کچھ مانگنے کا کہے تو ایسی صورت میں اس کا توکل کمزور ہے اگرچہ اس کا توکل کیفیت اور علم کے ذریعہ مضبوط ہو سکتا ہے جس طرح کام کاج والے کا توکل مضبوط ہو سکتا ہے اور اگر کسی سے کچھ نہ مانگا اور جو کچھ لوگوں نے دیا اسی پر قناعت کی تو اس کا توکل کام کاج کرنے والے سے زیادہ مضبوط ہے لیکن اگر یہی وجہ اس کی شہرت کا سبب بن جائے تو خانقاہ اس کے لئے بازار ہو جائے گی اور وہ بازار میں داخل ہونے والے کی طرح ہو گا۔ پیچھے وضاحت ہو چکی ہے کہ بازار میں

داخل ہونے والا "مُتَوَکِّل" نہیں ہوتا جب تک شرائط نہ پائی جائیں۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

گھر میں بیٹھے رہنا افضل ہے یا باہر نکل کر کام کاج کرنا؟ **جواب:** اگر کام کاج چھوڑنے کی وجہ یہ ہو کہ ذکر و اذکار اور عبادت میں دِل جمعی رہے اور کام کاج کرنا اس راہ میں رکاوٹ بنتا ہو نیز دل اس بات کا منتظر نہ رہے کہ کوئی آئے اور کچھ دے جائے بلکہ صبر پر ثابت قدم رہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ پر بھروسا رکھے تو ایسی صورت میں گھر بیٹھے رہنا زیادہ بہتر ہے۔ اور اگر گھر میں بیٹھ کر دل پریشان ہو اور لوگوں کا منتظر ہو تو ایسی صورت میں کام کاج کرنا بہتر ہے کیونکہ لوگوں کا منتظر رہنا درحقیقت دلی طور پر ان سے مانگنا ہے جسے چھوڑ دینا کام کاج ترک کرنے سے زیادہ اہم ہے کیونکہ توکل والوں کے دل جس (دنیاوی) چیز کے منتظر ہوتے ہیں وہ اسے قبول نہیں کرتے۔

حکایت: نفس کے لئے زائد اُجرت نہ لی

ایک مرتبہ حضرت سیِّدُنا امام احمد بن حنبل عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَوَّل نے حضرت سیِّدُنا ابو بکر مَروَزِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی سے فرمایا: "فلاں فقیر کو اُجرت سے زیادہ دینا۔" لیکن فقیر نے زائد رقم واپس کر دی۔ پھر جب وہ چلا گیا تو حضرت سیِّدُنا امام احمد بن حنبل عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَوَّل نے فرمایا: "اس کے پیچھے جاؤ اور اسے زائد رقم دے دو، اب وہ قبول کر لے گا۔" چنانچہ حضرت سیِّدُنا ابو بکر رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ اس کے پیچھے گئے اور رقم دی تو اس نے لے لی۔ حضرت سیِّدُنا امام احمد بن حنبل عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَوَّل سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا: "پہلے اس کا نفس منتظر تھا، لہٰذا زائد رقم اس نے واپس لوٹا دی، جب وہ چلا گیا تو نفس کی امید ختم ہو گئی اور وہ مایوس ہو گیا، لہٰذا اس نے رقم لے لی۔"

سیِّدُنا ابراہیم خوّاص رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کا طرزِ عمل:

جب حضرت سیِّدُنا ابراہیم خوّاص رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ خود کو کسی کی عطا کی طرف راغب دیکھتے یا آپ کو ڈر ہوتا کہ نفس اس کا عادی ہو جائے گا تو اسے قبول نہ کرتے۔ کسی نے آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے پوچھا: "دورانِ سفر کوئی عجیب واقعہ پیش آیا ہو تو اسے بیان کیجئے۔" فرمایا: "میں نے حضرت سیِّدُنا خضر عَلَیْہِ السَّلَام کو دیکھا کہ وہ

میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں لیکن میں ان سے جُدا ہو گیا اور مجھے خوف ہوا کہ کہیں دل ان سے مانوس نہ ہو جائے اور میرے توکل میں کمی نہ آجائے۔“

معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص کمانے کے آداب اور اس کی نیت کی شرائط کا خیال رکھے جیسا کہ ”کسب ومعاش کے آداب کے بیان“ میں ذکر ہوا یعنی مال جمع کرے نہ اس پر اعتماد کرے اور نہ خوشحالی پر بھروسا کرے تو وہ ”مُتَوَکِّل“ کہلائے گا۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

مال اور بَقدرِ کفایت پر اعتماد نہ ہونے کی علامت کیا ہے؟ **جواب:** اس کی علامت یہ ہے کہ اگر مال چوری ہو جائے یا تجارت میں نقصان ہو جائے یا کوئی مشکل پیش آجائے تو وہ راضی رہے اور دل کا اطمینان ختم ہو نہ دل بے چین ہو بلکہ دل میں سکون ایسا ہی ہو جیسے پہلے تھا کیونکہ دل جس چیز سے مانوس نہ ہو اس کے کھونے پر بے چین نہیں ہوتا اور جس کے کھونے پر بے چین ہو اسی سے مانوس ہوتا ہے۔

حکایت: سیِّدُنا بشر حافی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کا کام کاج چھوڑ دینا

منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا بشر حافی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْکَافِی چرخہ بنا کر گزر بَسر کرتے تھے لیکن پھر یہ کام چھوڑ دیا۔ وجہ یہ بنی کہ ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے آپ کو مکتوب لکھا: ”مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ چرخہ بنا کر اپنا رزق حاصل کرتے ہیں، اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ سننے اور دیکھنے کی قوّت واپس لے لے تو آپ کیا سمجھتے ہیں کہ اب رزق کون دے گا؟“ یہ بات آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے دل میں اُتر گئی لہٰذا آپ نے آلات وغیرہ پھینک دیئے اور کام چھوڑ دیا۔ ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ جب آپ چرخہ بنانے میں مشہور ہو گئے اور لوگ آپ کے پاس آنے لگے تو آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے کام چھوڑ دیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بیوی بچوں کے فوت ہو جانے پر آپ نے یہ کام چھوڑا تھا جس طرح حضرت سیِّدُنا سفیان ثوری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی کے پاس پچاس دینار تھے اور وہ ان سے تجارت کیا کرتے تھے، جب گھر والے فوت ہو گئے تو آپ نے تمام دینار تقسیم کر دیئے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

ایک شخص یہ جانتا ہے کہ مال کے بغیر کاروبار ممکن نہیں، اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مال رکھے اور اس

سے مانوس نہ ہو؟ **جواب:** ایسا شخص اپنی ذہن سازی یوں کرے کہ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ جن لوگوں کو بغیر مال کے رزق دیتا ہے وہ بہت زیادہ ہیں، یونہی جن کے پاس مال ہے ان کا مال چوری ہو جاتا ہے یا خراب ہو جاتا ہے اور ان کی تعداد بھی زیادہ ہے، پھر یہ بات اپنے دل میں بٹھائے کہ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ جو کرتا ہے بہتر ہی کرتا ہے، اگر وہ میرا مال ہلاک کر دے تو یہ بھی میرے لئے بہتر ہو گا کیونکہ اگر ہلاک نہ کرے تو ہو سکتا ہے کہ مال کی وجہ سے میرا دین برباد ہو جائے اور ایسی صورت میں مال کا ہلاک ہونا یقیناً ربّ عَزَّوَجَلَّ کا فضل ہے نیز مال کی ہلاکت کے باعث زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا کہ میں بھوکا مر جاؤں گا (اگر مر بھی گیا تو) میرے لئے بھوکا مَرنا اُخروی اعتبار سے بہتر ہے کیونکہ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کا یہ فیصلہ میری کسی کوتاہی کے سبب نہیں ہے۔

جب یہ تمام باتیں مذکورہ شخص کے دل میں پختہ ہو جائیں گی تو اس کے دل میں مال کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہو جائے گا۔

بندہ نہیں جانتا کہ اس کے حق میں کیا بہتر ہے:

روایت میں ہے کہ "بندہ رات میں ایسے تجارتی معاملہ پر غور کرتا ہے کہ اگر اسے کَر گزرے تو نقصان اٹھائے، **اللہ** عَزَّوَجَلَّ اس کی جانب نظر فرماتا ہے اور اسے اس کام سے روک دیتا ہے لہٰذا وہ صبح رنجیدہ اور غمگین ہوتا ہے اور اپنے چچازاد یا پڑوسی کی نحوست سمجھتا ہے کہ کون میرے آگے آیا؟ کس نے مجھ پر مصیبت ڈال دی؟ حالانکہ یہ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی اس پر رحمت ہے۔"[1]

اسی وجہ سے امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: "مجھے اس سے کچھ غرض نہیں کہ میری صبح مالداری میں ہو یا غربت میں کیونکہ میں نہیں جانتا کہ ان دونوں میں سے کیا میرے حق میں بہتر ہے۔"

جسے مذکورہ معاملات پر کامل یقین نہ ہو وہ توکل نہیں کر سکتا۔ چنانچہ حضرت سیِّدُنا ابو سلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی نے اپنے شاگرد حضرت سیِّدُنا احمد بن ابو حواری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَالِی سے فرمایا: "اس بابرکت توکل کے علاوہ مجھے ہر مقام سے کچھ حصہ ضرور ملا ہے لیکن میں اس مقام کی بُو بھی نہ پا سکا۔" یہ آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کی عاجزی ہے کیونکہ آپ بلند مرتبہ پر فائز تھے نیز اس سے یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے ہر درجہ کی نفی کی

---

1 ...حلیۃ الاولیاء، شعبۃ بن الحجاج، ۷/ ۲۴۴، حدیث: ۱۰۳۶۴، بتغیر قلیل

ہو کیونکہ آپ نے فرمایا ہے: "میں اسے نہیں پا سکا۔" ممکن ہے یہ مراد ہو کہ توکل کا انتہائی درجہ نہ پا سکا۔

توکل کامل کب ہوگا؟

جب تک بندے کا ایمان یوں کامل نہ ہو کہ "اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی فاعل حقیقی ہے اور وہی رازق ہے اور اس نے فقر وغنا، موت وزندگی میں سے جو تقدیر میں لکھ دیا وہی بندے کی تمنا سے بہتر ہے۔" تب تک اس کا توکل بھی کامل نہ ہوگا کہ ان تمام معاملات پر کامل ایمان ہونا ہی توکل کی بنیاد ہے جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ اسی طرح ہر دینی بات اور ہر دینی عمل کی بنیاد بھی ایمان ہے، مختصر یہ کہ توکل ایک مفہومی درجہ ہے جو دل کی قوت اور یقین کی قوت کو چاہتا ہے۔ چنانچہ حضرت سیِّدُنا سہل بن عبد اللہ تُستری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: جس نے کام کاج کرنے پر اعتراض کیا وہ سنّت (یعنی طریقہ الٰہی) کو سمجھ نہ سکا اور جس نے کام کاج چھوڑنے پر اعتراض کیا وہ توحید کو سمجھ نہ سکا۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

کیا کوئی ایسی فائدہ مند دوا ہے جس سے دل ظاہری اسباب پر اعتماد نہ کرے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ پر یہ اچھا گمان مضبوط ہو جائے کہ وہی مخفی اسباب کو آسان کرنے والا ہے؟ **جواب:** دوا یہ ہے کہ تم یہ بات سمجھ جاؤ کہ برا گمان شیطان کی جانب سے ہے اور اچھا گمان اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جانب سے ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ یَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَ اللّٰهُ یَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَ فَضْلًا ؕ

ترجمۂ کنزالایمان: شیطان تمہیں اندیشہ دلاتا ہے محتاجی کا اور حکم دیتا ہے بے حیائی کا اور اللہ تم سے وعدہ فرماتا ہے بخشش اور فضل کا۔

(پ۳، البقرۃ: ۲۶۸)

انسان طبعی طور پر شیطانی اندیشہ سن کر اس میں پھنس جاتا ہے، محاورہ ہے کہ "اَلشَّفِیْقُ بِسُوْءِ الظَّنِّ مُوْلَعٌ یعنی ہمدرد بُرے گمان میں پھنس کر رہ جاتا ہے" لہٰذا جب انسان بُزدل ہو جائے اور اس کا دل کمزور ہو جائے نیز ظاہری اسباب پر اعتماد کرنے والوں کو اور ان اسباب پر ابھارنے والوں کو دیکھے تو اس پر بُرا گمان غالب آجاتا ہے اور یوں توکل مکمل طور پر چلا جاتا ہے بلکہ مخفی اسباب کے ذریعہ ملنے والے رزق کی جانب توجّہ کرنا بھی توکل کو ختم کر دیتا ہے۔

حکایت: مُتَوَکِّل عابد اور امام مسجد

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ کسی عابد نے مسجد میں اعتکاف کیا لیکن اس کے پاس مال وغیرہ نہ تھا، مسجد کے امام نے اس سے کہا: ”اگر کوئی کام کاج کرتے تو زیادہ اچھا تھا۔“ عابد نے کوئی جواب نہ دیا۔ جب امام نے چوتھی مرتبہ یہ بات دہرائی تو اس نے کہا: ”مسجد کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا ہے اس نے مجھے روزانہ دو روٹی دینے کا وعدہ کیا ہے۔“ امام نے کہا: ”اگر اس کا وعدہ سچا ہے تو مسجد میں تمہارا ٹھہرنا بہتر ہے۔“ یہ سن کر عابد نے کہا: ”توحید کامل نہ ہونے کے باوجود تم اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے بندوں کے درمیان کھڑے ہو جاتے ہو، اگر تم امام نہ ہوتے تو یہ زیادہ بہتر تھا کیونکہ تم نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے وعدے پر یہودی کے وعدے کو ترجیح دی۔“

اسی طرح ایک امام مسجد نے کسی نمازی سے پوچھا: ”تمہارا گزر بسر کہاں سے ہوتا ہے؟“ نمازی نے جواب دیا: ”ٹھہرو! پہلے وہ نماز دہرالوں جو تمہارے پیچھے پڑھی ہے پھر جواب دیتا ہوں۔“

یہ گمان کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے فضل سے مخفی اسباب کے ذریعہ رزق عطا فرماتا ہے اسے مضبوط کرنے کے لئے یہ دوا بھی فائدہ مند ہے کہ اُن واقعات کو سنا جائے جن میں قدرت الٰہی کے عجائبات ذکر ہوں کہ وہ بندوں تک رزق کیسے پہنچاتا ہے نیز جن میں قہر خداوندی کے عجائبات ذکر ہوں کہ وہ تاجروں اور مالداروں کے اموال ہلاک کرکے انہیں کیسے بھوکا مار دیتا ہے؟

مُتَوَکِّلِیْن کی آٹھ حِکایات

حکایت: نصرانی کا قبول اسلام

﴿1﴾... حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن ادہم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم کے خادم حضرت سیِّدُنا حذیفہ مَرْعَشِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی سے کسی نے پوچھا: ”حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن ادہم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم کا کوئی عجیب واقعہ دیکھا ہو تو بیان کیجئے۔“ انہوں نے فرمایا: ہم سَفرِ مکہ میں کئی دن تک بھوکے رہے، جب کوفہ پہنچے تو ایک ویران مسجد میں ٹھہر گئے، آپ نے میری طرف دیکھ کر کہا: اے حُذَیْفَہ! میرا خیال ہے تم بھوکے ہو۔ میں نے عرض کی: آپ کا خیال درست ہے۔ آپ نے کاغذ اور دَوات منگوائی تو میں نے دونوں چیزیں حاضر کر دیں، آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی

عَلَیْہ نے لکھا: **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا، ہر حالت میں تو ہی مقصود ہے اور ہر حالت میں تو ہی مطلوب ہے، پھر یہ اشعار لکھے:

اَنَا حَامِدٌ اَنَا شَاكِرٌ اَنَا ذَاكِرٌ　　اَنَا جَائِعٌ اَنَا ضَائِعٌ اَنَا عَارِیْ

هِيَ سِتَّةٌ وَاَنَا الضَّمِيْنُ لِنِصْفِهَا　　فَكُنِ الضَّمِيْنَ لِنِصْفِهَا يَابَارِیْ

مَدْحِيْ لِغَيْرِكَ لَهَبُ نَارٍ خُضْتُهَا　　فَاَجِرْ عُبَيْدَكَ مِنْ دُخُوْلِ النَّارِ

ترجمہ: (۱) میں حمد کرنے والا ہوں، میں شکر کرنے والا ہوں، میں ذکر کرنے والا ہوں، میں بھوکا ہوں، میں پیاسا ہوں، میں برہنہ ہوں۔

(۲) اے **اللہ** عَزَّوَجَلَّ! یہ چھ باتیں ہیں، تین میرے ذِمَّہ ہیں اور تین تیرے ذِمَّہ کرم پر ہیں۔

(۳) تیرے علاوہ کسی کی تعریف کروں تو جہنم میں داخل ہو جاؤں، تو مجھ حقیر بندے کو جہنم میں داخل ہونے سے بچا۔

پھر مجھے وہ کاغذ دیتے ہوئے فرمایا: باہر جاؤ اور تمہارے دل میں **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے سوا کسی کا خیال نہ آئے اور جو شخص سب سے پہلے ملے اسے یہ کاغذ دے دینا۔ میں باہر نکلا تو ایک خَچَّر سوار ملا، میں نے وہ کاغذ اسے پکڑا دیا، اس نے پکڑا اور اسے پڑھا تو رونے لگا اور پوچھنے لگا: یہ کاغذ لکھنے والے کہاں ہیں؟ میں نے کہا: وہ فلاں مسجد میں ہیں۔ اس خچر سوار نے مجھے ایک تھیلی دی جس میں چھ سو دینار تھے۔ میں نے ایک دوسرے آدمی سے اس خچر سوار کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا: وہ نصرانی ہے۔ میں حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن ادہم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم کے پاس لوٹ آیا اور پورا قصہ سنایا تو آپ نے فرمایا: دیناروں کو مت چُھونا وہ کچھ دیر میں آئے گا۔ کچھ دیر گزری تو وہ نصرانی آیا اور جھک کر حضرت کے سر کو بوسہ دیا اور اسلام لے آیا۔

حکایت: وادی میں نکلنے پر ندامت

﴾2﴿... حضرت سیِّدُنا ابویعقوب بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مسجدِ حرام میں دس دن تک بھوکا رہا، کچھ کمزوری محسوس ہوئی تو میرے نفس نے باہر نکلنے کا مشورہ دیا لہٰذا میں ایک وادی کی طرف گیا کہ شاید وہاں کچھ مل جائے اور کمزوری دور ہو جائے۔ وہاں ایک شلجم پڑا ہوا تھا جسے اٹھایا تو دل نے کھانا گوارا نہ کیا گویا دل نے یوں کہا: ''تو 10 دن سے بھوکا تھا پھر بھی تیرے حصہ میں خراب شلجم آیا۔'' میں

نے اسے پھینک دیا اور مسجد میں آکر بیٹھ گیا۔ یکایک ایک اجنبی شخص آیا اور میرے سامنے ایک تھیلا رکھ کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا: ”یہ تھیلا آپ کے لئے ہے۔“ میں نے کہا: ”تم نے تھیلا مجھے ہی کیوں دیا؟“ اس نے کہا: ”ہم دس دن سے سمندر میں پھنسے ہوئے تھے جب جہاز ڈوبنے کے قریب ہوا تو میں نے مَنَّت مانی کہ اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مجھے بچایا تو سب سے پہلے جو (حرم شریف) کا مُجاوِر ملے گا اُس پر یہ تھیلا صدقہ کروں گا، سب سے پہلے ملنے والے آپ ہیں۔“ میں نے اس سے کہا: ”اسے کھولو۔“ اس نے کھولا تو اس میں مِصرِی حلوہ، چھلے ہوئے بادام اور بَرفی تھی۔ میں نے ہر ایک میں سے تھوڑا تھوڑا لیا اور کہا: ”میں لے چکا ہوں، باقی میری طرف سے تحفہ سمجھ کر اپنے دوستوں میں تقسیم کر دینا۔“ پھر میں نے اپنے نفس سے کہا: ”تیرا رزق دس دن سے تیری طرف آرہا تھا اور تو اسے وادی میں ڈھونڈ رہا تھا۔“

حکایت: تیرا کام لینا ہے دینا نہیں

﴿3﴾... حضرت سَیِّدُنا ممشاد دِینوری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں کہ مجھ پر کچھ قرض تھا جس کی وجہ سے میرا دل پریشان ہو گیا۔ میں نے خواب دیکھا کوئی کہہ رہا تھا: ”اے بخیل! تو نے ہمارے لئے تھوڑا سا قرضہ لیا ہے اور لے! تیرا کام لینا ہے دینا ہمارا کام ہے۔“ آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے کبھی کسی سبزی فروش اور قصاب وغیرہ سے پوچھ گچھ نہ کی۔

حکایت: مکہ مُکَرَّمَہ کا سَفَر

﴿4﴾... حضرت سَیِّدُنا بنان حَمّال رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ میں مصر سے مَکَّۃُ الْمُکَرَّمَہ کی جانب آرہا تھا اور زادِراہ میرے پاس تھا کہ ایک عورت میرے پاس آئی اور کہنے لگی: ”اے بنان! واقعی تم حَمّال (یعنی بوجھ اٹھانے والے ہو) کہ تم نے اپنی کمر پر اپنا زادِراہ اٹھایا ہوا ہے، کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ تمہیں رزق نہ دے گا؟“ آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے زادِراہ پھینک دیا۔ تین دن گزر گئے کچھ نہ کھا سکا پھر مجھے راستے میں ایک پازیب ملا تو اپنے دل میں کہا: ”میں اسے اٹھا لیتا ہوں، جب اس کا مالک آئے گا تو اسے واپس کر دوں گا شاید وہ مجھے کچھ چیز دے دے۔“ یکایک وہی عورت آئی اور کہنے لگی: ”تم تو تاجر ہو کہ پازیب کا مالک آئے گا تو کچھ نہ کچھ لے لو گے۔“ پھر اس عورت نے میری طرف چند درہم پھینکے اور کہا: ”انہیں خرچ

کرو۔" آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: "مَکَّۃُ الْمُکَرَّمَہ کے قریب پہنچنے تک میرا ان پر گزر بسر ہوتا رہا۔"

حکایت: سیِّدُنا بنان رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی خدمت میں تحفہ

﴿5﴾... ایک مرتبہ حضرت سیِّدُنا بنان حَمّال رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کو خدمت گار کنیز کی ضرورت پڑی تو آپ نے بِلا تکلف دوستوں سے ذکر کیا۔ انہوں نے رقم جمع کی اور کہا: "ایک قافلہ آرہا ہے ہم اس میں سے کسی مُناسِب کنیز کو خرید لیں گے۔" جب قافلہ آیا تو دوستوں نے ایک کنیز مُتَّفِقہ طور پر پسند کی اور کہا: "یہ حضرت بنان کے لئے مناسب ہے۔" پھر کنیز کے مالک سے پوچھا: "اس کنیز کی قیمت کتنی ہے؟" مالک نے کہا: "یہ بیچنے کے لئے نہیں ہے۔" انہوں نے بیچنے پر اصرار کیا تو مالک کہنے لگا: "یہ حضرت بنان حمال کی کنیز ہے جسے ایک عورت نے سمرقند سے تحفہ بھیجا ہے، لہٰذا اس کنیز کو حضرت بنان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْحَنَّان کی خدمت میں پہنچا دیا گیا اور واقعہ عرض کر دیا گیا۔

منقول ہے کہ پرانے زمانے میں ایک آدمی سفر میں تھا جس کے پاس ایک روٹی تھی، اس نے کہا: اگر ابھی اس کو کھالیا تو بھوک سے مر جاؤں گا حالانکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ایک فرشتہ مقرر کر دیا تھا کہ اگر یہ روٹی کھالے تو دوسری دینا اور اگر نہ کھائے تو دوسری مت دینا، روٹی اس آدمی کے پاس ہی رہی اور وہ اسے کھائے بغیر مر گیا۔

حکایت: لوگوں پر بھروسا نہ کیا

﴿6﴾... حضرت سیِّدُنا ابو سعید خراز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الرَّزَّاق فرماتے ہیں: میں ایک جنگل میں پہنچا تو زادِ راہ کچھ نہ تھا، مجھے شدید بھوک کا احساس ہوا، دور ایک بستی نظر آئی تو میں خوش ہو گیا لیکن پھر اپنے اوپر یوں غور کیا کہ میں نے دوسرے پر بھروسا کیا ہے اور دوسرے سے سکون حاصل کرنا چاہا ہے، لہٰذا میں نے قسم کھائی کہ بستی میں تب تک داخل نہ ہوں گا جب تک اٹھا کر نہ لے جایا جائے۔ آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: میں نے گڑھا کھودا اور اس کی ریت میں جسم سینہ تک چھپا لیا۔ آدھی رات کو ایک بلند آواز سنی: اے بستی والو! اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ایک ولی نے اپنے آپ کو ریت میں چھپا لیا ہے تم ان کے پاس جاؤ۔ لوگ آئے اور آپ کو ریت سے نکالا پھر اٹھا کر بستی میں لے گئے۔

حکایت: دروازے پر بیٹھنے والا گوشہ نشین

﴿7﴾...روایت میں ہے کہ ایک شخص امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عُمَر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے دروازے پر آکر بیٹھا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ کسی سے سنا: "اے شخص! تم نے ہجرت حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے لئے کی ہے یا اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے؟ تم جاؤ اور قرآن سیکھو کہ تمہیں حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے دروازے کی حاجت نہ رہے گی۔" وہ شخص چلا گیا پھر نظر نہ آیا۔ امیر المؤمنین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اسے تلاش کروایا تو معلوم ہوا کہ وہ گوشہ نشین ہو چکا ہے اور عبادت میں مشغول رہتا ہے۔ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ اس کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: "میں تمہارا اِشتیاق رکھتا تھا پھر تم مجھ سے دور کیوں ہوئے؟" اس نے کہا: "میں نے قرآن پڑھا تو مجھے آپ اور آپ کی اولاد کی حاجت نہ رہی۔" آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: "اللہ عَزَّوَجَلَّ تم پر رحم کرے، تم نے قرآن میں کیا پایا؟" اس نے یہ آیت مبارکہ پڑھی:

وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ﴿۲۲﴾ (پ۲۶، الذّٰریٰت: ۲۲)

ترجمۂ کنز الایمان: اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور جو تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے۔

پھر کہنے لگا: "میرا رزق آسمانوں میں ہے اور میں اسے زمین پر ڈھونڈ تا رہا۔" حضرت سیِّدُنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ (یہ سن کر) رونے لگے پھر فرمایا: "تم نے سچ کہا۔" اس کے بعد آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ اس کے پاس تشریف لاتے اور بیٹھا کرتے۔

حکایت: درندے کے ذریعے مدد

﴿8﴾... حضرت سیِّدُنا ابو حمزہ خُراسانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی فرماتے ہیں: میں نے کئی حج کیے، ایک مرتبہ یوں ہوا کہ میں دورانِ سفر کسی کنویں میں جا گرا اور پھر میرے نفس نے مجھے مدد طلب کرنے پر ابھارا۔ میں نے کہا: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میں کسی سے مدد نہیں مانگوں گا۔ یہی خیال جمائے ہوئے تھا کہ دو آدمی کنویں کے قریب آئے اور ایک نے دوسرے سے کہا: آؤ! کنویں کو بند کر دیں تاکہ کوئی کنویں میں گر نہ جائے۔ وہ دونوں بانس اور چٹائی لے آئے اور کنویں کا منہ ڈھانپ دیا۔ میں نے پکارنا چاہا لیکن اپنے دل میں کہا: کسے پکاروں؟ (جسے پکارنا ہے) وہ ان دونوں سے زیادہ قریب ہے۔ میں پر سکون ہو گیا۔ کچھ دیر گزری تھی کہ اچانک کوئی جانور آیا اور

کنویں کا منہ کھولا پھر اپنے پاؤں لٹکائے اور یوں بڑبڑاتے ہوئے کہا: لٹک جاؤ، جیسے کہ میں اس کی بات سمجھ رہا ہوں۔ جب میں پاؤں پکڑ کر لٹک گیا تو اس نے مجھے کنویں سے نکالا اور چلا گیا۔ وہ ایک درندہ تھا۔ ایک آواز آئی: اے ابو حمزہ! کیا یہ زیادہ بہتر نہیں ہے کہ ہم نے تمہیں ہلاکت کے ذریعہ ہلاکت سے بچایا؟ آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ میں یہ کہتا ہوا اچل پڑا:

نَهَانِیْ حَيَائِیْ مِنْکَ اَنْ اَکْشِفَ الْهَوٰی وَ اَغْنَيْتَنِیْ بِالْفَهْمِ مِنْکَ عَنِ الْکَشْفِ

تَلَطَّفْتَ فِیْ اَمْرِیْ فَاَبْدَيْتَ شَاهِدِیْ اِلٰی غَائِبِیْ وَاللُّطْفُ يُدْرَکُ بِاللُّطْفِ

تَرَاءَيْتَ لِیْ بِالْغَيْبِ حَتّٰی کَاَنَّمَا تُبَشِّرُنِیْ بِالْغَيْبِ اَنَّکَ فِی الْکَفِّ

اَرَاکَ وَ بِیْ مِنْ هَيْبَتِیْ لَکَ وَحْشَةً فَتُؤْنِسُنِیْ بِاللُّطْفِ مِنْکَ وَ بِالْعَطْفِ

وَ تُحْيِیْ مُحِبًّا اَنْتَ فِی الْحُبِّ حَتْفُهٗ وَ ذَا عَجَبٍ کَوْنُ الْحَيَاةِ مَعَ الْحَتْفِ

ترجمہ: (۱)...شرم و حیا نے مجھے اس بات سے روک دیا کہ تجھ پر عشق کا اظہار کروں لیکن تو نے خود ہی عشق کو جاننے کے سبب مجھے اظہارِ عشق کی فکروں سے بے نیاز کر دیا۔

(۲)...مہربانی مہربان کی جانب سے ہی ہوتی ہے اور تیری مہربانی مجھ پر یوں ہوتی ہے کہ تو خود میری پوشیدہ تمناؤں کو ظاہر کر دیتا ہے۔

(۳)...پھر تو نے اپنا غائبانہ دیدار کروا کر مجھے اس طرح خوش کر دیا گویا تو بالکل سامنے ہے۔

(۴)...مگر جب تیری جانب توجہ کی تو گھبراہٹ ہونے لگی لیکن تو نے اپنے فضل و کرم سے مجھے اُنسیت عطا فرمائی۔

(۵)...اور جو تیری محبت میں قتل ہو تو اسے زندہ رکھتا ہے اور یہ بڑی عجیب بات ہے کہ موت کے ساتھ ساتھ زندگی بھی پائی جائے۔

اس طرح کے واقعات بہت زیادہ ہیں لہٰذا جب بندے کا ایمان اس بات پر مضبوط ہو جائے کہ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ ہی اپنے فضل سے مخفی اسباب کے ذریعہ رزق عطا فرماتا ہے اور میں ایک ہفتہ بغیر تنگ دلی کے بھوک برداشت کر سکتا ہوں اور اگر مجھ تک رزق نہ پہنچا تو اس کا مطلب ہے کہ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک میرا مرنا ہی بہتر ہے کہ اسی وجہ سے اس نے رزق نہ دیا اور پھر ان تمام باتوں کا مشاہدہ بھی کرے تو یوں اس کا توکل کامل ہو جائے گا ورنہ تو پایا ہی نہیں جائے گا۔

چوتھی فصل:

اہل وعیال والے کا توکل

اہل وعیال والے اور اکیلے آدمی دونوں کے توکل میں بڑا فرق ہے کیونکہ اکیلے آدمی کا "مُتَوَکِّل" بننے کے لئے دو باتوں پر عمل کرنا ضروری ہے: **ایک بات** یہ کہ ہفتہ بھر بھوکا رہنے پر قادر ہونا اور کسی کی جانب توجّہ نہ کرنا اور نہ دل میں تنگی محسوس کرنا **دوسری بات** یہ کہ جو باتیں ذکر ہوئی ہیں ان پر ایمان لانا مثلاً اگر رزق نہ پہنچے تو موت اور بھوک کو ہی اپنا رزق سمجھ کر بخوشی موت پسند کرنا کہ اس میں اگرچہ دنیوی نقصان ہے لیکن یہ بات آخرت میں (درجات کی) زیادتی کا سبب ہے لہٰذا یہ سمجھے کہ دو قسم کے رزق میں سے بہتر رزق اس کی جانب آیا ہے جو کہ آخرت کا رزق ہے اور یوں گمان کرے کہ یہ وہی بیماری ہے جس میں موت آئے گی لہٰذا اس پر راضی رہے اور یوں خیال کرے کہ اس کے لئے یہی فیصلہ مقرّر کیا گیا ہے۔ چنانچہ ان باتوں پر عمل کرنے کے بعد اکیلے شخص کا توکل کامل ہو جائے گا۔

اہل وعیال کو بھوک کی تکلیف دینا:

اہل وعیال کو بھوک کی تکلیف دینا جائز نہیں، ان کے سامنے توحید کی لمبی چوڑی گفتگو کرنا درست ہے نہ ہی یہ کہنا درست ہے کہ بھوکا مرنا قابل رشک رزق ہے اگرچہ یہ کبھی کبھار پایا جاتا ہے نیز اس قسم کی دیگر باتیں کرنا بھی درست نہیں کیونکہ اہل وعیال والے کے لئے درست یہی ہے کہ کمائی کرنے والے کی طرح توکل کرے جو کہ تیسرا درجہ ہے جس طرح خلیفہ اوّل امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا ابو بکر صِدّیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے کمانے کے لئے (بازار تشریف لاکر) توکل کیا تھا۔

اہل وعیال کو ہلاکت میں ڈالنا منع ہے:

توکل کرتے ہوئے اہل وعیال سے علیحدہ ہو کر جنگلوں میں رہنا یا گھر میں بیٹھے رہنا کہ ان کی ضروریات کا انتظام نہ کرنا پڑے یہ حرام ہے کیونکہ یہ چیز انہیں ہلاکت کی طرف لے جاسکتی ہے جس پر اس کی پکڑ ہے۔

تحقیق یہ ہے کہ بندے اور اہل وعیال کے توکل کے درمیان کوئی فرق نہیں اگر اہل وعیال بھوک پر چند دن صبر کرنے کی عادت بنالیں اور بھوکا مرنے کو اُخروی رزق اور فائدہ شمار کرلیں تو بندے کے لئے اہل وعیال

کے اعتبار سے توکل کرنے کی اجازت ہو گی۔ چونکہ بندے کی اپنی جان بھی عیال میں داخل ہے لہٰذا اسے بھی ضائع کرنا جائز نہیں ہے، البتہ خود بھی بھوکا رہنے کی عادت بنالی تو توکل کرنا درست ہو گا اور اگر بھوکا رہنے کی طاقت نہ ہو کہ دل پریشان ہوتا ہو اور عبادت میں دشواری ہوتی ہو تو ایسی صورت میں توکل جائز نہیں ہے۔

حکایت: توکل کے بغیر تصوُّف ممکن نہیں

منقول ہے کہ ایک صوفی نے تین دن بھوکا رہنے کے بعد تربوز کے چھلکے کی جانب ہاتھ بڑھایا تاکہ اسے کھاسکے، حضرت سیِّدُنا ابوتُراب نخشبی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی نے یہ دیکھ کر فرمایا: "تمہارا تصوف درست نہیں، بازار جایا کرو۔" مطلب یہ کہ تصوف توکل کے بغیر نہیں پایا جاتا اور توکل وہی کر سکتا ہے جو تین دن سے زیادہ بھوکا رہ سکے۔

حضرت ابو علی روزباری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْہَادِی فرماتے ہیں: فقیر جب پانچ دن بعد یہ کہے کہ میں بھوکا ہوں تو تم لوگ اسے بازار بھیج دو اور کام کاج کرنے کا کہو۔

اہل وعیال کو مشقت میں ڈالنا جائز نہیں:

چونکہ بندے کی جان عیال میں داخل ہے لہٰذا اس کا توکل یہ ہے کہ نقصان دہ چیزوں سے خود کو بچائے جس طرح اہل وعیال کو بچانا توکل ہے، البتہ بھوک پر صبر کرکے اپنے جسم کو اس کا عادی بنانا جائز ہے جبکہ اہل وعیال کو اس کا عادی بنانا جائز نہیں ہے۔

یہ بات تم پر ظاہر ہو چکی ہے کہ توکل اسباب سے علیحدگی اختیار کرنے کا نام نہیں بلکہ کچھ دن تک بھوکا رہنے پر بھروسا ہونے اور بالفرض رزق نہ ملے تو موت پر راضی رہنے نیز شہروں اور دیہاتوں میں رہنے یا جنگلوں میں رہنے کا نام ہے جبکہ وہاں گھاس وغیرہ کچھ نہ کچھ کھانے کو مل جایا کرے (اس طرح توکل تو ہو جائے گا) لیکن تکلیف ضرور ہو گی کیونکہ ان چیزوں کا مسلسل کھانا اسی وقت ممکن ہے جب کہ صبر کی عادت ڈالی جائے۔

شہر میں توکل آسان ہے:

شہر میں توکل جنگل میں توکل کرنے سے زیادہ آسان ہے کیونکہ شہر میں (کھانے پینے کے) اسباب بآسانی میسّر آجاتے ہیں اگرچہ اسباب دونوں جگہوں پر ہیں لیکن لوگ ظاہری اسباب کی جانب یوں متوجّہ رہتے ہیں کہ پھر

انہیں اسباب ہی شمار نہیں کرتے اور اس کی وجہ ایمان کی کمزوری، شدید حرص اور اُخروی فائدے کے لئے دُنیوی تکالیف پر صبر نہ کرنا ہے نیز لمبی امیدوں اور بد گمانیوں کی وجہ سے دلوں پر بُزدِلی طاری ہو جانا بھی ایک وجہ ہے۔

توکل مضبوط کرنے کا طریقہ:

جو شخص زمین وآسمان کی بادشاہت کی جانب توجّہ کرتا ہے اس پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی زمین وآسمان کے نظام کو اس طرح چلاتا ہے کہ رزق بندے تک ضرور پہنچتا ہے اگرچہ بندہ کام کاج نہ کرے اور اگر کام کاج کی صلاحیت نہ ہو پھر بھی ضرور پہنچتا ہے جیسے بچے کو ماں کے پیٹ میں رزق پہنچتا ہے کہ اس میں کام کاج کی صلاحیت نہیں۔ (غور کرو کہ) اللہ عَزَّوَجَلَّ کس طرح بچے کی ناف کو ماں کے ساتھ ملا دیتا ہے تاکہ ماں کی خوراک کا اضافی حصہ بچے تک پہنچ جائے حالانکہ اس میں بچے کی کوئی کوشش نہیں، پھر جب بچہ ماں سے جدا ہوتا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ ماں کے دل میں محبت اور شفقت ڈال دیتا ہے تاکہ چاہے نہ چاہے بچے کی پرورش کرنی پڑے، پھر اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی اس کے دل میں محبت کی آگ شُعلَہ زَن کر دیتا ہے تاکہ بچے کے لئے بے قرار رہے اور جب تک بچہ غذا چبانے کے قابل نہیں ہو جاتا اللہ عَزَّوَجَلَّ دودھ کو بچے کا رزق بنا دیتا ہے تاکہ اسے چبانے کی ضرورت نہ پڑے چونکہ بچے کا معدہ کمزور ہوتا ہے اور بھاری غذا ہضم نہیں کر سکتا لہٰذا وہی اللہ عَزَّوَجَلَّ ماں کے سینہ میں جلد ہضم ہونے والا دودھ رکھ دیتا ہے تاکہ پیدا ہوتے ہی بچے کے کام آسکے، کیا ان تمام معاملات میں ماں یا بچے میں سے کسی کی کوششوں کا دخل ہو سکتا ہے؟ اور پھر جب بچہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ بھاری غذا ہضم کر سکے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی بچے کے دانتوں اور ڈاڑھوں کو اُگاتا ہے تاکہ وہ بآسانی غذا چبا سکے اور جب بچہ بڑا ہوتا ہے تو اس پر سیکھنے کے معاملات آسان کر دیتا ہے اور اُخروی معاملات کی سمجھ بوجھ پیدا کر دیتا ہے لہٰذا بالغ ہونے کے بعد بُزدلی کا (یعنی توکل کا نہ) پایا جانا جہالت ہے کیونکہ بالغ ہونے کے بعد کام کاج کے مواقع کم ہونے کے بجائے زیادہ ہو جاتے ہیں کہ پہلے کمانے پر قادر نہ تھا، اب قادر ہو گیا تو مواقع بھی زیادہ ہو گئے۔ (فرق یہ ہوا کہ پہلے) شفقت کرنے والی ایک ذات ماں یا باپ کی تھی جس کی شفقتیں بھی زیادہ تھیں کہ وہی دن بھر میں ایک دو مرتبہ کھلاتی تھی حالانکہ اسکا کھلانا بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جانب سے تھا کہ اسی نے ماں باپ کے دل پر محبت اور شفقت کو غالب کیا اور اب اسی نے مسلمانوں کے دلوں پر اور شہر والوں کے دلوں پر محبت وشفقت اور رحم

غالب کر دیا کہ اگر کسی کو معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص حاجت مند ہے تو اس کا دل دکھتا ہے اور نرم ہو جاتا ہے نیز اس کی حاجت پوری کرنے کی کوشش کرتا ہے، شفقت کرنے والا پہلے ایک تھا اور اب ہزاروں ہو گئے، شہر والے پہلے شفیق نہ تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ بچہ ماں باپ کے زیرِ سایہ ہے، خاص شفقتوں میں ہے اور محتاج نہیں ہے اگر وہ بچہ یتیم ہوتا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ ضرور کسی نہ کسی مسلمان یا جماعت کے دل پر رحم غالب کر دیتا یہاں تک کہ وہ اس یتیم کی سرپرستی کرتے اور اخراجات اٹھاتے۔

آج تک نہیں دیکھا گیا کہ عوام خوشحال ہو اور کوئی یتیم بھوکا مر جائے حالانکہ وہ کام کاج کے قابل ہوتا ہے نہ ہی کوئی ایک شخص اس کی مکمل سرپرستی کرتا ہے پھر بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے بندوں کے دلوں میں شفقت پیدا کر کے اس کے سارے کام کروا دیتا ہے، کیا اس کے لئے یہ مناسب ہے کہ بالغ ہونے کے بعد رزق کی تلاش میں اپنے دل کو مگن رکھے جبکہ بچپن میں ایسی کوئی کوشش نہیں کی تھی، پہلے شفیق ایک تھا اور اب ہزاروں ہیں؟ یہ ممکن ہے کہ ماں کی شفقت زیادہ اور مضبوط ہو لیکن وہ ایک ذات ہے جبکہ لوگوں کی الگ الگ شفقتیں اگرچہ کمزور ہیں لیکن مجموعی شفقتوں سے یہ کمزوری دور ہو سکتی ہے اور فوائد حاصل ہو سکتے ہیں، کئی یتیم ایسے ہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جن پر آسانی فرمائی اور ان کی حالت ماں باپ کی پرورش میں رہنے والے بچوں سے کہیں زیادہ اچھی ہے، لہٰذا انسان کو چاہئے کہ کثیر لوگوں کی شفقتوں سے ان کی شفقتوں کی کمزوری کے نقصان کو پورا کرے نیز خوشحال زندگی چھوڑ کر بقدرِ ضرورت پر گزارہ کر کے یہ نقصان پورا کرے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

جَرٰی قَلَمُ الْقَضَاءِ بِمَا یَکُوْنُ فَسِیَّانِ التَّحَرُّکُ وَالسُّکُوْنُ

جُنُوْنٌ مِنْکَ اَنْ تَسْعٰی لِرِزْقٍ وَیُرْزَقُ فِیْ غِشَاوَتِہٖ الْجَنِیْنُ

ترجمہ: (۱)...ہر ہونے والی چیز پر تقدیر کا قلم چل چکا ہے، لہٰذا حرکت کرنا نہ کرنا دونوں برابر ہیں۔

(۲)...تمہارا رزق کی تلاش میں بھٹکنا پاگل پن ہے کہ پیٹ کے بچے کو بھی رزق دیا جاتا ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

یتیم کی سرپرستی کی وجہ یہ ہے کہ لوگ جانتے ہیں کہ وہ بچپن کی وجہ سے کام کاج نہیں کر سکتا جبکہ بالغ کام کاج کرنے پر قادر ہوتا ہے لہٰذا لوگ اس کی جانب توجّہ نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں: یہ تو ہماری طرح ہے،

خود کما کر کھائے؟ **جواب:** اگر کام کاج پر قادر شخص بے کار پڑا رہے تو لوگوں کا کہنا ٹھیک ہے، اسے واقعی کام کاج کرنا چاہئے کہ اس کا توکل سے دور کا واسطہ بھی نہیں کیونکہ توکل ایک دینی رُتبہ ہے جو کہ حصولِ رضائے الٰہی پر مددگار ثابت ہوتا ہے، نکما پن اور توکل کا آپس میں کوئی تعلق نہیں۔

یادِ الٰہی میں مشغول رہنے کا دنیاوی فائدہ:

وہ شخص جو یادِ الٰہی میں مشغول رہے اور پھر مسجد یا گھر میں رہ کر حصولِ علم وعبادت میں مصروف رہے تو ایسے شخص کو کام کاج چھوڑنے پر لوگ ملامت کرتے ہیں نہ کمانے کا پابند کرتے ہیں بلکہ یادِ الٰہی میں مشغولیت کے سبب لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا ہو جاتی ہے یہاں تک کہ لوگ اس کے گزارے سے زیادہ سامان اس کے پاس پہنچا دیتے ہیں، البتہ اس پر لازم ہے کہ نہ تو اپنا دروازہ بند کرے نہ ہی پہاڑوں کی طرف بھاگے، آج تک نہیں دیکھا گیا کہ کوئی عالم یا عابد شہر میں رہ کر یادِ الٰہی میں مشغول ہو اور بھوکا مرا ہو اور نہ ہی کبھی دیکھا جائے گا بلکہ اگر وہ ایک جملہ کہہ کر کھانے کا لنگر جاری کرنا چاہے تو ایسا کر سکتا ہے کیونکہ جو **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کا ہو جاتا ہے **اللہ** عَزَّوَجَلَّ اس کا ہو جاتا ہے نیز جو یادِ الٰہی میں مشغول رہے **اللہ** عَزَّوَجَلَّ اس کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے کہ لوگوں کے دل اس کی جانب اس طرح کھنچتے ہیں جس طرح ماں کا دل بچے کی جانب کھنچتا ہے۔ یاد رہے کہ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ نے زمین وآسمان کے نِظام کو اس طرح بنایا ہے کہ یہ نظام زمین وآسمان والوں کے لئے کافی ہے، لہٰذا جو اس نظام کا مشاہدہ کرے گا اس کا اعتماد **اللہ** عَزَّوَجَلَّ پر پختہ ہو جائے گا اور اس پر ایمان لے آئے گا پھر اسی کی یاد میں مشغول رہے گا اور نظر اسباب سے ہٹا کر اسباب پیدا کرنے والے پر رکھے گا۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے یہ نظام نہیں بنایا کہ وہ اپنی یاد میں مشغول رہنے والے کو روزانہ مٹھائیاں، مرغ مسلَّم، عمدہ کپڑے اور بہترین سواریاں لازمی دے گا، اگرچہ یہ چیزیں کبھی کبھار مل بھی جاتی ہیں لیکن اس نے ایسا نِظام ضرور بنایا ہے کہ عبادت میں مشغول رہنے والوں تک ہر ہفتہ جَو کی روٹی یا گھاس وغیرہ پہنچ جائے کہ جس پر ان کا گزارہ ہو سکے حالانکہ عام طور پر اس سے زیادہ ہی ملتا ہے بلکہ حاجت اور ضرورت سے بھی زیادہ ملتا ہے۔

توکل نہ کرنے کا سبب:

توکل نہ کرنے کا سبب بس یہی ہے کہ نفس بہترین کپڑے، عمدہ غذائیں اور دیگر لذتوں کا عادی ہو چکا ہے

جو کہ اُخروی راستہ نہیں ہے، ان تمام چیزوں کا بغیر کام کاج ملنا مشکل ہے بلکہ عام طور پر کام کاج کے بعد بھی ملنا مشکل ہوتا ہے کہ یہ تمام چیزیں کسی کسی کو ملتی ہیں جبکہ کسی کو بغیر محنت کے مل جاتی ہیں اور جس کی بصیرت کی آنکھ کھل چکی ہو اس کے نزدیک کام کاج کی اہمیت نہیں لہٰذا وہ اپنی محنت پر بھروسا کرنے کے بجائے اللہ عَزَّوَجَلَّ پر بھروسا کرتا ہے کہ جس نے ایسا نظام بنایا کہ بندے کا رزق اسے ضرور مل کر رہتا ہے اگرچہ کام کاج نہ کرے مگر کبھی کبھار تاخیر بھی ہو جاتی ہے اور یہی تاخیر کام کاج کرنے والے کے حق میں بھی ممکن ہے۔

جب مذکورہ معاملات واضح ہو جائیں نیز ان کے ساتھ یقینِ قلب اور قوتِ ارادی شامل ہو جائے تو وہی نتیجہ نکلے گا جو حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی نے فرمایا ہے کہ "میں چاہتا ہوں کہ تمام بصرہ والے میرے عیال ہوں اور ایک دانہ ایک دینار کا ہو (اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل سے کوئی بھوکا نہ رہے گا)۔"

حضرت سیِّدُنا وُہَیب بن وَرْد رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: اگر آسمان تانبے کا اور زمین سیسے کی ہو جائے اور اپنے رزق کا انتظام کرنے والا (حقیقتًا) خود کو سمجھوں تو میں مُشرِک ہوں گا۔

جب تم ان تمام معاملات کو سمجھ چکے تو یہ بھی سمجھ لو کہ توکل ایک ایسا بلند درجہ ہے جہاں ہر اس شخص کا پہنچنا ممکن ہے جو اپنے نفس پر غَلَبہ حاصل کرلے اور یہ بھی جان لو کہ جو توکل کا سرے سے انکار کر دے اور اسے ناممکن مانے تو اس کا یہ انکار جہالت کی وجہ سے ہے لہٰذا تم دو مَحْرُومیوں کو جمع نہ ہونے دینا کہ توکل کی لذت نہ پاسکو تو کم از کم اس کا انکار مت کرنا۔

رزق انسان تک ضرور پہنچتا ہے:

تم پر لازم ہے کہ تھوڑے مال پر قناعت کرو اور تھوڑی غذا پر راضی رہو کہ رزق تمہارے پاس ضرور آئے گا اگرچہ تم اس سے بھاگو اور اس وقت اللہ عَزَّوَجَلَّ تمہارا رزق ایسے شخص کے ہاتھ تم تک پہنچائے گا جس کے بارے میں تمہارا گمان نہ ہو گا۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًاۙ(۲) وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُؕ (پ۲۸، الطلاق: ۲، ۳)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان نہ ہو۔

اگر تم تقویٰ و توکل اختیار کر لو گے تو تجرِبہ سے دیکھ لو گے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا مذکورہ فرمان کن لوگوں پر صادق آتا ہے کہ اس نے مُرغ مسلّم اور لذیذ کھانے کِھلانے کا ذمہ نہیں لیا بلکہ اپنے ذِمَّۂ کَرَم پر فقط اتنا رزق لیا ہے جس سے زندگی باقی رہ سکے اور اتنا رزق ہر اس شخص کو بھی مل کر رہے گا جو اس کی عبادت میں مشغول رہے اور اس کے ذمّہ کرم پر بھروسا کرے کیونکہ نظامِ الٰہی میں رزق کے مخفی اسباب ظاہری اسباب سے زیادہ ہیں بلکہ اتنے زیادہ ہیں کہ جنہیں شمار کیا جاسکتا ہے نہ ان راستوں کے بارے میں بتایا جاسکتا ہے کیونکہ اسباب زمین پر ظاہر ہوتے ہیں لیکن بنتے آسمانوں میں ہیں اور آسمانی راز معلوم نہیں کئے جاسکتے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ فِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَ مَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ ترجمۂ کنز الایمان: اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور جو تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے۔

(پ۲۶، الذّٰریٰت: ۲۲)

حکایت: مجبور ہو کر توکل کرنا درست نہیں

منقول ہے کہ کچھ لوگ حضرت سیِّدُنا جُنَید بغدادی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْھَادِی کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا: ”اپنی حاجت بتاؤ؟“ انہوں نے کہا: ”رزق چاہئے۔“ فرمایا: ”اگر اس کی جگہ معلوم ہے تو وہاں سے لے لو۔“ انہوں نے کہا: ”ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے مانگتے ہیں۔“ فرمایا: ”اگر تمہارا خیال یہ ہے کہ وہ تمہیں رزق دینا بھول گیا ہے تو اسے یاد دلا دو۔“ انہوں عرض کی: ”پھر تو ہمیں گھر بیٹھ کر توکل کرنا چاہئے جو ہوگا دیکھ لیں گے۔“ آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: ”تجربہ کے لئے توکل کرنا درست نہیں۔“ عرض کی: ”کیا رزق ملنے کا کوئی ذریعہ ہے؟“ فرمایا: ”ذریعہ ڈھونڈنا چھوڑ دو۔“

حضرت سیِّدُنا احمد بن عیسیٰ خراز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الرَّزَّاق فرماتے ہیں: میں ایک جنگل میں تھا کہ مجھے سخت بھوک لگی، میرے نفس نے مجھ سے کہا: اللہ عَزَّوَجَلَّ سے کھانا طلب کر۔ میں نے کہا: یہ توکل والوں کا کام نہیں۔ اس نے کہا: اللہ عَزَّوَجَلَّ سے صبر ہی طلب کر لے۔ میں نے ابھی ارادہ کیا ہی تھا کہ ایک آواز آئی:

وَیَزْعَمُ اَنَّہٗ مِنَّا قَرِیْبٌ وَاِنَّا لَانُضِیْعُ مَنْ اَتَانَا

وَ یَسْاَلُنَا عَلَی الْاِقْتَارِ جُھْدًا کَاَنَّا لَانَرَاہُ وَلَا یَرَانَا

ترجمہ: (۱)...وہ گمان کرتا ہے کہ وہ ہم سے قریب ہے حالانکہ ہم اپنے پاس آنے والے کو محروم نہیں کرتے۔

(۲)...اور وہ تنگدستی میں ہم سے یوں صبر مانگتا ہے گویا ہم اسے نہیں دیکھتے اور وہ ہمیں نہیں دیکھتا۔

تم سمجھ چکے ہو کہ جس کا نفس مغلوب ہو جائے تو اس کا دل مضبوط ہو جاتا ہے اور جس کا باطن بُزدلی کی وجہ سے کمزور نہ ہو اس کا ایمان نِظامِ الٰہی پر مضبوط ہو جاتا ہے اور پھر نفس ہمیشہ مطمئن رہتا ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ پر بھروسا کرتا ہے کہ انتہائی بری حالت یہی ہو سکتی ہے کہ بھوک کی حالت میں موت آجائے گی جبکہ موت تو یقیناً آکر رہے گی جس طرح مطمئن نہ ہونے والے شخص کو بھی آکر رہتی ہے۔

کامل توکل:

معلوم ہوا کہ توکل یوں کامل ہو گا کہ ایک جانب سے قناعَت ہو اور دوسری جانب سے رزق کا وعدہ پورا ہو اور یقیناً وہی ذات سچی ہے جس نے اسباب مہیّا کیے اور ان اسباب پر قناعت والوں کے رزق کا ذمہ لیا ہے لہٰذا تم بھی قناعت کرو اور تجربہ کر کے دیکھ لو کہ اس کا وعدہ یقیناً سچا ہے اور وہ ایسے انجان راستوں سے تم تک رزق پہنچائے گا جن تک تمہارے ذہنوں کی رسائی نہ ہو گی نیز توکل یوں کامل ہو گا کہ نظر اسباب کی جانب نہ ہو بلکہ اسباب پیدا کرنے والے کی جانب ہو جس طرح تمہاری نظر کاتب کے قلم پر نہیں بلکہ اس کے دل پر ہوتی ہے کیونکہ یہی دل قلم کی حرکت کا سبب ہے۔

توکل کی شرط:

سب سے پہلا محرِّک (حرکت دینے والا) اللہ عَزَّوَجَلَّ ہے، لہٰذا لازم ہے کہ نظر اسی پر رہے یہ اس مُتَوَکِّلُ کے لئے شرط ہے جو بغیر زادِراہ جنگلوں میں وقت گزارے یا شہر میں گمنامی کی زندگی بسر کرے جبکہ وہ شخص جس کا علم وعبادت مشہور ہو (اس کے لئے شرط یہ ہے کہ) چوبیس گھنٹوں میں ایک مرتبہ کھانے پر قناعت کرے اگرچہ لذیذ نہ ہو اور دیندار لوگوں کی طرح موٹا لباس پہنے پھر اس کے پاس رزق ہمیشہ آئے گا وہاں سے جہاں گمان ہو اور وہاں سے بھی جہاں گمان نہ ہو بلکہ کئی گنا آئے گا لہٰذا ایسے شخص کا توکل نہ کرنا اور رزق کے لئے فکر مند رہنا انتہائی کمزوری اور کوتاہی ہے کیونکہ اس کی شہرت ایک ایسا ظاہری سبب ہے جو شہر میں گمنام شخص کے کام کاج کرنے سے بھی زیادہ رزق لے کر آنے کا مضبوط ذریعہ ہے لہٰذا دیندار لوگوں کا رزق کے بارے میں فکر مند رہنا بُرا ہے اور علما کے لئے زیادہ بُرا ہے کیونکہ ان کے توکل کی شرط قناعت کرنا ہے اور

قناعت گزار عالم کے پاس رزق آتا ہے اور اگر اس کے پاس کثیر لوگ ہوں تو اُن سب کا رزق بھی آتا ہے۔

عالم کا انداز زندگی کیسا ہو؟

اگر عالم کا ارادہ یہ ہو کہ لوگوں سے نہیں لے گا بلکہ خود کما کر کھائے گا تو یہ اس عالم باعمل کا طریقہ ہے جس نے ظاہری علم پر عمل کیا لیکن راہِ سلوک پر نہ چلا کیونکہ کام کاج کرنا راہِ سلوک پر چلنے میں رُکاوٹ ہے لہٰذا ایسے عالم کے لئے زیادہ بہتر یہی ہے کہ راہِ سلوک پر چلے اور اس شخص سے لے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہو کیونکہ (اس میں دو فائدے ہیں) رضائے الٰہی کے لئے اپنے آپ کو فارغ رکھنا اور ثواب کے طلبگار کی مدد کرنا۔

ہر ایک کو رزق اسباب کے مطابق نہیں ملتا:

جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے قائم کردہ طریقہ کار کی جانب دیکھتا ہے وہ جان جاتا ہے کہ ہر ایک کو رزق اسباب کے مطابق نہیں ملتا۔ چنانچہ ایک بادشاہ نے کسی دانشور سے پوچھا: "کیا وجہ ہے کہ بے وقوف رزق پالیتا ہے جبکہ عقل مند محروم ہو جاتا ہے۔" دانشور نے جواب دیا: "اس کا مطلب ہے کہ کوئی نہ کوئی خالق موجود ہے کیونکہ اگر ہر عقل مند کو رزق ملتا اور ہر بے وقوف محروم رہتا تو لوگ یہ سمجھتے کہ عقل ہی رزق دیتی ہے، پھر جب لوگوں نے برخلاف دیکھا تو جان گئے کہ رزق دینے والا کوئی اور ہی ہے، لہٰذا انہوں نے ظاہری اسباب پر بھروسا نہ رکھا۔"

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

وَلَوْ كَانَتِ الْاَرْزَاقُ تَجْرِيْ عَلَى الْحِجَا　　　هَلَكْنَ اِذَنْ مِنْ جَهْلِهِنَّ الْبَهَائِمُ

ترجمہ: اگر رزق عقل کے حساب سے ملتا تو جانور بے وقوفی کے سبب مر جاتے۔

پانچویں فصل: مُتَوَکِّل اور اسباب کے تعلق کی مثال

مخلوق کی مثال بارگاہِ الٰہی میں یوں ہے جیسے بھوکے لوگوں کا ایک گروہ شاہی محل کے باہر میدان میں کھڑا ہو پھر بادشاہ اپنے کئی غلاموں کو روٹیاں دے کر بھیجے اور حکم دے کہ کسی کو دو روٹیاں دینا اور کسی کو ایک

روٹی اور اس بات کا خیال رکھنا کہ کوئی محروم نہ رہے اور ایک شخص کو اعلان کرنے کا حکم دے کہ جب غلام باہر آئیں تو سب لوگ اپنی جگہ ٹھہرے رہیں، غلاموں پر جھپٹا نہ ماریں بلکہ ہر ایک اپنی جگہ پُرسکون رہے کیونکہ غلام حکم کے پابند ہیں اور انہیں یہی حکم دیا گیا ہے کہ کھانا سب تک پہنچانا ہے اگر کسی نے غلاموں پر جھپٹا مارا اور انہیں تکلیف دی اور دو روٹیاں چھینیں تو جب وہ میدان کے دروازہ سے باہر جائے گا میں اس کے پیچھے ایک غلام دوڑاؤں گا جو اسے پکڑ لائے گا، پھر میں اسے اتنی مدت تک سزا دوں گا جو مجھے معلوم ہے لیکن تمہیں معلوم نہیں اور جس نے غلاموں کو تکلیف نہ دی بلکہ پُرسکون رہا اور غلام کی طرف سے ملنے والی ایک ہی روٹی پر قناعت کی تو میں اسے اس دن عمدہ لباس پہناؤں گا جس دن پہلے کو سزا دوں گا اور جو اپنی جگہ ٹھہرا رہا مگر اس نے دو روٹیاں لیں اسے سزا ملے گی نہ انعام ملے گا اور اگر کسی کو میرے غلاموں سے کچھ نہ ملا اور وہ غلاموں پر ناراض ہوئے بغیر رات بھر بھوکا رہا اور خواہش نہ کی کہ ”کاش! کوئی غلام مجھے روٹی دے جاتا“ تو میں ایسے شخص کو کل اپنا وزیر بناؤں گا اور سلطنت کے معاملات اس کے سپرد کروں گا۔

اب مانگنے والوں کی چار قسمیں ہو گئیں۔

...**ایک قسم:** وہ جن پر بھوک نے غلبہ کیا، انہوں نے ڈرائی جانے والی سزا کی جانب توجّہ نہ کی اور کہا: کل تو بہت دور ہے، ابھی ہم بھوکے ہیں۔ وہ لوگ غلاموں پر جھپٹے اور انہیں تکلیف دی پھر ان سے دو دو روٹیاں چھین لیں۔ جب انہیں حکم کے مطابق سزا ملی تو اپنی حرکت پر نادِم ہوئے لیکن یہ ندامت انہیں سزا سے نہ بچا سکی۔

...**دوسری قسم:** وہ جنہوں نے سزا کے خوف سے غلاموں سے الجھنا پسند نہ کیا لیکن بھوک کے غلبہ کی وجہ سے دو دو روٹیاں لے لیں۔ انہیں سزا نہ ملی لیکن عمدہ لباس بھی نہ مل سکا۔

...**تیسری قسم:** وہ جنہوں نے کہا: ہم ایسی جگہ بیٹھیں گے جو غلاموں کو نظر آئے تاکہ وہ ہمیں نظر انداز نہ کریں، اگر وہ ایک روٹی دیں گے تو ہم اسی پر قناعت کریں گے کہ شاید ہمیں عمدہ لباس مل جائے۔ وہ عمدہ لباس حاصل کرنے میں کامیاب ہو ہی گئے۔

...**چوتھی قسم:** وہ لوگ جو میدان کے کونوں میں بکھر گئے اور غلاموں کی نظروں سے چھپ کر کہا: اگر غلاموں نے ہمیں ڈھونڈ کر ایک روٹی دی تو ہم اس پر قناعت کریں گے اور اگر ہمیں نظر انداز کر دیا تو رات بھر

سخت بھوک برداشت کریں گے، شاید ہم ناراض ہوئے بغیر رات گزار لیں یوں ہمیں بادشاہ کی ہم نشینی ووزارت کا عہدہ مل جائے۔ وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکے کیونکہ غلاموں نے انہیں کونے کُھدروں سے ڈھونڈھ نکال کر ایک ایک روٹی دے دی۔

روٹیاں دینے کا سلسلہ اسی طرح جاری تھا کہ ایک دن اتفاقاً تین آدمی کسی کونے میں جاچھپے اور یوں غلاموں کی نظر ان پر نہ پڑی اور نہ ہی انہیں مزید ڈھونڈ سکے۔ تینوں نے سخت بھوک میں رات گزاری۔ دو آدمیوں نے کہا: کاش کوئی غلام ہماری جانب آجاتا اور روٹی دے جاتا کہ ہم میں مزید برداشت کی طاقت نہ رہی جبکہ تیسرا آدمی صبح تک خاموش رہا اور یوں اسے ہم نشینی اور وزارت کا عہدہ مل گیا۔ یہ مخلوق کی مثال ہے جبکہ میدان دنیوی زندگی ہے، میدان کے دروازے سے مراد موت ہے جبکہ نامعلوم مدت قیامت کا دن ہے اور وزارت کا وعدہ شہادت کا درجہ ہے کہ جب "مُتَوَکِّل" رضائے الٰہی پر راضی ہوکر بھوک سے مرجائے تو بغیر کسی تاخیر کے اس درجہ پر فائز ہوجاتا ہے کیونکہ شہدا زندہ ہوتے ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ غلاموں سے اُلجھنے والے ظاہری اسباب پر اعتماد کرنے والے ہیں جبکہ پابند غلاموں سے مراد اسباب ہیں۔ اسی طرح غلاموں کی نظروں کے سامنے بیٹھنے والے شہر کی مسجدوں اور خانقاہوں میں بیٹھنے والے ہیں اور کونوں میں چھپنے والے جنگلوں میں رہ کر توکل اختیار کرنے والے ہیں کہ اسباب انہیں ڈھونڈتے ہیں اور رزق ان کے پاس آتا ہے اور اگر کسی کے پاس نہ پہنچ سکا اور وہ رضائے الٰہی پر راضی ہوکر بھوکا مرجائے تو شہادت اور قُربِ الٰہی پالیتا ہے۔

مخلوق انہیں چار قسموں میں تقسیم ہے، شاید نوّے فیصد لوگ ظاہری اسباب پر اعتماد کرتے ہیں جبکہ باقی دس میں سے سات فیصد لوگ شہر میں زندگی گزار کر اپنی موجودگی اور شہرت کے سبب سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور تین فیصد جنگلوں میں گھومتے ہیں جن میں سے دو صبر نہیں کرپاتے اور ایک فیصد لوگ ہی قرب الٰہی کے درجہ پر فائز ہوتے ہیں۔ یہ اعداد وشمار پچھلے زمانے کا ہے جبکہ فی زمانہ اسباب کو چھوڑنے والا شاید دس ہزار میں ایک بھی نہ نکلے۔

دوسرا مقصد: فوائد کی حفاظت کرنا

جس شخص کو کام کاج کرکے یا مانگ کر یا وراثت سے یا کسی اور طریقہ سے مال ملے اور وہ اسے محفوظ کرنا چاہے تو اس کی تین حالتیں ہوسکتی ہیں۔

مال محفوظ کرنے والے کی تین حالتیں:

...پہلی حالت: فِی الْوَقْت بَقدرِ حاجت مال لے لے یعنی بھوکا ہے تو کھانا کھالے، بَرہنہ ہے تو کپڑا پہن لے اور مکان کی ضرورت ہے تو چھوٹا سا مکان لے لے اور اسی وقت باقی مال صدقہ کر دے اور اپنے لئے کچھ نہ رکھے۔ ایسا شخص یقیناً توکل کے تقاضوں کو پورا کرنے والا ہے جو کہ بلند درجہ ہے، البتہ اچھی نیّت سے مال محفوظ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے مثلاً کسی ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنے کی نیّت سے بقدر ضرورت مال محفوظ کرنا۔

...دوسری حالت: یہ حالت پہلی کے بر خلاف ہے کہ اس میں بندہ "مُتَوَکِّل" نہیں رہتا یعنی ایک سال یا اس سے بھی زیادہ عرصہ کے لئے مال محفوظ کرنا۔ ایسا شخص ہر گز "مُتَوَکِّل" نہیں ہو سکتا۔ کسی دانا کا قول ہے کہ "تین قسم کی مخلوق مال جمع رکھتی ہے چوہا، چیونٹی اور انسان۔"[1]

...تیسری حالت: چالیس دن یا کم دنوں کے لئے مال محفوظ کرنا۔ ایسے شخص کے بارے میں اختلاف ہے کہ کل بروز قیامت متوکلین کے درجہ پر فائز ہو گا یا نہیں۔ حضرت سیِّدُنا سہل بن عبد اللہ تُستری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی کی رائے کے مطابق ایسا شخص "مُتَوَکِّل" نہیں ہے اور حضرت سیِّدُنا ابراہیم خوّاص رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کی رائے کے مطابق اگر چالیس دن تک کے لئے مال محفوظ رکھتا ہے تو "مُتَوَکِّل" ہے اور اگر اس سے زیادہ دن کے لئے محفوظ رکھتا ہے تو "مُتَوَکِّل" نہیں۔ جبکہ حضرت سیِّدُنا ابو طالب مکی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: "40 سے زیادہ دن کا مال محفوظ کرنے والا بھی مُتَوَکِّل ہے۔"[2]

معلوم ہوا کہ مال محفوظ کرنا جائز ہے لیکن اس اختلاف سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ کوئی شخص مال محفوظ کرنے کو توکل کے خلاف سمجھے تو اسے غلط نہیں کہا جائے گا۔

جمعِ مال کی مقدار مقرّر نہیں:

مال کی مقدار مقرّر نہیں کی جاسکتی کیونکہ ہر بندے کا ثواب اس کے ایمانی رُتبہ کے اعتبار سے ہوتا ہے اور مراتب کئی قسم کے ہیں اور ہر رُتبہ کی ابتدا اور انتہا ہے نیز انتہائی درجہ پر فائز متوکلین کو سابقین اور

---

1 ...عیون الاخبار لابن قتیبۃ الدینوری، کتاب الطبائع، الحشرات، ۲/ ۱۱۵

2 ...قوت القلوب، شرح مقام التوکل، ۲/ ۳۱

ابتدائی درجہ پر فائز متوکلین کو **اصحابِ یمین** کہا جاتا ہے، پھر ان میں سے ہر ایک کے کئی درجات ہیں **اصحابِ یمین** کا بلند ترین درجہ **سابقین** کے سب سے نچلے درجہ سے ملا ہوا ہے، لہٰذا مال کی مقدار مُقرَّر کی ہی نہیں جاسکتی بلکہ تحقیق یہی ہے کہ توکل اس وقت کامل ہوتا ہے جب مال محفوظ نہ کرنے کے ساتھ ساتھ زندگی کی امید بھی کم ہو، البتہ زندگی کی امید بالکل ختم ہونے کو کامل توکل کی شرط قرار دینا ناممکن ہے اگرچہ لمحہ بھر کے لئے شرط ہو کیونکہ اس کا وجود پایا ہی نہیں جاسکتا۔

زندگی کی امید کا کم تر اور انتہائی درجہ:

زندگی کی امید کم بھی ہوتی ہے اور زیادہ بھی، کم تر درجہ ایک دن یا چند گھنٹے گزارنے کی امید رکھنا ہے اور انتہائی درجہ طویل عمر گزارنے کا تصور کرنا ہے۔ ان دونوں کے درمیان بے شمار درجات ہیں۔ ایک مہینہ سے زیادہ کی امید رکھنے والا سال بھر کی امید رکھنے والے سے زیادہ بہتر ہے۔ حضرت سیِّدُنا موسٰی کَلِیْمُ اللّٰہ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے (واقعہ کوہ طور میں) چالیس ایّام کو دلیل بنا کر امید کی کم از کم مدت چالیس دن مقرّر کرنا درست نہیں کیونکہ اس واقعہ کا اصل مقصد کم مدت بیان کرنا نہیں بلکہ اس وعدہ کی مدت بیان کرنا تھا جس کے مستحق حضرت سیِّدُنا موسٰی عَلَیْہِ السَّلَام چالیس دن بعد ٹھہرتے۔ یہ ایک راز ہے نیز اس طرح کے اور معاملات جن میں مدت مُقرَّر کی جاتی ہے ان میں **اللّٰہ** عَزَّوَجَلَّ کی عادت کریمہ یہی ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے: ''**اللّٰہ** عَزَّوَجَلَّ نے حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام کا خمیر اپنے دستِ قدرت سے 40دن میں تیار فرمایا۔''[1] کیونکہ خمیر کے مستحق ہونے کی مدت چالیس دن ہی رکھی گئی تھی۔

سال سے کم یا زائد عرصہ مال جمع رکھنے والا:

جو شخص سال بھر سے زائد عرصہ کے لئے مال جمع رکھے وہ کمزور یقین والا اور ظاہری اسباب کی طرف مائل ہے۔ ایسا شخص ''مُتَوَکِّل'' نہیں ہوسکتا نیز اسے **اللّٰہ** عَزَّوَجَلَّ کے بنائے ہوئے مخفی اسباب کے نظام پر اعتماد نہیں ہے کیونکہ پیداوار اور آمدنی کے ذرائع بار بار آتے ہیں۔

جو سال بھر سے کم عرصہ کے لئے مال جمع رکھے اس کا اپنی امید کے مطابق ایک درجہ ہے جبکہ جس کی

---

1 ...الطبقات الکبری لابن سعد، ذکر من ولد رسول اللّٰہ من الانبیاء، ۱/ ۲۴

امید دو مہینے گزارنے پر مشتمل ہو اس کا درجہ ایک مہینہ والے کے برابر ہے نہ تین مہینے والے کے برابر بلکہ دونوں کے درمیان ہے۔

مال جتنا کم فضیلت اتنی ہی زیادہ:

مال محفوظ کرنے کی ممانعت نہیں ہے لیکن زندگی کی امید کم سے کم ہونی چاہئے۔ افضل یہی ہے کہ مال بالکل جمع نہ کرے اگرچہ کمزور یقین والا ہو کیونکہ جتنا مال کم ہو گا اتنی ہی فضیلت زیادہ ہو گی۔

ایک عادت مرتبے میں کمی کا باعث:

مروی ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہوا تو رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْھَہُ الْکَرِیْم اور حضرت سیِّدُنا اسامہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کو غسل دینے کا حکم ارشاد فرمایا۔ دونوں حضرات نے اسے غسل دیا اور اسی کی چادر سے کفن پہنایا۔ جب اسے دفنا چکے تو حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”اسے قیامت کے دن یوں اُٹھایا جائے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا ہو گا، اگر اس میں ایک عادت نہ ہوتی تو سورج کی طرح روشن ہوتا۔“ صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے عرض کی: ”یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! وہ عادت کون سی تھی؟“ ارشاد فرمایا: ”یہ شخص بہت زیادہ روزے رکھنے والا، عبادت گزار اور ذکرِ الٰہی کرنے والا تھا مگر جب سردی آتی تو گرمیوں کے کپڑے (اگلے گرم موسم کے لئے) جمع کرلیتا اور جب گرمی آتی تو سردیوں کے کپڑے (اگلے سرد موسم کے لئے) جمع کرتا۔“ پھر فرمایا: ”جو چیز تمہیں سب سے کم دی گئی ہے وہ یقین اور قوّتِ برداشت ہے۔“[1]

ضروری چیزیں توکل کے خلاف نہیں:

پیالہ، دستر خوان اور دیگر ضروری چیزوں کی موجودگی توکل کے خلاف نہیں کیونکہ ان سے توکل کے کسی درجہ کو نقصان نہیں پہنچتا اور ”مُتَوَکِّل“ کو گرمیوں میں سردیوں کے کپڑے محفوظ کرنے کی ضرورت نہیں لیکن یہ حکم اس کے لئے ہے جو مال محفوظ نہ ہونے پر نہ بے چین ہو نہ لوگوں کے مال کا انتظار کرے بلکہ

1 ...قوت القلوب، شرح مقام التوکل، ۲/ ۳۲

اس کا دل اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جانب متوجّہ رہے۔

مُتَوَکِّل کا یقین کمزور ہو تو؟

اگر ''مُتَوَکِّل'' کا دل بے چین ہو یا ذکر و فکر اور عبادت میں یکسوئی نہ مل سکے تو اس کے لئے مال محفوظ کرنا ہی بہتر ہے بلکہ اگر اس کے پاس کچھ جائیداد ہو جس کی آمدنی اس کی ضرورت پوری کرے اور دل کی بے چینی ختم کرے تو یہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ اصل مقصود دل کی اصلاح ہے تاکہ وہ ذکر الٰہی کے لئے فارغ رہے۔ بعض لوگ مال موجود ہونے کی وجہ سے غافل رہتے ہیں تو بعض نہ ہونے کی وجہ سے غافل ہوتے ہیں کیونکہ ہر وہ کام منع ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے غافل کرے ورنہ بذات خود دنیا بری نہیں، اس کا ہونا نہ ہونا دونوں برابر ہیں۔ اسی وجہ سے حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہر قسم کی مخلوق کے لئے احکامِ شریعت لے کر آئے جن میں تاجر، ہنر مند اور ہر قسم کے پیشہ وَر افراد شامل ہیں۔ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے کسی تاجر کو تجارت چھوڑنے کا حکم دیا نہ کسی ہنر مند کو ہنر چھوڑنے کا فرمایا اور ان کاموں سے کنارہ کشی کرنے والے کو ان کاموں میں مصروف بھی نہ کیا بلکہ سب کو معبود برحق عَزَّوَجَلَّ کی جانب بلایا اور رہنمائی فرمائی کہ کامیابی اور نجات اسی میں ہے کہ بندہ دنیا سے بے رغبت ہو کر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جانب متوجّہ رہے اور دل کو اس کی یاد سے آباد رکھے لہٰذا کمزور یقین والے کے لئے یہی بہتر ہے کہ وہ بقدر ضرورت مال جمع رکھے جس طرح مضبوط یقین والے کے لئے مال جمع نہ کرنا بہتر ہے۔

یہ تمام گفتگو فرد واحد کے اعتبار سے تھی۔

عِیال دار کتنا مال جمع رکھے؟

جہاں تک عیال دار کی بات ہے تو وہ اپنے بیوی بچوں کے کمزور ہونے اور ان کی دلی تسکین کی وجہ سے سال بھر کا مال جمع کرنے کے باوجود متوکلین کی فہرست میں شامل رہے گا اور اگر سال بھر سے زائد کا مال جمع کرکے رکھے گا تو ''مُتَوَکِّل'' نہ رہے گا کیونکہ اسباب بار بار آتے ہیں لہٰذا سال بھر سے زائد مدت کے لئے مال جمع کرنا اس کے کمزور یقین کی دلیل ہے جو کہ توکل کے خلاف ہے کیونکہ ''مُتَوَکِّل'' وہی ہوتا ہے جس کا یقین مضبوط ہو اور دل اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل و کرم پر مطمئن ہو نیز اعتماد ظاہری اسباب کے بجائے مخفی اسباب پر ہو۔

احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اپنے اہل وعیال کے لئے ایک سال کی خوراک کا انتظام فرمایا[1] جبکہ حضرت سیِّدَتُنا اُمِّ اَیمن رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو دوسرے دن کے لئے کچھ باقی رکھنے سے منع فرمایا[2] اور جب حضرت سیِّدُنا بلال رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے روٹی کا ٹکڑا افطاری کے لئے بچا رکھا تو ارشاد فرمایا: "اے بلال! اسے خرچ کر اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جانب سے کمی کا خوف نہ کر۔"[3] ایک موقع پر ارشاد فرمایا: "جب تم سے کچھ مانگا جائے تو منع نہ کرو اور جب کچھ دیا جائے تو محفوظ نہ کرو۔"[4]

ان فرامین پر عمل کرنے ہی میں سیِّدُ المتوکلین صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی پیروی ہے کیونکہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی امید اس قدر کم ہوتی کہ جب طبعی حاجت سے فراغت پاتے تو پانی قریب ہونے کے باوجود تیمم کرتے اور ارشاد فرماتے: "میں پانی تک پہنچنے کے امید نہیں رکھتا۔"[5]

اگر نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم مال جمع کیے رکھتے تو بھی توکل میں کوئی فرق نہ آتا کیونکہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے مال پر بھروسا کبھی نہیں کیا بلکہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے مال جمع کرنے کو ترک کیا تاکہ مضبوط یقین والے اس سے توکل کے آداب سیکھیں حالانکہ اُمتی کے مضبوط ترین یقین کو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے یقین سے ذرّہ برابر نسبت نہیں۔

ایک وسوسے کا علاج:

سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا سال بھر کی خوراک جمع رکھنے سے یہ مراد نہیں کہ مَعَاذَ اللہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا یا اہل بیت حضرات کا یقین کمزور تھا بلکہ یہ تعلیم اُمت کے لئے تھا تاکہ کمزور یقین والوں کے لئے ایسا کرنا سنّت ہو جائے۔ حدیث پاک میں ہے: "اللہ عَزَّوَجَلَّ جس طرح

1 ...بخاری، کتاب النفقات، باب حبس نفقة الرجل قوت سنة علی اهله، ۴/ ۵۱۳، حدیث: ۵۳۵۷

2 ...مسند البزار، مسند سفینة، ۹/ ۲۸۷، حدیث: ۳۸۴۱، "ام ایمن" بدله "سفینة"

3 ...مسند البزار، مسند عبد الله بن مسعود، ۵/ ۳۴۸، حدیث: ۱۹۷۸، بتغیر قلیل

4 ...المعجم الکبیر، ۱/ ۳۴۱، حدیث: ۱۰۲۱

5 ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند عبد الله بن العباس، ۱/ ۶۱۸، حدیث: ۲۶۱۴

اصل حکم پر عمل کرنا پسند فرماتا ہے اسی طرح رخصت پر عمل کرنا بھی پسند فرماتا ہے۔"[1] اس حدیث پاک میں کمزور یقین والوں کے لئے تسلّی ہے تاکہ یہ کمزوری مایوسی اور ناامیدی تک نہ پہنچادے اور وہ لوگ بلند مرتبے سے خود کو عاجز جانتے ہوئے آسان نیکیاں نہ چھوڑ بیٹھیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بناکر مبعوث فرمایا گیا حالانکہ مخلوق کی اقسام اور درجات الگ الگ ہیں۔

اب یہ بات تم اچھی طرح سمجھ چکے ہو کہ مال جمع رکھنا بعض کو نقصان دیتا ہے اور بعض کو نہیں۔ اس کی دلیل حضرت سیّدنا ابوامامہ باہلی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کی روایت ہے کہ اصحابِ صُفّہ میں سے ایک صحابی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کا انتقال ہوا اور کفن کے لئے کپڑا نہ مل سکا تو سرکارِ نامدار، مدینے کے تاجدار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "اس کے کپڑوں کی تلاشی لو۔" لوگوں نے تلاشی لی تو کپڑوں کے نیچے سے دو دینار ملے۔ یہ دیکھ کر حضور نبیّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "یہ دونوں داغ ہیں۔"[2] ان کے علاوہ بھی کئی صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان اپنے پیچھے مال چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہوئے لیکن سرکار مدینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے کسی اور کے حق میں یہ جملہ ارشاد نہ فرمایا۔ ان کے حق میں یہ ارشاد فرمانا دو وجوہات کا احتمال رکھتا ہے: (۱)...یہ کہ آگ کے دو داغ مراد لئے جائیں۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ (پ۱۰، التوبة: ۳۵)

ترجمۂ کنزالایمان: پھر اس سے داغیں گے ان کی پیشانیاں اور کروٹیں اور پیٹھیں۔

ایسا اس صورت میں ممکن تھا جبکہ ان میں زُہد، توکل اور فقر وفاقہ نہ ہوتا اور ظاہری حالت اس طرح کی بناتے اور ایسا کرنا شیطانی وار ہے۔ اور (۲)...یہ احتمال بھی ہے کہ یہ بات شیطانی وار نہ ہو (یہاں یہی حالت مراد ہے) اب حدیث پاک کی وضاحت یوں ہوگی کہ جس طرح چہرے پر دو داغ ہوں تو حسن و جمال ماند پڑ جاتا ہے اسی طرح ان دو دیناروں کی وجہ سے وہ توکل کے درجۂ کمال کو پہنچ نہ سکے اور یہ بات شیطانی وار نہیں ہے مگر انسان اپنے پیچھے جو مال چھوڑ کر جاتا ہے وہ اس کے اُخروی درجات میں نقصان کا سبب بنتا ہے کیونکہ

[1]...صحیح ابن حبان، کتاب البر والصلة، باب ما جاء فی الطاعات وثوابها، ۱/ ۲۸۴، حدیث: ۳۵۵

[2]...المسند للامام احمد بن حنبل، حدیث ابی امامة الباھلی، ۸/ ۲۷۷، حدیث: ۲۲۲۳۶

انسان کو جتنی نعمتیں دنیا میں ملتی ہیں اتنی آخرت سے کم کر دی جاتی ہیں۔

حکایت: تربیت کا انوکھا انداز

بندے کے دل میں مال کی محبت نہ ہو اور پھر مال جمع کرے تو یہ توکل کے خلاف نہیں۔ اس کی دلیل یہ واقعہ ہے۔ چنانچہ حضرت سیِّدُنا حسین مَغالِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَالِی فرماتے ہیں کہ میں دن چڑھے حضرت سیِّدُنا بشر حافی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْکَافِی کی خدمت میں تھا کہ ایک عمر رَسیدہ شخص آیا جس کی رنگت گندمی اور داڑھی ہلکی ہلکی تھی۔ حضرت سیِّدُنا بشر حافی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْکَافِی اسے دیکھ کر کھڑے ہوئے حالانکہ یہ آپ کی عادت میں شامل نہ تھا۔ پھر مجھے چند درہم دیتے ہوئے فرمایا: ''بہترین قسم کا کھانا خرید لاؤ۔'' حالانکہ اس سے پہلے کبھی یہ جملہ نہ کہا۔ چنانچہ میں کھانا لے آیا اور آپ کے سامنے رکھ دیا۔ پھر آپ نے اس شخص کے ساتھ کھانا تناول فرمایا حالانکہ ایسا کرنا بھی آپ کی عادت میں شامل نہ تھا۔ ہم نے بقدرِ ضرورت کھانا کھایا لیکن پھر بھی کافی بچ گیا۔ اس شخص نے کھانا جمع کیا، کپڑے میں لپیٹا اور اُٹھا کر چلا گیا۔ میں کافی حیران ہوا کہ کھانا بغیر اجازت کیوں لے گیا؟ آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: ''شاید تمہیں یہ انداز پسند نہیں آیا؟'' میں نے کہا: جی ہاں! وہ بقیہ کھانا بغیر اجازت لے گیا؟ آپ نے فرمایا: ''یہ ہمارے بھائی حضرت فتح مَوْصِلی تھے جو ہماری ملاقات کے لئے مَوْصِل سے تشریف لائے تھے اور ہمیں یہ بات سکھانا چاہتے تھے کہ جب توکل شرائط کے مطابق ہو تو مال جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں۔''

تیسرا مقصد: نقصان دہ چیز کا خوف دور کرنے والے اسباب اپنانا

یاد رکھئے! خوف جان جانے کا ہوتا ہے یا کبھی مال جانے کا اور توکل کی شرط یہ نہیں ہے کہ نقصان دہ چیز کو دور ہی نہ کیا جائے۔

جان جانے کا خوف ہو تو:

یہ خوف یوں ہو سکتا ہے کہ ایسی جگہ سوئے جہاں درندے آزاد پھرتے ہوں یا گرنے والی دیوار یا شکستہ چھت کے نیچے سوئے یا ایسی جگہ سوئے جہاں سیلابی ریلا آسکتا ہو تو ان سب سے بچنا ضروری ہے کیونکہ بعض اوقات بندہ بغیر کسی فائدے کے خود کو ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔

خوف دور کرنے والے اسباب:

یہ تین قسم کے ہیں:(۱)...یقینی (۲)...ظنی اور (۳)...وہمی۔پہلے دونوں اختیار کرنا اور تیسرے کو چھوڑ دینا توکل کے لئے شرط ہے۔وہمی اسباب سے نقصان دور کرنا یوں ہی ہے جیسے بدن داغنا اور دَم کروانا کہ ان چیزوں کا انتظام نقصان پہنچنے سے پہلے ہی احتیاطاً کیا جاتا ہے یا کبھی نقصان پہنچنے کے بعد کیا جاتا ہے حالانکہ تاجدارِ رِسالت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے فرمان کے مطابق ''مُتَوَکِّل'' کے اوصاف یہ ہیں کہ وہ بدن داغنے، جھاڑ پھونک کروانے اور برے شگون سے بچتا ہو۔یہ اوصاف نہیں کہ وہ کسی سَرد علاقہ میں جائے تو گرم کپڑے نہ پہنے کیونکہ عموماً گرم کپڑے سردی سے بچاؤ کا ذریعہ ہوتے ہیں یہی حکم اس طرح کے دیگر اسباب کا ہے، البتہ کوئی موسم سَرما میں سفر پر روانہ ہوتے وقت لہسن وغیرہ کھائے تاکہ جسم میں گرمی پیدا ہو تو بعض اوقات اس چیز پر اعتماد اور بھروسا بڑھ جاتا ہے اس وقت یہ بدن داغنے کی مثل ہوگا نہ کہ گرم کپڑے پہننے کی مثل۔

خوف انسانوں کی جانب سے ہو تو:

بعض اوقات خوف دور کرنے والے اسباب یقینی ہونے کے باوجود اختیار نہیں کئے جاتے مثلاً: ایک شخص کو دوسرے سے تکلیف پہنچی اور وہ اس پر صبر بھی کر سکتا ہے اور اسے دور کر کے مطمئن بھی ہو سکتا ہے تو اس وقت صبر سے کام لینا توکل کی شرط ہے۔

صبر کے متعلق پانچ فرامین باری تعالیٰ:

﴿1﴾...

فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ

(پ۲۹، المزمل: ۹، ۱۰)

ترجمۂ کنزالایمان: تو تم اسی کو اپنا کارساز بناؤ اور کافروں کی باتوں پر صبر فرماؤ۔

﴿2﴾...

وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَاۤ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝

(پ۱۳، ابراھیم: ۱۲)

ترجمۂ کنزالایمان: اور تم جو ہمیں ستا رہے ہو ہم ضرور اس پر صبر کریں گے اور بھروسہ کرنے والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ چاہیے۔

﴿3﴾...

وَ دَعۡ اَذٰىهُمۡ وَ تَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ ؕ (پ۲۲، الاحزاب:۴۸)

ترجمۂ کنزالایمان: اور ان کی ایذا پر در گزر فرماؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو۔

﴿4﴾...

فَاصۡبِرۡ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الۡعَزۡمِ مِنَ الرُّسُلِ (پ۲۶، الاحقاف:۳۵)

ترجمۂ کنزالایمان: تو تم صبر کرو جیسا ہمت والے رسولوں نے صبر کیا۔

﴿5﴾...

نِعۡمَ اَجۡرُ الۡعٰمِلِيۡنَ ۖ ﴿۵۸﴾ الَّذِيۡنَ صَبَرُوۡا وَ عَلٰى رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُوۡنَ ﴿۵۹﴾ (پ۲۱، العنکبوت:۵۸، ۵۹)

ترجمۂ کنزالایمان: کیا ہی اچھا اجر کام والوں کا وہ جنھوں نے صبر کیا اور اپنے رب ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

خوف درندوں کی جانب سے ہو تو:

صبر توکل کی شرط اس وقت ہے جب خوف لوگوں کی جانب سے ہو، اگر خوف سانپ، بچھو اور درندوں کی جانب سے ہو اور بندہ انہیں نہ بھگائے تو یہ توکل کے برخلاف ہے جس میں کوئی فائدہ نہیں اور کوشش کرنا یا نہ کرنا بذات خود مطلوب نہیں بلکہ مطلوب تو دینی اُمور پر مدد حاصل کرنا ہے۔

یہاں بھی اسباب کی ترتیب وہی ہے جو پہلے مقصد (یعنی فائدہ حاصل کرنے) میں تھی لہٰذا ہم اسے دوبارہ بیان نہیں کریں گے۔

مال جانے کا خوف ہو تو:

مال جانے کا خوف ہو تو یقینی یا ظنی اسباب اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں مثلاً باہر نکلتے ہوئے گھر کا دروازہ بند کرنا یا سواری کا جانور باندھنا کیونکہ ان اسباب کا یقینی یا ظنی ہونا معلوم ہو چکا ہے۔ اسی وجہ سے جب ایک اعرابی نے اپنے اونٹ کو کھلا چھوڑ کر کہا: "میں نے اللہ عَزَّوَجَلَّ پر توکل کیا۔" تو محسن کائنات، فخر موجودات صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "اسے باندھو پھر توکل کرو۔"[1]

---

[1]...سنن الترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب۶۰، ۴/ ۲۳۲، حدیث: ۲۵۲۵ ... شعب الایمان للبیہقی، باب التوکل باللہ، ۲/ ۸۰، حدیث: ۱۲۱۲

اسباب اپنانے کے متعلق چار فرامین باری تعالیٰ:

﴿1﴾...

وَ خُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ (پ۵، النسآء: ۱۰۲) ترجمۂ کنزالایمان: اور اپنی پناہ لیے رہو۔

﴿2﴾... نمازِ خوف کی کیفیت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَ لْیَاْخُذُوْۤا اَسْلِحَتَهُمْ ۫ (پ۵، النسآء: ۱۰۲) ترجمۂ کنزالایمان: اور وہ اپنے ہتھیار لیے رہیں۔

﴿3﴾...

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ (پ۱۰، الانفال: ۶۰) ترجمۂ کنزالایمان: اور ان کے لئے تیار رکھو جو قوت تمہیں بن پڑے اور جتنے گھوڑے باندھ سکو۔

﴿4﴾...

فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا (پ۲۵، الدخان: ۲۳) ترجمۂ کنزالایمان: ہم نے حکم فرمایا کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے نکل۔

یعنی دشمن کی نگاہ سے چھپ کر رات کی پناہ لینا کہ یہ بھی نقصان سے بچنے کا ایک سبب ہے۔ اسی طرح حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے کفار کے نقصان پہنچانے سے بچنے کے لئے غارِ ثور میں قیام فرمایا۔

نقصان کا خوف دور کرنے کے لئے نماز میں ہتھیار اٹھائے رکھنا یقینی نہیں بلکہ ظنی سبب ہے جبکہ سانپ، بچھو کا قتل کرنا یقینی سبب ہے لیکن پیچھے بیان ہو چکا کہ ظنی اسباب یقینی کے درجہ میں ہیں۔ بہر حال اس معاملہ میں بھی "مُتَوَکِّل" کو وہمی اسباب اختیار کرنے سے بچنا ضروری ہے۔

سوال جواب:

سوال: ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے بارے منقول ہے کہ شیر نے آپ کے کندھے پر اپنا پنجہ رکھا تو آپ بالکل بھی خوفزدہ نہ ہوئے (معلوم ہوا کہ "مُتَوَکِّل" کو ان چیزوں سے نہیں ڈرنا چاہئے)۔ **جواب:** یہ واقعہ تمہیں دھوکے میں مبتلا نہ کرے کیونکہ اس کے علاوہ بھی کئی واقعات ہیں مثلاً بعض بزرگوں نے شیر کو اپنا تابع بنا کر اس پر سواری کی۔ یہ معاملہ اپنی جگہ بالکل درست ہے لیکن اس میں کسی کی پیروی نہیں کی جا سکتی

کیونکہ اس کا تعلق کرامات سے ہے جو کہ توکل میں شرط نہیں نیز اس میں ایسے راز پوشیدہ ہیں جن تک پہنچنے والا ہی ان رازوں کو سمجھ پاتا ہے۔

سوال: کیا کوئی ایسی علامت ہے جس سے معلوم ہو جائے کہ کوئی اس درجہ تک پہنچ چکا ہے؟ **جواب:** جو شخص پہنچ گیا اسے علامت کی ضرورت نہیں۔ البتہ پہنچنے سے پہلے کی ایک علامت یہ ضرور ہے کہ تمہارا کتا فرمانبردار ہو جائے یعنی تمہارا غصّہ جو تمہارے ساتھ ہوتا ہے تمہیں اور دوسروں کو کاٹتا رہتا ہے، جب تم اس کتے کو جوش دلاؤ اور شکار کے پیچھے لگاؤ تو تمہارے ہی اشاروں پر چلے تو سمجھ لینا کہ یہ تمہارا فرمانبردار ہو چکا ہے اور بعض اوقات اس کا درجہ اس قدر بلند ہو جاتا ہے کہ جنگل کا بادشاہ شیر بھی فرمانبردار ہو جاتا ہے۔ جنگلی کتے کے مقابلہ میں گھر کا کتا اور گھر کے کتے کے مقابلہ میں باطنی کتا زیادہ حق رکھتا ہے کہ اسے فرمانبرداری سکھائی جائے لہٰذا جب باطنی کتا فرمانبردار نہ ہو سکے تو ظاہری کتے کو فرمانبردار کرنے کی امید نہ رکھو۔

علم اور کیفیت کے اعتبار سے توکل:

اگر کہا جائے کہ کوئی شخص دشمن سے بچنے کے لئے ہتھیار اٹھائے، چور سے بچنے کے لئے گھر کا دروازہ بند کرے اور جانور بھاگ جانے کے ڈر سے اسے باندھ کر رکھے تو اس کا توکل علم کے اعتبار سے ہو گا یا کیفیت اور عمل کے اعتبار سے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے شخص کا توکل علم اور کیفیت کے اعتبار سے ہو گا۔

علم کے اعتبار سے توکل یوں ہو گا کہ وہ جانتا ہو چور سے حفاظت فقط دروازہ بند کرنے کی وجہ سے نہیں ہوئی بلکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ چور کو دور کیے ہوئے ہے کیونکہ کئی دروازے ایسے ہیں جن پر تالا ہوتا ہے لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا، اسی طرح کئی اونٹ بندھے ہوتے ہیں لیکن مَر جاتے ہیں یا رَسی توڑ کر بھاگ جاتے ہیں، یونہی کئی اسلحہ اٹھانے والے قتل ہو جاتے ہیں یا شکست سے دوچار ہو جاتے ہیں، لہٰذا تمہارا بھروسا اسباب پیدا کرنے والے پر ہو نہ کہ اسباب پر جیسا کہ پیچھے مقدمہ میں وکیل پر بھروسا کرنے کی مثال گزری ہے کہ اگر وہ شخص خود عدالت آئے اور تمام مطلوبہ کاغذات بھی لائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا اعتماد وکیل کی کوشش اور طاقت پر ہے نہ کہ اپنے اوپر یا کاغذات پر۔

کیفیت کے اعتبار سے توکل یوں ہو گا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جو فیصلہ اس کے گھر اور زندگی کے بارے میں

فرمایا ہے اس پر راضی ہو اور کہے: ''اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! اگر تقدیر میں یہ لکھا ہے کہ میرے گھر میں چوری ہو گی تو یہ سب مال تیری ہی راہ میں ہے اور میں تیرے فیصلہ پر راضی ہوں کیونکہ مجھے نہیں معلوم کہ جو کچھ تو نے عطا کیا ہے وہ تحفہ ہے کہ تو واپس نہیں لے گا یا عاریت اور امانت ہے کہ تو واپس لے لے گا، مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ سامان میرا رزق ہے یا تقدیر میں اسے کسی اور کا رزق ہونا لکھا جا چکا ہے، تیرا فیصلہ جو بھی ہو میں اس پر راضی ہوں، دروازہ بند رکھنے کا مقصد تیرے فیصلہ سے بچنا اور اس کی مخالفت نہیں بلکہ تیرے ہی طریقۂ کار کے مطابق اسباب اختیار کرنا ہے، اے اسباب پیدا فرمانے والے! میرا اعتماد صرف تیری ذات پر ہے۔''

جب بندے کی حالت مذکورہ کیفیت اور علم کے مطابق ہو جائے تو وہ ''مُتَوَکِّل'' ہے اگرچہ اونٹ باندھے، اسلحہ اٹھائے یا دروازے کو تالا لگائے۔

پھر جب لوٹ کر آئے اور گھریلو سامان بحفاظت پائے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ایک اور نعمت شمار کرے اور اگر واپس لوٹنے پر سامان چوری ہو گیا ہو تو اپنے دل پر غور کرے اگر اسے راضی یا مطمئن پاتا ہے اور مال چلے جانے کی وجہ یہ گمان کرے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے آخرت میں زیادہ عطا فرمائے گا تو اس کا توکل درست ہے اور دعوٰی سچا ہے اور اگر دل افسُردَہ ہو جائے اگرچہ صبر کی طاقت ہو تو یہ اپنے دعوٰی میں سچا نہیں کیونکہ توکل زہد کے بعد آتا ہے اور زہد اس وقت درست ہوتا ہے جب دنیوی مال آنے پر خوشی ہو نہ جانے پر دُکھ بلکہ جانے پر خوشی اور آنے پر دکھ ہو تو یہ توکل کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ البتہ مقامِ صبر پا سکتا ہے جبکہ دُکھ چھپائے اور شِکوہ نہ کرے نیز مال ڈھونڈنے اور تلاش کرنے میں زیادہ کوشش نہ کرے۔ اگر صبر پر بھی قادر نہ ہو کہ دل میں دکھ ہو اور زبان پر شکوہ ہو نیز مال ڈھونڈنے کی بہت زیادہ کوشش کرے تو اس چوری نے اس کی خطاؤں میں مزید اضافہ یوں کر دیا کہ وہ اپنے تمام دعووں میں جھوٹا ہے اور توکل و زہد سے اس کا کچھ تعلق نہیں۔ ایسے شخص کو چاہئے کہ کوشش کرتا رہے اور نفس کی کسی بات کو نہ سچ سمجھے نہ ہی اس کے دھوکے کے جال میں پھنسے کیونکہ یہ ایسا دھوکے باز ہے جو اچھائی کی آڑ میں برائی کی جانب بُلاتا ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

کوئی اگر ''مُتَوَکِّل'' ہے تو مال کیوں رکھتا ہے کہ چوری ہو؟ **جواب:** توکل کرنے والا شخص اپنے گھر میں

کچھ نہ کچھ سامان رکھتا ہے مثلاً کھانے کی پلیٹ، پانی پینے کا پیالہ، وضو کا برتن، کھانے کے سامان کا تھیلا، دشمن بھگانے کے لئے لاٹھی اور دیگر گھریلو ضروری سامان اور کبھی اس کے پاس مال آتا ہے تو اسے اس لئے جمع کرکے رکھتا ہے کہ کوئی ضرورت مند ملے تو اسے دے گا۔ اس نیت سے مال جمع رکھنا توکل کے خلاف نہیں، یونہی پلیٹ، پیالہ اور سامان کا تھیلا گھر سے نکال پھینکنا توکل کی شرط نہیں بلکہ ضرورت سے زائد کھانے کی چیزیں اور سامان نکالنا شرط ہے۔

قدرت کا طریقۂ کار:

قدرت کا طریقہ یہ ہے کہ مسجد کے کونے میں موجود فقیر کو بھی رزق پہنچے اگرچہ یہ نہیں کہ اُسے گھریلو ساز وسامان ہر روز یا ہر ہفتہ پہنچے تو اس طریقۂ کار سے ہٹ کر زندگی گزارنا توکل کی شرط نہیں ہوسکتی کیونکہ قدرت کے طریقۂ کار نے دونوں معاملوں کے درمیان فرق واضح کر دیا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت سیِّدُنا ابراہیم خوّاص رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه اپنے ساتھ سفر میں سوئی، قینچی، ڈول اور رسی رکھا کرتے تھے نہ کہ کھانے پینے کا سامان۔

مال چوری ہونے پر رنج وغم دور کرنے کا طریقہ:

اگر کہا جائے کہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ایک شخص کا ضروری مال چوری ہو جائے اور اسے رنج وغم نہ ہو، اگر مال پسند کے مطابق نہیں تو کیوں سنبھال کر رکھا اور دروازہ بند کیا اور اگر ضرورت کی وجہ سے ہی سنبھالا تھا تو اب کیوں دل دُکھی اور غمگین نہ ہو حالانکہ اب خواہش پوری نہ ہونے میں رُکاوٹ کھڑی ہو چکی ہے؟

(سیِّدُنا امام غزالی عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْوَالِی فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ دراصل مسلمان ''مُتَوَکِّل'' گھریلو سامان کی حفاظت اس لئے کرتا ہے کہ یہ اس کے دین کے لئے مددگار ہوتا ہے کیونکہ وہ گمان کرتا ہے کہ سامان کا موجود ہونا اس کے لئے بہتر ہے اگر بہتر نہ ہوتا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے عطا نہ کرتا۔ تو اللہ عَزَّوَجَلَّ پر اچھا گمان کرنے کو دلیل بناتے ہوئے سامان کی حفاظت کرتا ہے اگرچہ سامان کی حفاظت اس کے دین کے لئے مددگار ہے۔ یہ دلیل یقینی نہیں کیونکہ یہ بھی احتمال ہے کہ سامان کا چوری ہونا اس کے حق میں بھلائی ہو کہ اسے آزمائش میں مبتلا کرکے اسے زیادہ ثواب دیا جائے۔ پس جب چور مسلط کرکے اللہ عَزَّوَجَلَّ اس سے مال لے لیتا ہے تو اس کا گمان تبدیل ہو جاتا ہے کیونکہ ہر حال میں وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اچھا گمان کرتا ہے اور اسی پر بھروسا کرتا ہے۔

اب وہ کہتا ہے: ”یقیناً اللہ عَزَّوَجَلَّ کے علم میں تھا کہ پہلے مال کا موجود ہونا میرے حق میں بہتر تھا اور اب نہ ہونا میرے حق میں بہتر ہے اسی لئے اس نے مجھ سے واپس لے لیا۔“

اس طرح کے گمان سے ممکن ہے کہ بندے کا غم دور ہو جائے کیونکہ اب وہ اسباب کو اسباب سمجھ کر خوش نہیں ہوتا بلکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فضل و کرم سمجھ کر خوش ہوتا ہے۔ ایسے شخص کی مثال اس مریض کی طرح ہے جو رحم دل طبیب کے زیر علاج ہو اور اس کی ہر بات مانتا ہو، اگر وہ دوا کھانے کا کہے تو یہ خوش ہو کر کہے: ”طبیب جانتا ہے کہ یہ دوا میرے لئے فائدہ مند ہے اور میرا جسم سے برداشت کرنے کی طاقت رکھتا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو مجھے کھانے کا نہ کہتا۔“ اور اگر کوئی چیز کھانے سے منع کرے تو بھی خوش ہو کر کہے: ”یہ چیز مجھے نقصان دے گی اور موت کی طرف لے جائے گی کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو طبیب مجھے اس سے منع نہ کرتا۔“

میں نہیں جانتا کہ میرے حق میں کیا بہتر ہے:

جس شخص کا یقین اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل و کرم پر یوں نہ ہو جیسے مہربان باپ اور رحم دل طبیب پر ہوتا ہے تو اس کا توکل پایا ہی نہیں گیا اور جو شخص یہ بات اور اس کے طریقۂ کار کو جان لے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کس طرح اپنے بندوں میں بہتری پیدا فرماتا ہے تو وہ اسباب پر خوش نہیں ہوتا کیونکہ اسے خود نہیں معلوم ہوتا کہ کون سا سبب اس کے حق میں بہتر ہے۔ جس طرح امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کا فرمان ہے: ”مجھے اس سے کچھ غرض نہیں کہ میری صبح مال داری میں ہو یا غربت میں کیونکہ میں نہیں جانتا کہ ان دونوں میں سے میرے حق میں کیا بہتر ہے۔“ اسی طرح ”مُتَوَکِّل“ پر لازم ہے کہ مال چوری ہونے نہ ہونے کا کچھ خیال نہ کرے کیونکہ اسے خود معلوم نہیں کہ کون سی بات دنیاوی یا اُخروی لحاظ سے بہتر ہے۔ بہت مرتبہ دنیاوی مال انسان کی ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے اور کئی مال دار مال کی وجہ سے کسی پریشانی میں مبتلا ہو کر یوں کہہ دیتے ہیں: ”کاش! میں فقیر ہوتا۔“

﴿ تُوبُوْا اِلَی اللہ　　اَسْتَغْفِرُ اللہ ﴾

﴿ صَلُّوْا عَلَی الْحَبِیْب　　صَلَّی اللہُ عَلٰی مُحَمَّد ﴾

چھٹی فصل: گھریلو سامان کے متعلق مُتَوَکِّل کے لئے آداب

جو ''مُتَوَکِّل'' اپنے گھر میں سامان رکھتا ہے گھر سے نکلتے وقت درج ذیل آداب کا خیال رکھے۔

...**پہلا ادب:** دروازہ بند کر دے، البتہ زیادہ حفاظتی انتظامات نہ کرے جیسے تالا لگانے کے باوجود پڑوسی کو دیکھ بھال کا کہنا یا کئی تالے لگا دینا۔

سیِّدُنا مالک بن دینار رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کا توکل:

حضرت سیِّدُنا مالک بن دینار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْغَفَّار اپنے گھر کے دروازے کو تالا نہ لگاتے لیکن رسی سے مضبوط باندھ کر فرماتے: ''اگر کتے نہ ہوتے تو میں رسی سے بھی نہ باندھتا۔''

...**دوسرا ادب:** گھر میں ایسا سامان نہ رکھے جو چوروں کو چوری پر آمادہ کرے کہ یہ ان کے گناہ میں پڑنے کا سبب ہو گا یا ان کی دل چسپی کا باعث ہو گا۔

حضرت سیِّدُنا مغیرہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے حضرت سیِّدُنا مالک بن دینار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْغَفَّار کو ایک ڈول تحفہ میں دیا۔ آپ نے چند دن بعد وہ واپس لوٹا دیا اور فرمایا: ''اسے لے لو! مجھے اس کی ضرورت نہیں۔'' حضرت سیِّدُنا مغیرہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے وجہ پوچھی تو فرمایا: ''شیطان وسوسہ ڈالتا ہے کہ کوئی اسے چوری کرلے گا۔''

گویا آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے احتیاط کی کہ چور گناہ میں مبتلا ہو گا اور میرا دل مال چوری ہو جانے کے شیطانی وسوسوں میں مبتلا رہے گا۔ حضرت سیِّدُنا سلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی فرماتے ہیں: ''یہ صوفیا کے یقین کی کمزوری ہے کیونکہ جب یہ زہد اختیار کر چکے ہیں تو اب مال کی چوری پر واویلا کرنا کیسا؟''

...**تیسرا ادب:** بحالت مجبوری کوئی چیز چھوڑ کر جانا پڑے تو یہ نیت کرے کہ چور کو مُسَلَّط کرنے کا جو فیصلہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے فرمایا ہے اس پر راضی ہوں اور یوں کہے: ''چور جو مال لے گا وہ اس کے لئے حلال ہے یا وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رِضا کے لئے مُباح ہے اور اگر چور فقیر ہوا تو اس پر صدقہ ہے۔'' بہتر یہ ہے کہ فقیر کی شرط نہ لگائے۔

چور کے متعلق دو نیتیں:

چور مال دار ہو یا فقیر دونوں صورتوں میں ''مُتَوَکِّل'' دو طرح کی نیتیں کر سکتا ہے: (۱)...چور کو اس گناہ

سے چھٹکارامل جائے۔ کیونکہ بعض اوقات چوری کی وجہ سے چور مالدار ہو جاتا ہے اور آئندہ چوری نہیں کرتا اور ”مُتَوَکِّل“ کے حلال کر دینے کی وجہ سے حرام کھانے کے گناہ سے بھی بچ جاتا ہے۔ (۲)...چور کسی اور مسلمان پر ظلم نہ کرے اور اس کا مال دوسرے مسلمان کے مال کا مُعاوَضہ بن جائے[1]۔

جب بھی وہ اپنے مال کے ذریعہ کسی اور کے مال کی حفاظت کی نیت کرے گا یا چور سے گناہ دور کرنے کی نیت کرے گا یا اس پر آسانی کی نیت کرے گا تو اس نے حدیث پاک پر عمل کرتے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کی۔ چنانچہ مروی ہے: ”تو اپنے بھائی کی مدد کر خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔“[2] ظالم کی مدد کرنا یہ ہے کہ تم اسے ظلم سے روکو اور معاف کرنا بھی ظلم سے روکنا اور منع کرنا ہے، لہٰذا یہ نیت کسی اعتبار سے نقصان دہ نہیں ہے کیونکہ اس نیت میں نہ چور کو چوری پر اُکسانا ہے نہ تقدیر کے فیصلہ کو تبدیل کرنا۔

یہ نیت زہد کی وجہ سے ہی پائی جاتی ہے کیونکہ اگر مال چوری ہو گیا تو اس نیت کی وجہ سے اسے ہر درہم کے بدلے سات سو درہم کا ثواب ملے گا اور اگر چوری نہ ہوا تو پھر بھی ثواب ملے گا جیسا کہ حضور نبیِّ رحمت، شفیعِ اُمَّت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ ذیشان ہے: ”جو بوقتِ اِنزال بیوی سے جدا نہ ہوا اور نطفہ ٹھہر جائے تو اتنا ثواب پائے گا جیسے ایک لڑکا پیدا ہوا اور زندہ رہے یہاں تک کہ جہاد کرے اور شہید ہو جائے اگرچہ اس نطفہ سے لڑکا پیدا نہ ہو۔“[3] اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے بَس میں ہَم بِستَرِی کرنا ہے جبکہ زندگی، رزق اور پیدائش کے معاملہ میں یہ بے بَس ہے اور اگر لڑکا پیدا بھی ہوا تو بھی اسے اپنے فعل پر ثواب ملے گا جو کہ موجود ہے، اسی طرح چوری کے معاملے میں بھی ثواب ملے گا۔

...چوتھا ادب: (”مُتَوَکِّل“ کے لئے گھریلو سامان کے متعلق ایک ادب یہ ہے کہ) جب لوٹ کر آئے اور مال چوری پائے تو غم نہ کرے بلکہ ممکن ہو تو خوش ہو کر یہ کہے: ”اگر چوری ہونے میں بہتری نہ ہوتی تو اللہ عَزَّوَجَلَّ مال واپس نہ لیتا۔“ اگر مال وقف نہ کیا تھا تو اسے زیادہ تلاش نہ کرے نہ کسی مسلمان پر بدگمانی کرے اور اگر رضائے

1...چور اپنے فعل میں بہر حال گناہ گار ہو گا۔ (از علمیہ)

2...بخاری، کتاب الاکراہ، باب یمین الرجل لصاحبہ...الخ، ۴/ ۳۸۹، حدیث: ۶۹۵۲

3...قوت القلوب، شرح مقام التوکل ووصف احوال المتوکلین، ۲/ ۵۴

الٰہی کی خاطر وقف کر دیا تھا تو اب اسے بالکل تلاش نہ کرے کہ وہ مال اس کی آخرت کے لئے ذخیرہ ہو چکا ہے۔ اگر وقف کی نیت کے بعد وہ مال مل جائے تو بہتر یہ ہے کہ اسے قبول نہ کرے اور اگر قبول کر بھی لیا تو فتوٰی کی رُو سے جائز ہے کیونکہ فقط نیت کرنے سے ملکیت ختم نہیں ہوتی، متوکلین کے نزدیک یہ عمل ناپسندیدہ ہے۔

حکایت: راہِ خدا میں وقف چیز واپس نہ لی

منقول ہے کہ حضرت سیّدنا عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی اونٹنی چوری ہو گئی اور کافی تلاش کے باوجود جب نہ ملی تو آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: "وہ راہِ خدا میں وقف ہے۔" پھر آپ مسجد میں آئے اور دو رکعت نماز پڑھی۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا: "اے ابو عبد الرحمٰن! آپ کی اونٹنی فلاں جگہ ہے۔" آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نعلین پہن کر کھڑے ہوئے اور پھر اِستغفار کرتے ہوئے بیٹھ گئے۔ عرض کی گئی: "کیا آپ اپنی اونٹنی لینے نہیں جائیں گے؟" فرمایا: "میں کہہ چکا ہوں کہ وہ راہِ خدا میں وقف ہے۔"

حکایت: مال راہِ خدا میں دے کر واپس لینے کا نقصان

ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دوست کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھا تو پوچھا: "اللہ عَزَّوَجَلَّ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟" اس نے کہا: "اللہ عَزَّوَجَلَّ نے میری بخشش فرما کر مجھے جنّت میں داخل کیا اور مجھے میرے جنتی محلّات دکھائے۔" بزرگ فرماتے ہیں کہ وہ مجھے حسرت زدہ نظر آیا لہٰذا میں نے اس سے کہا: "اللہ عَزَّوَجَلَّ نے تمہاری بخشش فرما دی، تمہیں جنّت میں داخل کیا اور تم حسرت زدہ نظر آتے ہو؟" اس نے ایک سَرد آہ کھینچی اور کہا: "ہاں! میں قیامت تک حسرت زدہ رہوں گا۔" وجہ پوچھنے پر اس نے بتایا کہ میرے جنتی محلّات مقامِ عِلِّیِّیْن میں اتنے بلند تھے کہ ان سے زیادہ بلند کوئی اور نظر نہیں آیا۔ یہ دیکھ کر میں بہت خوش ہوا لیکن جب ان میں داخل ہونا چاہا تو کسی نے پُکارا: "اِسے ان محلّات سے دور کر دو، یہ اِس کے لئے نہیں ہیں، یہ اُس شخص کے لئے ہیں جو راستہ عبور کر لے۔" میں نے پوچھا: "راستہ عبور کرنے سے کیا مراد ہے؟" آواز آئی: "تم دنیا میں کہتے تھے کہ فلاں چیز راہِ خدا میں ہے پھر واپس لے لیتے تھے، اگر تم اس راہ کو عبور کر لیتے تو ہم تمہیں یہ راہ عبور کروا دیتے۔"

تمام سکے تقسیم کر دیئے:

مکہ مکرمہ میں ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ آرام فرمارہے تھے۔ ان کے قریب ایک آدمی سویا ہوا تھا جس کے پاس سکّوں کی تھیلی تھی۔ جب وہ بیدار ہوا تو تھیلی غائب تھی۔ اس نے ان بزرگ پر چوری کی تہمت لگادی۔ انہوں نے پوچھا: "تمہاری تھیلی میں کتنے سکے تھے؟" اس نے سکے بتائے تو وہ بزرگ اس آدمی کو اپنے گھر لے گئے اور سکے اس کے حوالے کر دیئے۔ بعد میں اسے معلوم ہوا کہ دوستوں نے بطور شرارت سکے چھپالیے تھے۔ وہ شخص اپنے دوستوں کے ساتھ ان بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سکے لوٹانا چاہے تو انہوں نے لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا: "اسے رکھ لو! یہ تمہارے لئے حلال ہیں کیونکہ ہم جس مال کو راہِ خدا میں دیتے ہیں اسے واپس نہیں لیتے۔" جب ان لوگوں کا اصرار بڑھا تو بزرگ نے اپنے بیٹے کو بلایا اور تھیلیوں میں رکھوا کر تمام سکے تقسیم کروادیئے۔

بزرگانِ دین رَحِمَہُمُ اللہُ الْمُبِیْن کا طریقۂ کار یہی ہوتا تھا کہ اگر کسی فقیر کو دینے کے لئے روٹی ہاتھ میں لیتے اور فقیر چلا جاتا تو روٹی گھر واپس لے جانے کو ناپسند کرتے اور دوسرے فقیر کو دے دیتے نیز درہم و دینار اور تمام صدقات میں یہی طریقہ اپناتے۔

چور کو بددعا نہ دی جائے:

❀...**پانچواں ادب:** ("مُتَوَکِّل" کے لئے گھریلو سامان کے متعلق آداب میں) یہ سب سے کم درجہ ہے کہ چور کے لئے بدُعا نہ کرے۔ اگر بددعا کرے گا تو توکل ختم ہو جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے چوری ہونے کو ناپسند کیا اور افسوس کیا یوں اس کا زہد ختم ہو گیا اور اگر بددعا کی تو وہ ثواب بھی نہ ملے گا جو اس مصیبت پر ملتا۔ جیسا کہ نبیِّ پاک، صاحبِ لولاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: "جس نے اپنے اوپر ظلم کرنے والے کو بددعا دی اس نے خود بدلہ لے لیا۔"[1]

حکایت: چور پر گھوڑا صدقہ کر دیا

منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا رَبِیع بن خُثَیْم رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نماز پڑھ رہے تھے کہ کسی نے ان کا گھوڑا چوری

[1]...سنن الترمذی، کتاب الدعوات، باب فی دعاء النبی، ۵/ ۳۲۴، حدیث: ۳۵۶۳

کرلیا جس کی مالیت بیس ہزار درہم تھی۔ آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے اسے پکڑنے کے لئے نہ تو نماز توڑی نہ ہی پریشان ہوئے۔ کچھ لوگ تسلّی دینے آئے تو فرمایا: ''میں نے اسے رسی کھولتے دیکھ لیا تھا۔'' عرض کی گئی: ''آپ نے اسے بھگایا کیوں نہیں؟'' فرمایا: ''میں گھوڑے سے زیادہ پسندیدہ کام یعنی نماز میں مصروف تھا۔'' لوگ چور کے لئے بددعا کرنے لگے تو فرمایا: ''اسے بددعا کے بجائے دعا دو کہ میں اپنا گھوڑا اس پر صدقہ کرچکا ہوں۔''

شیطان کا مددگار:

ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کی کوئی چیز چوری ہوئی تو لوگوں نے ان سے کہا: ''آپ اس ظلم کرنے والے کے لئے بددعا کیوں نہیں کرتے؟'' فرمایا: ''مجھے یہ پسند نہیں کہ میں اس کے خلاف شیطان کا مددگار بنوں۔'' لوگوں نے عرض کی: ''اگر اس نے وہ چیز لوٹادی تو کیا کریں گے؟'' فرمایا: ''اسے لوں گا نہ اس کی طرف دیکھوں گا کیونکہ میں وہ چیز اس کے لئے حلال کرچکا ہوں۔''

خود اپنی جان پر ظلم کرنا:

ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے لوگوں نے کہا: ''آپ اپنے اوپر ظلم کرنے والے کے لئے بددعا کیجئے۔'' فرمایا: ''مجھ پر کسی نے ظلم نہیں کیا بلکہ اس نے خود اپنی جان پر ظلم کیا ہے، اس بے چارے کا اپنی جان پر ظلم کرنا کافی نہیں ہے کہ میں بددعا کرکے نقصان میں اضافہ کروں۔''

ظالم کو برا بھلا مت کہو:

کسی بزرگ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے سامنے ایک شخص نے حجاج بن یوسف کو اس کے ظلم وستم کی وجہ سے بُرا بھلا کہا تو انہوں نے فرمایا: اسے بُرا مت کہو کیونکہ حجاج کو بُرا کہنے والے سے اللہ عَزَّوَجَلَّ اسی طرح بدلہ لے گا جس طرح لوگوں کے جان ومال کا بدلہ حجاج سے لے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ کسی بندے پر ظلم ہو اور وہ ظالم کو مسلسل بُرا بھلا کہتا رہے یہاں تک کہ اس کی بدزبانی ظلم کے برابر ہوجائے پھر جو اس سے بڑھ جائے وہ قرض ہے جو ظالم کا حق بن جائے گا اور مظلوم سے اسے دلوایا جائے گا۔[1]

---

[1]... الزهد لابن المبارك، باب ما جاء في الشح، ص ۲۳۷، حديث: ۶۸۱ ... قوت القلوب، شرح مقام التوكل ووصف احوال المتوكلين، ۲/ ۵۲

…چھٹا ادب:("مُتَوَکِّل" کے لئے گھریلو سامان کے متعلق ایک ادب یہ ہے کہ) اس بات پر غمگین ہو کہ چور چوری کرکے گناہ گار ہوا اور عذاب الٰہی کا مستحق ٹھہرا اور اس بات پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ادا کرے کہ وہ ظالم کے بجائے مظلوم بنا اور اسے دنیا کا نقصان پہنچا دین کا نہیں۔

مسلمانوں کا خیر خواہ:

ایک شخص نے کسی عالِمِ دین سے شکایت کی کہ ڈاکوؤں نے اس کا مال لوٹ لیا۔ انہوں نے فرمایا: "اگر تمہیں اپنے مال کے غم سے زیادہ اس بات کا غم نہیں کہ مسلمانوں میں لوٹ مار کرنے والے پیدا ہو چکے ہیں تو تم مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں ہو۔"

حکایت: چور سے خیر خواہی

حضرت سیِّدُنا علی بن فضیل بن عیاض رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ طوافِ کعبہ میں مشغول تھے کہ آپ کے دینار چوری ہوگئے۔ ان کے والد نے انہیں غمگین اور روتے ہوئے دیکھا تو پوچھا: "کیا دیناروں پر روتے ہو؟" جواب دیا: "اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! ایسا نہیں ہے، مجھے اس بے چارے پر رونا آرہا ہے کہ قیامت کے دن اس سے پوچھا جائے گا تو اس کے پاس کوئی عذر نہ ہوگا۔"

ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے کسی نے کہا: جس نے آپ پر ظلم کیا ہے اس کے لئے بد دعا کیجئے! انہوں نے فرمایا: چور پر غم کرنے میں اتنا مشغول ہوں کہ بد دعا کا وقت نہیں۔

بزرگانِ دین رَحِمَہُمُ اللہُ الْمُبِیْن کا یہی طریقۂ کار ہوتا تھا۔

چوتھا مقصد: مرض ونقصان دہ چیز کو دور کرنا

مرض دور کرنے کے اسباب:

مرض دور کرنے کے اسباب تین طرح کے ہیں: (۱)…یقینی مثلاً روٹی اور پانی کہ یہ دونوں بھوک اور پیاس کے نقصان کو دور کرنے میں یقینی سبب ہیں۔ (۲)…ظنی مثلاً جسم سے خراب خون نکلوانا، قبض دور کرنے والی دَوا پینا، گرم چیزوں سے جسمانی ٹھنڈک اور ٹھنڈی چیزوں سے جسمانی گرمی کا علاج کرنا کہ یہ فن

طب میں ظاہری اسباب ہیں۔(۳)...وہمی اسباب مثلاً بدن داغنا اور جھاڑ پھونک کروانا۔

یقینی اسباب:

ان سے دور رہنا توکل کے خلاف نہیں بلکہ موت کا خوف ہو تو انہیں اختیار نہ کرنا حرام ہے۔

وہمی اسباب:

انہیں اختیار نہ کرنا توکل کی شرط ہے کیونکہ حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے متوکلین کے یہی اوصاف بیان فرمائے ہیں کہ وہ بدن داغتے ہیں نہ جھاڑ پھونک کرواتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر وہمی سبب بدن داغنا، جھاڑ پھونک کروانا اور فال نکلوانا ہے کہ ان پر اعتماد اور بھروسا کرنا ظاہری اسباب میں ڈوب جانا ہے۔

ظنی اسباب:

یعنی درمیانہ درجہ مثلاً طبیب کا ظاہری اسباب کے ذریعے علاج کرنا۔

وہمی اسباب کے برخلاف ظنی اسباب اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں، البتہ ان کا ترک یقینی اسباب کی طرح ممنوع بھی نہیں بلکہ بعض حالتوں میں اور بعض لوگوں کے لئے ان پر عمل کرنا افضل ہے۔ رسولِ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے قول و فعل اور علاج تجویز کرنے سے یہ بات ثابت ہے کہ دوا استعمال کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے۔

علاج کے متعلق چھ فرامینِ مصطفٰے:

﴿1﴾...موت کے سوا ہر بیماری کا علاج ہے، اس کی پہچان وہی رکھتا ہے جو اسے جانتا ہے اور نہ جاننے والا وہی ہے جو پہچان نہیں رکھتا۔[1]

﴿2﴾...اے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بندو علاج کیا کرو[2] کہ بیماری اور دوا دونوں کو پیدا کرنے والا اللہ عَزَّوَجَلَّ ہے۔[3]

1...المعجم الاوسط، ۱/ ۴۲۶، حدیث: ۱۵۶۴

2...سنن ابن ماجہ، کتاب الطب، باب ما انزل اللہ داء...الخ، ۴/ ۸۷، حدیث: ۳۴۳۶

3...المعجم الکبیر، ۲۴/ ۲۵۴، حدیث: ۶۴۹

﴿3﴾... بارگاہِ رسالت میں ایک شخص نے سوال کیا: "کیا دَم اور دَوا تقدیر کا فیصلہ بدل سکتے ہیں؟" ارشاد فرمایا: "ان کا تعلق بھی تقدیرِ الٰہی سے ہے۔"[1]

﴿4﴾... میں ملائکہ کے جس گروہ کے پاس سے گزرا اُس نے مجھے یہی کہا: "آپ اپنی امت کو پچھنے لگانے کا حکم دیجئے۔"[2]

﴿5﴾... (چاند کی) 17، 19 اور 21 تاریخ کو پچھنے لگوایا کرو کہ کہیں خون جوش مار کر تمہیں ہلاک نہ کر دے۔[3]

حدیثِ پاک سے معلوم ہوا کہ موت کا ایک سبب خون کا جوش مارنا ہے کہ یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حکم سے ہلاک کر دیتا ہے نیز یہ معلوم ہوا کہ خون نکلوانے سے اس کا جوش ختم ہو جاتا ہے کیونکہ جسم سے فاسد خون نکالنا ایسے ہی ہے جیسے کپڑوں کے نیچے سے بچھو یا گھر سے سانپ نکالنا۔ ظنی اسباب سے دور رہنا توکل کی شرط نہیں ہے بلکہ انہیں اختیار کرنا گھر میں آگ لگ جانے پر اسے بجھانے کے لئے پانی ڈالنے کی طرح ہے، یوں ہی وکیل کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل نہ کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے۔

﴿6﴾... جو شخص چاند کی 17 تاریخ بروز منگل کو پچھنے لگوائے تو یہ اس کے لئے سال بھر کی بیماری کا علاج ہے۔[4]

جہاں تک علاج کا حکم دینے کی بات ہے تو اس کے متعلق درج ذیل فرامین ہیں۔ حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے کئی صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کے لئے دوائی اور پرہیز تجویز فرمایا۔ ❀...خود بنفسِ نفیس حضرت سیِّدُنا اَسعد بن مُعاذ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کی رَگ سے فاسد خون نکالا۔[5] ❀... حضرت سیِّدُنا سعد بن زرارہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کا جسم داغ کر علاج فرمایا۔[6] ❀... حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم کی دکھتی

---

1 ...سنن ابن ماجه، کتاب الطب، باب ما انزل الله داء... الخ، ۴/ ۸۸، حدیث: ۳۴۳۷

2 ...سنن الترمذی، کتاب الطب، باب ما جاء فی الحجامة، ۴/ ۱۰، حدیث: ۲۰۵۹

3 ...مسند البزار، مسند ابن عباس، ۱۱/ ۱۷۸، حدیث: ۴۹۱۷

4 ...السنن الکبری للبیهقی، کتاب الضحایا، باب ما جاء فی وقت الحجامة، ۹/ ۵۷۲، حدیث: ۱۹۵۳۷

5 ...مسلم، کتاب السلام، باب لکل داء دواء واستحباب التداوی، ص۱۲۱۱، حدیث: ۲۲۰۸

6 ...سنن الترمذی، کتاب الطب، باب ما جاء فی الرخصة وفی ذالك، ۴/ ۹، حدیث: ۲۰۵۷

نوٹ: متن میں "سعد" مذکور تھا جبکہ درست "اسعد" ہے۔ لہٰذا ہم نے اسعد لکھ دیا ہے۔

آنکھوں کو دیکھ کر ارشاد فرمایا: "تم کھجور مت کھاؤ۔" اور جَو کے آٹے میں پکے ہوئے ساگ کی جانب اشارہ کرکے فرمایا: "اسے کھاؤ، یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔"[1] ...حضرت سیِّدُنا صُہَیب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ آنکھ میں تکلیف کے باوجود کھجور کھا رہے تھے، انہیں دیکھ کر ارشاد فرمایا: "تم کھجور کھا رہے ہو حالانکہ تمہاری آنکھ میں تکلیف ہے۔" عرض کی: "(جس آنکھ میں تکلیف ہے اس جانب سے نہیں) دوسری جانب سے کھا رہا ہوں۔" یہ سن کر سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے تبسم فرمایا۔[2]

حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا دوائی استعمال کرنا اور علاج کروانا:

بے شمار احادیث ملتی ہیں کہ ...حضورِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہر رات سُرمہ لگاتے، ہر مہینہ پچھنے لگواتے اور ہر سال دَوا پیا کرتے۔[3] ...کئی مرتبہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے بچھو وغیرہ کے کاٹنے کا علاج کروایا۔[4] ...ایک روایت میں ہے کہ جب وَحی نازل ہوتی تو سَر مبارک میں کچھ تکلیف محسوس ہوتی، لہٰذا آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اپنے سرِ اقدس میں مہندی لگوایا کرتے۔[5] ...جب کبھی زخم لاحق ہوتا تو اس پر مہندی لگاتے اور[6] ...ایک روایت میں زخم پر مٹی چھڑکنا بھی آیا ہے۔[7]

دوائی استعمال کرنے اور علاج تجویز کرنے کے بارے میں بے شمار روایات ہیں نیز اسی موضوع پر ایک کتاب "طِبُّ النَّبِی" کے نام سے بھی ہے۔

علاج کے متعلق انبیائے کرام کے چار واقعات:

﴿1﴾... منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سیِّدُنا موسٰی کلیمُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو مرض لاحق ہوا

---

1 ...سنن الترمذی، کتاب الطب، باب ماجاء فی الحمیة، ۴/ ۳، حدیث: ۲۰۴۳ ...... المعجم الکبیر، ۲۴/ ۲۹۷، حدیث: ۷۵۳

2 ...سنن ابن ماجه، کتاب الطب، باب الحمیة، ۴/ ۹۱، حدیث: ۳۴۴۳

3 ...الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی، ۴/ ۵۰۴، الرقم: ۸۵۰ سیف بن محمد

4 ...المعجم الکبیر، ۲/ ۲۸۷، حدیث: ۲۱۹۶

5 ...المعجم الاوسط، ۴/ ۱۷۶، حدیث: ۵۶۲۹

6 ...سنن الترمذی، کتاب الطب، باب ماجاء فی التداوی بالحناء، ۴/ ۱۱، حدیث: ۲۰۶۱

7 ...مسلم، کتاب السلام، باب استحباب الرقیة من العین... الخ، ص ۱۲۰۶، حدیث: ۲۱۹۴

تو بنی اسرائیل آپ عَلَیْہِ السَّلَام کے پاس آئے اور مرض پہچان کر کہنے لگے: ”اگر فلاں دوائی سے علاج کروائیں گے تو صحت یاب ہو جائیں گے۔“ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا: ”میں علاج نہیں کرواؤں گا، اللہ عَزَّوَجَلَّ مجھے علاج کے بغیر شفا دے گا۔“ مرض بڑھتا گیا تو لوگوں نے پھر کہا: ”فلاں دَوا اس مرض کے لئے آزمودہ اور مشہور ہے ہم اس سے علاج کرتے ہیں تو صحت یاب ہو جاتے ہیں۔“ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے وہی ارشاد فرمایا: ”میں علاج نہیں کرواؤں گا۔“ مرض اسی طرح برقرار رہا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے وحی فرمائی: ”میری عزّت وجلال کی قسم! میں اس وقت تک شفا نہ دوں گا جب تک اس دوائی سے علاج نہ کرواؤ جس کے متعلق لوگوں نے تم سے کہا۔“ پھر آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے لوگوں سے فرمایا: ”فلاں دوائی سے میرا علاج کرو۔“ لوگوں نے آپ کا علاج کیا تو آپ صحت یاب ہو گئے مگر اطمینان قلبی حاصل نہ ہوا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے وحی فرمائی: ”آپ اپنے توکل کے ذریعے میرے طریقۂ کار کو بدلنا چاہتے ہیں! میرے علاوہ کون ہے جو جڑی بوٹیوں میں فوائد رکھتا ہے؟“[1]

﴿2﴾... مروی ہے کہ ایک نبی عَلَیْہِ السَّلَام کو بیماری لاحق ہوئی تو انہوں نے بارگاہِ الٰہی میں فریاد کی۔ حکم ارشاد ہوا: ”انڈے کھاؤ۔“[2]

﴿3﴾... ایک نبی عَلَیْہِ السَّلَام نے بارگاہِ الٰہی میں کمزوری کا ذکر کیا تو وحی فرمائی گئی: ”گوشت کو دودھ کے ساتھ ملا کر کھاؤ کہ ان دونوں میں طاقت ہے۔“[3]

اولاد خوبصورت پیدا ہونے کا نسخہ:

﴿4﴾... ایک قوم نے ایک نبی عَلَیْہِ السَّلَام کی خدمت میں بدصورت اولاد پیدا ہونے کی شکایت کی تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے وحی فرمائی کہ انہیں حکم دیجئے اپنی حاملہ عورتوں کو بِہی دانہ[4] کھلائیں تاکہ اولاد خوبصورت پیدا ہو۔

یہ عمل حمل کے تیسرے چوتھے مہینے میں کرنا چاہئے کیونکہ انہیں مہینوں میں بچے کی صورت بنائی جاتی

---

1 ... قوت القلوب، شرح مقام التوکل ووصف احوال المتوکلین، ۲/ ۳۴

2 ... شعب الایمان للبیھقی، باب فی المطاعم والمشارب... الخ، ۵/ ۱۰۲، حدیث: ۵۹۵۰

3 ... المصنف لابن ابی شیبۃ، کتاب الطب، باب دواء الضعف، ۵/ ۴۶۸، حدیث: ۳

4 ... ایک پھل کا نام جو ناشپاتی اور سیب کے مشابہ ہے۔ (لغت)

ہے۔ لہٰذا وہ لوگ اپنی عورتوں کو حالتِ حمل میں بِہی دانہ اور بچے کی پیدائش کے بعد کھجور کھلایا کرتے۔

مذکورہ واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنی حکمت ظاہر کرنے کے لئے ہر چیز کے ساتھ کسی نہ کسی سبب کا تعلق قائم کیا ہے لہٰذا تمام ادویات اسی طرح اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حکم کی پابند ہیں جس طرح دیگر اسباب پابند ہیں۔ چنانچہ جس طرح بھوک کی دوا روٹی اور پیاس کی دوا پانی ہے اسی طرح صَفراوِی بیماری کی دوا ''سِکَنْجبِیْن'' اور قبض دور کرنے کی دوا ''سَقْمُوْنِیا'' ہے۔ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں مگر دو وجہوں سے:

بیماری اور بھوک پیاس کے اسباب میں فرق:

پہلی وجہ یہ ہے کہ روٹی اور پانی کے ذریعے بھوک و پیاس کا علاج کرنا بالکل ظاہر ہے جسے ہر ایک جانتا ہے جبکہ سِکَنْجبِیْن کے ذریعہ صَفراوی بیماری کے علاج کو بعض لوگ ہی جانتے ہیں اور جو اسے تجربہ کر کے جان لیتا ہے تو یہ اس کے لئے بھوک و پیاس کے علاج کی مانند ہے۔ **دوسری وجۂ فرق** یہ ہے کہ اگرچہ سَقْمُوْنِیا دوائی کا کام قبض دور کرنا اور سِکَنْجبِیْن کا کام صفراوی بیماری کو سکون پہنچانا ہے لیکن باطنی اعتبار سے ان کی کچھ شرطیں اور مزاجی اعتبار سے کچھ اسباب ہیں۔ جب تک مزاج میں تمام اسباب جمع نہ ہو پائیں یا کوئی شرط پائی نہ جائے تو اس وقت دوا قبض دور کرنے میں ناکام رہتی ہے جبکہ پیاس پانی کے علاوہ کسی دوسری شرط یا سبب کو طلب ہی نہیں کرتی، البتہ کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ کئی اسباب جمع ہو جائیں اور کثرت سے پانی پینے کے باوجود پیاس نہ بجھے تو ایسا شاذ و نادر ہوتا ہے۔

مذکورہ دونوں باتوں کی وجہ سے ہی اسباب میں خرابی پیدا ہوتی ہے ورنہ تمام شرطوں کی موجودگی میں سبب پایا جائے تو وہ چیز بھی پائی جائے گی حالانکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کے ساتھ اسباب کو پیدا کرنے والا، مسخر کرنے والا اور ترتیب دینے والا ہے لہٰذا ان چیزوں کے استعمال کرنے سے توکل میں کوئی فرق نہیں آتا جبکہ نظر طبیب اور دوائی پر نہ ہو بلکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ پر ہو۔

شفا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے ہے:

روایت میں ہے کہ حضرت سَیِّدُنا موسیٰ کَلِیْمُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی:

اے میرے رب عَزَّوَجَلَّ! بیماری اور علاج کس کی جانب سے ہے؟ ارشاد ہوا: ”میری جانب سے۔ عرض کی: طبیب کا کیا کام ہے؟ ارشاد فرمایا: ”وہ اپنا رزق کھاتا ہے اور میرے بندوں کو تسلّی دیتا ہے یہاں تک کہ میری طرف سے بندے کو شفا یا موت مل جاتی ہے۔“

علاج کے ساتھ توکل کے معنٰی وہی ہیں جو علم اور کیفیت کے ساتھ توکل کے ہیں جس کی وضاحت فوائد کی حفاظت اور نقصان کا خوف دور کرنے کے مقاصد میں گزر چکی ہے۔ بہر حال علاج بالکل نہ کرنا توکل کی شرط نہیں ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

جسم کو داغ لگا کر علاج کرنا بھی ایک ظاہری نفع بخش سبب ہے (تو یہ کیوں توکل کے مُنافی ہے)؟ **جواب:** جسم داغنے کو ظاہری سبب کہنا درست نہیں کیونکہ ظاہری اسباب تو فَصد کھلوانے یعنی رَگ سے خراب خون نکلوانے، پچھنے لگوانے، قَبض دور کرنے والی دَوا پینے اور جسمانی گرمی والوں کا ٹھنڈی دوائیں استعمال کرنے کی طرح ہوتے ہیں، اگر جسم داغنا ظاہری اسباب میں شامل ہوتا تو اکثر ملکوں میں اس کے ذریعے علاج ہوتا حالانکہ بہت کم ممالک میں علاج کا یہ طریقہ اپنایا جاتا ہے بلکہ یہ تو بعض عرب اور تُرک شہروں میں رائج ہے لہٰذا یہ بھی وہمی اسباب میں سے ہے جیسا کہ جھاڑ پھونک کروانا۔

اسے ظاہری سبب قرار نہ دینے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ داغنے میں آگ کے ذریعے جسم جلایا جاتا ہے حالانکہ اس کا علاج ایسے طریقہ سے بھی ہوتا ہے جس میں جسم جلانا نہ پڑے، نیز آگ کے ذریعے سے علاج کرنے میں جسم پر زخم ہو جاتا ہے جو کہ جلد کو بدنما کر دیتا ہے اور بعض اوقات خراب ہو کر پھیل جاتا ہے جبکہ فصد اور پچھنے لگوانے میں زخم خراب ہوتا ہے نہ کوئی علاج ان کے قائم مقام ہے۔ اسی وجہ سے نبیِّ کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے جسم داغنے سے منع فرمایا [1] نہ کہ جھاڑ پھونک کروانے سے۔ اگرچہ دونوں ہی مُتَوَکِّل کے لئے منع ہیں۔

---

[1] ...بخاری، کتاب الطب، باب الشفاء فی ثلاث، ۴/ ۱۷، حدیث: ۵۶۸۱

حکایت: جسم داغنے کا نقصان

ایک مرتبہ حضرت سیِّدُنا عمران بن حصین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ بیمار ہو گئے، لوگوں نے آپ کو جسم پر داغ لگوانے کا مشورہ دیا تو آپ نے منع کر دیا۔ لوگوں کے اصرار اور حاکمِ وقت کے مجبور کرنے پر آپ نے اپنے جسم پر داغ لگوا لیا۔ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرمایا کرتے: ”پہلے میں نور دیکھا کرتا تھا، آوازیں سنا کرتا تھا، فرشتے مجھے سلام کیا کرتے تھے اور جب سے داغ لگوایا ہے یہ سب چیزیں مجھ سے جدا ہو گئیں۔“ اور یہ بھی فرمایا کرتے: ”میں نے کئی مرتبہ جسم پر داغ لگوائے مگر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! کچھ فائدہ ہوا نہ اس مرض سے چھٹکارا ملا پھر میں نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں توبہ کی تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے فرشتوں کے ساتھ پہلے والے معاملات مجھ پر ظاہر فرما دیئے۔“

فرِشتوں سے ملاقات کا اِعزاز:

ایک مرتبہ حضرت سیِّدُنا عمران بن حصین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے حضرت سیِّدُنا مُطَرِّف بن عبد اللہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے فرمایا: ”کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے فرشتوں کے معاملات لوٹا کر مجھے اعزاز بخشا ہے؟“ آپ نے یہ جملہ اس وقت ارشاد فرمایا جب حضرت سیِّدُنا مُطَرِّف رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کو فرشتوں کے معاملات جدا ہونے کا علم تھا لیکن واپس لوٹانے کا علم نہ تھا۔

داغ لگوانا اور دیگر اس طرح کے علاج ”مُتَوَکِّل“ کے لئے کسی طرح مناسب نہیں، انہیں اختیار کرنے کے لئے کوششیں صَرف کرنا قابلِ مذمت ہے۔ دلیل یہ ہے کہ ان معاملات میں بہت زیادہ غور و فکر اور اسباب پر بھروسا کرنا پڑ جاتا ہے۔

ساتویں فصل: بعض اوقات علاج نہ کرنا خلافِ سُنَّت نہیں بلکہ قابل تعریف اور مضبوط توکل ہے

جان لیجئے! جہاں بے شمار بزرگانِ دین نے علاج کروایا ہے وہاں اکابرین کی ایک بڑی جماعت نے علاج چھوڑا بھی ہے۔ کسی کو یہ گمان پیدا ہو سکتا ہے کہ علاج چھوڑ دینا نقصان دہ عمل ہے، اگر علاج نہ کرنے میں فضیلت ہوتی تو پیارے آقا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم بھی علاج نہ کرواتے کیونکہ کسی کا توکل آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے بہتر نہیں۔

علاج نہ کروانے کے متعلق بزرگانِ دین کی حکایات واقوال

حکایت: طبیب مجھے دیکھ چکا ہے

﴿1﴾... امیر المؤمنین حضرت سیّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیمار ہوئے تو ان کی خدمت میں عرض کی گئی: ”کیا ہم آپ کے لئے طبیب بلوالیں؟“ فرمایا: ”میرا طبیب مجھے دیکھ چکا ہے، اس نے فرمایا ہے کہ میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔“[1]

حکایت: طبیب ہی نے مجھے بیمار کیا ہے

﴿2﴾... حضرت سیّدُنا ابو دَرْدَاء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیمار ہوئے تو کسی نے پوچھا: آپ کو کیا بیماری ہے؟ فرمایا: ”مجھے گناہوں کا مرض ہے۔“ عرض کی گئی: آپ کیا چاہتے ہیں؟ فرمایا: اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتا ہوں۔ لوگوں نے عرض کی: کیا ہم آپ کے لئے کسی طبیب کو بلائیں؟ فرمایا: ”طبیب (یعنی رب عَزَّوَجَلَّ) نے ہی مجھے بیمار کیا ہے۔“[2]

حکایت: آشوب چشم کا علاج نہ کروایا

﴿3﴾... ایک مرتبہ حضرت سیّدُنا ابوذر غفاری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کی آنکھ میں آشوبِ چشم ہوا تو کسی نے عرض کی: آپ آنکھوں کا علاج کروائیں۔ فرمایا: مجھے ان کی فکر نہیں۔ عرض کی گئی: آپ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دعا کیجئے کہ وہ آپ کو اس مرض سے نجات عطا فرمائے۔ فرمایا: میں دعا میں وہ چیز مانگوں گا جو ان آنکھوں سے زیادہ اہم ہے۔[3]

حکایت: فالج کا علاج نہ کروایا

﴿4﴾... حضرت سیّدُنا رَبیع بن خُثَیْم رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کو فالج کا مرض لاحق ہوا تو ان سے کہا گیا: ”آپ اس کا

---

1 ...موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب المحتضرین، ۵/ ۳۱۲، حدیث: ۳۹

2 ...الزھد للامام احمد بن حنبل، زھد ابی الدرداء، ص ۱۶۰، حدیث: ۷۱۶

شرح مسند ابی حنیفة لملا علی القاری، مسند حماد بن ابی حنیفة، تحقیق التوکل والتداوی، ص ۵۹۵

3 ...شرح مسند ابی حنیفة لملا علی القاری، مسند حماد بن ابی حنیفة، تحقیق التوکل والتداوی، ص ۵۹۵

علاج کیوں نہیں کرواتے؟" فرمایا: "میں نے ارادہ کیا تھا پھر مجھے یاد آیا کہ قوم عاد و ثمود اور کنویں والے اور ان کے درمیان جو بہت سی قومیں گزریں ان میں طبیب بھی تھے اور طبیب و مریض دونوں ہی ہلاک ہوئے[1] انہیں ان کے علاج نے کوئی فائدہ نہ دیا۔"

حکایت: علاج نہ کروانا بہتر ہے

﴿5﴾... حضرت سیِّدُنا امام احمد بن حنبل عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَوَّل فرماتے ہیں: میں یہ پسند کرتا ہوں جو شخص توکل کا دعوٰی کرتے ہوئے اس پر چلے اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ علاج کے معاملہ میں دوائی وغیرہ استعمال نہ کرے۔[2]

﴿6﴾... آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کو کئی بیماریاں تھیں اور طبیب کے پوچھنے کے باوجود ان کا اظہار نہ کیا کرتے۔

توکل کب صحیح ہوتا ہے؟

حضرت سیِّدُنا سہل بن عبد اللہ تُستری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی سے کسی نے پوچھا: "بندے کا توکل کب صحیح ہوتا ہے؟" فرمایا: "جب بندہ بیمار ہو اور مالی نقصان ہو تو توکل کی کیفیت میں ان کی طرف بالکل توجّہ نہ کرے بلکہ یوں دیکھے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کے تمام کام سنوار دے گا۔"[3]

علاج نہ کروانے کے چھ اسباب:

بے شمار اکابرین ایسے ہیں جنہوں نے علاج بالکل نہ کیا جبکہ بعض نے اسے ناپسند کیا، اب اس کی وضاحت علاج نہ کرنے کے اسباب ذکر کرکے ہی ممکن ہے کہ علاج نہ کرنے کے باوجود کس طرح نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے افعالِ مُبارکہ پر عمل ممکن ہے۔

...**پہلا سبب:** مریض کا تعلق اہلِ کَشْف سے ہو اور اسے کشف ہو جائے کہ اس کی موت کا وقت آچکا ہے اور اب دَوا کوئی فائدہ نہ دے گی۔ یہ بات کبھی اسے سچے خواب کے ذریعے معلوم ہوتی ہے تو کبھی تجربہ اور گمان کے ذریعے اور کبھی حقیقی کَشْف کے ذریعے۔

1... الزهد لابن المبارك في نسخته زائدا، باب في الصبر على البلاء، ص ۲۵، حديث: ۱۰۰

2... قوت القلوب، شرح مقام التوكل ووصف احوال المتوكلين، ۲/ ۳۶

3... قوت القلوب، شرح مقام التوكل ووصف احوال المتوكلين، ۲/ ۲۵، ۲۶

سیِّدُنا صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ عَنْہ کا کشف:

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کا علاج نہ کروانے کی وجہ یہی سبب تھا کہ آپ اہْلِ کَشْف سے تھے جبھی آپ نے حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے میراث کے معاملہ میں فرمایا: تمہاری دو بہنیں ہیں۔[1] حالانکہ اس وقت ان کی ایک ہی بہن حضرت سیِّدَتُنا اسما رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا تھیں۔ دو بہنیں فرمانے کی وجہ یہ تھی کہ ان کی زوجہ محترمہ حاملہ تھیں جن سے ایک بچی نے پیدا ہونا تھا۔

معلوم ہوا کہ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اپنے کشف سے جان لیا کہ ان کی زوجہ کے پیٹ میں ایک بچی ہے۔ جس طرح آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے یہ جان لیا تو کشف کے ذریعے آپ کا اپنی وفات کا جان لینا آپ کے لئے ذرا بھی مشکل نہ تھا کیونکہ آپ کے بارے میں یہ گمان کیا ہی نہیں جاسکتا کہ پیارے آقا صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو علاج کراتے اور اس کا حکم دیتے ہوئے دیکھیں اور خود علاج نہ کروائیں۔

...**دوسرا سبب:** (علاج نہ کروانے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ) جب مریض توکل کے ساتھ ساتھ فکر آخرت میں مصروف رہتے ہوئے اپنا ذہن یوں بنالے کہ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ اس کی حالت کو جانتا ہے تو وہ اپنے مرض کی تکلیف بھول جاتا ہے اور پھر اس کا دل علاج کی طرف مائل نہیں ہوتا۔

اس کی دلیل حضرت سیِّدُنا ابوذر غفّاری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کا قول ہے جو آپ نے آنکھوں کا علاج نہ کرواتے ہوئے فرمایا: ”مجھے ان کی فکر نہیں۔“ ایک اور دلیل حضرت سیِّدُنا ابو دَرْدَاء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کا قول ہے کہ انہوں نے فرمایا: ”مجھے گناہوں کا مرض ہے۔“ ان کا یہ فرمانا اس وجہ سے تھا کیونکہ ان کا دل گناہوں کے خوف سے اس قدر رنج و غم میں مبتلا ہو جاتا تھا کہ جسمانی بیماری کی تکلیف کی اہمیت بالکل نہ رہتی تھی۔ اس کی مثال یوں ہے کہ کسی شخص کا کوئی رشتہ دار فوت ہو جائے یا اسے سزائے موت کے لئے کسی بادشاہ کے پاس لے جایا جا رہا ہو اور اس سے کہا جائے: ”تمہیں بھوک لگی ہے کھانا کھاؤ گے؟“ تو وہ جواب دے گا: ”مجھے بھوک کا احساس نہیں ہے۔“ اس انکار کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کھانا کھانے کا کوئی فائدہ نہیں اور نہ یہ مطلب ہے کہ کھانا کھانے والے کو برا کہا جائے۔ حضرت سیِّدُنا سہل بن عبد اللہ تُستَری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی کے کلام سے بھی یہی مطلب سمجھ آتا ہے۔

---

[1] ...الموطا للامام مالک، کتاب الاقضیۃ، باب مالا یجوز من النحل، ۲/ ۲۷۰، حدیث: ۱۵۰۳

رزق کیا ہے؟

حضرت سَیِّدُنا سہل بن عبداللہ تُستَرِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی سے کسی نے پوچھا: رزق کیا ہے؟ فرمایا: ہمیشہ زندہ رہنے والی ذات کی یاد۔ اس نے کہا: میرا سوال جسمانی رزق کے بارے میں ہے۔ فرمایا: جسمانی رزق علم ہے۔ اس نے کہا: میں غذا کے بارے پوچھ رہا ہوں۔ فرمایا: غذا ذکر الٰہی۔ بالآخر اس نے کہا: میرا مطلب کھانے والی جسمانی غذا ہے؟ فرمایا: تمہیں جسمانی غذا سے کیا کام! یہ معاملہ اسی پر چھوڑ دو جس کے ذِمّۂ کَرَم پر پہلے تھا، آئندہ بھی اسی کے ذِمّۂ کَرَم پر ہو گا، جب بیماری آئے تو اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سپرد کر دینا، کیا تم نہیں جانتے کہ جب چیز میں کوئی خرابی پیدا ہو جائے تو بنانے والے کو واپس دے دی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ اس کی خرابی دور کر دیتا ہے۔

...**تیسرا سبب:** (علاج نہ کروانے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ) بیماری پرانی ہو جائے اور جس علاج کا مشورہ دیا گیا ہے اس سے شفا ملنا یقینی ہو نہ ظنی بلکہ وہمی ہو یعنی داغ لگوانے اور (غیر شرعی) جھاڑ پھونک کروانے کی طرح ہو۔ ایسی صورت میں ”مُتَوَکِّل“ علاج چھوڑ سکتا ہے۔

حضرت سَیِّدُنا رَبیع بن خُثَیْم رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کا یہ فرمان اسی جانب اشارہ کرتا ہے: ”مجھے قوم عاد و ثمود وغیرہ کئی قومیں یاد آگئیں کہ ان میں طبیب بھی تھے اور طبیب و مریض دونوں ہی ہلاک ہو گئے۔“ یعنی دَوا پر اعتماد نہیں ہونا چاہئے، اس لئے کہ کبھی دوا اَز خود فائدہ مند نہیں ہوتی اور کبھی مریض کے لئے فائدہ مند نہیں ہوتی کہ اسے علم طب پر کوئی مہارت ہوتی ہے نہ اس بارے میں کوئی تجربہ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اَدْوِیات پر تجربہ کار طبیب کا اعتماد دوسروں سے کہیں زیادہ ہوتا ہے اور اسی اعتماد کی بنا پر اس کا یقین بھی زیادہ ہوتا ہے کیونکہ اعتماد تجربہ سے حاصل ہوتا ہے۔

علاج نہ کروانے والے عبادت گزاروں میں سے اکثر کی دلیل یہی ہے کہ دَوا سے شفا ملنا یقینی یا ظنی کے بجائے وہمی اور ناقابل اعتبار ہے۔ ماہرینِ طب کے نزدیک یہ بات بعض ادویات کے متعلق تو درست ہے جبکہ بعض کے متعلق بالکل درست نہیں۔ البتہ عام شخص کبھی تمام ادویات کو ایک ہی نظر سے دیکھتا ہے تو اسے یوں معلوم ہوتا ہے کہ علاج کروا کر اسباب میں ڈوب جانا ایسا ہی ہے جیسا جسم پر داغ لگوانا اور (غیر شرعی) جھاڑ پھونک کروانا، لہٰذا وہ توکل کرتے ہوئے علاج چھوڑ دیتا ہے۔

چوتھا سبب: (علاج نہ کروانے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ) بندہ یوں اچھی نیت کرلے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے ملنے والی آزمائش پر صبر کرکے ثواب پاؤں گا یا تجربہ کرکے دیکھے کہ میرا نفس صبر کی طاقت رکھتا ہے یا نہیں۔

بیماری و مصیبت پر صبر کے متعلق چار فرامینِ مصطفٰے:

﴿1﴾... سب سے زیادہ آزمائشیں انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام پر آتی ہیں پھر درجہ بدرجہ نیچے والوں پر۔ بندے پر آزمائش اس کی ایمانی طاقت کے مطابق آتی ہے اگر ایمان مضبوط ہو تو آزمائش سخت ہوتی ہے اور اگر ایمان کمزور ہو تو آزمائش بھی ہلکی ہوتی ہے۔[1]

﴿2﴾... اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے بندے کو مصیبت میں ڈال کر آزماتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی ایک سونے کو آگ میں ڈال کر پرکھتا ہے، کچھ لوگ خالص سونے کی طرح نکلتے ہیں جن میں ملاوٹ نہیں ہوتی اور کچھ اس سے کم ہوتے ہیں جبکہ کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں جو جلے ہوئے سیاہ کوئلہ کی طرح نکلتے ہیں۔[2]

﴿3﴾... اللہ عَزَّوَجَلَّ جب کسی بندے کو محبوب بنانا چاہتا ہے تو اسے آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے، اگر بندہ اس پر صبر کرے تو اسے چُن لیتا ہے اور اگر اس پر راضی بھی رہے تو اسے اپنے لئے خاص کر لیتا ہے۔[3]

﴿4﴾... کیا تم آوارہ گدھوں کی طرح اس بات کو اچھا سمجھتے ہو کہ بیماری نہ آئے!؟[4]

مومن اور منافق کی پہچان:

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: ”تم مومن کو پاؤ گے کہ اس کا دل صحیح سلامت ہوگا اور جسم بیمار ہوگا جبکہ منافق کو پاؤ گے کہ اس کا جسم صحیح سلامت ہوگا اور دل بیمار ہوگا۔“[5]

جب متوکلین نے بیماری اور مصیبت کے فضائل سنے تو انہوں نے بیماری کو ترجیح دی اور اسے اچھا جانا تاکہ

1... سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ما جاء فی الصبر علی البلاء، ۴/ ۱۷۹، حدیث: ۲۴۰۶

2... المعجم الکبیر، ۸/ ۱۶۶، حدیث: ۷۶۹۸

شعب الایمان للبیہقی، باب فی الصبر علی المصائب، ۷/ ۱۸۱، حدیث: ۹۹۲۴

3... فردوس الاخبار، ۱/ ۱۵۱، حدیث: ۹۷۶

4... شعب الایمان للبیہقی، باب فی الصبر علی المصائب، ۷/ ۱۶۴، حدیث: ۹۸۵۶

5... الزھد للامام احمد بن حنبل، فی فضل ابی ھریرہ، ص ۱۸۴، حدیث: ۹۰۴

ان پر صبر کر کے ثواب پا سکیں یہاں تک کہ ان میں سے کوئی بیمار ہو جاتا تو اپنی بیماری چھپاتا اور طبیب کو نہ بتاتا نیز تکلیف برداشت کرتا اور رضائے الٰہی پر راضی رہتا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ دل پر محبّتِ الٰہی اس قدر غالب ہے کہ جسمانی بیماری اسے کم نہیں کر سکتی جبکہ مرض صرف جسمانی عبادت میں رکاوٹ بنتا ہے نیز یہ بھی جانتا تھا کہ حالَتِ صحت میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے بہتر ہے کہ بندہ تقدیر کے فیصلہ پر راضی ہو کر بیٹھ کر نماز پڑھے۔

حدیثِ پاک میں ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ فرشتوں سے فرماتا ہے: میرے بندے کے لئے وہ نیک اعمال لکھو جو وہ کرتا تھا کہ وہ میری قید میں ہے، اگر اسے آزاد کیا تو پہلے سے اچھا خون اور گوشت دوں گا اور اگر وفات دی تو اپنی رحمت کی جانب بلوالوں گا۔[1]

بہترین عمل:

مروی ہے کہ ”بہترین عمل وہ ہے جسے نفس دشوار جانے۔“[2] کہا گیا ہے کہ اس حدیثِ پاک کا معنیٰ یہ ہے کہ جس پر بیماریاں اور مصیبتیں آئیں۔ آیتِ مبارکہ سے بھی دشوار عمل کی فضیلت کی جانب اشارہ ملتا ہے۔ چنانچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْــٴًـا وَّ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْۚ (پ۲، البقرۃ: ۲۱٦)

ترجمۂ کنزالایمان: اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو۔

سیِّدُنا سہل تُستری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کے اقوال:

(1)... حضرت سیِّدُنا سہل تُستری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: ”نیکیاں کرنے کے لئے علاج کروانے سے بہتر ہے کہ علاج چھوڑ دیا جائے اگرچہ نیکیوں اور فرائض میں کمی ہو۔“

(2)... جب آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ ایک بڑی بیماری میں مبتلا ہوئے تو اپنا علاج نہ کروایا حالانکہ دوسرے لوگ اس بیماری کا علاج کروایا کرتے تھے اور جب آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کسی شخص کو یوں پاتے کہ بیٹھ کر نماز پڑھتا

[1]... المسند للامام احمد بن حنبل، مسند عبد اللہ بن عمرو، ۲/ ۵۵۱، حدیث: ٦٤٩٢
المستدرک، کتاب الجنائز، باب المریض یکتب لہ... الخ، ۱/ ٦٧٠، حدیث: ۱۳۳۰
کتاب المجروحین لابن حبان، ۱/ ۲٦۱، الرقم: ۱۹۸، الجارود بن یزید العامری ابو علی

[2]... العقد الفرید لابن عبد ربہ الاندلسی، کتاب الزمردۃ فی المواعظ والزھد، مکتابۃ جرت بین الحکماء، ۳/ ۹٦

ہے اور نیک اعمال کی طاقت نہیں رکھتا لیکن نیک اعمال کرنے اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کے لئے اپنا علاج کروا رہا ہے تو حیران ہو کر فرماتے: "جسمانی قوت حاصل کرنے اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کے لئے علاج کروانے سے بہتر ہے کہ بندہ بیمار ہو کر رضائے الٰہی پر راضی رہے اور بیٹھ کر نماز پڑھے۔"

(3)...جب آپ سے دوا استعمال کرنے کے متعلق پوچھا جاتا تو فرماتے: "دوا استعمال کرنا جائز ہے کہ اس میں کمزور یقین والوں کے لئے گنجائش ہے، البتہ دوا کے استعمال سے بچنا افضل ہے کیونکہ جو بھی دوا استعمال کی جائے اگرچہ ٹھنڈا پانی ہو اس کے متعلق ضرور پوچھا جائے گا اور جو استعمال نہ کرے گا اس سے کوئی سوال بھی نہ ہو گا۔"

حضرت سیِّدُنا سہل تُستری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی اور بصرہ کے متوکلین اسی راستے کو اپنائے ہوئے تھے کہ خواہشات کی مخالفت اور بھوک برداشت کر کے نفس کو کمزور کیا جائے کیونکہ یہ جانتے تھے کہ توکل، صبر وغیرہ دل کے اعمال کا ایک ذرّہ اور جسمانی اعمال کے پہاڑ برابر عمل سے بھی افضل ہے اور مرض دل کے اعمال میں رکاوٹ اسی وقت بنتا ہے جب تکلیف زیادہ ہو اور بدحواس کر دے۔

(4)...مزید فرماتے ہیں: "جسمانی بیماری رحمت ہے جبکہ دل کی بیماری سزا ہے۔"

...**پانچواں سبب:** (علاج نہ کروانے کا ایک سبب یہ ہے کہ) بندے سے ماضی میں کچھ گناہ سرزد ہو گئے ہوں جن کے بارے میں وہ خوف زدہ ہو اور اس کے کفارے سے عاجز بھی ہو تو یوں نیت کر لے کہ بیماری بڑھ کر اس کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گی اور یہ خوف کرتے ہوئے علاج چھوڑ دے کہ کہیں مرض جلد ختم نہ ہو جائے۔

بخار کی فضیلت پر مشتمل دو فرامینِ مصطفٰے:

﴿1﴾...بندہ بخار اور تپش میں پڑا رہتا ہے یہاں تک کہ زمین پر چلتا ہے تو اس پر برف کے اولے کی طرح کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔[1]

1...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب المرض والکفارات، ۴/ ۲۸۵، حدیث: ۲۱۱

سنن الترمذی، کتاب الطب، باب التداوی بالرماد، ۴/ ۲۵، حدیث: ۲۰۹۳

سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ما جاء فی الصبر علی البلاء، ۴/ ۱۷۹، حدیث: ۲۴۰۶

﴿2﴾...ایک دن کا بخار سال بھر کے گناہوں کا کفارہ ہے۔[1]

ایسا اس لئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ بخار سال بھر کی طاقت ختم کر دیتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انسان کے تین سو ساٹھ جوڑ ہوتے ہیں[2] اور بخار ہر جوڑ پر اثر انداز ہوتا ہے[3] لہٰذا ہر ہر جوڑ تکلیف محسوس کرتا ہے جس کی وجہ سے ہر جوڑ ایک دن کا کفارہ بن جاتا ہے۔

جب شہنشاہِ مدینہ، قرارِ قلب و سینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے یہ ارشاد فرمایا: ”بخار گناہوں کا کفارہ ہے۔“[4] تو حضرت سیِّدُنا زید بن ثابت رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ہمیشہ بخار میں رہنے کی دعا کی۔ چنانچہ انتقال فرمانے تک آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ پر بخار کی کیفیت طاری رہی۔[5]

چند انصاری صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے بھی یہی دعا کی تو ان پر بھی (انتقال فرمانے تک) بخار کی کیفیت طاری رہی۔[6]

نابینا ہونے کی تمنا:

جب نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”اللہ عَزَّوَجَلَّ جس بندے کی دونوں آنکھیں لے لیتا ہے تو اس کے لئے جنّت سے کم ثواب پر راضی نہیں ہوتا۔“[7] یہ سن کر کئی انصاری صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نابینا ہونے کی تمنا کرنے لگے۔

آزمائش پر خوش نہ ہونے والا عالِم نہیں:

حضرت سیِّدُنا عیسٰی عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے فرمایا: ”جو شخص اپنے جسم اور مال پر آنے والی بیماریوں

❶...موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب المرض والکفارات، ۴/ ۲۳۹، حدیث: ۵۰

❷...سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی اماطة الاذی عن الطریق، ۴/ ۴۶۱، حدیث: ۵۲۴۲

❸...المصنف لابن ابی شیبة، کتاب الجنائز، باب ما قالوا فی ثواب الحمی والمرض، ۳/ ۱۱۹، حدیث: ۱۸

❹...مسلم، کتاب البر والصلة، باب ثواب المؤمن فیما یصیبه... الخ، ص ۱۳۹۲، حدیث: ۲۵۷۵، مفهومًا

❺...قوت القلوب، شرح مقام التوکل ووصف احوال المتوکلین، ۲/ ۳۹

❻...شعب الایمان للبیهقی، باب فی الصبر علی المصائب، ۷/ ۱۹۵، حدیث: ۹۹۷۰

❼...سنن الترمذی، کتاب الزهد، باب ما جاء فی ذهاب البصر، ۴/ ۱۸۰، حدیث: ۲۴۰۸، ۲۴۰۹

اور آزمائشوں سے خوش نہیں ہوتا وہ عالم نہیں ہو سکتا کیونکہ امید ہے کہ وہ گناہوں کے لئے کفارہ ہوں۔"

درجات میں اضافے کا باعث:

حضرت سیِّدُنا موسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے ایک شخص کو بڑی آزمائش میں مبتلا دیکھا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں عرض کی: "اے میرے رب عَزَّوَجَلَّ! اس پر رحم فرما۔" اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا: "جو رحم اس پر ہو رہا ہے اس سے زیادہ اور کیا رحم ہو گا۔" یعنی اس آزمائش کے ذریعے اس کے گناہوں کو معاف کر کے اس کے درجات میں اضافہ کیا جا رہا ہے۔

...چھٹا سبب: (علاج نہ کروانے کا ایک سبب یہ ہے کہ) بندے کے دل میں یہ خوف پیدا ہو کہ زیادہ عرصہ تک صحت مند رہنے کی وجہ سے کہیں تکبر اور سرکشی میں نہ پڑ جاؤں۔ ایسی صورت میں اس خوف سے بھی علاج چھوڑ سکتا ہے کہ کہیں علاج کی وجہ سے مرض دور ہونے کے باعث وہ غفلت، تکبر اور نافرمانی میں مبتلا نہ ہو جائے، یونہی لمبی امیدیں رکھنے، واجبات کی ادائیگی میں سستی کرنے اور نیکیوں میں ٹال مٹول کرنے والا نہ بن جائے۔

صحت مند کی تعریف:

صحت منداسے کہا جاتا ہے جس کی جسمانی صفتیں طاقتور ہوں کیونکہ انہیں کے ذریعے خواہشات ابھرتی ہیں اور پھر بھڑک کر گناہوں کی طرف بلاتی ہیں یا کم از کم جائز طریقہ سے لطف اندوز ہونے کی طرف ضرور بلاتی ہیں جو کہ وقت کا ضیاع ہے اور اطاعت پر ہمیشگی اور نفس کی مخالفت اختیار کر کے حاصل ہونے والے بہت بڑے ثواب سے محرومی کا باعث بھی ہے۔

بندۂ مومن جسمانی بیماری سے نہیں بچ سکتا:

جب اللہ عَزَّوَجَلَّ کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے بیماری اور آزمائش میں مبتلا کر کے تنہا نہیں چھوڑتا۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ مومن بندہ جسمانی بیماری، مال کی کمی یا رسوائی سے بچ نہیں سکتا۔ حدیث پاک میں ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ فرماتا ہے: "مفلسی میرا قید خانہ جبکہ بیماری میری بیڑی ہے اور مخلوق میں سے جسے محبوب رکھتا ہوں اسے اس کے ساتھ باندھ دیتا ہوں۔"[1]

---

[1] ...قوت القلوب، شرح مقام التوکل ووصف احوال المتوکلین، ۲/ ۳۸

بیماری جب گناہوں کی سواری اور نافرمانی کے آگے رُکاوٹ بنے تو اس سے بہتر اور کیا بات ہوگی لہٰذا جسے نفس کی سَرکشی کا ڈر ہو اسے علاج کروانا مناسب نہیں ہے کیونکہ گناہوں سے بچے رہنے میں ہی سلامتی ہے۔

گناہ سے بڑھ کر کون سی بیماری ہے؟

ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے کسی شخص سے پوچھا: "مجھ سے جُدا ہو کر کیسے رہے؟" اس نے کہا: "صحیح سلامت رہا۔" بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: "اگر **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی نہ کی تو سلامتی کے ساتھ رہے اور اگر نافرمانی کر چکے ہو تو گناہ سے بڑھ کر کون سی بیماری ہے کہ جو **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی کرے اس کے لئے کوئی سلامتی نہیں۔"

سیِّدُنا علی رَضِیَ اللہُ عَنْہ اور یوم عید:

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم نے عید کے دن عراق کی ایک نبطی قوم کو زیب وزینت کرتے دیکھ کر فرمایا: ان لوگوں نے یہ کیا طریقہ اپنایا ہوا ہے؟ لوگوں نے کہا: امیر المؤمنین! یہ ان کی عید کا دن ہے۔ یہ سُن کر حضرت سیِّدُنا عَلِیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم نے فرمایا: "ہر وہ دن جس میں **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی نہ ہو وہ ہمارے لئے عید کا دن ہے۔"

راحت میں نافرمانی کے متعلق دو فرامین باری تعالیٰ:

﴿1﴾...

مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ

(پ۴، اٰل عمران: ۱۵۲)

ترجمۂ کنز الایمان: بعد اس کے کہ **اللہ** تمہیں دکھا چکا تمہاری خوشی کی بات۔

کہا گیا ہے کہ اس سے مراد عافیت میں نافرمانی کا ارتکاب کرنا ہے۔

﴿2﴾...

كَلَّاۤ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰۤى ۙ﴿۶﴾ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ؕ﴿۷﴾

(پ۳۰، العلق: ۶، ۷)

ترجمۂ کنز الایمان: ہاں ہاں بے شک آدمی سرکشی کرتا ہے اس پر کہ اپنے آپ کو غنی سمجھ لیا۔

اسی طرح آدمی صحت وعافیت کی وجہ سے بھی کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔

فرعون کے خدائی کا دعوٰی کرنے کی وجہ:

ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: فرعون کے خدائی کا دعوٰی کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ طویل عرصہ تک صحت مند رہا کہ چار سو سال گزر گئے مگر اس کے سر میں نہ درد ہوا نہ کبھی بخار ہوا اور نہ ہی کبھی کسی رَگ میں تکلیف ہوئی، اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اس پر لعنت ہو اگر کسی دن آدھے سر میں بھی درد ہو جاتا تو خدائی کا دعوٰی کرنا تو دور کی بات فضول کاموں سے ہی جان چھڑا لیتا۔

موت کا قاصد:

رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "لذتوں کو ختم کرنے والی موت کا کثرت سے ذکر کیا کرو۔"[1] اور کہا گیا ہے کہ بخار موت کا قاصد ہے۔[2]

یعنی بخار موت کی یاد دلاتا اور عمل کرنے میں سستی کو بھگاتا ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اَوَلَا یَرَوْنَ اَنَّهُمْ یُفْتَنُوْنَ فِیْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَیْنِ ثُمَّ لَا یَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ (پ۱۱، التوبۃ: ۱۲۶)

ترجمۂ کنزالایمان: کیا انھیں نہیں سوجھتا کہ ہر سال ایک یا دو بار آزمائے جاتے ہیں پھر نہ تو توبہ کرتے ہیں نہ نصیحت مانتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ آزمانے سے مراد بیماریوں میں مبتلا کرنا ہے۔

حدیثِ پاک میں ہے کہ جب بندہ دو مرتبہ بیمار ہو جائے اور توبہ نہ کرے تو ملک الموت عَلَیْہِ السَّلَام اس سے کہتے ہیں: "اے غافل شخص! میری جانب سے تیرے پاس ایک کے بعد ایک قاصد آیا لیکن تو نے کوئی جواب نہ دیا۔"[3]

ہمارے بزرگانِ دین رَحِمَهُمُ اللہُ الْمُبِیْن کا یہ طریقہ کار ہوتا کہ اگر کسی سال جان یا مال پر کوئی مصیبت نہ آتی تو گھبرا جاتے اور کہتے: "مومن کو ہر چالیس دن میں کوئی نہ کوئی گھبرا دینے والا معاملہ یا آزمائش ضرور پہنچتی ہے۔"

---

1 ...سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ما جاء فی ذکر الموت، ۴/ ۱۳۸، حدیث: ۲۳۱۴

2 ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب المرض والکفارات، ۴/ ۲۴۹، حدیث: ۹۲

3 ...حلیۃ الاولیاء، مجاھد بن جبر، ۳/ ۳۳۳، حدیث: ۴۱۶۲

بخار مومن کا حصہ ہے:

حضرت سیِّدُنا عمار بن یاسر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ایک عورت سے نکاح کیا، وہ کبھی بیمار نہ ہوئی تو آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اسے طلاق دے دی۔

بارگاہِ رسالت میں ایک عورت کے اوصاف بیان کئے گئے یہاں تک کہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس سے نکاح کا ارادہ فرمالیا لیکن کسی نے یہ وصف بیان کر دیا کہ وہ کبھی بیمار نہیں پڑی۔ نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔"[1]

ایک مرتبہ سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے دیگر امراض و تکالیف کے ساتھ ساتھ دردِ سر کا تذکرہ فرمایا تو ایک شخص نے عرض کی: "یہ دردِ سر کیا ہوتا ہے؟ میں اسے نہیں جانتا۔" ارشاد فرمایا: "مجھ سے دور ہو جا! جو کسی جہنمی کو دیکھنا چاہے وہ اسے دیکھ لے۔"[2]

ایسا اس لئے ارشاد فرمایا گیا کہ حدیث پاک میں ہے: "بخار ہر مومن کا حصہ ہے جو کہ جہنم کی آگ سے (اسے پہنچنا) تھا۔"[3]

روزانہ موت کو 20 مرتبہ یاد کرو:

حضرت سیِّدُنا انس اور حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت ہے کہ کسی نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: "یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! کیا قیامت کے دن شہادت کے درجہ پر شہیدوں کے علاوہ کوئی فائز ہوگا؟" ارشاد فرمایا: "ہاں! جو شخص روزانہ موت کو بیس مرتبہ یاد کرے۔"[4]

ایک روایت میں ہے: "اس شخص کا ذکر فرمایا جو اپنے گناہوں کو یاد کرکے غمگین ہو جائے۔"[5]

---

1 ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند انس بن مالک بن النضر، ۴/ ۳۱۱، حدیث: ۱۲۵۸۱

2 ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند ابی ھریرۃ، ۳/ ۲۲۸، حدیث: ۸۴۰۳

3 ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب المرض والکفارات، ۴/ ۲۷۰، حدیث: ۱۶۰

4 ...المعجم الاوسط، ۵/ ۳۸۱، حدیث: ۷۶۷۶، بتغیر

5 ...قوت القلوب، شرح مقام التوکل ووصف احوال المتوکلین، ۲/ ۴۳

اس میں کوئی شک نہیں کہ مریض کو موت زیادہ یاد آتی ہے۔ لہٰذا متوکلین نے جب بیماری کے اتنے فضائل دیکھے تو انہوں نے علاج کروانا چھوڑ دیا تاکہ زیادہ ثواب پاسکیں، یہ وجہ نہ تھی کہ ان کے نزدیک علاج کروانا نقصان دہ عمل تھا اور ایسا عمل نقصان دہ ہو بھی کیسے سکتا ہے جو دو جہاں کے مالک و مختار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی سنّتِ مبارکہ ہو۔

آٹھویں فصل: علاج بالکل نہ کرنے کو اچھا جاننا درست نہیں

اگر کوئی کہے کہ علاج کروانا سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے عمل مبارک کی وجہ سے اُمت کے لئے سنّت ہو گیا ہے ورنہ یہ عمل ان کا ہے جن کا یقین کمزور ہو لہٰذا مضبوط یقین والوں پر علاج چھوڑ کر توکل کرنا واجب ہے تو ایسے شخص کو یوں کہا جائے کہ پھر تو خون کی گرمی کے وقت پچھنے اور فصد سے بچنے کو شرط قرار دیا جائے، اگر وہ جواباً کہے: "یہ بھی شرط ہے۔" تو پوچھا جائے: "اگر یہ بات ہے تو پھر بچھو یا سانپ کے کاٹنے پر ان کے زہریلے اثرات دور نہ کرنا بھی شرط ہونا چاہئے کیونکہ خون کی گرمی باطن کو ڈستی ہے تو بچھو ظاہر کو ڈستا ہے، ان دونوں میں کیا فرق ہے؟" اگر وہ شخص اسے بھی شرط قرار دے تو کہا جائے: "پھر تو پانی کے ذریعے پیاس بجھانی چاہئے نہ روٹی کے ذریعے بھوک مٹانی چاہئے اور نہ ہی گرم کپڑوں کے ذریعے سردی سے بچنا چاہئے۔" ایسی بات کا کوئی اقرار نہیں کرتا نیز ان تمام درجات میں کوئی فرق نہیں کیونکہ ان تمام اسباب کو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ترتیب دیا ہے اور ایک مخصوص طریقے پر جاری فرما دیا ہے۔

مذکورہ تمام باتوں کا توکل کی شرط نہ ہونے کی دلیل صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کا وہ واقعہ ہے کہ جب امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کے ساتھ ملک شام کی جانب سفر کیا اور مقام "جابیہ" کے قریب پہنچے تو خبر آئی کہ شام میں ایک وَبا پھوٹنے کی وجہ سے کافی اموات ہو چکی ہیں، اب صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان دو رائے میں تقسیم ہو گئے، ایک گروہ کی رائے تھی ہم وبا والے مقام پر نہیں جائیں گے کہ یہ خود کو ہلاکت پر پیش کرنا ہے جبکہ دوسرے گروہ کا کہنا تھا ہم جائیں گے اور توکل کریں گے کہ ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی تقدیر سے بھاگ سکتے ہیں نہ موت سے اور اگر ہم نے ایسا کیا تو کہیں ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کے بارے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا:

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِیَارِہِمۡ وَ ہُمۡ اُلُوۡفٌ حَذَرَ الۡمَوۡتِ ۪ (پ۲، البقرۃ: ۲۴۳) ترجمۂ کنزالایمان: اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا تھا انہیں جو اپنے گھروں سے نکلے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے۔

بالآخر معاملہ حضرت سیِّدُنا عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی خدمت میں پیش کیا گیا اور آپ کی رائے معلوم کی گئی تو آپ نے فرمایا: ”ہم واپس لوٹیں گے اور وبا والی جگہ نہیں جائیں گے۔“ اختلاف رائے رکھنے والے گروہ نے عرض کی: ”کیا ہم تقدیر الٰہی سے بچ کر بھاگ سکتے ہیں؟“ فرمایا: ”ہم تقدیر الٰہی سے تقدیر الٰہی کی ہی جانب جارہے ہیں۔“ یہ کہہ کر آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ایک مثال ارشاد فرمائی: ”اگر تم میں سے کسی کے پاس بکریوں کا ریوڑ ہو اور وہ ایسی وادی میں پہنچ جائے جس کی ایک جانب تو سرسبز و شاداب ہو جبکہ دوسری جانب بنجر ہو اگر وہ اپنا ریوڑ سرسبز و شاداب حصہ میں چَراتا ہے تو کیا تقدیر الٰہی کے مطابق نہیں ہوگا، یونہی اپنا ریوڑ بنجر حصہ میں چَرائے تو کیا تقدیر الٰہی کے مطابق نہیں ہوگا؟“ صحابۂ کرام عَلَیۡہِمُ الرِّضۡوَان نے کہا: ”تقدیر الٰہی کے مطابق ہوگا۔“ پھر حضرت سیِّدُنا عبد الرحمٰن بن عوف رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کو رائے جاننے کے لئے بلوایا گیا جو کہ اس وقت موجود نہ تھے۔ حضرت سیِّدُنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اس مسئلہ میں ان کی رائے جاننا چاہی تو انہوں نے کہا: ”امیر المؤمنین! میری رائے وہ ہے جو میں نے رسولُ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے سنا ہے۔“ یہ سن کر حضرت سیِّدُنا عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرط خوشی سے فوراً کہا: ”اَللّٰہُ اَکۡبَر۔“ پھر حضرت سیِّدُنا عبد الرحمٰن بن عوف رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے حدیث بیان کی کہ میں نے رسولُ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو فرماتے سنا کہ ”جب کسی جگہ وبا پھیلنے کی خبر سنو تو وہاں نہ جاؤ اور جب کسی جگہ موجود ہو وہاں وبا پھیل جائے تو وہاں سے مت بھاگو۔“[1] حضرت سیِّدُنا عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ اس فرمان کو سن کر بے حد خوش ہوئے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ادا کیا کہ ان کے رائے حدیثِ پاک کے مطابق ہوئی اور لوگوں کے ساتھ وہاں سے واپس تشریف لے آئے۔

اگر مذکورہ بیماریوں کے علاج معالجہ سے بچنا توکل کی شرط قرار دیا جاتا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ تمام صحابۂ کرام عَلَیۡہِمُ الرِّضۡوَان توکل کو چھوڑ بیٹھیں حالانکہ یہ حضرات توکل کے بلند درجے پر فائز تھے۔

1... بخاری، کتاب الطب، باب ما یذکر فی الطاعون، ۴/ ۲۸، حدیث: ۵۷۲۹

سوال جواب:

سوال: علاج کا سب سے بہتر طریقہ نقصان دِہ چیز سے پرہیز کرنا ہے اور جہاں کی آب وہوا ہی نقصان دہ ہو اس مقام کو نہ چھوڑنے کا حکم دیا، اس فرمان میں کیا حکمت ہے؟

جواب: جان لیجئے! نقصان دہ چیز سے بچنے سے کسی نے منع نہیں کیا چونکہ پچھنے لگوانے اور فصد کھلوانے میں نقصان دہ چیز سے بچنا پایا جاتا ہے لہٰذا اس طرح کے معاملات میں توکل نہ کرنے کی بھی اجازت ہے، لیکن اتنی سی بات سے مقصود ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اعتراض اب بھی باقی ہے، دیکھا جائے تو آب وہَوا سے نقصان پہنچنے کی وجہ اس کا ظاہری بدن سے ٹکرانا نہیں بلکہ مسلسل سانس لینا ہے کہ جب کسی مقام پر جراثیم پائے جائیں اور وہاں زیادہ دیر تک سانس لیا جائے تو جراثیم دل، پھیپھڑوں اور آنتوں کے اندر تک پہنچ جاتے ہیں اور وَبا کا اثر ظاہری بدن پر اس وقت نظر آتا ہے جب اندرونی جسم میں کافی دیر تک اثر انداز رہے، عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے کہ شہر سے باہر نکل جانے کے باوجود بندہ ان جراثیم سے چھٹکارا حاصل نہیں کرپاتا جو کہ جسم میں اپنی جگہ بنا چکے ہوتے ہیں، البتہ یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ شاید چھٹکارا پالوں گا اور یہ خیال جھاڑ پھونک کروانے اور داغ لگوانے وغیرہ وہمی علاج کی طرح ہے، اگر صرف چھٹکارا پالینے کا خیال ہی ہوتا تو وہاں سے نکلنے کی اجازت ہوجاتی اگرچہ یہ توکل کے خلاف ہوتا لیکن منع کرنے کی ایک حکمت اور ہے کہ اگر تمام صحت مند افراد وہاں سے نکل جائیں اور شہر میں طاعون زَدہ مجبور مریضوں کے علاوہ کوئی باقی نہ رہے تو ان کے دل ٹوٹ جائیں گے، کوئی دیکھ بھال کرنے والا ہوگا نہ پانی پلانے والا اور نہ ہی کھانا کھلانے والا، چونکہ وہ خود یہ سب کام نہیں کرسکتے اور یقیناً یہ انہیں ہلاک کرنے کی کوشش ہے حالانکہ جراثیم سے چھٹکارا پالینا بھی ممکن ہے جس طرح صحت مند افراد کے لئے چھٹکارا پالینا ممکن تھا۔

ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اگر لوگ شہر میں ٹھہرتے ہیں تو یہ بات یقینی نہیں کہ انہیں موت آجائے گی اور اگر نکلتے ہیں تو بھی یہ بات یقینی نہیں کہ جراثیم سے چھٹکارا پالیں گے لیکن اگر شہر سے تمام صحت مند لوگ نکل جاتے ہیں اور صرف بیمار ہی باقی رہ جاتے ہیں تو بیماروں کا ہلاک ہونا یقینی ہے جبکہ مسلمان کی مثال تو اس عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کئے ہوئے ہوتا ہے اور اس جسم کی طرح ہے جس کے

ایک عضو کو تکلیف پہنچے تو ہر عضو تکلیف محسوس کرتا ہے۔ ہمارے نزدیک ممانعت کی ظاہری حکمت یہی ہے جبکہ وہ شخص جو ابھی شہر میں داخل نہیں ہوا اس کا حکم جُدا ہے کیونکہ وہاں کی آب وہوا ابھی تک جسم کے اندر اثر انداز نہیں ہوئی اور نہ ہی شہر والوں کو اس کی ضرورت پڑی، البتہ اگر شہر میں بیماروں کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ بچے اور پھر کچھ لوگ ان کے پاس مدد کرنے کی نیت سے داخل ہو جائیں تو یہ مستحب ہے اور انہیں شہر میں داخل ہونے سے روکا نہیں جائے گا کیونکہ ضرر پہنچنا ایک وہمی معاملہ ہے جبکہ مسلمانوں کو نقصان سے بچانا یقینی معاملہ ہے۔ اسی وجہ سے بعض روایتوں میں طاعون سے بھاگنے کو جنگ سے بھاگنا قرار دیا ہے[1] کہ اس میں بھی دیگر مسلمانوں کی حوصلہ شکنی اور انہیں ہلاکت میں ڈالنے کی کوشش پائی جاتی ہے۔

یہ تمام معاملات نہایت باریک ہیں، لہٰذا جو ان میں غور وفکر نہ کرے اور روایتوں کے ظاہری الفاظ دیکھے تو اسے کئی روایتیں ایک دوسرے کے خلاف نظر آئیں گی نیز عابدین اور زاہدین کی غلطیاں اس طرح کے معاملے میں بہت زیادہ ہیں اسی وجہ سے علم کو اعزاز اور فضیلت حاصل ہے۔

سوال: پچھلی گفتگو سے معلوم ہوا کہ علاج چھوڑ دینا افضل ہے حالانکہ سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے علاج کروانے کو پسند فرمایا۔ اگر معاملہ ایسا ہی ہے تو رسولُ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے کیوں اس فضیلت کو ترک فرمایا؟

جواب: ہم کہتے ہیں کہ علاج چھوڑ دینا اس کے لئے افضل ہے جس کے گناہ زیادہ ہوں کہ علاج چھوڑنا گناہوں کا کفارہ بن جائے یا جسے ڈر ہو کہ صحت مند ہو کر اس کا نفس نافرمان ہو جائے گا نیز اس پر شہوتوں کا غلبہ ہو جائے گا یا اس غافل کے لئے ہے جسے موت کو یاد کرنے کی ضرورت ہو یا وہ جو متوکلین اور محبوب بندوں کے مقام کو نہ پاسکے اور علاج چھوڑ کر صابرین کا ثواب پانا چاہے یا وہ شخص جسے معلوم نہ ہو کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ادویات میں کیا خصوصیات اور فوائد رکھے ہیں کیونکہ اس کے لئے علاج وہمی ہوگا جیسے جھاڑ پھونک کروانے کے لئے یا بیماری کی وجہ سے ایسی روحانی کیفیت پاتا ہو جو اسے روک رہی ہو کہ علاج کروائے گا تو روحانیت ختم ہو جائے گی اور یہ اپنے کمزور یقین کی وجہ سے صحت کے ساتھ روحانیت نہ پاسکے گا تو یہ تمام

[1] ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند السیدۃ عائشۃ، ۹/ ۴۷۸، حدیث: ۲۵۱۷۲

باتیں علاج چھوڑ دینے کے اسباب ہیں۔

حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے علاج کروانے کی حکمت:

مذکورہ اسباب میں سے ہر سبب عام انسانوں کے اعتبار سے قابل تعریف ہے لیکن مقامِ مصطفٰے کے اعتبار سے عیب ہے کہ یہ مقام ہر مقام سے بلند وبالا ہے اور کیوں نہ ہو کہ یہ مقام تقاضا کرتا ہے کہ چاہے اسباب پائیں جائیں یا نہ پائے جائیں دونوں صورتوں میں توجّہ کا مرکز ایک ہی ذات ہو لہٰذا رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی توجّہ اسباب کے بجائے اسباب پیدا کرنے والی پاک ذات **اللہ** عَزَّوَجَلَّ پر ہی ہوتی تھی اسی وجہ سے اسباب اختیار کرنے کے باوجود توکل میں کوئی فرق نہ آتا۔

اسے یوں سمجھئے کہ مال میں رغبت رکھنا عیب ہے اور مال کو ناپسند کرتے ہوئے اس سے بے رغبتی اختیار کرنا اگرچہ قابل تعریف ہے لیکن یہی چیز اس شخص کے لئے عیب ہے جس کے نزدیک مال ہونا نہ ہونا برابر ہو لہٰذا سونے اور پتھر دونوں کو برابر سمجھنے والا اس شخص سے زیادہ قابل تعریف ہے جو سونے سے بچے اور پتھر سے نہ بچے، اگرچہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے نزدیک پتھر اور سونا دونوں برابر تھے لیکن کبھی سونا جمع نہ فرمایا کہ اُمت کو مقامِ زُہد کی تعلیم ارشاد فرمانی تھی اور یہ اُمت کی ہمت کا انتہائی درجہ ہے، یہ وجہ نہ تھی کہ حضورِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو اپنے اوپر اعتماد نہ تھا کہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا مقام اس سے بلند ہے کہ دنیا آپ کو دھوکے میں ڈالے اور کیوں بلند نہ ہو کہ زمین کے خزانے آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر پیش کئے گئے تو انہیں قبول کرنے سے منع فرمادیا۔[1] اسی طرح دیگر معاملات میں بھی رسولِ خدا صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے نزدیک اسباب اختیار کرنا نہ کرنا دونوں برابر ہیں، آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے علاج سے دوری اس لئے اختیار نہ فرمائی کہ قدرتِ الٰہیہ کے طریقے پر عمل ہو جائے اور اُمت کے لئے آسانی ہو جائے کیونکہ ان کی ضرورتیں اس سے وابستہ تھیں اور اس میں کچھ نقصان بھی نہ تھا اور اگر مال جمع فرماتے تو اس میں اُمت کا بہت بڑا نقصان ہوتا۔

---

1 ...سنن الترمذی، کتاب الزهد، باب ما جاء فی الکفاف والصبر علیه، ۴/ ۱۵۵، حدیث: ۲۳۵۴

علاج سے ممانعت کی دو صورتیں:

علاج اگر اس وجہ سے ہو کہ نفع دوا سے پہنچتا ہے نہ کہ خالق دوا سے تو علاج کروانا منع ہے، یونہی صحت یاب اس لئے ہونا چاہتا ہے تاکہ گناہ کرے تو بھی علاج منع ہے۔ عام طور پر نہ تو مسلمان کی یہ نیت ہوتی ہے نہ ہی یہ کہ دوا بذات خود فائدہ پہنچاتی ہے بلکہ یہ نیت ہوتی ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اسے نفع بخش سبب بنایا ہے جیسے پانی کہ خود پیاس نہیں بجھاتا اور نہ روٹی خود بھوک مٹاتی ہے۔

علاج کا حکم:

فائدے کے اعتبار سے علاج کا وہی حکم ہے جو کام کاج کرنے کا ہے کہ نیکی پر قوت حاصل کرنے کے لئے کرے تو نیکی ہے اور گناہ میں پڑنے کے لئے کرے تو گناہ ہے اور اگر جائز چیز سے لطف اندوز ہونے کے لئے کرے تو جائز ہے۔

گزشتہ گفتگو سے یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ بعض صورتوں میں علاج چھوڑ دینا افضل ہے اور بعض میں علاج کروانا، یونہی یہ حکم مختلف لوگوں کی جُدا گانہ حالتوں اور نیتوں سے بدل جاتا ہے نیز یہ بھی ظاہر ہو چکا ہے کہ علاج کروانا یا چھوڑ دینا توکل میں شرط نہیں ہے۔ البتہ یہ شرط ضرور ہے کہ وہمی علاج مثلاً داغ لگوانے اور (غیر شرعی) جھاڑ پھونک کروانے سے پرہیز کرے کہ ان کاموں میں مصروف ہونا "مُتَوَکِّل" کے شایانِ شان نہیں۔

نویں فصل: متوکلین کا بیماری ظاہر کرنا اور اسے چھپانا

جان لیجئے! بیماری چھپانا اور محتاجی و دیگر مصیبتوں کا اظہار نہ کرنا نیکیوں کا خزانہ ہے جو کہ بلند ترین مقام ہے کیونکہ تقدیر الٰہی کے فیصلے پر راضی رہنا اور مصیبت پر صبر کرنا ایک ایسا معاملہ ہے جو بندے اور اس کے رب عَزَّوَجَلَّ کے درمیان ہے لہٰذا بیماری و مصیبت کے اظہار سے زیادہ سلامتی اس میں ہے کہ معاملے کو چھپایا جائے اور اگر ارادہ اور نیت درست ہو تو اظہار کرنے میں کوئی حَرَج نہیں۔

بیماری کا اظہار کرنے کی نیتیں:

بیماری کے اظہار کی تین نیتیں ہیں۔

علاج کروانے کی نیت سے اظہار کرنا:

...نیت علاج کروانے کی ہو اور پھر طبیب کے سامنے اس کا اظہار کر دے کہ اب نیت شکایت کرنا نہیں بلکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قدرت کاملہ کے بارے میں خبر دینا ہے جو کہ اس کی ذات پر بیماری کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ چنانچہ حضرت سیِّدُنا بشر حافی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْکَافِی عبد الرحمٰن طبیب کے سامنے اپنی تکالیف کا اظہار کیا کرتے اور حضرت سیِّدُنا امام احمد بن حنبل عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَوَّل جس بیماری میں مبتلا ہوتے اسے بتاتے اور فرماتے: "میں اپنی ذات پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قدرت کے اوصاف بیان کر رہا ہوں۔"

تربیت کی نیت سے اظہار کرنا:

...یہ شخص پیشوا ہو اور پھر بیماری کا اظہار اس نیت سے کرے تاکہ ماتحت افراد بیماری پر نہ صرف صبر کرنا سیکھیں بلکہ شکر ادا کرنا بھی سیکھیں اور یوں ظاہر کرے کہ بیماری ایک نعمت ہے لہٰذا اس پر شکر کرنا چاہئے نیز یوں گفتگو کرے جیسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمتوں کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: "مریض اگر پہلے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی حمد کرے اور شکر ادا کرے پھر تکالیف کو ذکر کرے تو یہ شکوہ نہیں۔"

اپنا عجز ظاہر کرنے کی نیت سے اظہار کرنا:

...بیماری کا اظہار اس نیت سے کرے کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا عاجز اور محتاج بندہ ہے۔ یہ نیت اس شخص کے حق میں بہتر ہے جو طاقتور اور بہادر ہو اور اس کی طرف سے کمزوری کا پایا جانا بہت مشکل ہو۔ چنانچہ مروی ہے کہ چند لوگوں نے امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم کی عیادت کرتے ہوئے پوچھا: "آپ کیسے ہیں؟" فرمایا: "بری حالت میں ہوں۔" ان لوگوں نے ایک دوسرے کی جانب یوں دیکھا گویا اس جواب کو ناپسند کیا ہو اور اسے شکوہ سمجھا ہو۔ حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم نے فرمایا: "کیا میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں بہادری دکھاؤں۔" یعنی آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اپنے آپ کو عاجز اور محتاج بندہ ظاہر کرنا پسند کیا حالانکہ آپ کی بہادری اور شجاعت مشہور تھی، اس کے برخلاف آپ نے

وہ طریقہ اپنایا جو بارگاہِ رسالت سے سیکھا تھا کہ ایک مرتبہ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیمار ہوئے تو دعا کی: ”اے **اللہ** عَزَّوَجَلَّ! مجھے اس مصیبت پر صبر عطا فرما۔“[1] یہ سن کر رسولِ اَکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”تم نے **اللہ** عَزَّوَجَلَّ سے مصیبت طلب کی ہے، اب عافیت طلب کرو۔“

انہی نیتوں کی وجہ سے بیماری کے اظہار کی اجازت ہے کہ ان کا پایا جانا شرط ہے کیونکہ بیماری کا ڈھنڈورا پیٹنا **اللہ** عَزَّوَجَلَّ سے شکوہ و شکایت ہے جو کہ حرام ہے جس طرح فقیر کا بلاضرورت سوال کرنا حرام ہے۔

بیماری کا اظہار کب شکوہ ہے؟

بیماری کا اظہار کرنا اس وقت شکوہ ہو گا جب بیمار ہونے پر ناراضی اور ناگواری کا اظہار ہو جبکہ بیماری کا اظہار یوں کرنا کہ ناگواری اور مذکورہ شرطیں موجود نہ ہوں تو یہ حرام نہیں لیکن بہتر یہی ہے کہ یوں بھی اظہار نہ کیا جائے کہ بسا اوقات اس سے شکوے کا وَہم پیدا ہو جاتا ہے اور کبھی بڑھا چڑھا کر بیماری کا چرچا کر بیٹھتا ہے۔ البتہ جو شخص توکل کی وجہ سے علاج نہ کروائے اسے حق نہیں پہنچتا کہ بیماری کا اظہار کرے کیونکہ راز ظاہر کر کے سکون حاصل کرنے سے بہتر ہے کہ دوا کے ذریعے سکون حاصل کر لیا جائے۔

ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ جس نے مرض کا اظہار کیا وہ صبر نہ کر سکا نیز آیت مبارکہ کا حصہ ”فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ ط (پ۱۳، یوسف: ۸۳، ترجمۂ کنزالایمان: تو اچھا صبر ہے۔)“ کا معنیٰ ایک قول کے مطابق یہی ہے کہ صبر وہ اچھا ہے جس میں شکوہ و شکایت نہ ہو۔

حضرت سَیِّدُنا یعقوب عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی خدمت میں عرض کی گئی: ”کس وجہ سے آپ عَلَیْہِ السَّلَام کی بینائی چلی گئی؟“ فرمایا: ”شدید غموں کے ساتھ لمبا عرصہ گزر جانے کی وجہ سے۔“ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ نے آپ عَلَیْہِ السَّلَام کی طرف وحی فرمائی: ”تم میرے بندوں کے سامنے میری شکایتوں میں مصروف ہو گئے۔“ یہ سن کر آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے کہا: ”اے میرے رب عَزَّوَجَلَّ! میں تیری بارگاہ میں رجوع کرتا ہوں۔“[2]

حضرت سَیِّدُنا طاؤس بن کیسان اور حضرت سَیِّدُنا مجاہد رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِمَا فرماتے ہیں: ”بیمار کا آہ و بکا کرنا

---

[1] ...سنن الترمذی، کتاب الدعوات، باب فی دعاء المریض، ۵/ ۳۲۹، حدیث: ۳۵۷۵

[2] ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب العقوبات، ۴/ ۴۶۶، حدیث: ۱۵۴، بتغیر قلیل

بھی لکھا جاتا ہے۔“[1] اسے ناپسند کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آہ وبکا میں ایسے معنیٰ کا اظہار ہے جو شکوہ کا تقاضا کرتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ”شیطان کو حضرت سیِّدُنا ایوب عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے بیماری میں آہ کے علاوہ کچھ حصہ نہ ملا پس اس نے اسی آہ کو اپنا حصہ خیال کیا۔“[2]

فرشتوں کی دعا سے محروم بیمار:

حدیث پاک میں ہے کہ جب کوئی شخص بیمار ہوتا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ دو فرشتوں کو حکم فرماتا ہے: ”دیکھو! یہ شخص عیادت کرنے والوں سے کیا کہتا ہے؟“ اگر وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر بجالائے اور اچھی بات کہے تو دونوں فرشتے اسے دعا دیتے ہیں اور اگر شکوہ کرے اور بیماری کو برا کہے تو دونوں کہتے ہیں: ”تو اسی حال میں رہ۔“[3]

بیماری میں بھی احتیاط:

بعض بزرگانِ دین عیادت کرنے والوں سے ملنا پسند نہ کرتے کہ کہیں شکوہ وشکایت اور فضول گفتگو نہ ہو جائے جبکہ حضرت سیِّدُنا فضیل بن عیاض، حضرت سیِّدُنا وہیب بن ورد مکی اور حضرت سیِّدُنا بشر حافی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِم کا یہ طریقہ کار ہوتا کہ بیمار ہوتے تو گھر کا دروازہ ہی بند کر لیتے تاکہ کوئی ان کے پاس نہ آئے یہاں تک کہ صحت یاب ہو کر باہر نکلتے۔ حضرت سیِّدُنا فضیل بن عیاض رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: ”میں چاہتا ہوں کہ بیمار ہو جاؤں تو کوئی عیادت کرنے والا نہ ہو۔“ مزید فرماتے ہیں: ”میں بیماری کو صرف عیادت کرنے والوں کی وجہ سے ناپسند کرتا ہوں۔“

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی توفیق اور مدد سے ”توحید و توکل کا بیان“ مکمل ہوا۔

﴿ تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہ   اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ ﴾

﴿ صَلُّوْا عَلَی الْحَبِیْب   صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّد ﴾

1...المصنف لابن ابی شیبۃ، کتاب الجنائز، باب ما قالوا فی ثواب الحمی والمرض، ۳/ ۱۲۱، حدیث: ۳۱

2...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب مکائد الشیطان، ۴/ ۵۴۲، حدیث: ۴۸

3...الموطا للامام مالک بن انس، کتاب العین، باب ما جاء فی اجر المریض، ۲/ ۴۲۹، حدیث: ۱۷۹۸، بتغیر قلیل
موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب المرض والکفارات، ۴/ ۲۳۸، حدیث: ۴۷، بتغیر قلیل

فہرست حِکایات

❋ … ❋ … ❋ … ❋ … ❋

متروکہ عربی عبارات

﴿1﴾… ”لما عوقب علی خطیئۃ لاجل التمثال الذی عبد فی دارہ اربعین یوما“ .

(احیاء العلوم، کتاب التوبۃ، الرکن الرابع، ۴/ ۶۵، مطبوعہ: دار صادر بیروت)

﴿2﴾… ”وبصقت فی وجھہ وفی روایۃ اخرجت عجوز جرۃ فیھا بول فصبتہ علی راسہ“ .

(احیاء العلوم، کتاب التوبۃ، الرکن الرابع، ۴/ ۶۵، مطبوعہ: دار صادر بیروت)

❋ … ❋ … ❋ … ❋ … ❋

آسمانوں میں شہرت رکھنے والے بندے

فرمانِ مصطفٰے: دنیا میں بھوکے رہنے والے لوگوں کی ارواح کو **اللہ** عَزَّوَجَلَّ قبض فرماتا ہے اور ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ اگر غائب ہوں تو انہیں تلاش نہیں کیا جاتا، موجود ہوں تو پہچانے نہیں جاتے، دنیا میں پوشیدہ ہوتے ہیں مگر آسمانوں میں ان کی شہرت ہوتی ہے، جب جاہل و بے علم شخص انہیں دیکھتا ہے تو ان کو بیمار گمان کرتا ہے جبکہ وہ بیمار نہیں ہوتے بلکہ انہیں **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کا خوف دامن گیر ہوتا ہے قیامت کے دن یہ لوگ عرش کے سائے میں ہوں گے جس دن اس کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہو گا۔ (مسند الفردوس، ۱/ ۲۳۵، الحدیث: ۱۶۵۹)

تفصیلی فہرست

❀ ❀ ❀ ❀ ❀

سرکار صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے شہزادے اور شہزادیاں

...**شہزادے:** پیارے مصطفٰے صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے تین شہزادے تھے جن کے اسمائے مُبارَکہ یہ ہیں:

(۱)... حضرت سیِّدُنا قاسم (۲)... حضرت سیِّدُنا ابراہیم (۳)...طَیِّب وطاہر حضرت سیِّدُنا عبدُ اللّٰہ عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان۔

...**شہزادیاں:** مصطفٰے جانِ رحمت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی چار شہزادیاں تھیں جن کے اسمائے مبارکہ یہ ہیں:

(۱)... حضرت سیِّدَتُنا زَیْنَب (۲)... حضرت سیِّدَتُنا رُقَیَّہ (۳)... حضرت سیِّدَتُنا اُمِّ کُلْثُوم (۴)... حضرت سیِّدَتُنا فاطِمَۃُ الزَّہرا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُنَّ۔ (الموھب اللدنیۃ، الفصل الثانی فی ذکر اولاد الکرام، ۴/ ۳۱۳)

ماخذ و مراجع

نام کتاب	مصنف/مؤلف	مطبوعہ
قرآن پاک	کلام باری تعالیٰ	مکتبۃ المدینۃ ۱۴۳۲ھ
ترجمۂ کنزالایمان	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۱۳۴۰ھ	مکتبۃ المدینۃ ۱۴۳۲ھ
خزائن العرفان	مفتی نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۱۳۶۷ھ	مکتبۃ المدینۃ ۱۴۳۲ھ
تفسیر الطبری	امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۱۰ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۰ھ
التفسیر الکبیر	محمد بن عمر بن الحسین رازی شافعی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۶۰۶ھ	دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۰ھ
تفسیر القرطبی	ابوعبد اللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۶۷۱ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۲۰ھ
الدر المنثور	جلال الدین عبد الرحمن سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۹۱۱ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ
تفسیر ابن ابی حاتم	حافظ عبد الرحمٰن بن ابی حاتم الرازی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۲۷ھ	مکتبۃ نزار مصطفی الباز مکۃ المکرمۃ ۱۴۱۷ھ
تفسیر غرائب القرآن	نظام الدین حسن بن محمد قمی نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی بعد ۸۵۰ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۶ھ
حاشیۃ الصاوی	احمد بن محمد الشہیر بالصاوی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۱۲۴۱ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۲۱ھ
روح البیان	علامہ شیخ اسماعیل حقی بروسوی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۱۱۳۷ھ	دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۵ھ
صحیح البخاری	امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۵۶ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۹ھ
صحیح مسلم	امام مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۶۱ھ	دار ابن حزم بیروت ۱۴۱۹ھ
سنن ابن ماجہ	امام محمد بن یزید القزوینی ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۷۳ھ	دار المعرفۃ بیروت ۱۴۲۰ھ
سنن ابی داود	امام ابوداود سلیمان بن اشعث سجستانی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۷۵ھ	دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ
سنن الترمذی	امام محمد بن عیسٰی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۷۹ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
سنن النسائی	امام احمد بن شعیب نسائی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۰۳ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲۰۰۹ء
کتاب المراسیل	امام ابوداود سلیمان بن اشعث سجستانی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۷۵ھ	کتب خانہ رشیدیہ دھلی
المقاصد الحسنۃ	محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی شافعی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۹۰۲ھ	دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۲۵ھ
غریب الحدیث	ابوعبید القاسم بن سلام الھروی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۲۴ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۴ھ
السنن الکبرٰی	امام احمد بن شعیب نسائی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۰۳ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۱ھ
السنن الکبرٰی	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۴۵۸ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۴ھ
الاحاد والمثانی	احمد بن عمرو بن ابی عاصم رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۸۷ھ	دار الرایۃ ریاض ۱۴۱۱ھ
سنن الدارمی	امام عبد اللہ بن عبد الرحمٰن دارمی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۵۵ھ	دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۷ھ
سنن الدارقطنی	امام ابوالحسن علی بن عمر دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۸۵ھ	ملتان پاکستان

الموطأ	امام مالک بن انس اصبحی حمیری رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۱۷۹ھ	دار المعرفۃ بیروت ۱۴۲۰ھ
المستدرک	ابوعبد اللہ محمد بن عبد اللہ الشھیر بالحاکم رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۴۰۵ھ	دار المعرفۃ بیروت ۱۴۱۸ھ
المسند	امام ابوعبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۴۱ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
المسند	سلیمان بن داود بن الجارود طیالسی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۰۴ھ	دار المعرفۃ بیروت
المسند	ابویعلی احمد بن علی موصلی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۰۷ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۸ھ
المسند	ابوبکر احمد بن عمرو المعروف بالبزار رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۹۲ھ	مکتبۃ العلوم والحکم المدینۃ المنورۃ ۱۴۲۴ھ
فضائل فاطمۃ	ابوحفص عمر بن احمد المعروف بابن شاھین رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۸۵ھ	مکتبۃ التربیۃ الاسلامیۃ قاھرہ ۱۴۱۱ھ
المسند	حارث بن محمد المعروف بابن ابی اسامہ رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۸۲ھ	مرکز خدمۃ السنۃ والسیرۃ النبویہ المدینۃ المنورۃ ۱۴۱۳ھ
مسند الشھاب	محمد بن سلامۃ بن جعفر قضاعی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۴۵۴ھ	مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۰۵ھ
الزھد	امام ابوعبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۴۱ھ	دار الغد الجدید المنصورۃ مصر ۱۴۲۶ھ
الزھد	امام ابوعبد الرحمٰن عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۱۸۱ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت
الزھد	حافظ ابوبکر احمد بن عمرو بن ابی عاصم رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۸۷ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۰۸ھ
الزھد الکبیر	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۴۵۸ھ	مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ بیروت ۱۴۱۷ھ
الرسالۃ القشیریۃ	ابوالقاسم عبد الکریم ھوازن قشیری رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۴۶۵ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۸ھ
الاسماء والصفات	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۴۵۸ھ	المکتبۃ الازھریۃ للتراث مصر
النھایۃ فی غریب الحدیث	المبارک بن محمد المعروف بابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۶۰۶ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲۰۱۱م
المصنف فی الاحادیث والآثار	حافظ عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبۃ عبسی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۳۵ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
المصنف	امام حافظ ابوبکر عبد الرزاق بن ھمام رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۱۱ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۱ھ
جامع الاصول	المبارک بن محمد المعروف بابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۶۰۶ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۸ھ
مختصر منھاج القاصدین	احمد بن عبد الرحمٰن بن محمد المقدسی الصالحی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۶۸۹ھ	دار احیاء العلوم بیروت ۱۴۱۸ھ
المعجم الصغیر	حافظ سلیمان بن احمد طبرانی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۶۰ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۰۳ھ
المعجم الاوسط	حافظ سلیمان بن احمد طبرانی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۶۰ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۲۰ھ
المعجم الکبیر	حافظ سلیمان بن احمد طبرانی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۶۰ھ	دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۲ھ
جمع الجوامع	جلال الدین عبد الرحمٰن سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۹۱۱ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۱ھ
جامع الاحادیث	جلال الدین عبد الرحمٰن سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۹۱۱ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
کنز العمال	علی بن حسام الدین متقی ھندی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۹۷۵ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۹ھ
صحیح ابن حبان	امام حافظ ابوحاتم محمد بن حبان رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۵۴ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۷ھ
شعب الایمان	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۴۵۸ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۱ھ

نام کتاب	مصنف	مطبوعہ
کتاب الشریعۃ	محمد بن حسین الآجری شافعی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۶۰ھ	دار الوطن ریاض ۱۴۱۸ھ
فردوس الاخبار	حافظ شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ دیلمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۵۰۹ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۱۸ھ
الفردوس بماثور الخطاب	حافظ شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ دیلمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۵۰۹ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۰۶ھ
نوادر الاصول	محمد بن علی بن حسین حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ متوفی نحو ۳۲۰ھ	مکتبۃ الامام البخاری قاہرۃ مصر ۱۴۲۹ھ
الادب المفرد	امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۵۶ھ	طشقند ۱۳۹۰ھ
شرح السنہ	ابو محمد حسین بن مسعود بغوی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۵۱۶ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۴ھ
شرح اصول اعتقاد......	ہبۃ اللہ بن الحسن البصری لالکائی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۴۱۸ھ	دار البصیرۃ الاسکندریۃ مصر
تنویر الغبش	عبد الرحمن بن علی بن محمد ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۵۹۷ھ	دار الشریف ریاض ۱۴۱۹ھ
شرح الشفا	علامہ قاری علی بن سلطان حنفی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۰۱۴ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۱ھ
قوت القلوب	علامہ ابوطالب محمد بن علی مکی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۸۶ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۶ھ
الزواجر عن اقتراف الکبائر	ابو العباس احمد بن محمد ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۹۷۴ھ	دار المعرفۃ بیروت ۱۴۱۹ھ
فیض القدیر	محمد عبد الرؤوف بن تاج العارفین المناوی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۰۳۱ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۲ھ
تذکرۃ الحفاظ	محمد بن احمد بن عثمان ذہبی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۷۴۷ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۹ھ
تذکرۃ الموضوعات	محمد طاہر بن علی الہندی الفتنی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۹۸۶ھ	ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر
کتاب الدعاء	حافظ سلیمان بن احمد طبرانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۶۰ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۱ھ
مکارم الاخلاق	عبد اللہ بن محمد بن عبید ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۸۱ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۱ھ
مساوئ الاخلاق	محمد بن جعفر السامری خرائطی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۳۲۷ھ	مؤسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت ۱۴۱۳ھ
فتاوی قاضی خان	حسن بن منصور المعروف بقاضی خان رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۵۹۲ھ	پشاور پاکستان
اخلاق النبی وآدابہ	عبد اللہ بن محمد المعروف بابی الشیخ رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۶۹ھ	دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۲۸ھ
الموسوعۃ	عبد اللہ بن محمد بن عبید ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۸۱ھ	المکتبۃ العصریۃ بیروت ۱۴۲۶ھ
مجمع الزوائد	حافظ نور الدین علی بن ابی بکر ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۸۰۷ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۲۰ھ
شرح فقہ اکبر	علامہ قاری علی بن سلطان حنفی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۰۱۴ھ	کراچی پاکستان
تاریخ بغداد	احمد بن علی بن ثابت خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۴۶۳ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۷ھ
العظمۃ	عبد اللہ بن محمد المعروف بابی الشیخ رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۶۹ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۴ھ
حلیۃ الاولیاء	حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۴۳۰ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۸ھ
الطبقات الکبری	محمد بن سعد بن منیع ہاشمی بصری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۳۰ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۸ھ
الدر المختار	علاء الدین محمد بن علی حصکفی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۰۸۸ھ	دار المعرفۃ بیروت ۱۴۲۰ھ
الابانۃ عن شریعۃ......	عبید اللہ بن محمد المعروف بابن بطۃ رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۸۷ھ	دار الرایۃ ریاض ۱۴۱۸ھ

المؤتلف والمختلف	امام ابوالحسن علی بن عمر الدار قطنی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۸۵ھ	شاملہ
اتحاف السادۃ المتقین	محمد بن محمد مرتضٰی زبیدی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۱۲۰۵ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت
جامع بیان العلم	یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۴۶۳ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۸ھ
الاشباہ والنظائر	زین الدین بن ابراھیم الشھیر بابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۹۷۰ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۹ھ
عیون الاخبار	ابو محمد عبد اللہ بن مسلم قتیبہ دینوری رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۷۶ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۸ھ
شرح مسند ابی حنیفۃ	علامہ قاری علی بن سلطان حنفی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۱۰۱۴ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت
بستان الواعظین	عبد الرحمن بن علی بن محمد ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۵۹۷ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۴ھ
المجالسۃ وجواھر العلم	ابو بکر احمد بن مروان دینوری مالکی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۳۳ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۱ھ
الکامل فی ضعفاء الرجال	امام ابو احمد عبد اللہ بن عدی جرجانی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۶۵ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۸ھ
شرح معانی الآثار	ابو جعفر احمد بن محمد مصری طحاوی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۲۱ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۲ھ
المجروحین	امام حافظ ابو حاتم محمد بن حبان رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۵۴ھ	دار الصمیعی ریاض ۱۴۲۰ھ
جامع العلوم والحکم	عبد الرحمن بن شھاب الدین ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۷۹۵ھ	المکتبۃ الفیصلیۃ مکۃ المکرمۃ
العقد الفرید	احمد بن محمد عبد ربہ اندلسی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۲۸ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۷ھ
التذکرۃ	ابو عبد اللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۶۷۱ھ	دار السلام قاھرۃ مصر ۱۴۲۹ھ
شرح الزرقانی علی المواھب	محمد بن عبد الباقی بن یوسف زرقانی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۱۱۲۲ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۷ھ
الحبائک فی اخبار الملائک	جلال الدین عبد الرحمن سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۹۱۱ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۰۸ھ
ذم الھوی	عبد الرحمن بن علی بن محمد ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۵۹۷ھ	پشاور پاکستان
التذکرۃ	محمد بن الحسن بن محمد بن علی بن حمدون رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۵۶۲ھ	شاملہ
المجموع شرح المھذب	ابو زکریا محی الدین بن شرف نووی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۶۷۶ھ	دار الفکر
الشمائل المحمدیۃ	امام محمد بن عیسٰی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۷۹ھ	دار احیاء التراث العربی بیروت
نزھۃ القاری	محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۱۴۲۱ھ	فرید بک اسٹال لاھور پاکستان ۱۴۲۱ھ
فتاوٰی رضویہ	اعلٰی حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۱۳۴۰ھ	رضا فاؤنڈیشن لاھور پاکستان
ملفوظات اعلٰی حضرت	محمد مصطفٰی رضا خان رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۱۴۰۲ھ	مکتبۃ المدینہ کراچی پاکستان ۱۴۳۰ھ
بہار شریعت	مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۱۳۶۷ھ	مکتبۃ المدینہ کراچی پاکستان
مراٰۃ المناجیح	مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۱۳۹۱ھ	ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاھور
عجائب القرآن مع	عبد المصطفٰی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۱۴۰۶ھ	مکتبۃ المدینہ کراچی پاکستان ۱۴۲۷ھ
فیضان سنت جلد اول	ابو بلال محمد الیاس عطار قادری رضوی ضیائی دامت برکاتہم العالیہ	مکتبۃ المدینہ کراچی پاکستان

❃ ... ❃ ... ❃ ... ❃ ... ❃

مجلس المدینۃ العلمیہ کی طرف سے پیش کردہ 271 کُتُب ورسائل

﴿شعبہ کُتب اعلیٰ حضرت﴾

اُردو کُتُب:

01...حقوق العباد کیسے معاف ہوں (اَعْجَبُ الْاِمْدَاد) (کل صفحات:47)
02...کنز الایمان مع خزائن العرفان (کل صفحات:1185)
03...ثبوتِ ہلال کے طریقے (طُرُقُ اِثْبَاتِ هِلَال) (کل صفحات:63)
04... بیاض پاک حُجَّةُ الْاِسْلَام (کل صفحات:37)
05...اولاد کے حقوق (مَشْعَلَةُ الْاِرْشَاد) (کل صفحات:31)
06...اَلْوَظِيْفَةُ الْكَرِيْمَة (کل صفحات:46)
07...ایمان کی پہچان (حاشیہ تمہید ایمان) (کل صفحات:74)
08...حدائق بخشش (کل صفحات:446)
09...راہِ خدا میں خرچ کرنے کے فضائل (رَادُّ الْقَحْطِ وَالْوَبَاء بِدَعْوَةِ الْجِيْرَانِ وَمُوَاسَاةِ الْفُقَرَاء) (کل صفحات:40)
10... کرنسی نوٹ کے شرعی احکامات (كِفْلُ الْفَقِيْهِ الْفَاهِمِ فِيْ اَحْكَامِ قِرْطَاسِ الدَّرَاهِم) (کل صفحات:199)
11...فضائل دعا (اَحْسَنُ الْوِعَاءِ لِاٰدَابِ الدُّعَاءِ مَعَهٗ ذَيْلُ الْمُدَّعَاءِ لِاَحْسَنِ الْوِعَاء) (کل صفحات:326)
12... عیدین میں گلے ملنا کیسا؟ (وِشَاحُ الْجِيْدِ فِيْ تَحْلِيْلِ مُعَانَقَةِ الْعِيْد) (کل صفحات:55)
13...والدین، زوجین اور اساتذہ کے حقوق (اَلْحُقُوْق لِطَرْحِ الْعُقُوْق) (کل صفحات:125)
14...معاشی ترقی کا راز (حاشیہ و تشریح تدبیر فلاح ونجات واصلاح) (کل صفحات:41)
15...الملفوظ المعروف بہ ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت (مکمل چار حصے) (کل صفحات:561)
16...شریعت وطریقت (مَقَالِ عُرَفَا بِاِعْزَازِ شَرْعٍ وَعُلَمَا) (کل صفحات:57)
17...اعلیٰ حضرت سے سوال جواب (اِظْهَارُ الْحَقِّ الْجَلِی) (کل صفحات:100)
18...ولایت کا آسان راستہ (تصورِ شیخ) (اَلْيَاقُوْتَةُ الْوَاسِطَة) (کل صفحات:60)
19... تفسیر صراط الجنان جلد اول (کل صفحات:524)
20... تفسیر صراط الجنان جلد دوم (کل صفحات:495)

عربی کُتُب:

21...جَدُّ الْمُمْتَار عَلٰی رَدِّ الْمُحْتَار (سات جلدیں) (کل صفحات:4000)
22...اَلتَّعْلِيْقُ الرَّضَوِی عَلٰی صَحِيْحِ الْبُخَارِی (کل صفحات:458)
23...اَلْفَضْلُ الْمَوْهَبِی (کل صفحات:46)
24...كِفْلُ الْفَقِيْهِ الْفَاهِم (کل صفحات:74)
25...اِقَامَةُ الْقِيَامَة (کل صفحات:60)
26...اَلْاِجَازَاتُ الْمَتِيْنَة (کل صفحات:62)
27...تَمْهِيْدُ الْاِيْمَان (کل صفحات:77)
28...اَلزَّمْزَمَةُ الْقُمْرِيَّة (کل صفحات:93)
29...اَجْلَی الْاِعْلَام (کل صفحات:70)

﴿شعبہ تراجم کُتب﴾

01...سایۂ عرش کس کس کو ملے گا...؟ (تَمْهِيْدُ الْفَرْشِ فِی الْخِصَالِ الْمُوْجِبَةِ لِظِلِّ الْعَرْش) (کل صفحات:88)
02...مدنی آقا کے روشن فیصلے (اَلْبَاهِرُ فِيْ حُكْمِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْبَاطِنِ وَالظَّاهِر) (کل صفحات:112)

03...نیکیوں کی جزائیں اور گناہوں کی سزائیں (قُرَّةُ الْعُیُوْن وَ مُفَرِّحُ الْقَلْبِ الْمَحْزُوْن) (کل صفحات:142)

04...نصیحتوں کے مدنی پھول بوسیلۂ احادیثِ رسول (اَلْمَوَاعِظ فِی الْاَحَادِیْثِ الْقُدْسِیَّة) (کل صفحات:54)

05...جہنم میں لے جانے والے اعمال (جلد اول) (اَلزَّوَاجِرعَنِ اقْتِرَافِ الْکَبَآئِر) (کل صفحات: 853)

06...جہنم میں لے جانے والے اعمال (جلد دوم) (اَلزَّوَاجِرعَنِ اقْتِرَافِ الْکَبَآئِر) (کل صفحات:1010)

07...جنت میں لے جانے والے اعمال (اَلْمَتْجَرُ الرَّابِح فِیْ ثَوَابِ الْعَمَلِ الصَّالِح) (کل صفحات:743)

08...امام اعظم عَلَیْہِ رَحْمَةُ اللهِ الْاَکْرَم کی وصیتیں (وَصَایَا اِمَام اَعْظَم عَلَیْہِ الرَّحْمَه) (کل صفحات:46)

09...اصلاحِ اعمال (جلد اول) (اَلْحَدِیْقَةُ النَّدِیَّة شَرْحُ طَرِیْقَةِ الْمُحَمَّدِیَّة) (کل صفحات:866)

10...اللہ والوں کی باتیں (جلد اول) (حِلْیَةُ الْاَوْلِیَآء وَ طَبَقَاتُ الْاَصْفِیَآء) (کل صفحات:896)

11...اللہ والوں کی باتیں (جلد دوم) (حِلْیَةُ الْاَوْلِیَآء وَ طَبَقَاتُ الْاَصْفِیَآء) (کل صفحات:625)

12...نیکی کی دعوت کے فضائل (اَلْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْف وَالنَّهْیُ عَنِ الْمُنْکَر) (کل صفحات:98)

13...فیضانِ مزاراتِ اولیاء (کَشْفُ النُّوْر عَنْ اَصْحَابِ الْقُبُوْر) (کل صفحات:144)

14...دنیا سے بے رغبتی اور امیدوں کی کمی (اَلزُّهْد وَقَصْرُ الْاَمَل) (کل صفحات:85)

15...عاشقانِ حدیث کی حکایات (اَلرِّحْلَة فِیْ طَلَبِ الْحَدِیْث) (کل صفحات:105)

16...احیاء العلوم (جلد اول) (اِحْیَاءُ عُلُوْمِ الدِّیْن) (کل صفحات:1124)

17...احیاء العلوم (جلد دوم) (اِحْیَاءُ عُلُوْمِ الدِّیْن) (کل صفحات:1393)

18...احیاء العلوم (جلد سوم) (اِحْیَاءُ عُلُوْمِ الدِّیْن) (کل صفحات:1286)

19... احیاء العلوم (جلد چہارم الف) (اِحْیَاءُ عُلُوْمِ الدِّیْن) (کل صفحات:911)

20...راہِ علم (تَعْلِیْمُ الْمُتَعَلِّم طَرِیْقَ التَّعَلُّم) (کل صفحات:102)

21...اچھے برے عمل (رِسَالَةُ الْمُذَاکَرَة) (کل صفحات:122)

22...حُسنِ اَخلاق (مَکَارِمُ الْاَخْلَاق) (کل صفحات:102)

23...حکایتیں اور نصیحتیں (اَلرَّوْضُ الْفَائِق) (کل صفحات:649)

24...قوت القلوب (مترجم جلد اول) (کل صفحات:826)

25...شکر کے فضائل (اَلشُّکْرُ لِلّٰه عَزَّوَجَلَّ) (کل صفحات:122)

26...شاہراہِ اولیاء (مِنْهَاجُ الْعَارِفِیْن) (کل صفحات:36)

27...احیاء العلوم کا خلاصہ (لُبَابُ الْاِحْیَآء) (کل صفحات:641)

28...آنسوؤں کا دریا (بَحْرُ الدُّمُوْع) (کل صفحات:300)

29...عُیُوْنُ الْحِکَایَات (مترجم حصہ دوم) (کل صفحات:413)

30...آدابِ دین (اَلْاَدَبُ فِی الدِّیْن) (کل صفحات:63)

31...عُیُوْنُ الْحِکَایَات (مترجم حصہ اول) (کل صفحات:412)

32...بیٹے کو نصیحت (اَیُّهَا الْوَلَد) (کل صفحات:64)

﴿شعبہ درسی کُتب﴾

01...تفسیر الجلالین مع حاشیة انوار الحرمین (کل صفحات:364)

02...نزهة النظر شرح نخبة الفکر (کل صفحات:175)

03...منتخب الابواب من احیاء علوم الدین (عربی) (کل صفحات:173)

04...تلخیص اصول الشاشی (کل صفحات:144)

﴿شعبہ تخریج﴾

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُنّت کی بہاریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ عَزَّوَجَلَّ تبلیغِ قراٰن وسنّت کی عالمگیر غیر سیاسی تحریک دعوتِ اسلامی کے مہکے مہکے مَدَنی ماحول میں بکثرت سُنّتیں سیکھی اور سکھائی جاتی ہیں، ہر جُمعرات مغرب کی نَماز کے بعد آپ کے شہر میں ہونے والے دعوتِ اسلامی کے ہفتہ وار سُنّتوں بھرے اجتماع میں رِضائے الٰہی کیلئے اچھی اچھی نیّتوں کے ساتھ ساری رات گزارنے کی مَدَنی اِلتجا ہے۔ عاشقانِ رسول کے **مَدَنی قافلوں** میں بہ نیّتِ ثواب سُنّتوں کی تربیت کیلئے سفر اور روزانہ **فکرِ مدینہ** کے ذَرِیعے **مَدَنی انعامات** کا رسالہ پُر کر کے ہر مَدَنی ماہ کے ابتدائی دس دن کے اندر اندر اپنے یہاں کے ذمّے دار کو جمع کروانے کا معمول بنا لیجئے، اِنْ شَآءَ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ اس کی برکت سے پابندِ سنّت بننے، گُناہوں سے نفرت کرنے اور **ایمان کی حفاظت** کیلئے کُڑھنے کا ذہن بنے گا۔

ہر اسلامی بھائی اپنا یہ ذِہن بنائے کہ **"مجھے اپنی اور ساری دنیا کے لوگوں کی اِصلاح کی کوشش کرنی ہے۔"** اِنْ شَآءَ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ اپنی اِصلاح کی کوشش کے لیے **"مَدَنی اِنعامات"** پر عمل اور ساری دنیا کے لوگوں کی اِصلاح کی کوشش کے لیے **"مَدَنی قافِلوں"** میں سفر کرنا ہے۔ اِنْ شَآءَ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ
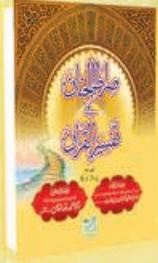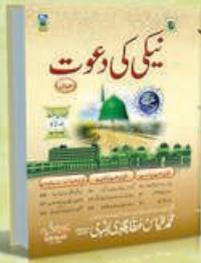
ISBN 978-969-631-368-7
0101915
MC 1286

فیضانِ مدینہ، محلّہ سوداگران، پرانی سبزی منڈی، باب المدینہ (کراچی)
UAN: +923 111 25 26 92 Ext: 1284
Web: www.dawateislami.net / Email: ilmia@dawateislami.net